اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم کانوا اشد منھم قوۃ واثاروا الارض وعمروھا اکثر مما عمروھا وجاءتھم رسلھم بالبینات فما کان اللہ لیظلمھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون (پ ۲۱ ع ۴)

کیا یہ لوگ روئے زمین پر چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے جو لوگ ان سے پہلے گزر گئے اونکا انجام کیسا برا ہوا حالانکہ جو لوگ انسے قوت میں بھی زیادہ تھے اور جس قدر زمین ان لوگوں نے آباد کی ہے اوس سے کہیں زیادہ انلوگوں نے بھی آباد اور طیار کی تھی اور انکے پاس بھی انکے پیغمبر واضح اور روشن دلیلیں لے کر آچکے تھے مگر انلوگوں نے نہ مانا تو خدا نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ لوگ آپ ہی اپنے اوپر ظلم کرتے رہے

الحمد للہ

یہ کتاب غلط ہے۔

اہل تشیع نے صرف کہ اپنے مقاصد کے لیے لکھی ہے

کتاب مستطاب ہدایت مآب

غلط کتاب

مسمے بہ

"جھوٹی کتاب"

حضرت عمرؓ

حصہ ثانیہ

جسمیں خدا کے فضل و کرم سے حضرت عمر بن الخطاب کی ہجرت طرف مدینہ سے وفاۃ تک کے مفصل سوانح حیات کمال تحقیق و جامعیت سے لکھے گئے ہیں

مصنفہ

جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم مدیر جریدۂ مبارکہ اصلاح کھجوا (بہار)

ابن

حضرت فخر المتکلمین سید المحققین ظہیر العلماء والمجتہدین زین الملۃ والدین حجۃ الاسلام والمسلمین کہف الایمان والمومنین آیۃ اللہ فی العالمین مولانا و مقتدانا آقا سید علی اظہر صاحب قبلہ طاب ثراہ وجعل اللہ الجنۃ مثواہ المتوفی

۱۲ شعبان سنہ ۱۳۵۲ ہجری

مطبع اصلاح کھجوا (صوبہ بہار) میں چھپی

بار اول

سنہ ۱۳۵۹ ہجری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا رحمۃ للعالمین
ابی القاسم محمد وآلہ الطاہرین

اس کتاب کے پہلے حصہ میں عرض کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے حالات انشاء اللہ دس باب میں لکھے جائیں گے۔ الحمد للہ کہ پہلے حصہ میں پہلے باب کے حالات پوری تحقیق وجامعیت سے لکھے گئے اب کتاب کے اس دوسرے حصہ میں باقی ابواب لکھے جاتے ہیں۔ خدائے کریم اب بھی ہم پر اپنے کرم واحسان کی بارش کرتا رہے اور پہلے حصہ سے بھی زیادہ اس حصہ کو اپنے پسندیدہ دین اسلام کی سچی خدمت کا ذریعہ قرار دے۔ اس سے باطل کے پردے چاک ہو جائیں جسکے جلوے ہر شخص کو نظر آنے لگیں۔ ظلمت کی گھٹائیں دور ہوں۔ نور کی شعاعیں عالم گیر ہو جائیں۔ ضلالت کے راستے مٹیں۔ ہدایت کی راہیں چمکنے لگیں۔ کذب وزور کی صورتیں محو ہو جائیں۔ صدق وصفا کی شکلیں دکھائی دینے لگیں۔ مذہبی تعصب اور جماعتی جنبہ داری کا اثر غالب ہو جائے اور حق پرستی وصدق پسندی کا دور جاری ہو جائے۔ اس کتاب کا فیض اس درجہ عام ہو کہ ہر مسلمان یخادعون اللہ والذین آمنوا وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون (یہ لوگ خدا کو اور مومنین کو دھوکا دیتے ہیں حالانکہ وہ آپ اپنے ہی کو فریب میں مبتلا رکھتے ہیں اور سمجھتے نہیں پ ۱ ع ۲) کی مصیبت سے نکل آئے اور یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون (اے ایمان والو خدا سے ڈرتے رہو جس قدر اوس سے ڈرنا چاہیئے اور تم خالص دین اسلام کے سوائے کسی مذہب پر بھی نہ مرنا۔ پ ۴ ع ۲) کا پورا عامل بن جائے۔ اھدنا الصراط المستقیم کو وہ اپنی سچی اور قلبی دعا وآرزو قرار دے اور حسبنا ما وجدنا علیہ آباءنا (ہم نے اپنے باپ دادا کو جس طریقہ پر پایا وہی ہمارے لئے کافی ہے پ ۷ ع ۴) کے گمراہ کن اصول سے وہ توبہ کرے۔ مختصر یہ کہ خدا نے جس اسلام کی پیروی کا ہمیں حکم دیا ہے اوسی پر سب دل سے چلیں۔ پروردگار عالم نے جس امر کے پسند کرنے کا وعدہ کیا ہے اُسی کو سب اختیار کریں اور جن باتوں کی وجہ سے اُس کا غضب نازل ہوتا ہے اُن سے علیحدہ رہیں۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

دوسرا باب ۲

پہلی فصل

مدینہ کی زندگی - واقعہ مواخاۃ

مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "حضرت عمر نے بیس آدمیوں کے ساتھ مدینہ کا قصد کیا... مدینہ منورہ کی وسعت چونکہ کم تھی مہاجرین زیادہ تر قباء میں (جو مدینہ سے دو تین میل ہے) قیام کرتے تھے۔ حضرت عمر بھی یہیں رفاعہ بن عبد المنذر کے مکان پر ٹھہرے۔ قباء کو عوالی بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ان کے فرودگاہ کا نام عوالی ہی لکھا ہے۔ حضرت عمر کے بعد اکثر صحابہ نے ہجرت کی۔ یہاں تک کہ ۱۳ نبوی میں خود جناب رسالت پناہ نے مکہ چھوڑا اور آفتاب رسالت مدینہ کے افق سے طالع ہوا۔ مدینہ پہنچکر سب سے پہلے آنحضرتؐ نے مہاجرین کے رہنے سہنے کا انتظام کیا۔ انصار کو بلا کر اُن میں اور مہاجرین میں برادری قائم کی جس کا یہ اثر ہوا کہ جو مہاجر جس انصاری کا بھائی بن جاتا تھا انصاری اوسکو اپنی جائداد، مال، اسباب، نقدی تمام چیزوں میں سے آدھا آدھا بانٹ دیتا تھا اس طرح تمام مہاجرین اور انصار بھائی بھائی بن گئے اس رشتہ کے قائم کرنے میں آنحضرت طرفین کے رتبہ اور حیثیت کا فرق مراتب ملحوظ رکھتے تھے یعنی جو مہاجر جس درجہ کا ہوتا تھا اُسی رتبہ کے انصاری کو اُس کا بھائی بناتے تھے چنانچہ حضرت عمر کو جس کا بھائی قرار دیا اُنکا نام عتبان بن مالک تھا جو قبیلۂ بنی سالم کے سردار تھے" (الفاروق ص۶۰)

حضرت رسولخدا صلعم کو اتفاق و اتحاد کی خاص فکر رہتی تھی اور چاہتے تھے کہ اگر سب لوگ ملکر نہ رہ سکیں تو مسلمان ضرور متفق ہو کر گزر بسر کریں۔ اسی وجہ سے حضرتؐ نے مکہ معظمہ میں بھی مسلمانوں میں مواخاۃ قائم کی اور مدینہ میں بھی۔ علماء محققین نے لکھا ہے ان المواخاۃ انما وقعت مرتین۔ مرۃ بین المہاجرین قبل الہجرۃ و مرۃ بین المہاجرین والانصار بعد الہجرۃ۔ مواخاۃ کا رشتہ دو مرتبہ ہجرت کے بعد ایک مہاجر ایک انصار کے درمیان

(سیرۃ حلبیہ جلد ۲ صـ ۹) علامہ محب طبری نے لکھا ہے وعن ادل دلیل علی عظم منزلتہ من رسول اللہ صنیعہ فی المواخاۃ کما تقدم فانہ جعل یضم الشکل الی الشکل یؤلف بینھما الی ان آخی بین ابی بکر وعمر وادخر علیا لنفسہ وخصہ بذلک فیالھا مفخرۃ وفضیلۃ۔ حضرت علیؑ کو حضرت رسولخدا صلعم کے ہاں جو عظیم الشان منزلت تھی۔ اسکی سب سے بڑی دلیل حضرت کا وہ عمل ہے جو آپ نے مواخاۃ کے موقع پر کیا کیونکہ آنحضرتؐ ایک ایک قسم کے لوگوں کو مواخاۃ سے ملا دیتے تھے یہاں تک کہ حضرت ابوبکر و عمر کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا مگر حضرت علیؑ کو اپنے نفس کے لئے بطور ذخیرہ رکھا اور آپکو خاص اپنی مواخاۃ کے لئے محفوظ کر لیا۔ پس سبحان اللہ حضرت علیؑ کی یہ کیسی فضیلت تھی اور آپ کے لئے کیسا فخر ہوا (ریاض نضرہ جلد ۲ صـ ۲۱۲)۔ مگر علامہ ابن ہشام کے الفاظ کچھ زیادہ معرفت خیز ہیں۔ لکھتے ہیں آخی رسول اللہ بین اصحابہ من المھاجرین والانصار فقال فی ما بلغنا تاخوا فی اللہ اخوین اخوین ثم اخذ بید علی ابن ابی طالب فقال ھذا اخی فکان رسولؐ اللہ سید المرسلین وامام المتقین و رسول رب العالمین الذی لیس لہ خطیر ولا نظیر من العباد وعلی ابن ابی طالب اخوین۔ حضرت رسولخدا صلعم نے اپنے اصحاب یعنی مہاجرین و انصار کے درمیان مواخاۃ قائم کی اور فرمایا تم لوگ اللہ کی راہ میں ایک دوسرے کے بھائی بن جاؤ۔ پھر آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا میرے بھائی یہی ہیں۔ اس طرح حضرت رسولخدا صلعم جو مرسلین کے سردار متقین کے امام اور رب العالمین کے پیغمبر تھے جن کا نہ کوئی مثل ہوا نہ نظیر اور حضرت علی بھائی بھائی قرار پائے (سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ صـ ۲۸۹)۔ اس سے یہ امر بھی واضح ہوا کہ حضرت ابوبکر باوجود اسکے کہ ہجرت کے وقت آنحضرتؐ کے پیچھے چلے آئے اور غار میں بھی حضرت کے ساتھ رہ چکے تھے مگر آنحضرت صلعم نے اپنا بھائی بنانے کے لئے آپ کا انتخاب نہیں فرمایا۔ اور حضرت عمر کو بھی اسکے لئے پسند نہیں کیا۔ البتہ حضرت ابوبکر و عمر میں خاص مناسبت تھی اس سبب سے ان دونوں میں مواخاۃ کا رشتہ قائم کیا۔ اسی طرح حضرت رسولخدا صلعم اور حضرت علیؑ میں پوری مناسبت تھی۔ اس سبب سے آنحضرت نے کل مہاجرین و انصار بلکہ حضرات شیخین کو بھی چھوڑ کر محض حضرت علیؑ کو اپنا بھائی بنایا۔ یہ

Marfat.com

حضرت علیؑ کی وہ فضیلت تھی جس پر حضرت جس قدر فخر و مباہاۃ کرتے بجا تھا ۔ اور حضرت رسول خدا صلعم مواخاۃ بھی بغیر وحی خدا نہیں کر سکتے تھے ۔ تو درحقیقت خدا ہی نے آنحضرت صلعم اور حضرت علی میں مواخاۃ قائم کی ۔ آنحضرت صلعم نے حضرت ابو بکر و عمر کو دنیا ہی کا نہیں بلکہ آخرۃ کا بھائی بھی فرما دیا تھا ۔ قال رسول اللہؐ یا ابا بکر و عمر امرت ان اواخی بینکما انتما اخوان فی الدنیا و الاخرۃ ۔ فلیسلم کل منکما علی الآخر و لیصافحہ فاخذ ابو بکر بید عمر ۔ حضرت رسولؐ نے فرمایا اے ابو بکر و عمر مجھے (خدا کا) حکم ہوا ہے کہ تم دونوں میں مواخاۃ کر دوں ۔ تم دنیا میں بھی ایک دوسرے کے بھائی ہو اور آخرت میں بھی ۔ تو ایک شخص دوسرے کو سلام کرے اور اس سے مصافحہ کرے ۔ اس پر حضرت ابو بکر نے حضرت عمر کا ہاتھ پکڑ لیا (ریاض نضرہ جلد ۱ صـ۱۵) علامہ علی متقی و محب طبری وغیرہ نے لکھا ہے لما اخی النبیؐ بین اصحابہ قال علی لقد ذھب روحی و انقطع ظھری حین رأیتک فعلت باصحابک ما فعلت غیری ۔ جب آنحضرتؐ اپنے اصحاب کے درمیان مواخاۃ کر چکے تو حضرت علیؑ نے کہا یا حضرت میری روح نکل گئی اور میری کمر ٹوٹ گئی کہ دیکھا حضور نے اصحاب کو اس طرح ملایا اور مجھے نہیں ۔ اس پر آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا والذی بعثنی بالحق ما اخرتک الا لنفسی و انت منی بمنزلۃ ھارون من موسےٰ غیر انہ لا نبی بعدی و انت اخی و وارثی ۔ قال و ما ارث منک یا نبی اللہ؟ قال ما ورثت الانبیاء من قبلی ۔ قال و ما ورثتہ الانبیاء من قبلک ؟ قال کتابھم و سنۃ نبیھم و انت معی فی قصری فی الجنۃ مع ناطمۃ ابنتی ۔ ثم تلا رسول اللہؐ اخوان علی سرر متقابلین المتحابون فی اللہ ینظر بعضھم الی بعض ۔ اُس خدا کی قسم جس نے مجھے رسول برحق بنایا میں نے تم کو نہیں چھوڑا مگر اسلئے کہ اپنا بھائی بناؤں اور تم کو مجھ سے وہی درجہ ہے جو جناب ہارون کو حضرت موسےٰؑ سے تھا مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا ۔ تم میرے بھائی ہو اور تم ہی میرے وارث بھی ہوگے ۔ حضرت علیؑ نے پوچھا آپ کی کس چیز کا وارث ہوں گا؟ فرمایا جن چیزوں کے وارث میرے قبل انبیاء ہوتے رہے ہیں ۔ حضرت علیؑ نے پوچھا آپ کا قبل انبیا کس چیز کے وارث ہوتے تھے ؟ فرمایا اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کے اور تم میرے ساتھ میرے ہی قصر میں بہشت میں رہوگے ۔ میری بیٹی فاطمہ بھی اسی قصر

Marfat.com

میں رہیں گی - پھر حضرتؐ نے یہ آیت پڑھی کہ یہ لوگ ایسے بھائی ہیں جو بہشت میں مقابل کے تختوں پر رہیں گے - اللہ کی راہ میں ایک دوسرے سے دوستی کرینگے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہیں گے (ریاض نضرہ جلد ۱ ص۱۵ و کنز العمال جلد ۷ ص۳۹) - یہ بھی حضرتؐ نے فرمایا قم فاصلحت ان تکون اباتراب ا غضبت علے حین واخیت بین المهاجرین والانصار ولم اواخ بینک، وبین احد منهم اما ترضے ان تکون منی بمنزلة هارون من موسے الا انه لیس بعدی نبی - الا من احبک، حف بالامن والایمان ومن ابغضک اماته الله میتة الجاهلیة - اوٹھو کیا یہ فضیلت کم ہے کہ تم ابو تراب ہو - اے علیؑ میں نے مہاجرین وانصار میں مواخاۃ کی اور تمہاری مواخاۃ کسی سے نہیں کی تو تم رنجیدہ ہو گئے کیا تم اس سے خوش نہیں ہوتے کہ تم کو مجھ سے وہی درجہ حاصل ہے جو جناب ہارون کو حضرت موسےٰ سے تھا سوائے اسکے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا - اے علیؑ سن لو جو شخص تم کو دوست رکھے گا وہ امن و ایمان سے بھر دیا جائیگا اور جو تم کو دوست نہیں رکھے گا اوسکو اللہ مرتے وقت کافر اوٹھائیگا (کنز العمال جلد ۷ ص۱۵۲) - اور علامہ ابوالفدا وغیرہ نے لکھا ہے اٰخیٰ رسول اللہؐ فاتخذ رسول اللہ علی ابن ابی طالب اخا وکان علی یقول علی منبر الکوفة ایام خلافته انا عبد الله واخو رسول الله وصاحب ابوبکر وخارجه بن زید اخوین وابو عبیدہ بن الجراح وسعد بن معاذ اخوین وعمر بن الخطاب وعتبان بن مالک اخوین - حضرت رسولخداؐ نے لوگوں میں مواخاۃ کی - خود آنحضرت صلعم نے حضرت علیؑ کو اپنا بھائی بنایا اسی وجہ سے حضرتؑ اپنی خلافت کے زمانہ میں منبر کوفہ پر فرمایا کرتے میں اللہ کا بندہ اور رسولؐ کا بھائی ہوں اور حضرت ابوبکر وخارجہ بن زید اور ابو عبیدہ وسعد بن معاذ اور حضرت عمر و عتبان بن مالک ایک دوسرے کے بھائی بنا دیئے گئے - (تاریخ ابوالفداء جلد ۱ ص۱۲۵) - یہ امر قابل غور ہے کہ حضرت صلعم نے کئی بار اصحاب کے درمیان مواخاۃ کی اور تقریباً ہر مرتبہ حضرت ابوبکر و عمر میں مواخاۃ کی لیکن اپنے اور ان حضرات کے درمیان کبھی مواخاۃ کو پسند نہیں فرمایا - علماء نے تصریح کی ہے اٰخیٰ رسول اللہؐ بین المهاجرین ثم اٰخیٰ بین المهاجرین والانصار وقال فی کل واحدة منهما لعلی انت اخی فی الدنیا والآخرة وآخا بینه وبین نفسه حضرت رسولخدا صلعم نے مہاجرین میں

Marfat.com

مواخاۃ کی پھر مہاجرین و انصار میں مواخاۃ کی اور ہر مرتبہ حضرت علیؑ سے فرمایا کہ دنیا وآخرت میں میرے بھائی تم ہی ہو۔ اور حضرتؐ نے (عملی طور پر) اپنے اور حضرت علیؑ کے درمیان مواخاۃ کر کے اس کا اعلان بھی کر دیا (ریاض نضرہ جلد ا صـ۱۷)

دوسری فصل

جناب سیدہؑ سے شادی کی تمنا اور اس کا نتیجہ

سنہ ۲ ہجری میں جناب سیدہؑ سے شادی کی خواہش حضرت عمر نے کی مگر حضرت رسولخدا صلعم کو اس درخواست ہی سے نہایت صدمہ و ملال ہوا یہ مورخین و محدثین نے لکھا ہے جاء ابوبکر الی النبیؐ فقعد بین یدیہ فقال یا رسولؐ اللہ قد علمت مناصحتی و قدمی فی الاسلام و انی و انی ۔ قال و ما ذاک قال تزوجنی فاطمۃ فسکت عنہ او قال اعرض عنہ فرجع ابوبکر الی عمر فقال ھلکت و اھلکت ۔ قال و ما ذاک ۔ قال خطبت فاطمۃ الی النبیؐ فاعرض عنی ۔ قال مکانک حتے آتی النبیؐ فاطلب مثل الذی طلبت فاتے عمر النبیؐ فقعد بین یدیہ فقال یا رسولؐ اللہ قد علمت مناصحتی و قدمی فی الاسلام و انی و انی ۔ قال و ما ذاک ۔ قال تزوجنی فاطمہ.. فاعرض عنہ فرجع عمر الی ابی بکر ۔ حضرت رسولخداؐ کے سامنے حضرت ابوبکر آکر بیٹھ گئے اور کہا اے رسولؐ آپ میری خیر خواہی اور اسلام میں سبقت کی حالت سے واقف ہیں اور میں ایسا ۔ اور میں ویسا حضرتؐ نے پوچھا تو پھر؟ کہا یہی کہ جناب فاطمہؑ کو مجھ سے بیاہ دیجئے ۔ اس پر حضرتؐ بالکل خاموش ہو گئے یا ان کی طرف سے منہ پھیر لیا ۔ یہ (غیظ و غضب) دیکھکر حضرت ابوبکر حضرت عمر کے پاس گئے اور کہنے لگے میں ہلاک ہو گیا ۔ میں تباہی میں ڈال دیا گیا ۔ حضرت عمر نے پوچھا کیوں کیا ہوا؟ کہا میں نے حضرت فاطمہؑ سے شادی کا پیغام دیا تو آنحضرت صلعم نے میری طرف سے منہ ہی پھیر لیا ۔ حضرت عمر نے کہا اچھا آپ ذرہ ٹھہریئے ۔ میں خود رسولؐ کے پاس جاتا اور یہی درخواست اپنے لئے کرتا ہوں ۔ غرض حضرت عمر بھی جناب رسولؐ کے پاس پہونچے اور روبرو حضرتؐ کے بیٹھکر کہنے لگے اے رسولخداؐ آپ میری بہی خواہی اور

اسلام میں سبقت کرنے کی حالت سے خوب واقف ہیں اور میں ایسا۔ اور میں ویسا حضرتؐ نے پوچھا تو پھر؟ کہا فاطمہؑ کی شادی مجھ سے کر دیں۔ اس پر بھی حضرتؐ (کو اتنا غصہ اور رنج ہوا کہ آپ) نے انکی طرف سے بھی منہ پھیر لیا۔ تب حضرت عمر حضرت ابوبکر کے پاس واپس آئے (کنز العمال جلد ۷ صـ۱۱۳) علامہ ملا علی قاری نے لکھا ہے خطب ابوبکر الی النبیؐ ابنته فاطمة فقال یا ابابکر لم ینزل القضاء۔ ثم خطبها عمر مع عدة من قریش کلهم یقول له مثل قوله لابی بکر۔ فقیل لعلی لو خطبت الی النبیؐ فاطمة عسی ان یزوجکها... فخطبها فقالؐ قد امرنی ربی بذلک قال انس ثم دعانی النبیؐ بعد ایام فقال اخرج وادع لی ابابکر الصدیق وعمر ... فدعوتهم... وکان علیؑ غائبا فقال النبیؐ ... ان الله امرنی ان ازوج فاطمة من علی فاشهدوا انی قد زوجته علی اربعمائة مثقال فضة ان رضی بذلک علی... دخل علی علی النبیؐ فتبسم النبیؐ فی وجهه ثم قال ان الله امرنی ان ازوجک فاطمة ان رضیت بذلک فقال قد رضیت بذلک یا رسول الله ... فقال النبیؐ جمع الله شملکما واسعد جدکما وبارک علیکما واخرج منکما کثیرا طیبا۔ قال انس فوالله لقد اخرج منهما کثیرا طیبا۔ انس بن مالک بیان کرتے تھے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت رسولؐ سے درخواست کی کہ یا حضرتؐ آپ جناب فاطمہ کی شادی مجھ سے کر دیجئے۔ حضرتؐ نے فرمایا اے ابوبکر خدا نے مجھے اسکی اجازت نہیں دی ہے۔ پھر حضرت عمر نے درخواست کی۔ ان کا جواب بھی حضرتؐ نے وہی دیا جو حضرت ابوبکر سے کہا تھا۔ تب لوگوں نے حضرت علیؑ سے کہا اگر آپ خواستگاری کریں تو حضرتؐ ضرور منظور کر لیں گے۔ غرض حضرت علیؑ نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا تو حضرتؐ نے فرمایا ہاں خدا نے تو مجھے اس کا حکم ہی دیا ہے۔ انس کہتے تھے کہ پھر چند دنوں بعد آنحضرتؐ نے مجھے بلایا اور فرمایا ابوبکر عمر عثمان عبدالرحمن۔ سعد۔ طلحہ۔ زبیر اور فلاں فلاں انصار کو بلا لاؤ۔ انس گئے اور سب کو بلا لائے۔ اس وقت حضرت علیؑ کسی ضرورت سے کہیں گئے ہوئے تھے۔ آپ کی غیبت ہی میں حضرت رسولؐ نے ایک خطبہ نکاح پڑھا اسمیں فرمایا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ فاطمہؑ کی شادی علیؑ سے کر دوں۔ تم سب گواہ رہنا کہ میں نے فاطمہؑ کا نکاح

علیؑ سے کر دیا بشرطیکہ علیؑ اس پر راضی ہوں۔ اسکے بعد حضرت علیؑ آگئے تو آپ کو دیکھکر رسولخداؐ خوش ہو گئے اور فرمایا اے علیؑ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ اگر تم راضی ہو تو میں فاطمہؑ کی شادی تم سے کر دوں۔ حضرت علیؑ نے عرض کی حضور! مجھے منظور ہے۔ تب آنحضرتؐ نے دعا کی کہ اللہ تم دونوں کے درمیان میل رکھے۔ تم لوگوں پر اپنی برکتیں نازل کرے اور تم دونوں سے بکثرت اور طیب وطاہر نسل پیدا کرے۔ انس کہتے تھے خدا کی قسم رسولؐ کی دعا مقبول ہوئی اور ان دونوں حضرات سے خدا نے پاکیزہ اور کثیر نسل پیدا کی (مرقاۃ شرح مشکوۃ مطبوعہ مصر جلد ۵ صـ۵۷۵)

تیسری فصل

اذان کی ایجاد

مدینہ منورہ میں پہونچنے کے بعد اذان کی رائے دینا بھی آپ کا بہت شاندار کارنامہ کہا جاتا ہے۔ مولوی شبلی صاحب نے تحریر فرمایا ہے" مدینہ میں پہونچکر اس بات کا وقت آیا کہ اسلام کے فرائض اور ارکان محدود اور معین کئے جائیں کیونکہ مکہ معظمہ میں جان کی حفاظت ہی سب سے بڑا فرض تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اب تک روزہ۔ زکوۃ نماز جمعہ۔ نماز عید۔ صدقۂ فطر کوئی چیز وجود میں نہیں آئی تھی۔ نمازوں میں بھی یہ اختصار تھا کہ مغرب کے سوا باقی نمازوں میں صرف دو دو رکعتیں تھیں یہاں تک کہ نماز کے اعلان کا طریقہ بھی نہیں معین ہوا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے آں حضرتؐ نے اس کا انتظام کرنا چاہا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں نماز کے اعلان کے لئے بوق اور ناقوس کا رواج تھا۔ اسلئے صحابہ نے یہی رائے دی۔ ابن ہشام نے روایۃ کی ہے کہ یہ خود آنحضرتؐ کی تجویز تھی۔ بہرحال مسئلہ زیر بحث تھا اور کوئی رائے قرار نہیں پاتی تھی کہ حضرت عمر آنکلے اور انھوں نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کرنے کے لئے کیوں نہ مقرر کیا جائے۔ رسول اللہ صلعم نے اسی وقت حضرت بلال کو اذان کا حکم دیا۔ یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اذان نماز کا دیباچہ اور اسلام کا ایک بڑا شعار ہے۔

حضرت عمر کے لئے اس سے زیادہ کیا فخر کی بات ہو سکتی ہے کہ یہ شعار اعظم ان ہی کی رائے کے موافق قائم ہوا" (الفاروق صـ۳۷) ۔ مگر محدثین کے سب سے زیادہ معتبر بزرگ امام بخاری نے چند روایتیں لکھی ہیں ۔ پہلی یہ عن انس قال ذکروا النار والناقوس فذکروا الیھود والنصاریٰ فامر بلال ان یشفع الاذان وان یوتر الاقامۃ ۔ جناب انس بیان کرتے تھے کہ لوگوں نے نماز کا اعلان کرنے کے لئے آگ اور ناقوس کی رائے دی ۔ پھر یہود و نصاریٰ کا ذکر ہوا تو آنحضرتؐ نے بلال کو حکم دیا کہ اذان میں دو دو مرتبہ اور اقامت میں ایک دفعہ کہیں [1] (صحیح بخاری پ ۳ صـ۳۳۴ کتاب الاذان) ۔ اس روایت میں حضرت عمر کا نام نہیں اور خود حضرت رسول صلعم کا ذکر ہے کہ حضور ہی نے اذان کا طریقہ مقرر کیا ۔ دوسری وہی جسے مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے ۔ تیسری روایت یہ ہے عن انس قال امر بلال ان یشفع الاذان وان یوتر الاقامۃ الا الاقامۃ ۔ جناب انس بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے بلال کو حکم دیا کہ اذان کے کلمے دو دو مرتبہ اور اقامت میں ایک ایک بار کہیں سوائے قد قامت الصلوٰۃ کے ۔ چوتھی روایت یہ ہے عن انس قال لما کثر الناس قال ذکروا ان یعلموا وقت الصلوٰۃ بشئ یعرفونہ فذکروا ان یورو نارا او یضربوا ناقوسا فامر بلال ان یشفع الاذان ویوتر الاقامۃ ۔ جناب انس بیان کرتے تھے کہ جب لوگوں نے اس بات میں زیادتی کی کہ نماز کا وقت ایسی چیز سے واضح کیا جائے جس سے لوگوں کو خبر ہو جایا کرے تو کچھ لوگوں نے رائے دی کہ آگ روشن کر دی جایا کرے ۔ کچھ نے کہا ناقوس بجایا جائے مگر حضرت رسولخدا صلعم نے بلال کو حکم دیا کہ اذان کہیں ۔ اذان میں دو دو بار کلمے

---

[1] مولوی وحید الزماں خاں صاحب نے لکھا ہے امر بلالا ان یشفع الاذان ویوتر الاقامۃ ۔ آنحضرتؐ نے بلال کو یہ حکم دیا کہ اذان کے کلمے دو دو بار کہیں اور اقامت کے ایک ایک بار ۔ مگر اذان میں شروع میں اللہ اکبر چار بار ہے اور اخیر میں کلمہ توحید ایک بار اور اقامت میں صرف قد قامت الصلوٰۃ دو بار کہے باقی سب کلمے ایک ایک بار" (انوار اللغۃ پ ۱۳ صـ۸۸)

کہیں اور اقامت میں ایک ایک بار (صحیح بخاری پ ۳ صـ۳۳۶ کتاب الاذان)۔ کیا یہ انتہا درجہ کا حیرت خیز امر نہیں ہے کہ صحیح بخاری میں اذان کے متعلق چار روایتیں ہیں جن سے تین کا مضمون یہ ہے کہ خود حضرت رسولخدا صلعم نے اذان دینے کا حکم دیا۔ اور ان تینوں روایتوں میں حضرت عمر کا نام تک نہیں ہے۔ صرف ایک روایت میں آپ کا ذکر ہے۔ مگر مولوی شبلی صاحب کو حضرت عمر کے مفاخر بیان کرنے کی اتنی فکر تھی کہ جن تین روایتوں میں حضرت رسولخدا صلعم کے حکم دینے کا ذکر تھا ان سب کو نظر انداز کر دیا اور جس ایک اور صرف ایک روایت میں حضرت عمر کا بیان تھا اس کو اس زور شور سے بیان کیا کہ معلوم ہوتا ہے سیکڑوں روایتیں صرف اسی مضمون کی ہیں۔ اس امر میں مولوی صاحب نے اس قدر اہتمام کیا کہ الفاروق لکھنے کے مدت بعد سیرۃ النبیؐ لکھی اس میں بھی اس بات پر زور دیا کہ اذان حضرت عمر ہی کی ایجاد ہے۔ ممدوح کی عبارت پڑھو" نماز جماعت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ لوگ آگے پیچھے آتے اور جو جس وقت آتا نماز پڑھ لیتا۔ آنحضرتؐ کو یہ پسند نہ تھا۔ آپ نے ارادہ فرمایا کہ کچھ لوگ مقرر کر دیئے جائیں جو وقت پر لوگوں کو گھروں سے بلا لائیں۔ لیکن اسمیں زحمت تھی صحابہ کو بلا کر مشورہ کیا۔ لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ کسی نے کہا نماز کے وقت مسجد پر ایک عَلَم کھڑا کر دیا جائے۔ لوگ دیکھ دیکھ کر آتے جائیں گے۔ آپ نے یہ طریقہ ناپسند فرمایا۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں اعلان نماز کے جو طریقے ہیں وہ بھی آپ کی خدمت میں عرض کئے گئے لیکن آپ نے حضرت عمر کی رائے پسند کی اور حضرت بلال کو حکم دیا کہ اذان دیں۔ اس سے ایک طرف تو نماز کی اطلاع عام ہو جاتی تھی۔ دوسری طرف دن میں پانچ دفعہ دعوت اسلام کا اعلان ہو جاتا تھا۔

صحاح ستہ کی بعض کتابوں میں ہے کہ اذان کی تجویز عبداللہ بن زید نے پیش کی تھی جو انھوں نے خواب میں دیکھی تھی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر کو بھی خواب میں تو ارد ہوا لیکن صحیح بخاری کی روایت کے مقابلہ میں کسی روایت کو ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ بخاری میں صاف تصریح ہے کہ آنحضرتؐ کے سامنے بوق اور ناقوس کی تجویزیں پیش کی گئیں لیکن حضرت عمر نے اذان کی تجویز پیش کی اور

Marfat.com

آپ نے اس کے موافق حضرت بلال کو بلا کر اذان کا حکم دیا۔ خواب کا ذکر نہیں" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ ص ۲۰۲)۔ اگر مولوی صاحب زندہ ہوتے تو ان سے سوال کیا جاتا کہ اسی صحیح بخاری میں اگر ایک جگہ تین روایتیں بتائیں کہ اذان کی تجویز حضرت رسولخدا صلعم نے خود کی اور صرف ایک روایت بتائے کہ حضرت عمر نے اسکی رائے دی تو اجماع کس طرف سمجھا جائے گا اور کس قول کو اختیار کرنا مناسب ہے۔ اسکے ساتھ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ حضرت عمر کی رائے دینے کی روایت صرف آپ کے فرزند ذی شان عبداللہ کی ہے کسی اور صحابی نے اس کو نہیں بیان کیا (دیکھو صحیح بخاری) برخلاف اسکے حضرت رسولخدا صلعم کے اپنی تجویز سے بلال کو حکم دینے کی روایت جناب انس سے ہے جو حضرت رسولخدا صلعم کے بیٹے نہیں تھے اور جن کو کوئی وجہ نہیں تھی کہ حضرت عمر کی فضیلت کو چھپائیں۔ اب ہر شخص خود فیصلہ کرلے کہ اذان کی ایجاد واقعاً حضرت عمر کی رائے سے ہوئی یا حضرت رسولخدا صلعم کی تجویز سے۔ اگر اب بھی دقت ہو تو اسی صحیح بخاری کی شرح سے اس مشکل کو آسان کرو ادل من اذن بالصلوۃ جبریل فی سماء الدنیا۔ سب سے پہلے نماز کی اذان دنیا کے آسمان میں جناب جبریلؑ نے دی۔ عن طریق سالم بن عبد اللہ بن عمر عن ابیہ قال لما اسری بالنبیؐ اوحی اللہ الیہ الاذان فنزل بہ فعلمہ بلالا۔ حضرت عمر کے بیٹے عبداللہ کے فرزند سالم کے طریق سے یہ روایت ہے کہ جب حضرت رسولخدا صلعم کو معراج ہوئی تو خدا ہی نے حضرتؐ کو وحی کے ذریعہ سے اذان کا طریقہ بتایا۔ حضرتؐ یہ حکم لے کر معراج سے واپس تشریف لائے تو بلال کو اذان سکھائی۔ من حدیث انس ان جبریل امر النبیؐ بالاذان حین فرضت الصلوۃ۔ جناب انس کی حدیث میں ہے کہ جناب جبرئیلؑ نے حضرت رسولخدا صلعم کو اذان کا حکم دیا جب نماز فرض ہوئی۔ من حدیث علی قال لما اراد اللہ ان یعلم رسولہ الاذان اتاہ جبریل بدابۃ یقال لہا البراق فرکبہا فذکر الحدیث۔ حضرت علیؑ کی حدیث میں ہے کہ جب خدا نے ارادہ کیا کہ اپنے رسولؐ کو اذان کی تعلیم کرے تو حضرتؐ کے پاس جبرئیلؑ براق لائے۔ حضرتؐ اس پر سوار ہو کر معراج میں تشریف لے گئے اور وہاں خدا نے آپ کو اذان کی تعلیم دی (صحیح بخاری مع

Marfat.com

شرح فتح الباری مطبوعہ دہلی پ ۳ ص ۳۴۳ کتاب الاذان)۔ اور علامہ احمد بن خطیب قسطلانی نے اپنی کتاب مواہب لدنیہ میں اسکی تحقیقات بڑی فراخ حوصلگی سے کی ہے اس وجہ سے اس عبارت کا ترجمہ بھی درج کر دینا مناسب ہے لکھتے ہیں" ابتداء اذان کے بارے میں علماء نے بہت کچھ اختلاف کیا ہے۔ بعضوں کا یہ قول ہے کہ ہجرت کے پہلے سال میں اذان کا حکم جاری ہوا تھا۔ اور بعض اسکے مدعی ہیں کہ ۲ھ ہجری میں اسکی ابتدا رہے۔ بعض کا یہ قول ہے کہ چونکہ اوقات نماز معین تھے اس لئے نماز پڑھنے والے اپنے وقت پر خود ہی بغیر کسی طرح بُلائے پہونچ جاتے تھے مگر ابن سعد یہ روایت کرتے ہیں کہ جناب بلال الصلوٰۃ جامعۃ کی صدا بلند کرتے کہ یہی اوس وقت کی اذان تھی۔ جناب رسولخدا صلعم نے ۲ھ ہجری میں اپنے اصحاب سے مشورہ کیا کہ نماز میں لوگوں کے یک جا کرنے کے لئے کون سی تدبیر اختیار کی جائے۔ اس تین تجویزیں پیش ہوئیں (۱) مثل نصارے ناقوس پھونکی جائے (۲) یہود کی طرح بوق بنائے جائیں (۳) ہر نماز کے لئے آگ روشن کی جائے جس کو دیکھکر مجمع فراہم ہو جایا کرے۔ مگر ابھی تک کوئی راے نہیں قائم ہوئی تھی کہ عبداللہ بن زید بن ثعلبہ بن عبد ربہ نے جو صحابی تھے خواب میں دیکھا کہ کسی نے یہ طریقہ اذان کا تعلیم کیا اور اوسی نے خدمت رسولؐ میں آکر عرض کیا۔ امام احمد بن حنبل نے معاذ بن جبل سے روایت کی ہے کہ خواب دیکھنے والے معاذ بن جبل ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا اور اگر کہوں کہ وہ خواب نہیں تھا تو سچ ہوگا کہ ایک شخص جس پر دو سبز کپڑے پڑے ہیں قبلہ رُخ ہوا اور کھڑے ہو کر اوس نے دو دو مرتبہ اللہ اکبر کہا جس طرح اذان کہی جاتی ہے۔ اس پر حضرتؐ نے فرمایا کہ یہ خواب سچ ہے۔ جاؤ بلال کو تعلیم کرو کہ اذان کہیں کیونکہ ان کی آواز تم سے زیادہ پاٹ دار ہے۔ معاذ بن جبل کہتے تھے کہ میں بلال کو اذان سکھا رہا تھا اور وہ بہ آواز بلند کہتے جاتے تھے کہ حضرت عمر نے اس کو اپنے گھر میں سُن لیا۔ وہ وہاں سے ردا کھینچتے ہوئے نکلے اور قسم کھا کر کہتے تھے کہ ہم نے بھی یہی خواب دیکھا ہے۔ امام طبرانی نے اوسط میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابو بکر نے بھی بیان کیا کہ میں نے یہی خواب دیکھا ہے اور امام غزالی وسیط

Marfat.com

ہیں لکھتے ہیں کہ دس آدمیوں سے زیادہ لوگوں نے اس کا ادعا کیا اور عبارۃ جیلی شرح تنبیہ میں یہ ہے کہ چودہ آدمی اسکے مدعی ہوئے تھے مگر ابن صلاح و امام نووی منکر ہیں۔ اور سیرۃ مغلطائی میں ہے کہ انصار سے سات آدمیوں نے اس کا دعوے کیا۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق سے صرف عبداللہ بن زید کی روایت ثابت ہے اور قصۂ حضرت عمر بعض طرق میں آیا ہے۔ علامہ سہیلی یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسمیں کون سی مصلحت تھی جو اذان کی صورت بعض مسلمانوں کو دکھائی گئی اور بطور وحی یہ حکم نہ آیا جیسا دوسرے شرعی احکام میں وحی نازل ہوا کرتی تھی۔ پھر اس میں کیا مصلحت تھی کہ حضرتؐ نے اس خواب کو رویائے حق قرار دیا اور اوسی پر اذان کی بنا ہوئی۔ تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اذان کا اجراء بذریعہ وحی ہوا یا اور کسی طرح۔ پھر اس کا خود ہی جواب دیا کہ حضرتؐ نے شب معراج اذان کی ابتداء اس طرح پر ملاحظہ فرمائی تھی کہ حضرت علیؑ مرتضیٰ سے روایت ہے کہ جب براق پر سوار ہو کر حضرت تشریف لے گئے اور قریب حجاب پہونچے تو ایک فرشتہ حجاب قدرت سے نکلا۔ اس نے پوچھا اے جبریل یہ کون شخص ہے؟ جناب جبرئیلؑ نے بقسم بیان کیا کہ ہم نے اوس فرشتہ کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اوسی فرشتہ نے حضرت رسولؐ کو دیکھکر کہا "اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ تب حجاب قدرت سے آواز آئی سچ کہا میرے بندہ نے۔ میں اکبر ہوں۔ میں اکبر ہوں۔ اور بقیہ اذان بھی اسی طرح سنائی دی۔ علامہ سہیلی کہتے ہیں۔ یہ اقوے ہے وحی سے۔ اور جب حکم اذان میں مدینہ پہونچنے تک تاخیر ہوئی اور یہ منظور ہوا کہ لوگوں کو اوقات نماز سے اطلاع دے دی جایا کرے تو وحی اوس وقت تک رک گئی کہ عبداللہ نے وہ خواب دیکھا یہ خواب اسکے موافق ہوا جس کو حضرت رسولخدا صلعم دیکھ چکے تھے۔ اسی سبب سے آپ نے فرمایا انشاء اللہ یہ رویائے صادقہ ہے اور اوسی وقت معلوم ہوا کہ خدا نے آسمان پر جو کچھ دکھایا تھا اوس سے یہی منظور تھا کہ زمین میں بھی یہ سنت جاری ہو۔ مگر فتح الباری میں یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حکم اذان کا اثبات عبداللہ بن زید کے خواب سے درست نہیں ہو سکتا کیونکہ پیغمبروں کے خواب کے سوائے اور کسی شخص کے خواب سے حکم شرعی ثابت نہیں ہو سکتا۔ مگر اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس خواب کے ساتھ وحی بھی نازل

ہوئی ۔ چنانچہ ابو داؤد نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر نے جب اذان کو خواب میں دیکھا تو آکر حضرت صلعم کو خبر دینی چاہی مگر یہاں آکر انھیں معلوم ہوا کہ وحی اس کے قبل ہی آچکی ہے کیونکہ آپ نے بلال کو اذان کہتے سُنا اور حضرتؐ نے فرما بھی دیا کہ تمہارے خواب کے پہلے ہی مجھ پر اس کی وحی نازل ہو چکی ہے ۔ یہی زیادہ صحیح ہے اوس سے جو داؤدی نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر کے خواب سے آٹھ روز پہلے جناب جبرئیل وحی کا حکم اس اذان کے بارے میں آنحضرتؐ پر لا چکے تھے ۔ عبداللہ بن زید کا خواب بروایت ابن اسحاق یوں ہے کہ انھوں نے دیکھا کوئی شخص ناقوس لئے جاتا ہے ۔ اونھوں نے پوچھا کیا اس کو بیچو گے ؟ اس نے جواب دیا تم ناقوس کیا کرو گے ؟ عبداللہ نے کہا لوگوں کو نماز کے لئے بلائیں گے ۔ اوس شخص نے جواب دیا میں اس سے بہتر چیز تم لوگوں کو بتاتا ہوں کہ نماز کے وقت اللہ اکبر اللہ اکبر کہا کرو آخر جملہ اقامت تک ۔ اس کو ابوداؤد نے باسناد صحیح روایت کیا ہے ۔ مسند حارث میں ہے کہ آسمان دنیا میں اول اذان دینے والے جبرئیل ہیں جس کو حضرت عمر اور بلال نے سُنا ۔ جب بلال نے جاکر اسکی خبر دی تو حضرتؐ نے فرمایا تم سے پہلے عمر خبر دے گئے ہیں ۔ اور بہت سی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اذان کی ابتدا مکہ ہی میں ہو چکی تھی کہ حضرت صلعم نے معراج میں دیکھا اور بلال کو اسکی تعلیم فرمائی ۔ اور دارقطنی کی یہ روایت ہے کہ جبرئیل نے اس کا حکم دیا تھا جس وقت نماز کی تعلیم کی تھی (مواہب لدنیہ جلد ۱ صہ ۷۲ مطبوعہ مصر) ۔ ایک قوی دلیل اس امر کی کہ اذان کی ایجاد میں حضرت عمر کی راے وغیرہ کو کوئی دخل نہیں ہوا یہ بھی ہے کہ مورخین نے حضرت عمر کی اولیات میں (اُن باتوں میں جن کے وہی بانی ہوئے) اور امور کو لکھا مگر اذان کی راے و مشورہ کو نہیں ذکر کیا ۔ مثلاً علامہ سیوطی نے حضرت عمر کے فضائل میں بکثرت چیزیں بھر دی ہیں اور آپ کے اولیات میں بہت سی باتیں لکھیں یہاں تک کہ پہلے پہل متعہ حرام کرنے کا فخر بھی تحریر کر دیا ۔ تراویح کو بھی ذکر کیا ۔ امیرالمومنین کا نام اول دفعہ اختیار کرنے کو بھی لکھا لیکن اذان کے متعلق ایک حرف بھی تحریر نہیں کیا (دیکھو تاریخ الخلفاء صہ ۹۳ فصل فی اولیات عمر) حالانکہ حضرت عمر کے حالات کتاب تاریخ الخلفاء

Marfat.com

میں خاص اہتمام سے جمع کیئے گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ سیوطی وغیرہ نے بھی اس روایت کو کہ حضرت عمر کی رائے سے اذان کی ایجاد کی گئی بالکل غلط اور ناقابل التفات سمجھا اسی وجہ سے اس غلط روایت کو اپنی کتاب میں درج کرنا تک پسند نہیں کیا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی بہت بڑے مصنف گزرے ہیں۔ انھوں نے صحابہ کے حالات میں سب سے زیادہ جامع کتاب اصابہ لکھی ہے۔ اس میں حضرت عمر کے حالات بھی لکھے ہیں۔ مگر اذان کے متعلق کوئی جملہ نہیں لکھا۔ اگر حضرت عمر کا تعلق اس سے ہلکا درجہ کا بھی ہوتا تو ممدوح آپ کی اس عظیم الشان فضیلت سے کیوں چشم پوشی کرتے۔ اسی طرح دوسرے علماء فن تاریخ وسیرۃ ورجال وغیرہ نے بھی اس سے سکوت ہی کیا ہے۔

چوتھی فصل

غزوات وسرایا میں حضرت عمر کی خدمات

مدینہ منورہ میں حضرت رسولخداؐ کو دشمنوں اور مخالفین اسلام سے بار بار جہاد کرنا پڑے ان میں حضرت عمر نے کیا خدمات انجام دیں۔ ذیل کے بیان سے واضح ہوگا۔

غزوۂ ابواء مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک جگہ کا نام ابواء ہے وہاں ماہ صفر ۲ھ میں سب سے پہلا غزوہ ہوا۔ مورخین نے اس میں حضرت عمر کا کوئی کام ذکر نہیں کیا۔ آنحضرتؐ کے چچا جناب حمزہ اس کے علم بردار تھے (تاریخ کامل جلد ۳ ص ۴۱ و طبری جلد ۲ ص ۲۶۰ وغیرہ)

سریہ رابغ رابغ ابواء کے قریب ہے۔ مکہ سے کچھ کفار قریش مسلح ہو کر آئے تھے انکے مقابلہ میں ۶۰ مہاجرین بھیجے گئے۔ ان کے سردار عبیدہ بن الحارث بن المطلب تھے۔ اس میں بھی حضرت عمر کا کوئی کام نہیں معلوم ہوتا (طبری جلد ۲ ص ۲۶۰ وغیرہ)

سریہ سیف البحر مدینہ میں خبر آئی کہ شام سے کچھ قریش مکہ جا رہے ہیں۔ حضرت حمزہ کے ماتحت ۳۰ مہاجرین مقابلہ پر بھیجے گئے مگر لڑائی نہیں ہوئی۔ اس میں بھی حضرت عمر کے متعلق سکوت ہے۔

سریہ خرار ایک کاروان کی خبر لینے کے لئے سعد بن ابی وقاص کے ماتحت ۲۰ مہاجرین

Marfat.com

بھیجے گئے جو میدان خرار تک گئے مگر قافلہ نہ ملا تو واپس آئے۔ اس میں بھی حضرت عمرؓ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

غزوہ بواط ربیع الاول ۲ سنہ ہجری میں آنحضرتؐ ایک قافلہ کی تلاش میں نکلے اور مقام بواط تک تشریف لے گئے۔ اس میں بھی حضرت عمرؓ کا کوئی کام نہیں ملتا (طبری جلد ۲ صـ۲۶۱)

کرز بن جابر کی تلاش اسی ماہ میں آنحضرتؐ کرز بن جابر کی تلاش میں تشریف لے گئے اس میں علم حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا مگر حضرت عمرؓ کی کسی خدمت کا پتا نہیں ملا (طبری جلد ۲ صـ۲۶۱)

غزوہ ذات العشیرہ آنحضرتؐ کو معلوم ہوا کہ قافلہ قریش شام کو جا رہا ہے۔ آنحضرتؐ اسکی تلاش میں نکلے۔ ایک مقام ذوالعشیرہ تک پہونچکر معلوم ہوا کہ قافلہ پہلے نکل گیا۔ آنحضرتؐ واپس آئے۔ افسوس اس غزوہ میں بھی حضرت عمرؓ کا کوئی کارنامہ نہیں ملتا (طبری جلد ۲ صـ۲۶۱)

سریہ لطبن نخلہ آنحضرت صلعم نے کرز بن جابر کی تلاش سے مدینہ واپس آکر بارہ مہاجرین کو اپنے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن جحش کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ کیا۔ اس سریہ میں مسلمانوں کے ہاتھ سے عمرو بن عبداللہ حضرمی مارا گیا اور بکثرت مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا مگر کسی کتاب سے نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت عمر اس سریہ میں بھیجے گئے یا آپ نے کوئی کام کیا (طبری جلد ۲ صـ۲۶۳)

غزوہ بدر کبریٰ حضرمی کے قتل سے قریش کا غیظ و غضب بہت بڑھ گیا۔ اسی اثنا میں معلوم ہوا کہ قافلۂ قریش جو ابوسفیان کے ساتھ شام سے مکہ آرہا ہے اس پر مسلمان حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ یہ غلط خبر تھی مگر قریش نے جنگ کی طیاری شروع کردی تو آنحضرت صلعم نے اپنی حفاظت کا سامان کیا اور ایک لشکر لیکر مدینہ سے روانہ ہوگئے۔ اس میں فوج کے تین حصے کئے گئے اور تینوں کا علم جدا جدا تھا۔ ایک کے علم بردار سعد دوسرے کے مصعب۔ تیسرے کے حضرت علیؓ مقرر ہوئے۔ لشکر بدر میں آکر ٹھہرا۔ قریش کا لشکر بھی پوری شان سے آپہونچا۔ دونوں فوجوں میں سخت لڑائی ہوئی مگر اس جنگ میں بھی حضرت عمرؓ کو نہ کوئی علم ملا نہ آپ کے ماتحت کوئی فوج کی گئی۔ نہ آپ لڑے نہ کوئی اور اسلامی خدمت کی بلکہ آنحضرت صلعم کے خلاف مزاج ایسی باتیں کیں جن سے آنحضرت صلعم کو بہت اذیت پہونچی۔ حضرتؐ نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ ان کفار قریش سے جنگ کی جائے یا نہیں۔ حضرت ابوبکر و عمر نے اسکے جواب میں کفار قریش کی ایسی مدح و ثنا

Marfat.com

کی جس سے آنحضرتؐ کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ طبری وغیرہ نے تو صرف اَحْسَنَ اَحْسَنَ (دونوں بزرگوں نے اچھی بات کہی) لکھا ہے لیکن اور علماء نے تصریح کر دی ہے کہ ان لوگوں نے کیا کہا تھا۔ امام احمد بن حنبل و علامہ سید احمد زینی دحلان وغیرہ نے لکھا ہے فتکلم ابوبکر فاعرض عنہ ثم تکلم عمر فاعرض عنہ۔ حضرتؐ کے سوال پر حضرت ابوبکر کچھ بولے تو آنحضرتؐ نے انکی طرف سے منہ پھیر لیا۔ پھر حضرت عمر بھی بولے تو آنحضرتؐ نے ان کی طرف سے بھی منہ پھیر لیا (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۲۲۰ و ۲۱۹ و سیرۃ محمدیہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۳ وغیرہ)۔ اور علامہ سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے فقال ابوبکر ان العیر کانت بوادی کذا و کذا ... فقال عمر انها قریش وعزها والله ماذلت منذ عزت ولا آمنت منذ کفرت والله لتقاتلنك فتاهب لذلك اهبته واعدد له عدته فقال رسول الله اشیروا علیّ فقال المقداد بن عمرو انا لا نقول لک کما قال اصحاب موسیٰ اذهب انت وربک فقاتلا انا ههنا قاعدون ولکن اذهب انت وربک فقاتلا انا معکم متبعون۔ آنحضرت صلعم کے جواب میں حضرت ابوبکر بولے کہ قریش کا قافلہ فلاں وادی میں ہے ... اور حضرت عمر نے کہا اے رسولؐ یہ قریش اور اسکی طاقت کا مقابلہ ہے۔ خدا کی قسم جب سے وہ لوگ صاحب عزت ہوئے کبھی کسی سے دبے نہیں۔ اور جب سے کافر ہوئے کبھی ایمان لائے ہی نہیں اس وجہ سے آپ ان کے مقابلہ کا پورا سامان کر کے تشریف لیچلیں مگر آنحضرت صلعم نے (ان دونوں بزرگوں کی رائے کو نفرت و حقارت کی نظر سے ٹھکرا کر) فرمایا اور کوئی مجھے مشورہ دے۔ اس پر جناب مقداد بولے یا حضرتؐ ہم تو وہ بات نہیں کہیں گے جو حضرت موسیٰؑ کے اصحاب نے ان سے کہی تھی کہ اے موسیٰؑ آپ اور آپکے اللہ جائیں اور جہاد کریں ہم لوگ یہیں بیٹھے رہیں گے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ آپ تشریف لے چلیں اور جہاد کریں میں بھی آپ کے ساتھ ہوں (تفسیر در منثور جلد ۳ صفحہ ۱۶۶ طبع مصر) ولوی شبلی صاحب اس واقعہ کو ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں "آنحضرتؐ کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے صحابہ کو جمع کیا اور واقعہ کا اظہار فرمایا۔ حضرت ابوبکر وغیرہ نے جان نثارانہ تقریریں کیں" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۲۳۱)۔ جب ممدوح ان باتوں کو جان نثارانہ کہتے ہیں تو کسی کو انکار کیوں ہو؟ لا مشاحۃ فی الاصطلاح کسی کتاب سے نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت عمر کو اس

غزوہ میں کوئی علم دلا ہو۔ یا کسی دستہ کی سرداری آپ کے حوالہ کی گئی ہو۔ یا کوئی جنگی خدمت آپ کے سپرد ہوئی ہو۔ مولوی شبلی صاحب نے تحریر فرمایا ہے "حضرت عمر اگرچہ اس معرکہ میں رائے و تدبیر، جانبازی و پامردی کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہ کے دست و بازو رہے لیکن انکی شرکت کی محسوس خصوصیات یہ ہیں (۱) قریش کے تمام قبائل اس معرکہ میں آئے لیکن بنو عدی یعنی حضرت عمر کے قبیلہ میں سے ایک متنفس بھی شریک جنگ نہیں ہوا۔ اور یہ امر جہاں تک قیاس کیا جا سکتا ہے صرف حضرت عمر کے رعب و دبدبہ کا اثر تھا۔ (۲) حضرت عمر کے ساتھ اُن کے قبیلہ اور حلفاء کے بارہ آدمی شریک جنگ تھے (۳) سب سے پہلے جو شخص اس معرکہ میں شہید ہوا وہ مہجع حضرت عمر کا غلام تھا (۴) عاصی بن ہشام بن مغیرہ جو قریش کا ایک معزز سردار اور حضرت عمر کا ماموں تھا حضرت عمر کے ہاتھ سے مارا گیا" (الفاروق ص ۱۴۱) اس عبارت میں کئی جملے قابل تبصرہ ہیں۔ آپ فرماتے ہیں "حضرت عمر اس معرکہ میں رائے و تدبیر جانبازی و پامردی کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہ کے دست و بازو رہے"۔ مگر افسوس نہ آپ نے کسی کتاب کا حوالہ دیا جس سے اس دعوے کی تصدیق ہوتی نہ کسی موقع کا پتا بتایا جس میں آنحضرتؐ نے انکی رائے دریافت کی اور نہ کسی مشورہ کا ذکر کیا جس سے آپ کا دست و بازوئے رسولؐ ہونا ثابت ہو۔ بلکہ کل کتابیں اس کے خلاف ہی بول رہی ہیں کہ جب حضرتؐ نے صحابہ سے رائے و مشورہ چاہا تو حضرت ابوبکر و عمر نے ایسی بات کہی جس سے آنحضرت صلعم کو اتنی اذیت ہوئی کہ ان دونوں کی طرف سے آپ نے منہ پھیر لیا۔ مولوی صاحب کا فرض تھا کہ اپنے دعوے کی تائید میں کوئی ایک ہی امر بطور نمونہ ذکر کر دیتے جس سے واضح ہوتا کہ واقعاً آپ رائے و تدبیر میں آنحضرت صلعم کے دست و بازو رہے۔ تاریخی واقعات تو قیاس۔ اجتہاد و اعتقاد سے تسلیم نہیں کئے جا سکتے۔ اگر آپ نے کوئی مفید رائے دی ہوتی۔ کسی قسم کی ہمدردی کی ہوتی کوئی نمایاں خدمت آپ سے انجام پائی ہوتی تو مورخین و محدثین جو سب حضرت کے پیرو بلکہ فدائی تھے جلی حرفوں میں اس کو لکھکر ڈھنڈورا پیٹتے ہوتے۔ علامہ طبری ایسا مشہور مورخ جس نے اپنی کتاب کے ۴۳ بڑے صفحے اس واقعہ کے بیان میں وقف کر دیئے ان واقعات کو کیوں پوشیدہ کرتا۔ علامہ ابن اثیر جزری کیوں ان امور کو مخفی رکھتا۔

Marfat.com

اسی طرح دوسرے مورخین کیوں خاموش رہتے اور بنو عدی کے نہ آنے کی وہ وجہ تو عقل میں نہیں آتی جو مولوی صاحب نے لکھی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو حضرت عمر کے رعب و داب سے وہ مسلمان کیوں نہ ہو گئے؟ کیا حضرت عمر صرف یہ چاہتے تھے کہ وہ لوگ لڑنے نہ نکلیں۔ یا یہ چاہتے تھے کہ سب مسلمان ہو جائیں۔ پھر یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ حضرت عمر کے رعب و داب کا اثر صرف انکے خاندان والوں پر کیوں ہوا۔ اگر واقعاً آپ کا رعب و داب تھا تو قریش کے دوسرے قبیلوں کو زیادہ خوف زدہ ہونا چاہئے تھا بلکہ آپ کے قبیلہ کو تو بالکل نڈر ہو کر آنا مناسب تھا کیونکہ ان کو اطمینان تھا کہ جب ان کے خاندان کے حضرت عمر وہاں موجود ہیں تو ان کی خاطر سے دوسرے مسلمان بھی ان لوگوں پر حملہ نہیں کرینگے۔ اصل یہ ہے کہ ابو سفیان شام سے مکہ واپس آئیگا تو مکہ کے اکثر قبیلوں کے لوگ اسکے ساتھ تھے۔ اور جب مکہ معظمہ میں یہ خبر پھیل گئی کہ مسلمان قافلہ لوٹنے کو آرہے ہیں تو کل قریش مدینہ کی طرف اپنے اعزہ کو بچانے کے لئے نکل پڑا مگر قریش کو بدر کے قریب پہونچکر معلوم ہوا کہ ابو سفیان کا قافلہ خطرہ کی زد سے نکل گیا تو کئی قبیلہ والوں نے کہا انکم انما خرجتم لتمنعوا عیرکم ورجالکم واموالکم فقد نجاها الله فارجعوا فقال ابو جهل بن هشام والله لا نرجع حتى نرد بدرا ... فقال الاخنس يا بنى زهرة قد نجى الله لكم اموالكم وخلص لكم صاحبكم مخرمه ابن نوفل وانما نفرتم لتمنعوه وماله فارجعوا فانه لا حاجة بكم فى ان تخرجوا... فرجعوا فلم يشهد هاذ هرى واحد ولم يكن بقى من قريش بطن الا نفر منهم ناس الا بنى عدى بن كعب لم يخرج منهم رجل واحد فرجعت بنو زهرة فلم يشهد بدرا من هاتين القبيلتين احد۔ تم لوگ تو صرف اس غرض سے آئے کہ اپنے قافلوں اور اپنے مردوں اور اپنے مالوں کو بچاؤ۔ اور خدا نے ان سب کو محفوظ کر دیا ہے تو اب مکہ کو واپس چلو۔ اس پر ابو جہل بولا خدا کی قسم ہم واپس نہیں جائیں گے بلکہ بدر پر پہونچ کر دم لیں گے ... تو اخنس نے بنو زہرہ سے کہا اے بنی زہرہ خدا نے تمہارے مالوں کو بچا دیا۔ اور تمہارے صاحب مخرمہ بن نوفل کو بھی محفوظ کر دیا اور تم لوگ اسی لئے نکلے تھے کہ اس کو اور اس کے مال کو بچالو تو واپس چلو

Marfat.com

کیونکہ اب ہمارے جانے کی ضرورت باقی نہیں رہی ... غرض بنو زہرہ سب واپس گئے۔ اور ان کا کوئی شخص اس جنگ میں شریک نہیں ہوا اور قریش کی کوئی شاخ ایسی نہیں تھی جس کا کوئی ممبر اس میں نہ گیا ہو سوائے بنو عدی کے کہ اس کا کوئی شخص نہیں نکلا۔ اور بنو زہرہ سب واپس آئے۔ اس طرح ان دونوں قبیلوں (بنو عدی و بنو زہرہ) سے کوئی شخص بھی غزوۂ بدر میں شریک ہی نہیں ہوا (تاریخ طبری جلد ۲ صـ۲۷۶) اس کا نتیجہ واضح ہے کہ بنو عدی یا اس وجہ سے نہیں گئے کہ ان کا کوئی شخص شام کی طرف گیا ہی نہیں تھا۔ نہ ان کا کچھ مال وہاں سے واپس آتا تھا۔ یا اس وجہ سے نہیں گئے کہ ان کو جنگ سے کچھ بھی دلچسپی نہیں تھی۔

یہ تماشہ بھی قابل عبرت ہے کہ مولوی صاحب موصوف نے حضرت عمر کی سوانح عمری میں تو بنو عدی کے نہ جانے کی وجہ آپ کا رعب و داب قرار دی مگر حضرت رسول خدا صلعم کی سوانح عمری میں اوس عبارت آرائی کی ضرورت نہیں سمجھی بلکہ سچی بات لکھدی۔ تحریر فرمایا "قریش کو بدر کے قریب پہونچکر معلوم ہوا کہ ابوسفیان کا قافلہ خطرہ کی زد سے نکل گیا ہے تو قبیلہ زہرہ اور عدی کے سرداروں نے کہا "اب لڑنا ضرور نہیں"۔ لیکن ابوجہل نے نہ مانا۔ زہرہ اور عدی کے لوگ واپس چلے گئے باقی فوج آگے بڑھی" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صـ۲۳۲) جس سے واضح ہو گیا کہ حضرت عمر کے قبیلہ کے شریک جنگ نہ ہونے کی وجہ حضرت ممدوح کا رعب و داب نہیں بلکہ یہ تھی کہ ان کا کوئی شخص یا کوئی مال وہاں تھا ہی نہیں جسکے بچانے کو یہ لوگ زحمت سفر اختیار کرتے۔ دوسرا امر کہ حضرت عمر کے ساتھ ان کے قبیلہ بنو عدی کے بارہ آدمی شریک جنگ تھے تفصیل طلب ہے کہ ان لوگوں کی شرکت کس قسم کی تھی۔ صرف تماشہ بینی کے طور کی یا جہاد کے عنوان کی۔ تیسرا امر کہ آپ کا غلام مہجع غزوۂ بدر میں شہید ہوا بے شک قابل قدر ہے۔ علامہ ابن حجر نے ان کے بارے میں لکھا ہے اصلہ من عک فاصابہ سباء فمن علیہ عمر فاعتقہ مہجع اصل میں عک سے تھے۔ اتفاقاً کہیں قید ہو گئے تو حضرت عمر نے مہربانی کر کے ان کو آزاد کر دیا (اصابہ جلد ۶ صـ۱۴۶) اس سے واضح ہوا کہ یہ حضرت عمر کی غلامی میں نہیں رہے بلکہ صرف آپ کے ذریعہ سے آزاد کئے گئے۔ ان کی شہادت کے بارے میں مرقوم ہے رمے بسہم

فقتل۔ کافروں نے مسلمانوں کی طرف تیر پھینکے۔ ایک تیر مہجع کے لگ گیا جس سے وہ قتل ہو گئے (تاریخ طبری جلد ۲ صلا ۲۸ و استیعاب جلد ۱ صـ ۲۹۲) جس سے معلوم ہوا کہ وہ لڑتے ہوئے تلوار سے نہیں مرے بلکہ دور سے تیر آکر اُن کو لگ گیا اس سے شہادۃ واقع ہوئی چوتھا امر عاصی بن ہشام بن مغیرہ کا حضرت عمر کے ہاتھ سے مارا جانا یقیناً باعث فخر ہے۔ مگر حیرت یہ ہے کہ مشہور مورخین سے کسی نے بھی اس امر کو نہیں لکھا کہ حضرت عمر نے اس غزوہ میں اپنے ماموں کو قتل کیا۔ تاریخ طبری کو دیکھ جاؤ۔ تاریخ کامل کو پڑھ جاؤ۔ تاریخ ابوالفدا کو تلاش کر جاؤ۔ ایک مورخ بھی تو ایسا نہیں ملتا جس نے حضرت ممدوح کا یہ کارنامہ ذکر کیا ہو۔ کیوں سب خاموش رہے؟ مولوی صاحب نے سیرۃ ابن ہشام کا حوالہ دیا ہے۔ مگر اس کتاب کا مصنف بھی اس کا قائل نہیں ہے۔ البتہ اس نے یہ روایت نقل کی ہے ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال لسعید بن العاص وھو بہ انی اراک کان فی نفسک شیئا اراک تظن انی قتلت اباک انی لو قتلتہ لم اعتذر الیک من قتلہ ولکنی قتلت خالی العاص بن ھشام بن المغیرۃ۔ ایک دفعہ راہ میں حضرت عمر کو سعید بن عاص ملے تو ممدوح نے سعید سے کہا میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے دل میں میری طرف سے بغض بھرا ہوا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ تم گمان کرتے ہو میں ہی نے تمہارے باپ کو قتل کیا ہے اگر میں ان کو قتل کئے بھی ہوتا تو اسکی معذرت تم سے نہیں کرتا لیکن واقعہ یہ ہے کہ میں نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو قتل کیا تھا (سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صـ ۷۲) لیکن اس بیان میں حضرت عمر نے یہ نہیں بتایا کہ انھوں نے اپنے ماموں کو غزوۂ بدر میں قتل کیا یا اور کسی غزوہ میں۔ یہ بھی نہیں کہا کہ مکہ معظمہ میں قتل کیا یا مدینہ منورہ یا بدر یا احد میں۔ یہ بھی نہیں واضح کیا کہ زمانہ جاہلیت میں قتل کیا یا عہد اسلام میں۔ دور رسالت مآبؐ میں یا اپنی خلافت میں۔ یہ بھی نہیں ظاہر کیا کہ ان کے ماموں اُس وقت بچے تھے یا جوان یا بوڑھے۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ زمانہ جاہلیت کا ہے اسی وجہ سے کسی مورخ نے غزوۂ بدر کے ذکر میں یہ نہیں لکھا کہ حضرت عمر نے بھی اپنے ماموں کو قتل کیا۔ ورنہ اُن لوگوں کو بھی یہ واقعہ جلی حرفوں سے لکھنے کا موقع مل جاتا۔ اسکے بعد کے حالات میں مولوی صاحب ممدوح لکھتے ہیں "اس معرکہ میں مخالف کی فوج میں سے جو لوگ زندہ گرفتار ہوئے انکی تعداد

Marfat.com

کم وبیش ۷۰ تھی اور ان میں سے اکثر قریش کے بڑے بڑے معزز سردار تھے ... اس بنا پر یہ بحث پیدا ہوئی کہ ان لوگوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے۔ رسول اللہؐ نے تمام صحابہ سے رائے لی۔ اور لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ یہ اپنے ہی بھائی بند ہیں اس لئے ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عمر نے اختلاف کیا اور کہا اسلام کے معاملہ میں رشتہ و قرابت کو دخل نہیں ان سب کو قتل کر دینا چاہیئے اور اس طرح کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے عزیز کو آپ قتل کر دے۔ علیؑ عقیل کی گردن ماریں۔ حمزہ عباس کا سر اڑا دیں اور فلاں شخص جو میرا عزیز ہے اس کا کام میں تمام کر دوں۔ آنحضرتؐ نے شان رحمت کی اقتضاء سے حضرت ابوبکر کی رائے پسند کی اور فدیہ لیکر چھوڑ دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی ما کان لنبی ان یکون لہ اسریٰ حتی یثخن فی الارض کسی پیغمبر کے لیے یہ زیبا نہیں کہ اسکے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ خوب خوں ریزی نہ کرلے" (الفاروق ص۱۴۲)۔ مطلب یہ ہے کہ اس امر میں بھی خدا نے حضرت رسولخدا صلعم کی رائے اور فعل کو غلط اور حضرت عمر کے مشورہ کو حق قرار دیا۔ اب مورخین سے دریافت کرو کہ واقعہ کیا ہے۔ علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کان رسول اللہؐ یشاور ابابکر وعمر وعلیا فی الاسارے فاشار ابوبکر بالفداء واشار عمر بالقتل فمال رسول اللہؐ الی الفتل فانزل اللہ تعالے ما کان لنبی ان تکون لہ اسرے الخ۔ قیدیوں کے بارے میں حضرت رسولخدا صلعم حضرت ابوبکر و عمر و علیؑ سے مشورہ کر رہے تھے تو حضرت ابوبکر نے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی اور حضرت عمر نے قتل کر دینے کی رائے دی۔ حضرت رسولخدا صلعم بھی قتل کر دینے ہی کی طرف مائل تھے تو خدا نے یہ آیت نازل کی (تاریخ کامل جلد ۲ ص۱۵)۔ یہ تو موری صاحب کی تحریر کے بالکل خلاف ہے جس سے معلوم ہوا کہ خود حضرت رسولخدا صلعم ان لوگوں کو قتل کر دینا چاہتے تھے اور اسی کی وحی بھی نازل ہوئی کہ ہاں اے رسول تم جو ان کو قتل کرنا چاہتے ہو یہی بہتر ہے کیونکہ کسی پیغمبر کے لیے یہ زیبا نہیں کہ اسکے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ خوب خوں ریزی نہ کرلے۔

حضرت رسولخدا صلعم نے تین رات میدان بدر میں اقامت فرما کر اس غنیمت لینے

ہوئے مدینہ کی طرف مراجعت کی۔ راستہ میں مقام صفراء پر پہونچکر بدر کی غنیمت سے ایک خمس خدا اور رسولؐ کا الگ کرکے باقی مسلمانوں میں تقسیم کردیا۔ بعض کتابوں میں ہے کہ مال غنیمت سے ایک تلوار جسے ذوالفقار کہتے تھے اور جو منبہ بن حجاج کی ملک تھی آنحضرتؐ کے حصہ میں آئی۔ آنحضرتؐ نے وہ تلوار حضرت علیؑ کو عطا فرمادی (طبری جلد ۲ ص۲۹۶)

سریہ سالم بن عمیر ۲۵ رمضان المبارک ۲ھ ہجری میں آنحضرت صلعم نے ایک یہودی عورت عصماء بنت مروان کو قتل کرنے کے لیے ایک صحابی عمیر کو بھیجا۔ اس سریہ میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت یا کسی قسم کی شرکت معلوم نہیں ہوسکی۔

غزوہ قرقرۃ الکدر عراق اور مکہ کی راہ میں مدینہ سے تین منزل کے فاصلہ پر ایک مقام قرقرۃ الکدر ہے۔ شوال ۲ھ میں مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ وہاں بنو سلیم و بنو غطفان فساد کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ آنحضرت صلعم اُدھر روانہ ہوئے۔ علَم حضرت علیؑ کو مرحمت ہوا۔ اس غزوہ میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں لگ سکا (تاریخ طبری جلد ۲ ص۲۹۹)

غزوۂ بنی قینقاع مدینہ میں بنو خزرج کے یہودیوں کا ایک قبیلہ بنی قینقاع تھا۔ جو مسلمانوں کی ترقی پر بہت جلتا تھا۔ انھوں نے مسلمانوں سے بے ادبیاں شروع کردیں اور فساد پر آمادہ ہوئے۔ پہلے آنحضرت صلعم نے ان کو بہت سمجھایا اور نرمی سے اس قصہ کو فرو کرنا چاہا مگر وہ کسی طرح باز نہیں آئے۔ آخر لڑائی کی نوبت پہونچی۔ آنحضرتؐ ان کی طرف فوج کے ساتھ تشریف لے گئے تو وہ اپنے قلعہ میں پناہ گیر ہوگئے۔ اس غزوہ میں لشکر کے علَم بردار حضرتؐ کے چچا جناب حمزہ تھے۔ مگر حضرت عمر کی کسی قسم کی شرکت یا خدمت کا پتا اس جنگ میں بھی نہ مل سکا (تاریخ طبری جلد ۲ ص۲۹۹)

غزوۂ سویق غزوۂ بدر کی شکست اور کفار قریش کے مقتولین کا کفار مکہ کو نہایت صدمہ تھا۔ خصوصاً ابوسفیان نے تو قسم کھائی تھی کہ جب تک وہ آنحضرت صلعم سے پھر نہیں لڑیگا اور اپنے اعزہ کے خون کا بدلہ نہیں لے لیگا نہ کوئی خوشبو سونگھیگا۔ نہ کسی عورت کو ہاتھ لگائیگا وہ پورا سامان جنگ کرکے ذی الحجہ ۲ھ میں آنحضرتؐ سے لڑنے کے لئے نکلا اور مقام عریض میں جو مدینہ سے ۳ میل کے فاصلہ پر واقع ہے انصار کے ایک شخص اور اس کے مزدور کو قتل کرکے اور کھجور کے کچھ درختوں اور لوگوں میں آگ لگاکر اُس نے اپنی قسم پوری

کرلی - اس واقعہ کی خبر آنحضرتؐ کو ہوئی تو ابو سفیان کے تعاقب میں تشریف لے گئے۔ ابو سفیان بھاگا اور جاتے ہوئے اپنی سواری کا بوجھ ہلکا کرنے کی غرض سے ستو کی بوریاں گراتا گیا - اسی وجہ سے اس غزوہ کو غزوۂ سویق (ستو والا غزوہ) کہنے لگے - اس غزوہ میں بھی حضرت عمر کی کسی مدد کسی خدمت یا کسی طرح کی شرکت کا پتا نہیں چل سکا (طبری جلد ۲ ص ۲۹۹ وغیرہ)

قتل کعب بن اشرف کعب بن اشرف ایک یہودی شاعر بہت شریر اور مفسد شخص مدینہ کے قریب ایک اونچی جگہ پر قلعہ میں رہتا تھا - وہ جنگ بدر کے بعد مکہ میں گیا۔ اور قریش کو مسلمانوں سے بدلہ لینے پر ابھارنے لگا - اس کے ساتھ رسولخداؐ کی ہجو اور مسلمان عورتوں کو فضیحت بھی کرتا تھا - آنحضرتؐ نے اسکے فسادوں سے تنگ آکر فرمایا کہ کعب ابن اشرف کی ایذیتوں سے مجھے کون شخص نجات دیگا؟ اس حکم پر ۱۴ ربیع الاول ۳ھ ہجری کو بنی اوس سے ایک انصاری نے جاکر اس کو قتل کر دیا - اس واقعہ میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں ملا (تاریخ طبری جلد ۳ ص ۴ و تاریخ طبری جلد ۳ ص ۴)

قتل ابو رافع ابو رافع یہودی بھی اسلام اور مسلمانوں کا سخت مخالف اور حضرت رسولخداؐ کا جانی دشمن تھا - خیبر میں رہتا اور مشرکوں کی مدد کرتا - آنحضرتؐ کے حکم پر عبد اللہ بن عتیک اور چند آدمی جمادی الاخری ۳ھ میں گئے اور اس کو قتل کر دیا - اس میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں ملا (تاریخ طبری جلد ۳ ص ۶)

غزوۂ غطفان ربیع الاول ۳ھ ہجری میں آنحضرتؐ کو معلوم ہوا کہ ذی امر کے کچھ یہودی مسلمانوں پر اچانک حملہ کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں - آنحضرتؐ چار سو کی فوج لیکر وہاں پہونچے یہود پہاڑوں میں چھپ گئے - چوتھے دن آنحضرتؐ ایک درخت کے نیچے اکیلے سوتے تھے کہ ایک یہودی دعثور نامی ہاتھ میں تلوار لیکر پہاڑ سے اترا اور آنحضرتؐ کے سر پر پہونچکر کہا "بتاؤ اب تمہیں کون بچائیگا"؟ آنحضرتؐ نے کمال اطمینان سے فرمایا "اللہ تعالیٰ" اس جواب کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی - تب آنحضرتؐ نے وہی تلوار لے کر پوچھا اب بتاؤ تمہیں کون بچائیگا؟ اس یہودی نے فوراً کہہ دیا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ - اس غزوہ میں لڑائی نہیں ہوئی اور حضرتؐ

Marfat.com

واپس تشریف لائے۔ اس غزوہ میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں ملا (سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۴۳۷ وغیرہ)

غزوۂ بنو سلیم | جمادی الاولے ۳ھ میں مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے بنو سلیم کے بہت لوگ جمع ہو گئے تھے۔ آنحضرتؐ کو خبر ہوگئی تو تین سو کی فوج کے ساتھ اُدھر تشریف لے گئے مگر وہ لوگ منتشر ہو گئے اور جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ اس غزوہ میں بھی حضرت عمر کی کسی سرداری یا خدمت یا اعانت کا حال نہیں معلوم ہوتا (سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۴۳۶ وغیرہ)

سریہ قردہ | مکہ والوں کا ایک قافلہ قردہ کے راستے سے شام جاتا تھا۔ ابوسفیان اور صفوان بھی اس میں تھے۔ آنحضرتؐ کو معلوم ہوا تو زید بن حارثہ کو اس طرف روانہ کیا مگر لڑائی نہیں ہوئی۔ قریش بھاگتے ہوئے بہت کثرت سے نقد اور جنس چھوڑ گئے۔ اس سریہ میں بھی حضرت عمر کی سرداری یا کسی خدمت کا پتا نہیں مل سکا (تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۴۱۸ وغیرہ)

غزوۂ احد | غزوۂ بدر میں کفار قریش کے نامی سردار چُن چُن کر مارے گئے۔ قریش کو ماتم سے فرصت ملی تو انتقام کا جوش بڑھا۔ ابوسفیان ۳ ہزار کی فوج لیکر شوال ۳ھ میں مدینہ پر چڑھ آیا۔ آنحضرتؐ کو خبر ہوئی تو تقریباً سات سو کے ساتھ مقابلہ کو نکلے اور ایک پہاڑ احد کی گھاٹی میں جاکر اُترے۔ مصعب بن عمیر کو علم دیا۔ زبیر بن العوام کو رسالہ کا افسر مقرر کیا۔ اور حضرت حمزہ کو اس حصہ فوج کی کمان دی جو زرہ پوش نہ تھا۔ پشت کی طرف سے دشمن کے حملہ کا خوف تھا تو عبداللہ بن جبیر کے ماتحت پچاس تیزاندازوں کا دستہ معین فرما کر حکم دیا کہ تم یہاں سے کسی حالت میں بھی نہ ہٹنا۔ اور رایت یعنی بڑا علم (حسب معمول حضرت علیؑ ہی کو ملا (تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۴۷۴) لڑائی شروع ہوکر مسلمانوں کی فتح ہونے لگی تو وہ لوٹ میں مصروف ہو گئے۔ یہ دیکھکر عبداللہ بن جبیر کے ساتھیوں کو لالچ ہوا۔ وہ بھی درہ سے نکل کر لوٹنے لگے۔ اس پر خالد بن ولید نے موقع پاکر پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمان بالکل دشمن کے حلقہ میں پڑ گئے فتح کی صورت شکست سے بدل گئی۔ کفار نے مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ مصعب بن عمیر تک شہید ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے ان کا علم بھی حضرت علیؑ کے سپرد کیا۔ حضرتؐ نے وہ علم بھی لیکر اور فوج میں گھس کر کفار کو قتل کرنا شروع کیا۔ مورخین نے لکھا ہے لما قتل علی اصحاب الالویۃ البسہ رسول اللہ جماعۃ من مشرکی قریش۔ فقال لعلی احمل علیہم ففرق جمعہم... ثم البسہ رسول اللہ جماعۃ من مشرکی قریش فقال لعلی احمل علیہم

Marfat.com

فحمل علیھم ففرق جماعتھم ... فقال جبریل یا رسول اللہ ان ھذہ للمواساۃ فقال رسول اللہ انہ منی وانا منہ فقال جبریل وانا منکما قال فسمعوا صوتا ؎ لا سیف الا ذوالفقار ولا فتی الا علی۔ جب حضرت علی نے کافروں کے علم برداروں کو قتل کر دیا تو حضرت رسول خداؐ نے کفار قریش کی ایک جماعۃ کو دیکھکر حضرت علیؑ سے فرمایا ان پر حملہ کرو۔ حضرتؑ نے حملہ کر کے سب کو بھگا دیا۔ پھر آنحضرتؐ نے دوسری جماعۃ دیکھی تو وہی فرمایا حضرت علیؑ نے ان پر بھی حملہ کر کے ان سب کو متفرق کر دیا [1] اس پر حضرت جبرئیلؑ نے

[1] غالباً غزوۂ بدر میں آنحضرتؐ کو جو تجربہ ہوا اس وجہ سے آپ اس غزوہ میں بھی حضرت علیؑ ہی کو بار بار حملہ کرنے کے لئے بھیجتے رہے۔ مولوی شبلی صاحب تک نے لکھ دیا ہے کہ "آنحضرتؐ کے ارشاد کے مطابق انصار ہٹ آئے اور حضرت حمزہ۔ علیؑ۔ عبیدہ میدان میں آئے۔ چونکہ ان لوگوں کے چہروں پر نقاب تھی عتبہ نے پوچھا تم کون ہو؟ سب نے نام و نسب بتائے۔ عتبہ نے کہا ہاں اب ہمارا جوڑ ہے۔ عتبہ حضرت حمزہ سے اور ولید حضرت علیؑ سے مقابل ہوا اور دونوں مارے گئے لیکن عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہ کو زخمی کیا۔ حضرت علیؑ نے بڑھ کر شیبہ کو قتل کر دیا۔ اور عبیدہ کو کندھے پر اُٹھا کر رسولؐ اللہ کی خدمت میں لائے" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صـ۲۳۶) اور علامہ یحییٰ عامری نے لکھا ہے وکان لہ الاثر العظیم فی کل مشھد حتے لا یعلم لاحد من الصحابۃ فی الشجاعۃ ومبالات الحروب مالہ ہر جہاد اور ہر جنگ میں حضرت علیؑ کا ایسا اثر عظیم ثابت ہوا ہے کہ شجاعۃ اور بہادرانہ جنگ کے متعلق اُن کے برابر اصحاب رسولؐ میں سے کسی کا اثر معلوم نہیں ہوتا (الریاض المستطابہ صـ۴۲)۔ خلیفہ مامون نے ایک بڑے عالم سے پوچھا تھا ھل تجد لاحد الا دون ما تجد لعلی یوم بدر اخبرنی کم قتلے بدر قلت نیف وستون رجلا۔ قال فکم قتل علیؑ وحدہ قلت لا ادری قال ثلاثۃ وعشرین والاربعون لسائر الناس جنگ بدر میں حضرت علیؑ کے جو کارنامے ہیں کیا اور صحابہ کی خدمات اُن سے بہت کم اور نہایت حقیر نہیں ہیں؟ بتاؤ اس میں کتنے کافر قتل کئے گئے؟ اُن عالم نے جواب دیا ساٹھ سے زیادہ۔ مامون نے پوچھا ان ساٹھ سے حضرت علیؑ نے کتنوں کو قتل کیا؟ اُن عالم نے کہا معلوم نہیں۔ مامون نے کہا ۲۳ کافروں کو صرف حضرت علیؑ نے اور باقی ۴۰ کو دوسرے

Marfat.com

کہا اے رسولِ خدا یہ البتہ مساواۃ ہے!! حضرتؐ نے فرمایا کیوں نہ ہو۔ علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں۔ جبرئیل نے کہا اور میں آپ دونوں سے ہوں۔ اُس وقت ہاتف غیبی کی آواز سُنی گئی جو کہتا تھا ذوالفقار کے سوائے کوئی تلوار نہیں اور حضرت علیؑ کے سوائے کوئی بہادر جوان نہیں (تاریخ طبری جلد ۳ ص۱۴ و تاریخ کامل جلد ۲ ص۵۵ وغیرہ)۔ غرض مسلمانوں کی بُری حالت ہوگئی آنحضرتؐ کے دو اگلے دانت بھی شہید ہوگئے۔ بہت سے مسلمان بھاگ گئے۔ حضرت عمر کے متعلق کسی کتاب سے نہیں معلوم ہوتا کہ کوئی علَم یا رایۃ یا لواء آپ کو ملا ہو۔ یا کوئی خاص خدمت آپکے سپرد ہوئی ہو یا آپ کسی دستہ کے سردار بنائے گئے ہوں۔ یا کسی کافر کو قتل کیا یا جنگ کے متعلق کوئی مفید رائے دی ہو۔ البتہ وہاں سے بھاگنے والوں میں حضرت ممدوح کا نام بھی ہے۔ مگر مولوی شبلی صاحب نے اس سے انکار کی کوشش کی ہے۔ لکھتے ہیں "علامہ بلاذری صرف ایک مورخ ہیں جنہوں نے انساب الاشراف میں حضرت عمر کے حال میں لکھا ہے وکان ممن انکشف یوم احد فعفر لہ یعنی حضرت عمر اُن لوگوں میں تھے جو احد کے دن بھاگ گئے تھے لیکن خدا نے ان کو معاف کر دیا۔ علامہ بلاذری نے ایک اور روایت کی ہے جس کا یہ خلاصہ ہے کہ حضرت عمر نے جب اپنی خلافت کے زمانہ میں لوگوں کے روزینے مقرر کئے تو ایک شخص کے روزینے کی نسبت لوگوں نے کہا کہ ان سے زیادہ مستحق آپ کے فرزند عبداللہ ہیں حضرت عمر نے فرمایا نہیں۔ کیونکہ اس کا باپ احد کی لڑائی میں ثابت قدم رہا تھا اور عبداللہ کا باپ (یعنی خود حضرت عمر) نہیں رہا تھا۔ لیکن یہ روایت قطع نظر اس کے کہ درایۃً غلط ہے کیونکہ معرکۂ جہاد سے بھاگنا ایک ایسا ننگ تھا جس کو کوئی شخص علانیہ تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ اصول روایت کے لحاظ سے بھی ہم اس پر اعتبار نہیں کر سکتے۔ علامۂ موصوف نے جن رُواۃ کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے اُن میں عباس بن عبداللہ الباکسائی اور غیض بن اسحاق ہیں اور یہ دونوں مجہول الحال ہیں۔ اس کے علاوہ اور تمام روایتیں اسکے خلاف ہیں" (الفاروق جلد ۱ ص۴۷)۔ جناب مولوی شبلی صاحب کی ذات بھی مجموعۂ عجائب و غرائب تھی۔ ایک صفحہ میں جو بات لکھتے دوسرے ہی صفحہ میں اس کے خلاف تحریر فرما کر لوگوں کو حیرانی و پریشانی میں

(بقیہ حاشیہ ص۲۷) صحابہ نے قتل کیا (عقد فرید جلد ۳ ص۳۴۳) ۱۲ منہ

بتلا کر دیتے تھے۔ یہاں تو یہ لکھ گئے کہ "معرکۂ جہاد سے بھاگنا ایک ایسا ننگ تھا جس کو کوئی شخص علانیہ تسلیم نہیں کر سکتا تھا" حالانکہ اس کے چند ہی سطریں اوپر اسی غزوۂ احد سے بھاگنے والے صحابہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھ چکے ہیں "جب آنحضرتؐ کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو کچھ لوگ تو ایسے سراسیمہ ہوئے کہ انھوں نے مدینہ سے ادھر دم نہیں لیا۔ کچھ لوگ جان پر کھیل کر لڑتے رہے کہ رسولؐ اللہ کے بعد جینا بیکار ہے۔ بعضوں نے دلوں ہو کر سپر ڈال دی کہ اب لڑنے سے کیا فائدہ ہے" (الفاروق ص۴۵) ۔ مولوی صاحب سے کون پوچھے کہ جب "جہاد سے بھاگنا ایک ایسا ننگ تھا جس کو کوئی شخص علانیہ تسلیم نہیں کر سکتا تھا" تو ان صحابہ کرام نے اس ننگ کو کیوں تسلیم کر لیا جن کے بارے میں آپ خود لکھ چکے ہیں "ایسے سراسیمہ ہوئے کہ انھوں نے مدینہ سے ادھر دم نہیں لیا"؟ رہا روایۃ پر اعتراض تو آپ نے اس کو قطع و برید کر کے کیوں نقل کیا۔ پوری روایت علامہ بلاذری کی لکھتے تب کتب رجال سے آپ کو بتا دیا جاتا کہ عباس بن عبداللہ سے وہ روایت کیوں لی گئی اور غیض ابن اسحاق سے کیوں ذکر کی گئی اور کس طرح وہ دونوں معروف الحال ہیں۔ بجائے پوری روایت لکھنے کے آپ نے اس کا صرف آخری ٹکڑا وکان ممن انکشف یوم احد نقل کر دیا تو آپ کو اس روایت کی قوت و صحت کیونکر بتائی جائے؟ اب مورخین و محدثین کے بیانات سنو۔ وفر اصحاب النبیؐ وصعدوا الجبل۔ حضرتؐ کے اصحاب بھاگ گئے اور پہاڑ پر چڑھ گئے (طبری جلد ۲ ص۲۹۵) وتفرق عنہ اصحابہ ودخل بعضہم المدینۃ وانطلق بعضہم فوق الجبل الی الصخرۃ فقاموا علیہا وجعل رسول اللہ یدعو الناس الی عباد اللہ الی عباد اللہ حضرت رسول خدا صلعم کے پاس سے آپ کے اکثر صحابہ بھاگ گئے۔ ان میں سے بعض تو مدینہ پہونچ گئے اور بعض پہاڑ پر چڑھ گئے اور وہاں جا کر کھڑے ہو گئے۔ اس وقت حضرتؐ ان لوگوں کو پکارتے تھے کہ اے بندگانِ خدا! میری طرف آؤ۔ اے اللہ کے بندو! میرے پاس پہونچو (طبری جلد ۳ ص۲۰) اور خاص کر حضرت عمر وغیرہ کے تعلق ہے انتھی انس بن النضر عم انس بن مالک الی عمر بن الخطاب وطلحۃ بن عبید اللہ فی رجال من المہاجرین والانصار وقد القوا بایدیہم فقال ما یجلسکم قالوا قتل محمدؐ رسول اللہ۔ قال فما

تصنعون بالحیاۃ بعدہ قوموا فموتوا۔ انس بن مالک کے چچا انس بن نضر حضرت عمر و طلحہ وغیرہ مہاجرین و انصار کے پاس آئے تو دیکھا کہ سب ہاتھ پر ہاتھ رکھکر بیٹھے ہیں۔ پوچھا کیوں بیٹھے ہو؟ کہا محمدؐ تو قتل کر دیئے گئے۔ کہا پھر حضرتؐ کے بعد رہ کر کیا کرو گے؟ اوٹھو اور تم بھی مرجاؤ (طبری جلد ۳ ص ۱۹)۔ اور حضرت ابوبکر فرماتے تھے لما کان یوم احد انصرف الناس کلھم عن رسول اللہ فکنت اول من فاء جب غزوۂ احد میں ہم صحابہ حضرت رسولؐ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تو سب سے پہلے میں ہی پلٹ کر آیا (تاریخ الخلفاء ص ۲۵ و تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۴۸۵ وغیرہ) وجرحوا ابا بکر وعمر واقتحم عثمان کفار نے حضرت ابوبکر و عمر کو زخمی کیا اور حضرت عثمان بھاگ گئے (تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۴۸۲)۔ خطب عمر یوم الجمعۃ فقرأ آل عمران وکان یعجبہ اذا خطب ان یقرأھا۔ فلما انتھی الی قولہ ان الذین تولوا منکم الآیۃ قال لما کان یوم احد ھزمنا ففررت حتی صعدت الجبل فلقد رأیتنی اثر دکانی احد۔ حضرت عمر نے جمعہ کو خطبہ میں سورہ آل عمران پڑھی جب آیۃ ان الذین تولوا منکم (تم سے جو لوگ بھاگ گئے) پر پہونچے تو کہنے لگے غزوۂ احد میں ہم لوگوں نے ہزیمت اوٹھائی تو میں نے فرار اختیار کیا یہاں تک کہ پہاڑ پر چڑھ گیا۔ وہاں میں نے اپنے کو دیکھا کہ اس طرح اچکتا پھرتا تھا۔ گویا میں بز کوہی ہوں۔ (تفسیر درمنثور جلد ۲ ص ۸۸ و تفسیر طبری جلد ۴ ص ۹۰ و کنز العمال جلد ۱ ص ۲۳۸ وغیرہ) [1]

---

[1] اور حضرت علیؑ کی حالت یہ لکھی ہے چوں مسلمانان روے بہ ہزیمت آوردند حضرت رسولؐ را تنہا گزاشتند حضرت در غضب آمد و عرق از پیشانی ہمایونش متقاطر گشت۔ در آں حالت نظر کرد علیؑ را کہ بر پہلوے مبارکش ایستادہ است۔ فرمود چون است کہ تو بہ برادران خود ملحق نہ گشتی۔ علیؑ گفت ما کفر بعد الایمان ان لی بک اسوۃ آیا کافر شوم بعد از ایمان بدرستی کہ مرا بتو اقتدا است... فرمود اے علیؑ مرا ازیں جمع نگاہ دار وحق خدمت و نصرت بجا آر کہ وقت نصرت است علیؑ مرتضی متوجہ آں قوم شد و دمار از روزگارشان برآورد و ایشاں را متفرق گردانید ... چوں علی رتضی کرم اللہ وجہہ ایں مردانگی کرد و نصرت داد جبریل با آنحضرت فرمود کہ ایں کمال مواسات و جواں مردی است کہ علیؑ با تو می برد آنحضرتؐ فرمود انہ منی وانا منہ کنایۃ است

اور علامہ رازی نے لکھا ہے وذکر ان ثمانیۃ من ھولاء کانوا یعوہ یوم علی الموت ثلثۃ من المھاجرین علی وطلحۃ والزبیر وخمسۃ من الانصار ابو دجانۃ والحارث بن الصمۃ وخباب بن المنذر وعاصم بن ثابت وسھل بن حنیف - لوگوں نے بیان کیا ہے کہ آٹھ شخصوں نے حضرت رسولؐ سے اس بات پر بیعت کی تھی کہ مرتے وقت تک حضرتؐ کا ساتھ نہیں چھوڑینگے - تین مہاجرین سے علیؑ وطلحہ وزبیر اور پانچ انصار سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰)

از کمال اتحاد و اخلاص دیگانگی ... ظاہرا قصہ نادعلیا مظھر العجائب ہم دریں معاملہ و معارکہ واقع شدہ است ... بالجملہ وے رضی حق مبارزت ومحاربت وجلادت وشجاعت بجائے آورد کہ فوق آں تصور نہ تواں کرد ... علیؑ مرتضی فرمود در روز احد شانزدہ ضربۃ بمن رسید کہ در چہار ضربۃ از اں بر زمین افتادم وہر بار کہ می افتادم مردے خوبروئے خوشبوئے بازو مرا می گرفت ومرا بر پائے کرد وی گفت متوجہ کافراں شو کہ تو در طاعت خدا ورسولؐ اوی وایشاں ہر دو از تو راضی اند - بعد از فراغ جنگ آں واقعہ را بحضرت رسالت عرض کردم - آں سرور فرمود کہ تو او را می شناسی - گفتم نے اما بدحیۂ کلبی می آنست فرمود اے علیؑ خدائے تعالے چشم ترا روشن کناد آں جبریل بود - جب مسلمانوں نے بھاگنے کی راہ اختیار کرلی اور حضرت رسولؐ کو اکیلا چھوڑ کر چل دیئے تو حضرتؐ اس درجہ غضبناک ہوئے کہ پیشانی سے پسینہ ٹپکنے لگا - اس حالت میں حضرت علیؑ کو دیکھا کہ آپ کے بغل میں کھڑے ہیں فرمایا اے علیؑ تم کیوں نہ بھاگ گئے؟ عرض کی یا حضرتؐ کیا میں ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتا؟ مجھے تو صرف حضور سے مطلب ہے - اپنے یاروں اور بھائیوں سے جو مال غنیمت کے پیچھے چلتے بنے اور بھاگ کھڑے ہوئے مجھے کیا غرض - اس حالت میں کافروں کی ایک جماعۃ آنحضرتؐ کی طرف بڑھی تو حضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ مجھ کو جتھے سے بچاؤ اور خدمت ومدد کا جو حق ہے بجالاؤ کہ مدد کا وقت ہے - انہ قال ھو اوس قوم کی طرف متوجہ ہوئے اور ان لوگوں پر قتل وہلاکت کی بوچھار کئے تھے آپ نے کفار ان سب کو بھگا دیا اور بہت بڑی جماعۃ کو دوزخ میں پہونچا دیا - واپس ہو کر رسولؐ سے پوچھا یہ کس نے روز فرشتے بھی حاضر تھے - حضرت جبرئیلؑ ومیکائیلؑ دونوں ہی تھے آنحضرتؐ نے فرمایا وہ علیؑ تھے (تاریخ

(۴)

ابو دجانہ و حارث بن صمہ و خباب بن المنذر و عاصم و سہل (تفسیر کبیر جلد ۳ ص۱۰۸) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر اُن لوگوں میں بھی نہیں تھے جنہوں نے لڑائی شروع ہونے کے قبل آنحضرتؐ کے ہاتھ پر بیعت کر کے کہہ دیا تھا کہ جان جائے تو جائے مگر حضور کا ساتھ میں نہیں چھوڑ سکتا یعنی کہنا آسان ہوتا ہے اور کرنا بہت مشکل لیکن حضرت عمر نے زبان ہلانے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی اور قول سے بھی حضرتؐ کی حمایۃ کی ہمت نہیں فرمائی۔

(بقیہ حاشیہ ص۳۱)

داہنے بائیں کھڑے حفاظت کرتے اور کافروں سے لڑتے تھے ... جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ بہادری انجام دی اور ایسی اعلےٰ درجہ کی مدد کی تو جناب جبرئیلؑ نے آنحضرتؐ سے کہا کہ یہ نہایت اعلےٰ درجہ کی مواساۃ اور جواں مردی ہے۔ جو حضرت علیؑ اس وقت آپ کی خدمت میں کر رہے ہیں۔ حضرتؐ نے فرمایا کیوں نہ ہو وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔ یہ جملہ آنحضرتؐ اور حضرت علیؑ کے درمیان کمال درجہ اتحاد۔ اخلاص اور یگانگی کی طرف اشارہ تھا۔ اور آنحضرتؐ کو جو خدا نے حکم دیا کہ نادعلیا مظہر العجائب (علیؑ کو پکارو جو عجائب و غرائب کے ظاہر کرنے والے ہیں) وہ غالباً اسی جنگ کا واقعہ ہے۔ مختصر یہ کہ حضرت علیؑ نے جہاد۔ مقابلہ۔ بہادری اور شجاعۃ کی وہ مثال قائم کر دی جس سے زیادہ کا تصور محال ہے۔ سعد کہتے تھے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو میں نے سُنا فرماتے تھے کہ جنگ احد میں مجھ پر سولہ وار پڑے جن سے چار ایسے تھے کہ میں ان سے زمین پر گر پڑتا تھا اور ہر مرتبہ جب گرتا تھا تو ایک خوبصورت خوشبودار شخص میرا بازو پکڑ کر مجھے کھڑا کر دیتا اور کہتا کہ کافروں کی طرف بڑھو کہ تم اس وقت خدا اور رسولؐ کی اطاعۃ میں مشغول ہو اور دونوں (خدا اور رسولؐ) تم سے راضی ہیں۔ جب جنگ سے فراغت ہو گئی تو حضرت علیؑ نے آنحضرتؐ سے اس واقعہ کو ذکر کیا۔ آنحضرتؐ نے گشتی۔ رے علیؑ تم اس شخص کو پہچانتے ہو؟ حضرت علیؑ نے کہا نہیں لیکن دحیۂ کلبی سی بتو اقتدا است نصرت است علیؑ مرتضیٰ۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ خدا تمہاری آنکھ کو روشن رکھے وہ جناب ... چوں علی مرتضیٰ کرم اللہ (النبوۃ جلد ۲ ص۶۵۳) اور علامہ دیار بکری نے لکھا ہے وعلی ابن مواسات و جواں مردی است کہ علی ج مکسور الید، حمل علی الکفار فھزمھم فجاء جبریل

اور فارسی کی معتبر تاریخ حبیب السیر میں ہے و در بعضے از روایات آمدہ است کہ نوبتے زید بن وہب از عبد اللہ بن مسعود پرسید کہ چنیں شنیدہ ام کہ در روز احد بغیر علی و ابو دجانہ و سہل بن حنیف در خدمت حضرت رسالت ہیچ کس نہ ماندہ بود - ایں خبر مطابق واقع ست یا نے۔ جواب داد کہ در اوائل حال کہ سپاہ اسلام روے بوادی انہزام نہادند بجز امیر المومنین علی احدے در احد نزد آں حضرتؐ نہ ماند - بعد از ساعتے عاصم بن ثابت و ابو دجانہ و سہل بن حنیف و طلحہ بن عبد اللہ بملازمت خیر البشر شتافتہ کمر محاربہ برمیان بستند زید باز پرسید کہ ابوبکر و عمر کجا بودند - گفت ایشاں حاضر نہ بودند - چوں از حال عثمان بن عفان استفسار نمود گفت او نیز بہ طرفے شتافتہ بود - بعض - وایتوں میں وارد ہوا ہے کہ ایک دفعہ زید بن وہب نے عبد اللہ بن مسعود سے پوچھا کہ میں نے سُنا ہے غزوۂ احد میں حضرت علیؑ و ابو دجانہ اور سہل بن حنیف کے سوائے حضرت رسُولِ خدا کی خدمت میں کوئی بھی باقی نہیں رہا (سب بھاگ گئے تھے) یہ بات واقعہ کے مطابق اور سچی ہے یا نہیں ؟- انھوں نے جواب دیا کہ اول اول جب سپاہ اسلام بھاگی ہے تو حضرت امیر المومنین علیؑ کے سوائے کوئی بھی حضرت رسولؐ کے پاس نہیں تھا - البتہ ایک ساعۃ کے بعد عاصم بن ثابت - ابو دجانہ - سہل بن حنیف اور طلحہ بن عبد اللہ حضرت خیر البشرؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جب لڑنے پر آمادگی ظاہر کی - زید نے پھر پوچھا ابوبکر و عمر کہاں تھے ؟ جواب دیا یہ دونوں صاحب بھی غائب ہو گئے تھے - اور جب حضرت عثمان کا حال پوچھا تو کہا یہ بھی کسی طرف کو روانہ ہو گئے تھے (تاریخ حبیب السیر جزو ۳ ص ۱۲۱) اگر کوئی ضرورت ہوتی تو اور بکثرت روایتیں اسی مضمون کی دوسری کتابوں سے نقل کی جاتیں مگر جو اوپر مذکور ہوئیں تحقیق امر کے لئے کافی ہیں۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۲)

وقال یا محمد من ذا الذی بارز الکفار آنفا فان اللہ باھی بہ الملئکۃ قال ھو علیؑ حضرت علیؑ باوصف اس کے کہ آپ کا ہاتھ ٹوٹ گیا تھا اور آپ زخمی ہو گئے تھے آپ نے کفار پر حملہ کر کے ان سب کو شکست دے دی - اس وقت جبرئیل امین نے نازل ہو کر رسولؐ سے پوچھا یہ کس نے ابھی کفار سے جنگ کی ہے ؟ جسکی وجہ سے خدا ملئکہ پر فخر و مباہات کر رہا ہے - آنحضرتؐ نے فرمایا وہ علیؑ تھے (تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۴۳۶)

Marfat.com

ایک مشکل مسئلہ کی تحقیق (ایمان ابوبکر و عمر میں کلام) بعض مسلمانوں کے خیال میں غزوۂ احد نے ایسی صورت پیدا کر دی ہے جس سے حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے ایمان کے متعلق ان لوگوں کو کلام کرنے کا پورا موقع پیدا ہو گیا ہے۔ وہ مسلمان کہتے ہیں کہ جب حضرت علیؑ سے حضرت رسولخداؐ نے پوچھا کہ تم بھی کیوں نہیں بھاگ گئے تو حضرت علیؑ نے اس کا جواب دیا کہ ما کفر بعد الایمان۔ کیا میں ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتا جس سے واضح ہوتا ہے کہ غزوۂ احد سے خاص کر یا کل غزوات سے عام طور پر فرار کر جانے کی وجہ سے انسان کفر کی زد میں آجاتا تھا۔ یعنی حضرت علیؑ کا یہ خیال تھا کہ جو شخص ایمان لانے کے بعد غزوہ سے فرار ہو گیا وہ کافر ہو گیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرتؑ اپنے بارے میں کیوں فرماتے کہ کیا میں ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتا۔ یہاں تو کفر و ایمان کی بحث ہی نہیں تھی نہ اس کا ذکر تھا بلکہ صرف جنگ سے بھاگ جانے کے متعلق حضرت رسولخدا صلعم نے دریافت کیا کہ اے علیؑ تم کیوں نہیں بھاگے؟ حضرتؑ جواب دے دیتے کہ میں لڑوں گا۔ جہاد کرونگا۔ جان دونگا۔ منہ نہیں پھیرونگا۔ مگر بجائے ان کل باتوں کے حضرتؐ نے کہا کیا میں ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتا۔ اس سے تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کے خیال میں اس وقت بھاگ جانے کی وجہ سے ایمان والے کفر کی صفت سے متصف ہو جاتے تھے۔ اگر حضرت علیؑ کا یہ خیال غلط ہوتا تو حضرت رسولؐ خدا کا فرض تھا کہ اسکی اصلاح کر دیتے اور فرما دیتے علی! تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیا تم بھاگ جاتے تو کافر ہو جاتے؟ یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ اس وقت فرار کر جانے سے تم کافر ہو جاؤ گے؟ کیا دوسرے صحابہ جو بھاگ گئے وہ بھی کافر ہو گئے؟ پھر تم نے یہ رائے کیوں قائم کی؟ لیکن آنحضرتؐ نے نہ حضرت علیؑ کے اس خیال کو غلط کہا۔ نہ اس کی رد کی۔ نہ یہ فرمایا کہ نہیں تم کافر نہیں ہوتے بلکہ اس کو تسلیم فرما لیا جس سے واضح ہوا کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کے اس خیال کی تصویب کی (اس کو درست سمجھا) پھر حضرت ابوبکر و عمر کا ایمان کس طرح باقی رہا۔ اس خیال کے بعض مسلمان کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی یہ رائے کہ حضرت رسولخداؐ کو جنگ میں چھوڑ کر بھاگ جانے سے انسان کافر ہو جاتا ہے غلط نہیں تھی اور نہ حضرتؑ کی ایجاد کردہ تھی بلکہ قرآن مجید سے مستنبط تھی۔ کیونکہ اس میں خدائے کریم نے صاف فرما دیا ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ آمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاِذَا کَانُوْا مَعَہٗ عَلٰٓی اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْھَبُوْا حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْہُ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَکَ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔ یعنی مومنین

Marfat.com

تو بس وہی ہیں جو اللہ اور اُس کے رسولؐ پر ایمان لائے ہیں اور جب کسی ایسی بات کے لئے جس میں لوگوں کے جمع رہنے کی ضرورت ہے پیغمبرؐ کے پاس ہوتے ہیں تو جب تک پیغمبرؐ سے اجازت نہ لیں نہیں جاتے۔ اے رسولؐ جو لوگ تم سے اجازت لے لیتے ہیں حقیقت میں وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اُس کے رسولؐ پر ایمان لائے ہیں (پ ۱۸ رکوع ۱۵ سورہ نور آیت ۶۲)۔ اس آیۃ کو خدا نے لفظ انما سے شروع کیا ہے جو حصر کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ خدا فرماتا ہے مومنین صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ اور اُس کے رسولؐ پر ایمان لانے کے بعد جب اوس رسولؐ کے ساتھ کسی ایسے کام میں ہوں جس میں لوگوں کے جمع رہنے کی ضرورت ہے تو بغیر پیغمبرؐ سے اجازت لئے نہ جائیں۔ کہ اگر بغیر اجازت حاصل کئے ہوئے چلے جائیں گے تو وہ مومن نہیں ہیں۔ اور یہ واضح ہے کہ جہاد ایسا کام تھا جس میں مسلمانوں کے جمع رہنے کی ضرورت تھی۔ تو جو لوگ جہاد میں حضرت رسولخداؐ کے ساتھ گئے اور حضرتؐ سے اجازت لے کر وہاں سے ہٹے یا اپنے گھر چلے آئے۔ یا اور کسی جگہ چلے گئے۔ وہ تو یقیناً قول خدا کے مطابق مومنین ہیں۔ لیکن جو صحابہ حضرتؐ کے ساتھ جہاد میں گئے مگر بغیر آنحضرتؐ سے اجازت لئے بھاگ گئے۔ یا چلے آئے۔ یا کسی اور جگہ روانہ ہو گئے۔ وہ اس آیت کے مطابق مومنین سے خارج ہیں۔ یہ ایسا صاف مطلب ہے جس میں کوئی شک و شبہ ہو ہی نہیں سکتا۔ نہ اس آیۃ میں کوئی لفظ ایسا ہے جس میں نعت کی بحث ضروری ہو۔ نہ کسی تفسیر کی احتیاج ہے۔ لیکن مزید اطمینان و تشفی کے لئے معتبر ترین کتب تفسیر سے چند عبارتیں بھی پیش کر دی جاتی ہیں۔ علامہ سیوطی نے لکھا ہے عن مجاھد فی قولہ واذا کانوا معہ علی امر جامع لم یذھبوا حتی یستاذنوہ قال ذلک فی الغزو والجمعۃ۔ مجاہد سے روایت ہے کہ خدا کے اس قول اذا کانوا معہ علی امر جامع کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ لوگ حضرت رسولؐ کے ساتھ جہاد اور نماز جمعہ میں ہوں۔ عن مکحول فی قولہ واذا کانوا معہ علی امر جامع قال اذا جمعھم لامر حزبھم من الحرب ونحوہ لم یذھبوا حتی یستاذنوہ۔ یعنی مکحول سے روایت ہے کہ خدا کے قول واذا کانوا معہ علی امر جامع کا مطلب یہ ہے کہ جب ان لوگوں کو لڑائی وغیرہ کے لئے جمع کریں تو بغیر حضرتؐ کی اجازت کے نہ جائیں (تفسیر درمنثور جلد ۵ صفحہ ۱۷۹)۔ علامہ رازی بھی امر جامع کی تفسیر میں جہاد وغیرہ ہی لکھتے ہیں عن مجاھد فی الحرب وغیرہ یعنی مجاہد سے روایت ہے کہ امر جامع سے مراد جہاد وغیرہ ہے (تفسیر کبیر جلد ۶

اور علامہ خازن لکھتے ہیں علے امر جامع ای بجمعہم من حرب او صلوٰۃ حضرت او جمعۃ او عید او جماعۃ او تشاور فی امر نزل یعنی امر جامع سے وہ کام مراد ہے جو لوگوں کو اکٹھے کرے جیسے جہاد - یا نماز - یا جمعہ - یا عید یا جماعۃ یا مشورہ کسی امر کے بارے میں جو نازل ہو جائے (تفسیر خازن جلد ۳ صـ۳۴۱) - اور علامہ زمخشری لکھتے ہیں والامر الجامع الذی یجمع له الناس فوصف الامر بالجمع علے سبیل المجاز وذلک غزو مقاتلة ۳ یعنی امر جامع سے وہ امر مراد ہے جو لوگوں کو جمع کرے - تو امر کی صفت جمع لانا بطور مجاز کے ہے اور یہ جمع کرنے والا امر جیسے دشمن سے لڑنا یا کسی مہم بات میں مشورہ کرنا ہے (تفسیر کشاف جلد ۲ صـ۳۱۹) اور مولانا وحید الزماں خاں صاحب حیدر آبادی نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے "اور جب کسی جمع ہونے کے کام میں جیسے جمعہ یا جماعۃ یا صلاح یا مشورہ یا جہاد وغیرہ پیغمبرؐ کے ساتھ ہوتے ہیں تو جب تک اس سے اجازت نہ لیں وہاں سے اٹھکر نہیں جاتے" (تفسیر وحیدی صـ۴۶۷) - غرض جس تفسیر کو لیجئے سب میں امر جامع سے مراد زیادہ تر جہاد ہی ہے - اور ایک مفسر بھی ایسا نہیں ہے جس نے امر جامع سے جہاد کو مراد نہ لیا ہو - اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ جہادوں سے جب خلفاء ثلثہ بھاگ بھاگ گئے اور بغیر حضرت رسولخدا صلعم کی اجازت لئے میدان جنگ چھوڑ دیا تو وہ مومن کیسے کہے جا سکتے ہیں ؟ کیا اُن لوگوں کو مسلمان یا مومن کہنا خدا کو جھٹلانا اور قرآن مجید کی مخالفت کرنا نہیں ہے؟ عہد رسولؐ میں خلفاء ثلثہ کے جہادوں سے بھاگنے کے واقعات نہایت کثرت سے بلکہ حد تواتر تک پہونچے ہوئے ہیں خصوصاً غزوۂ احد - غزوۂ حنین وغیرہ تو پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ یہ حضرات بھاگ گئے اور غزوات سے بھاگ جانا آیۃ مذکورہ کے مطابق انسان کو ایمان سے خارج کر دیتا ہے - یہی وجہ ہے کہ غزوۂ احد میں حضرت علیؑ نے بھی آنحضرتؐ سے عرض کی تھی کہ کیا میں ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتا - اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر و عثمان کے غزوات رسولؐ سے بغیر اجازت رسولؐ چلے جانے کے واقعات مدارج النبوۃ جلد ۲ صـ۱۴۹ - تاریخ خمیس جلد ۱ صـ۴۸۲ - تاریخ طبری جلد ۳ صـ۲۱ - منہاج النبوۃ جلد ۲ صـ۲۶۲ - تفسیر کبیر جلد ۳ صـ۸۶ کنز العمال جلد ۱ صـ۲۳۹ وغیرہ میں تفصیل سے مرقوم ہیں جن سے کسی شخص کو انکار نہیں ہو سکتا پس جب یہ حضرات حضرت رسولخداؐ کو امر جامع سے چھوڑ کر بغیر آنحضرتؐ کی اجازت کے چلے جاتے تھے تو مومن کیسے کہے جا سکتے ہیں ؟ اور جب اس استدلال کے مطابق وہ مسلمان تک نہیں کہے جا سکتے تو حضرت

Marfat.com

رسولخداؐ کے خلیفہ کس طرح سمجھے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ خلافت رسولؐ کے لئے تو اس کا مسلمان ہونا ضروری اور پہلی شرط ہونی چاہئے۔

غزوۂ حمراء الاسد غزوۂ احد کے بعد جب آنحضرتؐ مدینہ میں تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ کفار مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ حضرتؐ نے اُسی زخمی بدن پر ہتھیار لگائے اور صرف انھیں اصحاب کو لے کر جو غزوۂ احد میں ناکام رہے تھے مدینہ سے روانہ ہو گئے۔ علمؐ پھر حضرت علیؑ ہی کو دیا۔ مقام حمراء الاسد میں تین دن قیام کیا۔ کفار حضرتؐ کی خبر سن کر مکہ واپس گئے۔ اس غزوہ میں بھی حضرت عمر کی کسی جان نثاری کا پتا نہیں ہے (تاریخ کامل جلد ۲ صـ۶۲ و طبری جلد ۳ صـ۲۰ وغیرہ)

سریہ ابو سلمہ آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا کہ بنو اسد مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ حضرتؐ نے محرم ۴ھ ہجری میں ابو سلمہ کو ۱۵۰ آدمیوں کے ساتھ ان کی طرف روانہ کیا۔ ابو سلمہ بنو اسد پر حملہ آور ہوئے اور ان کو بھگا دیا۔ اس سریہ میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا حال نہیں معلوم ہو سکا (طبقات ابن سعد صـ۳۵)

سریہ عبداللہ بن انیس محرم ۴ھ ہجری میں سفیان بن خالد نے مدینہ پر حملہ کا تہدید کیا اس کے مقابلہ پر حضرتؐ نے عبداللہ بن انیس کو بھیجا جنہوں نے لطائف الحیل سے سفیان کو قتل کیا۔ اس سریہ میں بھی حضرت عمر کی کوئی خدمت نہیں معلوم ہوئی (طبقات ابن سعد صـ۳۵)

واقعہ رجیع حضرت رسولخداؐ کے پاس قبیلہ عضل اور قارہ سے کچھ لوگوں نے آکر کہا کہ ہماری قوم کی ہدایت کے لئے کسی شخص کو بھیج دیجئے۔ حضرتؐ نے عاصم بن ثابت کے ساتھ نو آدمی بھیج دیئے۔ یہ لوگ مقام رجیع پر پہونچے تو کفار نے بدعہدی کر کے ان کو قتل کرنا چاہا آخر مسلمانوں کو اُن سے لڑنا پڑا۔ اس واقعہ میں بھی حضرت عمر کی کسی شرکت کا پتا نہیں ملا۔ (تاریخ طبری جلد ۳ صـ۳۰)

واقعہ بیر معونہ صفر ۴ھ ہجری میں ابو براء کلابی نے آکر آنحضرتؐ سے عرض کی کہ کچھ لوگوں کو میرے ساتھ کر دیجئے کہ میری قوم کو اسلام کی دعوت دیں۔ حضرتؐ نے ستر انصار ساتھ کر دیئے۔ ان لوگوں نے بیر معونہ پر قیام کیا اور حرام بن ملحان کو آنحضرتؐ کا خط دیکر عامر بن طفیل سردار قبیلہ کے پاس بھیجا۔ عامر نے حرام کو قتل کر دیا۔ پھر بڑا لشکر آیا اور کل صحابہ کو قتل کر دیا۔ اس واقعہ میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا ذکر نہیں ملتا (تاریخ طبری جلد ۳ صـ۳۳)

Marfat.com

غزوۂ بنو نضیر | عمرو بن امیہ نے قبیلہ عامر کے دو آدمی جو قتل کر دیئے تھے اور اُن کا خونبہا اب تک واجب الادا تھا اس کے مطالبہ کے لئے آنحضرتؐ کچھ اصحاب کے ساتھ بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے۔ اُنھوں نے مطالبہ قبول کیا لیکن در پردہ یہ سازش کی کہ ایک شخص چپکے سے کوٹھے پر چڑھکر آنحضرتؐ پر پتھر گرا دے۔ حضرتؐ کو اس کی خبر ہو گئی فوراً واپس آئے۔ اس غزوہ میں حضرت عمر کا صرف جانا معلوم ہوتا ہے لیکن آپ نے کوئی کام کرنا نہیں معلوم ہو سکا (طبری جلد ۳ صفحہ ۳)

غزوۂ ذات الرقاع | یہ مقام غطفان علاقہ نجد میں واقع ہے۔ قبیلہ انمار و ثعلبہ نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو آنحضرتؐ جمادی الاولےٰ ۴ھ ہجری میں کئی سو صحابہ کے ساتھ نکلے اور ذات الرقاع تک تشریف لے گئے لیکن وہ سب بھاگ گئے۔ اس غزوہ میں حضرت عمر کی کسی خدمت کا ذکر نہیں ملتا (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۳۹)

غزوۂ بدر ثانی | جنگ احد کی واپسی کے بعد ابوسفیان کہتا گیا تھا کہ آئندہ سال پھر آئینگے اسی وعدہ کو پورا کرنے کے لئے اس نے ایک شخص کو اس غرض سے مدینہ بھیجا کہ اجنبی بن کر کفار قریش کے سامان سے مسلمانوں کو ڈرا دے۔ اس نے آکر مدینہ میں مسلمانوں کو ڈرایا تو آنحضرتؐ ڈیڑھ ہزار کی جمعیت سے بدر تک آئے مگر کفار قریش نہیں آئے تو لڑائی بھی نہیں ہوئی۔ اس غزوہ کے علم بردار بھی حضرت علیؓ تھے اور حضرت عمر کی کسی خدمت کا ذکر اس غزوہ میں بھی نہیں ملتا (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۴۱)

غزوہ دومۃ الجندل | آنحضرت کو معلوم ہوا کہ دومۃ الجندل کے سردار اکیدر بن عبدالملک نصرانی نے کچھ لوگوں کو جمع کیا جو آنے جانے والوں پر ظلم کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ ربیع الاوّل ۵ھ میں ایک ہزار کی جمعیت لے کر مدینہ سے نکلے تو وہ بھاگ گئے۔ اس غزوہ میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا کوئی ذکر نہیں ملتا (خمیس جلد ۱ صفحہ ۵۲۷)

غزوۂ بنی مصطلق | خزاعہ کے ایک خاندان بنو المصطلق نے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں تو ۲ر شعبان ۵ھ کو آنحضرتؐ انکی طرف روانہ ہوئے۔ لڑائی ہوئی اور مسلمانوں کو بہت کچھ مال غنیمت ملا۔ اس غزوہ میں بھی حضرت علیؓ ہی علم بردار تھے اور حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں ملا (طبقات ابن سعد جلد مغازی صفحہ ۴۵ و ۴۶)

غزوۂ خندق | بنو نضیر مدینہ سے نکل کر اور جلاوطن ہو کر خیبر پہونچے۔ تو ایک عظیم الشان

سازش شروع کی۔ کئی آدمی مکہ معظمہ گئے اور قریش کو ملا لیا۔ پھر قبیلۂ غطفان کو شریک کیا بنو اسد بھی ساتھ ہو گئے۔ غرض تمام قبائل عرب سے لشکر گراں تیار ہو کر مدینہ کی طرف بڑھا۔ اس کی تعداد ۲۴ ہزار سے زائد تھی۔ آنحضرتؐ نے یہ خبریں سنیں تو صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسی نے رائے دی کہ کھلے میدان میں نکل کر لڑنا مصلحت نہیں۔ ایک محفوظ مقام میں لشکر جمع کیا جائے اور گرد خندق کھود لی جائے۔ سب نے یہ رائے پسند کی اور خندق کھودنے کے آلات مہیا کئے گئے۔ یہ ذیقعدہ ۵ھ کا واقعہ ہے۔ بنو قریظہ بھی دشمنوں میں مل گئے۔ موسم خوب سرد تھا۔ دشمن مدینہ کا محاصرہ کئے ہوئے پڑے تھے۔ حذیفہ بیان کرتے تھے کہ ایک رات آنحضرت صلعم خواب سے بیدار ہوئے اور اصحاب سے فرمایا کون ہے کہ اس وقت جائے اور دشمنوں کی خبر میرے پاس لائے۔ جس کے عوض خدا اس کو بہشت میں میرا رفیق کرے۔ مگر کسی نے جواب نہیں دیا۔ دوبارہ فرمایا کوئی ہے جو اس قوم کی خبر لا دے۔ اب بھی کوئی نہیں بولا۔ جب تین مرتبہ حضرتؐ فرما چکے اور کوئی صاحب آمادہ نہیں ہوئے تو حضرتؐ نے نام لے کر صحابہ سے فرمایا کہ جا کر خبر لاؤ۔ مگر ہر شخص پہلو تہی کرتا رہا لما کرہ قولہ الاہ جل یا تینی بخبر القوم یکون معی یوم القیامۃ ولم یجبہ احد قال ابوبکر یا رسول اللہ حذیفۃ۔ جب حضرتؐ نے بار بار لوگوں سے کہا کہ کیا کوئی بھی جا کر خبر نہیں لا سکتا؟ تو حضرت ابوبکر نے فرمایا آپ حذیفہ سے کہئے کہ وہی جا کر خبر لائیں (سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص۳۲۷)۔ اور علامہ علی متقی نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر نے فرمایا یا رسول اللہ ابعث حذیفۃ اے رسولؐ حذیفہ کو بھیج دیجئے (کنز العمال جلد ۵ ص۲۷۹) مگر علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ حذیفہ بیان کرتے تھے جب کسی صحابی نے حضرتؐ کی فرمائش پوری نہیں کی تو قال یا ابابکر قال استغفر اللہ ورسولہ ثم قال ان شئت ذہبت فقال یا عمر فقال استغفر اللہ ورسولہ ثم قال یا حذیفۃ فقلت لبیک فقمت حتے اتیت۔ آنحضرتؐ نے نام لے کر فرمایا اے ابوبکر (تم کیوں نہیں جاتے؟) حضرت ابوبکر نے کہا میں اللہ و رسولؐ سے معافی چاہتا ہوں۔ حضرتؐ نے فرمایا اگر چاہو تو ضرور جا سکتے ہو (مگر اب بھی وہ نہیں اٹھے)۔ پھر حضرتؐ نے فرمایا اے عمر (تم جا کر خبر لاؤ)۔ انھوں نے بھی کہا میں اللہ و رسولؐ سے معافی کا خواستگار ہوں۔ اب حضرتؐ نے فرمایا

Marfat.com

اے حذیفہ۔ حذیفہ بولے میں حاضر ہوں اور فوراً چلے گئے (تفسیر درمنثور جلد ۵ ص ۳۵)
غرض جب مخالفوں کے لشکر نے مسلمانوں کا ہر طرف سے محاصرہ کر لیا تو مسلمانوں کے ہوش جاتے رہے۔ خاص کر عمرو بن عبدود نامی پہلوان کی وجہ سے جس کو اہل عرب ہزار بہادروں کے برابر جانتے تھے۔ حضرت عمر نے اس موقع پر بیان کیا کہ ایک دن ہم قریش کی ایک جماعت کے ساتھ جن میں عمرو بن عبدود بھی تھا شام کی طرف جا رہے تھے کہ دفعتہً تقریباً ہزار ڈاکوؤں نے ہمارا راستہ روک لیا۔ اہل قافلہ جان و مال سے ہاتھ دھو بیٹھے مگر عمرو بن عبدود کچھ بھی نہیں ڈرا۔ اس نے سپر کے بدلے اونٹ کا ایک بچہ ہاتھ میں لے کر اس زور کا حملہ کیا کہ وہ سب ڈاکو پریشان ہو کر بھاگ گئے اور ہمارا قافلہ اطمینان سے گزر گیا (معارج النبوۃ رکن ۴ صلا ۱۶)۔ بہرکیف جنگ ہوتی رہی۔ ایک روز دشمن خندق پھاند کر اس پار آ گئے اور مبارز طلب کئے۔ ان میں عمرو بن عبدود بھی تھا۔ اس کی آواز پر مسلمان اور بھی بدحواس ہوئے۔ کسی کو ہمت نہ ہو سکی کہ اس کے مقابلہ پر جاتا۔ آنحضرتؐ نے تین مرتبہ اپنے اصحاب سے فرمایا کہ کوئی جائے مگر سوائے حضرت علیؑ کے کسی کو جرأت نہیں ہوئی۔ اس واقعہ کو مولوی شبلی صاحب کی عبارت میں دیکھو لکھتے ہیں "ان میں سب سے زیادہ مشہور بہادر عمرو بن عبدود تھا۔ وہ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ سب سے پہلے وہی آگے بڑھا اور عرب کے دستور کے موافق پکارا کہ مقابلہ کو کون آتا ہے؟ حضرت علیؑ نے اٹھ کر کہا کہ میں۔ لیکن آنحضرتؐ نے روکا کہ یہ عمرو بن عبدود ہے!! حضرت علیؑ بیٹھ گئے لیکن عمرو کی آواز گاہ اور کسی طرف سے جواب نہیں آتا تھا۔ عمرو دوبارہ پکارا اور پھر وہی صرف ایک صدا جواب میں تھی۔ تیسری دفعہ جب آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ عمرو ہے تو حضرت علیؑ نے عرض کی ہاں میں جانتا ہوں کہ یہ عمرو ہے۔ غرض آپ نے اجازت دی۔ خود دست مبارک سے تلوار عنایت کی۔ سر پر عمامہ باندھا۔ عمرو کا قول تھا کہ کوئی شخص دنیا میں اگر مجھ سے تین باتوں کی درخواست کرے تو ایک ضرور قبول کروں گا۔ حضرت علیؑ نے عمرو سے پوچھا کیا واقعی تیرا قول ہے۔ پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی:۔ حضرت علیؑ۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ تو اسلام لا۔ عمرو۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت علیؑ۔ لڑائی سے واپس چلا جا۔ عمرو۔ میں خاتونان قریش کا طعنہ نہیں سن سکتا۔ حضرت علیؑ۔ مجھ سے معرکہ آرا ہو۔ عمرو ہنسا

Marfat.com

اور کہا مجھ کو امید نہ تھی کہ آسمان کے نیچے یہ درخواست بھی میرے سامنے پیش کی جائیگی۔ حضرت علیؓ پیادہ تھے۔ عمرو کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا۔ گھوڑے سے اُتر آیا۔ اور پہلی تلوار گھوڑے کے پاؤں پر ماری کہ کونچیں کٹ گئیں۔ پھر پوچھا کہ تم کون ہو؟ آپ نے نام بتایا۔ اُس نے کہا میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ آپ نے فرمایا ہاں لیکن میں چاہتا ہوں۔ عمرو اب غصہ سے بے تاب تھا۔ پر تلے سے تلوار نکالی اور آگے بڑھکر وار کیا۔ حضرت علیؓ نے سپر پر روکا لیکن تلوار سپر میں ڈوب کر نکل آئی اور پیشانی پر لگی۔ گو زخم کاری نہ تھا تاہم یہ طغرا آپ کی پیشانی پر یادگار رہ گیا۔ قاموس میں ہے کہ حضرت علیؓ کو ذوالقرنین بھی کہتے تھے جسکی وجہ یہ تھی کہ آپکی پیشانی پر دو زخموں کے نشان تھے۔ ایک عمرو کے ہاتھ کا اور ایک ابن ملجم۔ دشمن کا وار ہو چکا تو حضرت علیؓ نے وار کیا۔ انکی تلوار سانپ کاٹ کر پنجے اُتر آئی۔ ساتھ ہی حضرت علیؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور فتح کا اعلان ہو گیا (سیرۃ النبی جلد ۱ صـ۳۱۴)۔ مورخین نے لکھا ہے کہ جب جناب امیرؓ عمرو بن عبدود کے مقابلہ میں نکلے تو آنحضرتؐ نے فرمایا برز الایمان کلہ الی الشرک کلہ۔ کہ پورا ایمان پورے کفر کے مقابلہ کو نکلا ہے (حیوۃ الحیوان جلد ۱ صـ۲۳۸ وسیرۃ محمدیہ جلد ۲ صـ۱۰۲)۔ شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے لکھا ہے "از علی مرتضیٰؓ در غزوہ خندق مبارزہا و مقاتلہا واقع شد از حد قیاس و عقل بیروں چنانکہ در اخبار واقع شدہ است لمبارزۃ علی ابن ابی طالب یوم الخندق افضل من اعمال امتی الی یوم القیامۃ۔ و آنحضرتؐ دعا ہا کرد در حق علی مرتضیٰؓ و شمشیر خود را کہ ذوالفقار نام داشت بوے عطا نمود۔ یعنی غزوۂ خندق میں حضرت علی مرتضیٰؓ سے ایسی شجاعت و بہادری اور وہ کارنامے ظاہر ہوئے جو حد قیاس سے خارج ہیں۔ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا یقیناً جنگ خندق میں حضرت علیؓ کا جہاد میری امت کے ان کل اعمال سے افضل ہے جو وہ قیامت تک کرتی رہیگی۔ نیز حضرت رسول مقبولؐ نے حضرت علیؓ کے حق میں دعائیں فرمائیں اور اپنی تلوار ذوالفقار آپ کو عطا فرمائی (مدارج النبوۃ جلد ۲ صـ۲۱۳)۔ جب عمرو بن عبدود کی بہن بھائی کی لاش پر آئی اور دیکھا کہ قاتل نے عمرو کا کوئی سامان نہیں لیا تو کہنے لگی ما قتلہ الا کفؤ کریم۔ میرے بھائی کا قاتل یقیناً کوئی شریف اور بزرگ شخص ہے۔ پھر اوس نے قاتل کا نام پوچھا۔ جب معلوم ہوا کہ علیؓ ہیں تو اوس نے یہ شعر کہے ؎ لو کان قاتل عمرو غیر قاتلہ۔ لکنت ابکی علیہ آخر الابد ؎ لکن قاتلہ من لا یقاب بہ۔ من کان یدعیٰ قدیما بیضۃ البلد ؎ اگر عمرو کا قاتل علیؓ کے

Marfat.com

سوائے کوئی ہوتا تو میں اس پر زندگی بھر روتی مگر اس کا قاتل تو وہ بزرگ ہے جس میں کوئی عیب نکل ہی نہیں سکتا اور جس کو لوگ ہمیشہ سے بیضۃ البلد (سردار عرب) کہتے آئے ہیں (تاریخ خمیس جلد ۱ ص۴۴۵ وغیرہ)۔ غرض اس غزوہ میں بھی حضرت علیؓ کے کارنامے شروع سے آخر تک ملتے ہیں لیکن حضرت عمر کی کسی خدمت کا سوائے استغفر اللہ کہنے کے کوئی پتا نہیں ملتا۔ البتہ اتنی بات اور ملتی ہے کہ جب حضرت علیؓ معرکۂ جنگ سر کرکے پھرے تو حضرت ابوبکر و عمر نے اٹھکر آپکا سر چوم لیا (معارج النبوۃ رکن ۲ ص۱۶۳ و روضۃ الصفا، جلد ۲ ص۵۵ وغیرہ)۔ مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے کہ "ایک حصہ پر حضرت عمر متعین تھے چنانچہ یہاں اُن کے نام کی ایک مسجد آج بھی موجود ہے"۔ مگر خود ہی اسکی حقیقت بھی ظاہر کردی کہ "یہ واقعہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے لیکن میں نے کسی کتاب میں اسکی سند نہیں پائی" (الفاروق ص۵)۔ ظاہر ہے کہ جب غزوۂ احد سے بارہ سو برس کے بعد دہلی میں بیٹھکر شاہ صاحب ایسی بے سند باتیں لکھیں تو انکی طرف کون شخص توجہ کرسکتا ہے!

واقعہ ضرار مورخین نے لکھا ہے کہ جب حضرت علیؓ عمرو بن عبدود کو قتل کرکے اسلام کا علم بلند کرچکے تو شجعل ضرار ابن الخطاب وھبیرۃ بن ابی وھب علی علی وھو اقبل الیھما فاما ضرار فلما نظر الی وجہ علی ولّی ھاربا وبعد ذلک سئل عن سبب فرارہ۔ قال خیل لی ان الموت یریدنی صورتہ۔ واما ھبیرۃ فثبت فی مقاتلتہ حتی اصابہ اثر السیف فعنہ ذلک الیہ رجعہ وھرب۔ وفی روایۃ حمل زبیر ابن العوام وعمر بن الخطاب بعد قتل علی عمرا علی بقیۃ اصحاب عمرو وقد کان ضرار ابن الخطاب یفرّ وعمر یشتد فی اثرہ فکر ضرار راجعا وحمل علی عمر بالرمح لیطعنہ ثم امسک وقال یا عمر ھذہ نعمۃ مشکورۃ اثبتھا علیک ویدلی عندک غیر مجزی بھا فاحفظھا۔ ضرار بن خطاب اور ہبیرہ بن ابی وہب نے حضرت علیؓ پر حملہ کیا تو حضرت علیؓ بھی ان دونوں کی طرف جھپٹے مگر ضرار نے جب حضرتؓ کی صورت دیکھی تو بھاگ نکلا۔ اس واقعہ کے بعد جب اس سے بھاگنے کا سبب پوچھا گیا تو کہا علیؓ کے حملہ کرنے پر مجھے ایسا معلوم ہوا کہ مجسم موت میرے سامنے کھڑی ہوگئی ہے۔ البتہ ہبیرہ کچھ دیر ٹھہرا رہا مگر حضرت علیؓ کی تلوار کی آنچ لگتے ہی زرہ پھینک کر وہ بھی بھاگا۔ دوسری روایت میں ہے کہ (جب حضرت علیؓ عمرو بن عبدود کو قتل کرچکے تو زبیر اور حضرت عمر بن خطاب نے

عمرو بن عبد ود کے باقی ساتھیوں پر حملہ کرنا چاہا۔ ان لوگوں میں ضرار بن خطاب بھی تھا جو بھاگا جاتا تھا اور حضرت عمر اوسکے پیچھے دوڑے جا رہے تھے۔ آگے بڑھکر اوس نے پلٹکر دیکھا کہ کوئی تعاقب کر رہا ہے۔ جب دیکھا کہ حضرت عمر ہیں تو مطمئن ہو کر پلٹا اور حضرت عمر پر نیزہ لے کر بڑھا کہ وار کر ہی دے۔ پھر (کچھ سوچ کر) رک لیا اور کہا لو عمر جاؤ تم پر میری یہ دو نعمت ہے (کہ تم کو قابو پاکر چھوڑ دیا) جس کا تم کو شکر ادا کرنا چاہئے اور تم پر میرا وہ احسان ہے جس کا عوض تم کبھی ادا نہیں کر سکتے۔ خیر مگر اس کو یاد رکھنا (تاریخ خمیس جلد ۱ صـ۴۸۷)۔ مولوی شبلی صاحب نے بھی اس واقعہ کو قابل ذکر سمجھا۔ لکھتے ہیں "حضرت علیؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور فتح کا اعلان ہو گیا۔ عمر کے بعد ضرار اور جبیرہ نے حملہ کیا۔ لیکن جب ذوالفقار کا ہات بڑھا تو پیچھے ہٹنا پڑا۔ حضرت فاروق نے ضرار کا تعاقب کیا۔ ضرار نے مڑکر برچھے کا وار کرنا چاہا لیکن روک لیا اور کہا عمر! اس احسان کو یاد رکھنا۔ نوفل بھاگتے ہوئے خندق میں گرا صحابہ نے تیر مارنے شروع کئے۔ اس نے کہا مسلمانو! میں شریفانہ موت چاہتا ہوں۔ حضرت علیؓ نے اوسکی درخواست منظور کی اور خندق میں اتر کر تلوار سے مارا کہ شریفوں کے شایان تھا" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صـ۳۱۴)

غزوہ بنو قریظہ غزوۂ خندق کے بعد آنحضرتؐ بنو قریظہ سے لڑنے کو ذیقعدہ ۵ھ ہجری میں تشریف لے گئے۔ اس غزوہ میں بھی لشکر کا علم حضرت علی کو دیا۔ اور حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں مل سکا (تاریخ طبری جلد ۳ صـ۵۲ وغیرہ)

سریہ سیف البحر بعض مورخین کی تحقیق کے مطابق اسی سال ۵ھ میں حضرت رسولخداؐ نے ابو عبیدہ بن جراح کے ماتحت تین سو صحابہ کا ایک لشکر سیف البحر کی طرف بھیجا مگر ابن اثیر وغیرہ نے اس کو ۸ھ میں بیان کیا ہے۔ اس میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا حال نہیں ملتا (کامل جلد ۲ صـ۸۸)

غزوہ بنو لحیان رجیع کے کچھ لوگوں سے قصاص لینے کے لئے آنحضرتؐ نے بنو لحیان پر چڑھائی کی مگر وہ لوگ مقابلہ میں نہیں آئے بھاگ گئے اور حضرت ۱۴ دن کے بعد مدینہ واپس آئے اس میں بھی حضرت عمر کے کسی کام کا حال نہیں ملا (کامل جلد ۲ صـ۱۰۷ وغیرہ)

غزوہ ذی قرد ایک شخص آنحضرتؐ کی کچھ اونٹنیاں پکڑ لے گیا تھا تو آنحضرتؐ بارادۂ جہاد مدینہ

سے ربیع الاول ۶ھ میں چلے اور جب انثنیان ل گئیں تو واپس آئے۔ اس میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں ملتا (طبری جلد ۳ ص۶۰)

سریہ عیص آنحضرتؐ کو معلوم ہوا کہ قریش شام کی طرف جاتے ہیں۔ اس میں زینب کا شوہر ابو العاص بھی تھا۔ حضرت نے زید بن حارثہ کے ماتحت کچھ لوگوں کو انکی طرف روانہ کیا اس سریہ میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں ملا (کامل جلد ۲ ص۷۸)

سریہ دومۃ الجندل شعبان ۶ھ میں آنحضرتؐ نے عبدالرحمن بن عوف کو ہدایت کے لیے بنو کلب کے پاس روانہ کیا۔ اس میں بھی حضرت عمر کی کوئی شرکت نہیں معلوم ہوئی (کامل جلد ۲ ص۷۹)

سریہ فدک شعبان ۶ھ میں آنحضرتؐ کو معلوم ہوا کہ بنو بکر اور یہود ان خیبر مدینہ پر چڑھائی کرنا چاہتے ہیں۔ حضرتؐ نے حضرت علیؓ کو سو آدمیوں کے ساتھ انکی طرف روانہ فرمایا فدک پر مقابلہ ہوا۔ دشمن کو شکست ہوئی اور مسلمان مال غنیمت لیکر واپس آئے۔ اسمیں بھی حضرت عمر کا کوئی حال نہیں ملا (کامل جلد ۲ ص۷۹)

سریہ وادی القریٰ جناب زید شام جاتے تھے۔ وادی القریٰ کے قریب بنو فزارہ نے ان کو لوٹ لیا تو مدینہ واپس آئے اور مدد لے کر گئے تو کامیاب ہوئے۔ حضرت عمر کی کوئی خدمت اسمیں بھی نہیں معلوم ہو سکی (کامل جلد ۲ ص۷۹)

سریہ عرینہ عرینہ کے کچھ شریر آنحضرتؐ کے غلام یسار کو ہلاک کر کے بہت اونٹ بھگا لے گئے۔ آنحضرتؐ نے کچھ لوگوں کو بھیج کر ان چوروں کو گرفتار کرا لیا۔ اس میں بھی حضرت عمر کا کوئی کام نہیں ملا (کامل جلد ۲ ص۷۹)

غزوۂ حدیبیہ ذیقعدہ ۶ھ میں حج کے ارادہ سے آنحضرتؐ مکہ کی طرف تشریف لے چلے۔ قریش کو معلوم ہوا تو روکنا چاہا۔ حضرتؐ ایک کنوئیں پر جس کا نام حدیبیہ تھا رُک گئے۔ قریش کے ایلچی عروہ نے آنحضرتؐ سے آکر کہا اس سال آپ حج کو نہ آئیں اس نے یہ بھی کہا فواللہ انی لارے وجوھا واشوابا من الناس خلقا ان یفروا ویدعوک فقال ابوبکر امصص بظر اللات انحن نفر عنہ۔ خدا کی قسم میں ایسے چہرے اور ان اوباش لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جن کی شان سے عیاں ہے کہ سب جنگ سے بھاگ جائیں گے اور آپکو چھوڑ کر چل دینگے۔ اس پر حضرت ابوبکر نے کہا جایئے آپ لات کا ٹنا چوسیئے

Marfat.com

واہ کیا ہم بھاگ جائیں گے اور حضرتؐ کو چھوڑ دینگے؟ (تاریخ طبری جلد ۳ صـ ۷۵)
فشرد عا رسول اللہ عمر بن الخطاب، لیبعثہ الی قریش یخبرہم انہ لم یات لحرب وانما جاء زائرا لھذا البیت معظما لحرمتہ فرحل عمر فبعثہ عثمان بن عفان الی ابی سفیان واشراف قریش فرفھم ذلک فقالوا ان احببت انک تطوف بالبیت فطف فقال ماکنت لافعل حتی یطوف رسول اللہ فحبسوہ وبلغ رسول اللہ ان عثمان قتل فقال لا نبرح حتی نناجز القوم ودعا الی بیعۃ الرضوان تحت الشجرۃ۔ آنحضرتؐ نے حضرت عمر سے فرمایا کہ تم جاکر قریش کو مطلع کردو کہ ہم لوگ لڑنے کے قصد سے نہیں آئے بلکہ زیارت خانہ کعبہ کی غرض سے آئے ہیں۔ حضرت عمر بسبب عداوت قریش کچھ ڈرنے لگے (اور ان کے خوف سے نہیں گئے) تو حضرتؐ نے حضرت عثمان کو ابوسفیان وغیرہ کے پاس بھیجا۔ چنانچہ حضرت عثمان نے جاکر رسولؐ مقبول کا پیغام پہونچایا۔ انھوں نے کہا کہ اگر تم خود طواف کرنا چاہتے ہو تو کرلو۔ حضرت عثمان نے کہا کہ میں بغیر رسول اللہؐ کے ایسا نہیں کرسکتا۔ یہ سن کر کفار قریش نے ان کو قید کرلیا۔ یہاں آنحضرتؐ کو یہ خبر پہونچی کہ حضرت عثمان قتل کردئے گئے۔ پیغمبر صاحب نے کہا کہ اب ہم اس قوم سے بغیر مقاتلہ کئے نہیں رہ سکتے۔ پس آنحضرتؐ نے سب کو تہ بروزخت بیعت کے لئے طلب فرمایا (تاریخ ابن الوردی)۔ اس غزوہ کا نتیجہ صلح حدیبیہ کی صورت میں ظاہر ہوا کہ حضرت رحمۃ للعالمین نے نہایت نرمی اور صلح پسندی کو راہ دیا اور کفار قریش کی تقریباً کل شرطیں مان لیں۔ مگر حضرت عمر کو بہت جوش ہوا۔ آنحضرتؐ کی نبوت تک میں شک ہوگیا۔ مورخین نے لکھا ہے نقل است از عمر بن الخطاب کہ گفت در آں روز در دل من امر عظیم و مراجعت کردم با حضرت صلعم کہ ہرگز مثل آں نہ کردہ بودم و رفتم نزد رسولؐ و گفتم کہ آیا تو پیغمبر برحق نیستی۔ فرمود بلے ہستم۔ گفتم نہ ما بر حقیم و مخالفان ما بر باطل۔ گفت بلے۔ پس گفتم چرا ما ایں مذلت و حقارت کشیم و بایں طور صلح کردہ باز گردیم۔ آنحضرتؐ فرمود اے پسر خطاب بدرستی کہ من فرستادۂ خدایم و بے فرمان وے نمی کنم و وے ناصر و معین من است و مرا ضائع نہ خواہد گزاشت۔ حضرت عمر سے روایت ہے کہ صلح حدیبیہ کے دن میرے دل میں خطرۂ عظیم گزرا اور میں نے رسولؐ اللہ کے ساتھ نہایت مقابلہ کی بے باکانہ باتیں کیں کہ اس سے پہلے کبھی نہیں کی تھیں۔ چنانچہ رسولؐ اللہ کے پاس جاکر

میں نے کہا کیا آپ پیغمبر برحق نہیں ہیں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا بے شک ہوں۔ میں نے کہا کیا ہم حق پر اور ہمارے مخالف باطل پر نہیں ہیں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا بے شک ہیں۔ میں نے کہا پھر کیوں ہم ایسی حقارت و ذلت گوارا کریں اور اس طور سے صلح کر کے واپس ہوں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا اے خطاب کے بیٹے! میں خدا کا رسول ہوں اور بغیر اس کے حکم کے کچھ نہیں کرتا۔ وہی میرا حامی و مددگار ہے اور وہ میرے کام کو ضائع نہیں کرے گا (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۶۴) اور امام بخاری نے لکھا ہے قال عمر بن الخطاب فاتیت النبیؐ فقلت الست نبی اللہ حقا۔ قال بلے۔ قلت السنا علی الحق وعدونا علی الباطل۔ قال بلے۔ قلت فلم نعطی الدنیۃ فی دیننا اذا قال انی رسول اللہ و لست اعصیہ وھو ناصری۔ حضرت عمر نے کہا بروز صلح حدیبیہ میں نے رسولؐ سے پوچھا کیا آپ نبی برحق نہیں ہیں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کیوں نہیں ہوں۔ میں نے کہا کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا بے شک ہم حق پر اور ہمارے مخالف باطل پر ہیں۔ میں نے کہا پھر کیوں اس وقت ہم دین میں دباؤ اور جھکنا گوارا کریں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا سنو میں خدا کا رسولؐ ہوں۔ اسکے حکم کے خلاف کچھ نہیں کرتا اور وہ میرا مددگار ہے (صحیح بخاری پ ۱۱ ص ۱ مطبوعہ دہلی) اور علامہ عینی نے لکھا ہے قال فقد دخلنی امر عظیم فراجعت النبیؐ مراجعۃ ما راجعتہ مثلھا قط۔ حضرت عمر نے فرمایا بروز صلح حدیبیہ میرے دل میں خطرۂ عظیم گزرا اور میں نے پیغمبر صاحب کے ساتھ ایسی ردوبدل کی کہ پہلے کبھی نہ کی تھی (عمدۃ القاری جلد ۶ صفحہ ۴۴۷) اور علامہ دیار بکری و سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے روی عن عمر انہ قال واللہ ما شککت منذ اسلمت الا یومئذ فاتیت النبیؐ فقلت الست نبی اللہ حقا۔ قال بلے قلت السنا علی الحق وعدونا علی الباطل قال بلے۔ قلت الیس قتلاہ فی الجنۃ وقتلاھم فی النار۔ قال بلے۔ قلت فلم نعطی الدنیۃ فی دیننا قال انی رسول اللہؐ ولست اعصیہ وھو ناصری۔ خود حضرت عمر فرماتے تھے کہ بخدا میں جب سے اسلام لایا آج کے سوا کبھی مجھے شک نہیں ہوا چنانچہ میں نے پیغمبر صاحب کے پاس جا کر کہا کیا آپ نبی برحق نہیں ہیں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا بے شک ہوں میں نے

Marfat.com

کہا کیا ہم حق پر اور ہمارے مخالف باطل پر نہیں ہیں اور کیا ہمارے مقتول بہشت میں جانے والے اور ان کے کشتگان دوزخی نہیں ہیں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا ہم ضرور حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر ہیں اور ہمارے مقتول جنتی ہیں۔ اور اُن کے مقتول جہنمی۔ میں نے کہا کہ پھر دین میں دبنا اور پست ہونا چہ معنی دارد؟ حضرتؐ نے فرمایا میں اللہ کا رسولؐ ہوں اوسکی نافرمانی نہیں کرسکتا اور وہ میرا معین و مددگار ہے اسکے بعد حضرت عمر فرماتے تھے کہ میں نے اس جرأت کے کفارے میں جو بروز حدیبیہ مجھ سے واقع ہوئی اکثر اعمال صالحہ مثل روزے نماز و صدقہ کے ادا کئے (تاریخ خمیس جلد ۲ صہ ۲ و تفسیر درمنثور جلد ۶ صہ ۷ و سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صہ ۱۶۱ وغیرہ)۔ مولوی شبلی صاحب نے بھی ان واقعات کو تسلیم کیا ہے لکھتے ہیں "رسول اللہؐ نے چاہا کہ اکابر صحابہ میں کسی کو سفارت کے طور پر بھیجیں کہ ہم کو لڑنا مقصود نہیں۔ چنانچہ حضرت عمر کو اس خدمت پر مامور کرنا چاہا۔ انھوں نے عرض کی کہ قریش کو مجھ سے سخت عداوت ہے اور میرے خاندان میں وہاں کوئی شخص میرا حامی موجود نہیں۔ عثمان کے عزیز و اقارب وہیں ہیں اس لئے ان کو بھیجنا مناسب ہوگا[1] ان شرائط پر معاہدہ ہوا کہ اس دفعہ مسلمان الٹے واپس جائیں... مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص قریش کو ہاتھ آجائے تو ان کو اختیار ہوگا کہ اس کو اپنے پاس روک لیں۔ اخیر شرط چونکہ بظاہر کافروں کے حق میں زیادہ مفید تھی حضرت عمر کو نہایت اضطراب ہوا۔ معاہدہ ابھی لکھا نہیں جا چکا تھا کہ وہ حضرت ابوبکر کے پاس پہنچے۔ اور کہا کہ اس طرح دب کر کیوں صلح کی جائے۔ انھوں نے سمجھایا رسول اللہؐ جو کچھ کرتے ہیں اسی میں مصلحت ہوگی۔ لیکن

---

[1] تعجب ہے کہ حضرت عمر باوجود اس شجاعت و قوت اور رعب و جلال کے جس کا ذکر مولوی شبلی صاحب نے اسی اظہار رائے میں بار بار کیا ہے ایک معمولی پیغام پہونچانے میں بھی کفار قریش سے اس طرح سہمے رہتے تھے۔ وہ وقت جنگ کا تو تھا نہیں۔ اور جنگ بھی ہوتی تو آپکو ڈرنا مناسب نہیں تھا چہ جائیکہ معمولی بات چیت کرنے کی ہمت بھی آپکو نہیں ہوئی اور اس چھوٹے سے کام کے لئے آنحضرتؐ سے معذرت کرنے ہی کی ضرورت سمجھی۔ مگر حضرت عثمان نے کوئی عذر نہیں کیا تشریف لے گئے اور وہاں کفار نے قید کر لیا تو

حضرت عمر کو تسکین نہیں ہوئی خود رسول اللہ کے پاس گئے اور اس طرح گفتگو کی۔ یا رسول اللہ کیا آپ رسول خدا نہیں ہیں؟۔ رسول اللہ۔ بے شک ہوں۔ حضرت عمر۔ کیا ہمارے دشمن مشرک نہیں ہیں؟ رسول اللہ۔ ضرور ہیں۔ حضرت عمر۔ پھر ہم اپنے مذہب کو کیوں ذلیل کریں۔ رسول اللہ۔ میں خدا کا پیغمبر ہوں اور خدا کے حکم کے خلاف نہیں کرتا۔ حضرت عمر کی یہ گفتگو اور خصوصاً انداز گفتگو اگرچہ خلاف ادب تھا۔ چنانچہ بعد میں ان کو سخت ندامت ہوئی اور اسکے کفارے کے لئے روزے رکھے نفلیں پڑھیں۔ خیرات دی۔ غلام آزاد کئے۔ تاہم سوال و جواب کی اصل بنا اس نکتہ پر تھی کہ رسولؐ کے کون سے افعال انسانی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں اور کون سے سالت کے صنف سے" (الفاروق ص۵۳)۔ غرض قریش نے سہیل بن عمرو کو آنحضرتؐ کے پاس صلح کی درخواست لے کر بھیجا جس کو آپ نے منظور فرمایا اور حضرت علیؑ کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ لکھو بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سہیل بولا کہ ہم یہ نہیں جانتے لکھو باسمک اللھم۔ یہی لکھا گیا۔ پھر حضرتؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ لکھو یہ وہ صلح نامہ ہے جسکی بنا پر محمدؐ رسول اللہ نے سہیل بن عمرو سے مصالحت کی۔ سہیل نے کہا اگر ہم تم کو رسول اللہ جانتے تو لڑتے کیوں۔ بجائے اس کے اپنے والد کا نام لکھو۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے کاغذ لے لیا اور لفظ رسولؐ اللہ کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھکر حضرت علیؑ سے فرمایا اے علیؑ ایک وقت تم کو بھی ایسا ہی معاملہ پیش آئیگا (تاریخ کامل جلد ۲ ص۷۷ و روضۃ الاحباب جلد ۱ ص۳۵۶ و معارج النبوۃ رکن ۲ ص۱۹۵ و خصائص نسائی ص۳۶ وغیرہ)۔ صلحنامہ مکمل ہونے کے بعد آنحضرت صلعم نے صحابہ کو حکم دیا کہ قربانی کا جانور ذبح کریں فواللہ ماقام منھم رجل حتی قال ذلک ثلاث مرات۔ فلما لم یقم منھم احد قام فدخل علی ام سلمۃ مگر خدا کی قسم ایک صحابی بھی نہیں اوٹھا۔ حضرتؐ نے تین مرتبہ یہی فرمایا اور ہر بار صحابہ نے حکم رسولؐ کی مخالفت کی۔ جب کسی طرح کوئی آمادہ نہیں ہوا تو آنحضرتؐ نے جناب ام سلمہ کے کہنے پر خود قربانی کر ڈالی (طبری جلد ۳

(بقیہ حاشیہ ص۴۷) خوشی سے اس پر بھی راضی ہو گئے جس کا کچھ برا انجام بھی نہیں ہوا ۱۲ منہ

Marfat.com

کی زندگی میں اور حضرتؐ کے بعد آپ کی تنقیص وتوہین کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا گیا۔ اسی طرح خلفاء ثلثہ وصحابہ کے فضائل ومناقب میں جھوٹی حدیثیں بنانے۔ روایت کرنے اور کتابوں میں نقل کرکے تمام پھیلانے میں بھی کوئی کوشش چھوڑی نہیں گئی۔ پس جب ایسی زبردست سلطنت نے اپنی سزا وعقوبت کے آسلحہ کے ساتھ اپنے خزانوں کا منہ بھی کھول دیا ہو تو غلط اور جعلی حدیثوں کی اشاعت کیونکر رُک سکتی تھی۔

(۴) وضع احادیث کے متعلق جناب امیرؑ کا ایک خطبہ

حضرت امیر المومنینؑ نے اپنے ایک خطبہ میں بیان فرمایا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے زمانہ میں وضع احادیث کی مصیبت نازل ہوگئی تھی جس کا اثر آنحضرت صلعم کے انتقال کے بعد بہت ہوا۔ مناسب ہے کہ ہم اسکو بھی یہاں نقل کردیں۔ علامہ سید رضی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔

ومن کلام لہ علیہ السلام وقد سألہ سائل عن احادیث البدع وعما فی ایدی الناس من اختلاف الخبر فقال علیہ السلام

اِنَّ فِیْ اَیْدِی النَّاسِ حَقًّا وَّ بَاطِلًا وَّ صِدْقًا وَّ کَذِبًا وَّ نَاسِخًا وَّ مَنْسُوْخًا وَّ عَامًّا وَّ خَاصًّا وَّ مُحْکَمًا وَّ مُتَشَابِهًا وَّ حِفْظًا وَّ وَهْمًا۔ وَ لَقَدْ کُذِبَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ عَلٰی عَهْدِهٖ حَتّٰی قَامَ خَطِیْبًا فَقَالَ مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ وَ اِنَّمَا اَتَاکَ بِالْحَدِیْثِ اَرْبَعَةُ رِجَالٍ لَیْسَ لَهُمْ خَامِسٌ رَجُلٌ مُنَافِقٌ مُظْهِرٌ لِلْاِیْمَانِ۔ مُتَصَنِّعٌ بِالْاِسْلَامِ لَا یَتَأَثَّمُ وَ لَا یَتَحَرَّجُ۔ یَکْذِبُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ

جب ایک شخص نے حضرتؑ سے نئی نئی حدیثوں اور اُن مختلف روایتوں کے بارے میں جو لوگوں میں پھیلی ہوئی ہیں پوچھا کہ ایک دوسرے کی ضد کیوں ہیں تو فرمایا لوگوں کے درمیان حضرت رسولخدا صلعم کی جو حدیثیں ہیں ان میں حق۔ باطل۔ سچ۔ جھوٹ ناسخ۔ منسوخ۔ عام۔ خاص۔ محکم۔ متشابہ۔ محفوظ اور موہوم (مشکوک) سب ہی ہیں۔ خود حضرت رسولخدا صلعم کے زمانہ میں حضرتؐ پر لوگوں نے جھوٹ باندھا۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلعم کو خطبہ دینے کے لئے کھڑا ہونا پڑا اور فرمایا جو شخص جان کر مجھ پر جھوٹ باندھے (یعنی غلط حدیثوں کے بارے میں کہے کہ میں نے بیان کی ہیں) وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔ سنو۔ تمہارے سامنے جو لوگ آنحضرت صلعم

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ مُتَعَمِّدًا فَلَوْ عَلِمَ النَّاسُ اَنَّہٗ مُنَافِقٌ کَاذِبٌ لَمْ یَقْبَلُوْا مِنْہُ وَ لَمْ یُصَدِّقُوْا قَوْلَہٗ وَ لٰکِنَّہُمْ قَالُوْا صَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ رَاٰہُ وَ سَمِعَ مِنْہُ وَ لَقِفَ عَنْہُ۔ فَیَاْخُذُوْنَ بِقَوْلِہٖ وَ قَدْ اَخْبَرَکَ اللّٰہُ عَنِ الْمُنَافِقِیْنَ بِمَا اَخْبَرَکَ وَ وَصَفَھُمْ بِمَا وَصَفَھُمْ بِہٖ لَکَ ثُمَّ بَقُوْا بَعْدَہٗ فَتَقَرَّبُوْا اِلٰی اَئِمَّۃِ الضَّلَالَۃِ وَالدُّعَاۃِ اِلَی النَّارِ بِالزُّوْرِ وَ الْبُھْتَانِ فَوَلَّوْھُمُ الْاَعْمَالَ وَجَعَلُوْھُمْ حُکَّامًا عَلٰی رِقَابِ النَّاسِ فَاَکَلُوْا بِھِمُ الدُّنْیَا وَ اِنَّمَا النَّاسُ مَعَ الْمُلُوْکِ وَ الدُّنْیَا اِلَّا مَنْ عَصَمَ اللّٰہُ۔ فَھٰذَا اَحَدُ الْاَرْبَعَۃِ۔ وَ رَجُلٌ سَمِعَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ شَیْئًا لَمْ یَحْفَظْہُ عَلٰی وَجْھِہٖ فَوَھِمَ فِیْہِ وَلَمْ یَتَعَمَّدْ کَذِبًا فَھُوَ فِیْ یَدَیْہِ وَ یَرْوِیْہِ وَ یَعْمَلُ بِہٖ وَ یَقُوْلُ اَنَا سَمِعْتُہٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ۔ فَلَوْ عَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ اَنَّہٗ وَھِمَ فِیْہِ لَمْ یَقْبَلُوْہُ مِنْہُ

کی حدیثیں بیان کرتے ہیں وہ چار ہی قسم کے ہیں پانچویں قسم کا کوئی نہیں ہے۔ ایک قسم کے وہ منافق ہیں جو ایمان ظاہر کرتے اور اسلام کے دعوے میں تصنع کرتے ہیں وہ نہ گناہ سے رُکتے ہیں اور نہ فتنہ و فساد سے بچتے ہیں۔ بلکہ وہ جان بوجھکر حضرت رسولخدا صلعم پر جھوٹ کے انبار لگاتے ہیں۔ اب اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ منافق اور جھوٹے ہیں تو کبھی ان کی حدیثیں قبول نہ کریں اور نہ انکے قول کو سچا جانیں۔ لیکن لوگ اس دھوکے میں پڑجاتے ہیں کہ کہتے ہیں وہ (منافقین) آنحضرت صلعم کے صحابہ ہیں۔ آنحضرتؐ کو دیکھا تھا۔ حضرتؐ کی صحبت اُٹھائی تھی۔ حضرتؐ سے سُنا اور حضرتؐ ہی کی باتیں لی تھیں۔ پس اس فریب میں آکر وہ ان منافقوں کی حدیثیں لے لیتے ہیں حالانکہ خدا منافقین کی جو حالت بیان کر چکا ہے اُس سے تم لوگ اچھی طرح واقف ہو (کہ وہ محض افترار و بہتان کرتے ہیں) اور ان (منافقین) کی صفت جس طرح واضح کردی ہے اس سے بھی خوب باخبر ہو۔ یہ منافقین آنحضرت صلعم کے بعد باقی رہے اور پیشوایان ضلالت و داعیان جہنم کے دربار میں پہونچکر ان لوگوں نے افترار و بہتان کے انبار لگانے شروع کئے اور اس ذریعہ سے ان (حاکمان وقت) کے ہاں مقرب بارگاہ ہوگئے۔ پس اس (حدیث سازی اور روایت

وَلَوْ عَلِمَ هُوَ اَنَّهٗ كَذٰلِكَ لَرَفَضَهٗ ۔ وَرَجُلٌ ثَالِثٌ سَمِعَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ شَيْئًا يَاْمُرُ بِهٖ ثُمَّ اِنَّهٗ نَظَرَ عَنْهُ وَهُوَ لَا يَعْلَمُ اَوْ سَمِعَهٗ يَنْهٰى عَنْ شَيْءٍ ثُمَّ اَمَرَ بِهٖ وَهُوَ لَا يَعْلَمُ فَحَفِظَ الْمَنْسُوْخَ وَلَمْ يَحْفَظِ النَّاسِخَ فَلَوْ عَلِمَ اَنَّهٗ مَنْسُوْخٌ لَرَفَضَهٗ وَلَوْ عَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ اِذْ سَمِعُوْهُ مِنْهُ اَنَّهٗ مَنْسُوْخٌ لَرَفَضُوْهُ ۔ وَاٰخَرُ رَابِعٌ لَمْ يَكْذِبْ عَلَى اللّٰهِ وَلَا عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُبْغِضٌ لِلْكَذِبِ خَوْفًا مِنَ اللّٰهِ وَتَعْظِيْمًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَلَمْ يَهِمْ بَلْ حَفِظَ مَا سَمِعَ عَلٰى وَجْهِهٖ فَجَاءَ بِهٖ عَلٰى سَمْعِهٖ لَمْ يَزِدْ فِيْهِ وَلَمْ يَنْقُصْ مِنْهُ فَهُوَ حَفِظَ النَّاسِخَ فَعَمِلَ بِهٖ وَحَفِظَ الْمَنْسُوْخَ فَجَنَّبَ عَنْهُ ۔ وَعَرَفَ الْخَاصَّ وَالْعَامَّ وَالْمُحْكَمَ وَالْمُتَشَابِهَ فَوَضَعَ كُلَّ شَيْءٍ مَوْضِعَهٗ وَقَدْ كَانَ يَكُوْنُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهِ الْكَلَامُ لَهٗ وَجْهَانِ

بازی) کے انعام میں اُن پیشوایانِ وقت نے ان منافقوں کو مختلف مقامات کی حکومتیں دے دیں اور انھیں امیر بنا کر لوگوں کی گردنوں پر مسلط کر دیا۔ پس ان سب منافقین نے ان پیشوایانِ ضلالت کی خوشامد میں حدیثیں وضع کر کے خوب ہی دنیا کمائی۔ اور یہ تو مشہور ہی ہے کہ ہر زمانہ کے لوگ اپنے بادشاہوں کی طرف ہو جاتے ہیں اور دنیا ہی کا ساتھ دیتے ہیں سوا اُن مخصوص لوگوں کے جنھیں خدا اس سے محفوظ رکھے۔ پس یہ منافقین ایک قسم کے لوگ ہوئے۔ دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جنھوں نے رسولِ خدا صلعم سے کوئی حدیث سُنی تو ضرور مگر اُسکو اسی طرح یاد نہیں رکھی بلکہ اس میں ان کو شک ہو گیا۔ اور جان بوجھکر حضرتؐ پر جھوٹ نہیں باندھا۔ اب وہ حدیث بھی ان لوگوں کے پاس ہے وہ لوگ اس کی روایت اور اس پر عمل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خود ہم نے حضرت رسولِ خدا صلعم سے ان حدیثوں کو سُنا تھا۔ اب اگر مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ ان راویوں نے تو ان سے وہ حدیثیں کبھی قبول نہ کریں بلکہ وہ حدیث بیان کرنے والے بھی اگر جان جائیں کہ انھوں نے غلط سمجھا یا یاد رکھا ہے یا ان حدیثوں کے بارے میں اور کوئی غلطی ہو گئی ہے تو وہ بھی ان حدیثوں کو چھوڑ دیں۔ اور تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جنھوں نے حضرت رسولِ خدا صلعم سے پہلے کوئی حدیث سُنی جس میں حضرتؐ

Marfat.com

فَكَلَامٌ خَاصٌّ وَ
كَلَامٌ عَامٌّ فَيَسْمَعُهُ
مَنْ لَا يَعْرِفُ مَا
عَنَى اللّٰهُ سُبْحَانَهُ بِهٖ
وَلَا مَا عَنٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ
وَسَلَّمَ فَيَحْمِلُهُ السَّامِعُ
وَ يُوَجِّهُهُ عَلٰى غَيْرِ
مَعْرِفَةٍ بِمَعْنَاهُ وَمَا
قُصِدَ بِهٖ وَمَا خَرَجَ
مِنْ اَجْلِهٖ وَ لَيْسَ كُلُّ
اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ
وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ
يَسْاَلُهٗ وَ يَسْتَفْهِمُهٗ
حَتّٰى اِنْ كَانُوْا لَيُحِبُّوْنَ
اَنْ يَجِيْءَ الْاَعْرَابِيُّ
وَالطَّارِئُ فَيَسْاَلَهٗ
عَلَيْهِ السَّلَامُ
حَتّٰى يَسْمَعُوْا وَكَانَ
لَا يَمُرُّ بِيْ مِنْ ذٰلِكَ
شَيْءٌ اِلَّا سَاَلْتُهٗ
عَنْهُ وَ حَفِظْتُهٗ۔
فَهٰذَا هُوَ وُجُوْهُ مَا عَلَيْهِ

نے کسی بات کا حکم دیا تھا۔ لیکن پھر حضرتؐ نے اس بات سے منع فرما دیا مگر ان لوگوں نے حضرتؐ کے منع کو نہیں جانا یا حضرتؐ سے سنا کہ کسی بات سے منع فرماتے ہیں۔ پھر حضرتؐ نے اس کا حکم دے دیا مگر ان لوگوں نے حضرتؐ کی اجازت کی خبر نہیں سنی تو منسوخ بات ان کے ذہن میں رہ گئی اور ناسخ کا انھیں علم ہی نہیں ہوا۔ اب اگر ان کو خبر ہو جاتی کہ جس حدیث کو انھوں نے یاد کیا ہے وہ منسوخ ہو چکی ہے تو خود ہی اس کو چھوڑ دیتے۔ اور جن مسلمانوں نے اُن راویوں سے اس حدیث کو سنا انھیں معلوم ہو جاتا کہ حضرتؐ اس کو منسوخ فرما چکے ہیں تو وہ لوگ بھی اس حدیث کو ترک کر دیتے۔ اب صرف چوتھی قسم کے راویان حدیث رہ گئے جنھوں نے کبھی خدا یا رسولؐ پر جھوٹ نہیں باندھا نہ ان حضرات کی طرف کسی غلط حدیث کی نسبت دی بلکہ اللہ کے خوف اور رسول اللہؐ کی تعظیم کے خیال سے وہ جھوٹ کے شدید دشمن رہے۔ اور انھوں نے حدیث کے یاد رکھنے میں غلطی بھی نہیں کی۔ بلکہ جس طرح آنحضرت صلعم سے جو سنا اسی طرح اسکو یاد رکھا۔ اور اُسی طرح اس کو بیان کیا جس طرح حضرت رسولخدا صلعم سے سنا تھا۔ اس میں نہ ذرہ برابر بڑھایا نہ تل برابر اس سے کم کیا۔ انھوں نے ناسخ کو یاد رکھا اور اس پر عمل کیا اور منسوخ کو بھی محفوظ رکھا اور اس سے علحدہ رہے۔ خاص و عام و محکم و متشابہ کو بھی پہچانا اور ہر حدیث کو اسکی اصلی جگہ پر رکھا کسی میں کوئی تغیر نہیں کیا۔ اور حضرت رسولخدا صلعم سے جو کلام ہوتا اسکی دو صورتیں ہوتیں۔ ایک کلام خاص ہوتا دوسرا کلام عام۔ اب اس کلام کو ایسے لوگ بھی سنتے جو یہ نہیں سمجھ سکتے کہ اس سے خدا یا رسول اللہؐ کا کیا مقصود ہے اس سبب سے

النَّاسُ فِیْ اِخْتِلَافِهِمْ وَعِلَلِهِمْ فِیْ رِوَایَاتِهِمْ (نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد ۱ صـ۴۴۹)

وہ لوگ اُس کلام کا وہ مطلب خیال کرتے جو خدا اور رسولؐ کا مقصود نہ ہوتا اور اصحاب رسول اللہؐ سے سب لوگ اس قابل بھی نہ تھے کہ حضرتؐ سے کوئی بات پوچھتے یا کسی امر کو دریافت کرتے بلکہ اس تمنا میں رہتے تھے کہ کوئی اعرابی یا نووارد آجائے اور حضرتؐ سے کوئی بات پوچھے تو وہ لوگ بھی سُن لیں۔ مگر میری حالت یہ تھی کہ جو بات پیش آتی اسکے متعلق حضرتؐ سے ضرور دریافت کرلیتا اور اُسی طرح یاد رکھتا۔ غرض حضرتؐ کی حدیثوں کے متعلق جو اس قدر اختلافات ہیں اُن کے اسباب و علل یہی ہیں جو میں نے بیان کئے۔

حضرتؑ کے اس کلام مبارک سے حسب ذیل فائدے حاصل ہوئے (۱) حضرت امیرالمومنینؑ کے زمانہ ہی میں احادیث میں اس کثرت سے اختلافات و تغیرات پیدا ہوگئے تھے کہ لوگوں کو حضرتؑ سے اسکی وجہ دریافت کرنے کی ضرورت ہوئی (۲) حضرت رسولخدا صلعم کے زمانہ ہی میں صحابہ نے جھوٹی حدیثیں بیان کرنی اور حضرتؐ پر کذب و افترا کا پل باندھنا شروع کردیا تھا جس پر مجبور ہوکر آنحضرتؐ نے لوگوں کو جمع کیا اور ان کے حلقہ میں کھڑے ہوکر خطبہ ارشاد فرمایا جس میں صاف صاف فرمایا کہ جو شخص میری طرف جھوٹی حدیث کی نسبت دے گا وہ جہنم میں جائیگا [1] (۳) چار قسم کے لوگوں نے آنحضرتؐ کی حدیثیں لوگوں سے بیان کیں اُن میں اول نمبر پر وہ صحابہ تھے جو ظاہر میں مسلمان اور دل سے منافق تھے وہ اپنے مصنوعی اسلام اور زبانی ایمان سے لوگوں کو دھوکا فریب دیتے رہتے تھے اور آنحضرتؐ کے بعد بھی باقی رہے تو ہر طرف جھوٹی اور وضعی حدیثوں کے جال پھیلا دیئے (۴) حضرت رسولخدا صلعم کے بعد جو صاحب اقتدار حضرات ہوئے اُن کے پاس یہ منافقین پہونچے اور ان جھوٹی حدیثوں اور افترا و بہتان کی روایتوں سے ان کی بڑی قدر و منزلت ہوئی اُن کو بڑے بڑے انعام دیئے گئے اور چونکہ اُن لوگوں کے قبضہ میں دنیا تھی اس سبب سے

[1] جلیل القدر عالم مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی لکھتے ہیں:-
"من کذب علیّ متعمّداً فلیتبوأ مقعدہ من النّار۔ جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ لگائے وہ دوزخ میں جو اُس کا ٹھکانا ہے اُس میں اُترے۔ اس حدیث کو بہت علماء نے متواتر کہا ہے" (انوار اللغۃ پارہ ۔ ۲ صـ۷۶)

انھوں نے ان منافقین کو مختلف مقامات کی حکومتیں بھی دے دیں۔ اور مسلمانوں پر انکو امیر بھی مقرر کر دیا۔ اس کا نتیجہ واضح ہے کہ جب ہر طرف جھوٹی حدیث اور وضعی روایتیں گڑھنے والے منافقین ہی کی حکومت قائم ہوگئی تو ان شہروں قصبوں اور دیہاتوں کے باشندے بھی صرف جھوٹی اور وضعی ہی حدیثیں سنتے تھے کیونکہ ان کے حاکم وہی منافقین تھے جو آنحضرت پر جھوٹ وافترار کرتے اور اسی کے صلہ میں حکومت پر فائز ہوئے تھے۔

(۵) دوسری قسم کے وہ لوگ تھے جنھوں نے آنحضرتؐ کی اصلی حدیث بھلا دی اور غلط حدیث لوگوں میں پھیلا دی (۶) تیسری قسم کے وہ لوگ تھے جنھوں نے صرف منسوخ کو سنا اور ناسخ کو نہیں سنا۔ اس وجہ سے لوگوں میں وہ بات پھیل گئی جسکو حضرتؐ ہی نے اپنے زمانہ میں منسوخ کر دیا تھا۔ اور مسلمانوں کو اس کے منسوخ ہو جانے کی خبر ہی نہیں ہو سکی (۷) صرف ایک (چوتھی) قسم کے لوگ ایسے رہے جنھوں نے صحیح حدیث لوگوں تک پہونچائی اُنکی قلت واضح ہے۔

(۵) مذکور بالا کلام کی شرح میں علامہ جلیل القدر ابن الحدید معتزلی نے لکھا ہے:۔

ان هذا التقسيم صحيح وقد كان في ايام الرسولؐ منافقون وبقوا بعده وليس يمكن ان يقال ان النفاق مات بموته.... وصار المتولي للامر بعده يحمل الناس كلهم على كاهل الجاملة ويعاملهم بالظاهر ... ولسكوت الخلفاء

حضرت امیر المومنینؑ کی یہ تقسیم بالکل صحیح ہے کیونکہ حضرت رسو لخدا صلعم کے زمانہ میں حضرتؐ کے صحابہ سے بہت لوگ منافقین تھے جو حضرتؐ کے بعد بھی باقی رہے اور یہ کہنا غیر ممکن ہے کہ حضرتؐ کے انتقال پر نفاق کی موت بھی آگئی (بلکہ نفاق تو اسی طرح قائم اور منافقین زندہ رہے) ... اور آنحضرتؐ کے بعد جو صاحب مسلمانوں کے حاکم بنے وہ سب لوگوں کو رواداری نرمی اور ملایمت کے دوش پر چڑھاتے اور انکے ظاہری اسلام کے مطابق ان سے برتاؤ کرتے رہے... اور چونکہ آنحضرت صلعم کے بعد حضرتؐ کے خلفار نے ان منافقین سے چشم پوشی اختیار کی اس وجہ سے ان کا چرچہ بھی غائب ہوگیا... اس کے بعد ان لوگوں پر شہروں کی فتوحات اور مال ومتاع کی بھرمار کا دروازہ کھل گیا تو وہ لوگ اپنی ان حرکتوں سے جو حضرت رسو لخدا صلعم کے زمانہ میں کرتے تھے باز رہے اور انھیں دنیوی چمک دمک میں پھنس گئے۔ اور ان منافقین کو خلفار نے سرداروں اور حاکموں کے ساتھ روم وعجم کے شہروں کی طرف روانہ کیا تو

Marfat.com

عنهم بعد ما خلف ذکرهم ... ثم فتحت علیهم البلاد وکثرت الغنائم فاشتغلوا بها عن الحرکات التی کانوا یعتمدونها ایام رسول اللہؐ و بعثهم الخلفاء مع الامراء الی بلاد فارس والروم فالهتهم الدنیا عن الامور التی کانت تنقم منهم فی حیاة رسول اللہؐ ... وبالجملة لما ترکوا ترکوا وحیث سکت عنهم سکتوا عن الاسلام واهله الا فی دسیسة خفیة یعلو نها غوا الکذب الذی اشار الیه امیر المومنین علیه السلام فانه خالط الحدیث کذب کثیر صدر عن قوم غیر صحیحی العقیدة قصد وا به الاضلال

دنیا (پرستی) نے ان لوگوں کا منہ ان شرارتوں، کی طرف سے جو یہ حضرت رسولخدا صلعم کی زندگی میں کرتے رہتے تھے (دوسرے امور کی طرف) موڑ دیا... مختصر یہ کہ جب یہ لوگ اپنے حال پر چھوڑ دیئے گئے تو انھوں نے بھی اپنا نفاق ظاہر کرنا موقوف کردیا۔ اور جب ان کی طرف سے خاموشی اختیار کرلی گئی تو انھوں نے بھی اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے سکوت کر لیا۔ البتہ ان لوگوں کے بعض مخفی مکر و فریب کی ریشہ دوانیاں باقی رہیں جن پر یہ برابر عمل کرتے رہے جیسے وضعی حدیثوں کی ایجاد اور غلط یا جھوٹی روایتوں کی اشاعت جس کی طرف حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے اشارہ فرمایا ہے کیونکہ حضرت رسولخدا صلعم کی حدیثوں میں بکثرت کذب افترا کی آمیزش ہوگئی جو ایسے لوگوں کی طرف سے گڑھی گئیں جو درست عقیدہ کے نہیں تھے اور ان حدیثوں سے اُن منافقین کا مقصود لوگوں کو گمراہ اور ان کے دلوں اور عقیدوں کو بگاڑنا تھا۔ بعض لوگوں کی غرض ان جعلی حدیثوں سے یہ تھی کہ کسی جماعت کی عزت زیادہ اور شان بلند کردیں تاکہ ان کی اس خوشامد کے ذریعہ سے ان (حدیث گڑھنے والوں) کا مطلب پورا ہوجائے اور انکے دنیوی کام بن جائیں۔ اور لوگوں نے بیان کیا ہے کہ خاص کر معویہ کے زمانہ میں اس عنوان کی جعلی حدیثیں بہت کثرت سے گڑھ لی گئیں۔ اور جو محدثین علم حدیث میں ماہر تھے وہ ان باتوں کی طرف سے خاموش نہیں رہے بلکہ انھوں نے اکثر ایسی وضعی حدیثوں کو ذکر کردیا اور یہ بھی واضح کردیا ہے کہ یہ سب بنائی ہوئی ہیں اور ان کے روایت کرنے والے لائق اعتبار و قابل وثوق نہیں ہیں مگر یہ بات بھی ہے کہ محدثین صرف ان لوگوں ہی پر اعتراض کرسکے ہیں جو صحابہ کے بعد ہوئے (کہ ان کی وضعی حدیثوں کر

Marfat.com

وتخبيط القلوب والعقائد وقصد به بعضهم التنويه بذكر قوم كان لهم في التنويه بذكرهم غرض دنيوي۔ وقد قيل انه افتعل في ايام معاوية خاصة حديث كثير على هذا الوجه ولم يسكت المحدثون الراسخون في علم الحديث من هذا بل ذكروا كثيرا من هذه الاحاديث الموضوعة وبينوا وضعها وان رواتها غير موثوق بهم الا ان المحدثين انما يطعنون فيما دون طبقة الصحابة ولا يتجاسرون في الطعن على احد من الصحابة لان عليه لفظ الصحبة ... فان قلت من هم ائمة الضلالة الذين

بیان کرکے کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے بہت برا کیا جو ایسی حدیثیں وضع کیں) لیکن صحابہ (سے جن لوگوں نے یہ حرکتیں کیں کہ جھوٹی حدیثیں بنا بنا کر سب لوگوں میں پھیلادی ہیں ان) کے بارے میں کسی کو بولنے کی جرأت نہیں ہوتی کیونکہ "صحابی" ایسا لفظ ہے جو کسی محدث کو ان کے متعلق زبان تک کھولنے نہیں دیتا[1]... اب اگر تم پوچھو کہ وہ پیشوایان ضلالت کون ہیں جن کا ذکر یہاں کیا گیا

[1] حالانکہ صحابہ کے متعلق بھی مذمت کی اتنی حدیثیں معتبر کتابوں میں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد کو جو لوگ آنے والے تھے ان سے بھی زیادہ صحابہ آنحضرت صلعم کی نظروں میں بُرے تھے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم مسلمانوں کی شفاعت کریں گے مگر صحابہ سے کچھ ایسے لوگ بھی ہونگے کہ آنحضرتؐ کا شفاعت کرنا کیسا حضرتؐ اُن کا منہ تک نہیں دیکھیں گے اور نہ اپنا منہ اُن کو دکھائیں گے۔ جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا "ان من اصحابی من لا اراہ ولا یرانی بعد ان اموت ابدا۔ میرے اصحاب میں سے بعضے ایسے ہیں کہ میرے مرنے کے بعد نہ میں اُنکو دیکھوں گا نہ وہ مجھ کو دیکھیں گے۔ یہ حدیث سُن کر حضرت عمر روتے ہوئے بی بی ام سلمہ پاس آئے اور کہنے لگے تم کو خدا کی قسم کیا میں بھی ان اصحاب میں سے ہوں؟ اُنھوں نے کہا نہیں۔ اور اب تمہارے بعد میں کسی کو ایسا نہ کہوں گی۔ اُس کی برأت بیان نہ کرونگی کیونکہ اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ اُن میں سے ہے یا نہیں" (انوار اللغۃ مطبوعہ بنگلور پارہ ۱۴ ص۱۸) اسی طرح حدیث حوض سے ان لوگوں کا مرتد ہونا بھی ثابت ہوتا ہے ۱۲

Marfat.com

ہوئی۔ یا یہ وجہ ہو کہ اس کے قبل آپ کو کسی جہاد میں کسی کافر کے قتل کا تجربہ نہ ہوا ہو۔ اور جب تک انسان معمولی سپاہی بن کر لڑ نہ لے اُس وقت تک کسی فوج کی سپہ سالاری کا خیال اُس کے لئے مناسب نہیں ہوتا۔ حضرت عمر کو اس موقع پر زیادہ سے زیادہ یہ کرنا تھا کہ معمولی سپاہیوں کے ساتھ جا کر لڑتے۔ جب دیکھتے کہ اس میں کچھ کامیابی ہو رہی ہے۔ اور پھر کچھ دنوں اسی طرح تجربہ ہوتا جاتا اُس وقت عَلَم اُٹھانے اور فوج کے سردار ہونے کی خواہش بھی زیب دیتی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۶)

لیکر روانہ ہوئے اور قلعہ قموص کے نیچے پہونچکر آپ نے اس عَلَم کو پتھر کے ایک تودے پر گاڑ دیا۔ یہ دیکھکر قلعہ کے اوپر سے ایک یہودی عالم اور مذہبی پیشوا نے پوچھا کہ اے عَلَم والے تو کون ہے اور تیرا نام کیا ہے؟ آپ نے کہا علیؑ ابن ابی طالب۔ یہ سُننا تھا کہ وہ یہودی اپنی قوم کو پکار کر کہنے لگا توریت کی قسم اب تم لوگ ضرور مغلوب ہو جاؤ گے۔ کیونکہ یہ شخص وہ ہے جو بغیر قلعہ فتح کئے واپس نہیں جائیگا۔ غالباً وہ یہودی حضرت علیؑ کی صفات اور شجاعت کی حالت سے واقف تھا۔ کیونکہ توریت میں حضرتؑ کے اوصاف پڑھ چکا تھا (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۳۰۰) اس کے بعد کی حالت لکھی ہے فضربہ رجل من الیہود فطرح ترسہ من یدہ فتناول علیؑ بابا کان عند الحصن فتترس بہ عن نفسہ فلم یزل فی یدہ وھو یقاتل حتے فتح اللہ علیہ ثم القاہ من یدہ حین فرغ فلقد رأیتنی فی نفر سبعۃ انا ثامنھم نجھد علے ان نقلب ذلک الباب فما نقلبہ۔ جب جنگ زور سے ہو رہی تھی تو ایک یہودی نے حضرت علیؑ کے دست مبارک پر ایسی ضرب لگائی کہ ڈھال ہاتھ سے گر گئی۔ آپ نے فوراً ایک دروازہ باب خیبر کا کھینچ لیا اور اس کو بجائے سپر ہاتھ میں لیکر جہاد کرنے لگے۔ یہاں تک کہ خدا نے آپکو نمایاں فتح عطا کی۔ پھر جنگ سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے اس دروازہ قلعہ کو ہاتھ سے ڈال دیا۔ وہ اس قدر وزنی تھا کہ ہم آٹھ آدمی مل کر بھی اُس کو کسی طرح اِدھر سے اُدھر پلٹ نہیں سکے (طبری جلد ۳ صفحہ ۹۴ و کامل جلد ۲ صفحہ ۵۴ وغیرہ)۔ دوسری روایتوں میں ہے کہ ان علیا بعد ذلک حملہ علے ظھرہ وجعلہ قنطرۃ حتے دخل المسلمون الحصن انتھی ثم لما وضعت الحرب اوزارھا القے علیؑ ذلک الباب الحدید وراء ظھرہ ثمانین شبرا وفی ھذا الباب قال الشاعر ؎ علی رمے باب المدینۃ خیبر ۔ ثمانین شبرا وما لم یثلم

Marfat.com

غالباً انہیں وجوہ سے آنحضرتؐ نے آپ کو علم نہیں دیا کیونکہ جن روایتوں میں آپ کا علم لے کر جانا مذکور ہے ان میں سے اکثر روایتوں میں یہ نہیں ہے کہ اعطاھا النبیؐ (رسولؐ نے وہ علم انہیں دیا) بلکہ یہ ہے اخذھا عمر (حضرت عمر نے خود اس کو لے لیا) برخلاف اس کے حضرت علیؑ کے بارے میں کسی نے یہ نہیں لکھا اخذ ھا علیؑ (حضرت علیؑ نے اس کو لے لیا) بلکہ ہر کتاب میں ہے کہ آنحضرتؐ نے اُسے آپ کو عطا کیا۔ اُس وقت حضرت علیؑ آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ آپ کو

(بقیہ حاشیہ ص۵۷)

حضرت علیؑ نے قلعۂ خیبر فتح کرنے کے بعد اس کے در کو اپنی پیٹھ پر اُٹھا لیا اور اس کو پل بنا دیا کہ اس پر سے گزر کر مسلمان قلعہ میں داخل ہو گئے۔ پھر جب جنگ ختم ہو گئی تو حضرتؑ نے اس لوہے کے دروازے کو اپنی پشت کی طرف پھینک دیا تو اسیؑ بالشت پر جا کر گرا۔ اسی کے بارے میں شاعر نے کہا ہے کہ حضرت علیؑ نے خیبر کے در کو پھینکا تو وہ جا کر پورے اسی بالشت پر گرا اور ٹوٹا نہیں۔ اس کے بعد مرقوم ہے قلع علی باب خیبر ولم یحر کہ سبعون رجلا الا بعد جھد۔ حضرت علیؑ نے قلعہ خیبر اکیلے اُکھاڑ لیا حالانکہ اس کو ستر آدمی ہلا تک نہیں سکے مگر اُس وقت جب بہت مشقت اُٹھائی (تاریخ خمیس جلد ۲ ص۵۶) اس کے بعد کے حالات میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ چوں علیؓ مہم کفار قرار دادہ بدرگاہ متوجہ گشت آں حضرت بہتہ تہنیتہ وے را استقبال واستبشار از خیمہ بیرون آمد وے را در کنار گرفت ومیان دو چشم وے بوسہ داد فرمود بلغنی ثناءک المشکور وصنیعک المذکور قد رضی اللہ عنہ ورضیت انا عنک۔ پس حضرت امیرؑ گریہ کرد وفرمود آں حضرتؐ ایں گریہ شادی ست یا گریہ اندوہ۔ فرمود علیؑ بلکہ گریہ شادی است وگفت چگونہ شاداں نباشم کہ تو از من راضی باشی۔ فرمود آنحضرتؐ نہ من تنہا از تو راضیم بلکہ خدا و جبرئیلؑ ومیکائیلؑ وجملہ فرشتگان از تو راضی اند۔ جب حضرت علیؑ کافروں کی مہم سر کر کے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت رسولؐ خدا آپ کو آتا دیکھ کر اس قدر خوش ہوئے کہ آپکا استقبال کرنے اور مبارک باد کہنے کے لئے اپنے خیمہ سے باہر نکل پڑے۔ اور دوڑ کر حضرتؑ کو سینے سے لپٹا لیا پھر آپکی پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا علیؑ! تمہارا قابل شکریہ کارنامہ اور نہ بھولنے والا احسان مجھ تک پہونچا۔ تمہاری اس خدمت کو خدا نے بہت پسند کیا اور میں تم سے بہت راضی ہوں اس پر حضرت امیرؑ رونے لگے تو آنحضرتؐ نے فرمایا یہ خوشی کا رونا ہے یا غم کا؟ حضرت علیؑ نے کہا

تو اس کا خیال بھی نہیں تھا۔ آپ وہاں اُس وقت تھے بھی نہیں بلکہ مدینہ میں ہی رہ گئے تھے صبح کو وہاں پہنچے (طبری جلد ۳ ص ۹۴) ۔ اس کو بھی حضرت رسُول کے معجزات میں شمار کرنا چاہئے کہ

(بقیہ حاشیہ ص ۵۸)

نہیں یا حضرتؐ۔ خوشی کا رونا ہے اور کیونکر میں خوش نہ ہوں کہ آپ مجھ سے راضی ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تنہا میں ہی راضی نہیں ہوں بلکہ خدا۔ جبرئیلؑ۔ میکائیلؑ اور سب فرشتے بھی تم سے راضی ہیں (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۳۰۲) ۔ اور علامہ اخطب خوارزم وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ فرماتے تھے فتح خیبر پر حضورؐ نے فرمایا اے علیؑ اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ تمہارے بارے میں میری امت کے لوگ بھی وہی کہنے لگیں گے جو حضرت عیسےٰؑ بن مریم کے بارے میں عیسائی کہتے ہیں تو البتہ میں تمہارے بارے میں وہ بات بیان کر دیتا جسکی وجہ سے تم مسلمانوں کے جس گروہ کے پاس سے گزرتے وہ تمہارے قدموں کے نیچے کی مٹی اٹھا لیتے اور شفاء حاصل کرنے کے لئے تمہاری طہارت کا بچا ہوا پانی لے جاتے لیکن اتنا بھی تمہارے لئے کافی ہے کہ تم مجھ سے اوسی درجہ پر ہو جس درجہ پر جناب ہارون جناب موسےٰؑ سے تھے مگر فرق اتنا ہی ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اے علیؑ تم ہی میرے قرضوں کو ادا کرو گے۔ میری سنت پر جہاد کرو گے۔ آخرت میں سب لوگوں سے زیادہ میرے نزدیک تم ہی ہوگے۔ اور قیامت میں حوض کوثر پر بھی تم ہی میرے خلیفہ ہوگے اور تم ہی سب سے پہلے میرے پاس حوض کوثر پر پہونچوگے۔ اور منافقوں کو تم ہی حوض کوثر سے ہٹاؤ گے۔ اور میری امت کے لوگوں میں سب سے پہلے تم ہی داخل جنت ہوگے۔ اور تمہارے دوست اور تمہارے شیعہ نور کے منبروں پر ہوں گے۔ وہ سب اُس روز میرے ہم سایہ ہونگے اور تمہارے دشمن سیاہ رو رہیں گے تا آخر حدیث۔ اور مسند احمد بن حنبل میں بھی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا اگر میری امت تمہارے بارے میں بھی وہی نہ کہنے لگتی جو عیسائی حضرت عیسےٰؑ کے بارے میں کہتے ہیں تو میں وہ بات ظاہر کر دیتا کہ پھر تم مسلمانوں کے جس گروہ کے پاس سے گزرتے وہ تمہارے قدم کے نیچے کی خاک بطور تبرک اُٹھایا کرتے (ینابیع المودۃ ص ۱۰۱ مسند احمد بن حنبل جلد ص) اور امام فخر الدین رازی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث رسُول دال ہے کہ جناب امیرؑ انبیاء کرام کے مساوی تھے اور یقینی ہے کہ انبیاء کرام تمام صحابہ سے افضل تھے۔ اس وجہ سے حضرت علیؑ بھی صحابہ سے ضرور افضل تھے (اربعین فی اصول الدین)

جس بزرگ کی آنکھیں آشوب کر آئی تھیں اور وہ وہاں اُس وقت موجود نہ تھے ان کے بارے میں حضرتؐ نے پیشین گوئی فرمائی کہ خدا اس بہادر کے ہاتھوں اس قلعہ کو فتح کرادے گا۔ اور جو کچھ حضرتؐ نے فرمایا تھا بالکل اُسی طرح ہو کر رہا۔

غزوۂ خیبر کے واقعات کے بعد اسی ذیل میں مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "خیبر کی زمین آنحضرتؐ نے مجاہدوں کو تقسیم کر دی۔ چنانچہ ایک ٹکڑا جس کا نام ثمغ تھا حضرت عمر کے حصہ میں آیا۔ حضرت عمر نے اس کو خدا کی راہ میں وقف کر دیا۔ چنانچہ صحیح مسلم باب الوقف میں یہ قصہ بہ تفصیل مذکور ہے۔ اور اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا وقف تھا جو عمل میں آیا" (الفاروق ص۵۵) الفاروق کے بہت مدت بعد مولوی صاحب نے حضرت رسولخدا کی سوانح عمری بھی لکھی جس میں غزوات کے حالات کو بہت شرح و بسط سے تحریر کیا۔ مگر تعجب ہے کہ اس سوانح عمری نبوی میں اس قصہ کا ذکر بالکل نہیں کیا بلکہ لکھا ہے "فتح کے بعد زمین مفتوحہ پر قبضہ کر لیا گیا لیکن یہود نے درخواست کی کہ زمین ہمارے قبضہ میں رہنے دی جائے۔ ہم پیداوار کا نصف ادا کیا کرینگے۔ یہ درخواست منظور ہوئی۔ بٹائی کا وقت آتا تھا تو آنحضرتؐ عبداللہ بن رواحہ کو بھیجتے تھے... خیبر کی زمین تمام مجاہدین پر جو اس جنگ میں شریک تھے تقسیم کر دی گئی۔ اس میں آنحضرتؐ کا خمس بھی تھا" (سیرۃ النبی جلد ۱ ص۵۸۰)۔ اگر اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ مفتوحہ زمین مجاہدین پر تقسیم کر دی گئی تھی اور پھر سب کی طرف سے بٹائی پر بندوبست کر دی گئی اور ہر مجاہد اپنے حصہ کی زمین کا صرف غلہ پاتا تھا۔ مگر حضرت عمر نے اس کو وقف کر دیا تھا تو اسکی تشریح ہونی چاہیئے کہ وقف فقراء کے لئے کیا تھا یا اپنی اولاد کے لئے۔ پھر یہ سوال ہے کہ کسی تاریخ یا سیرت کی کتاب میں اس وقف کا ذکر کیوں نہیں ہے؟ صرف الفاروق میں کیوں ہے؟ صحیح مسلم سے بھی اسکی تحقیق آسان نہیں ہوئی۔ اس کے باب الوقف میں ایک روایت ہے کہ اصاب عمر ارضا بخیبر فاتے النبیؐ یستامرہ فیھا فقال یا رسولؐ اللہ انی اصبت ارضا بخیبر لم اصب مالا قط ھو انفس عندی منہ فما تامرنی بہ قال ان شئت حبست اصلھا وتصدقت بھا فتصدق بھا عمر انہ لا یباع اصلھا ولا یتاع ولا توھب ولا تورث ولا توھب

حضرت عمر کو مقام خیبر میں زمین کا ایک ٹکڑا مل گیا تو رسولؐ کے پاس آئے اور عرض کی یا حضرتؐ میں نے خیبر میں ایک زمین پائی ہے کہ ویسی قیمتی چیز آج تک نہیں پائی تھی آپ کی کیا رائے ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا اگر چاہو تو اسکی اصل کو وقف کر کے اسکی پیداوار کو

Marfat.com

صدقہ دے دو۔ تو حضرت عمر نے اس کو صدقہ کر دیا کہ نہ بیچی جائے نہ میراث میں دیجائے نہ ہبہ کی جائے (صحیح مسلم جلد ۲ صـ۴۱)۔ اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت رسولخدا صلعم نے وہ ٹکڑا آپ کو دیا تھا نہ یہ معلوم ہوا کہ غزوۂ خیبر میں وہ زمین آپکو ملی نہ یہ معلوم ہوا کہ مجاہدین غزوۂ خیبر کو جو زمین ملی اس میں یہ زمین بھی حضرت عمر کو ملی۔ بلکہ کسی اور ذریعہ سے آپ کو وہ زمین مل گئی تھی۔ اگر حضرت رسولخدا صلعم نے بطور مجاہد آپ کو وہ زمین دی ہوتی تو حضرت عمر آنحضرتؐ سے یہ نہ کہتے کہ انی اصبت ارضا بخیبر۔ میں نے مقام خیبر میں ایک زمین پائی ہے بلکہ یہ کہتے کہ یا حضرتؐ جو زمین آپ نے مجھے دی ہے اس کو کیا کروں۔ یا کہتے یا حضرتؐ اس زمین کو جو آپ مجھے عنایت فرماتے ہیں کیا کروں۔ مگر عبارت بتاتی ہے کہ حضرت عمر کے دریافت کرتے وقت آنحضرت صلعم اس زمین اور حضرت عمر کی ملک سے بالکل بے خبر تھے اگر وہ آنحضرتؐ کی عطا کی ہوئی زمین ہوتی تو حضرتؐ اس سے بے خبر کیوں رہتے؟ علامہ یاقوت حموی نے لکھا ہے ثمغ موضع مال لعمر بن الخطاب حبسه اے وقفه۔ ثمغ ایک جائداد تھی حضرت عمر کی جس کو انھوں نے وقف کر دیا تھا (معجم البلدان جلد ۳ صـ۲۴) اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت رسولخدا صلعم نے وہ زمین آپ کو نہیں دی تھی اور نہ غزوۂ خیبر کے مجاہدین کو جو زمین ملی اس سے وہ حضرت عمر کو ملی۔ اور جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی نے لکھا ہے ان حدث به حدث ان تمغا وصرمة بن الاکوع وکذا وکذا جعله وقفا حضرت عمر نے کہا اگر ان پر کوئی حادثہ ہو (موت آجائے) تو ثمغ اور ابن اکوع کا صرمہ اور فلاں فلاں مال یہ سب وقف ہیں۔ ثمغ اور صرمہ ابن اکوع دونوں کھجور کے باغ اور حضرت عمر کی ملک تھے" (انوار اللغۃ پ۴ صـ۴۷) اس سے بھی واضح ہوا کہ غزوۂ خیبر میں یہ زمین آپ کو نہیں ملی تھی نہ حضرت رسولؐ نے دی تھی۔ بلکہ یہ بھی ثابت ہوا کہ ممدوح نے اس کو اپنی زندگی میں وقف نہیں کیا بلکہ اپنے مرنے کے بعد اس کو وقف قرار دیا۔ صحیح مسلم کی روایت کا ایک ایک لفظ پڑھ جاؤ کسی سے بھی پتا نہیں چلتا کہ حضرت عمر کو یہ زمین غزوۂ خیبر میں اور حضرت رسولؐ کے دینے سے ملی۔ اس کی شرح علامہ نووی نے لکھی ہے۔ اس میں بھی اس کا ذکر کیا اشارہ تک نہیں ہے معلوم نہیں مولوی شبلی صاحب سے کس نے کہہ دیا کہ حضرت رسولخدا صلعم نے زمین ثمغ حضرت عمر کو عنایت فرمائی تھی جسکی وجہ سے مولوی صاحب ممدوح نے ایسی عمارت کھڑی کر دی جس کا پتا کسی

Marfat.com

ذریعہ سے بھی نہیں ملتا ہے[1] مولوی صاحب نے اس کے بعد لکھا ہے "اسی سال آنحضرتؐ نے حضرت عمر کو ۳۰ آدمیوں کے ساتھ قبیلۂ ہوازن کے مقابلہ کو بھیجا۔ ان لوگوں نے حضرت عمر کی آمد سنی تو بھاگ نکلے اور کوئی معرکہ پیش نہیں آیا" (الفاروق ص۵۵) مگر معلوم نہیں ممدوح نے اس کو تاریخ یا حدیث کی کس کتاب سے لکھا ہے۔ اس کے ماخذ کا حوالہ بالکل نہیں دیا اور سیرۃ النبیؐ صلعم میں تو اس کا ذکر بھی نہیں کیا۔ پھر اس کو کہاں تک صحیح سمجھا جائے۔

فدک والوں سے صلح فتح خیبر کے بعد حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ کو فدک والوں کی طرف بھیجا کہ اسلام کی طرف ان کو بلائیں۔ فدک والوں نے اس شرط پر صلح کر لی کہ نصف زمین پر آنحضرتؐ کا قبضہ رہے۔ آپ نے قبول کر لیا۔ اس کام میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں ملا۔ یہ فدک حضرت رسولخداؐ کی خاص جائداد قرار پائی۔ یہ الفاظ قابل غور ہیں فکانت خیبر فیئاً للمسلمین وکانت فدک خالصة لرسول اللہؐ لانهم لم يجلبوا عليها بخيل ولا ركاب۔ خیبر کل مسلمانوں کا مال غنیمت ہوا اور فدک صرف حضرت رسولؐ کی ملک قرار پایا کیونکہ مسلمانوں نے نہ اس پر لشکر کشی کی نہ جہاد کیا (طبری جلد ۳ ص۹۵)۔ اور متعدد کتب حدیث و تاریخ میں ہے کہ اس صلح کے بعد جناب جبرئیلؑ نازل ہوئے۔ اور کہا خدا فرماتا

---

[1] مورخین نے لکھا ہے کہ جب حضرت رسولؐ خیبر سے واپس آتے ہوئے منزل صہبا میں پہنچے تو نماز عصر پڑھنے کے بعد حضرت علیؑ کے زانو پر سر رکھ کر سو گئے۔ اسی حال میں آنحضرتؐ پر آثار وحی ظاہر ہونا شروع ہوئے۔ حضرت علیؑ کو نماز عصر پڑھنے کا موقع نہیں ملا کیونکہ وحی کا زمانہ اتنا مختصر رہا کہ آفتاب ڈوب گیا۔ ختم وحی پر حضرتؐ نے جناب امیرؑ سے پوچھا تم نے نماز عصر پڑھی؟ عرض کی نہیں۔ تب حضرتؐ نے دعا کی اے خدا علیؑ تیری اور میری اطاعت میں تھا۔ آفتاب کو ان کے لئے پھر طالع کر دے تاکہ یہ نماز عصر پڑھ لیں۔ فوراً خدا نے آفتاب کو پھر طالع کر دیا اس کی شعاع تمام پھیل گئی اور لوگوں نے آنحضرتؐ کا یہ معجزہ آنکھ سے دیکھ لیا۔ پھر جناب امیرؑ نے نماز عصر پڑھ لی (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص۳۱۱ وغیرہ)۔ علامہ دیار بکری نے اس کو تفصیل سے ذکر کر کے لکھا ہے هذا حديث ثابت الرواية عن ثقات یہ حدیث بڑے معتمد راویوں سے بیان کی گئی ہے اور اسکی روایت بالکل ثابت اور درست ہے (تاریخ خمیس جلد ۲ ص۶۴ وغیرہ ۱۲)

Marfat.com

ہے وأت ذا القربیٰ حقہ - اے رسولؐ اپنے خاص قرابت والوں کو ان کا حق دے دو آنحضرتؐ نے پوچھا قرابت والے لوگ کون ہیں اور ان کا حق کیا ہے؟ جبرئیل نے کہا فدک کو فاطمہؑ کے حوالہ کردو کہ یہ انھیں کا حق ہے اور جو کچھ فدک میں خدا و رسولؐ کا حق ہے وہ بھی ان کے حوالہ کردو - تب حضرتؐ نے جناب سیدہؑ کو بلایا اور ان کے واسطے ایک وثیقہ لکھدیا (تفسیر درمنثور جلد ۴ صـ۱۷۷ وغیرہ)

غزوۂ وادی القریٰ مقام صہبا سے روانہ ہوکر آنحضرتؐ وادی القریٰ میں جمادی الاخریٰ ۷ھ میں پہنچے اور یہودیوں سے لڑائی ہوئی - بہت مال غنیمت ہاتھ آیا - یہود نے جزیہ دینا قبول کیا اور ان سے صلح ہوگئی - اس غزوہ میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں مل سکا (تاریخ خمیس جلد ۲ صـ۶۴)

سریہ مُوتہ آنحضرتؐ نے سلاطین اور رؤسا کو دعوت اسلام کے جو خطوط بھیجے تھے ان میں حاکم بصریٰ کے پاس بھی ایک خط بھیجا جس میں اس کو مذہب اسلام کی طرف دعوت دی - حاکم بصریٰ نے قاصد کو قتل کرا دیا - اس کا عوض لینے کے لئے آنحضرتؐ نے تین ہزار کی فوج زید بن حارثہ کے ماتحت جمادی الاخریٰ ۸ھ میں شام کی طرف بھیج دی اور فرمایا اگر یہ شہید ہوں تو جعفر طیار اور وہ بھی شہید ہوں تو عبداللہ بن رواحہ سردار لشکر ہوں - غرض یہ فوج گئی - حاکم بصریٰ نے لاکھ فوج سے مقابلہ کیا - زید و جعفر و عبداللہ تینوں شہید ہوئے اور باقی لشکر اسلام شکست کھاکر واپس آیا - اس سریہ میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں مل سکا (طبری جلد ۳ صـ۱۱)

سریہ ذات السلاسل جمادی الاخریٰ ۸ھ میں آنحضرتؐ نے عمرو عاص کو تین سو سپاہیوں کے ساتھ قبیلۂ قضاعہ وغیرہ کی سرکوبی کو روانہ کیا - وہاں عمرو عاص کو کامیابی نہیں ہوئی تو مدینہ سے کمک طلب کی جس پر ابوعبیدہ دوسو کی فوج کے ساتھ روانہ کئے گئے - اس سریہ میں البتہ حضرت عمر کی شرکت کا پتا بھی ملتا ہے - مورخین نے لکھا ہے ثم استمد رسول اللہؐ فامدہ بابی عبیدہ بن الجراح علی المہاجرین والانصار فیھم ابوبکر وعمر فی مائتین فکان جمیعھم خمس مائۃ - پھر عمرو عاص نے آنحضرتؐ سے مدد چاہی تو حضرتؐ نے ابوعبیدہ بن الجراح کے ماتحت دوسو مہاجرین و انصار کی ایک فوج بھیج دی - اس فوج میں حضرت ابوبکر و عمر بھی تھے - اس طرح کل فوج پانچ سو کی ہوگئی (طبری جلد ۳ صـ۱۰۲) - اس سے

معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر و عمر کو آنحضرتؐ نے ابوعبیدہ بن الجراح کے ماتحت بھی کیا اور عمرو عاص کا تابع بھی۔ کیونکہ ابوعبیدہ جو حضرت ابوبکر و عمر کے سردار بنائے گئے تھے خود عمرو عاص کی ماتحتی میں رکھے گئے۔

فتح مکہ ماہ رمضان ۸ھ میں آنحضرتؐ دس ہزار کی فوج کے ہمراہ مکہ کی طرف تشریف لے چلے کیونکہ قریش نے عہد نامہ توڑ دیا اور بنو خزاعہ پر ظلم کیا۔ انھوں نے آنحضرتؐ سے فریاد کی۔ مگر قریش کو اپنی غلطی پر ندامت ہوئی اور ابوسفیان کو مدینہ میں بھیجا کہ آنحضرتؐ سے اس عہد نامہ کی تجدید کرآئیں۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں" ابوسفیان نے مدینہ آکر آنحضرتؐ کی خدمت میں درخواست کی۔ بارگاہ رسالت سے کچھ جواب نہ ملا۔ ابوسفیان نے حضرت ابوبکر و عمر کو بیچ میں ڈالنا چاہا لیکن سب نے کانوں پر ہاتھ رکھا۔ ہر طرف سے مجبور ہو کر جناب فاطمہؑ کے پاس آیا۔ امام حسن علیہ السلام پانچ برس کے بچے تھے۔ ابوسفیان نے انکی طرف اشارہ کر کے کہا اگر یہ بچہ اتنا زیان سے کہہ دے کہ میں نے دونوں فریقوں میں بیچ بچاؤ کرا دیا تو آج سے عرب کا سردار پکارا جائیگا۔ جناب سیدہ نے فرمایا۔ بچوں کو ان معاملات میں کیا دخل[1] بالآخر ابوسفیان نے حضرت علیؑ کے ایما سے مسجد نبوی میں جا کر اعلان کر دیا کہ میں نے معاہدہ حدیبیہ

---

[1] مگر دوسری روایتوں میں ہے کہ فاقبل الحسن الی ابی سفیان و ضرب احد یدیہ علی انفہ والاخری علی لحیتہ۔ ثم انطقہ اللہ بان قال یا ابا سفیان قل لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ حتی اکون شفیعا فقال علی الحمد للہ الذی جعل فی آل محمدؐ من ذریۃ محمد المصطفیٰ نظیر یحییٰ بن زکریا و آتیناہ الحکم صبیا۔ ابوسفیان کے جواب میں حضرت امام حسنؑ اسکی طرف بڑھے اور ایک ہاتھ سے اس کی ناک اور دوسرے سے اسکی ڈاڑھی پر مار کر بحکم خدا گویا ہوئے اور فرمایا اے ابوسفیان کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ دو تو میں فوراً تمہاری شفاعۃ اپنے نانا سے کر دیتا ہوں۔ یہ دیکھکر حضرت علیؑ نے فرمایا اس خدا کے زرگ کا لاکھ لاکھ شکر جس نے آل محمدؐ میں بھی خاص ذریۃ محمد مصطفیٰؐ سے یحییٰؑ بن زکریا پیغمبر کا مثل و نظیر پیدا کیا اور بچپن ہی میں ان کو شریعت کی حکومت عطا فرمائی (یہ عبارت مناقب آل ابی طالب از علامہ ابن شہر آشوب جزو ۴ صـ۴۶ میں مشہور سیرۃ ابن اسحاق سے نقل شدہ

کی تجدید کردی" (سیرۃ النبی جلد ۱ صـ۳۷۴) ۔ مگر حضرت رسولؐ نے تو اس کی تجدید کو بھی دھوکا ہی سمجھا ہوگا ۔ غرض یکم ماہ صیام کو آنحضرتؐ مکہ معظمہ میں اسلام کا اعلان کرنے تشریف لے چلے دس ہزار کی فوج ساتھ تھی ۔ آنحضرتؐ بلا مزاحمت مکہ میں داخل ہو گئے ۔ حضرت علیؑ سپہ سالار تھے اور فوج کا ایک حصہ زبیر بن العوام کے ماتحت رکھا گیا ۔ فوج کے ایک اور حصہ کو خالد بن ولید کے ماتحت مکہ کے زیریں حصہ کی طرف قرار دیا ۔ ایک اور طرف سے ابو عبیدہ بن جراح بھیجے گئے ۔ شہر میں داخل ہوتے وقت سعد بن عبادہ نے کہا کہ جنگ کی حالت میں کسی متبرک مقام کی پروا نہیں کی جاتی ۔ آنحضرتؐ نے یہ سُنا تو سعد کا علَم حضرت علیؑ کے حوالہ کر دیا ۔ کہ معظمہ میں حضور نے داخل ہو کر مجسم رحم کا نمونہ پیش کر دیا ۔ سب دشمنوں کا قصور معاف کر کے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور اس کے اندر داخل ہوئے ۔ اس میں بکثرت بُت رکھے ہوئے تھے ۔ اکثر کو آنحضرتؐ نے خود ہی توڑ ڈالا اور جو اونچے تھے ان کے توڑنے کے لئے حضرت علیؑ کو اپنے کاندھے پر چڑھایا اور آپ نے سب کو توڑ کر گرا دیا ۔ مورخین نے تصریح کی ہے کہ خانہ کعبہ کے اندر ایک اونچی جگہ پر کئی بڑے بڑے بُت رکھے ہوئے تھے جہاں ہاتھ نہیں پہونچ سکتا تھا ۔ خاص کر سب سے بڑا بُت ہبل تو نیچے سے ٹوٹ ہی نہیں سکتا تھا ۔ حضرت علیؑ نے آنحضرتؐ سے عرض کی کہ حضور اپنا پاؤں میرے شانوں پر رکھ کر ان بتوں کو نیچے گرا دیں ۔ آنحضرتؐ چڑھے تو جناب امیرؑ کو ضعف محسوس ہوا ۔ آنحضرتؐ فوراً اُتر آئے اور فرمایا اے علیؑ تم کو نبوت کا بار اوٹھانے کی طاقت نہیں ہے ۔ اب تم اپنا پاؤں میرے کاندھے پر رکھکر بلند ہو ۔ حضرت علیؑ نے ایسا ہی کیا اور بتوں کو نیچے گرا دیا ۔ آنحضرتؐ نے پوچھا اے علیؑ تم اپنے کو اس وقت کیسا پاتے ہو ؟ عرض کی ایسا دیکھتا ہوں گویا تمام حجابوں کے پردے ہٹ گئے اور میرا سر ساق عرش تک

(بقیہ حاشیہ صـ۶۴)

موجود ہے ۔ افسوس اصل کتاب سیرۃ ابن اسحاق جو تاریخ اسلام کا بہت قدیم ذخیرہ ہے اس زمانہ میں کہیں نہیں ملتی ۔ یورپ تک اسکی تحصیل سے عاجز رہا ۔ البتہ اس کا خلاصہ سیرۃ ابن ہشام چھپ گیا ہے جس میں یہ واقعہ بھی مختصر طور پر موجود ہے (دیکھو سیرۃ ابن ہشام مطبوعہ ملک مصر بر حاشیہ زاد المعاد جلد ۲ صـ۲۲۸) ۱۲

Marfat.com

پہونچ گیا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ کیا اچھا نصیب تمہارا ہے کہ خدا کا کام کرتے ہو اور کیا اچھا نصیب میرا ہے کہ بار حق اوٹھائے ہوں۔ بتوں کو گرانے کے بعد جناب امیر علیہ السلام آنحضرتؐ کے کاندھے سے کود پڑے اور تبسم فرمانے لگے۔ آنحضرتؐ نے پوچھا علیؑ کس بات پر خوش ہو؟ عرض کی اس پر کہ اتنی بلندی سے کودا اور مجھے کوئی زحمت نہیں ہوئی۔ فرمایا زحمت کیسے ہوتی کہ محمدؐ نے تم کو اوٹھایا اور جبرئیلؑ نے اُتارا۔ ایک شاعر نے ان اشعار میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

قیل لی قل فی علی مدحا .:. ذکرہ یخمد نارا موصدۃ
قلت لا اقدم فی مدح امرء .:. ضل ذو اللب الی ان عبدہ
والنبی المصطفٰی قال لنا .:. لیلۃ المعراج لما صعدہ
وضع اللہ بظہری یدہ .:. فاحس القلب ان قد برد
وعلیّ واضع اقدامہ .:. فی محل وضع اللہ یدہ

لوگوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ میں حضرت علیؑ کی مدح میں کچھ اشعار کہوں کیونکہ حضرتؑ کا ذکر (جہنم کی) بند آگ تک کو بجھا دیتا ہے۔ میں نے اُن لوگوں کے جواب میں کہا کہ میں ایسے بزرگ کی مدح کا ارادہ بھی نہیں کرسکتا جن کے فضائل کی کثرت سے بڑے صاحبانِ عقل تک اس قدر گمراہ ہو گئے کہ حضرتؑ ہی کی عبادت کرنے لگے (جیسے نصیری فرقہ وغیرہ) اور حضرت رسولؐ نے فرمایا ہے کہ جب معراج کی رات میں آسمان پر گیا تو خدا نے میری پشت پر اپنا ہاتھ رکھا جس کی ٹھنڈک میرے دل نے محسوس کی اور حضرت علیؑ نے فتح مکہ میں آنحضرتؐ کی پشت مبارک پر اپنے قدم اوسی جگہ رکھے جہاں خدا نے اپنا ہاتھ رکھا تھا (تاریخ خمیس جلد ۲ صـ۹۶) ۔ اس غزوہ میں بھی حضرت علیؑ سپہ سالار تھے اور جناب زبیر۔ خالد۔ ابوعبیدہ وغیرہ کو بھی فوج کے بعض حصوں کی سرداری دی گئی مگر کسی کتاب سے نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت عمر کسی فوج کے علم بردار مقرر کئے گئے ہوں۔ یا کوئی فوج آپکے ماتحت دی گئی ہو یا کوئی قابل ذکر کام آپ نے بھی کیا ہو (طبری جلد ۳ صـ۱۱۱ تا ۱۲۴ وغیرہ) اور مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "حضرت عباس مکہ کی طرف چلے۔ ادہر سے ابوسفیان آرہا تھا۔ حضرت عباس نے اس سے کہا آ میں تجھے رسولؐ اللہ سے امن دلادوں ورنہ آج تیری خیر نہیں۔ ابوسفیان نے غنیمت سمجھا اور ساتھ ہولیا۔ راہ میں حضرت عمر کا سامنا

ہوا۔ ابو سفیان کو ساتھ دیکھکر حضرت عمر نے خیال کیا کہ حضرت عباس اسکی سفارش کے لئے جا رہے ہیں۔ بڑی تیزی سے بڑھے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ مدتوں کے بعد اس دشمنِ اسلام پر قابو ملا ہے اجازت دیجئے کہ اس کی گردن ماردوں ... آنحضرتؐ نے حضرت عباس کی سفارش قبول کی اور ابو سفیان کو امن دیا" (الفاروق صـ۵۷) ۔ اگرچہ حضرت عمر کا یہ معمول تھا کہ جب کوئی کافر جنگ یا کسی قسم کے حملہ سے خالی الذہن رہ کر کبھی جاتا یا کسی جگہ پہونچتا اور حضرت عمر اس کو دیکھ لیتے تو آپ اوسکی گردن اڑانے کو طیار ہو جایا کرتے ۔ اس وجہ سے اس واقعہ کی صحت بھی مستبعد نہیں مگر تعجب یہ ہے کہ مولوی شبلی صاحب جو لکھتے ہیں اکثر امور کے ماخذ کا حوالہ دے دیتے ہیں ۔ لیکن اس واقعہ کا حوالہ بالکل نہیں دیا۔ اسی طرح آپ نے اور بھی کچھ باتیں ایسی لکھ دی ہیں جن کے متعلق بالکل ظاہر نہیں کیا کہ کس کتاب سے لکھی ہیں۔ مثلاً یہ واقعہ لکھ گئے "جب عورتوں کی باری آئی تو چونکہ آنحضرتؐ بیگانہ عورت کو مس نہیں کرتے تھے حضرت عمر کو ارشاد فرمایا کہ تم ان سے بیعت لو۔ چنانچہ تمام عورتوں نے اُنھیں کے ہاتھ پر آنحضرتؐ سے بیعت کی" (الفاروق صـ۵۷) اور کتاب کا حوالہ دیا ہی نہیں۔ اول تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جب حضرتؐ اپنے لئے پسند نہیں کرتے تھے کہ بیگانہ عورت کے ہاتھ کو مس کریں تو حضرت عمر کے لئے کیوں اس بات کو پسند فرمایا؟ حضرت عمر بھی تو مرد ہی تھے اور ان سب عورتوں کے محرم بھی نہیں تھے ۔ پھر جس بات کو آنحضرتؐ اپنے لئے ناجائز سمجھتے تھے اوسے حضرت عمر کے لئے کیوں جائز سمجھ لیا؟ اگر بجائے حضرت عمر کے کوئی عورت ہوتی تو کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ دوسرے یہ کہ معتبر تاریخیں اسکے خلاف کہتی ہیں ۔ مثلاً علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے واجتمع الناس لبیعۃ رسول اللہؐ علی الاسلام فکان یبایعھم فانہ لما فرغ من الرجال بایع النساء۔

فتح مکہ کے بعد حضرت رسولؐ کے پاس لوگ اسلام پر بیعۃ کرنے کے لئے جمع ہوئے اور حضرتؐ نے ان لوگوں کی بیعۃ لینا شروع کی۔ پھر جب مردوں کی بیعۃ سے فراغت ہوگئی تو حضرتؐ ہی نے عورتوں کی بیعۃ بھی لی (تاریخ کامل جلد ۲ صـ۹۶) ۔ تمام تاریخوں کا مولوی شبلی صاحب کی مذکورہ بالا عبارت کے خلاف کہنا تو زیادہ تعجب خیز نہیں ۔ البتہ یہ تماشہ قابل حیرت و عبرت ہے کہ خود مولوی شبلی صاحب نے جب حضرت رسول خدا صلعم کی سوانح عمری لکھی تو جو کچھ حضرت عمر کی سوانح عمری میں تحریر فرمایا تھا اس کے بالکل خلاف

Marfat.com

اور عام تاریخوں کے بیان کے مطابق لکھا۔ ان کے الفاظ دیکھو۔ فتح کے بعد کے حالات لکھتے ہوئے آنحضرتؐ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں "مقام صفا میں آپ ایک بلند مقام پر بیٹھے جو لوگ اسلام قبول کرنے آتے تھے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے۔ مردوں کی باری ہو چکی تو مستورات آئیں۔ عورتوں سے بیعت لینے کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ان سے ارکان اسلام اور محاسن اخلاق کا اقرار لیا جاتا تھا۔ پھر پانی کے ایک لبریز پیالہ میں آنحضرتؐ دست مبارک ڈبو کر نکال لیتے تھے۔ آپ کے بعد عورتیں اسی پیالہ میں ہات ڈالتی تھیں اور بیعت کا معاہدہ پختہ ہو جاتا تھا" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ ص۳۸۱)۔ کیا آسمان اور زمین کے فرق کی مثال اس سے بھی بہتر کوئی مل سکتی ہے کہ الفاروق میں آپ نے عورتوں کی بیعت کے لئے حضرت عمر کو کھڑا کر دیا جس کا نہ کوئی پتا ہے اور نہ نشان۔ اور سیرۃ النبیؐ میں اصلی بات لکھ دی کہ عورتوں کی بیعت حضرت عمر نہیں بلکہ خود حضرت رسولخدا صلعم اس صورت سے لیتے تھے کہ ان کا ہاتھ مس بھی نہیں ہوتا تھا اور بیعت ہو جاتی تھی۔ اس کے سوائے فتح مکہ میں حضرت عمر کی کوئی خدمت مولوی شبلی صاحب نے بھی، نہیں لکھی۔ پھر صحیح تاریخوں میں کیا مل سکتی ہے۔

دعوت بنو خزیمہ فتح مکہ کے بعد آنحضرتؐ نے خالد کے ساتھ کچھ لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے کے لئے روانہ فرمایا۔ بنو خزیمہ نے اسلام کا اظہار کیا۔ مگر خالد نے بہت لوگوں کو گرفتار اور کتنوں کو قتل کر دیا اور نہایت درجہ ظلم و سفاکی کا برتاؤ کیا۔ یہ سن کر آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ تم جاؤ اور ان لوگوں کے واقعہ کی تحقیق کرو۔ اور جاہلیت کی باتوں کو اپنے پاؤں سے روند ڈالو۔ حضرت علیؑ روانہ ہوئے یہاں تک کہ انکے پاس پہونچے۔ ہر مقتول کا خونبہا ادا کر دیا اور جو مال لوٹا گیا تھا اس کا تاوان اور معاوضہ بھی دے دیا۔ یہاں تک کہ اُس برتن کی قیمت بھی دے دی جسمیں کتا پانی پیتا ہے۔ غرض جب کسی کا کوئی مطالبہ باقی نہیں رہا تو بہت سا مال اپنی طرف سے بھی سب کو دیکر فرمایا تو یہ بقیہ مال بھی تم لوگوں کو دے دیتا ہوں کہ آنحضرتؐ کی طرف سے احتیاطاً ادا کاری بھی ہو جائے یعنی جس مطالبہ کی خبر نہ آنحضرتؐ کو ہے اور نہ تم لوگ جانتے ہو مگر شائد وہ کسی طرح رہ گیا ہو وہ بھی ادا ہو جائے۔ غرض یہ سب عادلانہ بلکہ رحیمانہ انتظام کرنے کے بعد حضرت علیؑ آنحضرتؐ کے پاس تشریف لائے اور پورا واقعہ بیان کر دیا تو حضورؐ نے فرمایا علیؑ! تم نے بالکل ٹھیک اور بہت خوب کیا (تاریخ طبری جلد ۳ ص۱۲۴)۔ اس واقعہ میں بھی حضرت

Marfat.com

عمر کی کسی خدمت کا کچھ پتا نہیں مل سکا کہ آنحضرتؐ نے آپ کو کسی کام کے لئے بھیجا ہو یا آپ نے خود جانے کی خواہش کی ہو۔

غزوۂ حنین ماہ شوال ۸ھ ہجری میں مشہور غزوۂ حنین ہوا۔ فتح مکہ کے بعد قبیلہ ہوازن ثقیف۔ اہل طائف اور بنو سعد بن بکر مجتمع ہو کر آنحضرت صلعم سے لڑنے کو آمادہ ہوئے اسکی خبر آنحضرتؐ کو ہوئی تو ۱۲ ہزار کی فوج کے ساتھ اُن کے مقابلہ کو نکلے۔ راہ میں ایک درخت ذات انواط کے پاس سے گزرے جس کو دیکھکر صحابہ نے فرمائش کی یا حضرتؐ ہمارے لئے بھی ایسا ہی ایک ذات انواط بنا دیجئے۔ تو حضرتؐ نے فرمایا سبحان اللہ ھذا کما قال قوم موسےٰ اجعل لنا الھا کما لھم الھۃ والذی نفسی بیدہ لترکبن سنن من کان قبلکم۔ سبحان اللہ یہ تو ویسی ہی بات ہوئی جیسی حضرت موسےٰؑ سے اونکی قوم نے فرمائش کی تھی کہ اے موسےٰ جیسے کافروں کے معبود ہیں ویسا ہی ایک معبود ہمارے لئے بھی بنا دیجئے۔ خدا کی قسم (میں خوب جانتا ہوں کہ) تم لوگ ان (کفار یہود وغیرہ) کا طریقہ اختیار کرلوگے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں (سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صـ ۲۶۵) ۔غرض حضرتؐ وہاں سے روانہ ہوکر وادی حنین میں داخل ہوئے اور جنگ بڑے زور سے شروع ہوگئی۔ کفار کا ایسا غلبہ ہوا کہ مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ ایسا بدحواس بھاگے کہ کوئی شخص کسی کی طرف مُڑتا بھی نہ تھا۔ اکثر محدثین و مورخین نے لکھا ہے کہ فتح مکہ اور اپنی کثرت کی وجہ سے بعض صحابہ میں غرور و تکبر بھی پیدا ہوگیا تھا کہ اب ہم ہی ہم ہیں۔ مثلاً حضرت ابوبکر نے مسلمانوں کی عظیم الشان فوج دیکھکر کہا لن نغلب الیوم آج تو ہم لوگوں کو کسی طرح شکست نہیں ہوسکتی (تاریخ خمیس جلد ۲ صـ ۱۱۱ وغیرہ) ۔ان باتوں کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں کے آگے بڑھتے ہی دشمن نکل پڑے اور مسلمانوں کو تیروں، پتھروں اور نیزوں سے بدحواس کردیا جس سے انھوں نے راہ فرار اختیار کرلی۔ بہت سے مسلمان مارے گئے۔ بہ کثرت زخمی ہوئے۔ آنحضرتؐ نے ان کو بہت پکارا اور دوسروں سے آواز دلوائی کہ اے بیعۃ الرضوان والو! تم اپنے رسولؐ کو تنہا چھوڑ کر کہاں جاتے ہو؟ مگر ان لوگوں نے ایک بھی نہ سُنی۔ اکثر مورخین و محدثین کی تحقیق ہے کہ بروز حنین حضرت رسولؐ کے ساتھ جو صحابہ ثابت قدم رہے وہ جناب عباس حضرت علیؑ۔ فرزند حارث۔ عقیل ابن ابی طالب۔ عبداللہ بن زبیر۔ زبیر بن العوام۔

اور اسامہ بن زید تھے (کنز العمال جلد ۵ صـ۳۰۷)۔ بعض مورخین نے ان سے بھی کم لوگوں کی تعداد لکھی ہے کہ آنحضرتؐ کے ساتھ صرف چار شخص باقی رہ گئے تین بنی ہاشم سے حضرت علیؑ و عباس و فرزند حارث اور ایک شخص غیر بنی ہاشم سے عبداللہ بن مسعود (سیرۃ حلبیہ جلد ۳ صـ۱۰۹)۔ اور حضرت عمر کی حالت یہ لکھی ہے۔ ایک صحابی ابوقتادہ بیان کرتے تھے انھزم المسلمون وانھزمت معھم فاذا بعمر بن الخطاب فی الناس۔ فقلت له ماشان الناس۔ قال امر الله۔ ثم تراجع الناس الی رسول اللہؐ۔ غزوۂ حنین میں صحابہ بھاگ گئے تو میں بھی ان کے ساتھ بھاگا۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ بھاگنے والوں میں حضرت عمر بھی ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا لوگوں کا کیا حال ہے کہ بھاگ کھڑے ہوئے؟ حضرت عمر نے فرمایا کیا کیا جائے۔ خدا کا حکم یہی تھا۔ پھر سب بھاگنے والے رسولؐ کے پاس واپس گئے (صحیح بخاری پ ۱۷ صـ۶ کتاب المغازی)۔ مولوی وحید الزماں خاں صاحب نے لکھا ہے "مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے صرف آنحضرتؐ اور چند صحابہ میدان میں جمے رہے" (تفسیر وحیدی صـ۲۴۸)۔ مگر حضرت علیؑ اور جناب رسولؐ جنگ میں اُسی طرح ثابت قدم رہے۔ یہاں تک کہ بھاگے ہوئے مسلمان پھر واپس آئے اور کافروں سے سخت جنگ ہوئی۔ اب مسلمان کامیاب ہو گئے۔ اس لڑائی میں ۷۰ کافر اور ۴ مسلمان مارے گئے۔ ان میں حضرت عمر کا مقتول کوئی نہیں تھا۔ البتہ بکثرت لوگوں کو حضرت علیؑ نے قتل کیا تھا (سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صـ۲۶۱)

جنگ اوطاس فتح حنین کے بعد آنحضرتؐ نے حنین ہی میں قیام کر کے ابو عامر اشعری کے ماتحت ایک بڑی فوج اوطاس کی طرف بھیجی جو حنین اور طائف کے درمیان ہے۔ ابو عامر شہید ہوئے۔ اور ان کے بھتیجے ابو موسےٰ اشعری نے فوج سنبھالی اور مسلمان کامیاب ہو گئے (تاریخ طبری جلد ۳ صـ۱۳۱)۔ اس جنگ میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہ مل سکا۔

غزوۂ طائف حنین کی بقیہ فوج طائف میں جا کر پناہ گزیں ہوئی اور جنگ کی تیاری شروع کی تو آنحضرتؐ نے ادھر کا عزم کیا۔ اور وہاں پہونچکر طائف والوں کا محاصرہ کر لیا۔ آخر محاصرہ اوٹھا کر حضرتؐ واپس تشریف لے گئے۔ اس میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں چلا (طبری جلد ۳ صـ۱۳۳)۔ محاصرۂ طائف کے زمانہ میں حضرت علیؑ کے ساتھ کچھ اصحاب آنحضرتؐ سے

اجازت لے کر اس طرف کے دشمنوں سے لڑنے گئے۔ وادی ثقیف و ہوازن کے بتوں کو جو اس نواح میں تھے توڑ ڈالا۔ اور ایک نامی پہلوان حضرت علیؑ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ حضرت علیؑ اس کامیابی کے بعد آنحضرتؐ کے پاس واپس آئے تو حضورؐ نے جناب امیرؑ کو دیکھکر تکبیر کہی اور تنہائی میں کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے اور کسی دوسرے شخص کو وہاں جانے کی اجازت نہیں دی۔ اس رازداری کی گفتگو میں جب بہت تاخیر ہوئی تو صحابہ کہنے لگے کہ ایسے دور دراز کے راز آنحضرتؐ اپنے چچازاد بھائی سے کہتے ہیں جو دوسروں سے نہیں کہتے۔ حضرتؐ نے فرمایا میں خود راز کی باتیں نہیں کرتا بلکہ خدا حکم دیتا ہے تب کرتا ہوں۔ جناب ملا معین کاشفی نے لکھا ہے در ہنگام خلوت و مشاورت نبیؐ با علیؑ امیر المومنین عمرؓ با حضرت رسولؐ گفتہ کہ یا رسولؐ اللہ با علیؑ رازمی گوئی و با وے خلوت می کنی۔ آں سرورؐ فرمود ما انتجیتہ ولکن اللہ انتجاہ یعنی من با او رازنمی گویم بلکہ خدائے تعالےٰ با و رازمی گوید جب آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے تخلیہ میں راز کہنا شروع کیا تو حضرت عمر نے پیغمبر صاحب پر اعتراض کیا کہ آپ خلوت میں علیؑ سے راز کی باتیں کرتے ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا میں خود علیؑ سے راز کی باتیں نہیں کرتا بلکہ خدا کرتا ہے (معارج النبوۃ رکن ۴ صـ۳۷۷)۔ بعض کتابوں میں ہے کہ حضرتؐ کی رازداری پر حضرت عمر نے اعتراض کیا اور بعض میں حضرت ابوبکر کا نام بھی ہے (کنز العمال جلد ۶ صـ۳۹۹ و شرح مشکوۃ صـ۵۶۴ جلد ۲ وغیرہ)۔ دعا یوم الطائف فانتجاہ فقال الناس لقد طال نجواہ مع ابن عمہ فقال ما انتجیتہ و لکن اللہ انتجاہ۔ آنحضرتؐ نے طائف کی جنگ میں حضرت علیؑ کو بلوایا اور کان میں ان سے باتیں کرتے رہے۔ اس پر بعضے لوگ کہنے لگے اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ بڑی دیر تک کانا پھوسی کی۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا میں نے ان سے سرگوشی نہیں کی۔ بلکہ اللہ تعالےٰ نے کی۔ یعنی اللہ نے مجھ کو حکم دیا کہ ان سے سرگوشی کروں۔ میں نے اللہ تعالےٰ کے حکم کی تعمیل کی" (انوار اللغۃ پ ۲۵ صـ۲۴۲)۔ جناب شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے لکھا ہے کہ اس سفر طائف میں حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو خلافت کے امیدوار سے کیا جاتا ہے۔ جسکی تفصیل یہ ہے کہ قریش کے کچھ لوگ حضرتؐ کی خدمت میں آئے اور کہا یا حضرتؐ ہم آپ کے ہم سایہ اور حلیف ہیں اور ہمارے غلام جو آپ کی خدمت میں آکر مسلمان ہوئے ہیں حقیقت میں

ان کو نہ اسلام سے مطلب ہے نہ شریعت سے۔ صرف ہمارے اموال و جائداد سے بھاگ کر آئے ہیں حضور انھیں ہم کو واپس کر دیں۔ اس پر حضورؐ نے حضرت ابوبکر کی رائے دریافت کی تو ممدوح نے کفار کی تصدیق کی جس سے حضرت رسولؐ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ پھر حضرت عمر سے دریافت فرمایا انھوں نے بھی حضرت ابوبکر کی تائید کی جس سے آنحضرتؐ کا چہرہ دوبارہ متغیر ہو گیا اور حضرتؐ نے زبان سے فرمایا کہ اے گروہِ قریش خدا کی قسم اللہ تم پر ایسے شخص کو مسلط کرے گا جس کے قلب کا اُس نے ایمان کے متعلق امتحان کیا ہے۔ اور وہ تم لوگوں سے دین کی حمایت میں لڑے گا۔ اِس پر حضرت ابوبکر بولے یا رسولؐ اللہ کیا وہ شخص میں ہوں؟ حضورؐ نے فرمایا نہیں۔ تب حضرت عمر بڑھے اور پوچھا یا رسولؐ اللہ کیا میں ہوں؟ حضرتؐ نے فرمایا نہیں بلکہ یہ صفت اوس شخص کی ہے جو جوتی میں پیوند لگا رہا ہے۔ اور اُس وقت آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو اپنی جوتی سینے کے لئے دی تھی (ازالۃ الخفاء مقصد ۲ صـ۲۵۶ و خصائص نسائی صـ۳۱)

جب آنحضرتؐ طائف کا محاصرہ چھوڑ کر جعرانہ میں تشریف لائے تو حنین کا مال غنیمت تقسیم کرنا چاہا جو بے شمار و غیرہ تھا۔ مکہ کے اکثر رؤساء کو جنہوں نے حال میں اسلام قبول کیا تھا۔ آنحضرتؐ نے نہایت فیاضی سے حصہ دیا مگر اس پر انصار کو رنج ہوا۔ بعضوں نے کہا رسولؐ نے قریش کو انعام دیا اور ہمیں محروم رکھا۔ حالانکہ ہماری تلواروں سے ابتک قریش کے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں (صحیح بخاری غزوۂ طائف)۔ بعض بولے کہ مشکلات میں ہماری یاد ہوتی ہے اور غنیمت دوسروں کو ملتی ہے (صحیح بخاری صـ۶۲۱) مگر آنحضرتؐ نے ان کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ اسلام میں اب آئے ہیں۔ میں نے تالیف قلب کے لئے ان کو کچھ دیا ہے۔ ایک شاعر عباس بن مرداس کو حصہ میں سَو سے کم اونٹ ملے وہ اس پر خفا ہو گیا۔ اور آنحضرتؐ کی مذمت میں اشعار لکھ ڈالے۔ آنحضرتؐ کو معلوم ہوا تو فرمایا اسے یہاں سے لے جاؤ اور اسکی زبان قطع کر دو۔ یورپین مورخ ایرونگ نے لکھا ہے "عمر جو ہمیشہ سختی کے کاموں کے واسطے طیار رہتے تھے وہیں اسکی زبان واقعاً کاٹنے کو طیار ہو گئے لیکن جو آنحضرتؐ کا اصلی مقصود سمجھتے تھے یعنی حضرت علیؑ اس شاعر کو اُس جگہ لے گئے جہاں اونٹ رکھے گئے تھے اور فرمایا ان میں سے جتنے اونٹ چاہو لے لو" شاعر بولا "کیا حضرتؐ نے اسی طرح میری زبان کاٹنے کا حکم دیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو میں اپنے حصہ پر راضی ہوں"

Marfat.com

(روضۃ الاحباب جلد ۱ صفحہ ۴۶۰)۔ جن صحابہ نے آنحضرتؐ کی تقسیم پر اعتراض کیا تھا اُن میں ایک شخص ذوالخویصرہ بھی تھا جس نے کہا اے محمدؐ آپ نے انصاف سے تقسیم نہیں کیا۔ آنحضرتؐ کو غصہ آگیا فرمایا اگر میں ہی انصاف نہیں کروں گا تو کون کرسکتا ہے؟ اس پر حضرت عمرؓ بولے یا حضرتؐ حکم دیجئے میں اسکی گردن اُڑا دوں۔ فرمایا نہیں!!! اس سے ایک گروہ پیدا ہوگا جو دین میں بال کی کھال نکالے گا یہاں تک کہ اس دین سے اس طرح خارج ہوجائیگا جس طرح کمان سے تیر نکل جاتا ہے (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۱۲۷)۔ ابوسفیان و معویہ کو بھی مورخین نے انھیں مولفۃ القلوب حضرات میں شمار کیا ہے۔ مثلاً علامہ مسعودی نے لکھا ہے وفیھا کان اعطائہ للمولفۃ قلوبھم وفیھم ابوسفیان بن حرب وابنہ معویہ۔ اسی ۸ھ میں رسولؐ نے ان نئے مسلمانوں کو بھی مال وغیرہ کے حصے عطا کئے جو بتالیف قلوب مسلمان ہوئے تھے اور انھیں میں ابوسفیان اور اس کا بیٹا معویہ بھی تھا (مروج الذہب جلد ۵ صفحہ ۸۵) تقسیم مال کے بعد آنحضرتؐ ۸ ذیقعدہ کو مکہ میں واپس آئے اور عمرہ بجالاکر یکم ذی الحجہ کو مدینہ واپس آگئے۔ مذکورہ بالا واقعات میں حضرت عمر کی اور کوئی خدمت نہیں معلوم ہوسکی۔

سریہ بنو تمیم ۹ھ میں مسلمان خاندانوں سے زکوۃ کا مال وصول کرنے کے لئے عامل (کارندے یا تحصیلدار) مقرر کئے گئے اور اِدھر اُدھر بھیجے گئے۔ مگر بنو تمیم کے بہکانے سے بنو کعب جو مسلمان ہوچکے تھے مخالفت رسولؐ پر آمادہ ہوگئے اور زکوۃ دینے سے انکار کردیا۔ آنحضرتؐ کا عامل ڈر کر واپس آیا تو آنحضرتؐ نے عیینہ بن حصن فزاری کو پچاس سواروں کے ساتھ انکی طرف روانہ کیا کہ ان کا مناسب تدارک کریں۔ اس میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں مل سکا (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۱۳۱)

بُت شکنی کے لئے سرایا اس امر کے متعلق مورخین کی عبارتوں کا خلاصہ مولوی شبلی صاحب نے اس طرح لکھا ہے "اسی سلسلہ میں وہ سرایا بھی داخل ہیں جو فتح مکہ کے بعد بُت شکنی کے لئے اطراف ملک میں روانہ کئے گئے۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ تمام عرب میں مختلف قبیلوں کے الگ الگ بُت خانے تھے۔ فتح مکہ کے بعد عام طور سے قبائل نے اسلام قبول کرلیا تو بتوں کی عظمت و جبروت کا جاہلانہ اور وہم پرستانہ تخیل بعض قبائل سے دفعۃً نہ مٹ سکا۔ اب گو وہ ان کو لائق پرستش نہیں سمجھتے تھے تاہم ان کے دلوں پر ان اصنام کی وراثۃً ایک مدت سے جو ہیبت بیٹھی ہوئی تھی۔ اس سے یہ ہمت نہیں پڑتی تھی کہ ان باطل پرستیوں کے مرکز کو خود اپنے ہاتھ سے مٹادیں۔ جاہلوں کو یقین تھا کہ ان مقدس پتھروں کا ایک ریزہ بھی اپنی جگہ سے ہٹا تو آسمان ٹوٹ پڑے گا۔ زمین پھٹ جائیگی۔ مصائب اور بلاؤں کا ایک

Marfat.com

طوفان برپا ہو جائیگا۔ اہل طائف نے بیعت کرتے ہوئے شرط پیش کی تھی کہ ان کا بت خانہ ایک سال تک ڈھایا نہ جائے اور جب آنحضرتؐ نے یہ منظور نہ فرمایا تو دوسری شرط یہ پیش کی کہ ہم ان کو اپنے ہاتھ سے نہ توڑینگے۔ بعض اور نومسلم قبائل بھی ادائے فرض میں جھجکتے تھے۔ اس بنا پر ان مقامات میں چند راسخ العقیدہ اور صحیح الفہم مسلمان بھیجے گئے کہ وہ انکی طرف سے اس فرض کو انجام دیں۔ چنانچہ سریہ خالد بن ولید بت خانہ عزّیٰ۔ سریہ عمرو بن العاص بت خانہ سواع۔ سریہ سعد بن زید اہلی بت خانہ منات سریہ ابوسفیان و مغیرہ بن شعبہ بت خانہ لات۔ سریہ جریر بت خانہ ذی الخلصہ (صحیح بخاری غزوہ ذی الخلصہ) سریہ طفیل بن عمرو دوسی بت خانہ ذی الکفلین اور سریہ علیؑ ابن ابی طالب بت خانہ فلس کے توڑنے کو روانہ کئے گئے (اس باب میں تمام تر واقعات ابن سعد جزء مغازی سے ماخوذ ہیں) (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۴۴۴)۔ مولوی صاحب نے جن راسخ العقیدہ اور صحیح الفہم مسلمانوں کا ذکر کیا افسوس کہ انمیں حضرت عمر کا نام نہیں لکھا۔ اور زیادہ حیرت یہ ہے کہ عزیٰ کی مفصل کتب تاریخ و سیرت میں بھی کسی موقع پر ممدوح کا نام نہیں ملتا۔ نہ حضرت رسول صلعم ہی نے اس ضروری کام کے لئے آپ کا انتخاب کیا۔ نہ دوسرے صحابہ ہی نے رائے دی کہ یا حضرتؐ آپ راسخ العقیدہ اور صحیح الفہم مسلمانوں کی طرح حضرت عمر کو اس کام کے لئے کیوں نامزد نہیں فرماتے؟ نہ خود حضرت عمر ہی نے اپنے کو اس زحمت کے لئے پیش کیا۔ معلوم نہیں ہر شخص کے خاموش رہنے کی کیا وجہ تھی حالانکہ خالد بن ولید۔ عمرو بن العاص اور ابوسفیان تک اس شرف سے سرفراز ہوئے۔

غزوۂ تبوک | مدینہ اور دمشق کے درمیان نصف راہ میں مدینہ سے ۱۴ منزل پر ایک مشہور مقام تبوک ہے۔ جنگ موتہ کے بعد رومی سلطنت نے عرب پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ مدینہ میں یہ خبریں اکثر مشہور ہوتی رہتی تھیں۔ اس بنا پر آنحضرتؐ نے فوج کی طیاری کا حکم دیا مگر اس وقت قحط اور گرمی کی شدت تھی۔ اس سبب سے لوگوں کو گھر سے نکلنا نہایت شاق تھا۔ منافقین کا پردہ فاش ہو چلا۔ وہ خود بھی جی چراتے تھے اور دوسروں کو بھی منع کرتے تھے۔ آنحضرتؐ کا معمول تھا کہ جب آپ مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تو کسی کو شہر کا حاکم مقرر فرما کر جاتے۔ اس وقت حضرت علیؑ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ مقرر فرما گئے اور امہات المومنین کو حکم دے دیا کہ دیکھو علیؑ کے حکم سے ہرگز باہر نہ ہونا مگر حضرت علیؑ کو جہاد سے بیٹھ رہنا بہت شاق ہوا اور آنحضرتؐ سے عرض کی حضور مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں؟ [1] اس پر آنحضرتؐ نے اپنی مشہور حدیث منزلت ارشاد

[1] عن مصعب ابن سعد عن ابیہ ان رسول اللہؐ خرج الی تبوک فاستخلف علیا قال تخلفنی

فرمائی کہ یا علی امامت ضعف ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی اے علیؑ کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہی درجہ حاصل ہے جو جناب ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ سے تھا۔ بس فرق صرف اسی قدر ہے کہ میرے بعد کوئی شخص نبی نہیں ہو سکتا۔ غرض حضرت رسولؐ تیس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور مقام تبوک میں پہونچے مگر یہاں معلوم ہوا کہ وہ خبر صحیح نہیں تھی۔ تاہم آنحضرتؐ نے بیس دن تک وہاں قیام فرمایا۔ دومۃ الجندل میں جو دمشق سے پانچ منزل پر ہے۔ ایک

(بقیہ حاشیہ صـ۷۴)

فی الصبیان والنساء۔ قال الا ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لیس نبی بعدی۔ حضرت رسولؐ جب غزوۂ تبوک کے لئے جانے لگے تو حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ بنا گئے جس پر آپ نے عرض کی کیا حضور مجھ کو بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں؟ حضور نے فرمایا کیا تم اس سے خوش نہیں ہوتے کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو حضرت ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ سے تھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا (صحیح بخاری پ ۱۴ کتاب المناقب صـ۳۸۷ و پ ۱۸ کتاب المغازی صـ۵۹۱ وغیرہ) اسکی شرح میں علامہ ابن حجر لکھتے ہیں انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام قال لعلی لا بد ان اقیم او تقیم۔ فاقام علی۔ حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا ضروری ہے کہ یہاں یا میں رہوں یا تم رہو۔ اس پر حضرت علیؑ رہ گئے (فتح الباری پ ۱۴ صـ۳۸۵)۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت رسولؐ کی زندگی میں بھی آپ کی جگہ آپ کا کام کرنے والا اور آپ کے فرائض انجام دینے والا حضرت علیؑ کے سوائے کوئی نہیں تھا۔ ورنہ آنحضرتؐ گویا حصر کر کے یہ نہیں فرماتے کہ اس سے چارہ نہیں ہے کہ یا تم رہو یا میں رہوں۔ پھر ممدوح لکھتے ہیں قال معویۃ لسعد ما منعک ان تسب اباتراب قال اما ما ذکرت ثلاثا قالھن لہ رسول اللہؐ فلن اسبہ فذکر ھذا الحدیث۔ و قولہ لاعطین الرایۃ رجلا یحبہ اللہ و رسولہ۔ وقولہ لما نزلت فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم دعا علیا و فاطمۃ والحسن والحسین۔ فقال اللھم ھولاء اھلی۔ امیر معاویہ نے سعد صحابی سے دریافت کیا کہ تم علیؑ کو برا کیوں نہیں کہتے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جب تک آنحضرتؐ کی تین حدیثیں مجھے یاد رہیں گی اُس وقت تک تو مجھ سے ممکن نہیں کہ حضرت علیؑ کو برا کہوں۔ ایک حدیث منزلت۔ دوسری حدیث رایۃ (جو جنگ خیبر میں حضورؐ نے فرمائی تھی کہ کل میں یہ علم اس بہادر مرد کو دوں گا)۔ تیسری یہ کہ جب آیت مباہلہ نزل تعالوا ندع

Marfat.com

عربی سردار جس کا نام اکیدر تھا قیصر کے زیر اثر رہتا تھا۔ آنحضرتؐ نے خالد کو چار سو کی فوج کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ خالد نے اس کو گرفتار کیا اور وہ آنحضرتؐ کے

(بقیہ حاشیہ ص۷۵)

ابناءنا وابناءکم نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کو بلا کر خدا سے عرض کی کہ اے اللہ میرے اہلبیتؑ بس یہی ہیں۔ پھر علامہ ممدوح لکھتے ہیں واستدل بحدیث الباب علی استحقاق علیؑ للخلافۃ دون غیرہ من الصحابۃ فان ھارون کان خلیفۃ موسےٰ اس حدیث منزلت سے اس امر پر استدلال کیا جاتا ہے کہ صحابہ کو خلافت کا حق نہیں تھا۔ اسکے مستحق صرف حضرت علیؑ تھے اس لئے کہ حضرت ہارون بھی حضرت موسےٰؑ کے خلیفہ تھے (فتح الباری جلد ۳ ص۳۸۷) علامہ ابن حجر کے اس قول سے ثابت ہوا کہ علماء اسلام اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس حدیث سے صاف طور پر حضرت علیؑ کی خلافت بلا فصل متحقق ہوتی ہے۔ یعنی آنحضرتؐ کے بعد ہی خلافت کا حق حضرت علیؑ ہی کو تھا۔ کسی اور شخص کو یہ حق نہیں تھا۔ یہ دلیل اتنی قوی ہے کہ علامہ ابن حجر نے خود بھی اس سے اختلاف نہیں کیا۔ نہ اس کے رد کرنے کی کوشش کی۔ البتہ دوسروں نے اس کے متعلق جو خیال ظاہر کیا تھا اس کو علامہ ممدوح اس طرح نقل کرتے ہیں واجیب بان ھارون لم یکن خلیفۃ موسےٰ الا فی حیاتہ لا بعد موتہ لانہ مات قبل موسےٰ باتفاق۔ حضرت علیؑ کی خلافت پر اس حدیث سے جو استدلال کیا جاتا ہے۔ اس کا جواب بعض لوگوں نے اس طرح دیا ہے کہ حضرت ہارونؑ حضرت موسےٰؑ کے خلیفہ انکی زندگی ہی میں تو تھے ان کے بعد نہیں تھے۔ اس لئے کہ جناب ہارونؑ حضرت موسےٰؑ سے پہلے انتقال کر گئے تھے جس پر سب کا اتفاق ہے (ص۳۸۵)۔ علامہ موصوف نے اجیب کا لفظ کہہ کر گویا بتایا کہ یہ جواب نہایت لغو اور قابل مضحکہ ہے۔ اسی وجہ سے ممدوح نے جواب دینے والوں کا نام بھی ذکر نہیں کیا اور اجیب کہہ کر نقل کر دیا۔ اور قاعدہ ہے کہ جو قول بہت کمزور اور بے حقیقت ہوتا ہے اسکے قائل کا نام نہیں لکھتے بلکہ قیل (کہا گیا ہے) یا اجیب (جواب دیا گیا ہے) وغیرہ سے اس کو ظاہر کرتے ہیں۔ غرض ان وجوہ سے اس جواب کا ناقابل التفات ہونا واضح ہے اور استدلال مذکور اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔ یہ حدیث منزلت تفسیر و حدیث و سیرۃ و تاریخ کی بے حد و حساب کتابوں میں مرقوم ہے۔ جناب شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے اس کو اور زیادہ شاندار الفاظ میں نقل کیا ہے کہ فقال لہ اما ترضےٰ ان تکون منی بمنزلۃ

Marfat.com

ساتھ مدینہ آیا۔ ان تمام واقعات میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں مل سکا (طبری جلد ۳ صـ۱۴۷) ۔ حالانکہ یہ معمولی کام تھے۔ ان میں حضرت عمر کو کوئی زحمت بھی نہیں ہوتی۔

(بقیہ حاشیہ صـ۷۷)

ھارون من موسےٰ الا انہ لیس بنی بعدی انہ لا ینبغی ان اذھب الا وانت خلیفتی حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ جو مرتبہ جناب ہارونؑ کو حضرت موسےٰؑ سے حاصل تھا وہی درجہ تم کو بھی مجھ سے حاصل ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ میرے بعد پھر کوئی نبی نہیں ہوگا۔ یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ میں جاؤں اور تم میرے خلیفہ نہ ہو (ازالۃ الخفاء مقصد ۲ صـ۲۶۱) ۔ اور علامہ سبط ابن الجوزی نے لکھا ہے فقال الا ترضےٰ ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسےٰ الا النبوۃ وانت خلیفتی۔ اے علیؑ تم اس سے خوش نہیں ہوتے کہ تم کو مجھ سے وہی مرتبہ حاصل ہے جو جناب ہارونؑ کو حضرت موسےٰؑ سے تھا سوائے اس کے کہ تم کو نبوت نہیں ملے گی اور میرے خلیفہ تم ہی رہو گے (تذکرہ خواص الامہ صـ۱۲) ۔ اور علامہ علی متقی نے لکھا ہے قال رسولؐ اللہ حین خلفنی علی المدینۃ خلفتک لتکون خلیفتی حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا میں تم کو اس لئے چھوڑ کر جاتا ہوں کہ تم میرے خلیفہ رہو۔ (کنز العمال جلد ۶ صـ۴۰۱) ۔ اور امام حاکم نے لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا فان المدینۃ لا تصلح الا بی او بک ۔ اے علیؑ مدینہ کی حالت یا اس جگہ میرے قیام کرنے سے درست رہیگی یا تمہارے رہنے سے (کسی تیسرے شخص کی حکومت سے امن نہیں رہ سکتا ہے مستدرک جلد صـ۔) ۔ ان عبارتوں کے کسی لفظ سے نہیں ثابت ہوتا کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو اپنے اہل وعیال پر خلیفہ مقرر کیا تھا خود حضرت علیؑ نے حضرت رسولؐ سے پوچھا کیا آپ مجھکو لڑکوں اور عورتوں میں چھوڑ کر جاتے ہیں۔ اگر آنحضرتؐ نے آپ کو اپنے اہل وعیال کے لئے اپنا خلیفہ مقرر کیا ہوتا تو حضرتؐ ضرور یہ جواب دیتے کہ ہاں میں تم کو انہیں لوگوں کی نگرانی کے لئے چھوڑے جاتا ہوں لیکن کسی کتاب سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ آنحضرتؐ نے یہ فرمایا ہو بلکہ ارشاد ہوا کیا تم اس پر خوش نہیں ہوتے کہ جو مرتبہ جناب ہارون کو حضرت موسےٰؑ سے تھا وہی تم کو مجھ سے حاصل ہے۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب کی ازالۃ الخفاء کا آخری فقرہ "یہ مناسب نہیں کہ میں جاؤں اور تم میرے خلیفہ نہ ہو"۔ اس بحث پر پوری روشنی ڈالتا اور اس امر میں کوئی شبہ نہیں چھوڑتا کہ آنحضرتؐ نے جو حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا

واقعہ عقبہ جب حضرت رسولخداؐ غزوۂ تبوک سے مدینہ کی طرف واپس تشریف لاتے تھے عقبہ ذی فتق کا واقعہ پیش آیا۔ حضرتؐ اس گھاٹی پر پہونچے تو رات کا وقت تھا۔ خوب اندھیری چھائی

(بقیہ حاشیہ صد ۷۷)

یہ محض اُس وقت یا صرف غزوۂ تبوک کے موقع ہی کے لئے نہیں بلکہ دائمی تھا کہ آنحضرتؐ جب بھی کہیں جائیں حضرت علیؑ ہی آپ کے خلیفہ ہوں (جیساکہ ہجرت کے موقع پر بھی آنحضرتؐ نے مکہ معظمہ میں حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ معین فرمایا اور حکم دیا کہ آپ ہی حضرتؐ کی جگہ سوئیں اور حضرت کے قرضوں اور امانتوں کو ادا کریں)۔ اور آنحضرتؐ کی حدیث کا آخری جملہ انہ لانبی بعدی (بات یہ ہے کہ میرے بعد کوئی شخص نبی نہیں ہو سکتا) ہمارے اس دعوے کی پوری تائید کرتا ہے کہ اے علیؑ اگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا تو تم نبی ہوتے اور میرے خلیفہ بھی رہتے جیسے حضرت ہارونؑ کو دونوں مرتبہ (نبوت اور حضرت موسےٰؑ کی خلافت) ملے تھے مگر چونکہ نبوت مجھ پر ختم ہو گئی ہے اب میرے بعد صرف میری خلافت کا درجہ تمہیں حاصل رہے گا۔ غرض آنحضرتؐ کا مقصود صرف آپکی زندگی میں حضرت علیؑ کا خلیفہ رہنا ہوتا تو حضرت نبیؐ لانبی بعدی نہیں فرماتے مگر حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ کو صرف اپنی زندگی میں نہیں بلکہ اپنے بعد کے لئے بھی اپنا خلیفہ مقرر فرمادیا تھا۔ اس وجہ سے اپنے بعد کی حالت واضح فرادی کہ اے علیؑ تم میرے بعد خلیفہ ہوگے لیکن میرے بعد نبی نہیں ہوگے۔ اور قرآن مجید سے ثابت ہے کہ جناب ہارون کو بھی حضرت موسےٰؑ کی خلافت آپکے اہل وعیال میں نہیں بلکہ حضرتؑ کی کل امت میں حاصل تھی۔ ارشاد باری ہے قال موسےٰ لاخیہ ھارون اخلفنی فی قومی واصلح ولا تتبع سبیل المفسدین۔ حضرت موسےٰ نے اپنے بھائی جناب ہارون سے فرمایا میری امت میں تم میرے خلیفہ رہو۔ اور اصلاح کرو اور فساد کرنے والوں سے نہ ہونا (پ ۹ سورہ اعراف آیت ۱۴۲)۔ رہا یہ شبہہ کہ حضرت ہارونؑ تو حضرت موسےٰؑ کی زندگی ہی میں مرگئے۔ حضرت موسےٰؑ کے بعد کی خلافت آپکو ملی ہی نہیں۔ اسی طرح حضرت علیؑ کو بھی آنحضرتؐ کے بعد خلافت نہیں ملنی چاہیئے۔ تو اسکی حقیقت یہ ہے کہ خود قرآن مجید سے واضح ہے کہ جناب ہارونؑ کو حضرت موسےٰؑ کی خلافت کا استحقاق علی الاطلاق بغیر کسی زمانہ کی تخصیص کے حاصل ہوا۔ اگر جناب ہارونؑ زندہ رہتے تو حضرت موسےٰؑ کے بعد یقیناً وہی خلیفہ ہوتے۔ اسی طرح حضرت رسولخداؐ کے بعد حضرت علیؑ زندہ رہے تو آپ ہی حضرتؐ کے خلیفہ ہو سکتے ہیں نہ کوئی اور شخص۔

Marfat.com

تھی۔ حضرتؐ نے حکم دیا کہ ایک منادی پکار کر کل ساتھیوں سے کہہ دے کہ جب تک حضرت رسولؐ اس گھاٹی سے نہ گزر جائیں کوئی شخص اس پر نہ جائے۔ اس اعلان کے بعد حضرتؐ اونٹ پر سوار ہو کر آگے بڑھے۔ ایک صحابی حذیفہ بن الیمان حضرتؐ کے اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے تھے۔ حذیفہ کا بیان ہے کہ اس اثنا میں بجلی چمکی تو اسکی روشنی میں ۱۲ یا ۱۴ سوار کو میں نے دیکھا کہ آنحضرتؐ کی سواری کی طرف بڑھے اور چاہا کہ حضرتؐ پر حملہ کر کے آپ کو ہلاک کر دیں۔ یہ کل منافقین صحابہ سے تھے

(بقیہ حاشیہ صـ۷۸)

ہاں جس طرح حضرت موسےٰؑ کے سامنے جناب ہارون انتقال کر گئے اگر آنحضرتؐ کے سامنے حضرت علیؑ بھی رحلت کر جاتے تو البتہ آپ کے عوض دوسرا شخص آنحضرتؐ کا خلیفہ ہو سکتا تھا۔ اگر جناب ہارون حضرت موسےٰؑ کی زندگی میں انتقال نہ کرتے بلکہ آپ کے بعد زندہ رہتے تو کیا آپ کے سوا کوئی شخص حضرت موسیٰؑ کا خلیفہ ہوتا اور اسکی خلافت صحیح سمجھی جاتی؟ ہر شخص کہے گا کہ نہیں جناب ہارون کے رہتے دوسرا شخص حضرت موسےٰؑ کا خلیفہ نہیں ہو سکتا تھا۔ بس اسی طرح حضرت علیؑ کے رہتے حضرت رسولؐ خدا کا خلیفہ بھی دوسرا شخص نہیں ہو سکتا۔ اور روایت کا یہ جزو کہ لا ینبغی ان اذھب الا وانت خلیفتی یہ مناسب نہیں کہ میں جاؤں اور تم میرے خلیفہ نہ ہو بھی عام ہے خواہ مدینہ سے جانا ہو یا دنیا سے انتقال کرنا کیونکہ آنحضرتؐ نے مدینہ سے جانے کی کوئی خصوصیت ذکر نہیں کی۔ ان تمام وجوہ سے ماننا پڑے گا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ جب کبھی میں تم کو چھوڑ کر کہیں جاؤں گا تم ہی کو میرا خلیفہ ہونا ضروری ہے۔ اسکے خلاف کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ میں کہیں جاؤں یا دنیا سے اٹھوں اور تم میرے خلیفہ نہ ہو۔ اسکے بعد آنحضرتؐ نے اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک اپنے ان ارشادات کے خلاف کوئی بات نہیں فرمائی۔ اس وجہ سے یہ یقینی ہے کہ حضرتؐ کا یہ قول بھی منسوخ نہیں سمجھا جا سکتا اور آنحضرتؐ کے بعد ان سب منصوصات کا تعلق ویسا ہی قائم رہا جیسا کہ آنحضرتؐ کی زندگی میں تھا۔ بعض یورپین مورخ (مثلاً ایرونگ) نے لکھا ہے کہ اس حدیث منزلہ کا مطلب یہی تھا اور اکثر نے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ آنحضرتؐ نے طے کر لیا تھا کہ حضرت علیؑ ہی کو اپنا خلیفہ اور امت کا ہادی مقرر کریں۔ اسی موقع کے متعلق یہ چند شعر بھی کہے گئے ہیں ؎ علیؑ را جنیں گفت خیر الانام ... کہ اے کردہ در کار دیں اہتمام
ترا از من آں منزلت شد پدید ... کہ نسبت ز ہارون بہ موسیٰؑ رسید
مگر آں کہ نبود پس از من نبی ... نبوت ز مردم شود اجنبی (حبیب السیر)

مگر خدا نے جناب جبرئیل کو بھیجکر ان دشمنوں کے ارادہ سے آنحضرتؐ کو مطلع کر دیا اور حضرتؐ ان کے شر سے محفوظ رہے (تاریخ خمیس جلد ۲ ص۱۷۴ وغیرہ) - افسوس مورخین نے ان لوگوں کا نام نہیں لکھا جن کا ذکر آنحضرتؐ نے کیا تھا - حالانکہ یہ اسلام کی ضروری خدمت تھی کہ معلوم ہوتا کن لوگوں نے آنحضرتؐ کو ختم کر دینے کی کوشش کی مگر یہ یقینی ہے کہ وہ منافقین وہی حضرتؐ کے دوست نما دشمن تھے جو دل سے اسلام کے خلاف رہتے اور جو آنحضرتؐ علیہ کے ساتھ ہر غزوہ میں جاتے تو تھے لیکن نہ جہاد کرتے نہ کسی کافر کو قتل یا گرفتار کرتے بلکہ آرام سے بیٹھے رہتے یا کفار کی مدح و ثنا کے پل باندھکر آنحضرتؐ کو اور پریشان کرتے رہتے تھے [1]

---

[1] آنحضرتؐ نے ان منافقین کے نام اپنے مشہور صحابی حذیفہ کو بتا دیئے تھے مگر یہ بھی تاکید کر دی تھی کہ انکو پوشیدہ رکھنا اور صحابہ کو نصیحت نہ کرنا لیکن معلوم نہیں کیوں حضرت عمر کو اسکی خاص فکر پیدا ہوئی کہ ان لوگوں کے نام معلوم کر لیں - انکو خوف ہوا کہ آنحضرتؐ نے شاید ان کو بھی انھیں لوگوں میں نہ سمجھا ہو جو حضرتؐ کو ہلاک کرنا چاہتے تھے - بعض علماء نے لکھا ہے "چندگاہ امیرالمومنین عمرؓ می آمد اورا سوگندمی داد کہ دراں زماں کہ آں سرورؐ ذکر منافقاں می کرد عمررا دراں میاں ذکر کرد - کئی مرتبہ حضرت عمر جناب حذیفہ کے پاس آتے اور پوچھتے رہے کہ اس زمانہ میں سرورؐ نے جن منافقوں کا ذکر کیا تھا ان میں عمر کا نام بھی لیا تھا" (معارج النبوۃ رکن ۴ ص۳۰۲ وغیرہ) مگر حذیفہ ٹالتے رہتے تھے - آخر حضرت عمر کو خود ہی اس امر کا اقرار کر لینا پڑا - علامہ ذہبی لکھتے ہیں من روایتہ قول عمر یاحذیفۃ باللہ انا من المنافقین - زید بن وہب جو تابعین کے سب سے جلیل الشان لوگوں اور ان کے معتمد علیہ حضرات میں ہیں روایت کرتے تھے کہ حضرت عمر نے خود قسم کھا کر فرمایا اے حذیفہ خدا کی قسم میں بھی منافقین سے ہوں (میزان الاعتدال ترجمہ زید بن وہب مطبوعہ لکھنؤ جلد ۱ ص۳۲۶) حضرت ممدوح کا اس قسم کا قول متعدد کتابوں میں ملتا ہے "عن عمر بن الخطاب قال نصب رسول اللہؐ علیا علما فقال من کنت مولاہ فعلی مولاہ - اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ واخذل من خذلہ وانصر من نصرہ اللھم انت شہید ی علیھم - قال وکان فی جنبی شاب حسن الوجہ طیب الریح فقال لی یا عمر لقد عقد رسول اللہؐ عقد الایحلہ الا منافق فاحذر ان تحلہ قال عمر فقلت یا رسول اللہ انک حیث قلت فی علیؑ کان فی جنبی شاب حسن الوجہ طیب الریح قال نعم یا عمر انہ لیس من ولد آدم لکنہ جبریل اراد ان یؤکد علیکم ما قلتہ فی علی" حضرت عمر بیان کرتے تھے کہ حضرت رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کو امام و پیشوا مقرر کر کے اعلان کر دیا کہ جس کا میں مولا تھا اب اس کا مولا علیؑ ہیں -

مسجد ضرار کا ہدم غزوۂ تبوک سے واپسی کے وقت مسجد ضرار کے گرا دینے کا واقعہ پیش آیا۔ ایک شخص ابو عامر نے مدینہ کے منافقین کو آمادہ کیا کہ مسجد قبا کے مقابلہ میں ایک مسجد بناؤ کہ ہم لوگ اپنے امور اسی میں انجام دیا کریں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۰)

اے خدا جو شخص ان کو اپنا مولا سمجھے اُس کو تو دوست رکھ اور جو ان سے دشمنی کرے تو اس کو دشمن رکھ۔ جو ان کو چھوڑے اس کو تو بھی چھوڑ دے اور جو انکی مدد کرے اس کی تو بھی مدد کر۔ اے اللہ اس امت میں تو ہی ان لوگوں پر میرا گواہ رہنا۔ حضرت عمر کہتے تھے اس وقت میرے بغل میں ایک خوبصورت اور خوشبو دار جوان تھا اُس نے مجھ سے کہا اے عمر حضرت رسولخدا نے ایک ایسی گرہ باندھ دی ہے جس کو وہی شخص کھول دے گا جو منافق ہوگا تم ڈر کر کہیں تم ہی اس خلافت کی گرہ کھولنے کا کام نہ انجام دو۔ حضرت عمر کہتے تھے کہ یہ سُن کر میں حضرت رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی اے رسولؐ جب آپ علیؑ کے بارے میں وہ حکم دے رہے تھے میرے بغل میں ایک جوان خوبصورت اچھی خوشبو والا تھا۔ حضرتؐ نے فرمایا ہاں اے عمر (مجھے بھی معلوم ہے) لیکن وہ آدمی نہیں بلکہ جناب جبرئیل تھے۔ انھوں نے چاہا کہ میں نے علیؑ (کی خلافت) کے بارے میں جو کہا ہے اس کے بارے میں تم پر تاکید کر دیں (مودۃ القربیٰ طبع بمبئی صفحہ ۱۶) اور جناب محقق دہلوی شیخ عبدالحق صاحب نے لکھا ہے قیل لحذیفة کیف عرفت امر المنافقین ولم یعرفه ابوبکر ولا عمر۔ قال انی کنت اسیر خلف رسولؐ الله فنام علی راحلته فسمعت اناسا منهم یقولون لو طرحناه عن راحلته فاذ فقت عنقه فاستحنا منه فسرت بینهم و بینه و جعلت ارض صوتی فانتبه فقال من هذا۔ فقلت حذیفة۔ قال من اولئک۔ قلت فلان وفلان حتے عدد اسمائهم قال هم منافقون لا تخبرن احدا۔ وجاء عن نافع بن جبیر قال لم یخبر رسولؐ الله باسماء المنافقین الذین صحبوا لیلة العقبه غیر حذیفة۔ لوگوں نے حذیفہ سے پوچھا تم کو منافقین کا حال کیسے معلوم ہو گیا حالانکہ جناب ابوبکر و عمر کو نہیں معلوم ہو سکا۔ انھوں نے کہا میں شب عقبہ رسولؐ کی سواری کے پیچھے چلتا تھا اور حضرتؐ کو نیند آگئی تھی تو میں نے سُنا کہ کچھ صحابہ کہتے ہیں آؤ ہم لوگ رسولؐ کو اونٹ سے گرا دیں کہ انکی گردن ٹوٹ جائے اور ہم لوگوں کو ان سے نجات ملے۔ یہ سُن کر میں ان کے درمیان پہونچ گیا اور زور زور سے باتیں کرنے لگا جس پر حضرتؐ بیدار ہو گئے اور پوچھا کہ میں نے عرض کی حذیفہ۔ پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ میں نے سب کے نام عرض کئے۔ حضرتؐ نے فرمایا یہ سب منافق ہیں مگر تم کسی کو ان کے نام نہ بتانا۔ اور نافع کہتے تھے کہ رسولؐ نے حذیفہ کے سوائے اور کسی

Marfat.com

ان لوگوں نے ایک بہت مضبوط مسجد طیار کرلی جب حضرتؐ غزوۂ تبوک کے لئے جانے لگے تو ان منافقوں نے دھوکے کے طور پر عرض کی کہ آپ اس نئی مسجد میں نماز پڑھا دیں تو یہ مقبول ہوجائے حضرتؐ نے فرمایا اس وقت میں ایک مہم پر جاتا ہوں۔ واپسی پر ان منافقین نے پھر درخواست کی اسی وقت جناب جبرئیل یہ آیۃ لائے والذین اتخذوا مسجدا ضرارا۔ اس پر آنحضرتؐ نے مالک اور معن بن عدی کو بھیجا۔ انھوں نے جاکر اس مسجد ضرار کو گرادیا اور وہ جگہ برباد کردی گئی۔ اس خدمت میں بھی حضرت عمر کی کسی شرکت کا پتا نہیں ملا (تاریخ طبری جلد ۳ ص۱۴۷)

سریہ وادی الرمل آنحضرتؐ کو خبر ملی کہ وادی الرمل میں کچھ لوگ اکٹھے ہوئے ہیں کہ مدینہ پر حملہ کریں آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکر کو علم دے کر ایک لشکر روانہ کردیا۔ حضرت ابوبکر نے وہاں جاکر ان پر قبضہ کرنا چاہا مگر مخالفین دفعۃً باہر نکل پڑے اور اس زور کی جنگ شروع کردی کہ حضرت ابوبکر کو سخت شکست ہوئی۔ بہت سے مسلمان مارے گئے اور باقی مدینہ بھاگ آئے۔ تب حضرت عمر کو علم دے کر اور فوج کا سردار بنا کر بھیجا۔ جب ممدوح اس وادی کے قریب پہونچے تو دشمنوں نے کمین گاہ سے نکل کر مسلمانوں پر پھر زور کا حملہ کیا۔ اہل اسلام کسی طرح مقابلہ نہ کرسکے اور پھر سب کے سب شکست کھاکر مدینہ واپس آئے۔ اس کے بعد عمرو عاص نے خواہش کی کہ حضور مجھے حکم ہو جاکر ان کا کام تمام کردوں آنحضرتؐ راضی ہوگئے اور مسلمانوں کو ان کے ماتحت کرکے پھر وادی الرمل کی طرف روانہ کردیا۔ یہ سب گئے لڑائی ہوئی مگر حضرت اوّل و دوم کی طرح یہ بھی شکست کھاکر واپس آئے۔ اس دفعہ بھی کئی مسلمان مارے گئے

(بقیہ حاشیہ ص۸۱)

صحابی کو ان منافقین کے نام نہیں بتائے جنھوں نے شب عقبہ حضرت کو ہلاک کرنا چاہا وکان عمر یسأل حذیفۃ عن حدیث العقبۃ ویسألہ عن علامات النفاق ھل یرے فیہ شیئا منہ۔ حضرت عمر جناب حذیفہ سے عقبہ کی حدیث پوچھا کرتے اور یہ بھی دریافت کرتے کہ اے حذیفہ مجھ میں بھی تم نفاق کی کوئی علامت پاتے ہو (اسماء الرجال قلمی ورق ۴۷)۔ یہ عجیب اور نہایت حیرت ناک امر ہے کہ حذیفہ سے اس قدر اصرار کرنے پر بھی انھوں نے یہ نہیں کہا کہ اے عمر رسول صلعم نے منافقین میں آپ کا نام نہیں لیا تھا اور آپ میں نفاق کی کوئی علامت بھی نہیں ہے۔ معلوم نہیں اسلام کے اس درجہ معتبر اور مشہور مصنفین نے ایسی روایتیں اپنی کتابوں میں کیوں لکھ دیں۔ ان چیزوں سے چشم پوشی کرنا ضروری تھا۔ کیونکہ اس زمانہ میں حضرت عمر کے مخالفین ان امور سے عجیب و غریب نتائج پیدا کرتے رہتے ہیں ۱۲ منہ

Marfat.com

جب اس طرح کئی روز تک مسلمانوں کو ہزیمت اُٹھانی پڑی۔ اہل اسلام کا معاملہ نازک اور دشمنوں کا دل قوی ہوگیا تو حضرت رسولؐ کو تردد ہوا۔ آخر حضرتؐ نے جناب امیرؑ کو علم عنایت فرما کر اور مسلمانوں کو آپکے ساتھ کرکے روانہ کیا پھر آسمان کی طرف ہاتھ اوٹھا کر حضرتؑ کے لئے دعا کی اور مسجد امیر اب تک رخصت کرنے کو تشریف لے گئے۔ اس دفعہ حضرت ابوبکر و عمر و عمرو عاص بھی جناب امیرؑ کے ماتحت بھیجے گئے۔ اور ان سب کو حکم دیا گیا کہ سب علیؑ کی اطاعت کریں۔ حضرت علیؑ نئی راہ سے روانہ ہوئے اور جب وادی ارل قریب ہوا اُس طرف مُڑ گئے۔ حضرتؑ نے کمال احتیاط برتی کہ دشمن کسی طرح قابو سے باہر نہ ہو جائے۔ رات بھر چلتے اور صبح ہوتے ہی کسی مقام پر آرام کے لئے ٹھہر جاتے۔ جب دشمنوں کے قریب پہنچ گئے تو حکم دیا کہ فوج آہستہ آہستہ چلے اور خود آگے بڑھے۔ ان تدبیروں سے عمرو عاص کو اندازہ ہو گیا کہ اس دفعہ ضرور مسلمانوں کی فتح ہو جائیگی۔ اور حضرت علیؑ کامیاب واپس ہوں گے جس سے ان لوگوں کی ذلت ہوگی۔ اسوقت سے حضرت ابوبکر و عمر کو بہکانے لگے کہ اس راہ میں بڑے خطرے ہیں۔ بہتر ہے کہ ہم لوگ وادی کے اوپر سے دشمنوں پر رات کے وقت حملہ کردیں۔ یہ جادو حضرت ابوبکر و عمر پر چل گیا۔ دونوں صاحبوں نے کہا ہاں تمہاری رائے درست ہے۔ پھر دونوں نے حضرت علیؑ سے یہ تجویز پیش کرکے کہا کہ اس کے مطابق جنگ کی جائے مگر حضرت علیؑ یہ چالاکی سمجھ گئے اور انکار کردیا۔ تب عمرو عاص نے فوج کو بھڑکانا چاہا اور کہا تم لوگ اپنی جان کیوں ہلاکت میں ڈالو۔ وادی کے اوپر سے چلو کہ وہ محفوظ راہ ہے مگر لشکر نے جواب دیا کہ حضرت رسولؐ نے ہم کو حضرت علیؑ کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اس کے خلاف کیونکر کریں۔ غرض حضرت علیؑ اسی راہ چلتے ہوئے صبح ہوتے دشمنوں کے سر پر پہنچ گئے اور ان کو ہر طرح زیر کردیا۔ سب بھاگ گئے اور حضرت علیؑ فتح کی خوش خبری لے کر واپس ہوئے۔ جب آنحضرتؐ کو آپ کے تشریف لانے کی خبر ملی تو استقبال کے لئے بڑھے۔ جب حضرت علیؑ نے آنحضرتؐ کو دیکھا تو سواری سے اُتر پڑے مگر آنحضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ سوار ہو کہ خدا و رسولؐ تم سے راضی ہیں۔ اس پر حضرت علیؑ رونے لگے۔ مورخین نے یہ اشعار بھی لکھے ہیں ؎

چنیں گفت آں روز خیر الانام ::: کہ اندیشہ دارم ز بعضے مہام
دگر نہ مدینے ترقدر علیؑ ::: گفتم از غایت یک دلی
کہ بر ہر کہ کردے زامت گزر ::: نہادے بجائے قدہاش سر
زخاک قدہاشش برداشتے ::: ازاں آبروے وگرداشتے

(حبیب السیر و معارج النبوۃ وغیرہ)

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ بعد غزوۂ تبوک عمرو بن معدی کرب نے یمن میں فساد کیا۔ اسکی خبر آنحضرتؐ

کو ہوئی تو حضرت علیؑ کے ماتحت ایک فوج بھیج دی اور خالد کو ایک لشکر کے ساتھ اعراب جعفی پر روانہ کر کے فرمایا جب دونوں لشکر اکٹھے ہوں تو دونوں کے سردار علیؑ ہی رہیں۔ عمرو بن معدی کرب حضرت علیؑ کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکا بھاگ کھڑا ہوا۔ حضرت علیؑ کے واپس آنے پر پھر آنحضرتؐ نے فرمایا انہ منی وانا منہ۔ یقیناً علیؑ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں (روضۃ الاحباب وحبیب السیر وغیرہ)۔ اس واقعہ میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں۔

سریہ حضرت علیؑ سنہ ۱۰ھ میں آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو ملک یمن بھیجا۔ آپ سے پہلے خالدؓ کو بھیج چکے تھے کہ اہل یمن کو اسلام کی طرف بلائیں مگر ان کو کچھ بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ حضرت علیؑ نے وہاں پہونچ کر اہل یمن کو آنحضرتؐ کا خط سنایا فاسلمت همدان کلها فی یوم واحد فکتب ذلک الی رسول اللہ فقال السلام علی همدان ثم تتابع اهل الیمن علی الاسلام وکتب بذلک الی رسول اللہ نسجد شکرا للہ۔ جس وقت جناب امیرؑ نے آنحضرتؐ کا خط پڑھکر یمن والوں کو سنایا تو ایک ہی دن میں پورا قبیلۂ ہمدان مسلمان ہو گیا۔ حضرت علیؑ نے یہ خوش خبری آنحضرتؐ کو لکھ بھیجی تو حضرتؐ کو اتنی مسرت ہوئی کہ فرمایا قبیلۂ ہمدان پر سلام ہو۔ اس کے بعد اہل یمن پے در پے اسلام میں داخل ہونے لگے۔ حضرت علیؑ نے آنحضرتؐ کو اس بات کی خبر بھی لکھ بھیجی۔ جب آنحضرتؐ نے سنا تو فرط مسرت میں سجدۂ شکر ادا کیا اور بار بار فرمایا السلام علی همدان السلام علی همدان۔ قبیلۂ ہمدان پر سلام ہو۔ قبیلۂ ہمدان پر سلام ہو (طبری جلد ۳ صـ ۱۵۹ وکامل جلد ۲ صـ ۱۱۵ وغیرہ)۔ اس واقعہ میں بھی حضرت عمر کی کسی خدمت کا پتا نہیں ہے۔

مورخین نے لکھا ہے قال کعب الاحبار لما قدم علی الیمن لقیته فقلت له اخبرنی عن صفة رسول اللہ فجعل یخبرنی عنها وجعلت ابتسم۔ فقال لی لم تبتسم۔ قلت مما یوافق ما عندنا فی صفته وقلت ما یحل ومما یحرم فاخبرنی۔ فقلت هو عندنا کما وصفت وصدقت برسول اللہ وآمنت به ودعوت من قبلنا من الاحبار واخبرت الیهم سفرا قلت هذا کان ابی نجیحة علی ویقول لو تفتحه حتی تسمع بنبی یخرج بیثرب قال فاقمت علی اسلامی بالیمن۔ کعب الاحبار بیان کرتے تھے کہ جب حضرت علیؑ یمن میں تشریف لائے تو میں حضرتؑ سے ملا اور عرض کی آپ مجھ سے رسولؐ خدا کی صفت بیان کریں۔ حضرت علیؑ بیان کرتے جاتے اور میں مسکراتا جاتا تھا۔ اس پر حضرتؑ نے پوچھا کس بات پر تم تبسم کرتے ہو؟ میں نے کہا اس پر کہ آپ جو بیان کرتے ہیں سب ان اوصاف کے مطابق ہے جو ہماری کتابوں میں حضرتؐ کے متعلق لکھے ہوئے ہیں۔ پھر میں نے پوچھا حلال

باتیں کیا ہیں اور حرام کیا ہیں۔ حضرت علیؑ نے یہ سب بھی اچھی طرح بتا دیں۔ میں نے کہا یہ سب بھی بالکل اس کے مطابق ہیں جو ہماری کتابوں میں ہیں۔ اس کے بعد میں نے حضرت رسولؐ کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لایا۔ پھر میرے ملنے والے جو علماء یہود تھے ان سب کو اسلام کی طرف بلایا اور ایک کتاب نکال کر ان کو دکھائی اور کہا میرے والد نے یہ کتاب مہر کر کے مجھے دی تھی اور کہا تھا اس کو کبھی نہ کھولنا۔ البتہ جب سُنا کہ مدینہ میں کوئی نبی نکلے ہیں تو کھول کر اس پر عمل کرنا۔ غرض میں مسلمان ہو کر یمن ہی میں رہا یہاں تک کہ حضرت رسولؐ نے انتقال فرمایا (تاریخ خمیس جلد ۲ صلا۱۶۱) حضرت رسولؐ کے کل غزوات و سرایا کے حالات کا بیان کرنا طوالت کا سبب ہوگا جو مشہور اور مہتم بالشان تھے اُن کا مختصر ذکر کیا گیا۔

فضائل جہاد و مجاہدین چونکہ مذہب اسلام اور اس کے قبول کرنے والوں کے مخالف مشرکین و یہود و نصاریٰ عرب سب ہی تھے اور وہ اس دین کے مٹانے کی پوری کوشش کرتے تھے اس وجہ سے حفاظت خود اختیاری ضروری تھی۔ اسی سبب سے خدا نے ہر مسلمان پر جہاد کرنا (یعنی دشمنوں کے حملوں کو روک کر اسلام و مسلمین کو بچانا) واجب اور اس فریضہ کو بھی نماز روزہ کی طرح اہم قرار دیا اس لئے کہ اگر مسلمان اپنے دشمنوں سے جہاد نہ کرتے تو نہ دینی دنیا میں رہ سکتے۔ نہ اسلام ہی باقی رہتا۔ ان وجوہ سے قرآن مجید میں بار بار فرمایا ہے کہ تم لوگ جہاد کرو۔ لڑو۔ قتال کرو۔ مثلاً کتب علیکم القتال مسلمانو! تم پر جہاد فرض کر دیا گیا (پ ۲ ع ۱۰) وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یشرون الحیوۃ الدنیا بالاٰخرۃ ومن یقاتل فی سبیل اللہ فیقتل او یغلب فسوف نؤتیہ اجراً عظیما۔ جو لوگ دنیا کی زندگی (جان تک) آخرت کے لئے دے ڈالنے کو موجود ہیں ان کو خدا کی راہ میں جہاد کرنا چاہیئے اور جس نے خدا کی راہ میں جہاد کیا پھر شہید ہوا یا غالب ہوا (دونوں حالتوں میں) ہم بہت جلد اس کو بڑا اجر عطا فرمائیں گے۔ وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ مسلمانو! تم کو کیا ہو گیا ہے کہ خدا کی راہ میں جہاد نہیں کرتے (پ ۵ ع ۷) فقاتل فی سبیل اللہ ... وحرض المومنین عسی اللہ ان یکف باس الذین کفروا۔ خدا کی راہ میں جہاد کرو ... اور مومنین کو جہاد پر آمادہ کرو۔ عنقریب خدا کافروں کی ہیبت روک دے گا (پ ۵ ع ۸) وجاھدوا فی سبیلہ۔ ایمان والو! خدا کی راہ میں جہاد کرو تاکہ کامیاب ہو جاؤ (پ ۶ ع ۹) وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ۔ مشرکین جس طرح تم سے سب کے سب مل کر لڑتے ہیں تم بھی اسی طرح سب کے سب مل کر ان سے لڑو۔

Marfat.com

(پ ۱۰ - ع ۱۱) تاتلوا الذین یلونکم من الکفار ولیجدوا فیکم غلظة - اے ایمان والو کفار سے جو لوگ تمہارے قریب کے ہیں لڑو اس طرح کہ وہ تم کو اپنے لئے سخت پائیں (پ ۱۰ ع ۵) وجاهدوا فی الله حق جهاده اور جہاد کرنے کا جو حق ہے ویسا ہی جہاد خدا کی راہ میں کرتے رہو (پ ۱۷ - ع ۱۷) - فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی اذا اثخنتموهم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء - جب تم کافروں سے بھڑو تو انکی گردنیں مارو یہاں تک کہ تم انھیں زخموں سے چور کر ڈالو تو انکی مشکیں کس لو پھر اس کے بعد یا احسان رکھکر چھوڑ دو یا معاوضہ لے کر رہا کردو (پ ۲۶ - ع ۵) - اسی طرح بہت کثرت سے آیات فضائل و درجات ہیں - جہاد کے فضائل کی حدیثیں بھی بہت ہیں مثلاً ان فی الجنة مائة درجة اعدها الله للمجاهدین فی سبیل الله - بہشت میں سو درجے ہیں جو خدا نے ان لوگوں کے لئے مہیا کر رکھے ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں (صحیح بخاری پ ۱۱ ص ۴۹) مثل المجاهد فی سبیل الله کمثل الصائم القائم القانت بایات الله لا یفتر من صیام ولا صلوة حتی یرجع المجاهد فی سبیل الله - جو شخص خدا کی راہ میں جہاد کرتا ہے اس کی مثال اس شخص کی ہے جو روزہ رکھنے والا - شب بھر عبادت خدا کرنے والا - اور برابر آیات خدا کی تلاوت کرنے والا ہو - جو اپنے روزوں اور نمازوں سے نہیں تھکتا یہاں تک کہ جہاد کرنے والا لڑ کر اپنی جگہ واپس آجائے (مشکوۃ جلد ۵ ص ۶۹) قال رسول الله من مات ولم یغز ولم یحدث به نفسه مات علی شعبة من نفاق - جو شخص اس طرح دنیا سے اُٹھے کہ اس نے جہاد نہیں کیا ہو - نہ اس کا ارادہ کیا ہو وہ ایک طرح منافق مرے گا (مشکوۃ جلد ۲ ص ۲۲) حضرت رسول سے پوچھا گیا سب سے افضل عمل کیا ہے؟ فرمایا ایمان لا شک فیه وجهاد لا غلول فیه وحجة مبرورة - وہ ایمان جس میں کبھی شک نہ ہو - وہ جہاد جس میں خیانت نہ ہو اور حج مقبول (مشکوۃ جلد ۵ ص ۲۲) قال رسول الله ان ابواب الجنة تحت ظلال السیوف - حضرت رسول نے فرمایا یقیناً بہشت کے دروازے تلواروں کے سایہ میں ہیں (ص ۱۸) - اس کو بھی آنحضرتؐ نے متعدد حدیثوں میں واضح کر دیا ہے کہ جو لوگ جہاد کے لئے جائیں انکی نیت اگر واقعاً لڑنا اور دشمنوں سے اسلام و مسلمین کی حفاظت ہوگی تب وہ مجاہدین کا ثواب پائیں گے لیکن اگر وہ کسی اور غرض سے شریک ہوئے ہیں تو اس اجر سے محروم رکھے جائیں گے - چنانچہ صاف مرقوم ہے ان رجلا قال یا رسول الله رجل یرید الجهاد فی سبیل الله وهو یبتغی عرضا من عرض الدنیا فقال النبی لا اجر له - ایک شخص نے عرض کی اے رسول خدا ایک شخص اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے جانا چاہتا ہے مگر اس سے اس کی غرض دنیا کی تحصیل ہے - حضرتؐ نے

فرمایا اس کو آخرت کا کوئی اجر نہیں مل سکتا (مشکوۃ جلد ۵ صفحہ) ۔ اس سے واضح ہوا کہ عہد رسولؐ میں ایسے لوگ بھی تھے جو جہادوں میں آنحضرتؐ کے ساتھ جاتے تو تھے۔ مگر نہ لڑتے تھے۔ نہ کسی کو قتل کرتے تھے بلکہ اس انتظار میں رہتے تھے کہ مال غنیمت کی تقسیم کا وقت آئے تو ہم بھی حصہ لینے کو حاضر خدمت ہیں وہی مذکور بالا حدیث کے مصداق ہیں۔

پانچویں فصل

سورہ براءۃ کی تبلیغ سے معزولی

۹ سنہ ہجری کے آخر میں حضرت رسولخدا نے حضرت ابوبکر کو حاجیوں کا امیر مقرر کر کے مکہ معظمہ بھیجا مگر پھر خدا کے حکم سے آپ کو اس عہدہ سے معزول کر دیا۔ اس واقعہ کی تفصیل حضرت ابوبکر کی سوانح عمری میں لکھی گئی ہے مگر چونکہ حضرت عمر بھی اس سے معزول کئے گئے اس سبب سے اس کا مختصر ذکر بھی ضروری ہوا۔ جناب شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے لکھا ہے عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ بعث ابا بکر و عمر ببراءۃ الی اہل مکۃ فانطلقا فاذا ہما بالرکب فقالا من ہذا قال انا علی قال واللہ ما علمت الا خیرا فاخذ علی الکتاب فذہب بہ ورجع ابوبکر و عمر الی المدینۃ فقالا ما لنا یا رسول اللہ ۔ فقال ما لکما الا خیر و لکن قیل لی انہ لا یبلغ عنک الا انت او رجل منک اخرجہ الحاکم ۔ حضرت عبد اللہ بن عمر بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولؐ نے حضرت ابوبکر و عمر کو سورہ براءۃ لیکر مکہ والوں کی طرف بھیجا ۔ وہ دونوں روانہ ہو گئے مگر ابھی راستے ہی میں تھے کہ اونٹ پر ایک شخص ان سے آکر ملا۔ ان دونوں صاحبوں نے پوچھا کون! سوار نے کہا میں ہوں علیؑ ۔ حضرت ابوبکر بولے خدا کی قسم میں نے (علیؑ کو دیکھکر) بھلائی کے سوائے اور کچھ نہیں جانا مگر حضرت علیؑ وہ سورہ ان دونوں صاحبوں سے لے کر مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ادھر حضرت ابوبکر و عمر مدینہ کی طرف پلٹ آئے اور دونوں نے آنحضرتؐ سے عرض کی اے رسولخدا ہم نے کیا قصور کیا (کہ اس شرف سے محروم کر دیئے گئے) ؟ حضرتؐ نے فرمایا تم لوگوں کا کچھ حرج نہیں ہے خیر ہی خیر ہے لیکن مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اس سورہ کو سوائے میرے اور اس شخص کے جو مجھ ہی سے ہو اور کوئی نہیں پہونچا سکتا (قرۃ العینین صفحہ ۲۳۴) یہ امر قابل غور و تدبر ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم پر خدا نے یہ اعتراض کیوں کیا کہ تم نے ابوبکر و عمر کو کیوں بھیج دیا؟ سورہ کی تبلیغ یا تم کر سکتے ہو یا وہ شخص جو تم ہی سے ہو اس سے یہ تو ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر و عمر حضرت رسولخدا سے نہیں تھے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت

علیؑ حضرت رسولخدا صلعم ہی سے تھے۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح ہوا کہ ایک سورہ کی تبلیغ کی خدمت بھی جو حضرت ابوبکر و عمر کے سپرد کی گئی خدا کو پسند نہیں ہوئی اور اس نے اس خدمت سے ان حضرات کا معزول کر دینا ضروری سمجھا۔ اور اسکی وجہ سے ان حضرات کو جو صدمہ ہوا اسکی پروا بھی نہیں کی یہاں تک کہ حضرت ابوبکر تو آکر خدمت رسولؐ نے میں رونے بھی لگے۔ خود اپکی عبارت سنو۔ عن ابی بکر ان النبیؐ بعثه ببراءة الی اهل مکة فسار بها ثلثا ثم قال لعلی الحقه فرد علی ابی بکر و بانهما انت فلما قدم ابوبکر بکی۔ فقال یا رسول الله حدث فی شئ وقال ما حدث فیک الا خیر ولکن امرت ان لا یبلغه الا انا او رجل منی۔ حضرت ابوبکر بیان کرتے تھے کہ ان کو حضرت رسولؐ نے سورہ برارۃ لے کر اہل مکہ کی طرف بھیجا وہ اس کو لے کر روانہ ہوئے تو تین دن بعد آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا تم جلد جاکر راہ ہی میں ابوبکر سے ملو اور انھیں میرے پاس واپس کر کے خود جاؤ اور اس سورہ کی تبلیغ کرو۔ حضرت علیؑ نے ایسا ہی کیا جس کے بعد حضرت ابوبکر آنحضرتؐ کے پاس واپس آکر رونے لگے۔ پھر پوچھا اے رسولخدا کیا میرے متعلق کوئی امر حادث ہو گیا؟ حضرتؐ نے فرمایا جو بات حادث ہوئی وہ بہتر ہی بہتر ہے۔ بات یہ ہے کہ مجھے خدا کا حکم پہونچا کہ اس حکم کی تبلیغ یا میں کروں یا وہ شخص کرے جو مجھ ہی سے ہو (کنز العمال جلد ۱ ص ۲۴۶) مگر اس رونے پر بھی خدا نے نہ اپنا حکم بدلا نہ آپکی کچھ تشفی کی۔ اس روایت میں یہ ذکر نہیں ہے کہ حضرت عمر بھی روئے۔ غالباً اسکی وجہ یہ ہو کہ حضرت ابوبکر بڑے نرم دل اور حضرت عمر بڑے مضبوط دل کے تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک سورہ کی تبلیغ سے اسلام کا کیا نقصان ہو رہا تھا یا خدا کا کیا بگڑ رہا تھا یا مسلمانوں کے لئے کس ضرر عظیم کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا جسکی وجہ سے خدا نے اس قدر اہتمام کیا۔ کاش اس کے بعد ہی کسی اور سورہ کی کسی خدمت کا کام ان حضرات کے سپرد کر دیا گیا ہوتا جس سے ان حضرات کی کچھ تو تسکین ہوتی۔ یا اس معزولی کی وجہ سے ان حضرات کے متعلق جو تردد پیدا ہوتے ہیں ان کا کچھ علاج ہوتا اور مخالفین کو اعتراضات کا موقع نہ ملتا۔

چھٹی فصل

عمرو عاص کے ماتحت نہ رکھے جانا

علماء اسلام نے اس امر کو بھی بہت اہمیت سے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر کو حضرت رسولخدا نے

(جن کا کوئی فعل بغیر وحی خدا نہیں ہوتا تھا) عمرو عاص ایسے شخص کی ماتحتی میں رکھا اور اُن کو آپ لوگوں پر سردار بنا کر جہاد میں روانہ کیا۔ چنانچہ سریہ ذات السلاسل میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ یہ امر حضرت ابوبکر و عمر کی شان کے بہت خلاف سمجھا گیا۔ اس اعتراض کو جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے "حضرت رسول اللہ ابوبکر و عمر را تعینات و تابع عمرو بن العاص ساخت و ادرا بر ایشاں امیر کردہ و ہم چنیں اسامہ را بر ایشاں سردار کردہ۔ اگر ایشاں را لیاقت ریاست می بود یا در ریں باب افضل و اولےٰ می بودند چرا ایشاں را رئیس نمی کرد دیگراں را تابع ایشاں می ساخت۔ حضرت رسول نے حضرت ابوبکر و عمر کو عمرو بن عاص کے ماتحت تعینات کر کے اور ان کا تابع بنا کر بھیجا اور اُنکو ان حضرات پر حاکم مقرر کیا۔ اسی طرح حضرتؐ نے اسامہ کو بھی ان لوگوں کا سردار بنا دیا تھا۔ اگر ان دونوں صاحبوں میں سرداری کی قابلیت ہوتی یا اس باب میں وہ افضل و بہتر ہوتے تو کیوں آنحضرتؐ انھیں لوگوں کو سردار اور دوسروں کو ان کا تابع نہ کرتے (تحفہ اثنا عشریہ باب طعن ۶) اس سرداری میں عمرو عاص نے ان دونوں بزرگوں کے ساتھ پورے افسر ماتحت کا برتاؤ کیا بلکہ سختی بھی کی۔ مگر حضرت رسولؐ کو ان باتوں کی خبر ہوئی تو حضرتؐ نے عمرو عاص پر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ اُس سلوک کی مدح و ثنا ہی کی۔ علامہ ابن حجر نے لکھا ہے ان عمرو بن العاص امرهم فی تلک الغزوة ان لا توقدوا نارا فانکر ذلک عمر فقال له ابوبکر دعه فان رسول الله لم یبعثه علینا الا لعلمه بالحرب... فسکت عنه... و روی ابن حبان من طریق قیس بن حازم عن عمرو بن العاص ان رسول الله بعثه فی ذات السلاسل فسأله اصحابه ان یوقدوا نارا فکلموا ابابکر فکلمه فی ذلک فقال لا یوقد احد منکم نارا الا قذفته فیها۔ قال فلقوا العدو فهزموهم فاراد وا ان یتبعوهم فمنعهم فلما انصرفوا ذکروا ذلک للنبیؐ فسأله فقال کرهت ان أذن لهم ان یوقدوا نارا فیری عددهم قلتهم کرهت ان یتبعوهم فیکون لهم مدد فحمد امره۔ سریہ ذات السلاسل میں عمرو عاص نے فوج کو حکم دیا کہ کوئی شخص آگ نہ روشن کرے۔ اس پر حضرت عمر نے اعتراض کیا کہ عمرو عاص اس سے کیوں منع کرتا ہے تو ان سے حضرت ابوبکر نے کہا تم چپ ہو کیونکہ حضرت رسولؐ نے اسی وجہ سے تو عمرو عاص کو ہم لوگوں کا سردار بنا کر بھیجا ہے کہ اس کو فن حرب کا علم ہم لوگوں سے زیادہ ہے۔ تب حضرت عمر خاموش ہوئے... اور ابن حبان نے خود عمرو عاص سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے ان کو ذات السلاسل میں سردار بنا کر بھیجا تو فوج

Marfat.com

نے درخواست کی کہ ان کو آگ روشن کرنے کی اجازت ملے مگر عمرو عاص نے اس سے روکا۔ تب ان لوگوں نے حضرت ابوبکر کو بیچ میں ڈالا۔ انھوں نے عمرو عاص سے کہا ان لوگوں کو آگ جلانے کی اجازت کیوں نہیں دے دیتے تو عمرو عاص نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ اگر تم میں سے کسی شخص نے بھی آگ روشن کی تو میں اس کو اسی آگ میں ڈال کر جلا ڈالوں گا۔ غرض دشمن سے مقابلہ ہوا تو مسلمانوں نے ان کو شکست دی اور وہ سب بھاگے تو صحابہ نے ان کا پیچھا کرنا چاہا۔ لیکن عمرو نے اس سے بھی منع کیا۔ پھر جب یہ لوگ مدینہ واپس آئے تو عمرو عاص کی ان سختیوں کی شکایت حضرت رسولؐ سے کر دی حضرتؐ نے عمرو عاص سے وجہ پوچھی تو جواب دیا اگر میں آگ جلانے کی اجازت دے دیتا تو دشمنوں کو ہماری کمی تعداد کا پتا مل جاتا۔ اور اگر ان لوگوں کو دشمنوں کا تعاقب کرنے کی اجازت دیتا تو ممکن تھا کہ دشمنوں کو کمک آجاتی۔ آنحضرت صلعم نے یہ سب سنا تو عمرو عاص کی تعریف کی اور ان باتوں کو پسند کیا (فتح الباری کتاب المغزوات۔ بیان غزوہ ذات السلاسل ب ۱۷ ص ۶۷)۔ اس غزوہ میں حضرت عمر اور عمرو بن العاص کے درمیان سخت کلامی کی نوبت بھی آگئی۔ مگر حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو سمجھا کر قصہ فرو کیا۔ محدث جمال الدین نے لکھا ہے عمرو بن العاص گفت ہیچ احدے آتش روشن نہ کند الا کہ او را در آتش اندازم و روایتے آں کہ عمر فاروق بر عمرو انکار کرد و سخن درشت گفت۔ عمرو گفت اے عمر ماموریم شدہ۔ بہ آں کہ سخن من بشنوی و فرمان بری۔ جواب داد کہ آرے۔ عمرو گفت پس بآں امر ممتثل شود ابوبکر با عمر گفت بگذار او را بحال خود۔ بدرستی کہ جناب رسولخدا او را بر ما امیر نگردانیدہ مگر بجہت آں کہ وے مصلحت حرب را نکو می داند۔ غزوہ ذات السلاسل میں عمرو عاص نے حکم جاری کیا کہ جو شخص بھی آگ روشن کرے گا میں اس کو اسی آگ میں جھونک دونگا اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے عمرو عاص پر اعتراض کیا اور کوئی سخت بات کہہ دی تو عمرو عاص نے کہا کیوں عمر! کیا تم میرے ماتحت نہیں کئے گئے اور تم کو حکم نہیں ہوا ہے کہ میری بات سنو اور میری اطاعت کرو؟ حضرت عمر نے کہا ہاں یہ حکم تو ہے۔ عمرو عاص نے کہا بس تو پھر جو میں کہتا ہوں اسکی تعمیل کرو۔ اور حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے کہا کہ انکو انکے حال پر چھوڑ دو کیونکہ حضرت رسولخداؐ نے ان کو ہم لوگوں کا سردار اسی وجہ سے مقرر کیا ہے کہ ان کو فن حرب کا علم اور اسکی مصلحت زیادہ اور بہتر معلوم ہے (روضۃ الاحباب جلد ۱ ص ۴۱۳)

ابو عبیدہ کی ماتحتی حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت عمر کو جناب ابو عبیدہ کے ماتحت بھی بھیجا تھا دیکھو

Marfat.com

اس کتاب کا ص۶۳) ۔ محدث جمال الدین غزوات ذات السلاسل کے بیان میں لکھتے ہیں عمرو در راہ توقف نمود و رافع بن مکیث جہنی را بہ نزد حضرتؐ فرستاد مدد طلبید ۔ آں سرور او را ے عقد فرمود و بہ ابو عبیدہ بن الجراح داد و ویرا امیر و ولیست مردگردانید کہ از آں جملہ ابو بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما بودند بمدد عمرو فرستاد ۔ عمرو عاص نے راہ میں ٹھہر کر رافع کو آنحضرتؐ کے پاس بھیجا اور حضرتؐ سے اور فوج کی مدد طلب کی ۔ حضرتؐ نے ایک علم ابو عبیدہ بن الجراح کو دیا ۔ اور انکے ماتحت دو سو آدمی کئے ۔ ان میں حضرت ابو بکر و عمر بھی تھے ۔ اور ان سب کو آنحضرتؐ نے عمرو عاص کی مدد کے لئے روانہ کر دیا (روضۃ الاحباب جلد ا ص۴۱۲) ۔ سخت حیرت ہے کہ صرف دو سو آدمی جو عمرو عاص کی مدد کے لئے بھیجے جا رہے ہیں ان کے سردار بھی حضرت ابو بکر یا حضرت عمر نہیں مقرر کئے گئے بلکہ اس حقیر لشکر میں بھی دونوں بزرگ ماتحت ہی بنا کر بھیجے گئے اور سرداری ابو عبیدہ کو ملی ۔ جب یہ فوج ابو عبیدہ کی ماتحتی میں عمرو عاص کے پاس پہنچی تو پھر یہ سب لوگ عمرو عاص کے ماتحت ہو گئے ۔ یہ جملہ بھی قابل عبرت ہے کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم وصیت فرمودہ بود کہ اختلاف نکنید آنحضرت صلعم نے ان سب لوگوں سے وصیت کی تھی کہ خبردار اختلاف نہ کرنا ۔ مگر حضرت ابو بکر و عمر نے آگ روشن کرنے کے بارے میں اس قدر اختلاف کیا کہ حضرت عمر نے سخت زبانی بھی کی (روضۃ الاحباب جلد ا ص۴۱۲) ۔ حالانکہ حضرت رسولؐ کے احکام کی پابندی آپ کو سب سے زیادہ کرنی چاہیئے تھی اور جب آنحضرتؐ کے حکم سے آپ عمرو عاص کے ماتحت ہو چکے تھے تو انکی اطاعت کر کے اطاعت رسولؐ کا نمونہ دکھا دینا چاہیئے تھا ۔

ساتویں فصل

اُسامہ کے ماتحت کئے جانا اور اس سے تخلف کرنا

صفر ۱۱ھ میں حضرت رسولخدا صلعم نے اپنے انتقال سے چند روز قبل (غالباً ۲۶ صفر کو) باوجود شدت مرض صحابہ کو حکم دیا کہ اہل روم سے جنگ کرنے کے لئے لشکر آراستہ ہو ۔ اور دوسرے دن اپنے دست مبارک سے ایک علم جنگ طیار کر کے اسامہ بن زید کو دیا اور فرمایا میں تم کو اس فوج کا سردار مقرر کرتا ہوں اس کے ساتھ جاؤ اور رومیوں پر حملہ کرو ۔ اور اس قدر جلد جاؤ کہ تمہارے پہنچنے سے پہلے اُن کو خبر نہ ہونے پائے ۔ اُسامہ نے تعمیلِ حکم کی اور باہر نکل کر وہ

Marfat.com

نشان بریدہ بن الحصیب کو دیا اور مدینہ سے روانہ ہو کر مقام جرف میں جو مدینہ سے ۳ میل شام کی طرف ہے پہنچکر قیام کیا تاکہ پورا لشکر وہاں جمع ہو جائے۔ تب سب آگے بڑھیں۔ آنحضرت صلعم نے یہ حکم بھی دیا تھا کہ سوائے حضرت علیؑ کے اور سب اعیان مہاجر و انصار یعنی حضرت ابو بکر۔ حضرت عمر۔ حضرت عثمان۔ سعد بن ابی وقاص۔ ابو عبیدہ بن الجراح۔ سعید بن زید قتادہ بن النعمان۔ سلمہ بن اسلم وغیرہ بھی اس لشکر میں اسامہ کے ماتحت ہو کر جائیں۔ البتہ حضرت علیؑ کو آنحضرتؐ نے اپنے پاس رکھ لیا۔ اور نہ اسامہ کا ماتحت کیا نہ باہر جانے کو کہا۔ جب صحابہ کو یہ انتظام معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوئے کہ ایک غلام کو آنحضرتؐ نے اکابر مہاجرین و انصار کا سردار بنا دیا ہے۔ چنانچہ وہ لوگ اپنی دلی حالت کو پوشیدہ نہ کر سکے اور اس کے متعلق برسر مجلس چہ می گوئیاں کرنے لگے۔ جب ان باتوں کی خبر حضرت رسولؐ کو ہوئی تو آپ کو نہایت رنج ہوا بلکہ آپ اس درجہ غضبناک ہوئے کہ باوجود تپ اور دردِ سر کے عصابہ سر مبارک پر باندھکر دولت خانہ سے باہر تشریف لائے اور منبر پر جا کر بعد حمد و ثنائے الٰہی یہ خطبہ ارشاد فرمایا کہ ایہا الناس یہ کیا باتیں ہیں جو تم لوگ اسامہ کے سردار لشکر مقرر ہونے پر ظاہر کر رہے ہو؟ تم اس سے بھی اسی طرح انحراف کرنے لگے جس طرح اس کے باپ زید کے سردار فوج ہونے پر غزوہ موتہ کے وقت اعتراض کیا تھا۔ آخر اسکی وجہ کیا ہے؟ خدا کی قسم وہ سرداری کا سزاوار ہے اور اُس کا باپ زید بھی امارت کا اہل تھا۔ زید کو بھی میں بہت دوست رکھتا تھا۔ اور اسکے بعد اس کے بیٹے اسامہ کو بھی میں بہت عزیز رکھتا ہوں۔ لہذا تم لوگ اس کے بارے میں میری وصیت کو نیکی اور فرماں برداری کے ساتھ قبول کرو۔ اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو کہ وہ تم لوگوں کے نیکوکار لوگوں سے ہے۔ اس کے بعد حضرتؐ منبر سے نیچے تشریف لائے اور دولتسرا میں چلے گئے۔ اُس وقت اسامہ کی عمر ۱۸ یا ۱۹ سال کی تھی۔ اس خطبہ کے بعد مسلمانوں میں بھی آمادگی پیدا ہو گئی۔ جن کا ارادہ جانے کا ہوتا تھا وہ حضرتؐ کی خدمت میں آکر آپ سے رخصت ہوتے اور لشکرگاہ کی طرف روانہ ہو جاتے تھے۔ اُس روز آنحضرتؐ کا مرض اتنا شدید ہو گیا تھا کہ حضرتؐ بات تک نہیں کر سکتے تھے۔ اُسامہ رخصت ہو کر لشکرگاہ میں آیا اور دوشنبہ کو صبح کے وقت پھر حضرتؐ کی زیارت کے لئے دولتسرا پر حاضر ہوا۔ اُس وقت حضرتؐ کی حالت کچھ سنبھل گئی تھی۔ حضرتؐ نے اسامہ کو رخصت کیا اور اسکے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ غرض اسامہ لشکرگاہ کی طرف واپس آیا اور خود سوار ہونے لگا

Marfat.com

تو اسکی ماں نے کہلا بھیجا کہ حضرت رسولؐ پر حالت نزع شروع ہوگئی ہے۔ یہ سُن کر اسامہ اور اکابر صحابہ جو اس کے ساتھ نکل چکے تھے واپس آگئے مگر حضرت ابوبکر و عمر وغیرہ اب بھی اس کے ساتھ نہیں گئے بلکہ مدینہ ہی میں رہ گئے تھے (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص۴۸۸ و کامل جلد ۲ ص۱۲۰ و طبری جلد ۳ ص۱۸۸ وغیرہ) جب صحابہ نے اسامہ کے ماتحت ہو کر جانے میں تامل کیا تو آنحضرتؐ اس درجہ غضبناک ہوئے کہ نہ جانے والوں پر لعنت کردی۔ علامہ شہرستانی وغیرہ نے لکھا ہے الخلاف الثانی فی مرضہ انہ قال جھزوا جیش اسامۃ لعن اللہ من تخلف عنھا۔ دوسرا خلاف حضرت رسولؐ کے مرض موت میں پیدا ہوا کہ حضرتؐ نے فرمایا اسامہ کے لشکر کو جلد روانہ کردو۔ خدا لعنت کرے اُن لوگوں پر جو اسامہ کے ساتھ جانے سے پہلو تہی کریں انتہے۔ سخت تعجب اس پر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر جو اسامہ کے ماتحت قرار دیئے گئے تھے اور انکو بھی اسکے ساتھ مدینہ سے چلے جانیکا حکم دیا گیا تھا۔ آنحضرتؐ کا یہ قول لعن اللہ من تخلف عن جیش اسامۃ سننے کے بعد کیونکر اپنی بات پر قائم رہے اور آنحضرتؐ کے غیظ و غضب کی کچھ بھی پروا نہیں کی۔ حضرت ابوبکر و عمر کا اس لشکر میں ماتحت اسامہ بنایا جانا اور آنحضرتؐ کا لعن اللہ من تخلف عن جیش اسامہ فرمانا متعدد کتب معتبرہ میں موجود ہے (مثلاً علامہ شہرستانی کی کتاب ملل و نحل جلد ۱ ص۲۰ ۔ میرزاہد کی شرح مواقف آخر کتاب تذییل فی ذکر الفرق۔ علامہ آمدی کی کتاب ابکار الافکار فصل ۴ قاعدہ ۷۔ ملا یعقوب تنبانی کا رسالہ عقائد۔ علامہ معتزلی کی شرح نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد ۲ ص۲۱ وغیرہ)

آٹھویں فصل

حضرت رسولخدا صلعم نے کوئی دینی کام آپ کے سپرد کیا یا نہیں

حضرت عمر جناب رسالت مآبؐ کے ساتھ مکہ معظمہ میں بہت دنوں رہے اور مدینہ منورہ میں بھی برابر ساتھ رہا۔ حالت اسلام میں دونوں مقاموں کی صحبت ۱۹ سال تک رہی اس درمیان میں آنحضرتؐ کو سیکڑوں ہی کام دوسرے لوگوں کے ذمہ کرنے کا موقع ملا۔ مکہ معظمہ میں بھی بہت خدمات تھیں۔ لیکن انکی تعداد بہرصورت کم تھی۔ مگر مدینہ منورہ میں زیادہ مواقع پیش آئے۔ مثلاً آنحضرتؐ خود مدینہ میں رہے اور لوگوں کو فوج دیکر کسی مہم پر بھیجا یا حضرتؐ ہی کسی غزوہ میں تشریف لے گئے اور علم کسی کے حوالہ کیا۔ یا مقام غزوہ میں کوئی خطرہ پیدا ہوا اور اس کے دفع کرنے کے لئے کسی کا انتخاب فرمایا۔

Marfat.com

یا حضرتؐ باہر تشریف لے گئے اور کسی کو اپنی جگہ مدینہ میں چھوڑ دیا کہ حضرتؐ کی غیبت میں جو ضروریات اسلام پیش آئیں ان کو انجام دے یا کسی جگہ لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے کے لئے اپنے کسی شخص کو بھیجا۔ یا کسی مقام پر اسلام کی طرف لوگوں میں بدظنی پیدا ہونے لگی۔ اور آنحضرتؐ نے اسکی اصلاح کی غرض سے کسی کو وہاں روانہ فرمایا۔ ان تمام صورتوں میں حضرت عمر کے ذمہ آنحضرتؐ کوئی دینی کام کر سکتے تھے لیکن نہ معلوم کیا مصلحت تھی کہ نہ خدا نے آنحضرتؐ کو اس بات کا حکم دیا کہ حضرت ابوبکر سے فلاں کام لو یا ان کے متعلق اس خدمت کو کرو۔ اور نہ آنحضرتؐ نے خود ہی اس طرف توجہ کی چنانچہ اس سوانح عمری میں اس وقت تک حضرت ممدوح کے جو مفصل حالات مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے قیام کے لکھے گئے ان سب پر تفصیلی نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ یہ امر صحیح ہے۔ اگر کسی چھوٹے اور ناقابل التفات کام کو آنحضرتؐ نے آپ کے متعلق کیا بھی تو اس کا ذکر تاریخی ذخیروں میں نہیں ملتا۔ درصورتیکہ عمرو عاص اور خالد بن ولید تک کے متعلق جو امور کئے گئے ان کا ذکر شرح و بسط سے موجود ہے۔ اس سبب سے سخت حیرت ہوتی ہے کہ کیوں آپ ان تمام مواقع پر نظر انداز کر دیئے گئے۔ غزوات کے متعلق تو مورخین و محدثین نے تصریح کر دی ہے کہ علم برابر دوسروں ہی کو ملا کرتے تھے۔ مثلاً علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے اخرج احمد باسناد قوی من حدیث ابن عباس ان رایۃ النبیؐ کانت تکون مع علی و رایۃ الانصار مع سعد بن عبادۃ۔ امام احمد نے قوی اسناد سے حضرت ابن عباس کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ وہ بیان کرتے تھے حضرت رسولِ خدا کا علم برابر حضرت علیؑ کو ملا کرتا اور انصار کا علم سعد بن عبادہ کو عطا ہوتا تھا (فتح الباری پ ۱۲ ص ۱۰۶) اور علامہ ابن عبدالبر نے جناب ابن عباس سے روایت کی ہے کہ قال لعلی اربع خصال لیست لاحد غیرہ۔ ھو اول عربی و عجمی صلی مع رسول اللہؐ وھو الذی کان لوائہ فی کل زحف جناب ابن عباس فرماتے تھے کہ حضرت علیؑ میں چار فضیلتیں ایسی تھیں جو کسی اور شخص کو میسر نہیں ہوئیں۔ آپ ہی دنیا بھر میں وہ بزرگ ہیں کہ ہر جہاد۔ ہر مہم۔ ہر معرکہ میں آنحضرتؐ صلعم کے علم بردار ہوا کرتے اور آپ ہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے حضرت رسولِ خداؐ کے ساتھ سب سے پہلے نماز پڑھی (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۷) اور اپنی جگہ چھوڑ جانے کے متعلق بھی آنحضرتؐ کو دو بڑے موقع پیش آئے۔ ایک جب حضرتؐ مکہ معظمہ سے مدینہ کو ہجرت فرماتے تھے کہ اس وقت تمام امانتوں اور ودیعتوں کا ان کے مالکوں تک پہونچا دینا ضروری تھا۔ دوسرے جب حضرت غزوہ

Marfat.com

تبوک میں مدینہ سے بہت دور دراز کا سفر کرنے کے لئے آمادہ ہوئے اور کافی زمانہ تک غائب رہنے کی ضرورت پیش آئی۔ ان دونوں موقعوں پر بھی آنحضرتؐ نے حضرت عمر کو اپنی جگہ چھوڑ جاتے اور آپ سے اسلام کی اہم ضرورتیں انجام دلانے کا خیال نہیں فرمایا۔ اسلام کی دوسری خدمات کے لیے بھی انتخاب دوسروں ہی کا ہوتا تھا۔ چنانچہ یمن میں لوگوں کو دین خدا کی طرف بلانے کی ضرورت ہوئی مگر آپکے متعلق یہ کام نہیں کیا گیا۔ سورہ براءۃ کی تبلیغ کے لیے آنحضرتؐ نے آپکو مقرر کیا مگر خدا نے اس سے بھی معزول کرادیا۔ ان سب کے بعد اسلام کا بہت مہتم بالشان امر نصارے نجران سے مقابلہ ہوا کہ آنحضرتؐ نے نجران کے عیسائیوں کو دین اسلام قبول کرنے کے لیے خط لکھا۔ ان لوگوں نے چودہ شخصوں کو اس غرض سے مدینہ بھیجا کہ پیغمبر اسلام کے حالات کی تحقیق کرکے ان لوگوں کو خبر دیں۔ ان میں تین شخص ایسے تھے جو گویا ان کے سردار اور سب کے قائم مقام تھے۔ ایک عبدالمسیح ملقب عاقب۔ دوسرے سید۔ تیسرے ابوالحارث۔ جب یہ سب لوگ مدینہ پہونچے تو عمدہ ریشمی کپڑے اور سونے کی انگوٹھیاں پہن کر آنحضرتؐ کے پاس مسجد میں آئے اور آنحضرتؐ کو سلام کیا۔ مگر آنحضرتؐ نے انمیں سے کسی کا جواب نہیں دیا بلکہ انکی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس پر وہ سب بہت گھبرائے اور مسجد سے نکلکر بعض اصحاب رسولؐ کے پاس گئے۔ کہا تمہارے پیغمبر نے خود ہی خط لکھکر ہمیں یہاں بلایا مگر جب ہم آئے تو انھوں نے نہ ہمارے سلام کا جواب دیا نہ ہم سے کوئی بات کی۔ اب تمہاری کیا رائے ہے۔ ہم لوگ واپس جائیں یا کچھ قیام کریں۔ یہ اصحاب اُن لوگوں کو کوئی جواب نہیں دیسکے تو حضرت علیؑ سے پوچھا اے ابوالحسنؑ! اس بارے میں آپکی کیا رائے ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا میرا خیال یہ ہے کہ یہ لوگ جو ریشمی لباس اور سونے کی انگوٹھیاں پہنے ہیں پہلے ان سب کو اُتار کر راہبوں کا سادہ لباس پہنیں۔ اُس وقت آنحضرتؐ کے پاس جائیں۔ اُن لوگوں نے ایسا ہی کیا تب آنحضرتؐ نے ان کو جواب سلام دیکر فرمایا کہ خدا کی قسم جب یہ لوگ میرے پاس پہلے آئے تھے تو شیطان ان کے ساتھ تھا۔ اسکے بعد آنحضرتؐ نے ان لوگوں سے مسلمان ہونے کو فرمایا۔ ان لوگوں نے انکار کیا۔ تب آنحضرتؐ پر خدا کی طرف سے یہ آیت اُتری فمن حاجک فیہ من بعد ماجاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتہل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ اے رسولؐ اسکے بعد بھی اگر یہ نصارے خواہ مخواہ حجت کریں تو ان لوگوں سے کہدو آؤ ہم تم اپنے اپنے فرزندوں اور عورتوں اور نفسوں کو

Marfat.com

بلا کر درگاہ خدا میں تضرع و زاری کریں اور خدا سے دعا کریں کہ وہ جھوٹوں پر لعنت کرے (پ ۳ ع ۱۴)
تب آنحضرتؐ نے نصارے نجران کو اس حکم سے مطلع کیا اور فرمایا کہ بہتر ہے آؤ ہم اور تم مباہلہ کریں انھوں
نے ایک دن کی مہلت لی کہ مشورہ کر کے جواب دینگے۔ پھر عاقب سے پوچھا کہ اس معاملہ میں تمہاری کیا رائے
ہے؟ اس نے کہا خدا کی قسم تم کو معلوم ہے کہ محمدؐ پیغمبر مرسل ہیں اور انھوں نے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ایک
واضح دلیل پیش کر دی ہے۔ ہرگز ان سے مباہلہ نہ کرو ورنہ تم سب ہلاک ہو جاؤ گے۔ اگر چاہتے ہو
کہ اپنے مذہب پر قائم رہو تو اُن سے صلح کر لو اور جزیہ دینے پر راضی ہو جاؤ۔ غرض دوسرے دن
صبح کو یہ لوگ حضرت رسولؐ کی طرف چلے۔ اور اُدھر سے آنحضرتؐ خود اپنے حجرہ سے اس طرح باہر
نکلے کہ حضرت حسینؑ بن علیؑ کو بغل میں لئے۔ حضرت حسنؑ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ جناب فاطمہ زہراؑ
حضرتؐ کے پیچھے تھیں۔ حضرت علی مرتضیٰؑ سب کے عقب میں تھے اور آنحضرتؐ ان لوگوں سے
فرماتے تھے جب میں دعا کروں تم لوگ آمین کہنا۔ سبحان اللہ وہ کیسا وقت اور کیسی حالت
تھی۔ کس درجہ کے شاہد اور کس مرتبہ کے مشہود تھے۔ جب نصارے نجران کے گروہ نے ان
حضرات پنجتنؑ پاک کو دیکھا اور انکی دعا و آمین کا ذکر سُنا تو خوف سے لرزنے لگے۔ مورخین نے
تصریح کی ہے اما نصارے نجران فانهم ارسلوا العاقب والسيد فى نفر الى رسول الله
وارادوا مباهلته فخرج رسول الله ومعه علىؑ وفاطمةؑ والحسنؑ والحسينؑ فلما رأوهم
قالوا هذه وجوه لو اقسمت على الله ان يزيل الجبال لازالها ولم يباهلوه وصالحوه۔
نجران کے عیسائیوں نے عاقب، سید اور بہت سے عیسائیوں کو حضرت رسولؐ کے پاس بھیجا اور
حضرتؐ سے مباہلہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس پر ان لوگوں کی طرف حضرت رسولؐ تشریف لے گئے اور
اپنے ساتھ حضرت علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ و حسینؑ کو بھی لے لیا۔ جب عیسائیوں نے ان حضرات کو دیکھا تو
کہنے لگے کہ یہ تو وہ (عظیم الشان) چہرے ہیں جو اگر خدا سے دعا کریں کہ پہاڑوں کو انکی جگہ سے
ہٹا دے تو یقیناً خدا ان سب کو ہٹا دے گا۔ غرض ان لوگوں نے مباہلہ نہیں کیا اور آنحضرتؐ
سے صلح کر لی (تاریخ کامل جلد ۲ صـ۱۱۲ وغیرہ) [1] یہ بھی ایک موقع تھا کہ حضرت رسولؐ اپنی

[1] یہ اسلام کی جلیل القدر فتح اور قابل فخر کامیابی تھی جس پر مسلمانوں کو قیامت تک ناز اور مباہات
کرنی چاہئے مگر افسوس مولوی شبلی صاحب نے اس کو بہت مختصر کر کے صرف ان لفظوں میں ادا کر دیا۔
جب یہ لوگ اس پر راضی نہ ہوئے تو آنحضرتؐ نے وحی کے مطابق انسے کہا کہ اچھا مباہلہ کر لو۔ یعنی ہم تم

ساتھ حضرت عمر کو نصاریٰ نجران کے مقابلہ میں مباہلہ کے لئے لے جاتے۔ اس لئے کہ خدا نے فرمایا تھا اے رسولؐ تم ان سے کہو کہ آؤ ہم اپنے اُن لوگوں کو بلائیں جو ہمارے نفسوں کی جگہ ہیں۔ اور انفس صیغہ جمع تھا جس میں حضرت علیؑ کے علاوہ بھی لوگ شریک کئے جا سکتے تھے لیکن آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کے سوائے کسی کو نہیں لیا یہاں تک کہ حضرت عمر تک اسکے لئے موزوں نہیں قرار پائے۔ اشاعۃ اسلام کے لئے دوسرے مقامات پر بھیجا جانا بھی اسلام کی عظیم الشان دینی خدمت تھی۔ مولوی شبلی صاحب نے ان لوگوں کی جو اس کام کے لئے مقرر کئے جاتے تھے ایک مکمل فہرست پیش کر دی ہے۔ لکھتے ہیں "بعض لوگ مخصوص اشاعت اسلام کی غرض سے بھیجے جاتے تھے۔ تفحص سے اس قسم کے دعاۃ کے نام حسب ذیل ملے ہیں علی ابن ابی طالبؓ۔ مغیرہ بن شعبہ۔ خالد بن ولید۔ عمرو بن العاص۔ دبر بن نخیس"۔ (سیرۃ النبیؐ جلد ۲ صـ۱۹) قضایا کا فیصلہ کرنا بھی ایک اہم امر تھا۔ مولوی صاحب نے لکھا ہے۔ "اگرچہ آپکے عہد مبارک میں عہدۂ قضارۃ قائم ہو چکا تھا اور حضرت علیؑ اور حضرت معاذ بن جبل کو آپ نے خود یمن کا قاضی مقرر فرما کے بھیجا تھا تاہم مدینہ اور اُسکے حوالی و مضافات کے تمام مقدمات کا آپ خود فیصلہ کرتے تھے" (سیرۃ جلد ۲ صـ۴۷) مگر کسی صورت سے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ آنحضرت صلعم نے حضرت عمر کو بھی کسی مقام کا قاضی بنا کر بھیجا ہو۔ خود مولوی صاحب کی تفصیل سے اسکی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ لکھتے ہیں "فصل قضایا۔ اقامۃ عدل۔ بسط امن۔ رفع نزاع کے لئے متعدد ولاۃ و حکام کی ضرورت تھی۔ اس غرض سے آپ نے متعدد صحابہ کو مختلف مقامات کا حاکم و والی مقرر فرمایا چنانچہ انکے ناموں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ باذان بن ساسان یشہر بن

(بقیہ حاشیہ صـ۹۶)

دونوں اپنے اہل و عیال لے کر آئیں اور دعا کریں کہ جو شخص جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو... لیکن جب آنحضرتؐ فاطمہ زہراؑ اور امام حسن و حسین علیہما السلام کو لیکر مباہلہ کے لئے نکلے تو خود انکی جماعت میں سے ایک شخص نے رائے دی کہ مباہلہ نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر یہ شخص واقعی پیغمبر ہے تو ہم لوگ ہمیشہ کے لئے تباہ ہو جائینگے۔ غرض ان لوگوں نے کچھ سالانہ خراج قبول کر کے صلح کر لی"۔ (سیرۃ النبیؐ جلد ۲ صـ۳۹)۔ افسوس واقعہ میں اتنا اختصار کہ حضرت علیؑ کا نام تک نہیں لکھا گیا ۱۲

Marfat.com

باذان ۔خالد بن سعید بن العاص ۔مہاجر بن امیہ المخزومی ۔زیاد بن لبید الانصاری ۔ ابو موسیٰ اشعری معاذ بن جبل ۔عمرو بن حزم ۔یزید بن ابی سفیان ۔عتاب بن اسید ۔علی ابن ابی طالبؓ ۔عمرو بن العاص علاء بن حضرمی" (سیرۃ النبیؐ جلد ۲ صـ۵۳) ۔زکوۃ اور جزیہ وصول کرنا اگرچہ معمولی کام تھا اور جو لوگ نہ جہاد کر سکتے تھے ۔نہ ان میں علمی خدمت انجام دینے کی صلاحیت تھی غالباً وہی اسکے لئے تجویز کئے جاتے تھے مگر حضرت عمر کے متعلق یہ کام بھی نہیں کیا گیا ۔مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں :۔ "جو ممالک زیر اثر آتے تھے اور وہاں زکوۃ اور جزیہ کے وصول کرنے کے لئے عمال بھیجے جاتے تھے وہ اکثر اس درجہ کے ہوتے تھے جن کا تقدس ۔زہد اور پاکیزگی مسلم ہوتی تھی ۔اسکے ساتھ عالم اور واعظ بھی ہوتے تھے ۔اور اس لئے وہ تحصیل مال کے ساتھ تبلیغ اسلام کی خدمت بھی انجام دے سکتے تھے ۔ان میں سے بعضوں کے نام حسب ذیل ہیں مہاجر بن امیہ ۔زیاد بن لبید ۔خالد بن سعید ۔عدی بن حاتم ۔علاء بن حضرمی ۔حضرت ابو موسیٰ اشعری ۔حضرت معاذ بن جبل ۔جریر بن عبداللہ بجلی" (سیرۃ النبیؐ جلد ۲ صـ۱۵) غرض بہت کچھ کوشش کرنے پر بھی ہم اس میں کامیاب نہ ہو سکے کہ معلوم کریں حضرت رسولخدا صلعم نے آپ کے متعلق کتنی دینی خدمتیں کیں اور آپ نے ان کو انجام دیا یا نہیں ۔اگر دیا تو کس طرح ۔اور حیف مولوی شبلی صاحب تک اپنی کتابوں میں آپ کے متعلق ان خدمات کا ذکر نہیں کر سکے تو دوسروں کو کیا پتا مل سکتا ہے ۔حالانکہ دوسری باتوں میں آپ کا ذکر کچھ نہ کچھ مل جاتا ہے مثلاً مولوی صاحب لکھتے ہیں "عبد یالیل طائف کا مشہور رئیس امیر الوفد تھا ۔آنحضرتؐ نے اس کو مسجد نبوی میں اُتارا ... بالآخر ان لوگوں نے اسلام پر آمادگی ظاہر کی لیکن شرطیں پیش کیں ... یہ تینوں درخواستیں نامنظور ہوئیں ... ان لوگوں نے کہا ... لات کی نسبت کیا ارشاد ہے ؟ فرمایا وہ توڑ دیا جائیگا ... بولے کہ اگر ہمارے معبود کو معلوم ہو جائے کہ آپ کا یہ ارادہ ہے تو وہ تمام شہر کو تباہ کر دے گا ۔حضرت عمر سے ضبط نہ ہو سکا بولے کہ تم لوگ کس قدر جاہل ہو ۔منات صرف ایک پتھر ہے ۔ان لوگوں نے کہا عمر! ہم تمہارے پاس نہیں آئے ۔یہ کہکر آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی کہ ہم منات کو ہات نہیں لگا سکتے ۔سفارت جب واپس چلی تو آنحضرتؐ نے ابوسفیان اور مغیرہ بن شعبہ کو بھیجا کہ شرط کے موافق طائف کے صنم اعظم (لات) کو جا کر توڑ آئیں" (سیرۃ النبیؐ جلد ۲ صـ۳۷) ۔اس میں یہ دو امر قابل غور و فکر ہیں کہ حضرت عمر نے ان لوگوں سے کچھ کہنا چاہا تو انھوں نے ڈانٹنے کا لہجہ اختیار کر کے کہا "عمر ہم تمہارے

پاس نہیں آئے"۔ اللہ رے برہمی معلوم نہیں حضرت عمرؓ کا بولنا ان لوگوں کو کیوں اس درجہ ناگوار ہوا کہ اس تیور سے جواب دیا۔ دوسرا یہ باوجود اس کے حضرت صلعم نے آپ کو وہ بُت توڑنے کے لئے نہیں بھیجا۔ اور اس خدمت کے لئے بھی ابوسفیان اور مغیرہ بھیجے گئے۔ کتابت کی خدمت کا کوئی واقعہ بھی مولوی شبلی صاحب نہ لکھ سکے۔ کُتّاب کی فہرست میں آپ کا نام دیا ہے مگر تصریح سے یہ نہیں بتا سکے کہ آنحضرتؐ نے آپ سے کیا لکھوایا حالانکہ دوسرے صحابہ کی بعض کتابتوں کی تعیین کردی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں "کتاب عہدہ انشاء گویا آنحضرتؐ کی ایک حیثیت سے نیابت تھی اس لئے مختلف اوقات میں بڑے بڑے صحابہ اس خدمت پر مامور کئے گئے ... حضرت ابوبکر۔ حضرت عمر۔ حضرت علیؓ حضرت عثمان... مختلف اوقات میں اس منصب پر مامور ہوئے۔ اگرچہ ان تمام بزرگوں کو کبھی کبھی یہ خدمت ادا کرنی پڑتی تھی۔ چنانچہ صلحنامہ حدیبیہ حضرت علیؓ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا امراء و سلاطین کے نام خطوط حضرت عامر بن فہیرہ لکھتے تھے۔ اور امراء عمان کے نام آپ نے جو مکتوب بھیجا تھا وہ حضرت ابی بن کعب کا لکھا تھا۔ قطن بن حارثہ کو جو خط بارگاہ نبوت سے بھیجا گیا تھا وہ حضرت ثابت بن قیس نے لکھا تھا۔ لیکن عام طور پر یہ خدمت حضرت زید بن ثابت کے متعلق تھی اور صحابہ کے گروہ میں ان کا نام اسی حیثیت سے زیادہ نمایاں ہے" (سیرۃ النبیؐ جلد ۲ صـ۵۲) کتابت کے متعلق بھی اتنے صحابہ کے کارنامے مولوی صاحب نے گنوا دیئے مگر حضرت عمرؓ کا کوئی کارنامہ نہیں بتا سکے۔ اکثر مواقع پر حضرت عمرؓ نے حضرت رسولؐ سے کہا ہے یا حضرت اجازت دیجئے میں اس کی گردن اُڑا دوں۔ مگر نہ حضرت رسولِ خدا صلعم نے کبھی آپ کو اس کی اجازت دی نہ اپنے طور پر جلاد کے کام کے لئے آپ کا انتخاب کیا۔ مولوی شبلی صاحب نے "جلاّد" کا عنوان قائم کرکے حضرت زبیر۔ مقداد بن الاسود۔ محمد بن مسلمہ۔ عاصم بن ثابت ضحاک بن سفیان کلابی وغیرہ کا نام لکھا ہے کہ مجرموں کی گردن مارنے کی خدمت ان کے سپرد تھی" (سیرۃ النبیؐ جلد ۲ صـ۶۰)۔ لیکن اس فہرست میں بھی حضرت عمرؓ کا نام نہیں درج کرسکے۔ نماز پڑھانے بلکہ اذان دینے تک کا کام آپ کے سپرد نہیں کیا گیا مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "موذنین۔ عام طور پر اذان کے لئے کوئی خاص شخص منتخب نہیں کیا جاتا تھا۔ تاہم چند مثالوں سے قیاس ہوتا ہے کہ بڑی بڑی مسجدوں میں یہ عہدہ الگ آپ نے قائم فرمایا تھا۔ چنانچہ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں اس عہدہ پر آنحضرتؐ نے ان صاحبوں کو ممتاز فرمایا تھا۔

Marfat.com

بلال بن رباح، عمرو ابن ام مکتوم قرشی۔ سعد القرظ۔ ابو محذورہ جمحی قرشی (سیرۃ النبیؐ جلد ۲ صفحہ ۷۷)

نویں فصل

حضرت حفصہ کی شادی

شریفوں کا عام دستور ہے کہ اپنی لڑکیوں کا پیغام خود کسی سے نہیں دیتے بلکہ لڑکے والوں کی طرف سے پیغام کا انتظار کرتے ہیں۔ عرب میں بھی ایسا ہی تھا۔ مگر حضرت عمر نے اس رواج کو ترک کر کے خود ہی اپنی پارہ جگر کے نکاح کی کوشش مختلف لوگوں سے کی۔ پہلے تو کئی جگہ آپکی یہ کوشش ناکام رہی تب آپ نے آنحضرت صلعم سے آپ کا نکاح کر دیا۔ مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "اس سال (۳ھ میں) حضرت عمر کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اُن کی صاحب زادی حضرت حفصہ رسول اللہ کے عقد میں آئیں۔ حفصہ کا نکاح جاہلیت میں خنیس بن حذافہ کے ساتھ ہوا تھا خنیس کے انتقال کے بعد حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے خواہش کی کہ حفصہ کو اپنے نکاح میں لائیں۔ انھوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ پھر حضرت عثمان سے درخواست کی وہ بھی چپ رہے کیونکہ ان دونوں صاحبوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ خود جناب رسول اللہ صلعم حضرت حفصہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ شعبان ۳ھ میں آنحضرتؐ نے حفصہ سے نکاح کیا" (الفاروق صفحہ ۴۸) دوسری کتاب میں لکھا ہے "حضرت حفصہ کے بیوہ ہو جانے کے بعد حضرت عمر کو اُن کے نکاح کی فکر ہوئی۔ سوء اتفاق سے اُسی زمانہ میں حضرت رقیہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس بنا پر سب سے پہلے حضرت عمر نے ان کے نکاح کی خواہش حضرت عثمان سے کی۔ انھوں نے کہا میں اس معاملہ میں غور کروں گا۔ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے ذکر کیا۔ انھوں نے خاموشی اختیار کی۔ حضرت عمر کو انکی بے التفاتی سے رنج ہوا، اس کے بعد خود جناب رسالت پناہ نے حضرت حفصہ سے نکاح کی خواہش کی نکاح ہو گیا" (سیرۃ النبیؐ جلد ۲ صفحہ ۳۲۷)۔ مگر افسوس کتابوں سے اس بیان کے خلاف کل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن حجر نے لکھا ہے فانقضت عدتها فعرضها عمر علی ابی بکر فسکت فعرضها علی عثمان حین ماتت رقیة فقال ما اریدان اتزوج الیوم فذکر ذلک عمر لرسول اللہ۔ جب حضرت حفصہ کے بیوہ ہو جانے کے بعد ان کے عدہ کا زمانہ پورا ہو گیا تو حضرت عمر نے حضرت حفصہ کو حضرت ابوبکر پر پیش کیا (کہ ان سے نکاح کر لو)

مگر انھوں نے سکوت کیا۔ تب حضرت عمر نے ان کو رقیہ کے انتقال کے بعد حضرت عثمان پر پیش کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ میں ابھی شادی نہیں کرنی چاہتا۔ تب حضرت عمر نے اس کو حضرت رسولخدا صلعم سے ذکر کیا (اصابہ جلد ۸ صـ۵۱) جس سے معلوم ہوا کہ خود حضرت رسولخدا صلعم نے پیغام نہیں دیا بلکہ حضرت عمر کے ذکر کرنے کے بعد اس پر آمادہ ہوئے۔ اور علامہ دیاربکری نے لکھا ہے فلما قدم النبیؐ من بدر عرضها عمر علی ابی بکر فلم یجبه بشئ ثم عرض بها علی عثمان فلم یجبه بشئ فشکی عمر الی رسولؐ الله۔ فقال یا رسولؐ الله عرضت علی عثمان حفصة فاعرض عنی۔ جب حضرت رسولؐ غزوۂ بدر سے فارغ ہو کر مدینہ میں تشریف لائے تو حضرت عمر نے جناب حفصہ کو حضرت ابوبکر پر پیش کیا مگر انھوں نے کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ پھر آپ نے موصوفہ کو حضرت عثمان پر پیش کیا مگر انھوں نے بھی کوئی بات منظور نہیں کی تو حضرت عمر نے اسکی شکایت حضرت رسولخدا صلعم سے کی اور کہا اے رسولؐ خدا میں نے حفصہ کو عثمان پر پیش کیا تو انھوں نے میری طرف سے اپنا منہ پھیر لیا (تاریخ خمیس جلد ۲ صـ۴۶۹) حضرت رسولخدا صلعم ایسے کریم النفس بزرگ سے حضرت عمر کی یہ بے بسی نہیں دیکھی گئی اور حضرتؐ نے حضرت حفصہ کو اپنے لئے قبول کر لیا۔

دسویں فصل

واقعہ قرطاس کی بحث

واقعہ قرطاس کے متعلق مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "وفات سے چار دن پہلے (جمعرات کو) آپ نے فرمایا کہ دوات کاغذ لاؤ میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھدوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے۔ بعض صحابہ نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ رسول اللہ صلعم کو مرض کی شدت ہے (غلبہ الوجع) اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے جو ہمارے لئے کافی ہے۔ اس پر حاضرین میں اختلاف پیدا ہوا۔ بعض کہتے تھے کہ تعمیل ارشاد کی جائے۔ بعض کچھ اور کہتے تھے اختلاف اور شور و غل زیادہ ہوا تو بعض نے کہا اھجر استفهموه۔ خود آپ سے دریافت کرلو۔ لوگ جب پوچھنے لگے تو آپ نے فرمایا مجھے چھوڑ دو۔ میں جس مقام میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جسکی طرف تم مجھے بلاتے ہو۔ یہ روایت صحیح بخاری موقع وفات کی ہے۔

Marfat.com

صحیح بخاری میں یہ حدیث مختلف ابواب میں مذکور ہے اور ہر جگہ الفاظ میں کچھ نہ کچھ اختلاف ہے۔ صحیح مسلم کتاب الوصیۃ میں یہ روایتیں یک جا ہیں۔ جن صحابی نے قلم دوات لانے میں گفتگو کی بخاری میں ان کا نام نہیں لیکن حدیث کی اور کتابوں میں مثلاً صحیح مسلم بتصریح حضرت عمر کا نام ہے صحیح مسلم میں انکے یہ الفاظ ہیں قد غلب علیہ الوجع وعندکم القرآن و حسبنا کتاب اللہ آپکو مرض کی شدت ہے۔ ہمارے پاس قرآن موجود ہے۔ خدا کی کتاب ہمارے لئے کافی ہے صحیح مسلم کی دوسری روایتوں کے یہ الفاظ ہیں فقالوا ۱۱ ان رسول اللہ لم یھجر۔ فقالوا ۱۲ ھجر استفھموہ تو لوگوں نے کہا کیا آپ بے حواسی کی باتیں کرتے ہیں۔ آپ سے خود پوچھو تو۔ اس بنا پر یہ روایت شیعہ سنی کا معرکہ آرا میدان بن گئی ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت صلعم حضرت علیؓ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے سنی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کو واقعی تکلیف تھی اور یہ معلوم تھا کہ شریعت کے متعلق کوئی نکتہ باقی نہیں رہا۔ خود قرآن مجید میں آیت الیوم اکملت لکم نازل ہو چکی تھی اس لئے حضرت عمر نے آپ کو تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھا۔ اگر کوئی ضروری حکم ہوتا تو آنحضرت صلعم کسی کے روکے کیونکر رک سکتے تھے۔ اس واقعہ کے بعد چار دن تک آپ زندہ رہے اس وقت نہ سہی بعد کو لکھوا دیا ہوتا اور یہ کیونکر معلوم ہوا کہ آپ کیا لکھوانا چاہتے تھے بخاری میں ہے کہ آپ عبداللہ بن ابی بکر کو بلا کر حضرت ابوبکر کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے پھر آپ نے ضروری نہیں سمجھا اور فرمایا کہ خود خدا اور اہل اسلام ابوبکر کے سوا کسی اور کو پسند نہ کرینگے۔ اس اختلاف کے بعد آپ نے لوگوں کو زبانی تین وصیتیں فرمائیں جو ضروری بات آپ کاغذ پر لکھوانا چاہتے تھے۔ ممکن ہے کہ وہ یہی ہوں۔ یا اگر وہ ان کے علاوہ تھی تو آپ اس کو ان عام وصیتوں کے ساتھ زبانی بھی فرما سکتے تھے۔ اس کے بعد مجمع عام میں جو خطبہ دیا اس میں اس کا اظہار فرما سکتے تھے۔ مجھکو احتیاط کرنی چاہیئے کہ کتاب تاریخ کی حیثیت سے نکل کر علم کلام کے دائرہ میں نہ آجائے۔ تاہم جو میری ذاتی تحقیق ہے میں الفاروق میں لکھ چکا ہوں" (سیرۃ النبیؐ جلد ۲ صـ۱۲۹)۔ مولوی صاحب نے اس عبارت میں ایسی باتیں لکھ دی ہیں جن پر تبصرہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں "سنی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کو واقعی تکلیف تھی"۔ صرف سنی ہی نہیں کہتے شیعہ بھی کہتے ہیں اور جب حضرتؐ مرض موت ہی میں مبتلا تھے تو ہر شخص یہی کہیگا کہ حضرتؐ کو اس وقت واقعی تکلیف تھی۔ کوئی شخص آپ کے آرام یا اطمینان کا دعوے

Marfat.com

نہیں کرسکتا مگر یہ تو حضرتؐ کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ جب وفات کا وقت قریب آگیا تھا تو تکلیف کا ہونا بھی ضروری تھا اور دنیا میں ہر شخص جو اپنے آخر وقت وصیت لکھنا چاہتا ہے واقعی تکلیف ہی میں ہوتا ہے مگر کیا کوئی اور شخص بھی اس تکلیف کی وجہ سے اپنی وصیتیں لکھنے سے محروم کر دیا جاتا ہے؟ اور کیا اُسکی اس عارضی تکلیف کا خیال کیا جاتا ہے یا اسکی دائمی تکلیف سے اس کو بچانے کی کوشش کی جاتی ہے جس کے لئے وہ قلم دوات طلب کرتا ہے؟ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ اگر کسی شخص کو اس کے آخر وقت بدحواسی یا اختلال دماغ یا مرگ مفاجات وغیرہ کی وجہ سے وصیت لکھنے یا لکھوانے کا موقع قدرت ہی کی طرف سے حاصل نہیں ہوتا تو دوسروں کو یہ دائمی صدمہ رہ جاتا ہے کہ ہائے بیچارے کو اپنے جذبات کے ظاہر کرنے۔ اپنی آرزوؤں کے لکھ ڈالنے۔ اپنی تمناؤں کے قلمبند کر دینے۔ اس دنیا سے جانے کے بعد اپنے انتظامات کے بتا دینے کا موقع نہیں ملا۔ اور اس کا صدمہ اس کو اور اس کے متعلقین کو مدت دراز تک رہتا ہے۔ پھر حضرت صلعم نے کون سا قصور کیا تھا کہ آپ کے ساتھ یہ انسانی برتاؤ بھی نہیں کیا گیا؟ آپ کا کیا جرم تھا جس کے سبب سے آپ کے ساتھ اتنی بشری ہمدردی بھی نہیں روا رکھی گئی جو عام انسانوں کے ساتھ کی جاتی ہے؟ یا پھر وہ کیا وجوہ و اسرار تھے جن کے سبب سے آپکے ساتھ وہ اخلاقی سلوک بھی نہیں کیا گیا جو اغیار بلکہ ذاتی ظالموں بلکہ خاندانی دشمنوں تک کے لئے ضروری سمجھا جاتا ہے۔ غرض یہ مسلم ہے کہ حضرتؐ کو اس وقت تکلیف تھی اور ایسی تکلیف تھی کہ اہلبیتؑ بہت پریشان تھے۔ لوگوں کی مایوسی بڑھتی ہی جاتی تھی کسی کو بھی اس سے انکار نہیں ہے مگر سوال یہ ہے کہ حضرتؐ کو اپنے ذاتی مرض کی عارضی تکلیف زیادہ تھی یا اپنی امت کے گمراہ ہونے کا مستقل خوف زیادہ کرب و اذیت کا باعث ہو رہا تھا۔ حضرت رسولِ خداؐ کی تکلیف تو اُسی وقت سے تھی جب سے آپ نبی مقرر کئے گئے۔ خود فرماتے تھے ما اوذی نبی کما اوذیت۔ جس درجہ مجھے اذیت پہونچائی گئی اتنی اذیت کسی نبی کو نہیں پہونچائی گئی۔ واضح ہے کہ اس سے حضرتؐ کا اشارہ انہیں اذیتوں کی طرف تھا جو آدمیوں کی طرف سے آپ کو پہونچیں خواہ وہ کافروں کی اذیتیں ہوں یا منافقین کے مظالم کی۔ مگر ان اذیتوں کی وجہ سے حضرتؐ لوگوں کی ہدایت و ارشاد کے فرائض سے باز نہیں آئے جس سے واضح ہوا کہ حضرتؐ نے لوگوں کی بھلائی اور خیر خواہی کو اپنی ذاتی تکلیف و اذیت پر ہمیشہ ترجیح دی۔ اور اپنے کو

Marfat.com

تکلیف کا عادی کیا۔ اسے خوشی سے پسند کیا۔ اس پر صبر سے کام لیا مگر جس کام کے لیے دنیا میں بھیجے گئے۔ اس کے ترک کرنے کا کبھی وہم بھی نہیں کیا۔ مختصر یہ کہ حضرتؐ کی تکلیف تو اُسی وقت سے تھی جب سے حضرتؐ مبعوث برسالت ہوئے۔ لوگوں کی ہدایت کا بیڑا اُٹھایا ابتداء رسالت سے وقت وفات تک حضرتؐ کی زندگی کی کون ساعت تکلیف و اذیت سے خالی تھی؟ تو کیا اس کے لئے حضرتؐ نے اپنا فرض منصبی ترک کر دیا؟ کیا حضرتؐ نے لوگوں کی ہدایت سے مُنہ موڑ لیا؟ کیا حضورؐ نے اپنی تکلیف کی کسی وقت بھی پروا کی؟ پھر اس وقت جب حضورؐ بھی سمجھ رہے ہیں اور صحابہ بھی جان رہے ہیں کہ یہ حضرتؐ کی زندگی کے آخری ایام ہیں اس ضروری خدمتِ رسالت سے آپ کیوں روک دیئے گئے؟ کیوں نہیں حضرتؐ کے پاس قلم دوات لا کر صحابہ نے دریافت کر لیا کہ حضورؐ کیا لکھوانا چاہتے ہیں اور جو حضورؐ فرماتے اس کو کیوں نہیں لکھ لیا؟ ایک معمولی شخص بھی مرنے لگتا ہے تو لوگ چاہتے ہیں کہ وہ کچھ وصیت کر جائے۔ وہ اپنے بعد کے امور کے لئے اپنا خیال کچھ ظاہر کر دے۔ وہ اپنے متعلقین کے متعلق اپنی خواہش بیان کر دے۔ پھر یہ تو حضرت رسولِ خدا تھے جن کے تعلقات پوری امت اسلام سے وابستہ تھے۔ حضرتؐ کو ان سب کی ہدایت کا گہرا تعلق متفکر رکھتا تھا۔ ان سب کی گمراہی کا خوف حضورؐ کو پریشان کیے تھا۔ ان سب کی دنیا پرستی کا کرب حضورؐ کو بے چین کیے رہتا تھا۔ ایسی حالت میں خود صحابہ کا فرض تھا کہ اپنی طرف سے حضرتؐ سے عرض کرتے کہ مسلمانوں کے بارے میں حضورؐ کچھ ضروری باتیں لکھ دیں یا امت کے لئے حضورؐ کوئی ایسا نوشتہ چھوڑ جائیں جس سے وہ حضورؐ کے بعد اختلاف اور ضلالت سے بچ سکے۔ نہ یہ کہ خود حضرتؐ قلم دوات طلب فرماتے ہیں اور آپ کے ہی خواہ ہی حضرتؐ کی یہ آخری آرزو پوری نہیں ہونے دیتے۔ حضرتؐ کے ارشاد پر قلم دوات دینا کیسا ایسی باتیں بھی کرنے لگے جس سے حضرتؐ کا کرب اور بڑھ گیا۔ اور حضرتؐ نے مجبور ہو کر ان لوگوں کو اپنے پاس سے الگ کرا دیا۔ آپ لکھتے ہیں "اور یہ معلوم تھا کہ شریعۃ کے متعلق کوئی نکتہ باقی نہیں رہا" صحابہ کا علم کیا حضرت رسولِ خدا صلعم سے زیادہ تھا کہ حضرتؐ تو کچھ لکھ جانے کی ضرورت محسوس فرماتے تھے اور حضرت عمر وغیرہ اس کو بے ضرورت سمجھتے تھے؟ کیا حکم رسولؐ کے مقابلہ میں حضرت عمر وغیرہ کا اپنا اجتہاد کرنا

Marfat.com

اور حکم رسولؐ کو ٹھکرانا درست سمجھا جاسکتا ہے؟ یہ سب باتیں تو بعد کو آپ حضرات بیان کرتے ہیں۔ رسولؐ نے تو کبھی بھی آپ لوگوں کی ان قیاس آرائیوں کا موقع ہی پیدا نہیں ہونے دیا۔ آپ لکھتے ہیں "خود قرآن مجید میں آیۃ الیوم اکملت لکم نازل ہو چکی تھی" مگر اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ہی تو حضرت رسول خدا صلعم قلم دوات طلب فرماتے تھے؟ کیا حضرت رسولؐ کو خبر نہیں تھی کہ قرآن میں مذکورہ بالا آیت نازل ہو چکی ہے؟ باوجود اسکے حضرت صلعم نے کوئی نوشتہ چھوڑ کر جانا چاہا اور قرآن مجید کی اس آیت کو اپنی امت کی ہدایت کے لئے کافی نہیں سمجھا جب ہی تو فرمایا کہ دوات کاغذ لاؤ میں تمہارے لیے ایک تحریر لکھدوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے"۔ پھر حضرت عمر نے قلم دوات کیوں نہیں دی؟ آپ لکھتے ہیں "اس لئے حضرت عمر نے آپ کو تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھا" یہی تو اعتراض ہے کہ جب حضرت رسول خدا صلعم خود طلب فرماتے تھے تو حضرت عمر نے اپنی عقل پر کیوں عمل کیا؟ اور فعل رسولؐ کی مناسبت یا عدم مناسبت کا فیصلہ اپنی رائے سے کیوں کر دیا؟ اگر اور مسلمان کہتے کہ "اے حضرت عمر آپ رسولؐ سے کہیں کہ کوئی وصیت لکھ جائیں تاکہ ہم لوگ حضورؐ کے بعد گمراہ نہ ہوں" تو حضرت عمر کو یہ خیال کرنا یا کہنا کچھ مناسب ہو سکتا تھا کہ اس وقت حضور بڑی تکلیف میں ہیں۔ درد کی حالت سے خود ہی پریشان ہوں گے۔ لکھنے کی زحمت دینے سے آپکی تکلیف بڑھ جائیگی۔ یا حضرت عائشہ وغیرہ نے کوئی فرمائش کی ہوتی کہ اے حضرت عمر اب تو رسولؐ دنیا سے جاتے ہیں۔ کوئی نوشتہ بھی نہیں چھوڑے جاتے۔ آپ کوئی صورت ایسی کیجئے کہ حضرتؐ اپنے بعد کے امور کے لئے کچھ لکھ دیں"۔ اور ان کے جواب میں حضرت عمر کہتے کہ "تم رسولؐ کی حالت دیکھتی نہیں ہو؟ آپکی تکلیف اور پریشانی سے کیا بے خبر ہو؟ ایسی صورت میں حضور سے کسی امر کی فرمائش کرنے کا کون سا موقع ہے؟ اس وقت تو جہاں تک ہو سکے حضرتؐ کی خدمت کر لینے اور حضورؐ کو آرام پہونچا دینے کی کوشش کرنی چاہئے اور تمہیں اپنے آئندہ امور کو خدا کے حوالہ چھوڑ دینا چاہئے"۔ یا اگر حضرت سیدہؑ چاہتیں کہ اپنے پدر بزرگوار سے امت کے نام اپنے لئے کوئی سفارش نامہ تحریر کرالیں جس سے آپکی آئندہ زندگی آرام و اطمینان سے بسر ہو سکے اور اس وقت حضرت عمر آپ کو یہ جواب دیتے کہ "تم اپنے پدر بزرگوار کی حالت دیکھتی نہیں ہو۔ حضرتؐ کے کرب اور بے چینی کی وجہ سے اس کا موقع بھی ہے کہ حضرتؐ سے ایسی بات کی خواہش کیجائے؟ اس وقت تو جو بات آپکی تکلیف بڑھا دے اس سے حضورؐ کو بچانے کی کوشش

کرنی چاہیئے۔ اگر لکھنے یا لکھوانے کی خواہش کی جائیگی تو بجائے سکون کے آپ کے مرض میں بہت زیادتی ہو جائیگی جس کو حضرتؐ کا ضعف برداشت نہیں کر سکیگا"۔ تو حضرت عمر کی یہ بات سب کو پسند ہوتی اور ہر شخص کہتا کہ آپ کو حضرت رسولؐ کی جو محبت تھی اُس نے اس بات پر آمادہ کیا اور یہی آپ کو کرنا اور کہنا چاہیئے تھا مگر جب حضرت رسول خدا صلعم نے خود اپنی طرف سے فرمایا کہ "دوات کاغذ لاؤ میں تمہارے لیئے ایک تحریر لکھدوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے" تو حضرت عمر نے آپ کو خدا کا رسولؐ سمجھکر آپکی اطاعت کیوں نہیں کی اور قلم دوات کیوں نہیں دے دی؟ حضرت رسول خدا صلعم اُس وقت اپنے عہدۂ نبوت و رسالت سے معزول تو نہیں کر دیئے گئے تھے اور آپکی اطاعت کا حکم منسوخ تو نہیں ہوا تھا پھر آپ نے ارشاد رسولؐ کی مخالفت کیوں کی؟ کیوں نہیں آپکو قلم دوات دے دی؟ خدا نے فرمایا ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی اگر تمکو اللہ کی محبت ہے تو میری راہ پر چلو (پ ۳ ع ۱۱) واطیعوا اللہ والرسول لعلکم ترحمون اللہ اور اُسکے رسولؐ کا کہا مانو اس لیئے کہ تم پر رحم ہو (پ ۴ ع ۵) ومن یطع اللہ ورسولہ یدخلہ جنات جو لوگ اللہ اور اُسکے رسولؐ کے حکم پر چلیں تو اللہ انکو بہشتوں میں لیجائیگا (پارہ ۵۔ ۴ ع ۱۳) یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول مسلمانو! اللہ تعالے کا حکم مانو اور اسکے رسولؐ کا حکم مانو (پ ۵ ع ۵) وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ۔ اور ہم نے جو رسول بھیجا وہ اسی لیئے کہ اللہ کے حکم سے اس کا کہا مانا جائے (پ ۵ ع ۶) ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا۔ جو اللہ اور رسولؐ کا کہا مانیں وہ جنت میں اُن لوگوں کے ساتھ ہونگے جن کو اللہ نے سرفراز کیا ہے۔ یعنی پیغمبر اور صدیق اور شہید اور نیکوکاروں کے ساتھ اور ان لوگوں کا ساتھ اچھا ہے (پ ۵ ع ۶) من یطع الرسول فقد اطاع اللہ جو رسولؐ کا کہا مانے اُس نے اللہ کا کہا مانا (پ ۵ ع ۸) اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول اور اللہ و رسولؐ کا کہا مانو (پ ۶ ع ۲) فآمنوا باللہ ورسولہ تو اللہ اور اسکے رسولؐ پر ایمان لاؤ۔ (پ ۹ ع ۱۰) واطیعوا اللہ و رسولہ ان کنتم مومنین اور اللہ اور اسکے رسولؐ کا کہا مانو اگر تم میں ایمان ہے (پ ۹ ع ۱۵) واطیعوا اللہ ورسولہ اور اللہ و رسولؐ کا کہا مانو (پ ۱۸ ع ۲) ومن یطع اللہ ورسولہ ویخش اللہ ویتقہ فاولئک ھم الفائزون اور جو شخص اللہ و رسولؐ کا حکم مان لے اور اللہ سے ڈرتا رہے تو ایسے ہی لوگ کامیاب

ہوں گے (پ ۱۸ ع ۱۴) واطیعوا الرسول لعلکم ترحمون اور رسولؐ کا کہا مانو اس لئے کہ تم پر رحم کیا جائے (پ ۲۲ ع ۱۳) ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیما جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کے کہے پر چلے اس نے بڑی مراد پائی (پ ۲۲ ع ۶) ۔ واطیعوا اللہ ورسولہ خدا اور اسکے رسولؐ کا کہا مانیئے رہو (پ ۲۶ ع ۲) ۔ ان آیات میں کہیں بھی خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر رسولؐ حالت صحت میں ہوں تو ان کا حکم مانو اور حالت مرض میں ہوں تو ان کا حکم نہ مانو کسی اشارہ سے بھی یہ بات نہیں فرمائی کہ اگر رسولؐ اطمینان و آرام سے ہوں تو انکی اطاعۃ کرو اور اگر تکلیف یا درد یا زحمت میں ہوں تو انکی اطاعۃ نہ کرو بلکہ مطلق اطاعۃ کا حکم ہے ۔ اس کا مقتضٰے یہی ہونا چاہیئے کہ رسولؐ جب تک زندہ رہیں ۔ جب تک خدا کے یہاں واپس نہ جائیں ۔ جب تک دنیا میں کچھ بول یا کہہ سکیں یا اشارہ کنایہ بھی کر سکیں اُس وقت تک انکی ہر بات مانو ہر حکم کی اطاعۃ کرو اور کسی امر میں ذرہ برابر چون وچرا نہ کرو ۔ پھر حضرت عمر نے کیوں نہیں حضرت رسولِ خدا کو قلم دوات دینے سے حضرتؐ کی اطاعۃ کا شرف حاصل کیا ؟ دو حالت سے خالی نہیں ۔ یا حضرت عمر مسلمان نہ مانے جائیں تو آپ پر خدا اور رسولؐ کی اطاعۃ بھی بظاہر واجب نہیں کہی جا سکتی ۔ یا مسلمان مانے اور حکم رسولؐ کے مخالف کہے جائیں ۔ مولوی شبلی صاحب پہلی صورت قبول نہیں کر سکتے ۔ تو دوسری ہی صورت تسلیم کرنی ہوگی کہ حضرت عمر نے حکم رسولؐ کی مخالفت کی اور حضرتؐ کو آخر زندگی میں اپنی نافرمانی سے تکلیف پہونچائی ۔ حالانکہ خدا نے جس طرح خدا اور رسولؐ کی اطاعۃ کا حکم دیا ہے اسیطرح خدا اور رسولؐ کی مخالفت سے ڈرایا ہے قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکافرین اے رسولؐ کہہ دو کہ تم لوگ اللہ و رسولؐ کی اطاعۃ کرو لیکن اس کو اگر وہ نہ مانیں تو اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا (پ ۳ ع ۱۱) یہ آیت نہایت سخت ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ جو لوگ کسی وقت اور رسولؐ کی کسی حالت میں بھی خدا اور رسولؐ کا حکم نہیں مانیں گے ان کو خدا کافر سمجھے گا کیونکہ ان کا حکم نہ ماننے والوں ہی کو وہ یہاں کافرین کے لفظ سے یاد کر رہا ہے ۔ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ اگر وہ لوگ رسولؐ کی صحت کی حالت میں اس کا حکم نہیں مانیں گے تو کافر ہوں گے اور مرض کی حالت میں اس کا حکم نہیں مانیں گے تو کافر نہیں ہونگے بلکہ مطلق فرما کر واضح کر دیا کہ اگر رسولؐ کی زندگی کی کسی ساعۃ میں بھی اسکے حکم سے عدول کرینگے تو وہ خدا کے ہاں کافرین کی فہرست میں شمار کر لئے جائیں گے ۔ پھر فرمایا ہے ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ نارا خالدا فیہا ولہ عذاب مہین اور جو شخص اللہ اور اُس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے اور اسکی حدود سے بڑھ جائے تو اللہ اس کو دوزخ

Marfat.com

میں جھونک دیگا جس میں وہ ہمیشہ پڑا رہیگا اور اُس کے لئے ذلیل عذاب ہوگا (پ ۴ ع ۱۳)۔ اسمیں بھی خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص رسُول کی صحت میں اُنکے حکم کی نافرمانی کرے گا صرف اُس کو اللہ دوزخ میں ڈالیگا اور محض اُسی کے لئے ذلیل عذاب ہوگا اور جو رسُول کے مرض کی حالت میں انکی نافرمانی کرے گا اُس کو خدا دوزخ میں نہیں جھونکے گا۔ اور اسکے لئے ذلیل عذاب نہیں ہوگا۔ پھر فرماتا ہے ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین نوله ما تولیٰ ونصله جهنم وساءت مصیرا اور جو کوئی سیدھی راہ کھل جانے کے بعد پھر پیغمبر کا خلاف کرے اور مسلمانوں کے رستے کے سوائے دوسرا رستہ لے ہم اس کو اسی رستہ پر لے چلیں گے اور اس کو دوزخ میں جھونک دینگے اور وہ اس کا بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے (پ ۵ ع ۱۴)۔ اس میں بھی خدا نے اسکی قید نہیں کی کہ جو شخص رسُول کی صحت میں انکے خلاف کرے گا اسکو دوزخ میں ڈالے گا اور رسُول کے مرض یا ضعف میں انکے خلاف کرے گا اس کو جہنم میں داخل نہیں کرے گا۔ بلکہ ہر حالت میں رسُول کی نافرمانی کرنیوالوں کی وہی سزا مقرر کیگئی ہے۔ واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واحذروا فان تولیتم فاعلموا انما علی رسولنا البلاغ المبین۔ اللہ اور رسُول کا کہا مانو اور خدا سے ڈرو (کہ اگر تم نافرمانی کی مخالفت تم سے نہ ہونے پائے) پھر اگر تم نہ مانو تو یہ سمجھ لو کہ ہمارے رسُول کا فرض صرف احکام خدا کا کھول کر بیان کر دینا ہے (پ ۷ ع ۲) پھر فرماتا ہے ذلک بانهم شاقوا اللہ ورسوله ومن یشاقق اللہ ورسوله فان اللہ شدید العقاب۔ ان لوگوں کی یہ سزا اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے اللہ و رسُول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ و رسُول کی مخالفت کریگا! للہ اس کو سخت عذاب دینے والا ہے (پ ۹ ع ۱۶) یا ایها الذین آمنوا اطیعوا اللہ ورسوله ولا تولوا عنه وانتم تسمعون ولا تکونوا کالذین قالوا سمعنا وهم لا یسمعون۔ اے ایمان والو! اللہ و رسُول کا کہا مانو اور رسُول کا حکم سُن کر اس سے منہ مت پھیرو اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم نے سُنا لیکن اپنے عمل سے نہیں ثابت کرتے کہ انھوں نے سُنا ہے (پ ۹ ع ۱۰) الم یعلموا انه من یحادد اللہ ورسوله فان له نار جهنم خالدا فیها ذلک الخزی العظیم۔ کیا ان لوگوں کو یہ نہیں معلوم ہے کہ جو اللہ و رسُول کی مخالفت کرے گا اس کے لئے دوزخ کی آگ طیار ہے جسمیں وہ ہمیشہ رہیگا یہ بڑی رسوائی ہے (پ ۱۰ ع ۱۴) فلیحذر الذین یخالفون عن امره ان تصیبهم فتنة او یصیبهم عذاب الیم۔ پھر جو لوگ رسُول کا حکم نہیں مانتے اُنکو ڈرنا چاہیے

کہ ان پر کوئی مصیبت یا دردناک عذاب نازل ہو جائے (پ ۱۸ ع ۱۵) یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم۔ مسلمانو! اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور انکے خلاف کرکے اپنے اعمال نہ مٹا دو (پ ۲۶ ع ۸) یہ آیت بھی بہت ہیبت ناک ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کسی وقت بھی رسولؐ کی بات رد کردیگا۔ یا آپ کے حکم سے سرتابی کرے گا اسکے کل اعمال ملیامیٹ ہو جائیں گے۔ نماز، روزہ تک اُسکے نامۂ اعمال سے مٹا دیا جائیگا۔ اس آیت میں بھی اسکی قید نہیں ہے کہ جب رسولؐ حالت صحت میں ہوں تب انکی مخالفت کرنے والوں کے کل اعمال باطل ہو جائیں گے اور جب حالت مرض میں ہوں تب انکے احکام کی نافرمانی کرنے والوں کے کل اعمال باطل نہیں ہوں گے بلکہ درست رہیں گے۔ اس کا نتیجہ صاف ہے کہ رسولؐ کی صحت، مرض ضعف۔ ناتوانی غرض ہر حالت کی بات واجب التعمیل ہے۔ اور جو شخص حضرتؐ کی کسی حالت میں بھی حضرتؐ کی نافرمانی کرے گا اسکے کل اعمال باطل کر دیئے جائیں گے۔ ومن یعص اللہ ورسولہ فان لہ نار جہنم خالدین فیھا ابدا اور جو لوگ اللہ و رسولؐ کی نافرمانی کریں گے اُنکے لئے دوزخ کی آگ موجود ہے۔ اور وہ اس میں ہمیشہ پڑے رہیں گے (پ ۲۹ ع ۱۲) اگر انسان غور کرے تو حسب ذیل آیات خاص طور پر بتاتی ہیں کہ حضرتؐ کے دوات قلم طلب کرنے پر حضرت عمر کو بالکل عذر نہیں کرنا چاہیئے تھا بلکہ آپ کا فرض تھا کہ فوراً حاضر کر دیتے۔ یا ایھا الذین آمنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم مسلمانو! جب رسولؐ تمکو ایسے کام کے لئے بلائیں جس میں تمہاری دنیوی اور دینی زندگی (یعنی ہدایت) ہے تو اللہ اور رسولؐ کا حکم مانو (پ ۹ ع ۱۷)۔ یہ واضح ہے کہ اس وقت بھی حضرت رسولخدا صلعم مسلمانوں کو جو حکم دے رہے تھے وہ اپنی ذات کے لئے نہیں تھا۔ اپنے کھانے پینے کے لئے نہیں تھا۔ اپنے لباس اور فرش کے لئے نہیں تھا۔ اپنی دولت وجائداد کے لئے نہیں تھا۔ اپنی اولاد کے لئے نہیں تھا جناب سیدہؑ و امام حسنؑ و حسینؑ کی راحت رسانی کے لئے نہیں تھا بلکہ مسلمانوں کو گمراہی سے بچانے کے لئے تھا کیونکہ خطاب صحابہ ہی سے تھا اور ان الفاظ میں تھا جسکے بعد تم گمراہ نہ ہوگے" جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ نوشتہ مسلمانوں کی دنیوی اور دینی زندگی ہی کے لئے ہوتا مگر حضرت عمر نے اس کو لکھنے نہیں دیا اور ان تمام آیات قرآن مجید سے چشم پوشی کرلی اور اسکے احترام سے بھی غض بصر کیا۔ حالانکہ اگر آپؐ وصیت نامہ نہ رد کرتے تو حضرتؐ کے بعد ہی مسلمانوں میں [illegible] پیدا ہو گئے وہ نہ ہوتے۔

Marfat.com

یہ تو یقینی ہے کہ وفات رسولؐ کے بعد مسلمانوں میں دو فرقے ہو گئے اور یہ بھی یقینی ہے کہ دونوں ہی سیدھے راستے پر نہیں کہے جا سکتے۔ ایک فرقہ یقیناً گمراہ ہوا تو اس گمراہی کا باعث کون قرار پایا؟ اگر حضرتؐ کی وہ وصیت لکھ گئی ہوتی تو حضرت عمر پر کوئی الزام نہیں آتا اور آپ کے دامن پر یہ دھبا نہ لگتا کہ آخر وقت میں رسولؐ جو وصیت لکھنی چاہتے تھے اس کو آپ ہی نے روک دیا۔ اور رسولؐ دنیا سے جاتے وقت اپنی آخری تمنا کے پوری نہ ہونے کا داغ حضرت عمر ہی کی وجہ سے لے گئے۔ یہ آیۃ بھی صاف ہے وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا کسی مسلمان مرد یا کسی مسلمان عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ و رسولؐ کسی بات کا حکم کر دیں تو پھر اس کو اس بات میں کوئی اختیار رہے اور جو شخص اللہ و رسولؐ کا حکم نہ مانے وہ کھلا گمراہ ہو چکا (پ ۲۱ ع ۲)۔ اس حکم کو بھی خدا نے عام رکھا ہے کہ رسولؐ خواہ صحت کی حالت میں کوئی حکم دے یا مرض میں کہے کسی وقت بھی کسی مسلمان کو اس میں دخل دینے کا اختیار نہیں رہتا۔ یہاں بھی حضرت رسولؐ خدا قلم دوات لانے کا حکم دیتے ہیں مگر حضرت عمر فرماتے ہیں کہ "آپ کو تکلیف دینا مناسب نہیں"۔ حالانکہ قلم دوات کا نہ دینا ہی حضرتؐ کی تکلیف کا باعث تھا۔ اگر اس وقت وصیت نامہ لکھنے کی واقعی اور شدید ضرورت نہ ہوتی تو خدا آنحضرتؐ کو حکم ہی نہیں دیتا کہ تم صحابہ سے قلم دوات لیکر وصیت لکھ دو کیونکہ آنحضرتؐ تو کوئی قول اپنے دل سے نہیں کہتے بلکہ وحی خدا نازل ہونے پر فرماتے تھے جیسا کہ خدا نے فرمایا وما ینطق عن الھوے ان ھو الا وحی یوحیٰ۔ میرا رسولؐ کوئی بات اپنے دل سے نہیں کرتا بلکہ جو کہتا ہے وہ میری وحی نازل ہونے کے بعد ہی کہتا ہے (پ ۲۷ ع ۵) اس وجہ سے ماننا پڑے گا کہ حضرت رسول خدا صلعم نے آخری وقت جو فرمایا کہ مجھے قلم دوات دو میں ایسی چیز لکھ دوں جسکے بعد تم لوگ گمراہ نہ ہو گے۔ یہ بھی وحی خدا کے مطابق فرمایا تھا پس اگر آپ کا اس وقت وصیت نامہ لکھنا مناسب نہ ہوتا تو خدا آنحضرتؐ کو اس کا حکم دیتا ہی نہیں۔ اب ہر مسلمان فیصلہ کر سکتا ہے کہ خدا نے تو آنحضرتؐ کو وصیت نامہ لکھنے کا حکم دیا اور حضرت عمر نے کہا کہ ایسا کرنا آپ کے لئے مناسب نہیں۔ ان دونوں میں کسکی بات ماننے کے قابل تھی۔ خدا کی یا حضرت عمر کی۔ اور حکم خدا کے مقابلہ میں حضرت عمر نے اپنی رائے پر عمل کیا تو اس سے آپ نے خدا اور رسولؐ کو خوش کیا یا ناراض۔ اگر آپکے اس قول پر رسول خدا صلعم خاموش رہ جاتے تو معلوم ہوتا کہ آپ نے اس کا اثر نہیں لیا لیکن آنحضرتؐ نے تو ایسی بات فرمادی

Marfat.com

جس سے حضرتؐ کی کمال درجہ اذیت واضح ہوگئی کہ فرمایا قوموا عنی۔ میرے پاس سے چلے جاؤ۔ اگر حضرت رسولخدا صلعم ہذیان کی باتیں کرتے ہوتے تو آپکو خبر بھی نہیں ہوتی کہ وہاں آپ کے متعلق کیا رائے زنی ہو رہی ہے۔ لیکن آپ کا یہ فرمانا کہ "یہاں سے چلے جاؤ" بتاتا ہے کہ حضرتؐ کے حواس بالکل درست تھے، ذرہ برابر بھی بے خبری یا غلبہ درد کا اثر نہیں تھا اور جس طرح صحت کی باتیں ہوتی تھیں۔ اسی طرح کا کلام یہ بھی تھا۔ یہ آیت بھی قابل لحاظ ہے وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب۔ اے مسلمانو! پیغمبرؐ جو حکم تم کو دیں اس کو ضرور مان لینا اور جس چیز سے منع کریں اس سے ضرور باز رہنا اور اللہ سے ڈرتے رہنا (یعنی پیغمبرؐ کے خلاف نہ کرنا کہ) بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے (پ ۲۸ ع ۴)۔ یہ حکم بھی عام ہے۔ رسولؐ کی صحت یا مرض پر موقوف نہیں ہے کہ جب رسولؐ صحیح ہوں تو انکی بات مانو اور جب وہ مریض ہوں تو انکی بات نہ ماننا۔ اسکے بعد مولوی صاحب لکھتے ہیں "اگر کوئی ضروری حکم ہوتا تو آنحضرت صلعم کسی کے روکنے سے کیونکر رک سکتے تھے"۔ سبحان اللہ کتابوں میں بھرا ہوا ہے اور آپ نے خود بھی نقل کیا ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا "میں تمہارے لیے ایک تحریر لکھدوں جسکے بعد تم گمراہ نہ ہوگے" اس کے بعد آپ لکھتے ہیں "اگر ضروری حکم ہوتا تب وہ ایسی تحریر ہوتی جسکے بعد مسلمان گمراہ نہ ہوتے تو اس کے ضروری ہونے میں کسی مسلمان کو شک ہو سکتا ہے؟ آنحضرتؐ کے قول کا نتیجہ یہی تو ہوا کہ اگر وہ تحریر نہیں لکھی جاتی تو لوگ گمراہ ہو جاتے۔ پھر جو تحریر مسلمانوں کو گمراہی سے بچا سکتی اس سے زیادہ ضروری بات کیا ہو سکتی تھی؟ قرآن مجید بھی تو اسی لیے نازل ہوا کہ اس کے بعد لوگ گمراہ نہ ہوں۔ اسلام اسی لیے آیا کہ لوگ گمراہی سے نکلیں۔ حضرت رسولخدا صلعم اسی لیے تو بھیجے گئے کہ لوگوں کو گمراہی سے نجات دیں۔ اسی گمراہی سے بچانے کے لیے حضرتؐ وہ وصیت نامہ بھی لکھنا چاہتے تھے۔ اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ اس وصیت نامہ کی اتنی ہی ضرورت تھی جس قدر قرآن مجید کے نازل ہونے کی۔ اس وصیت کا اسی قدر فائدہ ہوتا جس قدر دین اسلام کے آنے کا ہوا۔ اور اس وصیت سے وہی نفع پہونچتا جو حضرت رسولخدا صلعم کے مبعوث برسالت ہونے سے پہونچا اور اسکی وجہ بھی ہے کہ جس طرح حضرتؐ نے اپنی زندگی بھر مسلمانوں کو گمراہی سے بچانے کی کوشش کی۔ اسی طرح اب اپنی وفات کے بعد بھی ان سب کو گمراہی سے محفوظ کرنے کے لیے وصیت لکھدینا چاہی۔ اگر وہ وصیت نامہ لکھ گیا ہوتا تو جس طرح آنحضرتؐ کی زندگی میں قرآن مجید سے اور خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لوگوں کی ہدایت

Marfat.com

ہوتی رہتی تھی۔ اُسی طرح آنحضرتؐ کی وفات کے بعد لوگ ہدایت پر قائم رہتے مگر وہ وصیت نامہ نہیں لکھنے دیا گیا اس وجہ سے مسلمانوں میں گمراہی کے دروازے کھُل گئے۔ یہ سوال کہ "کسی کے روکنے سے کیونکر رُک سکتے تھے"۔ کس درجہ حیرت خیز ہے۔ خود ہی لکھتے ہیں کہ "حضرتؐ نے وصیت نامہ لکھنے کو قلم دوات مانگی اور لوگوں نے نہیں دیا"۔ اور خود ہی لکھتے ہیں کہ "کیونکر رُک سکتے تھے"۔ اے جناب! جس طرح اُس وقت حضرت عمر وغیرہ کے روکنے سے رُک گئے اُسی طرح باقی چار دن بھی رُک گئے حضرتؐ کا اب بس ہی کیا تھا۔ مگر حضرت عائشہ کا تھا جس میں حکومت صرف حضرت ابوبکر وغیرہ کی تھی، اور مرض و ناتوانی کی حالت یہ پہنچ گئی تھی کہ خود قلم دوات تک نہیں اُٹھا سکتے تھے۔ خود کاغذ تک نہیں لے سکتے تھے۔ تو اب لکھتے کیونکر؟ اگر حضرتؐ کا اختیار کچھ بھی باقی رہتا تو کاغذ قلم دوات طلب کرنے پر کیا لوگوں کو اتنی ہمت ہوتی کہ حضرتؐ کے منہ پر کہہ دیتے ان الرجل لیھجر۔ یہ شخص ہذیان بک رہا ہے۔ یہ جملے ہی بتاتے ہیں کہ حضرت رسولخدا صلعم کس درجہ مجبور اور بے بس ہو چکے تھے کہ اپنی طاقت جواب دے چکی تھی۔ حضرت عائشہ حضرت ابوبکر و عمر کے خلاف کر نہیں سکتی تھیں۔ اور حضرت عمر کسی طرح لکھنے نہیں دیتے تھے۔ تو اب اور کون سی صورت باقی رہ گئی تھی جس سے آنحضرت صلعم بعد میں وہ وصیت نامہ لکھتے یا لکھوا دیتے۔ آپ لکھتے ہیں "اُس وقت نہ سہی بعد کو لکھوا دیا ہوتا"۔ یہ اُس وقت ہوتا جب آنحضرت صلعم حضرت عائشہ کے گھر سے اُٹھ جاتے۔ حضرت علیؑ و ابن عباس وغیرہ کا کچھ اختیار رہ جاتا۔ دوسرے صحابہ کو کچھ خدمت کرنے کا موقع ملتا۔ یا حضرتؐ ہی میں اتنی طاقت آجاتی کہ کسی کے روکے نہیں رُکتے۔ خود بڑھکر قلم دواتؐ لے لیتے۔ خود ہی اُٹھکر کاغذ حاصل کر لیتے اور وصیت نامہ لکھکر حضرت ابوبکر و عمر و عائشہ کی حفاظت سے نکلکر حضرتؐ دوسرے صحابہ سے کچھ کہنے یا ان کو کچھ دینے پاتے۔ لیکن جب تک آپ اپنی زندگی میں اسی حالت میں رہے جو قلم دوات طلب کرتے وقت تھی اُس وقت تک تو اس وصیت نامہ کے لکھنے میں وہی مشکلات حائل رہتیں جو پہلے ہی وقت مانع ہو گئیں۔ اگر حضرتؐ چار دن کے بعد وہ وصیت نامہ لکھنے کی قدرت پا سکتے تو پہلی ہی دفعہ کیوں اس ناکامیابی کا صدمہ برداشت کرتے؟ چار دن کے بعد تو حضرتؐ اور زیادہ کمزور۔ مضمحل اور دوسروں کے محتاج ہو گئے تھے۔ اور پہلی دفعہ وصیت نامہ لکھنے کا ارادہ ظاہر کر کے تو ہذیان کا لقب پا چکے تھے۔ اب پھر اس کا خیال کر کے کیا مجنون وغیرہ خطاب کا موقع مہیا فرما دیتے؟ حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تو جانتے تھے

کہ من جرب المجرب حلت بہ الندامۃ ۔ جو شخص ایک دفعہ تجربہ کرنے کے بعد پھر اُس چیز کا تجربہ کرتا ہے وہ ندامت و افسوس میں مبتلا ہو جاتا ہے ۔ پھر کیوں اُس بدمزگی اور بے لطفی کا ماسان ہونے دیتے ۔ پھر آپ لکھتے ہیں "اور یہ کیونکر معلوم ہوا کہ آپؐ (حضرت رسولخدا صلعم) کس دین کو پسند کرتے تھے" ۔ حضرتؐ تو صاف فرما رہے ہیں "ایک تحریر لکھدوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے" ۔ اس کا مطلب اس کے سوائے کیا ہو سکتا ہے کہ حضرتؐ سچے اسلام پر باقی رہنے کی صورت لکھکر مسلمانوں کو بتا دینا چاہتے تھے کہ اسی طرح چلو گے تو اُس دین پر باقی رہو گے جو میں تم لوگوں کے پاس لایا تھا اور جس کو میں اس وقت تک خدا کا سچا مذہب بتاتا رہا ہوں ۔ اگر اب بھی اسکی تعیین نہیں ہوئی تو اسلام کے مشہور علماء کے اقوال ملاحظہ فرمایئے ۔ جناب شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلوی نے لکھا ہے :- کان النبیؐ اراد ان یکتب تعیین واحد من الصحابۃ للخلافۃ لئلا یقع بعدہ نزاع منہم وکان بکاء ابن عباس لفوات معتقدہ من ھذا الخیر ۔ حضرت رسولخدا صلعم چاہتے تھے کہ صحابہ سے ایک شخص کو اپنی خلافت کے لئے معین فرما دیں تاکہ حضورؐ کے بعد مسلمانوں میں نزاع نہ پیدا ہو ۔ اور حضرت ابن عباس جو اس حدیث کو یاد کرکے روتے تھے تو وہ بھی اسی خیال سے کہ اس بہترین انتظام کی صورت درہم برہم کردیگئی (اشعۃ اللمعات جلد ۱ صـ) اور علامہ خفاجی شارح شفاء قاضی عیاض لکھتے ہیں ۔ فصل فان قلت فقد تقررت عصمتہ فی اقوالہ فما معنے الحدیث فی وصیتہ من الباب الثانی من القسم الثالث قال سفیان اراد ان یبین امر الخلافۃ بعدہ حتے لا یختلفوا فیہا فصل اگر تم کہو کہ یہ بات طے شدہ ہے کہ حضرت رسولؐ اپنے اقوال میں معصوم تھے ۔ پھر قسم ثالث کے دوسرے باب میں حضرت کی وصیت کے متعلق جو حدیث ہے اس کا مطلب کیا قرار پائیگا ۔ سفیان کہتے تھے کہ حضرتؐ نے ارادہ کیا تھا کہ اپنے بعد خلافۃ کے مسئلہ کو خود ہی طے کر دیں تاکہ اس کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف نہ پیدا ہو (نسیم الریاض جلد صـ) اور علامہ کرمانی نے خطابی سے نقل کیا ہے کہ ھذا یتاول علے وجھین احدھما انہ اراد ان یکتب اسم الخلیفۃ بعدہ لئلا یختلف الناس ولا یتنازعوا فیودیھم ذلک الی الضلال ۔ اس امر کی تاویل دو صورتوں سے ہو سکتی ہے ۔ ایک یہ کہ آنحضرتؐ اپنے بعد اپنے خلیفہ کا نام لکھنا چاہتے تھے

ص کیا لکھوانا چاہتے تھے" یہ ایسا ہی سوال ہے جیسے کوئی شخص کہے "یہ کیونکر معلوم ہوا کہ آپ

Marfat.com

تاکہ لوگ اسکے بارے میں اختلاف نہ کرنے لگیں اور انمیں نزاع نہ قائم ہوجائے جو ان کو گمراہی کی حد تک پہونچادے (شرح صحیح بخاری از علامہ کرمانی) اور علامہ ابن حجر نے اکتب لکم کتابا کی شرح میں لکھا ہے "ارادان ینص علی اسامی الخلفاء بعدہ" اس وصیت نامہ سے حضرتؐ اپنے بعد اپنے خلفاء کی تعیین فرما دینا چاہتے تھے (فتح الباری پ ۱۰ ص ۱۰۶ مطبوعہ دہلی) اور علامہ نووی نے لکھا ہے:۔

قد اختلف العلماء فی الکتاب الذی هم النبیؐ به فقیل اراد ان ینص علی الخلافة فی انسان معین لئلا یقع نزاع وفتن۔ علماء نے اس امر میں اختلاف کیا ہے کہ آنحضرتؐ وصیت نامہ میں کون سا مضمون لکھنا چاہتے تھے۔ لوگوں نے کہا ہے کہ حضرتؐ نے ارادہ کیا کہ اپنا خلیفہ کسی خاص شخص کو معین کردیں تاکہ جھگڑا اور فتنہ و فساد نہ قائم ہو (شرح صحیح مسلم جلد ۲ ص ۴۲) اور جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب نے لکھا ہے "ایتونی بدواۃ وقرطاس۔ آنحضرتؐ نے مرض موت میں فرمایا دوات اور کاغذ میرے پاس لاؤ۔ میں ایک ایسی کتاب تم کو لکھدوں کہ تم میرے بعد اگر اس پر چلو تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ اس وقت حجرے میں بہت سے صحابہ تھے۔ کسی نے کہا لاؤ کسی نے کہا آپ پر بیماری کی شدت ہے ایسے وقت میں آپ کو کتاب لکھوانے سے اور زیادہ تکلیف ہوگی۔ غرض گفتگو ہونے لگی۔ آخر آنحضرتؐ نے فرمایا چلے جاؤ پیغمبرؐ کے پاس جھگڑا کرنا مناسب نہیں غرض یہ کتاب نہ لکھی گئی۔ عبداللہ بن عباس ساری عمر اس پر افسوس کرتے رہے۔ اس حدیث کو حدیث القرطاس کہتے ہیں شیعوں نے اس کو صحابہ کے خلاف ایک بڑی دلیل سمجھا ہے اور اس پر خوب بحث کی ہے اور اہلسنت نے ان کے اعتراضوں کے جواب دیئے ہیں۔ اور اللہ خوب جانتا ہے کہ آپ کیا لکھوانے والے تھے۔ بہرحال اگر کتاب لکھی جاتی تو شاید آپ کی وفات کے بعد اتنا اختلاف نہ ہوتا جتنا ہوا اگر اللہ کی تقدیر ایسی تھی کہ کتاب نہ لکھی جائے۔ ایسا ہی ہوا۔ رضینا بقضائه ورضائه" (انوار اللغۃ پ ۲۱ ص ۶۳)۔ اس عبارت میں مولوی صاحب نے گو صاف صاف نہیں کہا ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم خلافت کا مسئلہ طے کردینا چاہتے تھے مگر دبے الفاظ میں اس کو واضح کردیا ہے کیونکہ یہ جملہ "بہرحال اگر کتاب لکھی جاتی تو شاید آپکی وفات کے بعد اتنا اختلاف نہ ہوتا جتنا ہوا"۔ انکے مقصود کا اعلان کرنے کے لئے کافی ہے۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد اختلاف و فساد اور کس امر میں ہوا؟ کیا خلافت کے سوائے بھی اسوقت کوئی مسئلہ مسلمانوں کے اختلاف کا باعث ہوا؟ کیا سقیفہ بنی ساعدہ کے جھگڑے اور منا

Marfat.com

امیلو منکم امیلو کی صدائیں نہیں کہتیں کہ یہی وہ اختلاف تھا جسکے روکنے کے لئے آنحضرت صلعم وصیت نامہ لکھ دینا اور مسلمانوں کو گمراہی سے بچا لینا چاہتے تھے۔ اس کے بعد مولوی صاحب کا یہ جملہ "مگر اللہ کی تقدیر ایسی تھی کہ کتاب نہ لکھی جائے"۔ کس درجہ حیرت خیز ہے۔ خدا ہی نے تو آنحضرتؐ کو حکم دیا کہ وصیت نامہ لکھ دو تاکہ تمہارے بعد مسلمان اختلاف نہ کریں اور گمراہی کے گڈھے میں نہ گریں۔ پھر خدا ہی کی تقدیر ایسی کیوں ہوتی کہ کتاب نہ لکھی جائے۔ خدا تو حکم دیتا ہے کہ نماز پڑھو رسولؐ تاکید فرماتے رہے کہ تارک الصلوۃ نہ بنو۔ مگر اب جو لوگ نماز نہیں پڑھتے ہیں ان کے بارے میں بھی کیا آپ یہی کہیں گے کہ اللہ کی تقدیر ایسی تھی کہ یہ لوگ نماز نہ پڑھیں۔ پھر جو شخص تارک الصلوۃ ہوگا اُس کو خدا عذاب کرے گا یا نہیں۔ اگر نہیں کرے گا تو نماز پڑھنے والا اور وہ برابر ہوا۔ اور اگر عذاب کرے گا تو کیوں۔ اس لئے کہ خدا ہی کی تقدیر تو ایسی تھی کہ وہ نماز نہ پڑھے۔ غرض اپنے بزرگوں کے عیوب پر پردہ ڈالنے کے لئے خدا پر اعتراض کی پروا بھی نہیں کی جاتی۔ افسوس۔ اگر اب بھی رسولؐ خدا صلعم کا مقصود واضح نہیں ہوا تو اب اُن بزرگ کی تحریر ملاحظہ فرمایئے جو آپکے بڑے گہرے اور معزز دوست تھے۔ اور آپ کے ہم پلہ مصنف مانے جاتے ہیں شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی لکھتے ہیں "اب پھر فاطمہؓ اور ابوبکرؓ اور علیؓ اور عائشہؓ کے باہمی تعلقات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ان کی آپس کی رشتہ داریاں معلوم ہیں۔ عمریں معلوم ہیں۔ اسلامی خدمات معلوم ہیں۔ پیغمبرؐ صاحب ہر ایک کے ساتھ جس طرح کا برتاؤ کرتے تھے وہ معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ ان میں ہر ایک حیثیت منافسہ کی باعث ہو سکتی ہے اور منافسہ ممادۃ کی۔ ہماری اپنی رائے یہ ہے کہ ان لوگوں میں منافسہ تو مدت سے قائم تھی۔ واقعات مابعد نے منافسہ کو محاسدہ بنا دیا کیونکہ طبیعتوں میں کدورتیں ہوتی ہیں اور ان کو ایک دوسرے سے کہکر صاف نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ علیؓ اور ابوبکرؓ میں۔ اور فاطمہؓ اور عائشہؓ میں ہوا کہ ایک دوسرے کے لحاظ سے یا پیغمبرؐ صاحب کے ڈر سے کبھی برزہ اظہار رنجش کی نوبت نہ آئی تو بات بات میں بدگمانی کے پہلو نکلتے آئے۔ اور رنجش ہے کہ چپکے چپکے ترقی کرتی جاتی ہے۔ اس بات کے جتانے کی کچھ ضرورت نہیں کہ ابوبکرؓ اور عائشہؓ باپ بیٹی ایک فریق تھے اور علیؓ اور فاطمہؓ میاں بی بی ایک فریق۔ پیغمبرؐ صاحب کے سامنے ہر ایک فریق اپنی اپنی جگہ قائم تھا۔ اب وہ وقت قریب آنے لگا کہ منافسہ متخاصمین میں غالب و مغلوب کا فیصلہ کر دے۔ یعنی پیغمبرؐ صاحب ۲۲ صفر ۱۱ھ روز شنبہ کو بیمار

Marfat.com

بڑھے ... کمزوری اس قدر ہو گئی تھی کہ نماز پڑھانے کے لئے حجرے سے نکل کر پاس کے مسجد تک نہیں جا سکتے تھے ... عباسؓ نے علیؓ سے کہا کہ اب پیغمبر صاحب کا وقت اخیر ہے۔ تم سامنے سے ٹلو مت۔ عجب نہیں تمہارے مفید مطلب کچھ وصیت کر مریں۔ چنانچہ علیؓ سامنے جا کھڑے ہوئے۔ پیغمبر صاحب نے آنکھ کھولی علیؓ کو کھڑا پایا فرمایا ایتونی بقرطاس اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدی ابدا (میرے پاس کاغذ لاؤ کہ میں تمہیں وہ بات لکھ دوں جس کی وجہ سے تم میرے بعد کبھی جادۂ مستقیم سے منحرف نہ ہو) اس پر حاضرین میں ہوا اختلاف۔ بعض نے کہا وصیت لکھوا لینی چاہیئے اور بعض نے جن میں بڑے وزن دار بات کے دھنی عمرؓ تھے منع کیا اور کہا حسبنا کتاب اللہ (ہم کو کتاب اللہ بس کرتی ہے) اس پر پیغمبر صاحب نے ناخوش ہو کر سب کو اپنے پاس سے اٹھوا دیا۔ پھر پیغمبر صاحب نے نہ تو وصیت کا خیال فرمایا اور نہ قضا نے ان کو مہلت ہی دی ... عائشہؓ شروع علالت سے تا دم مرگ پاس سے نہ کھسکیں ...[1] واقعۂ قرطاس نے بھانڈا پھوڑا کہ اول دن سے رکاوٹوں کی کھچڑی خلافت

---

[1] بعض نادان اعتراض کرتے ہیں کہ اگر حضرت عمر نے وصیت نہیں لکھنے دی تو حضرت علیؓ نے قلم دوات کیوں نہیں دے دیا آپ کیوں خاموش رہے اور کیوں نہ یہ وصیت لکھوالی۔ ان کو یہ الفاظ بغور پڑھنے چاہئیں حضرت علیؓ تو بالکل مجبور کر دیئے گئے تھے۔ حجرہ حضرت عائشہ کا تھا جہاں حضرت علیؓ یا فاطمہؓ یا خاندان بنی ہاشم سے کسی کا زور چل سکتا ہی نہیں تھا۔ اور پھر وہاں حضرت ابوبکر و حضرت عمر اور ان کے ہم خیال صحابہ کا مجمع تھا۔ جگہ تنگ تھی۔ حجرہ تھا ہی کتنا بڑا۔ اور حضرت علیؓ برابر وہاں رہنے بھی نہیں پاتے تھے بلکہ بلائے جاتے تب بھی روک دیئے جاتے تھے۔ چنانچہ اسی زمانہ کے واقعات میں یہ بھی ہے کہ علامہ طبری نے لکھا ہے قال رسول اللہ ابعثوا الی علیؓ فادعوہ فقالت عائشۃ لو بعثت الی ابی بکر۔ وقالت حفصۃ لو بعثت الی عمر فاجتمعوا عندہ جمیعا فقال رسول اللہ انصرفوا فان تکن لی حاجۃ ابعث الیکم فانصرفوا وقال رسول اللہ ان الصلاۃ قیل لہم۔ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ کسی کو بھیجکر علیؓ کو میرے پاس بلا دو۔ اس پر حضرت عائشہ بولیں کاش آپ ابوبکر کو بلاتے۔ اور حضرت حفصہ بولیں کاش آپ عمر کو بلاتے۔ اسکے بعد حضرت ابوبکر و عمر آنحضرتؐ کے پاس پہونچ بھی گئے تو حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا تم سب یہاں سے چلے جاؤ۔ اگر مجھے کوئی ضرورت ہو گی تو میں خود تم لوگوں کو بلا بھیجوں گا۔ اس پر وہ سب کے

Marfat.com

کے لئے بک رہی تھی ۔ خلافۃ کے سوائے اور کون سا ضروری مطلب ہو سکتا تھا جس کے لئے احتضار کی حالت میں صورت سوال نبکر پیغمبرؐ صاحب کو تکلیف دی جائے ۔ بات پھر بھی گول

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۶)

سب نکل گئے۔ اُس وقت حضرت رسولؐ نے پوچھا کہ کیا نماز کا وقت آگیا ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۹۵)۔ اس روایت سے واضح ہوا کہ حضرت رسولخدا اپنے آخری وقت حضرت علیؑ سے ملنا بھی چاہتے تھے تو کامیاب نہیں ہوتے تھے۔ کیونکہ اس کمرے پر حضرت عائشہ و حفصہ کا قبضہ تھا ۔ اور علامہ منجب طبری نے لکھا ہے عن عائشۃ قال رسولؐ اللہ لما حضرتہ الوفاۃ ادعوا لی حبیبی فدعوا لہ ابا بکر فنظر الیہ ثم وضع رأسہ ۔ ثم قال ادعوا لی حبیبی فدعوا لہ عمر فلما نظر الیہ وضع رأسہ ۔ ثم قال ادعوا لی حبیبی فدعوا لہ علیا فلما رآہ ادخلہ معہ فی الثوب الذی کان علیہ فلم یزل یحتضنہ حتی قبض وید علیہ اخرجہ الترمذی ۔ حضرت عائشہ بیان کرتی تھیں کہ جب حضرت رسولخدا صلعم کی وفات کا وقت پہونچا تو فرمایا میرے دوست کو بلا دو ۔ لوگوں نے حضرت ابوبکر کو بلا دیا ۔ آنحضرت صلعم نے ان کو دیکھا تو اپنا سر گرا دیا ۔ پھر فرمایا ارے میرے حبیب کو بلا دو ۔ اب لوگوں نے حضرت عمر کو بلا دیا ۔ جب حضرتؐ نے آنکھ کھول کر دیکھا کہ حضرت عمر ہیں تو پھر اپنا سر گرا دیا اور پھر فرمایا ۔ میرے پیارے کو بلا دو ۔ اب مجبوراً لوگوں نے حضرت علیؑ کو بلایا ۔ جب آپ کو آنحضرتؐ نے دیکھا تو اپنی چادر میں لے لیا ۔ اور برابر آپ کے سینے سے لپٹے رہے یہاں تک کہ اسی حالت میں انتقال کیا اس وقت حضرتؐ کا ہاتھ آپ ہی کے جسم پر تھا (ریاض نضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۸۰)۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ اپنے امکان بھر حضرت علیؑ کو حضرت رسولخدا صلعم سے دور ہی رکھتی تھیں اور آنے بھی دیتی تھیں تو انتہائی درجہ کی مجبوری کے بعد ۔ ایسی صورت میں آنحضرت صلعم حضرت علیؑ سے قلم دوات کیسے طلب کرتے اور حضرت علیؑ سے اگر وہ وصیت نامہ لکھوا بھی دیتے تو اسے مانتا کون؟ سب کہتے کہ غلط ہے ۔ نہ رسولؐ نے لکھوایا ۔ نہ رسولؐ نے کچھ کہا ۔ یہ علیؑ نے اپنی خلافت کا اصل کرنے کے لئے جعل و فریب سے کام لیا ہے ۔ خود حضرت عائشہ حضرت علیؑ کے خلاف کھڑی ہو جاتیں اور سب مسلمانوں سے کہتیں کہ رسولؐ تو میرے حجرے میں میرے فرش پر رہے ۔ میں برابر حضرتؐ کی خدمت میں موجود رہی ۔ آنحضرتؐ نے

ہی رہی۔ علیؓ نے سامنے جا کھڑے ہونے کے سوائے منہ سے کچھ نہ کہا۔ پیغمبر صاحب نے بھی وصیت کی جسکے لئے کاغذ منگواتے تھے کچھ صراحت نہ فرمائی کہ کیا لکھوانا چاہتے تھے۔

(بقیہ حاشیہ ص۱۱۷)

نہ قلم دوات طلب کی نہ وصیت نامہ لکھوایا۔ نہ زبانی کوئی وصیت کی۔ مجھ سے بڑھکر حضرتؐ کا حال جاننے والا کون ہو سکتا ہے۔ علیؑ اس وقت اپنے کو خلیفۂ رسولؐ ثابت کرنے کے لئے اس جھوٹے وصیت نامہ کو پیش کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں حضرت رسولخداؐ کا وصیت نامہ لکھوانا فعل عبث ہوتا۔ جب حضرت عائشہ اتنا تک ظاہر کرنا پسند نہیں کرتی تھیں کہ حضرت رسولخدا صلعم آپ کے کاندھے پر اپنا ہاتھ رکھ کر مسجد میں تشریف لے گئے تو وہ اس کو کیسے پسند کرتیں کہ حضرت رسولخداؐ حضرت علیؑ کے بارے میں وصیت لکھوا دیں اور حضرت عائشہ اس وصیت نامہ سے لوگوں کو باخبر ہونے دیں۔ خود معظمہ کا بیان سنو۔ عبید اللہ نے کہا کہ حضرت عائشہ فرماتی تھیں جب حضرت رسولؐ بیمار ہوئے اور حضرتؐ کا درد تیز ہو گیا تو اپنی بی بیوں سے اجازت چاہی کہ حضرتؐ میرے (عائشہ) ہی (کے) گھر میں رہیں۔ اور یہیں حضرتؐ کی تیمارداری کی جائے سب بی بیوں نے حضرتؐ کو اجازت دے دی۔ اُسی زمانہ میں ایک روز حضرت صلعم دو شخصوں پر تکیہ کرتے ہوئے گھر سے باہر نکلے۔ اور وہ دونوں آدمی جن پر ٹیک کر حضرتؐ باہر نکلے جناب عباس تھے اور ایک شخص اور تھا۔ اس کے بعد (اس روایت کے راوی) عبید اللہ بیان کرتے تھے کہ اس بات کو نیز حضرت عائشہ نے جو کہا اُس کو میں نے جناب عباس سے ذکر کیا تو انھوں نے مجھ سے پوچھا تم یہ بھی جانتے ہو کہ وہ دوسرا شخص جس کا نام حضرت عائشہ نے نہیں لیا کون تھا؟ میں (عبید اللہ) نے کہا نہیں۔ تو انھوں نے بتایا کہ وہ علی ابن ابیطالبؑ تھے (صحیح بخاری پ۳ ص۳۷۲ مطبوعہ دہلی) اسکی شرح میں علامہ قسطلانی نے لکھا ہے ولکن عائشۃ لا تطیب نفسالہ بخیر وعن الزھری ولکنھا لا تقدر ان تذکرہ بخیر۔ لیکن حضرت عائشہ کا نفس حضرت علیؑ کی کسی بھلائی سے خوش ہوتا ہی نہیں تھا اور زہری سے روایت ہے کہ لیکن حضرت عائشہ سے ممکن ہی نہیں تھا کہ حضرت علیؑ کا کوئی ذکر خیر کر سکیں (ارشاد الساری جلد ۶ ص۳۳۲)۔ اور علامہ ابن حجر لکھتے ہیں قولہ قال ھو علی ابن ابی طالب۔ زاد الاسماعیلی من روایۃ عبد الرزاق عن معمر ولکن عائشۃ لا تطیب لہ بخیر وفی لابن اسحاق فی المغازی عن الزھری ولکنھا لا تقدر ان تذکرہ بخیر جناب

Marfat.com

مگر جن کے دل میں تمنائے خلافت چٹکیاں لے رہی تھی اونھوں نے تو دھینگا مشتی سے منصوبے ہی کو چٹکیوں میں اُڑا دیا اور مزاحمت کی تاویل یہ کی کہ ہماری ہدایت کے لئے قرآن بس کرتا ہے۔ اور چونکہ اس وقت پیغمبر صاحب کے حواس برجا نہیں کاغذ قلم دوات کا لانا کچھ ضرور نہیں۔ خدا جانے کیا کیا لکھوا دیں گے... پیغمبر صاحب کے انتقال سے سبھی کو قلق ہوا ہوگا۔ مگر بڑا قلق فاطمہؓ کا تھا کہ ان کے حق میں گویا مصیبت کا آسمان ٹوٹ پڑا تھا۔ انھوں نے باپ کے مرنے کا اتنا رنج کیا اور کرنا ہی تھا کہ چھ مہینہ کے اندر ہی اندر گھل گھل کر مر گئیں اور جتنے دن جیں ہنسنا تو درکنار مسکرائیں تک نہیں۔ ہم کو جب فاطمہ زہراؓ کا خیال آتا ہے تو بے اختیار جی چاہتا ہے کہ علیؓ کو خلافت مل جاتی تو غمزدہ فاطمہؓ کی کچھ تو دل جوئی ہو جاتی۔ یہ خیال اور بھی زیادہ

(بقیہ حاشیہ ص۱۱۸)

ابن عباس نے جو کہا کہ جن بزرگ کا نام حضرت عائشہ نے نہیں بتایا وہ حضرت علیؑ تھے۔ اس کے متعلق اسمٰعیلی نے عبدالرزاق کی روایت سے یہ جملہ بھی زیادہ کیا ہے کہ مگر حضرت عائشہ علیؑ کی کوئی بھلائی برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ اور علامہ ابن اسحاق نے مغازی میں زہری سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا لیکن عائشہ سے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ حضرت علیؑ کو کسی طرح بھی بھلائی سے یاد کر سکیں (فتح الباری پ۳ ص۳۷)۔ یہ روایت مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص۳۴ وغیرہ میں بھی ہے۔ مورخ جلیل علامہ طبری نے بھی لکھا ہے کہ کانت لا تقدر علی ان تذکرہ بخیر۔ حضرت عائشہ اس بات کی قدرت ہی نہیں رکھتی تھیں کہ وہ حضرت علیؑ کا ذکر خیر کر سکیں (تاریخ طبری جلد ۳ ص۱۹۱)۔ اب فیصلہ آسان ہے کہ اگر حضرت علیؑ قلم دوات دینا بھی چاہتے اور وصیت لکھنے پر آمادہ بھی ہوتے تو کیا کر سکتے تھے۔ مجرد حضرت عائشہ کا اور وہ تابع حضرت ابوبکر کی اور حضرت ابوبکر رائے میں حضرت عمر کے جو اڑے ہوئے تھے کہ وصیت نامہ نہیں لکھنے دینگے تو حضرت علیؑ کیسے لکھتے۔ علاوہ بریں جب حضرت رسولخدا صلعم حضرت علیؑ سے یہ وصیت نامہ لکھواتے یا قلم دوات طلب کرتے اور حضرت علیؑ انکار کرتے تب اعتراض ہوتا۔ مگر حضرت صلعم نے تو حضرت علیؑ سے قلم دوات مانگا ہی نہیں۔ کیونکہ اگر حضرت علیؑ سے مانگتے تو فرماتے ائتنی بقرطاس اکتب لک کتابا۔ اے علیؑ میرے پاس کاغذ لاؤ کہ میں تمہارے لئے ایک وصیت نامہ لکھدوں لیکن بجائے اسکے آنحضرتؐ کے الفاظ ہیں ایتونی بقرطاس اکتب لکم۔ تم لوگ میرے

تکلیف دیتا ہے جب دیکھا جاتا ہے کہ پہلے انتخاب میں علیؓ کی ناکامی نے پیغمبر صاحب کی نسل کی اسلامی وقعت کو کم کرتے کرتے آخر کو بالکل زائل کر دیا۔ اب جو کچھ بھی اسلامی وقعت پیغمبر صاحب کی نسل کی رہگئی ہے وہ یہی ہے کہ درود میں آل محمدؐ کا نام برائے نام ابھی تک باقی چلا جاتا ہے۔ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ ایک شخص قوم کو کسی طرح کا فائدہ پہونچاتا ہے تو لوگ اُسکی نسلوں تک کا احسان مانتے ہیں۔ ایک پیغمبر صاحب تھے کہ بھکڑوں۔ لٹیروں کو بادشاہ۔ بدمعاشوں کو بھلا مانس۔ بُت پرستوں کو خدا پرست۔ نالائقوں کو لائق۔ وحشیوں کو مہذب۔ جانوروں کو انسان بنا گئے۔ اُن کے ان تمام احسانات کا بدلہ اُن ہی کی امت نے اُن کے نواسے، نواسیوں، بہو بیٹیوں کو جو دیا اور جیسا دیا اُس کا رونا آج تک اسلامی دنیا میں رویا جا رہا ہے اور قیامت تک رویا جائیگا۔ قطعہ

اترجو امة قتلت حسينا ::. شفاعة جده يوم الحساب
فلا والله ليس لهم شفيع ::. وهم يوم القيامة فى العذاب

(جس امت نے حسینؑ کو قتل کیا کیا وہ اسکی امید رکھتی ہے کہ قیامت کے روز اُن کے نانا کی شفاعت اُسے نصیب ہوگی؟ قسم خدا کی اُس روز اُن کا کوئی سفارشی نہ ہوگا اور وہ قیامت کے دن مبتلائے عذاب ہونگے) پیغمبر صاحب کی نسل کے ساتھ انکی امت کا برتاؤ جو کچھ بھی اور جیسا کچھ بھی ہوا نامناسب ہوا بے جا ہوا... عائشہؓ علیؓ کو نیچا دکھانے کی تاک میں تھیں... ہمارے ملک میں عورتوں کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۹)

پاس کاغذ لاؤ تاکہ میں تم لوگوں کے لئے کتاب لکھدوں جو اعلان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے حضرت علیؑ کو چھوڑ کر کل صحابہ سے یہ بات فرمائی کیونکہ ایتونی صیغہ جمع کا ہے اور لکم میں بھی ضمیر جمع ہی کی ہے اسی وجہ سے اس موقع پر حضرت علیؑ کے کچھ بولنے یا کہنے یا کرنے کا بالکل ذکر نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلعم نے نہ حضرت علیؑ سے یہ بات فرمائی۔ نہ حضرتؐ سے چاہا کہ کاغذ لادیں۔ جن لوگوں سے چاہا اور جن لوگوں کو گمراہی سے بچانے کے لئے وہ وصیت نامہ لکھنے کا ارادہ کیا انھوں نے بولنے کی ضرورت سمجھی۔ جواب دینے کی حاجت محسوس کی اور کہہ دیا کہ ہمیں کتاب خدا کافی ہے۔ وصیت نامہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہذیان کی نسبت دے دی تو حضرت علیؑ کو بھی وصیت نامہ لکھنے یا اُس کا ارادہ کرنے پر آسانی سے خطاب دے دیا جاتا کہ عم رسولؐ ہیں یہ بدحواس ہو گئے تھے۔ یہ اُس وقت اپنے ہوش و حواس ہی میں نہیں تھے ۱۲

ایک طبعی خاصہ تریا ہٹ اور ایک تریا چرتر بھی مانا گیا ہے... عائشہ کا ایک چرتر تو یہ تھا کہ پیغمبر صاحب پر مرض الموت کی شدت ہوئی تو آپ اس قدر ناتواں ہو گئے تھے کہ امہات المومنین کے رہنے کے حجرے مسجد سے ملحق تھے۔ مسجد میں جانے کے لئے حجروں میں اندرونی رستے بھی تھے کہ حجرے سے نکلے مسجد میں نماز پڑھی اور پھر حجرے میں ہو رہے۔ علالت کی حالت میں ضعف کی وجہ سے اتنا نہیں ہو سکتا تھا کہ عائشہؓ کے حجرے سے نکلکر مسجد تک جائیں تو آپ نے عائشہؓ سے فرمایا کہ نمازی مسجد میں میرے منتظر ہیں۔ میں تو جا نہیں سکتا۔ اپنے باپ سے کہو کہ میری جگہ امامت کریں۔ عائشہؓ بولیں کہ ابوبکر بڑے رقیق القلب ہیں۔ اُن سے آپکی جگہ نماز پڑھاتے نہیں بن پڑیگی۔ عمرؓ کو ارشاد ہو تو وہ امامت کریں۔ اس پر پیغمبر صاحب نے ناخوش ہو کر فرمایا انکن لصواحب یوسف۔ نہیں جیسا میں کہتا ہوں ابوبکر امامت کریں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابوبکرؓ نے برابر تین دن امامت کی[1] اب سوچنے کی بات ہے کہ پیغمبر صاحب نے یہ کیا فرمایا انکن لصواحب یوسف اس کا مطلب کیا تھا۔ انکن لصواحب یوسف کے لفظی معنی تو یہ ہیں کہ تم عورتیں یوسف والیاں ہو۔ لیکن معلوم کرنا چاہیئے کہ پیغمبر صاحب نے عائشہؓ اور انکی ساتھ والیوں کو کیا سمجھکر۔ یوسف والیاں فرمایا۔ یوسفؑ کا قصہ قرآن کی ایک مستقل سورۃ یوسف میں موجود ہے۔ اور یوسف والیاں زلیخا۔ اُسکی لونڈی باندیاں۔ اُس کی مصاحب اور نہ بی بیاں جنہیں یوسفؑ کے دکھانے کو زلیخا نے دعوت دی تھی۔ اور پھر انھیں عورتوں نے بادشاہ مصر کے آگے یوسفؑ کی صفائی کی شہادت دی تھی۔ **اچھا پھر عائشہؓ اور زلیخا سے کیا مناسبت کہ پیغمبر صاحب نے عائشہؓ کو زلیخا بنا دیا؟** شراح حدیث نے اسکی کئی توجیہیں کی ہیں۔ سو ہماری سمجھ میں تو آئی نہیں۔ آخر سوچ کر ہم ہی نے یہ مطلب نکالا کہ پیغمبر صاحب نے عائشہؓ کے مطلق چرتر کی طرف اشارہ کیا۔ قرآن میں زلیخا کے چرتر کو لفظ کید سے تعبیر کیا ہے ان ربی بکیدھن علیم۔ انہ من کیدکن۔ ان کیدکن عظیم۔ بے شک انکے چرتروں کو میرا پروردگار ہی خوب جانتا ہے۔ یہ بھی تم عورتوں کے چرتر ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ تم عورتوں کے چرتر بڑے غضب کے ہوتے ہیں۔ کید کے معنے ہیں مکر۔ تدبیر۔ چھل۔ فریب۔ بہرکیف کید

[1] حضرت ابوبکر کی امامت کی مفصل بحث حضرت ابوبکر کی سوانح عمری جلد دوم میں مذکور ہو چکی ہے جو اس سے قبل دفتر اصلاح کچھوا سے شائع کی گئی ہے ۱۲

کے مفہوم میں تدبیر کے ساتھ چالاکی بھی داخل ہے۔ اسی کو ہمارے یہاں چرتر کہتے ہیں اور ہم نے کید کا ترجمہ چرتر کیا بھی ہے۔ زلیخا کا چرتر تو قرآن سے معلوم کر سکتے ہو عائشہؓ کا چرتر یہ تھا کہ وہ دل سے تو باپ کی امامت اور خلافت سبھی کچھ چاہتی تھیں اور پیغمبر صاحب کو معلوم تھا۔ اور اس وقت ظاہر میں تو باپ کو نا قابل امامت بنایا مگر بات ایسی کہی جس سے ظاہر ہو کہ ابوبکرؓ سے بڑھکر پیغمبر صاحب کا کوئی ہوا خواہ نہیں۔ اسکے یہ معنے کہ ابوبکرؓ سے بڑھکر کسی کو امامت اور خلافت کا استحقاق نہیں اور یہی تمام صحابہ میں افضل اور اولےٰ بالامامۃ والخلافۃ ہیں۔ یہ اسی قسم کی بات ہوئی جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

ولا عیب فیہم غیر ان سیوفہم ۔۔ بہن فلول من قراع الکتائب

ذم کے پیرائے میں مدح۔ من چاہے منڈیا ہلائے۔ اسی کو ہم چرتر کہتے ہیں۔ اور اسی پر پیغمبر صاحب نے عائشہؓ کو زلیخا سے تشبیہ دی ... یہ بھی پیغمبر صاحب کا گھر ہے کہ مستورات کی دو چار باتیں کتابوں میں آگئی ہیں۔ ان ہی باتوں سے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ کون کس مزاج کی تھی... عائشہؓ ... عمر کے اعتبار سے بچی تھیں اور ان کے کھیلنے کھانے کے دن تھے ... اس وجہ سے پیغمبر صاحب کا برتاؤ بھی ان کے ساتھ خاص طرح کا تھا... ان سب باتوں کو عائشہؓ اپنے دل سے اس پر محمول کرتیں کہ زمرۂ مستورات میں پیغمبر صاحب کو وہی سب سے زیادہ عزیز ہیں۔ اسی خیال سے وہ برخود غلط بھی ہو گئی تھیں۔ دوسری امہات المومنین سے اپنے تئیں برتر سمجھتی تھیں اور اُنکی تذلیل کر بیٹھتی تھیں جس کا اُن کو کوئی حق نہ تھا... عائشہؓ سوکنوں کے بارے میں اس قدر حسد بڑھ چلی تھیں کہ پیغمبر صاحب خدیجہؓ کا ذکر خیر کرتے تو کہتیں کہ میرے سامنے کیا اُس بوڑھی دانتن بچہ کش کے مرنے کا افسوس کیا کرتے ہو۔ خدا نے تم کو اس سے بہتر بی بی دی ہے یعنی میں۔ بھلا توقع کیجا سکتی ہے کہ یہ فاطمہؓ اور علیؓ کے ساتھ خاطر مدارات سے پیش آتی ہونگی مگر ہاں یوں کہو کہ پیغمبر صاحب کی زندگی میں اُن کی عنایت خاص کے ہوتے علیؓ اور فاطمہؓ کو عائشہؓ کی یا کسی اور کی پرواہ ہی کیا تھی۔ پیغمبر صاحب کے انتقال کے بعد علیؓ نے اپنے لئے خلافت کا احراز کرنا چاہا اس بنا پر کہ پیغمبر صاحب کے عزیزوں میں انکے سوائے اس منصب جلیل کا اہل اور تھا ہی کون ... یہ خیال بے اصل بھی نہ تھا۔ ان کے حق میں پیغمبر صاحب نے دمکت می دخمک لحمی (تیرا خون میرے خون میں اور تیرا گوشت پوست میرے گوشت پوست میں ملا ہوا ہے) اور انت منی بمنزلۃ

Marfat.com

ھارون من موسےٰ (تم میری نسبت ایسے ہو جیسے ہارون موسےٰ کی نسبت تھے) فرمایا تھا۔ اور نہ بھی فرماتے تو ان کا اور پیغمبر صاحب کا گوشت پوست خون ایک تھا۔ وہ پیغمبرؐ کے حقیقی چچازاد بھائی تھے۔ اُن کو پیغمبرؐ صاحب نے بچپن سے بیٹوں کی طرح پالا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ علیؓ طفل نوزائیدہ تھے۔ دودھ کے لئے روتے اور کسی عورت کی چھاتی منہ میں نہ لیتے تو پیغمبرؐ صاحب اپنی زبان اُن کو چُساتے اور وہ سیر ہو کر سو جاتے۔ ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ پیغمبرؐ صاحب نے اپنی لختِ جگر فاطمۃ الزہراءؓ کو ان سے بیاہ دیا تھا اور ان سے پیغمبرؐ صاحب کی نسل چلی تھی۔ وہ اپنی ذات سے بڑے لائق تھے کہ پیغمبرؐ صاحب نے انا مدینۃ العلم وعلی بابھا سے ان کی لیاقت کی تصدیق اور توثیق فرمائی تھی۔ وہ شجاعت اور سخاوت اور خطابت اور زور مندی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ اُنکی اصابت رائے پر پیغمبر صاحب کو کلی اعتماد تھا کہ نوعمری میں انکو یمامہ کا قاضی بنا کر بھیج دیا تھا۔ جس رات کفار مکہ پیغمبرؐ کو نعشہ مار ڈالنے کے ارادے سے رات بھر پیغمبر صاحب کا گھر گھیرے پڑے رہے۔ پیغمبرؐ صاحب ان کو اپنی جگہ لٹا کر چپکے سے باہر نکل گئے ع این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ خیبر فتح نہیں ہوتا تھا آخر پیغمبرؐ صاحب نے ایک دن فوجی افسروں کو جمع کر کے فرمایا کہ کل جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اس مہم کو سر کرے گا اور وہ علیؓ تھے ہجرت کے نویں برس ابوبکرؓ کو قافلہ سالار بنا کر حاجیوں کو مدینہ سے مکہ روانہ کیا۔ اتنے میں سورہ برارت کی شروع کی آیتیں نازل ہوئیں اور ان کا موسم حج میں اعلان کرنا ضرور تھا پیغمبرؐ صاحب نے آیتیں دیکر علیؓ کو دوڑایا... علیؓ کی بجائے خود اتنی خصوصیتیں۔ اتنی خدمتیں اتنی فضیلتیں تھیں کہ اُن کے ہوتے علیؓ نے اگر توقع خلافت کو دل میں جگہ دی ہو تو کوئی اس کو توقع بیجا یا فزوں تر از استحقاق نہیں کہہ سکتا... ہم خوب سمجھتے ہیں کہ پیغمبرؐ صاحب کی پدرانہ شفقت علیؓ کے ساتھ خاص تھی۔ اور علیؓ چند در چند حیثیتوں سے خلافت کے شایاں بھی تھے... ہم نے عائشہؓ کے تعلق کی وجہ سے قتل عثمان اور جنگ جمل کے حالات بھی تحریر کئے ورنہ یہ بھی ہمارے موضوع سے خارج ہے... اور چونکہ بات مردوں میں ہو رہی تھی عائشہؓ کو اس میں دخل در معقولات مناسب نہ تھا اور دخل بھی ایسا دخل کہ کشت و خون میں شریک گروہی... باجود اتنے انقلابات کے کانٹے کی طرح ابھی تک اُن کے دل میں کھٹکتی تھی اور خاص کر علیؓ کی طرف سے اُن کا بطون صاف نہ تھا۔ اور اسی کو ہم نے نزاہٹ سے تعبیر کیا۔ ہم کو تو اسکے سوا اور کوئی توجیہ سوجھ نہیں پڑی

Marfat.com

... عائشہؓ اور علیؓ میں جو دلی کدورت تھی اور اُسی کدورت کی وجہ سے جنگ جمل کا وقوع ہوا تھا۔ جس میں طرفین کے ۱۳ ہزار آدمی مارے گئے تھے اور مقتولین عوام الناس نہیں بلکہ اکثر صحابی اور عُبّاد اور حُفاظ۔ اہل السنۃ بے تامل کہہ دینگے کہ علیؓ اور عائشہؓ میں کچھ بھی رنجش نہ تھی۔ لوگوں کے بہکانے سکھانے سے دونوں لشکروں میں اتفاقیہ مُٹھ بھیڑ ہوگئی۔ ہم مانتے ہیں کہ اہل السنۃ کا یہ کہنا محض اس غرض سے ہے کہ عائشہؓ اور علیؓ کے مذہبی تقدس میں فرق نہ آئے لیکن جو حقیقۃ الحال سے واقف ہے وہ تو جانتا ہے"... (کتاب امہات الامۃ مطبوعہ دہلی)۔ مذکورہ بالا کل عبارت کتاب مذکور کے صفحہ ۹۰ سے ۱۱۲ تک کا اقتباس ہے جس کے پڑھنے سے اچھی طرح واضح ہو جائیگا کہ حضرت رسو لخدا صلعم اس وصیت نامہ میں کیا لکھوانا چاہتے تھے اور کن وجوہ و اسباب سے حضرتؐ اس ارادہ میں ناکامیاب رہے اور کتنی زبردست رکاوٹیں حائل تھیں جن کی وجہ سے آنحضرتؐ کی زندگی کی یہ آخری تمنا پوری نہیں ہو سکی۔ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے اسکے بعد لکھا ہے "اس واقعہ کے بعد چار دن تک آپ زندہ رہے۔ اس وقت نہ سہی بعد کو لکھوا دیا ہوتا"۔ سخت حیرت ہے کہ مولوی صاحب ایسے فہمیدہ مصنف کے قلم سے ایسا جملہ نکلے۔ اس واقعہ کے بعد چار دن تک حضرتؐ زندہ رہے تو آپکی حالت بگڑتی گئی یا سنبھلتی گئی؟ حضرتؐ اُسی حجرے میں رہے یا کسی اور جگہ ہٹائے گئے؟ حضرتؐ کا ماحول وہی رہا یا بدل گیا؟ حضرتؐ کے فرش اور جائے قیام کی فضا وہی رہی یا اس میں تغیر ہوگیا تھا؟ حضرتؐ کی تیمارداری کرنے والے۔ حضرتؐ کی نگرانی کرنے والے۔ حضرتؐ کی حرکات و سکنات پر پہرہ رکھنے والے وہی بزرگان مہربان تھے یا کوئی اور لوگ تھے؟ اگر کل امور وہی تھے جو چار دن پہلے تھے تو حضرت صلعم پہلے ہی اس وصیت نامہ کے لکھنے میں کیوں کامیاب نہ ہو جاتے اور اب کس طرح اس کو "لکھوا دیا ہوتا"؟ حضرتؐ کے فرش کے احاطہ سے حضرت عائشہ کھسک نہیں سکتی تھیں اور نہ وہ حضرت ابوبکر کے خلاف اب بھی کچھ کر سکتی تھیں۔ اور حضرت ابوبکر حضرت عمر کی رائے سے اب بھی باہر نہیں ہو سکتے تھے تو اور کون تھا جس سے آنحضرت صلعم قلم دوات کاغذ طلب فرماتے اور کس سے لکھواتے؟ اور کون شخص تھا جو حضرت عائشہ و ابوبکر و عمر کی شدید مخالفت کے باوجود انکے مقابلہ میں کاغذ لیکر حضرتؐ کے پاس بیٹھ جاتا اور ان لوگوں سے ہاتھا پائی ہوتی تو کاغذ قلم دوات کو چھیننے نہ دیتا بلکہ حضرت رسول صلعم کو بولنے تک کا موقع دیتا۔ پہلا سوال تو یہی ہے کہ جب ایک بند حجرے میں کسی مریض کی تمنا و آرزو کے خلاف لوگ ایکا کر لیں تو کیا وہ مریض کچھ بولنے کا موقع بھی پا سکتا ہے؟ اس لئے

کہ وہ بالکل مجبور و بے بس رہتا ہے اور جو اس کے تیماردار کہتے ہیں وہی اس کو بھی کہنا اور جو اس کے آس پاس کے لوگ چاہتے ہیں وہی اس کو بھی کرنا پڑتا ہے۔ پھر حضرت رسولخدا صلعم بعد ہی کو وصیت نامہ کس سے اور کیونکر لکھوا دیتے اور اُسے لیکر کوئی شخص حضرتؐ کے پاس سے ہٹ کیونکر سکتا تھا؟ فرض کیجئے کہ حضرتؐ لکھوا بھی دیتے تو کیا حضرت عائشہ۔ حضرت حفصہ۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اُس نوشتہ کو وہاں سے جانے بھی دیتے؟ اس کو چھین کر چاک کر دینے سے کون قوت اُن چاروں حضرات کو روک سکتی تھی؟ جب حضرت عمر اس قدر زبردست ہو گئے تھے کہ حضرت رسولؐ کو وصیت نامہ لکھنے تک نہیں دیا پھر بالفرض بعد کو رسولؐ وہ وصیت نامہ لکھ بھی دیتے تو حضرت عمر اس وصیت نامہ کو زندہ کیسے رہنے دیتے؟ حضرت عمر نے کچھ ہی دنوں میں اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیا کہ اگر رسولؐ کا وصیت نامہ لکھ بھی جاتا تو آپ اس کو چاک کر دیتے۔ جب خلافت پر پورا قبضہ ہو گیا۔ سب جھگڑے ختم ہو چکے۔ سب مطمئن ہو گئے اور حضرت ابوبکر پوری قوت و شان سے دنیائے اسلام پر بادشاہت کرنے لگے جب آپکے کل طرفدار بظاہر آپ کے مطیع نظر آتے تھے اُس وقت تو حضرت عمر نے اُن کا نوشتہ پھاڑ کر پھینک دینے میں کوئی تامل ہی نہیں کیا۔ پھر رسولؐ ایسے قریب الارتحال بے بس شخص کے وصیت نامہ کی حیثیت کیونکر ہوتی؟ علامہ حلبی نے لکھا ہے وفی کلام سبط ابن الجوزی رحمہ اللہ انہ رضی اللہ عنہ کتب لھا بفدک ودخل علیہ عمرؓ فقال ما ھذا فقال کتاب کتبتہ لفاطمۃ بمیراثھا من ابیھا فقال مما ذا تنفق علی المسلمین وقد حاربتک العرب کما ترمی ثم اخذ عمل الکتاب فشقہ۔ علامہ سبط ابن الجوزی کے کلام میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہؑ کے لئے فدک کا وثیقہ لکھدیا۔ اتنے میں حضرت عمر وہاں پہنچ گئے اور پوچھا یہ کیا ہے؟ حضرت ابوبکر نے کہہ دیا حضرت رسولخدا کی جو میراث فاطمہؑ کو پہنچتی ہے اُسی کے بارے میں یہ وثیقہ میں نے لکھکر ان کو دے دیا ہے۔ حضرت عمر بولے پھر کس چیز سے تم مسلمانوں کے متعلق خرچ کرو گے؟ حالانکہ دیکھتے ہو کہ عرب تم سے جنگ پر آمادہ ہیں۔ یہ کہکر آپ نے وہ وثیقہ چھین لیا اور اُس کو چاک کر ڈالا (سیرۃ حلبیہ طبع مصر جلد ۳ صفحہ ۳۶۳)۔ مولوی صاحب نے اس کے بعد لکھا ہے" اور یہ کیونکر معلوم ہوا کہ آپ کیا لکھوانا چاہتے تھے۔ بخاری میں ہے کہ آپ عبداللہ بن ابوبکر کو بلا کر حضرت ابوبکر کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے۔ پھر آپ نے ضروری نہیں سمجھا اور فرمایا کہ خود خدا اور اہل

اسلام ابوبکر کے سوا کسی اور کو پسند نہ کرینگے"۔ مولوی صاحب کا یہ جملہ آپ کے سابق جملہ سے بھی زیادہ حیرت خیز ہے۔ اگر حضرت ابوبکر کی خلافۃ کا فرمان لکھوانا چاہتے تو کیا حضرت عمر اُس سے اختلاف کر سکتے؟ اگر حضرت عمر کو اسکی ادنےٰ امید بھی ہو جاتی تو وہ ایک نہیں ہزار قلم ہزار دواتیں اور ہزار اوراق لیکر بیٹھ جاتے اور ہزار صحابہ کو اندر سے باہر تک جمع کر کے سب سے وہ وصیت نامہ لکھوا دیتے اور حسبنا کتاب اللہ کے عوض اطیعوا الرسول اور ما آتاکم الرسول فخذوہ وغیرہ کا شور بلند کرتے بلکہ آپ کے حسنِ انتظام سے بعید نہیں ہوتا کہ مدینہ کے کفار تک کو اسکی گواہی کے لئے بلا لیتے۔ حضرت ابوبکر کے پسینہ کے ایک قطرے پر حضرت عمر اپنے خون کا ہزاروں قطرہ نثار کرنے میں تامل ہی نہیں کر سکتے تھے۔ پھر آپکی خلافۃ کے لئے وہ کیا یہ اہتمام کرتے کہ وصیت نامہ لکھنے نہ پائے؟ کون عقل اس کو قبول کر سکتی اور کون باحواس شخص اسکو تسلیم کر سکتا ہے؟ آپ نے تحریر فرمایا ہے "بخاری میں ہے کہ آپ عبداللہ بن ابی بکر کو بلا کر" اگر افسوس آپ نے یہ نہیں لکھا کہ بخاری نے اپنی کتاب کے کس باب اور کس فصل میں یہ لکھا ہے۔ ہم کو تو بہت کچھ تلاش کرنے پر بھی یہ روایت نہیں ملی۔ امام بخاری نے اس روایت کو (۱) پہلے پارے۔ کتاب العلم باب کتابۃ العلم (ص۱۰۶ مطبوعہ دہلی) میں لکھا ہے۔ اس کا ایک ایک لفظ پڑھ جایئے کہیں یہ عبارت نہیں ہے (۲) پھر پ۱۲ کتاب الشروط باب جوائز الوفد ص۱۲۶ میں یہ روایت لکھی ہے اس میں بھی نہیں ہے (۳) پھر پ۱۲ باب اخراج الیہود کتاب الجہاد ص۱۷۶ میں لکھی ہے۔ اس میں بھی حضرت ابوبکر کی خلافۃ کا ذکر نہیں ہے (۴) پھر پ۱۶ کتاب المغازی باب مرض النبیؐ و وفاتہ ص۱۰۰۱ میں یہ لکھی ہے اس میں بھی اس کا اشارہ تک نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر کی خلافت کے بارے میں آپ نے کچھ لکھوانا چاہا تھا۔ (۵) پھر پ۲۳ کتاب المرضی باب قول المریض قوموا عنی ص۸۴۲ میں لکھی ہے مگر اس میں بھی حضرت ابوبکر کی خلافۃ کے متعلق کوئی حرف نہیں ہے (۶) پھر پ۳۰ کتاب الاعتصام باب کراہیۃ الاختلاف ص۱۰۷۱ میں لکھی ہے مگر افسوس اس میں بھی ہم کو وہ عبارت نہیں ملی۔ معلوم نہیں مولوی صاحب نے واقعاً صحیح بخاری میں یہ عبارت دیکھی بھی ہے یا صرف امام بخاری صاحب سے حسن ظن کی بنا پر تحریر کر دیا کہ بخاری میں یہ لکھا ہے۔ کاش آپ بخاری کی اصل عبارت نقل کر دیتے۔ اور اسکے پارے۔ کتاب اور باب کا پتا بھی بتا دیتے تاکہ اسکی تلاش میں آسانی ہوتی۔ جب تک ان باتوں کا علم نہ ہو اس وقت تک اسکے راویوں کی تحقیق بھی نہیں ہو سکتی کہ کون اور کیسے تھے۔ ثبت الجدار ثم انقش

Marfat.com

پہلے دیوار کو ثابت کر لو پھر اس پر نقش و نگار بنانا۔ مولوی صاحب نے لکھا ہے "یہ روایت صحیح بخاری موقع وفات کی ہے" اس وجہ سے امید ہوئی کہ شائد اسی جگہ حضرت ابو بکر کی خلافت کا وہ مضمون بھی مل جائے جس کا دعوے مولوی صاحب نے کیا ہے۔ مگر افسوس وہاں بھی صرف یہ عبارت ملی قال ابن عباس یوم الخمیس وما یوم الخمیس اشتد برسول اللہ وجعہ فقال ائتونی اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہ ابدا۔ فتنازعوا ولا ینبغی عند نبی تنازع فقالوا ما شانہ اھجر استفھموہ فذھبوا یردون علیہ فقال دعونی فالذی انا فیہ خیر مما تدعونی الیہ واوصاھم بثلاث قال اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب واجیزوا الوفد بنحو ما کنت اجیزھم وسکت عن الثالثۃ او قال فنسیتھا۔

جناب ابن عباس بیان کرتے تھے کہ آہ جمعرات کا دن ہائے جمعرات کا دن کس قیامت کا تھا کہ اس روز حضرت رسول اللہ کا مرض تیز ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس قلم دوات لاؤ۔ میں تمہارے لئے وہ وصیت نامہ لکھ دوں جس کے بعد کبھی تم لوگ گمراہ نہیں ہو گے۔ تو اس پر لوگ وہاں جھگڑا کرنے لگے اور کسی نبی کے پاس جھگڑا کرنا مناسب نہیں ہے۔ پھر لوگوں نے کہا رسول کی کیا حالت ہے۔ کیا ہذیان بکتے ہیں؟ ان سے دریافت تو کر لو۔ اس پر لوگ بار بار رد کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر آنحضرت نے فرمایا تم لوگ مجھے چھوڑ دو کہ میں جس حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم لوگ مجھے بلاتے ہو اور ان سے زبانی تین وصیتیں فرمائیں کہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دینا اور وفد کو اسی طرح جائزہ دینا جس طرح میں جائزہ دیتا تھا اور تیسرے سے سکوت کیا یا راوی نے کہا کہ میں اس تیسری بات کو بھول گیا (صحیح بخاری پ۱۶ کتاب المغازی باب مرض النبی ووفاتہ ص۱۰۱۱) ۔ پوری روایت اسی طرح اور اتنی ہی ہے۔ ایک حرف بھی کم یا زائد نہیں۔ اگر مولوی صاحب زندہ ہوتے تو ان سے دریافت کیا جاتا کہ وہ صحیح بخاری کس جگہ موجود ہے جس میں آپ نے یہ روایت ملاحظہ فرمائی تھی۔ مولوی شبلی صاحب نے فن درایۃ پر بہت زور دیا ہے۔ شروع ہی میں لکھ چکے ہیں "واقعہ کی تحقیق کے لئے پہلے راویوں کی جرح و تعدیل سے بحث نہیں کرنی چاہئے بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ واقعہ فی نفسہ ممکن بھی ہے یا نہیں۔ کیونکہ اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں تو راوی کا عادل ہونا بیکار ہے" (الفاروق ص۱۵) ہم نے تو چاہا تھا کہ آپ نے جس روایت سے حضرت ابو بکر کی خلافت کے متعلق وصیت نامہ لکھنے کا ارادہ

Marfat.com

تحریر کیا ہے۔ اسکے راویوں کی جرح و تعدیل بھی کرینگے۔ مگر جب بخاری میں وہ عبارت ملی ہی نہیں تو وہ فرض کیونکر انجام پائے۔ اب اصول درایۃ کے مطابق آپ جانچئے کہ کیا حضرت ابوبکر کی خلافت کے متعلق آنحضرتؐ کے وصیت نامہ لکھنے کا ارادہ ممکن بھی تھا؟ اگر اس واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں تو راوی کا عادل ہونا بیکار ہے۔ خواہ وہ روایت صحیح مسلم میں ہو یا صحیح بخاری میں (درصورتے کہ کسی کتاب میں نہیں ہے) اور اس واقعہ کا غیر ممکن ہونا اس سے واضح ہے کہ اگر آنحضرت صلعم حضرت ابوبکر کو خلافت کے لائق سمجھتے تو سورہ براءۃ کی تبلیغ تک سے معزول نہیں کر دیتے۔ جب خدا و رسولؐ نے ایک مخصوص زمانہ میں صرف سورہ براءۃ کی تبلیغ تک کے لئے آپ کو پسند نہیں کیا تو پوری امت اسلام کی ہدایت و قیادت کا عظیم الشان بوجھ آپ پر کیسے رکھ دیتے؟ جب رسولؐ کے زندہ رہتے ہوئے بھی آپ اس قابل نہیں سمجھے گئے کہ صرف ایک سال ایک مختصر سی سورہ براءۃ کی محض تبلیغ کر دیں تو رسولؐ کے بعد حضرتؐ کے کل فرائض کی انجام دہی کا خیال بھی آپ کے متعلق کسی کو نہیں ہو سکتا تھا۔ علاوہ بریں آنحضرت صلعم نے اپنے مرض موت ہی میں اسامہ کا لشکر مدینہ سے باہر بھیج دینے کی کوشش کی اور اسی لشکر کے ساتھ حضرت ابوبکر و عمر کو بھی حکم دیا کہ اس شہر کو چھوڑ کر وہاں سے بہت دور چلے جائیں۔ اگر خدا و رسولؐ اس بات کو پسند کرتے کہ آنحضرت کے خلیفہ حضرت ابوبکر ہوں تو آپ کو مدینہ ہی میں رہنے کا حکم دیا جاتا بلکہ تاکید کی جاتی کہ یہاں سے ہٹو نہیں نہ یہ حکم کہ اسامہ کی ماتحتی میں تم بھی چلے جاؤ۔ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ حضرت رسولؐ کی وفات کے وقت حضرت ابوبکر و عمر کو حکم دیا گیا تھا کہ اسامہ کے ماتحت مدینہ سے باہر چلے جائیں۔ اگر حضرت ابوبکر میں خلافت کی قابلیت ہوتی تو آنحضرت صلعم آپ کو اسامہ ایسے کم سن صحابی کا ماتحت کیوں بناتے؟ غرض حضرت رسول خدا صلعم نے اپنی وفات سے قبل دو انتظام کر کے ثابت کر دیا کہ حضرت ابوبکر اس قابل نہیں ہیں کہ آپ حضرتؐ کی جگہ بیٹھ سکیں۔ ایک سورہ براءۃ کی تبلیغ سے معزولی تھی جس نے ثابت کیا کہ آپ میں دینی خدمات کی سرداری یا احکام الٰہی کی تبلیغ و حفاظت کی صلاحیت نہیں ہے۔ دوسرا اسامہ کے ماتحت ہو کر اسکے ساتھ مدینہ سے باہر جانے کے لئے مامور ہونا تھا جس نے واضح کر دیا کہ آپ فنیوی امور لشکر کشی۔ فتح ممالک کے لئے بھی خدا و رسولؐ کی نظروں میں سرداری کے اہل نہیں تھے۔ ورنہ بجائے اسامہ کے آپ ہی اس لشکر کے امیر بنائے جاتے اور دوسرے صحابہ کو آپکی اطاعت کا حکم دیا جاتا۔ اسکے بعد مولوی صاحب

نے لکھا ہے" اس اختلاف کے بعد آپ نے زبانی تین وصیتیں فرمائیں۔ جو ضروری بات آپ کاغذ پر لکھوانا چاہتے تھے ممکن ہے کہ وہ یہی ہوں" سبحان اللہ حضرت تو فرماتے ہیں کہ ایسی کتاب لکھوا دوں جسکے بعد تم لوگ کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔ پھر وہ ضروری بات یہی کیونکر ہو سکتی ہیں؟ ان کل باتوں میں کون بات ایسی ہے جس کے نہ کرنے سے مسلمان گمراہ ہو جاتے؟ پہلی بات یہ تھی کہ" کوئی مشرک عرب میں رہنے نہ پائے"... کیا یہ بات ایسی ہو سکتی ہے جسکے نہ ہونے سے اہل اسلام گمراہ ہو جاتے؟ دوسری بات یہ ہے کہ" سفراء کا اسی طرح احترام کیا جائے جس طرح آپ کے زمانہ میں دستور تھا" کیا یہ بات بھی ایسی تھی جسکے لئے آنحضرتؐ اس اہتمام سے فرماتے کہ" ایسی تحریر لکھدوں جسکے بعد تم لوگ گمراہ نہ ہوگے"؟ اگر سفراء کا احترام نہ کیا جاتا تو اس سے مسلمانوں میں گمراہی کیونکر آجاتی؟ تیسری وصیت راوی کو یاد ہی نہیں رہی۔ اگر یہ وصیت خلافت کے متعلق تھی تو بے شک یہی ایسی تھی جسکے بغیر مسلمان گمراہ ہوتے اور خلافت کے سوا یہ کچھ ہو ہی نہیں سکتی۔ اب سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے جب وصیت نامہ لکھنے کے لئے قلم دوات طلب کی تو جواب دیا گیا کہ ہمیں کتاب خدا کافی ہے۔ یہ شخص یہودہ بکتے ہیں۔ لیکن اسکے بعد آنحضرتؐ نے یہ تین وصیتیں زبانی کردیں تو ان پر نہ حسبنا کتاب اللہ کہا گیا نہ ان الرجل لیھجر کی آواز بلند کی گئی۔ یہ کیوں؟ آنحضرتؐ کا مرض تو باقی بلکہ پہلے سے زیادہ تھا۔ اگر اس وقت سے پہلے حضرت بدحواسی۔ ہذیان کی بات فرما سکتے تھے تو اب اس کا سامان زیادہ ہو گیا تھا۔ پھر اب کیوں نہیں کہا گیا کہ ان پر درد کا غلبہ ہے یہ بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔ دین اسلام کامل ہو گیا ہے۔ اب کسی وصیت وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے اگر یہ وصیتیں جو بعد میں کی گئیں قابل توجہ سمجھی گئیں۔ اگر یہ باتیں جو حدیث قرطاس کے بعد دہن رسولؐ سے نکلیں لائق اعتنا قرار پائیں تو پہلی بات کہ" وصیت نامہ لکھدوں" کیوں رد کردی گئی؟ کیوں اس وقت قلم دوات لانے کے متعلق جھگڑا کھڑا ہو گیا؟ وہ جھگڑا وہ نزاع۔ وہ اختلاف ان زبانی وصیتوں کے بارے میں کیوں نہیں ہوا؟ عقل سلیم آسانی سے فیصلہ کر دیگی کہ چونکہ یہ زبانی وصیتیں خلافت کے متعلق نہیں تھیں۔ حضرت علیؑ اور اہلبیت طاہرین کے بارے میں نہیں کیگئیں اور ان کے سننے اور ان کی طرف توجہ کرنے سے اس وقت کی مخصوص پارٹی کا کوئی نقصان نہیں ہو رہا تھا۔ نہ ان وصیتوں سے اُن کے منصوبے خاک میں مل رہے تھے۔ اس وجہ سے ان کو توجہ سے سنا بھی گیا۔ ان کو یاد بھی رکھا گیا۔ ان پر تنازع بھی نہیں ہوا۔

Marfat.com

ان پر حسبنا کتاب اللہ کا شور بھی بلند نہیں ہوا۔ ان پر ان الرجل لیھجر بھی نہیں کہا گیا۔ برخلاف اُس سابق وصیت نامہ کے کہ اُس سے اُس پارٹی کا بنا بنایا ہوا کھیل مٹی میں مل رہا تھا۔ اس وجہ سے اس کو چٹکیوں میں اُڑا دیا گیا۔ اور غالباً یہی سب سوچ سمجھکر اسامہ کے لشکر کے ساتھ جانے اور وقتِ وفاتِ رسولؐ مدینہ چھوڑنے سے انکار بھی کیا گیا۔ اور اسی وجہ سے حضرت ابن عباس جمعرات کے دن کو یاد کر کے برابر رویا کرتے تھے۔ آپ کا یہ قول "جو ضروری بات آپ کاغذ پر لکھوانا چاہتے تھے ممکن ہے کہ وہ یہی ہوں"۔ اس وجہ سے بھی ناقابل قبول ہے کہ اگر یہی باتیں ہوتیں تو جناب ابن عباس اس دن کو یاد کر کے رویا کیوں کرتے؟ اگر وہ نوشتہ انھیں باتوں کے متعلق ہوتا تو جناب ابن عباس بجائے رونے کے خوش ہوتے اور کہتے کہ آنحضرتؐ جو وصیت نامہ لکھنا چاہتے تھے وہ گو لکھا نہیں گیا مگر آنحضرتؐ نے بعد میں اس کو زبانی وصیتوں کی صورت میں ظاہر فرما دیا لیکن جناب ابن عباس کی حالت تو یہ لکھی ہوئی ہے۔ امام بخاری تحریر فرماتے ہیں عن ابن عباسؓ انہ قال یوم الخمیس وما یوم الخمیس ثم بکی حتی خضب دمعہ الحصباء فقال اشتد برسول اللہؐ وجعہ یوم الخمیس الخ۔ جناب ابن عباس تڑپ تڑپ کر کہتے ہائے جمعرات کا دن۔ جمعرات کا دن کس قیامت کا تھا پھر اس قدر روتے کہ وہاں کے سنگریزے آپ کے آنسوؤں سے تر ہو جاتے۔ پھر کہتے کہ جمعرات کے روز رسولِ خداؐ کا مرض بڑھ گیا تھا تا آخر حدیث (صحیح بخاری پ۱۲۔ باب جوائز الوفد ص۱۲۶) جس سے واضح ہوتا ہے کہ رسولؐ کی رحلت کے بعد جب تک جناب ابن عباس زندہ رہے برابر اس دن کو یاد کر کے رویا کرتے۔ اگر وہی بات حضرتؐ نے ان زبانی وصیتوں میں فرما دی ہوتی تو آپ اس کے لئے یہ سوگ کیوں منایا کرتے؟ دوسری روایت اسی صحیح بخاری میں ہے کہ حدیث قرطاس بیان کرنے کے بعد فکان ابن عباس یقول ان الرزیۃ کل الرزیۃ ما حال بین رسول اللہؐ وبین ان یکتب لھم ذلک الکتاب من اختلافھم ولغطھم۔ جناب ابن عباس کہا کرتے تھے کہ مصیبت سب سے بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ حضرت رسولِ خدا صلعم جو وصیت نامہ لکھوانا چاہتے تھے اُس میں اور حضرتؐ کے درمیان رُکاوٹ کھڑی کر دی گئی (صحیح بخاری پ۲۳۔ باب قول المریض قوموا عنی ص۳۸۴)۔ اگر وہ بات جو آنحضرتؐ لکھوانی چاہتے تھے یہی ہوتی جو حضرتؐ نے زبان سے فرما دی تو جناب ابن عباس یہ کیوں کہتے کہ رسولؐ کی وصیت روک دی گئی۔ اسکے اور حضرتؐ کے درمیان خلیج پیدا کر دی گئی۔ یا اس کے سامنے دیوار کھڑی

Marfat.com

کردی گئی۔ اسکے بعد مولوی صاحب لکھتے ہیں "مجکو احتیاط کرنی چاہیئے کہ کتاب تاریخ کی حیثیت سے نکل کر علم کلام کے دائرہ میں نہ آجائے"۔ سخت تعجب ہے کہ بہت کچھ لکھ جانے اور تاویل و تشکیک کی پوری قوت صرف کر دینے کے بعد اب آپ کو یہ خیال آیا کہ "کتاب علم کلام کے دائرہ میں نہ آجائے"۔ معلوم نہیں اگر آپ اس کو اس دائرہ میں لانا چاہتے تو اور کیا لکھتے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں "تاہم جو میری ذاتی تحقیق ہے میں الفاروق میں لکھ چکا ہوں"۔ مطلب یہ کہ حدیث قرطاس کے خلاف آپ نے دو مرتبہ زور لگایا ہے۔ ایک دفعہ الفاروق میں اور دوسری مرتبہ سیرۃ النبیؐ میں۔ اور آخری کتاب دیکھنے والوں کو اشارہ کرتے ہیں کہ اس بحث کو الفاروق میں بھی دیکھیں۔ اس وجہ سے ضروری ہوا کہ اُس پر بھی تبصرہ کر دیا جائے [1] آپ تحریر فرماتے ہیں "بیماری کا بڑا مشہور واقعہ قرطاس کا واقعہ ہے جسکی تفصیل یہ ہے کہ آپ نے وفات سے تین روز پہلے قلم اور دوات طلب کیا اور فرمایا کہ میں تمہارے لئے ایسی چیز لکھوں گا کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہوگے۔ اس پر حضرت عمر نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ آنحضرتؐ کو درد کی شدت ہے اور ہمارے لئے قرآن کافی ہے۔ حاضرین میں سے بعضوں نے کہا کہ رسولؐ اللہ بہکی باتیں کر رہے ہیں (نعوذ باللہ) (روایت میں ھجر کا لفظ ہے جسکے معنے ہذیان کے ہیں)۔ یہ واقعہ بظاہر تعجب انگیز ہے۔ ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا گستاخی اور سرکشی ہوگی کہ جناب رسول اللہ صلعم بستر مرگ پر ہیں اور امت کے درد و غم خواری کے لحاظ سے فرماتے ہیں کہ لاؤ میں ایک ہدایت نامہ لکھ دوں جو تم کو گمراہی سے محفوظ رکھے۔ یہ ظاہر ہے کہ گمراہی سے بچانے کے لئے جو ہدایت ہوگی وہ منصب نبوت کے لحاظ سے ہوگی اور اس لئے اُسمیں سہو و خطا کا احتمال نہیں ہو سکتا باوجود اسکے حضرت عمر بے پروائی ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کچھ ضرورت نہیں۔ ہم کو قرآن کافی ہے۔ طرہ یہ کہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمر ہی نے آنحضرتؐ کے اس ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا تھا (نعوذ باللہ)۔ یہ اعتراض ایک مدت سے چلا آتا ہے اور مسلمانوں کے دو مختلف گروہ نے اس پر بڑی طبع آزمائیاں کی ہیں لیکن چونکہ اس بحث میں غیر متعلق باتیں چھڑ گئیں اور اصول درایت سے کسی نے کام نہیں لیا۔ اس لئے اصل

[1] بحث قرطاس حضرت رسول خدا صلعم نیز حضرت عمر کی زندگی کا نہایت اہم واقعہ ہے۔ اس وجہ سے اس کو تفصیل سے بیان کر دینا ضروری ہے۔ ناظرین کتاب اسکی طوالت کو معاف کریں ۱۲ منہ

Marfat.com

مسئلہ نامنفصل رہا۔ اور عجیب عجیب بیکار بحثیں پیدا ہوگئیں۔ یہاں تک کہ یہ مسئلہ چھیڑا گیا کہ پیغمبر سے ہذیان ہونا ممکن ہے کیونکہ ہذیان انسانی عوارض میں ہے۔ اور آنحضرتؐ عوارض انسانی سے بری نہ تھے۔ یہاں دراصل یہ امر غور طلب ہے کہ جو واقعہ جس طریقہ سے روایتوں میں منقول ہے اس سے کسی امر پر استناد ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس بحث کے لئے پہلے واقعات ذیل کو پیش نظر رکھنا چاہیئے (۱) آنحضرتؐ کم و بیش ۱۳ دن تک بیمار رہے (۲) کاغذ و قلم طلب کرنے کا واقعہ جمعرات کے دن کا ہے جیساکہ صحیح بخاری و مسلم میں بتصریح مذکور ہے اور چونکہ آنحضرتؐ نے دوشنبہ کے دن انتقال فرمایا اس لئے اس واقعہ کے بعد آنحضرتؐ چار دن تک زندہ رہے (۳) اس تمام مدت بیماری میں آنحضرتؐ کی نسبت اور کوئی واقعہ اختلال حواس کا کسی روایت میں مذکور نہیں (۴) اس واقعہ کے وقت کثرت سے صحابہ موجود تھے لیکن یہ حدیث باوجود اسکے کہ بہت سے طریقوں سے مروی ہے (چنانچہ صرف صحیح بخاری میں ۷ طریقوں سے مذکور ہے) با ایں ہمہ بجز عبداللہ بن عباس کے اور کسی صحابی سے اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں (۵) عبداللہ بن عباس کی عمر اُس وقت صرف ۱۳-۱۴ برس کی تھی (۶) سب سے بڑھکر یہ کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اُس موقع پر عبداللہ بن عباس خود موجود نہ تھے۔ اور یہ معلوم نہیں کہ یہ واقعہ انھوں نے کس سے سُنا (بخاری کتابۃ العلم میں جو حدیث مذکور ہے اُس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس اس واقعہ میں موجود تھے۔ اس لئے محدثین نے اس امر پر بحث کی ہے اور بہ دلائل قطعیہ ثابت کیا ہے کہ وہ موجود نہ تھے۔ دیکھو فتح الباری باب کتابۃ العلم (۷) تمام روایتوں میں مذکور ہے کہ جب آنحضرتؐ نے کاغذ قلم مانگا تو لوگوں نے کہا کہ رسول اللہؐ بہکی ہوئی باتیں کررہے ہیں (علامہ قرطبی نے یہ تاویل کی ہے اور اس پر اُن کو ناز ہے کہ لوگوں نے یہ لفظ انکار اور استعجاب کے طور پر کہا تھا یعنی یہ کہ آنحضرتؐ کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیئے خدانخواستہ آنحضرتؐ کا قول ہذیان تو نہیں کہ اس پر لحاظ نہ کیا جاوے۔ یہ تاویل لگتی ہوئی ہے لیکن بخاری و مسلم کی بعض روایتوں میں ایسے صاف الفاظ ہیں جن میں اس تاویل کا احتمال نہیں۔ مثلاً ھجر ھجر (دو دفعہ) یا ان رسول اللہؐ ھجر (صحیح مسلم)۔ اب سب سے پہلے یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ جب اور کوئی واقعہ یا قرینہ آنحضرتؐ کے اختلال حواس کا کہیں کسی روایت میں مذکور نہیں تو صرف اس قدر کہنے سے کہ قلم دوات لاؤ لوگوں کو ہذیان کا خیال کیونکر پیدا ہوسکتا تھا؟

فرض کرلو کہ انبیاء سے ہذیان سرزد ہو سکتا ہے لیکن اسکے یہ معنے تو نہیں کہ وہ معمولی بات بھی کہیں تو ہذیان سمجھی جائے۔ ایک پیغمبر کا وفات کے قریب یہ کہنا کہ قلم دوات لاؤ میں ایسی چیز لکھ دوں کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو۔ اس میں ہذیان کی کیا بات ہے؟ (ہمارے نکتہ سنجوں نے یہ مضمون آفرینی کی ہے کہ چونکہ رسول اللہ لکھنا نہیں جانتے تھے اس لئے آپ کا یہ فرمانا کہ میں لکھ دوں ہذیان کا قرینہ تھا لیکن ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ لکھنے کے معنے لکھوانے کے بھی آتے ہیں اور یہ مجاز عموماً شائع اور ذائع ہے) یہ روایت اگر خواہ مخواہ صحیح سمجھی جائے تب بھی اس قدر بہرحال تسلیم کرنا ہوگا کہ راوی نے روایت میں وہ واقعات چھوڑ دیئے ہیں۔ جن سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرتؐ ہوش میں نہیں ہیں اور بے ہوشی کی حالت میں قلم دوات طلب فرما رہے ہیں۔ پس ایسی روایت سے جس میں کہ راوی نے واقعہ کی نہایت ضروری خصوصیتیں چھوڑ دیں کسی واقعہ پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہے۔ اسکے ساتھ جب ان امور کا لحاظ کیا جائے کہ اتنے بڑے عظیم الشان واقعہ میں تمام صحابہ میں سے صرف حضرت عبداللہ بن عباس اس کے راوی ہیں۔ اور یہ کہ اُن کی عمر اُس وقت کل ۱۳-۱۴ برس کی تھی۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ وہ خود واقعہ کے وقت موجود نہ تھے تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس روایت کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ کسی کوتاہ نظر پر یہ امر گراں گزرے کہ بخاری اور مسلم کی حدیث پر شبہ کیا جائے۔ لیکن اُس کو سمجھنا چاہیے کہ بخاری اور مسلم کے کسی راوی کی نسبت یہ شبہ کرنا کہ وہ واقعہ کی پوری ہیئت محفوظ نہ رکھ سکا اس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ رسول اللہ کی نسبت ہذیان اور حضرت عمر کی نسبت گستاخی کا الزام لگایا جائے" (الفاروق حصہ اول صفحہ ۶۴)

واقعہ قرطاس کے متعلق مولوی صاحب نے صرف اسی قدر لکھا ہے۔ اس عبارت میں اکثر جملے ایسے ہیں جنکی حقیقت ہمارے گزشتہ بیانات سے اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ البتہ اس میں بعض باتیں ایسی بھی ہیں جن کا ذکر پہلے نہیں ہوا اس وجہ سے اُن پر روشنی ڈال دینا بھی ضروری ہے آپ نے تحریر فرمایا ہے "اس واقعہ کے وقت کثرت سے صحابہ موجود تھے لیکن یہ حدیث باوجود اسکے کہ بہت سے طریقوں سے مروی ہے۔ چنانچہ صرف صحیح بخاری میں ۷ طریقوں سے مذکور ہے بایں ہمہ بجز عبداللہ بن عباس کے اور کسی صحابی سے اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں"۔ اگر مولوی صاحب کی یہ عبارت تسلیم بھی کر لی جائے تو سوال یہ

Marfat.com

ہے کہ صرف حضرت ابن عباس کے روایت کر دینے سے کیا روایت کمزور تسلیم کر لی جائے گی؟ کیا اسکے علاوہ اور بہت سی روایتیں ایسی نہیں ہیں جو صرف حضرت ابن عباس سے مروی ہیں اور اُن کو بالکل اُسی طرح تسلیم کیا جاتا ہے جس طرح اُن روایتوں کو جن کے راوی بکثرت صحابہ ہیں۔ پھر یہ شبہات اُن دوسری راویتوں میں جن کے بیان کرنے میں جناب ابن عباس منفرد ہیں کیوں نہیں وارد کئے جاتے؟ دوسرے صحابہ بھی جن روایتوں کے بیان میں منفرد ہیں کیوں نہیں اسی نظر سے دیکھے جاتے جس طرح واقعہ قرطاس کے متعلق حضرت ابن عباس دیکھے گئے؟ یہ معلوم ہے کہ حضرت ابن عباس کی اپنی خلافت کا مسئلہ نہیں تھا۔ اُن کو وصیت نامہ کے لکھے جانے سے کوئی حکومت نہیں مل جاتی۔ کوئی جائداد نہیں حاصل ہو جاتی۔ کوئی دولت ہاتھ نہیں لگ جاتی۔ بلکہ جس کو آنحضرتؐ خلیفہ لکھنے والے تھے اسی کو مسلمانوں کی حکومت حاصل ہو سکتی تھی۔ البتہ اگر وہ شخص حضرت ابوبکر و عمر کے علاوہ کوئی ہوتا تو ان دونوں بزرگوں کا ضرور نقصان عظیم ہوتا۔ غرض وصیت نامہ لکھ جاتا تو حضرت علیؑ وغیرہ کا نفع ہوتا اور حضرت ابوبکر و عمر وغیرہ کا نقصان یا اس کا عکس بہرصورت جناب ابن عباس کا نہ کوئی نفع ہوتا نہ نقصان۔ ایسی صورت میں جناب ابن عباس کی حیثیت بے غرض۔ بے لوث۔ بے شک و شبہ مخبر کی ہو جاتی ہے۔ جن کی تنہا روایت کافی ہے برخلاف اس کے حضرت ابوبکر نے حدیث نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث الخ تنہا رقا کی حالانکہ اس روایت کے مان لینے پر حضرت ابوبکر کا نفع ہی نفع ہوا۔ اس وجہ سے اُنکی یہ تنہا روایت قابل قبول نہیں ہونی چاہیئے۔ باوجود اسکے حضرت ابوبکر کی یہ روایت جس میں وہ منفرد ہیں قبول کر لی جاتی ہے۔ اور حضرت ابن عباس کی یہ روایت جس کا اثر اُنکی ذات پر کچھ نہیں پڑ سکتا تھا۔ اس قسم کی عبارت آرائیوں سے ہوا میں اُڑا دی جاتی ہے ع بہ بیں تفاوت رہ از کجا تا بکجا۔ حضرت ابوبکر کی اس حدیث کے بارے میں تو اور زیادہ زور سے کہنا چاہیئے تھا کہ "یہ حدیث اُنکے خاص نفع کی ہے اور نیز اُن کے اور کسی صحابی سے اس حدیث کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں"۔ اس وجہ سے یہ ناقابل اعتبار نالائق توجہ ہے۔ درصورتیکہ حضرت ابوبکر کی حدیث نحن معاشر الانبیاء قرآن مجید کے مخالف بھی ہے کہ وہ کہتا ہے و لکل جعلنا مما ترک الوالدان والاقربون اور جو ترکہ ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ مریں تو ہم نے ہر ایک مرنے والے کی میراث کے حق ٹھہرا دیئے ہیں (پ ۵ - ع ۲)

اور حضرت ابن عباس کی حدیث قرآن مجید کے بالکل موافق ہے کہ وہ حکم دیتا ہے کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف حقا علی المتقین (مسلمانو! تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے سامنے موت آموجود ہو اور وہ کوئی اچھی چیز چھوڑنے والا ہو تو ماں باپ اور رشتہ داروں کے لئے مناسب طور پر وصیت کر جائے جو خدا سے ڈرتے ہیں اُن پر یہ ضروری فرض ہے (پ ۲ ع ۶) - اسی آیت کی تعمیل میں حضرت رسولِ خدا صلعم وصیت نامہ لکھوا دینا چاہتے تھے (کہ علیؑ ہی میرے خلیفہ رہیں گے جس کا اعلان میں سنہ بعثت میں کر چکا ہوں - فاطمہؑ میری میراث پائیں گی وغیرہ) مگر روک دیئے گئے حضرت عائشہ کی متعدد روایتیں ایسی ہیں جن کو ان کے سوا کسی نے نہیں بیان کیا - خاص کر حضرت رسولؐ کی محبت - پیار اور خصوصیت کے متعلق ایسی روایتیں بھری ہوئی ہیں جن کی تائید کسی اور کی روایت سے نہیں ہوتی تو وہ روایتیں کیوں مان لی گئیں اور کیوں ان کے بارے میں نہیں کہا جاتا کہ یہ روایت ایسی ہے کہ باوجودیکہ اور صحابہ و صحابیات بلکہ ازواج رسولؐ موجود تھیں مگر کسی اور نے اس کو روایت نہیں کیا اس سبب سے یہ روایت ناقابل اعتبار ہے - صحابی کی حیثیت سے جو درجہ حضرت ابوبکر و عمر کا ہے وہی حضرت ابن عباس کا بھی - پھر کوئی وجہ نہیں کہ ان دونوں حضرات کی وہ روایتیں جن کے راوی صرف یہ لوگ ہیں مان لیجائیں اور وہ روایت جسکے راوی صرف حضرت ابن عباس ہیں شبہ کی نظر سے دیکھی جائے - حضرت ابن عباس کے متعلق بھی یہ شبہات صرف اس وجہ سے کئے گئے کہ انھوں نے حدیث قرطاس کی روایت کی - اگر وہ کسی اور مضمون کی روایت بیان کرتے مثلاً کہہ دیتے کہ حضرت ابوبکر کو رسولؐ نے اپنا دوست کہا ہے - یا حضرت عمر کو رسولؐ نے اپنا معتمد علیہ کہا ہے - یا حضرت عائشہ کو رسولؐ نے سب عورتوں سے بہتر کہا ہے - تو پھر یہ نکتے پیدا نہیں کئے جاتے بلکہ بزور کہا جاتا کہ حضرت ابن عباس ایسے صحابی نے اس کی روایت کی ہے جو حضرت رسولؐ کے چچا زاد بھائی تھے - جو جرامت تھے - جو رسولؐ کے بڑے مقرب صحابی تھے - جو امت اسلام کے بڑے ہمدرد اور قابل فخر بزرگ تھے - یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر صرف حضرت ابن عباس کے بیان کرنے کی وجہ سے یہ روایت کمزور ہے تو دوسرے صحابہ و تابعین و تبع تابعین نے اس سے اُن سے روایت کیوں کیا - کیوں اُن لوگوں نے بھی

Marfat.com

نہیں کہا کہ حدیث قرطاس کی روایت جب صرف ابن عباس کرتے ہیں اور دوسرے صحابہ اس کے متعلق خاموش ہیں تو روایت کمزور معلوم ہوتی ہے۔ لہذا ہم لوگ اس کی روایت نہ کریں۔ اور کیوں نہ امام بخاری و امام مسلم نے بھی اسی خیال سے اس کی روایت ترک کر دی۔ اگر یہ دونوں بزرگ اس کو معمولی درجہ کی روایت سمجھتے تو آسانی سے اس کو اپنی کتابوں سے نکال دیتے اس کا ذکر ہی نہیں کرتے۔ اس طرح حدیث کی کتابوں میں نہ اس روایت کا دخل ہوتا نہ حضرت رسولؐ کی طرف ہذیان کی نسبت ہوتی۔ نہ حضرت عمر پر گستاخی کا الزام قائم ہوتا۔ مگر بجائے اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ اس روایت کو بڑے بڑے صحابہ و تابعین نے حضرت ابن عباس سے لیا اور دوسروں سے بیان کرتے رہے۔ صحیح بخاری پارہ اول ص۱۰۶ میں یہ روایت اس سلسلہ سے منقول ہے امام بخاری سے یحییٰ ابن سلیمان نے اس روایت کو بیان کیا۔ ان سے ابن وہب نے کہا۔ ان سے یونس نے ذکر کیا۔ ان سے عبید اللہ نے نقل کیا اور ان سے حضرت عبد اللہ بن عباس نے فرمایا اور اتنے بزرگوں سے کسی نے بھی یہ خیال نہیں کیا کہ جناب ابن عباس کے سوائے کوئی صحابی اس حدیث کی روایت نہیں کرتا تو ہم لوگ کیوں اس کو لیں اور کیوں دوسروں سے بیان کریں۔ بجائے اسکے ان لوگوں نے خود بھی اس حدیث کو لیا اور دوسروں سے بیان بھی کرتے رہے۔ اور امام بخاری ایسے محقق حدیث نے بھی کوئی شبہ نہیں کیا بلکہ پورے اہتمام سے اس کو اپنی صحیح میں درج کر دیا۔ پھر اس صحیح بخاری کے پ۱۲ ص۱۲۶ باب جوائز الوفد میں یہ روایت اس طرح ہے امام بخاری کہتے ہیں کہ مجھ سے قبیصہ نے بیان کیا۔ ان سے ابن عیینہ نے کہا۔ ان سے سلیمان احول نے ذکر کیا۔ ان سے سعید بن جبیر نے نقل کیا اور ان سے حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ اس طرح ان لوگوں نے بھی اسکی روایت میں تامل نہیں کیا۔ پھر اسی پارہ۔ ۱۲ ص۱۷۶ میں یہ روایت اس طرح ہے کہ امام بخاری سے محمد نے بیان کیا۔ ان سے ابن عیینہ نے کہا۔ ان سے سلیمان بن ابو مسلم احول نے ذکر کیا۔ انھوں نے سعید بن جبیر سے سنا۔ ان سے حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ پھر پ۱۵ ص۱۰ میں ہے کہ امام بخاری سے قتیبہ نے کہا۔ ان سے سفیان نے بیان کیا۔ ان سے سلیمان احول نے ذکر کیا۔ انھوں نے سعید بن جبیر سے سنا۔ ان سے حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ پھر پ ۱۸ ص۱۱۱ میں ہے کہ امام بخاری سے علی ابن عبد اللہ نے کہا۔ ان سے عبد الرزاق نے بیان کیا۔ ان سے زہری

Marfat.com

نے ذکر کیا۔ ان کو عبید اللہؓ نے خبر دی۔ ان سے حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ پھر پ ۲۳ ص۳۸۴ میں ہے کہ امام بخاری سے عبد اللہ بن محمد نے کہا۔ ان سے عبد الرزاق نے بیان کیا۔ ان سے معمر نے ذکر کیا۔ ان کو زہری نے خبر دی۔ ان سے عبید اللہ بن عبد اللہ نے نقل کیا۔ ان سے حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ پھر پ ۳ ص۱۵ میں ہے کہ امام بخاری سے ابراہیم بن موسیٰ نے کہا۔ ان سے ہشام نے بیان کیا۔ ان سے معمر نے ذکر کیا۔ ان کو زہری نے خبر دی۔ ان سے عبید اللہ بن عبد اللہ نے نقل کیا۔ ان سے حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ جب رسول خداؐ کی رحلت کا وقت آیا تو آپ نے کاغذ قلم دوات طلب کی اسی طرح صحیح مسلم میں یہ روایتیں متعدد معتبر صحابی و تابعی راویوں سے درج ہے۔ پھر جس روایت کو امام بخاری و امام مسلم جو عہد رسولؐ سے کس درجہ قریب تھے اتنے راویوں سے سنیں۔ ان کی تحقیق کریں ان کو جانچیں۔ اور ان سب مرحلوں کے بعد اس کو اپنی کتاب میں لکھ دیں وہ قابل اعتبار ہوگی یا صرف چودھویں صدی میں مولوی شبلی صاحب کے شبہ کر دینے سے مشکوک ہو جا سکتی ہے؟ اب اس کو بھی دیکھو کہ کیا واقعاً حضرت ابن عباس اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں؟ کیا کسی اور صحابی نے اس حدیث کی روایت نہیں کی ہے؟ کیا مولوی شبلی صاحب کا یہ دعوےٰ صحیح ہے؟ احادیث رسولؐ کا بہت بڑا ذخیرہ مسند امام احمد بن حنبل ہے۔ اس میں یہ حدیث اس طرح بھی مروی ہے حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا موسیٰ بن داؤد حدثنا ابن لھیعۃ عن ابی الزبیر عن جابر ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم دعا عند موتہ بصحیفۃ لیکتب فیھا کتابًا لا یضلون بعدہ قال فخالف علیھا عمر بن الخطاب حتی رفضھا امام احمد بن حنبل سے عبد اللہ نے۔ ان سے ان کے باپ نے۔ ان سے موسیٰ نے۔ ان سے ابن لہیعہ نے ان سے ابو الزبیر نے اور ان سے جناب جابر بن عبد اللہ انصاری نے بیان کیا کہ حضرت رسولؐ خدا نے اپنی وفات کے قریب کاغذ مانگا تاکہ اس میں ایسا وصیت نامہ لکھوا دیں جس کے بعد اہل اسلام گمراہ نہ ہوں۔ تو اس کے متعلق حضرت عمر بن الخطاب نے حضرت رسول خدا صلعم سے مخالفت کی یہانتک مخالفت کی کہ موصوف نے اس کاغذ کو لیکر پھینک بھی دیا (مسند احمد بن حنبل جلد ۳ ص۳۴۶ مطبوعہ مصر) اس روایت میں کہیں جناب عباس کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس کے مستقل بیان کرنے والے جابر بن عبد اللہ انصاری ایسے معزز اور محترم صحابیِ رسولؐ ہیں۔ ان کی روایت سے یہ بات بھی معلوم

ہوئی کہ حضرت رسولخدا صلعم کے پاس وصیت نامہ کیلئے کاغذ بھی گیا تھا مگر حضرت عمر نے آنحضرتؐ کی اس درجہ مخالفت کی کہ اس کاغذ کو لیکر پھینک بھی دیا اور دوسرے صحابہ اس پر حضرت عمر سے کچھ بھی نہ بولے۔ اب دیکھو کہ جابر بن عبداللہ انصاری کس درجہ کے صحابی ہیں۔ علامہ ابن اثیر جزری وغیرہ نے لکھا ہے "جابر بن عبداللہ انصاری بیعۃ عقبہ ثانیہ میں بحالت صغر سن اپنے والد کے ہمراہ شریک تھے۔ خود کہتے تھے کہ میں رسولخداؐ کے ہمراہ سترہ غزوات میں شریک تھا۔ اخیر عمر میں نابینا ہوگئے تھے... یہ جابر حدیث کے زیادہ روایت کرنے والوں اور حدیث کے حافظوں میں ہیں۔ ان سے محمد بن علی بن حسین نے اور عمرو بن دینار نے اور ابوالزبیر مکی نے اور عطا نے اور مجاہد وغیرہ نے روایت کی ہے... جابر کہتے تھے کہ میرے لئے رسولخداؐ نے اونٹ والی رات میں پچیس مرتبہ استغفار کیا۔ حضرت جابر نے ۷۴ھ میں اور بقول بعض ۷۸ھ میں وفات پائی۔ آپکی عمر ۹۴ سال کی تھی (ترجمہ اسدالغابہ جلد ۲ صفحہ ۵۸) اور علامہ ابن حجر وغیرہ نے لکھا ہے کان آخر اصحاب رسول اللہ موتا بالمدینۃ... مات سنۃ ثمان وسبعین فاوصی ان لا یصلی علیہ الحجاج اصحاب رسول میں سے مدینہ میں جن لوگوں نے انتقال کیا ان سب کے آخر جابر تھے۔ آپ نے ۷۸ھ میں انتقال کیا اور وصیت کی کہ حجاج بن یوسف ثقفی آپکے جنازہ کی نماز نہ پڑھانے پائے (اصابہ جلد ۱ ص ۲۲۳) آپکے والد بھی حضرت رسولخدا صلعم کے صحابی تھے۔ جناب جابر حضرت رسولخدا صلعم کی خدمت میں برابر رہتے اور حتی الامکان کسی غزوہ تک میں حضور کی معیت نہیں چھوڑی۔ خود بیان کرتے تھے کہ میں رسولؐ اللہ کے ہمراہ ۱۹ غزووں میں شریک ہوا۔ میں غزوۂ بدر و احد میں شریک نہیں ہوسکا۔ کیونکہ میرے والد نے مجھے روک لیا تھا۔ چنانچہ جب وہ غزوۂ احد میں شہید ہوگئے تو پھر میں کسی جہاد میں آنحضرتؐ سے جدا نہیں ہوا۔ (اصابہ جلد ۱ ص ۲۲۳) چونکہ آپ برابر آنحضرت صلعم کے ہم صحبت اور ہم رکاب رہے اور آنحضرت کے انتقال تک کبھی خدمت اقدس سے جدا نہیں ہوئے۔ اسی وجہ سے آنحضرتؐ کی حدیثیں بھی بہت کثرت سے نقل کیں اور دوسرے صحابہ سے بھی بہت روایت کی ہے۔ آپ کی عمر ۹۴ سال کی اور تاریخ وفات ۷۴ھ لکھی گئی ہے۔ اس سے واضح ہے کہ وفات رسولؐ کے وقت آپ ۲۰ سال کے تھے اور امام احمد بن حنبل جنکی کتاب مسند میں حدیث قرطاس جناب جابر کی روایت سے بھی موجود ہے امام بخاری اور مسلم کے بھی استاد تھے۔ چنانچہ ترجمہ مشکوٰۃ کے دیباچہ میں ہے "احوال امام احمد کا۔ نام انکا

احمد بن محمد بن حنبل ہے۔ اور کنیت ان کی ابو عبداللہ ہے۔ امام احمد حدیث اور فقہ اور زہد و ورع میں لوگوں کے پیشوا اور مقتدا تھے۔ ان کی جلالت کے واسطے یہی کافی ہے کہ امام بخاری اور مسلم اور ابوزرعہ اور ابوداؤد سجستانی وغیرہ ان کے شاگرد ہیں۔ اور کتاب ان کی جس کا نام مسند احمد ہے محدثین کے درمیان مشہور ہے۔ تیس ہزار سے زیادہ اس میں حدیثیں ہیں ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے بغداد میں اور ۲۴۱ھ میں فوت ہوئے بغداد میں۔ ان کے جنازہ پر قریباً آٹھ لاکھ آدمی حاضر تھے اور ساٹھ ہزار عورتیں اور بیس ہزار یہود و نصاریٰ اُس دن مسلمان ہوئے" (ترجمہ مشکوٰۃ مطبوعہ لاہور جلد ۱ صفحہ دیباچہ) یہ کس قدر افسوسناک امر ہے کہ مولوی شبلی صاحب ایسے عالم متبحر جو ہزاروں کتابیں دیکھ چکے ہوں گے اور جنکے ایسا وسیع النظر عالم ان کی جماعت میں غالباً کوئی تھا ہی نہیں اتنا بڑا دعوے لیکر بیٹھے کہ "بجز عبداللہ بن عباس کے اور کسی صحابی سے اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں" حالانکہ جناب جابر کی روایت کتاب مسند احمد بن حنبل سے دکھا دی گئی اور یہ کتاب یقیناً ممدوح نے پڑھی بھی ہوگی لیکن آپ کو اپنی کتاب کے ہر دلعزیز بنانے کا اس قدر جوش تھا کہ کتاب مسند احمد بن حنبل کی اس روایت سے آنکھیں بند کرلیں۔ ابھی معلوم نہیں کتنی کتابوں میں کس کس صحابی سے یہ حدیث مروی ملیگی مگر سب سے نقل کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ دوسرا امر جس پر آپنے بہت زیادہ اور بار بار زور دیا یہ ہے کہ "عبداللہ بن عباس کی عمر اُس وقت صرف ۱۳-۱۴ برس کی تھی" لیکن اگر ہو بھی تو اس سے اعتراض کیا ہو سکتا ہے؟ ۱۴ سال کی عمر حدیثوں کے یاد کرنے کیلئے کافی ہے خود ہندوستان میں کتنے لڑکے ۱۴ سال کی عمر میں حافظ قرآن مجید ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ اس کا ایک لفظ بھی سمجھتے نہیں۔ کیونکہ ان کی زبان اُردو ہوتی ہے اور قرآن مجید عربی زبان میں تھا۔ پھر جناب ابن عباس ۱۳-۱۴ سال کی عمر میں حدیث قرطاس کو کیوں نہ یاد رکھتے درصورتیکہ ان کی زبان عربی تھی اور حدیث بھی عربی ہی کی تھی۔ آپ کے علم و فضل کی حالت تو ایسی تھی کہ اگر ۴-۵ سال کے ہوتے جب بھی آپکی کل حدیثوں پر یقین ہو جاتا۔ علماء رجال نے آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ "آپ کے بارے میں حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا تھا" اے اللہ ان کو کتاب و حکمۃ کا علم عطا فرما" اور خود جناب ابن عباس فرماتے تھے کہ مجھ کو رسول اللہ نے اپنے سینے سے لگا کر فرمایا "اے اللہ ان کو حکمۃ تعلیم فرما" ان کو لوگ بحر (سمندر) کہتے تھے بوجہ اس کے کہ ان کا علم بہت وسیع تھا اور لوگ انکو خیر الامۃ بھی کہتے تھے۔ نبیؐ نے اپنا لعاب دہن آپکے منہ میں ڈالدیا تھا... آپنے جبرئیل کو رسولؐ کے پاس

Marfat.com

دو مرتبہ دیکھا تھا... اور رسول نے آپ کے لئے دو مرتبہ دعا کی۔ حضرت عمر کے پاس جب پیچیدا مقدمات آتے تو وہ حضرت ابن عباس سے کہتے کہ یہ پیچدار مقدمات ہمارے پاس آئے ہیں۔ ایسے مقدمات کے لئے تمہیں ہو۔ پھر انھیں کے قول پر عمل کرتے۔ اور اس قسم کے کاموں کیلئے سوائے ابن عباس کے کسی کو طلب نہ کرتے تھے... عبید اللہ کہتے تھے کہ حضرت ابن عباس چند باتوں میں تمام لوگوں سے فوقیت رکھتے تھے، ان سے پہلے جس قدر احادیث ہو چکی تھیں ان کے علم میں اور علم فقہ میں جسکی لوگوں کو ضرورت رہتی ہے اور علم میں اور نسب میں اور تاویل میں میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ ان سے زیادہ رسولخداؐ کی گذشتہ حدیثوں کا علم رکھتا ہو۔ یا ابوبکر و عمر و عثمان کے فیصلوں کا ان سے زیادہ علم رکھتا ہو یا شعر و عربیت یا تفسیر قرآن یا حساب یا فرائض کا علم ان سے زیادہ رکھتا ہو۔ یا لوگوں کو جن باتوں کی ضرورت ہے ان باتوں میں ان سے زیادہ مضبوط رائے رکھتا ہو۔ وہ ایک دن بیٹھتے تھے اور سوائے فقہ کے اُس دن اور کچھ نہ بیان کرتے تھے۔ اور ایک دن تفسیر بیان کرتے تھے اور ایک دن واقعاتِ عرب۔ میں نے جس عالم کو دیکھا کہ ان کے پاس بیٹھا اُس نے ضرور ان کے سامنے سر جھکا لیا۔ جس سائل نے ان سے کوئی بات پوچھی اُس نے ان کے پاس علم پایا۔ لیث بن ابی سلیم کہتے ہیں میں نے طاؤس سے کہا کہ تم اس لڑکے یعنی ابن عباس کے پاس بیٹھے ہو اور تم نے اکابر صحابہ کو چھوڑ دیا۔ طاؤس نے جواب دیا کہ میں نے ۷۰ آدمیوں کو اصحابِ رسولخداؐ سے دیکھا کہ جب وہ کسی امر میں اختلاف کرتے تھے تو حضرت ابن عباس کے قول کی طرف رجوع کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس نے نبیؐ اور حضرت عمر اور حضرت علیؑ اور معاذ بن جبل اور ابوذر سے روایت کی ہے اور ان سے حضرت عبداللہ بن عمر اور انس بن مالک اور ابو الطفیل اور ابو امامہ بن سہل بن حنیف اور اُن کے بھائی کثیر بن عباس اور ان کے بیٹے علی بن عبداللہ بن عباس اور اُن کے غلاموں عکرمہ اور کریب اور ابو معبد نافذ نے اور عطاء بن ابی رباح اور مجاہد اور ابن ابی ملیکہ اور عمرو بن دینار اور عبید بن عمیر اور سعید بن مسیب اور قاسم بن محمد اور عبیداللہ بن عبداللہ بن عقبہ اور سلیمان بن یسار اور عروہ بن زبیر اور علی بن حسین اور ابو الزبیر اور محمد بن کعب اور طاؤس اور وہب بن منبہ اور ابو الضحیٰ اور اور بہت سے لوگوں نے علاوہ ان کے روایت کی ہے... جب آپ دفن کر دیئے گئے تو جناب محمد بن حنفیہ نے کہا کہ واللہ آج کے دن اس امت کا عالم مر گیا۔ جس وقت نبیؐ کی وفات ہوئی تھی ان کی عمر ۱۳ سال کی تھی اور بعض لوگوں نے کہا ہے ۱۵ سال کی تھی۔ (جب انسان بالغ ہو جاتا ہے)

Marfat.com

(ترجمہ اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۱۶۶) اگر جناب ابن عباس کی کم سنی سے آپ کی روایت کمزور ہو سکتی تو اتنے بڑے صحابہ (حضرت عمر کے فرزند حضرت عبداللہ یا جناب انس بن مالک وغیرہ) اور اتنے عظیم الشان تابعین کیوں آپ سے حدیثیں لیتے؟ آپ تو جناب ابن عباس کی عمر وفاتِ رسولؐ کے وقت ۱۳-۱۴ سال بتاتے ہیں مگر خود جناب ابن عباس نے اس سے زیادہ بتائی ہے۔ امام احمد بن حنبل نے لکھا ہے عن ابن عباس قال توفی رسول اللہ وانا ابن خمس عشرۃ سنۃ جناب ابن عباس بیان فرماتے تھے کہ وفات رسولؐ کے وقت میں پندرہ سال کا تھا (مسند احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۳۴۷) بہرکیف آپ خواہ پندرہ سال کے ہوں یا چودہ سال یا تیرہ سال کے آپ کی کمسنی کی وجہ سے آپ کی حدیث پر کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ آیئے ہم آپ کو آپ ہی کی کتاب الفاروق اور آپ ہی کے ہیرو حضرت عمر کے قول سے ایسی عبارت یاد دلائیں جس سے آپ کی پوری تشفی ہو جائے۔ اور پھر آپ کیلئے کچھ بھی جلے دم زدن باقی نہ رہے۔ آپ ہی دوسری جگہ لکھتے ہیں "محدث عبدالبر نے استیعاب میں لکھا ہے کان عمر یحب بن عباس ویقربہ یعنی حضرت عمر ابن عباس کو محبوب رکھتے تھے اور ان کو تقرب دیتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ حضرت عمر کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا عبداللہ بن عباس اس کا جواب دینا چاہتے لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجکتے حضرت عمر ان کی ہمت بندھاتے اور فرماتے کہ علم سن کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہیں ہے" (الفاروق حصہ دوم صفحہ ۲۳۹ مطبوعہ کان پور) غالباً اس سے واضح تر کوئی قول حضرت ابن عباس کے متعلق آپ کے اطمینان کے لئے نہیں ہو سکتا۔ اور اس وجہ سے اب حدیث قرطاس پر کوئی شبہ بھی نہیں ہو سکتا۔ پھر آپ نے لکھا ہے "سب سے بڑھکر یہ کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس موقع پر عبداللہ بن عباس خود موجود نہ تھے اور معلوم نہیں کہ یہ واقعہ انھوں نے کس سے سنا"۔ اس پر پہلا سوال یہ ہے کہ کیونکر معلوم ہوا اُس موقع پر عبداللہ بن عباس خود موجود نہ تھے؟ اگر خود موجود نہ ہوتے تو ان کے زمانہ ہی میں وہ صحابہ جن سے آپ نے یہ حدیث بیان کی کیا آپ سے یہ سوال نہ کرتے کہ آپ خود تو اُس موقع پر تھے نہیں پھر آپ نے اس کو کس سے سنا؟ خود آپ لکھ چکے ہیں کہ صحیح بخاری میں یہ روایت ۷ طریقوں سے مروی ہے۔ تو ہر طریق کے راویوں کو جناب ابن عباس پر اعتراض کرنے کا موقع ملتا کہ آپ خود تو اُس موقع پر تھے نہیں۔ پھر آپ کیوں اس حدیث کو روایت کرتے ہیں؟ صحیح بخاری میں پہلے طریقہ کی روایت میں

Marfat.com

ہے کہ جناب ابن عباس نے جناب عبید اللہ بن عبد اللہ سے اس حدیث کو بیان کیا تو اُس وقت عبید اللہ نے موصوف پر کیوں نہیں اعتراض کیا کہ اے جناب آپ تو اُس موقع پر تھے نہیں پھر آپ کیوں اسے بیان کرتے ہیں؟ بجائے اس کے انھوں نے یہ روایت موصوف سے لی اور دوسرے معتبر راویوں سے برابر بیان کرتے رہے۔ دوسرے طریقہ کی روایت میں ہے کہ جناب ابن عباس نے جناب سعید بن جبیر سے بیان کیا۔ انھوں نے بھی کیوں یہ حدیث موصوف سے لی۔ کیوں دوسرے سے اس کی روایت کی اور کیوں نہ حضرت ابن عباس پر اعتراض کیا کہ آپ خود تو اس موقع پر تھے نہیں۔ پھر آپ کو معلوم کیونکر ہوا کہ حضرت رسو لخدا صلعم نے یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی؟ پھر عبید اللہ بن عبد اللہ اور جناب سعید بن جبیر نے جن لوگوں سے اس حدیث کی روایت کی انھوں نے بھی ان دونوں بزرگوں پر یہ اعتراض نہیں کیا کہ آپ نے جناب ابن عباس سے یہ حدیث کیوں لی۔ اس کی کیوں روایت کرتے ہیں۔ اسکو کیوں صحیح سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ جناب ابن عباس تو اُس وقت اس موقع پر تو تھے ہی نہیں اور یہ معلوم نہیں کہ یہ واقعہ انھوں نے کس سے سنا۔ سب سے آخر میں امام بخاری و مسلم پر اعتراض ہوگا کہ کیا ان کے ایسے محقق و محتاط محدثوں کو بھی خبر نہیں ہوئی کہ حضرت ابن عباس اُس موقع پر نہیں تھے؟ جب مولوی شبلی صاحب کو چودہویں صدی ہجری میں یہ بات معلوم ہوگئی کہ حضرت ابن عباس ۱۱ھ میں وفات رسولؐ کے وقت وہاں نہ تھے تو امام بخاری کو دوسری صدی ہجری میں یہ بات کیوں نہ معلوم ہوسکی؟ اگر معلوم ہوئی تو پھر انھوں نے اسکو صحیح کیوں سمجھا اور اسے اپنی کتاب صحیح بخاری میں لکھا کیوں؟ وہ بھی ایک جگہ نہیں بلکہ سات سات موقعوں پر۔ لطف یہ ہے کہ خود اسی صحیح بخاری میں جناب ابن عباس کے الفاظ موجود ہیں جن سے یقینی ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے سامنے رسولؐ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی اور آپ اُس وقت وہاں موجود تھے۔ مگر اس کا کیا علاج کہ مولوی شبلی صاحب نے روایت سے آنکھیں بند کرلیں۔ اللہ اکبر! اس سے زیادہ قابلِ افسوس امر کیا ہوسکتا ہے کہ صحیح بخاری کے الفاظ پکار رہے ہیں کہ جناب ابن عباس کے سامنے کل واقعہ ہوا اور آپ وہیں تھے۔ مگر مولوی صاحب نہ اس عبارت کو پڑھتے ہیں نہ اس کا ترجمہ کرتے ہیں اور خود اس کے خلاف دعویٰ کر رہے ہیں کہ وہ تھے ہی نہیں۔ ملاحظہ فرمائیے عن ابن عباس قال لمّا اشتدّ بالنبیّ وجعہ قال ائتونی بکتاب اکتب لکم کتابًا لا تضلّوا بعدہ قال عمر ان النبیّ غلبہ الوجع وعندنا

کتاب اللہ حسبنا فاختلفوا وکثر اللغط قال قوموا عنی ولا ینبغی عندی التنازع فخرج ابن عباس یقول ان الرزیۃ کل الرزیۃ ما حال بین رسول اللہ ﷺ وبین کتابہ جناب ابن عباس فرماتے تھے کہ رسولؐ کا مرض شدید ہو گیا تو فرمایا میرے پاس کاغذ لاؤ میں ایسا وصیت نامہ لکھ دوں کہ پھر تم لوگ گمراہ نہ ہو گے۔ اس پر حضرت عمر نے کہا ان کو درد کی بے چینی ہے اور ہمیں کتاب خدا کافی ہے۔ پھر لوگوں نے اختلاف کیا اور شور و غل زیادہ ہوا تو رسول نے فرمایا میرے پاس سے چلے جاؤ۔ میرے پاس جھگڑا مناسب نہیں۔ اس کے بعد جناب ابن عباس وہاں سے یہ کہتے ہوئے نکلے کہ پوری مصیبت یہ ہے کہ رسولؐ کو وصیت نامہ نہیں لکھنے دیا گیا (صحیح بخاری باب کتابۃ العلم ص ۱۰) فخرج ابن عباس (جناب ابن عباس وہاں سے نکل گئے) سے زیادہ واضح کوئی عبارت ہو سکتی ہے جو بتائے کہ وہ وہاں موجود تھے۔ اور جب دیکھ لیا کہ حضرت وصیت نامہ نہیں لکھ سکے تو اس صدمہ میں اس حجرے سے باہر نکل آئے۔ مولوی صاحب نے اپنے دعوے کی دلیل متن کتاب میں تو کوئی بھی نہیں دی البتہ حاشیہ میں لکھتے ہیں "بخاری باب کتابۃ العلم میں جو حدیث مذکور ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس اس واقعہ میں موجود تھے" دیکھو فتح الباری باب کتابۃ العلم" کوئی شخص مولوی صاحب سے دریافت کرتا کہ اگر امام بخاری کسی امر کا دعوے کریں اور دوسرے مورخین اس کے خلاف ثابت کریں تو کس کی بات مانی جائیگی؟ پھر امام بخاری کی کتاب کو صحیح بخاری لقب ہی کیوں دیا گیا؟ فتح الباری ہی کو لوگوں نے صحیح فتح الباری کیوں نہیں کہا؟ اور فتح الباری میں بھی تو کوئی دلیل نہیں دی ہے۔ آپ "بدلائل قطعیہ" لکھتے ہیں حالانکہ وہاں "بدلائل ضعیفہ" "بدلائل مستنکرہ" "بدلائل وہمیہ" بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔ فتح الباری کی عبارت یہ ہے فخرج ابن عباس یقول ظاھر ان ابن عباس کان معھم وانہ فی تلک الحالۃ خرج قائلا ھذہ المقالۃ ولیس الامر فی الواقع علی ما یقتضیہ ھذا الظاھر بل قول ابن عباس المذکور انما کان لقولہ عند ما یحدث بھذا الحدیث۔ جناب ابن عباس یہ کہتے ہوئے نکلے۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ جناب ابن عباس ان لوگوں کے ساتھ ہی رسولؐ کے حجرے میں تھے۔ اور یہ کہ وہ اسی حالت میں اس بات کو کہتے ہوئے وہاں سے نکلے حالانکہ فی الواقع

ایسا نہیں ہے جیسا اس مقام کا ظاہر مقتضی ہے بلکہ جناب ابن عباس قول مذکور اُس وقت کہتے تھے جب اس حدیث کو بیان کرتے تھے (فتح الباری پ ۱ ص ۱۷۴) فرمائیے اس میں کون جملہ کون لفظ کون حرف دلیل کا ہے؟ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ جب جناب ابن عباس اس حدیث کو بیان کرتے تو اس طرح کہتے۔ اس سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ جناب ابن عباس اُس وقت وہاں نہیں تھے۔ حالانکہ امام بخاری کا لفظ صاف کہتا ہے کہ جناب ابن عباس وہیں تھے۔ ورنہ فخرج ابن عباس یقول (جناب ابن عباس یہ کہتے ہوئے وہاں سے نکلے) کا اور کوئی مطلب ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر امام بخاری کو عربی زبان آتی تھی۔ اگر وہ عربی عبارت لکھ سکتے تھے۔ اگر انھوں نے اس روایت کو بے ہوشی وغیرہ کی حالت میں نہیں لکھا تو آپ کو ماننا پڑیگا کہ ان کا مطلب بھی اس لکھنے سے یہی تھا کہ جناب ابن عباس وہاں سے یہ بات کہتے ہوئے نکلے کہ یہ سب سے بڑی مصیبت ہے کہ رسول وصیت نامہ لکھنا چاہتے تھے مگر آپ کو لکھنے نہیں دیا گیا۔ آخر میں مولوی صاحب نے لکھا ہے "یہ روایت خواہ مخواہ اگر صحیح سمجھی جائے تب بھی بہر حال اس قدر تسلیم کرنا ہوگا کہ راوی نے روایت میں وہ واقعات چھوڑ دیئے ہیں جن سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرتؐ ہوش میں نہیں ہیں اور بیہوشی کی حالت میں قلم دوات طلب فرما رہے ہیں۔ پس ایسی روایت سے جس میں کہ راوی نے اس واقعہ کی نہایت ضروری خصوصیتیں چھوڑ دیں کسی واقعہ پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہے" اگر یہ روایت صحیح بخاری ایسی کتاب میں موجود ہے وہ بھی ایک نہیں بلکہ سات طریقوں سے اور اگر اس کے راوی حضرت عبداللہ بن عباس ایسے حبر الامۃ صحابی ہیں جن کی حدیثوں سے کتب صحاح بھری ہوئی ہیں۔ اور اس کے سلسلۂ رواۃ میں کل راوی معتبر ہی ہیں تو اس کے صحیح سمجھنے میں کسی مسلمان کو شک تک نہیں ہو سکتا۔ خواہ مخواہ صحیح سمجھنا تو درکنار رہا رہا کچھ واقعات کا چھوڑ دینا تو اس کا احتمال بعید تک نہیں ہے۔ رسو نخدا صلعم بیمار پڑے اور وصیت نامہ لکھنا چاہا تو اس کو حضرت عمر نے اپنی مصلحت کے خلاف سمجھکر روک دیا اس میں اور واقعات ہی کیا ہو سکتے ہیں جن کے چھوڑنے کا شبہ کیا جائے؟ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ صحیح مسلم صحیح بخاری مشکوٰۃ وغیرہ میں حضرت کی زندگی کے مسلسل حالات نہیں لکھے ہیں بلکہ جس مضمون کے لکھنے کا خیال ہوا اسی کے متعلق حدیثیں جمع کی ہیں تو تاریخی

Marfat.com

کتابوں کے بارے میں تو شبہ نہیں ہو سکتا آؤ دیکھیں معتبر تاریخیں ان واقعات کو کس طرح بیان کرتی ہیں۔ اگر حدیث کی کتابوں میں کچھ واقعات چھوڑ دیئے گئے ہوں گے تو مورخین نے ضرور ان کو لکھ دیا ہو گا کیونکہ بغیر اس کے ان کا فرض تاریخ نویسی پورا نہیں ہو سکتا اور ان کی کتاب کامل نہیں سمجھی جا سکتی۔ اسلامی تاریخ میں سب سے زیادہ معتبر اور مفصل تاریخ علامہ طبری کی ہے اس کی روایت صرف اس قدر ہے عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال یوم الخمیس و ما یوم الخمیس قال اشتد برسول اللہ وجعہ فقال ائتونی اکتب لکم کتابا لا تضلوا بعدی ابدا فتنازعوا ولا ینبغی عند نبی ان یتنازع فقالوا ما شانہ اھجر استفہموہ فذھبوا یعیدون علیہ فقال دعونی فما انا فیہ خیر مما تدعونی الیہ جناب سعید بن جبیر حضرت ابن عباس سے روایت کرتے تھے کہ وہ کہنے لگے۔ جمعرات کا دن۔ ہائے جمعرات کا دن! اس روز رسولؐ کا مرض تیز ہو گیا تو فرمایا میرے پاس قلم دوات کاغذ لاؤ میں وہ وصیت نامہ لکھ دوں کہ میرے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ اس پر لوگوں نے جھگڑنا شروع کیا اور یہ مناسب نہیں ہے کہ رسولؐ کے پاس جھگڑا کیا جائے۔ لوگوں نے کہنا شروع کیا ان کی کیا حالت ہے۔ کیا ہذیان ہو گیا ہے؟ دریافت تو کرو۔ تو وہ لوگ حضرتؐ پر اس بات کا اعادہ کرتے ہوئے گئے اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا تم لوگ مجھے چھوڑ دو کیونکہ میں جس حال میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جسکی طرف تم مجھے بلاتے ہو (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۹۳) تعجب تو یہ ہے کہ حضرت رسولؐ کے اس قول (کہ میرے پاس سے چلے جاؤ۔ مجھے چھوڑ دو۔ یہاں سے نکل جاؤ۔ تم مجھے جس طرف بلاتے ہو اس سے بہتر حالت میں ہوں) کے بعد لوگوں نے یہ نہیں کہا کہ رسولؐ کو ہذیان نہیں ہے۔ اگر آپؐ کو ہذیان ہوتا تو ہم لوگوں کو یہاں سے نکل جانے کو نہیں فرماتے۔ ہماری باتوں سے رنجیدہ نہیں ہوتے۔ ہمارے جملہ سے اذیت نہیں پہونچتی۔ آپ ہوش و حواس میں ہیں۔ آپ ہماری ہر بات سنتے اور سمجھتے ہیں۔ ایسی حالت میں کل باتوں کا کہنے والا سمجھنے والا اور ان کا اثر لینے والا بے ہوش نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی بات ہذیان نہیں قرار پا سکتی۔ ان وجوہ سے ماننا پڑتا ہے کہ سب یہ سمجھتے تھے کہ رسولؐ کو ہذیان نہیں ہے۔ آپ بے ہوش و حواس نہیں ہیں۔ آپ کا دماغ اعتدال سے بڑھا نہیں ہے بلکہ آپ صحیح حالت میں ہیں اور صرف کسی مخصوص منصوبہ کیلئے آپ کی بات ہذیان قرار دی گئی تاکہ آپ وصیت نامہ نہ لکھنے پائیں اور آپ کی وفات ہو جائے اور یہ خطرناک کام کسی طرح ٹالا جائے

Marfat.com

عبرتناک فرق اس میں تو کسی سچے مسلمان کو عذر نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم یقیناً حضرت ابوبکر سے افضل تھے۔ پس اگر انسانی اثر کی وجہ سے حضرت رسولخدا میں کوئی عیب پیدا ہو سکتا ہے تو اس سے زیادہ حضرت ابوبکر میں پیدا ہونے کا امکان تھا۔ اور اگر کوئی عیب حضرت ابوبکر میں نہیں پیدا ہو سکتا تو حضرت رسولخدا صلعم میں بدرجۂ اولیٰ نہیں پیدا ہونا چاہیئے اب دونوں بزرگوں کی آخری حالت اور اس میں حضرت عمر کا دونوں صاحبوں سے برتاؤ دیکھو تو تم کو آسمان و زمین کا فرق نظر آئیگا۔ حضرت رسولخدا صلعم بیمار ہوئے اور وفات کے قریب وصیت نامہ لکھنا چاہا تو حضرت عمر نے اسکو روکدیا اور کسی طرح لکھنے ہی نہیں دیا بلکہ رسول کی طرف ہذیان کی نسبت دے دی اور قرآن کے ساتھ کسی وصیت نامہ کی ضرورت نہیں سمجھی۔ حضرت ابوبکر بھی بیمار ہوئے اور وصیت نامہ لکھنا چاہا تو حضرت عمر نے نہ اس کو روکا اور نہ اس کے لکھنے میں کوئی عذر کیا بلکہ ڈنڈا لیکر لوگوں سے کہتے تھے کہ یہ خلیفۂ رسولؐ کا وصیت نامہ ہے اسکو مان لو۔ مورخین نے بتصریح لکھا ہے۔ قیس قال رأیت عمر بن الخطاب وھو یجلس والنّاس معہ و بیدہ جریدۃ وھو یقول ایھا النّاس اسمعوا واطیعوا قول خلیفۃ رسول اللہ انہ یقول انی لم آلکم نصحا قال ومعہ مولیٰ لابی بکر یقال لہ شدید معہ الصحیفۃ الّتی فیھا استخلاف عمر قیس بیان کرتے تھے کہ میں نے دیکھا حضرت عمر کے ساتھ اور لوگ ہیں اور ان کے ہاتھ میں ڈنڈا ہے اور وہ ان لوگوں سے کہتے ہیں اے لوگو رسولؐ اللہ کے خلیفہ (حضرت ابوبکر) کے وصیت نامہ کی بات سنو اور ان کی اطاعت کرو۔ وہ کہتے ہیں کہ انھوں نے اس میں تمھاری خیر خواہی کی کوئی بات اٹھا نہیں رکھی ہے۔ اُس وقت حضرت عمر کے ساتھ حضرت ابوبکر کا غلام شدید حضرت ابوبکر کا وہ وصیت نامہ لئے ہوئے تھا جس میں حضرت عمر کے خلیفہ بنائے جانے کا مضمون تھا (تاریخ طبری جلد ۳ ص۵۲ و کامل جلد ۲ ص۱۲۳ و امامت و سیاست جلد ۱ ص۳۳ وغیرہ) حضرت ابوبکر بھی اسی طرح مرض موت میں مبتلا ہوئے جس طرح حضرت رسولخدا صلعم ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر نے بھی اسی طرح فرش خانہ پر انتقال کیا جس طرح حضرت رسولخدا نے انتقال کیا۔ (یعنی دونوں بزرگوں سے کسی نے جنگ میں یا دشمن کے وار سے رحلت نہیں کی جس میں وصیت نامہ وغیرہ لکھنے کا موقع قدرت ہی کی طرف سے نہیں ملتا بلکہ دونوں اطمینان سے انتقال کر گئے) حضرت ابوبکر نے بھی اسی طرح وصیت نامہ لکھنا چاہا جس طرح حضرت رسولخدا صلعم نے چاہا تھا۔ حضرت ابوبکر نے بھی اسی طرح

Marfat.com

اپنے خلیفہ ہی کے متعلق وہ وصیت نامہ لکھا جس طرح حضرت رسولخدا اپنے خلیفہ ہی کے متعلق وہ وصیت نامہ لکھنا چاہتے تھے مگر حضرت ابوبکر کی وصیت کے متعلق حضرت عمر کو کوئی تردد نہیں ہوا۔ ان کے اختلال حواس کا شبہ تک نہیں ہوا۔ آپ پر مرض کے غلبہ کا شک نہیں ہوا۔ آپکو ہذیان کی نسبت نہیں دی گئی۔ آپ کے وصیت نامہ پر حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ کی آواز نہیں بلند کی گئی۔ آپ کے سامنے نزاع نہیں پیدا ہوئی اور حضرت رسولخدا صلعم کے متعلق یہ سب باتیں صرف جائز ہی نہیں سمجھی گئیں بلکہ واقع بھی مان لی گئیں۔ پھر اس فرق کی وجہ اس کے سوائے کیا ہو سکتی ہے کہ حضرت ابوبکر کے وصیت نامہ میں حضرت عمر کا نام تھا اس سبب سے سب گوارا ہو گیا۔ اور حضرت رسولخدا کے وصیت نامہ میں کسی ایسے شخص کے خلیفہ ہونے کا اعلان ہوتا جس سے حضرت عمر کو آئندہ خلیفہ ہونے کا موقع نہ ملتا اس وجہ سے اس کی بنیاد ہی نہیں پڑنے دی۔[1]

گیارہویں فصل

وفاتِ رسولؐ کے وقت حضرت کی خدمتیں

وفات رسولؐ کے وقت واقعہ قرطاس کے علاوہ اور کوئی خدمت ایسی نہیں ملتی جو حضرت عمر نے حضرت رسولخدا صلعم کی انجام دی ہو اور وہ قابل ذکر سمجھی جائے۔ مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "وفات کے دن آپ کی حالت اس قدر سنبھل گئی تھی کہ بالکل صحت کا گمان ہو گیا۔ حضرت ابوبکر اسی خیال سے اپنے

---

[1] صاحب حبیب السیر لکھتے ہیں کہ مذہب شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اصحاب نے وہ وصیت نامہ اس وجہ سے نہیں لکھنے دیا کہ حضرت رسولخدا حضرت علیؑ کو خلیفہ و ولیعہد کرنے کا وصیت نامہ لکھنا چاہتے تھے جیسا کہ کشف الغمہ کی ان دو بیتوں سے مفہوم ہوتا ہے ؎ اوصی النبیؐ فقال قائلھم۔ قد ظل یھجر سید البشر وان ابابکر اصاب ولم یھجر وقد اوصی الی عمر (حضرت رسولؐ وصیت کرنے لگے تو کہنے والوں نے کہدیا کہ سید البشر کو ہذیان ہو گیا ہے۔ مگر جب حضرت ابوبکر نے حالت مرض موت میں حضرت عمر کی خلافت کیلئے وصیت کی تو وہ ہذیان نہیں سمجھی گئی) اور جناب شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے لکھا ہے "وبیشتر از آنچہ در فہم مردم می آید و بخیال ایشان می افتد آنست کہ مقصود آنحضرت علیہ السلام تعیین خلیفہ بود کہ بعد از وے کہ خواہد بود زیادہ تر جو بات ذہن میں آتی اور ان کے خیال میں پیدا ہوتی ہے یہ ہے کہ حضرت کا مقصود یہ تھا کہ اپنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۸)

Marfat.com

مکان کو جو مدینہ سے دو میل پر تھا واپس چلے گئے۔ لیکن حضرت عمر وفات کے وقت تک موجود رہے آنحضرتؐ نے ۱۲۔ ربیع الاول کو دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت حضرت عائشہ کے گھر میں انتقال فرمایا۔ حضرت عمر اس قدر خود رفتہ ہوئے کہ مسجد نبوی میں جاکر اعلان کیا کہ جو شخص یہ کہیگا کہ آنحضرتؐ نے وفات پائی اسکو قتل کر ڈالوں گا لیکن اور قرائن اس کی تصدیق نہیں کرتے۔ ہمارے نزدیک چونکہ مدینہ میں کثرت سے منافقین کا گروہ موجود تھا جو فتنہ پردازی کیلئے آنحضرتؐ کی وفات کا منتظر تھا اس لئے مصلحتاً حضرت عمر نے اس خبر کے پھیلنے کو روکا ہوگا۔ اسی واقعہ نے روایتوں کے تغیرات سے مختلف صورت اختیار کر لی ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ میں اس قسم کی تصریحات موجود ہیں جو ہمارے اس قیاس سے مطابق نہیں ہو سکتیں" (الفاروق ص۶۵) افسوس مولوی صاحب حضرت عمر کے متعلق جو کچھ قیاس کرتے ہیں سب ایسا ہی ہوتا ہے جو صحیح بخاری بلکہ کل کتب حدیث وتاریخ وسیرۃ کے مخالف ہی قرار پاتا ہے۔ امام بخاری وغیرہ نے لکھا ہے عن عائشۃ ان رسول اللہ مات وابوبکر بالسنح فقام عمر یقول واللہ ما مات رسول اللہ قالت وقال عمر واللہ ما کان یقع فی نفسی الا ذاک ولیبعثنہ اللہ فلیقطعن ایدی رجال وارجلہم فجاء ابوبکر فکشف عن رسول اللہ فقبلہ فقال بابی انت وامی طبت حیا ومیتا والذی نفسی بیدہ لا یذیقک اللہ الموتتین ابدا ثم خرج فقال ایہا الحالف علی رسلک فلما تکلم ابوبکر جلس عمر حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ حضرت رسولخدا صلعم نے انتقال فرمایا تو (میرے ابا جان) حضرت ابوبکر (اپنی بی بی کے پاس وہاں سے دور) مقام سنح میں تھے حضرت عمر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے خدا کی قسم رسولخدا مرے نہیں ہیں۔ حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ حضرت عمر نے کہا خدا کی قسم اُس وقت میرے ذہن میں اس کے سوائے اور کوئی تدبیر آئی ہی نہیں۔ اور یقیناً اللہ حضرت کو دوبارہ بھیجے گا اور حضرت لوگوں کے ہاتھوں اور پاؤں کو کاٹ کر رکھدینگے۔ پھر حضرت ابوبکر آئے اور حضرت رسولخدا کی لاش کھولی تو اسکو بوسہ دیا اور کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ زندگی میں بھی پاک تھے اور مرنے پر بھی پاک ہی ہیں۔ خدا

(بقیہ حاشیہ ص۱۴۷)

بعد اپنے خلیفہ کو معین کر کے بتا دیں کہ کون ہوگا۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۵) ۱۲ منہ

Marfat.com

کی قسم اللہ پاک آپ کو دو موتوں کا مزہ نہیں چکھائیگا۔ یہ کہکر وہاں سے آپ باہر تشریف لائے اور حضرت عمر سے کہا "اے قسم کھانے والے ذرہ ٹھہر جاؤ" غرض جب حضرت ابوبکر نے کلام کیا تو حضرت عمر بیٹھ گئے (صحیح بخاری پ ۱۴ ص ۳۶۱) حضرت عمر کو اس قدر جوش تھا کہ آپ نے اس کا بھی خیال نہیں کیا کہ جھوٹی قسم کھاتے ہیں یا سچی۔ بے تکلف قسم کھا کر کہہ دیا کہ خدا کی قسم رسول مرے نہیں ہیں مگر جب حضرت ابوبکر آ گئے اور انھوں نے کہہ دیا کہ رسول انتقال کر گئے تو آپکو ذرہ برابر بھی شک باقی نہیں رہا فوراً مان گئے۔ اور جناب شاہ عبدالحق صاحب نے لکھا ہے "وعمر را اختلاف بعقل بجائے راہ یافت کہ فریاد میکرد و سوگند می خورد کہ رسولخدا نمردہ است ولیکن او را صعقہ شدہ است ہمچوں صعقہ موسیٰ"۔ اور حضرت عمر کی عقل میں اتنا اختلاف پیدا ہو گیا کہ فریاد کرنے لگے اور قسم کھانے لگے کہ رسولخدا ہرگز مرے نہیں ہیں بلکہ آپ کو بھی ایسی ہی بے ہوشی ہو گئی جیسی بے ہوشی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہو گئی تھی"۔ پھر لکھتے ہیں "عمر چوں ایں سخن بشنید تیغ برکشید و ہر در مسجد بایستاد و گفت ہر کس کہ بگوید کہ پیغمبر مرد با ایں شمشیر دو نیمش سازم"۔ حضرت عمر نے یہ باتیں سنیں تو تلوار کھینچ لی اور مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہنے لگے کوئی شخص کہیگا کہ پیغمبر انتقال کر گئے تو اس تلوار سے اُس کے دو ٹکڑے کر ڈالوں گا (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۱۳) مولوی صاحب نے سیرۃ النبیؐ میں لکھا ہے "عقیدت مندوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ حضور نے اس دنیا کو الوداع کہا چنانچہ حضرت عمر نے تلوار کھینچ لی کہ جو یہ کہیگا کہ آنحضرتؐ نے وفات پائی اُس کا سر اُڑا دوں گا۔ لیکن جب حضرت ابوبکر آئے اور اُنھوں نے تمام صحابہ کے سامنے خطبہ دیا کہ حضور کا اس جہان سے تشریف لیجانا یقینی تھا اور قرآن مجید کی آیتیں پڑھکر سنائیں تو لوگوں کی آنکھیں کھلیں اور اس ناگزیر واقعہ کا یقین آیا" (جلد ۲ ص ۱۴۳) مولوی شبلی صاحب کا یہ خیال کہ "چونکہ مدینہ میں کثرت سے منافقین کا گروہ موجود تھا جو فتنہ پردازی کے لئے آنحضرتؐ کی وفات کا منتظر تھا" صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ مدینہ میں منافقین تو ضرور ہی تھے مگر وہ فتنہ پردازی کیلئے آنحضرتؐ کی وفات کے منتظر نہیں تھے۔ نہ اس کی کوئی دلیل ہے۔ اگر وہ اپنے کو فتنہ پردازی کے لائق سمجھتے تو رسولؐ کی زندگی میں بھی اس سے باز نہیں آتے۔ اگر رسولؐ کی زندگی میں کسی قوت کا خوف تھا تو بعد رسولؐ بھی وہ قوت قائم رہی کیونکہ صرف رسولؐ نے وفات پائی باقی کل مسلمین اور بہادران اسلام تو زندہ ہی تھے۔ علاوہ بریں اگر وہ گروہ اس کا منتظر تھا تو جب رسولؐ غزوۂ حنین

میں مدینہ سے باہر چلے گئے تھے کیوں نہیں فتنہ پردازی کی؟ جب حضرت غزوۂ تبوک میں مدینہ سے بہت دور اور کئی دن کی راہ پر جا چکے تھے کیوں نہیں فتنہ برپا کیا؟ جب رسول خدا صلعم حجۃ الوداع کیلئے مکہ معظمہ چلے گئے تھے اور اس سفر میں مدت دراز تک رہے کیوں فتنہ و فساد کا بازار گرم نہیں کیا؟ واضح ہے کہ غزوۂ حنین۔ غزوۂ تبوک اور حجۃ الوداع میں آنحضرتؐ کے ساتھ بکثرت مسلمان بھی مدینہ سے نکل گئے تھے۔ میدان خالی تھا۔ اُس وقت فتنہ پردازوں کو کافی اور بہت آسان موقع اپنے ارادوں کی تکمیل کا ملتا مگر نہ کہیں کوئی فساد ہوا۔ نہ کوئی فتنہ قائم ہوا۔ نہ کسی نے سر اوٹھایا۔ پھر وفاتِ رسولؐ سے پہلے بھی جب حضرت مرض الموت میں مبتلا ہو چکے تھے۔ ان لوگوں کو خفیف سا موقع مل چکا تھا۔ اگر رسولؐ ہی کا خوف تھا تو حضرت مریض ہو کر صاحب فراش ہو چکے تھے اُسی وقت منافقوں کا فتنہ و فساد شروع ہو جاتا مگر ہر طرف سکون و اطمینان ہی تھا۔ پھر وفاتِ رسولؐ سے کیوں وہ فتنہ پردازی پر آمادہ ہوتے؟

تیسرا باب

وفات رسول سے خلیفۂ اول کی وفات تک کے مفصل حالات اور اس عہد کے زرّیں کارنامے۔ خاندانِ رسولؐ سے آپ کا برتاؤ

پہلی فصل

بعد وفات رسولؐ سقیفۂ بنی ساعدہ کے واقعات اور بحث خلافت

مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں کہ جب آنحضرتؐ نے انتقال فرمایا تو فوراً خلافت کی نزاع پیدا ہو گئی اور اس بات کا بھی انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے رسول اللہ کی تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کر لی جائے۔ کس کے قیاس میں آسکتا ہے کہ رسول اللہ انتقال فرمائیں اور جن لوگوں کو ان کے عشق و محبت کا دعویٰ ہو وہ ان کو بے گور و کفن چھوڑ کر چلے جائیں اور اس بندوبست میں مصروف ہوں کہ مسندِ حکومت اوروں کے قبضہ میں نہ آجائے تعجب پر تعجب یہ ہے کہ یہ فعل اُن لوگوں (حضرت ابوبکر و عمر) سے سرزد ہوا جو آسمان اسلام کے مہر و ماہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اس فعل کی ناگواری اُس وقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے

Marfat.com

کہ جن لوگوں کو آنحضرتؐ سے فطری تعلق تھا یعنی حضرت علیؑ و خاندان بنی ہاشم اُن پر فطری تعلق کا پورا اثر ہوا۔ اور اس وجہ سے اُن کو آنحضرتؐ کے دردِ وغم اور تجہیز و تکفین سے ان باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی۔ ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ کتب حدیث و سیر سے بظاہر اسی قسم کا خیال پیدا ہوتا ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمر و ابوبکر وغیرہ آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے گئے۔ یہ بھی سچ ہے کہ انھوں نے سقیفہ میں پہونچکر خلافت کے باب میں انصار سے معرکہ آرائی کی اور اس طرح ان کو شتون میں مصروف رہے کہ گویا ان پر کوئی حادثہ پیش ہی نہیں آیا تھا۔ یہ بھی سچ ہے کہ انھوں نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنو ہاشم اور حضرت علیؑ سے بزور منوانا چاہا۔ گو بنو ہاشم نے آسانی سے انکی خلافت تسلیم نہیں کی (الفاروق جلد ۱ ص۶۶)۔ مذکورۂ بالا عبارت میں کوئی ایسی اہم بات نہیں ہے جس پر تبصرہ ضروری ہو۔ البتہ اس کے بعد ممدوح لکھتے ہیں "لیکن اس بحث میں غور طلب جو باتیں ہیں وہ یہ ہیں (۱) کیا خلافت کا سوال حضرت عمر وغیرہ نے چھیڑا تھا (۲) کیا یہ لوگ خود اپنی خواہش سے سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے تھے (۳) کیا حضرت علیؑ اور بنو ہاشم خلافت کی فکر سے بالکل فارغ تھے (۴) ایسی حالت میں جو کچھ حضرت عمر وغیرہ نے کیا وہ کرنا چاہئے تھا یا نہیں۔ دو پہلی بحثوں کی نسبت ہم نہایت مستند کتاب ابو یعلی کی عبارت نقل کرتے ہیں جس سے واقعہ کی کیفیت بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔ بینما نحن فی منزل رسول اللہ اذا رجل ینادی من وراء الجدار ان اخرج الی یا ابن الخطاب فقلت الیک عنی فانا عندک مشاغیل بامر رسول اللہ فقال لم تحدث امر فان الانصار اجتمعوا فی سقیفۃ بنی ساعدۃ فادرکوھم ان یحدثوا امرا یکون فیہ حرب فقلت لابی بکر انطلق۔ حضرت عمر کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ کے خانۂ مبارک میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دفعۃً دیوار کے پیچھے سے ایک آدمی نے آواز دی کہ ابن الخطاب (حضرت عمر) ذرا باہر آؤ۔ میں نے کہا کہ چلو مٹھو۔ ہم لوگ آنحضرتؐ کے بند و بست میں مشغول ہیں۔ اس نے کہا ایک حادثہ پیش آیا ہے یعنی انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہوئے ہیں۔ اس لئے جلد جاکر اُن کی خبر لو۔ ایسا نہ ہو کہ انصار کچھ ایسی بات کر اُٹھیں جس سے لڑائی چھڑ جائے۔ اُس وقت میں نے ابوبکر سے کہا کہ چلو (دیکھو فتح الباری جلد ۷ ص۲۲) اس سے ظاہر ہوگا کہ نہ حضرت عمر وغیرہ نے خلافت کی بحث کو چھیڑا تھا نہ وہ اپنی خوشی سے سقیفہ بنی ساعدہ کو جانا چاہتے تھے

(الفاروق جلد ۱ ص۶۷) مولوی صاحب موصوف شروع میں لکھ آئے ہیں "واقعہ کی تحقیق کے لئے پہلے راویوں کی جرح و تعدیل سے بحث نہیں کرنی چاہئے بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ واقعہ فی نفسہ ممکن بھی ہے یا نہیں کیونکہ اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں تو راوی کا عادل ہونا بیکار ہے۔ علامہ موصوف نے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ ان موقعوں میں امکان سے امکان عقلی مراد نہیں بلکہ اصول عادت اور قواعد تمدن کے رو سے ممکن ہونا مراد ہے" (الفاروق جلد ۱ ص۱۱۵) اسی اصول کے مطابق دیکھنا چاہئے کہ مسند ابو یعلیٰ کی روایت کا واقعہ ممکن بھی ہے یا نہیں۔ اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں تو مسند ابو یعلیٰ کا نہایت مستند کتاب ہونا بیکار ہے۔ یہ واضح ہو کہ اس وقت حضرت عائشہ کے حجرہ میں حضرت عائشہ بھی تھیں۔ حضرت حفصہ بھی۔ حضرت ابوبکر بھی آگئے تھے۔ حضرت عمر پہلے ہی سے تھے۔ حضرت کے چچا جناب عباس اور حضرت علی بھی تھے جس پر تمام مورخین و محدثین کا اتفاق ہے۔ اختصار کے لحاظ سے صرف ایک عبارت نقل کیجاتی ہے۔ جناب شاہ عبدالحق صاحب دہلوی نے لکھا ہے "فرمود برادر من علیؓ را بیارید علیؓ بیامد و بر بالین آنحضرتؐ بنشست و سر مبارکش را بر زانوے خویش نہاد و آں سرور فرمود اے علیؓ فلاں یہودی پیش من چندیں مبلغ دارد کہ از وے برائے تجہیز لشکر اسامہ بقرض گرفتہ بودم زنہار کہ حق او را از ذمۂ من ادا کنی۔ و فرمود اے علیؓ تو اولی کسے خواہی بود کہ در لب حوض کوثر بمن برسی و بعد از من مکروہات بتو خواہد رسید باید کہ دل تنگ نشوی و صبر کنی و چوں ببینی کہ مردم دنیا اختیار کنند باید کہ تو آخرت را اختیار کنی... علیؓ گوید کہ حضرت با من سخن می گفت و آب دہن وے بمن می رسید پس حال بروے متغیر شد و زناں از پس پردہ بے طاقتی می نمودند و من نیز تحمل آں نہ داشتم کہ روے را بآں حال بنہیم۔ گفتم اے عباس مرا دریاب۔ عباس آمد و با یک دیگر وے را بخوابانیدم ذکر ھذا کلہ فی مرویۃ الاحباب حضرت رسولؐ نے فرمایا میرے بھائی علیؓ کو میرے قریب بلا دو۔ حضرت علیؓ حضرتؐ کے پاس پہونچ گئے۔ حضرت کے سرہانے بیٹھ گئے اور حضرتؐ کے سر مبارک کو اپنے زانو پر رکھ لیا۔ اس وقت آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ سے فرمایا اے علیؓ فلاں یہودی کا میرے ذمہ اتنا مال باقی ہے جس کو میں نے اس سے اسامہ کا لشکر روانہ کرنے کے لئے اس کے مصارف کی غرض سے بطور قرض لیا تھا۔ خوب یاد رکھنا کہ اس کا یہ دین ضرور ادا کر دینا۔ پھر فرمایا اے علیؓ تم ہی وہ پہلے شخص

Marfat.com

ہوگے جو حوضِ کوثر کے کنارے میرے پاس پہونچوگے۔ اور میرے بعد تم پر بڑے بڑے ظلم ہوں گے چاہئے کہ اُس وقت تم دل تنگ نہ ہو بلکہ صبر کرنا اور جب دیکھنا کہ لوگ دنیا کو اختیار کر رہے ہیں تو چاہئے کہ تم آخرت ہی کو اختیار کئے رہو۔ حضرت علیؑ فرماتے تھے کہ آنحضرت مجھ سے اسی طرح باتیں کر رہے تھے اور حضرت کا لعاب دہن میرے اوپر گر رہا تھا اتنے میں حضرت کی حالت متغیر ہوئی اور عورتوں نے پردہ کے پیچھے سے بے قراری شروع کی اور میں بھی اس کی طاقت نہیں رکھ سکا کہ حضرتؐ کی وہ حالت دیکھ سکتا تو میں نے چچا عباس سے کہا اے چچا میری مدد کیجئے۔ اس پر جناب عباس میری طرف بڑھ آئے اور ہم دونوں آدمیوں نے مل کر حضرتؐ کو لٹا دیا۔ یہ پوری عبارت روضۃ الاحباب میں ہے (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۵۱) اس سے واضح ہوا کہ اس وقت اس حجرے میں پردہ کے پیچھے عورتیں تھیں اور حضرت رسولؐ کے پاس جناب عباس اور حضرت علیؑ بھی تھے۔ پھر کیا وجہ ہوئی کہ آنحضرت صلعم کی وفات ہوتے ہی دیوار کے پیچھے سے جس شخص نے آواز دی اُس نے نہ حضرت سیدہؑ کو پکارا کہ وہی آنحضرتؐ کی بیٹی تھیں۔ نہ حضرت عائشہ کو ندا دی جو آنحضرتؐ کی بیوی تھیں اور انھیں کے حجرہ میں آنحضرتؐ اُس وقت تشریف بھی رکھتے تھے۔ نہ جناب حفصہ کو بلایا کہ یہ بھی آنحضرتؐ کی زوجۂ محترمہ تھیں۔ نہ جناب عباس کو طلب کیا جو آنحضرتؐ کے چچا تھے۔ اور نہ حضرت علیؑ کو خبر دی جو آنحضرتؐ کے بھائی۔ داماد اور آخری وقت کے وصی تھے (کہ حضرت ہی سے آنحضرت صلعم نے اپنی وصیتیں بیان فرمائیں۔ کسی اور کو اس قابل نہیں سمجھا) بلکہ اُس مخبر نے سب کو چھوڑ کر صرف حضرت عمر کو آواز دی اور "یا ابن الخطاب" ہی کی صدا بلند کی۔ اگر اُس شخص نے اسلام کی ہمدردی میں ایسا کیا۔ مسلمانوں کی بہی خواہی کی غرض سے آواز دی۔ دین رسولؐ کی حمایۃ کے لئے اپنی یہ بے چینی ظاہر کی تو سب مسلمانوں سے کیوں نہیں کہا؟ آنحضرتؐ کی لاش کے پاس آکر کیوں نہیں ذکر کر دیا؟ اپنی صورت دکھا کر اس حادثہ کی خبر کیوں نہیں کی؟ دیوار کی آڑ سے سب ارکانِ اسلام و اعیان خاندان رسولؐ کو چھوڑ کر محض حضرت عمر کے پکارنے سے تو اس شبہ کی کافی گنجائش پیدا ہوتی ہے کہ اس شخص میں اور حضرت عمر میں پہلے ہی کوئی ایسا انتظام ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اُس نے سب کو چھوڑ کر صرف حضرت عمر کو اطلاع دی اُس وقت محض حضرت عمر کے پکارے جانے اور دوسرے اعزہ و مخصوصین سے چشم پوشی

کر لینے کی کوئی وجہ اس کے سوائے ہو سکتی ہے ؟ حضرت عمر کی لاکھ حمایت کی جائے مگر اس قلیل مدت میں آپ کی سرگرمیاں ہی ایسی ہوئیں جو شکوک و شبہات کا انبار لگا دیتی اور اسی رائے کو مضبوط کر دیتی ہیں کہ آنحضرتؐ کی وفات کے قبل ہی سے حضرت عمر آنحضرتؐ کی خلافت بلکہ اسلام کے کل امور کو اپنے ہی قبضہ میں رکھنے کے کل انتظامات نہایت مستعدی کمال تدبّر اور پوری سیاست سے کر رہے تھے۔ اور اپنی زندگی بھر آپ نے اس میں کسی کا خیل گڑنے نہیں دیا۔ ممکن ہے اسی غرض سے آپ نے لشکرِ اسامہ کے ساتھ جانے سے پہلوتہی کی ہو ممکن ہے اسی مطلب کیلئے آپ نے حضرت رسولؐ کو وصیت نامہ لکھنے سے باز رکھا ہو۔ ممکن ہے اسی مقصود کے لئے آپ نے حضرت رسولؐ کے ارشاد کو ہذیان کی نسبت دی ہو۔ ممکن ہے اسی فکر میں آپ نے حضرت رسولؐ کی وفات سے قسم کھا کر انکار کیا ہو اور اسی سبب سے وفات رسولؐ پر آپ ہی سب سے پہلے پکارے گئے ہوں اور اسی کے لئے آپ نے حضرت رسولؐ کا جنازہ چھوڑ حضرت ابوبکر کو ساتھ لیکر سقیفۂ بنی ساعدہ کا رُخ کیا ہو۔ اگر مولوی شبلی صاحب کی مذکورہ بالا عبارت تسلیم کر لی جائے جب بھی عقل کی رو سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ دیوار کے عقب سے آواز دینے والا آدمی کون تھا ؟ بعد کو اس کا نام کیوں دریافت نہیں کیا گیا ؟ محققین نے اس کا نام تحقیق کر کے کیوں نہیں لکھا ؟ حالانکہ معمولی معمولی کاموں کے آدمیوں کی تحقیق ان حضرات نے کر ڈالی ہے۔ پھر کیا اُس شخص نے کوئی بُری بات کہی تھی جس سے اس کا نام صیغۂ راز میں رکھا گیا ؟ یا کسی سازشی کمیٹی کا وہ شخص ممبر تھا ؟ اس سبب سے اس کا نام پوشیدہ ہے کیونکہ نام ظاہر ہونے سے پتا چل جائے گا کہ وہ سازش کن لوگوں کی تھی۔ دوسرا سوال اس سے بہت زیادہ مشکل پیدا ہوتا ہے کہ اُس شخص نے دیوار کے پیچھے سے کیوں پکارا ؟ اُس نے مجمع سے کیوں شرم کی ؟ وہ اس مقام کے حاضرین کو اپنی صورت دکھانے سے کیوں ڈرا ؟ جب وہ آنحضرتؐ کے مکان کے پاس پہونچ گیا تھا تو سب کے سامنے کیوں نہیں چلا گیا کہ ہر شخص اُس کو دیکھ کر پہچان لیتا اور اُس کی تردد خیز خبر پر مطلع ہو جاتا ؟ تیسرا سوال اور زیادہ صعب ہے کہ جس جگہ حضرت ابوبکر و عمر تھے وہیں حضرت علیؑ و عباس و دیگر ارکان بنی ہاشم اور دوسرے مہاجرین بھی تھے۔ پھر اس محکمۂ راز کے آدمی نے خاص کر حضرت عمر کو کیوں

Marfat.com

پکارا؟ حضرت علی کو کیوں آواز نہیں دی؟ حضرت عباس کو کیوں ندا نہیں دی؟ دوسرے مہاجرین کو کیوں نہیں بلایا؟ عام طور پر کیوں نہیں کہا کہ ایہا الناس اخرجوا الیّ اے لوگو ذرہ باہر چلے آؤ! نئی مصیبت نازل ہو گئی ہے۔ چوتھا سوال اور زیادہ دشوار ہے کہ اس محکمہ راز کے آدمی کی صرف بیرون پردہ آواز پر خود حضرت عمر جانے کیلئے آمادہ کیوں ہو گئے؟ اس کا نام کیوں نہیں دریافت کیا؟ یا اس کو اپنے پاس کیوں نہیں بلایا؟ کہ وہاں اُس سے مفصل حالات دریافت کر لیتے اور عام حاضرین کے مشورہ سے کوئی کارروائی کی جاتی۔ ہم تو برابر دیکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی چیز کی آڑ سے کسی کو پکارتا یا اُس سے کچھ کہتا ہے تو سننے والا پہلے گھبراتا اور تعجب کرتا ہے کہ یہ کون شخص ہے۔ پاس کیوں نہیں آتا۔ صورت کیوں نہیں دکھاتا۔ وہاں سے کیوں پکارتا ہے۔ چھپ کر یہ خبر کیوں بیان کر رہا ہے۔ سامنے کیوں نہیں آتا۔ اور اُس پکارنے والے کے جواب میں بے ساختہ اُس سے کہتا ہے کہ "تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ وہاں سے کیوں چیختے ہو؟ یہاں آکر کیوں نہیں بیان کرتے ہو"؟ پانچواں سوال اس سے بھی بڑھا ہوا ہے کہ اُس صیغۂ راز کے آدمی" کی خبر پر حضرت عمر تنہا کیوں نہیں گئے؟ اُس نے تو صرف آپکو بُلایا تھا۔ کسی اور کو ساتھ لیجانے کے لئے نہیں کہا۔ پھر آپ نے کسی کو اپنے ساتھ لیجانے کی ضرورت کیوں محسوس کی؟ چھٹا سوال اس سے بھی زیادہ اہم ہے کہ اگر حضرت عمر نے کسی شخص کو ساتھ لے جانا ضروری سمجھا تو کسی اور صحابی پر نظرِ انتخاب کیوں نہیں پڑی؟ حضرت ابوبکر کو سوئے خدا کے جنازہ کی تجہیز وغیرہ خدمات انجام دینے کے لئے کیوں نہیں چھوڑ گئے اور کسی دوسرے شخص کو ساتھ کیوں نہیں لیگئے؟ غرض صرف حضرت عمر کے تنہا جانے اور حضرت ابوبکر کے علاوہ کسی کے نہ لے جانے میں کیا راز تھا؟ مگر اصح الکتب بعد کتاب الباری یعنی صحیح بخاری میں خود حضرت عمر کا وہ بیان موجود ہے جو واضح کرتا ہے کہ حضرت عمر کو نہ کسی نے اشارہ کیا۔ نہ کسی نے ڈرایا۔ نہ کوئی خبر پہنچی بلکہ آپ خود ہی حضرت ابوبکر کو لیکر وہاں پہونچ گئے۔ ممدوح حضرت ابوبکر کی بیعت کے بارے میں فرماتے ہیں:-

وانہ قد کان من خبرنا حین توفی اللہ نبیہ ان الانصار خالفونا واجتمعوا باسرھم فی سقیفۃ بنی ساعدۃ وخالف عنا علی والزبیر ومن معھما واجتمع المھاجرون الی ابی بکر۔ فقلت لابی بکر یا ابا بکر انطلق بنا الی اخواننا ھؤلاء من الانصار فانطلقنا نریدھم۔ فلما دنونا منھم لقینا منھم رجلان صالحان فذکرا

ما تما لأعلیہ القوم۔ فقالا این تریدون یا معاشر المہاجرین۔ فقلنا نرید اخواننا ھؤلاء من الانصار۔ فقالا لا علیکم۔ الا تقربوھم۔ اقضوا امرکم فقلت واللہ لنا تینّھم۔ فانطلقنا حتّٰی اتیناھم فی سقیفۃ بنی ساعدۃ

ہماری سرگذشت یہ ہے کہ جب خدا نے اپنے پیغمبرؐ کو اوٹھا لیا تو انصار نے فاطمہؑ ہماری مخالفت کی اور سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور علیؑ اور زبیر اور ان کے دوسرے ساتھیوں نے بھی مخالفت کی اور مہاجرین حضرت ابوبکر کے پاس جمع ہوئے تو میں (حضرت عمر) نے حضرت ابوبکر سے کہا اے ابوبکر آؤ ہم لوگ ان انصاری بھائیوں کے پاس چلیں (حضرت ابوبکر نے ذرہ برابر بھی تامل نہیں کیا۔ فوراً آمادہ ہوگئے) تو ہم دونوں آدمی انصار کے پاس جانے کے ارادہ سے روانہ ہوگئے۔ جب ان کے قریب پہونچے تو انھیں (انصار) کے دو نیک آدمی ہمیں ملے اور اس امر کو بیان کیا جس کا ارادہ انصار نے اُس وقت کر لیا تھا۔ پھر ان دونوں نے ہم لوگوں سے دریافت کیا کہ اے گروہِ مہاجرین تم کہاں جاتے ہو؟ ہم دونوں نے جواب دیا کہ قبیلۂ انصار کے ان بھائیوں سے ملنا چاہتے ہیں۔ ان دونوں نے کہا نہیں۔ ایسا نہ کرو۔ یعنی ان کے پاس نہ جاؤ۔ تم لوگ اپنے معاملہ کو خود ہی طے کر لو۔ میں نے جواب دیا خدا کی قسم ہم لوگ ضرور ان کے پاس جائیں گے۔ غرض ہم لوگ چلے گئے۔ یہاں تک کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں ان لوگوں کے پاس پہنچ گئے (صحیح بخاری پ ۲۸ ص ۳۶۶ کتاب محاربین باب رجم الحبلیٰ)

ان دونوں روائتوں سے پہلی تو پکار کر کہتی ہے کہ خلافت کے متعلق وفات رسولؐ سے پہلے کوئی گہری سازش تھی اور ہر طرف آدمی لگے ہوئے تھے کہ جہاں کوئی بات ہو فوراً اُس کی خبر ان لوگوں کو کی جائے۔ اور دوسری روایت بتاتی ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر پہلے ہی سے طے کر چکے تھے کہ خلافت اپنے ہی قبضہ میں رکھی جائے اور کسی کو اس میں شریک نہ کیا جائے۔ کیونکہ اگر ان لوگوں کا یہ مقصود نہیں تھا تو وہ کیا بات تھی جس کے بارے میں حضرت عمر کہتے ہیں کہ ان الانصار خالفونا۔ انصار نے ہماری مخالفت کی کس امر میں مخالفت کی؟ جب کوئی بات تھی ہی نہیں تو انصار کے ارادہ کو حضرت عمر نے اپنی مخالفت سے تعبیر کیوں کیا؟ کسی کی مخالفت تو اسی جگہ بولی جاتی ہے جہاں کوئی شخص پہلے سے کوئی بات

چاہتا ہو۔ یا کسی مقصود کو طے کر چکا ہو اور دوسرا شخص ویسا نہ چاہے۔ اگر کسی امر کے متعلق ہم لوگوں کی ذاتی خواہش نہ ہو اور دوسرے لوگ کسی بات کا ارادہ کریں تو اس جگہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ خالفونا۔ انھوں نے ہماری مخالفت کی بلکہ یہ کہیں گے ارادوا۔ انھوں نے یہ چاہا مگر حضرت عمر صاف کہتے ہیں ان الانصار خالفونا۔ انصار نے ہماری مخالفت کی۔ خالف عنا علیؑ والزبیر۔ حضرت علیؑ و زبیر نے بھی ہماری مخالفت کی۔ جس کا مطلب ہر شخص یہی سمجھیگا کہ حضرت عمر و ابوبکر پہلے سے کسی بات کا ارادہ کر چکے تھے یا وہ قبل ہی سے کسی آرزو میں پڑ چکے تھے۔ یا وہ پہلے سے کسی امر کی کوشش کر رہے تھے مگر انصار اور حضرت علیؑ و زبیر نے ان کا ساتھ نہیں دیا اس وجہ سے وہ ان سب لوگوں کو اپنا مخالف کہنے لگے۔ مولوی شبلی صاحب پوچھتے ہیں (۱) کیا خلافت کا سوال حضرت عمر وغیرہ نے چھیڑا تھا (۲) کیا یہ لوگ خود اپنی خواہش سے سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے تھے" (الفاروق صفحہ ۶۶) ان دونوں سوالوں کا جواب صحیح بخاری کی اس عبارت میں موجود ہے جسکو مولوی صاحب موصوف نے بھی (الفاروق صفحہ ۶۸) میں نقل کیا ہے۔ اس روایت کو سامنے رکھ کر بچے بھی کہدیں گے کہ بے شک خلافت کا سوال حضرت عمر ہی نے چھیڑا تھا اور یقیناً یہ لوگ خود اپنی خواہش ہی سے سقیفہ میں گئے تھے۔ بہرکیف ان دونوں روایتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر کو اسلام کے اس حادثہ کا کہ سردارِ دو عالم کا سایہ اُٹھ رہا ہے کچھ بھی خیال نہ تھا اور فکر تھی تو صرف خلافت کی بلکہ تمام مسلمانوں میں صرف انھیں دو بزرگوں کو خلافت کی سب سے زیادہ بے چینی تھی اور غالباً وفاتِ رسولؐ کے بہت پہلے سے تھی۔ اگر یہ شبہ ہو کہ ان دونوں بزرگوں کو اپنے ذاتی نفع کیلئے نہیں بلکہ محض اسلام کی ہمدردی اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے سبب سے اس کی فکر تھی تاکہ اس امت میں افتراق و انتلاف نہ پیدا ہو، فتنہ و فساد کا بازار نہ گرم ہو، اور مذہب حق کی قوت نہ منتشر ہو جائے۔ جیسا مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے۔ اس نازک وقت میں آیا یہ ضروری تھا کہ لوگ جزع و فزع اور گریہ و زاری میں مصروف رہیں یا یہ کہ فوراً خلافت کا انتظام کر لیا جائے اور ایک منتظم حالت قائم ہو جائے (الفاروق) تو اس کے متعلق معمولی عقل بھی فوراً کہدیگی کہ کسی چیز کا جدید انتظام اس وقت کیا جاتا

Marfat.com

ہے جب پہلے ہی سے اُس کا انتظام نہ ہو۔ لیکن جس مسئلہ کو بہت پہلے سے طے کر دیا گیا ہو اُس کے خلاف جد و جہد یا سازش کرنا انتظام نہیں کہا جا سکتا بلکہ بغاوت سمجھا جاتا ہے اگر خود خدا اور رسُول نے خلافت کا انتظام بہت پہلے ہی سے نہ کر دیا ہوتا تب مسلمانوں کو اس کی کوشش کا موقع تھا لیکن تاریخ و حدیث کے ذخیرے بتاتے ہیں کہ خدا و رسُول اپنے اس فرض سے کبھی غافل نہیں رہے اور انھوں نے اس اہم خدمت ارشاد و ہدایت میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ ایسی حالت میں خلافت کا جدید انتظام کرنے والے درحقیقت انتظام خدا و رسُول کے درہم و برہم کرنے والے قرار پائیں گے۔ مولوی شبلی صاحب یہ بھی لکھتے ہیں "حقیقت یہ ہے کہ اس نازک وقت میں حضرت عمر نے نہایت تیزی اور سرگرمی کے ساتھ جو کارروائیاں کیں ان میں گو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہوں لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ انھیں بے اعتدالیوں نے اُٹھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا" (الفاروق ص۔) اب سوال یہ ہے کہ وہ فتنے کہاں اور کیونکر اٹھے تھے؟ کیا ان فتنوں کے اُٹھانے والے حضرت ابوبکر و عمر کے علاوہ بھی کچھ لوگ تھے؟ تاریخ و حدیث سے تو اس کا بالکل ثبوت نہیں ملتا۔ اگر کہا جائے کہ انصار نے یہ فتنے اٹھائے تو قطعاً غلط ہے۔ حضرت رسولِ خدا نے تو آغاز اسلام ہی میں حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ بنا کر عام اعلان کر دیا تھا اور اپنی زندگی میں کبھی اس حکم کو منسوخ نہیں فرمایا۔ اس وجہ سے خدا و رسُول کے انتظام سے حضرت علیؑ آنحضرتؐ کے خلیفۂ بلافصل سنہ ۴ بعثت ہی سے تھے۔ اسلام کا یہ روشن واقعہ ہے کہ جب سنہ ۴ بعثت میں آنحضرتؐ پر خدا کا یہ حکم نازل ہوا وانذر عشیرتک الاقربین اے رسُول تم اپنے رشتہ داروں کو عذاب خدا سے ڈراؤ (پ ۱۹ ع ۱۱/۱) تو حضرتؐ نے دعوت کا سامان کیا اور مکہ والوں کو جمع کر کے فرمایا بھائیو! میں تمھارے پاس دنیا و آخرت کی بھلائی لایا ہوں اور خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم لوگوں کو اس دین کی طرف بلاؤں۔ اب بتاؤ تم میں سے کون شخص اس کام میں میرا ہاتھ بٹائے گا تاکہ وہی میرا بھائی۔ میرا وصی (قائم مقام) اور میرا خلیفہ مقرر ہو جائے۔ اس پر کسی نے جواب نہیں دیا۔ البتہ حضرت علیؑ نے فرمایا میں حاضر ہوں۔ میں حضورؐ کا بوجھ بٹاؤں گا۔ اس پر حضرت رسولِ خداؐ نے حضرت علیؑ کی گردن پکڑ کر اور لوگوں کو دکھا کر

Marfat.com

فرمایا کہ یاد رکھو یہی علیؑ میرے بھائی، میرے وصی اور تم لوگوں میں میرے خلیفہ ہیں۔ تم سب لوگ ان کا حکم مانتے اور ان کی اطاعت کرتے رہنا۔ (تاریخ طبری جلد ۲ صـ۲۱۶ و کامل جلد صـ۲۳ و ابوالفدا جلد ۱ صـ۱۱۶ و حبیب السیر جلد ۱ جزو ۳ صـ۱۶ و تفسیر طبری جلد ۱۹ صـ۶۸ و معالم التنزیل صـ۶۶۳ و خازن جلد ۳ صـ۳۷۲ و مسند احمد جلد ۱ صـ۱۵۳ و ازالۃ الخفا مقصد ۲ صـ۲۵۲ و کنز العمال جلد ۶ صـ۳۹۲ وغیرہ) حضرت رسولؐ خدا صلعم کا یہ قدیم انتظام خلافت ایسا واضح تھا کہ ہر شخص کو اس کی خبر تھی اور سب جانتے تھے کہ حضرت رسولؐ نے جس طرح سب کو خدا کی عبادت کی طرف بلایا اُسی طرح اپنی اور اپنے خلیفہ بلافصل حضرت علیؑ کی اطاعت کا حکم بھی دے رکھا ہے۔ اسی وجہ سے وفاتِ رسولؐ پر آنحضرتؐ کے چچا جناب عباس نے حضرت علیؑ سے کہا ابسط یدک ابایعک فیقال عم رسولؐ اللہ بایع ابن عم رسول اللہؐ اپنا ہاتھ پھیلاؤ میں تمھاری بیعت کرلوں تاکہ سب کہیں رسولؐ کے چچا نے تو حضرت علیؑ کی بیعت کی ہے۔ اس پر حضرت علیؑ نے اُن کو جواب دیا و من یطلب ھذا الامر غیرنا۔ ہمیں چھوڑ کر اس خلافت کا دعوےٰ اور کون کرسکتا ہے؟ (کتاب الامامۃ والسیاسۃ طبع مصر صـ۶) اور جب حضرت علیؑ پر ان لوگوں نے دباؤ ڈالا کہ حضرت ابوبکر کی بیعت کرلیجئے۔ تب بھی حضرت انکار کرکے یہی کہتے رہے۔ علامہ ابن قتیبہ نے لکھا ہے۔ انّ علیاً کرّم اللہ وجہہ اتی بہ ابوبکر وھو یقول انا عبد اللہ واخو رسولہ فقیل لہ بایع ابابکر فقال انا احقّ بھذا الامر منکم۔ لا ابایعکم وانتم اولی بالبیعۃ لی۔ جب حضرت علیؑ حضرت ابوبکر کے پاس لائے گئے تو فرماتے تھے میں خدا کا رسولؐ کا بھائی ہوں۔ حضرتؑ سے کہا گیا کہ حضرت ابوبکر کی بیعت کرلیجئے تو حضرتؑ نے جواب دیا میں خلافت کا زیادہ حقدار ہوں۔ میں تم لوگوں کی بیعت نہیں کرسکتا۔ بلکہ تم لوگوں ہی کا فرض ہے کہ میری بیعت کرو۔ (کتاب الامامۃ والسیاست صـ۱۰) یہی بات انصار بھی کہتے تھے کہ ہم حضرت علیؑ کے سوائے کسی کی بھی بیعت نہیں کرینگے جسکو معتبر ترین مورخ اسلام نے صاف طور پر لکھ دیا ہے۔ مثلاً علامہ

طبری لکھتے ہیں فقالت الانصار! وبعض الانصار لا نبایع الا علیّا قبیلۂ انصار کے کل یا بعض لوگ کہتے تھے کہ ہم حضرت علیؓ کے سوائے کسی کی بیعت نہیں کرینگے (تاریخ طبری جلد ۳ ص ۱۹۸)۔ اب نتیجہ پیدا کرلینا آسان ہے کہ ان فتنوں کو نہ انصار نے اوٹھایا۔ نہ بنی ہاشم نے اُبھارا۔ یہ لوگ تو حضرت رسولؐ کے غم میں جزع و فزع اور گریہ و بکا کر رہے تھے۔ البتہ ان فتنوں کے بانی وہی لوگ کہے جاسکتے ہیں جن کو رسولؐ کی زندگی ہی سے یہ خوف تھا کہ کہیں حضرت قلم دوات لیکر اس خلافت کے متعلق تحریر بھی نہ دے دیں۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام کی خیریت اسی میں تھی کہ اسی وقت خلافت کا انتظام کرلیا جاتا۔ ورنہ اسلام مٹ جاتا۔ یہ دین مبین تباہ و برباد ہو جاتا۔ اس میں خانہ جنگی پیدا ہو جاتی۔ وہ یہ کیوں نہیں بتاتے کہ کیا اسلام کا درد صرف حضرت ابوبکر و عمر ہی کو تھا؟ باقی کل اہل اسلام اس دین کی ہمدردی سے خالی تھے؟ کیا سب اسلام کی بربادی پسند کرتے تھے؟ کیا حضرت رسولخداؐ کے چچا جناب عباس سے بھی زیادہ حضرت ابوبکر و عمر کو اسلام کی فکر تھی؟ اگر ایسا ہی تھا تو یہ بھی بتانا چاہئے کہ اس کی وجہ کیا تھی؟ خلافت کے انتظام کی غرض سے اور کسی نے تگ و دو کیوں نہیں شروع کی اور خاص یہی حضرات کیوں اس کے لئے تڑپتے رہے؟ کیا ان حضرات کو خدا و رسولؐ نے امور اسلام کا ذمہ دار بنا دیا تھا؟ لیکن اگر یہی باتیں ہوتیں تو حضرت رسولؐ خدا اپنے انتقال کے پہلے اس کی شدید کوشش کیوں فرماتے کہ یہ لوگ اُس وقت مدینہ میں ٹھہرنے ہی نہ پائیں اور اسامہ کے ماتحت ہو کر مدینہ سے بہت دور بلکہ ملک عرب سے بھی باہر چلے جائیں!!!

یہ عجیب تماشا ہے کہ انھیں اُٹھتے ہوئے فتنوں کے خوف سے جب حضرت رسولخداؐ آخر وقت میں فرمائیں کہ قلم دوات لاؤ میں تم لوگوں کو وہ نوشتہ دے جاؤں جس کے بعد تم لوگ گمراہ نہیں ہو گے تو اُس وقت شور کیا جائے کہ حسبنا کتاب اللہ ہمیں خدا کی کتاب بس کرتی ہے۔ مگر رسولؐ کے انتقال پر جب وہ فتنے (جن کے روکنے کے لئے رسولؐ نے وہ وصیت نامہ لکھنا چاہا تھا) اُٹھنے لگے تو وہ قول حسبنا کتاب اللہ

Marfat.com

بالکل نظر انداز کر دیا گیا۔ اور کوئی شخص بھی یہ نہیں کہتا کہ خلافت اور خلیفہ کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کتاب خدا ہمارے پاس موجود ہے۔ وہ ہمیں بس کرتی ہے۔ حضرت رسول خدا صلعم ہر فتنہ کا سدباب بھی کرتے رہتے تھے۔ جب حضرتؐ کو اپنی وفات کا یقین ہو گیا تو حضرتؐ کے پیش نظر وہ کل فتنے ہو گئے جو آپ کے بعد اسلام میں پیدا ہونے والے تھے۔ اور حضرتؐ کو اپنے جن صحابہ پر اطمینان تھا اُن کو بطور اشارہ اُن فتنوں سے باخبر بھی کر دیا تھا۔ خود صحیح بخاری میں ہے عن اسامۃ بن زید قال اشرف النبیؐ علی اطم من اطام المدینۃ ثم قال هل ترون ما ارہے مواقع الفتن خلال بیوتکم اسامہ بن زید بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت رسو خدا صلعم مدینہ کے ایک اونچے محل پر چڑھکر فرمانے لگے کیا تم لوگ فتنہ و فساد کی اُن جگہوں کو دیکھتے ہو جنھیں میں دیکھتا ہوں۔ وہ سب تم صحابہؓ کے گھروں میں ہیں (صحیح بخاری پارہ ۹ ص۴۹۸ باب الفرقۃ کتاب اللقط)

عقل اور نقل سب کا اتفاق اس امر پر ہے کہ امت اسلام کی آبادی۔ استحکام و ترقی نیز مسلمانوں کی ہدایت و حفاظت کا خیال حضرت ابوبکر و عمر سے لاکھوں درجہ زیادہ خدا و رسولؐ کو ہونا چاہیئے۔ پس جن فتنوں کے دبانے کے لئے حضرت ابوبکر و عمر نے یہ کارروائیاں کیں اُن کا انتظام خدا اور رسولؐ کو کرنا زیادہ مناسب تھا۔ اِس لئے کہ اسلام کے بانی اور موجد بھی یہی دونوں ذاتیں تھیں بلکہ رسولؐ سے بھی زیادہ خدا کو اس کی تدبیر کرنی تھی اِس لئے کہ رسولؐ کو بھی خدا ہی نے بھیجا تھا اور اسلام کو بھی اُسی نے اپنا پسندیدہ دین قرار دیا تھا۔ اِن وجوہ سے ماننا پڑے گا کہ اِس مذہب کی جس قدر محبت خدا کو ہو گی حضرت ابوبکر و عمر کو نہیں ہو سکتی۔ اِسی سبب سے آنحضرت صلعم کے بعد جو فتنے پیدا ہونے والے تھے اُن کا انتظام بھی خدا کے متعلق تھا۔ نہ اوروں کے ذمہ۔ اور ایسا ہی خدا نے کیا بھی کہ آنحضرت صلعم کی زندگی ہی میں حضرتؐ کا خلیفہ مقرر کر کے اس فرض سے سبکدوش ہو گیا تھا۔ یہ بھی کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ حضرت رسو خدا صلعم خود سے رسولؐ نہیں بنگئے اپنے کسی یار کی بیعت سے پیغمبر نہیں ہوئے۔ اپنی پارٹی والوں کی رائے و مشورہ سے نبوت کے درجہ پر فائز نہیں ہوئے۔ دنیا کے لوگوں نے اپنے انتخاب سے حضرتؐ کو اپنا پیشوا نہیں بنایا تھا

Marfat.com

بلکہ خود خدا نے آپ کو کافۂ اناس کی ہدایت وارشاد کے لئے رسول مبعوث فرمایا تھا۔ تو حضرت کے خلیفہ اور وصی کا انتخاب بھی لوگوں کے اختیار میں نہیں ہونا چاہئے بلکہ یہ بھی خاص خدا ہی کا کام تھا کیونکہ جس طرح پیغمبر کی شان دنیوی بادشاہ، امیر اور حاکم سے علٰحدہ ہے کہ بادشاہ صرف دنیا کا انتظام کرنے اور عالم کا امن قائم رکھنے کیلئے ہوتا ہے اور نبی یا رسول لوگوں کی دنیا و دین (دونوں) کی اصلاح وارشاد و ہدایت کے لئے بھیجا جاتا ہے بالکل اسی طرح رسول کے خلیفہ اور امام کی حالت بھی دنیا کے سلاطین اور سرداروں سے جدا ہے کہ یہ لوگ محض دنیا کی حالت درست کرنے کے لئے مقرر ہوتے ہیں۔ اور خلیفہ یا امام لوگوں کی دنیا و دین کی حالت بہتر رکھنے اور اس کی حفاظت کرنے اور لوگوں کو گمراہی سے بچانے کیلئے معین ہوتے ہیں۔ علاوہ بریں دنیوی بادشاہ صرف جسم اور ظاہری حالت کا حاکم ہوتا ہے۔ اور نبی یا رسول انسان کی روح و باطن کا ہادی ہوتا ہے اس وجہ سے دنیوی بادشاہ کا جانشین اُن لوگوں کے ذریعہ سے مقرر ہو سکتا ہے جنھوں نے خود بادشاہ کو بادشاہ بنایا۔ اسی طرح رسول و نبی کا قائم مقام بھی اُسی ذات کے مقرر کرنے سے ہو سکتا ہے جس نے خود ہی نبی یا رسول کو مبعوث فرمایا۔ اور وہ خدا ہی ہے۔ کوئی اور نہیں ہو سکتا مختصر یہ کہ جس طرح آدمیوں کے مقرر کرنے سے کوئی شخص نبی یا رسول نہیں ہو سکتا۔ بالکل اسی طرح انسان کے انتخاب سے کوئی شخص نہ خلیفۂ رسول ہو سکتا ہے اور نہ امام زمانہ۔ یہی عقل کا حکم ہے اور یہی خدا کا بھی فیصلہ جسکو اُس نے قرآن مجید کی متعدد آیات میں واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے وما کان لمومن ولا مؤمنۃ اذا اقضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا جب اللہ اور اُس کے رسول کسی بات کو طے کر دیں تو پھر کسی مومن یا مومنہ کو اس کا اختیار باقی نہیں رہتا کہ وہ اپنے امور کے لئے کسی کا انتخاب کرے اور جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرتے ہیں، وہ گمراہی میں پڑتے ہیں (پ ۲۲ سورہ احزاب رکوع ۵/۲) ایک اور جگہ فرماتا ہے۔ وربک یخلق ما یشاء ویختار ما کان لھم الخیرۃ سبحان اللہ وتعالی عما یشرکون۔ اور اے پیغمبر! تمھارا پروردگار ہی جن

Marfat.com

لوگوں کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اُن میں سے جسکو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے انتخاب کرنا لوگوں کے اختیار میں نہیں ہے۔ یہ لوگ جو خدا کے کاموں میں شریک ہونا یا شریک کرنا چاہتے ہیں اللہ کی ذات اُس سے پاک اور بہت بلند ہے (پارہ ۲۰ سورۂ قصص رکوع ۶/۱۰) ان آیتوں سے واضح تر فیصلہ اور کیا ہوتا جس سے خدا مسلمانوں کو یہ بتا دیتا کہ خلیفہ اور امام کا مقرر کرنا اہلِ اسلام کے اختیار کی بات نہیں بلکہ خاص خدا کا کام ہے جس میں نہ وہ کسی کو شریک کرتا اور جسے نہ وہ کسی پر چھوڑتا ہے۔ اب جو لوگ خدا کا اختیار اُس سے چھین کر خود کسی شخص کو خلیفہ مقرر کرتے ہیں وہ درحقیقت خدائی کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں۔ (ممکن ہے اسی وجہ سے خدا نے ان لوگوں کو مشرک قرار دیا اور ان کی صریح گمراہی کا اعلان فرما دیا ہے) اگر انصاف سے کام لیا جائے تو یقین ہو جائے کہ یہ آیتیں بحث خلافت کا قطعی فیصلہ کر دیتی ہیں۔ اور کسی شخص کو اس کے متعلق ایک حرف بھی بولنے کی گنجائش باقی ہی نہیں رہتی ہے۔

یہ تو خلافت کے متعلق خدا کا قولی حکم تھا۔ اب اُس کا طرزِ عمل یعنی عملی اصول بھی دیکھو۔ خدا دنیا میں لوگوں کی ہدایت و اصلاحِ معاش و معاد کیلئے ہمیشہ انبیاء و مرسلین کو بھیجتا رہا ہے تاکہ کسی قوم کی کوئی حجت خدا پر قائم نہ ہو۔ اور جس طرح حضرت رسولِ خدا کے بعد مسلمانوں کے لئے ایک خلیفہ کا ہونا ضروری تھا بعینہٖ اسی طرح حضرتؐ کے قبل جس قدر انبیاء و مرسلین آئے ہیں ان کے انتقال پر بھی ان کی امتوں کیلئے کسی نہ کسی خلیفہ کی شدید ضرورت تھی کیونکہ جو غرض انبیاء و مرسلین کے مبعوث ہونے کی ہوتی ہے تقریباً وہی ان کے خلیفہ کے منصوب ہونے کی بھی ہے۔ انبیاء و مرسلین ایک مذہب قائم کرتے ہیں یا کوئی دین لاتے ہیں اور لوگوں کی ہدایت و اصلاح کی راہ نکالتے ہیں۔ اور جو لوگ ان کے خلیفہ ہوتے ہیں وہ ان کے بعد اُن کے مذہب کی حفاظت کرتے۔ ان کے دین کو پھیلاتے اور اُن کی راہ کو برقرار رکھتے ہیں پس اگر خدا کے لئے انبیاء و مرسلین کا بھیجنا ضروری ہے تو اُن کے خلیفہ کا انتظام کرنا بھی اُسی کا فرض ہے۔ اب دیکھو کہ سابق انبیاء و مرسلین کے بعد ان کی شریعت کے

Marfat.com

قائم رکھنے اور ان کے دین کی بقاء و حفاظت کیلئے خدا کا کیا اصول رہا ہے۔ کیا اُس نے سابق انبیاء و مرسلین کی امتوں کو آزادی دے دی تھی اور اس امر میں مختار کر دیا تھا کہ وہ خود اپنے میں سے جس شخص کو چاہیں اپنا مذہبی پیشوا۔ دینی سردار اور اپنے رسول کا خلیفہ۔ وصی۔ نائب۔ قائم مقام مقرر کر لیں۔ یا خدا نے خود ہی ہر نبی یا رسول کا خلیفہ بھی مقرر کر کے اُس نبی یا رسول سے اس کا اعلان کرا دیا تھا عقل تو یہی کہتی ہے کہ جب خدا نے سابق انبیاء و مرسلین کا انتخاب آدمیوں پر نہیں چھوڑا یعنی اُس زمانہ کے لوگوں کو اس کا اختیار نہیں دیا کہ اپنی ہدایت و ارشاد کیلئے وہ خود کسی کو خدا کا رسول یا اللہ کا نبی مقرر کر لیا کریں (بلکہ اس فرض کو خدا نے اپنے ہاتھ میں مخصوص رکھا) تو اُن کے جانشینوں کا انتظام بھی وہ آدمیوں پر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اس لئے کہ اگر آدمیوں کے لئے یہ جائز ہوتا کہ کسی نبی کا خلیفہ وہ خود اپنے انتخاب سے مقرر کر لیں تو نبی یا رسول کا مقرر کرنا کیوں ان کے لئے ناجائز ہوتا؟ واضح ہے کہ پیغمبر بھی انسان کی دنیوی و دینی ہدایت کیلئے آتا ہے اور اُس کا خلیفہ بھی اُس کی دینی و دنیوی ہدایت کے قائم رکھنے اور اس کی حفاظت ہی کے لئے مقرر ہوتا ہے۔ "خلافت" عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنے جانشینی یا قائم مقامی کے ہیں۔ لیکن جانشینی کا مفہوم صرف جگہ پر بیٹھ جانا نہیں ہے بلکہ جانشینی بہ حیثیت عہدہ۔ بہ حیثیت منصب۔ بہ حیثیت فرائض۔ بہ حیثیت اخلاق و اعمال اور بہ حیثیت مراتب و کمال ہوتی ہے۔

ایک شاعر کا جانشین شاعر۔ طبیب کا جانشین طبیب۔ قاضی کا جانشین قاضی۔ اور وکیل کا جانشین وکیل ہوا کرتا ہے۔ ایک شاعر کی جگہ حکیم اور حکیم کی جگہ قاضی اور قاضی کی جگہ وکیل سے پُر نہیں ہو سکتی بلکہ ایک ہی نوع میں صنف کے بدلنے سے بھی خصوصیت مختلف ہو جاتی ہے۔ یعنی خود شعراء میں مرثیہ گو کا جانشین غزل گو اور غزل گو کا جانشین قصیدہ گو نہیں سمجھا جا سکتا۔ چہ جائیکہ شاعر کی جگہ لوہار اور قاضی کی جگہ معمار جانشین سمجھا جائے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ خلیفہ حقیقۃً وہ ہے جو اپنے کمالات اور خصوصیات میں اپنے پیش رَو کے کمالات و خصوصیات کا زیادہ سے

Marfat.com

زیادہ شریک وحصہ دار ہو۔ اور انبیاء و مرسلین کے کمالات وخصوصیات میں سب سے اہم جزو یہی ہے کہ وہ خاص خدا کے بھیجے ہوئے ہوتے ہیں۔ انسانی انتخاب اور تجویز کی اس میں ذرہ برابر بھی شرکت نہیں ہوتی۔ پنچایت سے کبھی کوئی شخص نبی یا پیغمبر نہیں ہوا۔ تو خلیفہ میں بھی سب سے اہم جزو یہی ماننا پڑے گا کہ وہ خاص خدا کا مقرر کیا ہوا ہوتا ہے۔ اور آدمیوں کی رائے ومشورہ۔ یا پنچایت یا استخلاف یا انتخاب یا تجویز کی اس میں ذرہ برابر شرکت نہیں ہوسکتی۔

اس نظریہ کے ماتحت ہمارے سامنے قدرتاً یہ تنقیح پیش ہوتی ہے کہ حضرت رسولخداؐ کی حیثیت ایک دنیوی بادشاہ کی سی تھی یا ایک معلم روحانی کی۔ یعنی حضرت کا مقصود کوئی حکومت بسلطنت قائم کرنا تھا یا لوگوں کے اخلاق کو درست کرنا۔ ان میں انسانی خوبیاں پیدا کرنا۔ اُن کو روحانی کمالات سے آراستہ کرنا۔ اور اُن کو مذہب حق کا پابند کرنا۔ ظاہر ہے کہ حضرت کسی سلطنت کی بنیاد نہیں رکھ رہے تھے کوئی بادشاہت نہیں قائم کر رہے تھے۔ کسی دنیوی حکومت کی تعمیر نہیں کر رہے تھے بلکہ ایک قوم بنا رہے تھے جو انسانیت واخلاق کے جوہر سے آراستہ ہو اور بجائے تیر۔ تلوار۔ نیزے کے اپنے ورع وتقوے۔ اپنی خدا ترسی اور شرافت نفس سے روحانی حکومت دنیا میں قائم کرے۔ اگر آنحضرت صلعم کی حیثیت محض ایک دنیوی بادشاہ کی سی ہوتی تو بے شک حضرتؐ کی خلافت کیلئے ایک بادشاہ ہونے کی حیثیت کافی سمجھی جاسکتی تھی اور جو شخص بھی حضرت کا خلیفہ مقرر کر دیا جاتا کسی کو اعتراض کا حق حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن اگر رسولخدا صلعم کی حیثیت ایک بادشاہ کی سی نہ تھی بلکہ معلم روحانی۔ پیشوائے دینی۔ سردار دین ودنیا اور سب سے زیادہ خدا کی طرف سے مبعوث ہونے کی خصوصیت آپ میں پائی جاتی تھی تو ہم کو سمجھنا چاہیئے کہ آپ کے خلیفہ میں بھی جو شخص اس صفت سے متصف ہو وہی حضرت کا خلیفہ برحق ہو سکتا ہے۔ غرض جب رسول وپیغمبر ایک معلم روحانی اور اہل اسلام کے عقیدہ کے مطابق خدا کا مقرر کردہ ہادی ہوتا ہے تو اُس کی جانشینی کا انتظام بھی خدا ہی کا فعل ہونا چاہیئے۔ اور معلوم ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم کو دنیا کے لوگوں

Marfat.com

نے اپنا ہادی اور خدا کا رسول نہیں بنایا بلکہ خود خدا نے آپ کو مبعوث فرمایا۔ بالکل اسی طرح حضرتؐ کے جانشین کو بھی دنیا کے لوگ اپنی تجویز یا اجماع یا انتخاب سے مقرر نہیں کر سکتے بلکہ خدا ہی اُس کو معین کرے گا اور وہ اپنے رسول ہی سے اس کا اعلان بھی کرائے گا۔ یہ تو عقلی فیصلہ ہے۔ اور جن فرقوں میں یہ اختلاف ہے اُن کی آسمانی کتاب قرآن مجید کی بکثرت آیتوں سے بھی یقین ہوتا ہے کہ جس طرح پیغمبروں کا بھیجنا خدا کا کام ہے اسی طرح ان کے قائم مقام۔ جانشین۔ وصی خلیفہ اور امت کے امام کا مقرر کرنا بھی محض خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

پیغمبروں کے بارے میں خدا فرماتا ہے کہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل نے خدا سے دعا کی ربنا وابعث فیہم رسولا اے پالنے والے تو ان لوگوں میں کوئی رسول بھیج (پارہ ۱ ع ۱۵) معلوم ہوا کہ رسول کا بھیجنا صرف خدا کا کام ہے۔ دوسری جگہ خدا فرماتا ہے کما ارسلنا فیکم رسولا منکم جس طرح ہم نے تم میں سے ایک رسول بھیجا (پارہ ۲ ع ۲) لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیہم رسولا من انفسہم یقیناً اللہ نے مومنین پر احسان کیا کہ اُن کے درمیان ایک رسول انھیں لوگوں سے بھیجا۔ (پ ۴ ع ۸) ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منہم وہی خدا ایسا ہے جس نے جاہلوں میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا۔ (پارہ ۲۸ سورہ جمعہ ع ۱۱)

اور خلیفہ و امام کے بارے میں بھی خدا کا یہی اصول معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً فرمایا واذ قال ربک للملئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ اے پیغمبر! لوگوں سے اُس وقت کا ذکر کرو جب تمھارے پالنے والے نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں۔ (پارہ اول رکوع ۴) خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ اے فرشتو تم لوگ اپنے انتخاب یا پنچایت یا اجماع سے کسی کو خلیفہ مقرر کر لو۔ نہ یہ فرمایا کہ اے فرشتو زمین کے رہنے والے آدمیوں کو میں اختیار دوں گا کہ جس شخص کو چاہیں اپنے انتخاب یا اجماع یا پنچایت سے خلیفہ مقرر کر لیں۔ نہ یہ فرمایا کہ انسان جس شخص کو بھی زمین پر خلیفہ مقرر کرے گا میں

اوس کو حق تسلیم کرلوں گا بلکہ سب صورتوں کو ترک کرکے فرماتا ہے کہ زمین پر خلیفہ میں ہی مقرر کرونگا اور میرا ہی یہ کام ہے۔ کسی اور کا نہیں ہوسکتا۔ پھر خدا نے حضرت داؤد سے فرمایا یاداؤدانا جعلناک خلیفۃ فی الارض۔ اے داؤد! ہم ہی نے تم کو زمین میں اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے (پارہ ۲۳ ع ۱۱) جس سے معلوم ہوگیا کہ جب دنیا آباد ہوگئی اور بے تعداد آدمی اُس میں بس گئے جب بھی خدا نے خلیفہ بنانے کا طریقہ ان آدمیوں کا اجماع یا انتخاب یا پنچایت نہیں قرار دیا نہ اس ضروری کام کو ان پر چھوڑا بلکہ اس کو بالکل اپنے ہاتھ میں رکھا۔

حضرت موسےٰ جب اپنی قوم کو چھوڑ کر کوہِ طور پر جانے لگے اور آپ کی قوم کیلئے آپ کے جانشین کی ضرورت ہوئی تو آپ نے یہ نہیں کیا کہ اپنی امت سے کہا ہو میں تو جاتا ہوں تم لوگ جس شخص کو چاہنا اپنے انتخاب یا شورے یا پنچایت سے میرا خلیفہ مقرر کرلینا۔ اور نہ بغیر اپنے خلیفہ کا کوئی انتظام کئے ہوئے اپنی قوم کو چھوڑا کہ حضرت کی امت نے خود ہی کسی کو خلیفہ بنا لیا ہو بلکہ (خدا کے حکم سے) حضرت نے پہلے اپنے خلیفہ کو اپنی جگہ مقرر کیا اُس کے بعد کوہِ طور پر تشریف لیگئے جس کا بیان قرآن مجید میں اس طرح ہے وواعدنا موسیٰ ثلثین لیلۃً واتممناھا بعشر فتم میقات ربہ اربعین لیلۃ وقال موسیٰ لاخیہ ھارون اخلفنی فی قومی واصلح ولا تتبع سبیل المفسدین۔ اور ہم نے (اپنے پیغمبر) موسےٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور ہم نے دس راتیں اور بڑھا کر تیس کو پوری چالیس راتیں کردیں اور یوں موسیٰ کے پالنے والے کا وعدہ چالیس راتوں کا پورا ہوگیا۔ اور موسیٰ کوہِ طور پر جاتے وقت اپنے بھائی ہارون سے کہتے گئے کہ میری قوم کے لوگوں میں میری نیابت اور جانشینی کرتے رہنا اور ان میں میل جول رکھنا اور مفسدوں کی راہ نہ اختیار کرنا۔ (پارہ ۹ ع ۷) یہ آیت بھی قابلِ غور ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسےٰ صرف چالیس دنوں کے لئے کوہِ طور پر تشریف لے جاتے تھے پھر بھی اپنی امت کو بغیر کسی سردار کے نہیں چھوڑا بلکہ خدا کے حکم سے پہلے اپنا خلیفہ مقرر کرلیا تب وہاں سے روانہ ہوئے [1]

[1] پھر حضرت رسولِ خدا کو کیا حضرت موسےٰ کے برابر بھی اپنی امت کی پریشانی اور ان کے فتنہ و فساد کی پروا نہیں تھی کہ دنیا سے ہمیشہ کیلئے چلے گئے اور امتِ اسلام کو بغیر کسی سردار یا خلیفہ کے

(بقیہ حاشیہ صـ۱۶۸)

Marfat.com

اور خدا امام کے بارے میں فرماتا ہے والّذین یقولون ربّنا ھب لنا من ازواجنا وذرّیاتنا قرّۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما۔ یعنی وہ لوگ جو دعا کرتے ہیں کہ

چھوڑ دیا؟ جس کی وجہ سے حضرت (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۷) کے انتقال کرتے ہی مسلمانوں نے آپ کا جنازہ ترک کر دیا اور اس جھگڑے میں مشغول ہو گئے۔ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی مصنف تحفۂ اثنا عشریہ کے والد ماجد جناب شاہ ولی اللہ صاحب ایسے جلیل القدر عالم و محقق نے اس مضمون کو اچھی طرح ادا کیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں۔ "چناں کہ نبوت مکتسب و جبلی نیست ہم چنیں خلافت خاصۂ پیغمبر مکتسب و جبلی نیست" یعنے جس طرح نبوت و پیغمبری کسی کے خود محنت و کوشش کرنے سے اس کو حاصل نہیں ہو سکتی اور نہ خود ہی اس میں پیدا ہوتی ہے (بلکہ خدا ہی جس کو چاہتا ہے پیغمبر کرتا ہے) اسی طرح پیغمبر کی خاص خلافت بھی کسی شخص کی کوشش و محنت سے اس کو نہیں مل سکتی۔ اور نہ کسی شخص کے آپ ہی خلیفہ بنجانے یا لوگوں کے اس کو بنا دینے سے ہو سکتی ہے۔ اور نہ خود ہی پیدا ہوتی ہے (بلکہ یہ بھی خدا ہی کے اختیار میں ہے کہ وہ جس کو چاہتا ہے صرف وہی رسول کا خلیفۂ برحق ہوتا ہے)۔ دیکھو کتاب ازالۃ الخفاء مقصد اول صفحہ ۵۲۔ پھر ممدوح ہی لکھتے ہیں "و دلائل عقلیہ یقینیہ می کنم کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لابد خلیفہ برائے اُمتِ خود معیّن فرمودہ است وانقیادِ آں عزیز در آنچہ بخلافت تعلق دارد لازم نمودہ"۔ یعنی عقلی دلیلوں سے ہم یقین کرتے ہیں کہ حضرت رسول خدا صلعم نے ضرور اپنی امت کیلئے خود ہی اپنا خلیفہ مقرر کر دیا تھا اور جو باتیں خلافت سے تعلق رکھتی ہیں ان میں اس عزیز کی اطاعت و فرمانبرداری لازم کر دی تھی۔ (ازالۃ الخفاء مقصد اول صفحہ ۲۶۷)۔ پھر لکھتے اور بہت خوب بلکہ نہایت قابلِ قدر تحریر کرتے ہیں "ہر کہ فن مغازی را تتبع نمودہ باشد البتہ می داند کہ آنحضرتؐ ہر گاہ برائے غزوہ از مدینہ شریفہ سفری فرمودند شخصے را حاکم مدینہ می نمودند۔ امرِ مسلمین را گاہے مہمل نہ گذاشتہ اند پس چوں کویں رحلت از دنیا نواختند و غیبتِ کبریٰ پیش آمد آں سیرتِ مرضیہ خود را چرا مراعات نہ فرمایند۔ اگر تامل کنی در رافت تامہ آنحضرتؐ شذر و مذر گذاشتن بنی آدم بعد سعی بلیغ در تربیت و اصلاحِ آنہا تہافت و تناقض انگاری۔ و اگر بر سیرتِ علیہ آں حضرتؐ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۹)

Marfat.com

اے پالنے والے ہم کو ہماری ازواج و اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عنایت فرما اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔ (پارہ ۱۹ رکوع ۴) اس سے معلوم ہوا کہ امام کو

در نصب حکام و قضاۃ و تفویض ہر امرے بہ مستحقِ آں نظر برگماری بغیرِ استخلاف پدرود کردنِ دنیا مُستنکر و مستبعد شماری۔ استقراء اکثر افراد و احوالِ باقیہ یکے از ادلّۂ خطابیہ است کہ در معرفتِ احکام بہ آں اکتفاء می تواں کرد۔ و قصصِ نُواب بعد بر آمدن از غزوات از آں واضح تر است کہ بہ نقل شمۂ از آں احتیاج افتد۔ دلیلِ رابع اگر شریعتے را کہ آنحضرت صلعم برائے دفع مفاسدِ عالَم و صلاحِ جہانیاں بما آوردہ بہ چشمِ عبرت تتبع کنی شک نہ داری در آنکہ آنحضرتؐ آں مقربات کہ افراد بنی آدم را از حضیضِ بہیمیت باوجِ ملکیت رساند بیان فرمودہ بعد ازاں ہر چہ حاجت بہ آں ناس است از آدابِ معیشت و مکاسب و معاملات و تدبیرِ منازل و سیاست مدن ہمہ را مشروح ساختہ و ہر نابایستے کہ دراں جا بود از آں منع و زجر نمودہ و از آں ہمہ گذشتہ تحسینیات و سدِّ ذرائعِ مفاسد و دواعی اثم را بوجہ اتمّ مبین گردانید و ہر چیزے بیان کردہ۔ ارکان و شروط و آداب مفصل ساختہ۔ مثل ایں حکیم دانا و مشفق مہربان عقل تجویز می کند کہ امتِ خود را در عینِ مہلکہ سپارد و تدبیرِ خلاصِ ایشاں نہ فرماید؟ در غزوۂ تبوک متوجہ شام شود و اثارۃ قوۃ غضبیہ رومیاں کند و ایشاں را تخویف نماید و نامہ بہ بکسریٰ نویسد کہ آتشِ غیرت بہ سبب آں بہ دماغِ او رسد و وے از کمالِ رعونتِ خود قاصدے پیش آں حضرتؐ فرستد و قصدِ اہانت کند و متنبیان مانند مسیلمۂ کذّاب و اسود عنسی از زمینِ عرب برخاستہ باشند و مردمِ ضعیف الاسلام در پے ترویجِ کفر افتادہ باشند و سُورِ قرآن مانند عصافیر در دست مردم پراگندہ باشد۔ بحکمتِ ایں حکیم دانا و رافت ایں مشفق مہربان مناسبت دارد کہ تدبیر اصلاحِ عالَم ناکردہ و امتِ خود را زیرِ نسقِ خلیفہ نہ سپردہ از عالم بہ گزرد۔ یعنی جس شخص نے حضرت رسولؐ کے جہادوں کے حالات اور غزوات کے انتظامات کا تتبع کیا۔ (یعنی اُن کو تفصیل سے جانا) ہے وہ اس امر سے اچھی طرح واقف ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم جب کبھی کسی غزوہ کے لئے مدینہ شریفہ سے سفر کرتے تھے تو کسی شخص کو مدینہ کا حاکم ضرور بنا جاتے تھے۔ غرض مسلمانوں کے

(بقیہ حاشیہ ص۱۷۰)

Marfat.com

بھی خدا ہی مقرر کرتا ہے۔ آدمی کسی شخص کو خلیفہ یا امام نہیں بنا سکتا۔ وجعلنا ھم ائمۃ یھدون بامرنا اور ہم ہی نے اُن لوگوں کو امام مقرر کیا کہ ہمارے حکم کے مطابق ہدایت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۹)

کاموں کو مہمل (بغیر کسی انتظام اور بغیر کسی سردار یا حاکم کی ماتحتی کے) کبھی نہیں چھوڑا۔ پھر جب حضرت دنیا سے سفر کرنے لگے اور یہاں سے آپ کی دائمی رخصت کا وقت پہنچا تو حضرت اپنی وہ مناسب سیرت (کہ اپنے جاتے وقت اپنے قائم مقام کا انتظام خود کر جاتے تھے) کیوں چھوڑ دیتے؟ اور کس سبب سے اس اصول کے خلاف عمل کرتے؟ آنحضرتؐ کی اس رحمت کاملہ و شفقت تامہ میں جو مسلمانوں پر تھی اگر تم لوگ غور و فکر کرو تو یقین کر لو گے کہ آنحضرت صلعم کا اپنی امت کو اس طرح پراگندہ (یعنی بغیر کسی سردار یا پیشوا کے) چھوڑ کر دنیا سے تشریف لے جانا محال تھا۔ اور اگر اس امر کو پیش نظر رکھو کہ آنحضرتؐ کے مبعوث ہونے کی اصلی غرض عالم میں امن و امان قائم رکھنا اور دنیا کی اصلاح کرنا تھی تو سمجھ لوگے کہ آنحضرتؐ کا بنی آدم کے درست کرنے۔ ان کے مہذب بنانے۔ ان کو زیورِ اخلاق و ایمان سے آراستہ کرنے کیلئے اِس قدر کوشش اور جدّ و جہد کرنے کے بعد انھیں لوگوں کو بغیر کسی ہادی۔ خلیفہ۔ امام اور رہنما کے مطلق العنان (بے سر کی فوج) چھوڑ جانا قطعاً خلاف عقل اور حضرتؐ کی بعثت کے اغراض و مقاصد کے بالکل خلاف تھا۔ جس سے آنحضرتؐ کی رسالت پر دھبہ آتا ہے کہ آپ کے کاموں میں تناقض اور اختلاف رہتا تھا کہ زبان سے کچھ کہتے اور خود عمل کچھ کرتے۔ اور کبھی کوئی کام کرتے اور کبھی اُس کے خلاف عمل فرماتے۔ اور اگر تم آنحضرتؐ کی سیرۃ و عادۃ پر نظر ڈالو جو حاکموں اور قانونوں کے مقرر کرنے اور ہر شخص کو اُس کی لیاقت کے مطابق کام سپرد کرنے اور ہر کام کو اُس کے اہل کے حوالہ کرنے میں تھی تو تم کو ماننا پڑیگا کہ آنحضرت صلعم کا بغیر کسی شخص کو اپنا خلیفہ بنائے ہوئے دنیا سے رحلت فرمانا بالکل خلاف عقل اور قطعاً ناممکن تھا۔ آنحضرتؐ کے انتظامات و اصول کو تفصیل سے جاننا اور اکثر افراد و احوال کا پتا لگانا اور اُس کے مطابق دوسرے افراد و احوال میں حکم کرنا بھی خطابی دلیلوں سے ایک دلیل ہے جس پر احکام کی معرفت میں ہم لوگ اکتفا کر سکتے ہیں

(بقیہ حاشیہ ۱۷۱)

کرتے تھے (پارہ ۷، ع ۵) اللہ یجتبی الیہ من یشاء اللہ ہی جس کا چاہتا ہے انتخاب

اور آنحضرتؐ کے غزوات میں تشریف لے جانے کے بعد نائبوں کے مقرر کرنے کے (بقیہ حاشیہ ۱۷۰)
واقعات اِس سے واضح تر ہیں کہ اُن کے کسی شمہ کے نقل کرنے کی ضرورت ہو۔
چوتھی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی شریعت کو جسے آنحضرتؐ مفاسدِ عالم کے دفع کرنے اور دنیا والوں کی اصلاح کیلئے لائے تھے چشمِ عبرت سے دیکھو اور اُس کی تفصیلات میں ڈوبو تو تم کو اس بات میں ذرہ برابر بھی شک نہیں رہیگا کہ حضرت رسولِ خدا نے ان تمام خوبیوں اور ذریعوں کو واضح طور پر بیان فرما دیا تھا جن سے لوگ حیوانیت کے پست درجہ سے نکل کر فرشتوں کی صف میں داخل ہو سکتے اور اوجِ ملکیت تک پہنچ جا سکتے ہیں۔ اُس کے بعد آدابِ معیشت طرزِ معاشرت۔ ذرائع معاش و معاملات و تدبیرِ منازل و سیاستِ مدن وغیرہ امور سے جس جس امر کی ضرورت پیش آتی گئی سب کو مفصل اور مشرح طور پر بیان فرما دیا۔ اور جو بُری اور نامناسب باتیں تھیں اُن سب سے منع فرما دیا۔ علاوہ بریں اعمالِ خیر پر آمادہ کرنے کی جس قدر تدبیریں اور شر و فساد۔ فسق و فجور و اسبابِ گناہ سے روکنے کی جو صورتیں تھیں اُن سب کو بھی اچھی طرح واضح کر دیا۔ اور ہر چیز کو بیان کر کے اُس کے ارکان و شرائط و آداب کو بھی تفصیل سے بتا دیا۔ ایسے اعلیٰ درجہ کے مُدبّر و حکیم دانا و مشفق و مہربان کے بارے میں کیا عقل اس بات کو تسلیم کر سکتی ہے کہ وہ اپنی امت کو بالکل ہلاکت اور گمراہی و تباہی کے سپرد کر دے اور اُس کو جہنم سے بچانے کی کوئی کوشش نہ کر جائے؟
ایسا صاحبِ عقل پیغمبرؐ جو سید المرسلین تھا اپنی زندگی کے آخری زمانہ میں غزوۂ تبوک کیلئے ملکِ شام کی طرف توجہ کر کے رومیوں کی قوتِ غضبیہ کو برانگیختہ اور اُن لوگوں کو اپنی ہیبت سے سخت خوف میں مبتلا کر دے اور کسریٰ کو ایسا خط لکھے جس کی وجہ سے آتشِ غیرت اُس کے دماغ تک پہنچ جائے اور وہ اپنے انتہائی تکبر و غرور سے ایک قاصد آنحضرتؐ کی خدمت میں روانہ کر کے حضرتؐ کی توہین کا قصد کرے۔ اور نبوت کے جھوٹے دعویدار مثلاً مسیلمہ کذاب و اسود سنسی زمینِ عرب سے اُٹھ کھڑے ہوئے ہوں۔ اور کمزور اسلام کے مسلمان کفر کی ترویج میں پڑ گئے ہوں۔ اور قرآن کے سورے چھوٹے چڑیوں کے مانند
(بقیہ حاشیہ ۱۷۲)

فرمالیتا ہے (پارہ ۴ ع ۹ و پارہ ۲۵ ع ۳) ونرید ان نمنّ علی الّذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمۃ ونجعلھم الوارثین ہمارا ارادہ رہتا ہے کہ جو لوگ اس زمین میں کمزور سمجھے گئے اُن پر احسان کریں۔ ان کو امام بنائیں اور اُنکو وارث قرار دیں۔ (پارہ ۲ ع ۱۴) وجعلنا منھم ائمۃ یھدون بامرنا لمّا صبروا وکانوا بآیاتنا یوقنون اور ہم ہی نے اُن میں سے کچھ لوگوں کو امام بنایا جو ہمارے حکم سے لوگوں کی ہدایت کرتے تھے۔ اور یہ منصب امامت ان کو اُس وقت ملا جبکہ وہ دشمنانِ خدا کے مظالم پر صبر کرتے رہے اور ہماری آیتوں پر یقین کئے رہے (پارہ ۱۶ ع ۱) حد ہو گئی کہ حضرت موسیٰ کیلئے وزیر کی ضرورت ہوئی تو آپ بھی باوجودیکہ پیغمبر اولی العزم میں سے تھے خود یہ عہدہ کسی کو نہیں دیسکے بلکہ خدا ہی نے آپ کیلئے وزیر بھی مقرر کیا۔ فرماتا ہے ولقد آتینا موسی الکتاب وجعلنا معہ اخاہ ھارون وزیرا۔ البتہ ہم ہی نے موسیٰ کو کتاب دی اور ہم ہی نے اُن کے بھائی ہارون کو اُن کا وزیر بنایا (پارہ ۱۹ ع ۲) اور حضرت ابراہیم ایسے جلیل الشان پیغمبر کو بھی اس کا اختیار نہیں ہوا کہ خود کسی کو امام بنادیں بلکہ اسکے کیلئے خدا ہی سے آپنے بھی دعا فرمائی خدا کا کلام دیکھو واذ ابتلی ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھنّ قال انی جاعلک للنّاس اماما

(بقیہ حاشیہ ص۱۷۱)

لوگوں کے ہاتھوں میں پراگندہ ہوں۔ ایسے حکیم دانا کی حکمت اور ایسے مشفق مہربان کی رحمت کیلئے یہ ہوسکتا ہے کہ اپنی امت کی ایسی تردد خیز اور متزلزل حالت میں بغیر دنیا کا انتظام کئے اور بغیر اپنی امت کو کسی خلیفہ کے سپرد کئے ہوئے دنیا سے چلا جائے؟ (ازالۃ الخفاء مقصد اول ص۲۷۳)۔

جناب شاہ صاحب کی اس تقریر سے اچھی طرح واضح ہوگیا کہ حضرت رسول خدا نے اپنی زندگی میں خود ہی کسی کو اپنا خلیفہ بنا کر اس کا اعلان کر دیا تھا۔ کیونکہ یہ بات حضرت کی شان کے خلاف تھی کہ بغیر کسی شخص کے خلیفہ بنائے حضرت دنیا سے تشریف لیجاتے۔ اور کوئی عقل حضرتؐ کے متعلق ایسی رائے قائم نہیں کرسکتی۔ ایسی حالتمیں جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر کا سقیفہ میں جانا ضروری تھا کہ خلافۃ کا انتظام کریں اُنکو سوچنا چاہیئے کیسی خلاف عقل بات وہ بیان کرتے ہیں کیونکہ آنحضرت صلعم تو خود ہی اپنے خلیفہ کا انتظام کر چکے تھے اور وہ بھی دو چار روز قبل نہیں بلکہ شروع اسلام ہی میں جسکی تفصیل سے مسلمانوں کا بچہ بچہ واقف ہے کہ سنہ بعثت میں آنحضرت صلعم نے حضرت علیؑ کے بارے میں سب سے فرمادیا تھا ھذا اخی ووصیی وخلیفتی

Marfat.com

قال ومن ذرّیتی قال لاینال عہدی الظّالمین۔ جب ابراہیمؑ کو اُن کے پالنے والے نے چند باتوں میں آزمایا اور اُنھوں نے اُن سب باتوں کو پورا کر دیا تو خدا نے فرمایا میں تم کو لوگوں کا امام بناؤں گا۔ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کی اور میری اولاد میں سے بھی (تو لوگوں کو امام بنائے گا)؟ خدا نے فرمایا (ہاں مگر) میرا یہ عہد ظالموں کو نہیں ملسکتا۔ (پارہ ۱ ع ۱۵) اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ کو اُس زمانہ کے لوگوں نے اپنے اجماع یا انتخاب یا تجویز یا پنچایت یا شورے سے اپنا امام نہیں بنایا۔ بلکہ خدا نے مقرر کیا۔ اور یہ بھی کہ حضرت ابراہیمؑ تک کو اس کا اختیار نہیں ملا کہ اپنی اولاد سے کسی کو امام بنا سکیں بلکہ اس کیلئے بھی آپ نے خدا سے دعا کی۔ اس کے جواب میں خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ تم کو اپنی ذرّیت میں لوگوں کے امام ہونے کی فکر کیوں ہے۔ تمھاری اُمت جسکو چاہیگی اپنا امام بنا لیا کریگی۔ بلکہ خدا نے فرمایا کہ یہ عہدہ خاص میرا ہے۔ میں ہی کسی کو دوں گا تو وہ پائے گا۔ اور میں جسکو نہیں دونگا وہ ہرگز اُس پر فائز نہیں ہو سکتا۔ اور لفظ عَہدِی فرما کر خدا نے اور بھی تاکید کر دی کہ کسی کو خلیفہ یا امام بنانا آدمیوں کی قدرت کی بات نہیں ہے نہ کوئی مخلوق اس کو کر سکتی ہے بلکہ یہ خاص خدا کا عہدہ ہے۔ وہی جس کو چاہتا ہے مرحمت فرماتا ہے۔ اور خدا جس کو اس عہدہ سے سرفراز نہیں کریگا اُسکو خواہ دنیا خلیفہ اور امام بنائے مگر خدا کی نظر میں نہ وہ خلیفہ ہو سکتا ہے نہ امام۔ اگر یہ شبہ ہو کہ قرآن مجید میں جس جس جگہ خلیفہ یا امام کا لفظ آیا ہے وہاں مراد وہ شخص ہے جو نبی یا رسول ہو جیسے انی جاعل فی الارض خلیفہ سے مراد نبی (حضرت آدمؑ) ہیں۔ اسی طرح یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض سے مراد پیغمبر ہیں۔ برخلاف اس کے حضرت رسولخدا کا خلیفہ غیر نبی تھا کیونکہ نبوت تو حضرتؐ پر ختم ہو چکی تھی لہذا قرآن مجید کی آیات سے اس بات پر کوئی استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت محمد صلعم کا خلیفہ بھی وہی ہوگا جسکو خدا مقرر کرے کیونکہ یہ خلیفہ غیر نبی ہوگا۔

تو یہ خیال ناقابلِ توجہ ہے کیونکہ قرآن مجید میں خدا نے مطلق خلیفہ کے مقرر کرنے کا اختیار اپنے

فہذا فاسمعوا لہ واطیعوا۔ اے لوگو یہ میرے بھائی میرے وصی اور تم لوگوں میں میرے خلیفہ ہیں تم سب ان کا حکم سنا کرو اور ان کی اطاعت کرتے رہنا۔ (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۶۲)

Marfat.com

رکھنا ظاہر کیا ہے خواہ وہ خلیفہ بمعنی نبی ہو خواہ خلیفہ بمعنی قائم مقام نبی۔ غرض جس طرح نبی کا مقرر کرنا خدا نے صرف اپنے ہاتھ میں رکھا اُسی طرح نبی یا رسول کے جانشین اور قائم مقام کا مقرر کرنا بھی صرف اپنے متعلق رکھا۔ مختصر یہ کہ خلیفہ جس معنی میں بھی لیا جائے اس کے مقرر کرنے کا اختیار کبھی اور کسی حالت میں بھی آدمیوں کو نہیں دیا گیا۔ ہمیشہ خدا ہی کے اختیار میں رہا۔ قرآن مجید کی ایک آیت۔ احادیث رسول خدا صلعم کا ایک لفظ۔ انبیاء و مرسلین کا ایک فعل بھی ایسا نہیں ملسکتا جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ کسی امت یا کسی جماعت یا کسی زمانہ کے لوگوں کو خلیفہ (بمعنی قائم مقام نبی) مقرر کرنے کا اختیار دیا گیا ہو۔ اور خود حضرت رسول خدا صلعم کے خلفاء کے بارے میں بھی خدا نے تصریح کر دی ہے کہ صرف وہی مقرر کرتا رہیگا اور امت محمدیہ صلعم کو اس کا ذرہ برابر بھی اختیار نہیں دیا۔ فرماتا ہے وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور وہ اعمال خیر بجالاتے رہے اُن کے بارے میں خدا کا وعدہ ہے کہ اُن کو زمین میں اسی طرح خلیفہ بنائے گا جس طرح اُن لوگوں کو بنایا تھا جو ان سے پہلے گذر گئے ہیں۔ (پارہ ۱۸ ع ۱۳) اس آیت میں خدا نے تصریح کر دی ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم سے قبل جس قدر خلیفہ گذرے ہیں اُن سب کو خدا ہی نے مقرر کیا تھا اور آنحضرتؐ کے بعد جس قدر خلیفہ ہوں گے اُنکو بھی وہی مقرر کریگا۔ (کوئی انسان کسی شخص کو خلیفہ نہیں بنا سکتا)۔ اور یہ معلوم ہے کہ حضرت رسولؐ کے بعد خدا نے نبوت و رسالت کا دروازہ بند کر دیا تھا۔ لہذا اب جن لوگوں کے خلیفہ کرنے کا وعدہ فرمایا وہی تھے جو شرف نبوت سے محروم رہے۔

قرآن مجید میں جن انبیاء کے خلفاء کا بیان ہے ان سے کچھ لوگوں کا ذکر ہم اوپر کر چکے اب ہم معتبر تاریخی ذخیروں سے بھی تحقیق کرنا چاہتے ہیں کہ سابق انبیاء و مرسلین کے خلیفہ یا وصی بھی ان کی اُمت کے انتخاب یا اجماع یا پنچایت یا شورے کرنے سے مقرر کئے جاتے تھے یا اُن کو بھی خدا ہی مقرر کرتا اور اُن انبیاء و مرسلین ہی سے اس کا اعلان کرا دیتا تھا۔ اگر ثابت ہو جائے کہ سابق انبیاء و مرسلین بھی بغیر کسی شخص کے خود خلیفہ مقرر کئے ہوئے دنیا سے انتقال کرتے رہے اور اُن کی امت بھی اپنے اجماع یا انتخاب سے کسی کو خلیفہ

Marfat.com

مقرر کرتی رہی تو حضرت ابوبکر و عمر کے متعلق بھی اس اصول کو صحیح مانا جا سکتا ہے۔ اور خلافتِ رسولؐ کے لئے حضرت عمر کی جد و جہد اور جاں فشانیاں قابلِ قدر کہی جا سکتی ہیں لیکن اگر اس کے عوض یہ ثابت ہو جائے کہ آنحضرتؐ نے اپنی زندگی میں خود ہی اپنے خلیفہ یا وصی کو مقرر کر دیا تھا تو ماننا پڑے گا کہ اُن کی جانشینی اُمت کے ہاتھ میں نہیں تھی بلکہ یہ مسئلہ بھی خدا ہی نے طے کیا تھا۔ یہ تمام مسلمانوں کا متفق علیہ فیصلہ ہے کہ کوئی پیغمبر کوئی دینی کام اپنی خواہش سے نہیں کرتا۔ بلکہ حکمِ خدا سے انجام دیتا تھا۔ نبی اور رسولؑ کی شان ہی یہ ہے کہ دین اور شریعت کے متعلق خدا اُس پر جو وحی نازل کرتا وہ اُس کی تعمیل کرتا ہے البتہ کل انبیاءؑ کے حالات کتابوں میں نہیں ملتے اس وجہ سے صرف اُن کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے حالات مل سکے۔ (۱) لمّا حضرت آدم الوفاۃ دعا ابنہ شیثاً فعہد الیہ عہدہ جب حضرت آدمؑ کی وفات کا وقت پہونچا تو اپنے فرزند شیثؑ کو احکامِ خدا کا وصیہ کر دیا۔ (تاریخ طبری جلد ۱ صفحہ) ۔ (۲) انّ آدمؑ اوصی الی ابنہ شیثؑ وکتب وصیّتہ ثم دفع کتاب وصیّتہ الیٰ شیث۔ حضرت آدمؑ نے انتقال کے وقت اپنے فرزند جناب شیثؑ کو اپنا وصی مقرر کیا اور اُس کا وصیت نامہ لکھ کر اُن کے حوالہ کر دیا۔ (طبری جلد ۱ صفحہ ۷۹) ۔ (۳) ان شیث لما مرض اوصی الیٰ ابنہ انوش ومات ۔ حضرت شیث جب مرضِ موت میں مبتلا ہوئے تو اپنے فرزند جناب انوش کو اپنا وصی مقرر کیا اور انتقال کر گئے۔ (صفحہ) ۔ (۴) ولد انوش قینان ونفر اکثیرا والیہ الوصیّۃ جناب انوش نے اپنے فرزند قینان کو اپنا وصی مقرر کیا۔ (۵) فولد قینان مہلائیل ونفر اصحہ والیہ الوصیّۃ۔ قینان نے اپنے فرزند مہلائیل کو اپنا وصی مقرر کیا۔ (۶) فولد مہلائیل یرد وھو الیارد ونفر اصحہ والیہ الوصیّۃ مہلائیل کے یہ دیایارد اور دوسرے لڑکے پیدا ہوئے تو مہلائیل نے یردیایارد کو اپنا وصی مقرر کیا۔ (طبری جلد ۱ صفحہ) فولد یرد خنوخ وھو ادریس النبی ونفر اصحہ والیہ الوصیّۃ یرد نے اپنے فرزند خنوخ یعنی حضرت ادریسؑ کو اپنا وصی مقرر کیا۔ (تاریخ کامل جلد ۱ صفحہ) ۔ (۸) فولد خنوخ متوشلخ ونفر اصحہ والیہ الوصیّۃ۔ حضرت ادریسؑ کے فرزند متوشلخ آپ کے وصی ہوئے۔ (طبری جلد ۱ صفحہ) فولد یرد مہلائیل

Marfat.com

فکان وصی ابیہ وخلیفتہ فیماکان والد مہلائیل اوصی الی مہلائیل واستخلفہ علیہ بعد وفات مہلائیل کے فرزند یرد اُن کے وصی اور خلیفہ ہوئے اُن امور میں جنمیں مہلائیل کے والد نے اُن کو وصی کیا تھا اور ان کو اپنی وفات کے بعد اپنا خلیفہ بنایا۔ (ر ص۵۵) ولد لخنوخ متوشلخ فاستخلفہ خنوخ علی ما امر اللہ واوصاہ واھلبتہ۔ حضرت ادریسؑ کے فرزند متوشلخ ہوئے۔ ان کو حضرت ادریسؑ نے احکامِ خدا پر اپنا خلیفہ مقرر کیا اور وصی بنایا۔ (۹) فلما حضرت متوشلخ الوفاۃ استخلف لملک علی امرہ واوصاہ بمثل ما کان اباہ یوصون بہ جب متوشلخ کی وفات قریب ہوئی تو اپنے دین پر ملک کو اپنا خلیفہ مقرر کیا اور انھیں کو اپنا وصی بنایا۔ جس طرح آپ کے آباء و اجداد بھی خود ہی اپنا وصی مقرر کرتے تھے۔ (طبری جلد ۱ ص۸۵ و کامل جلد ۱ ص۲۰)۔ (۱۰) لما حضرت نوحا الوفاۃ اوصی الی ابنہ سام۔ حضرت نوح نے انتقال کے وقت اپنے بیٹے سام کو اپنا وصی مقرر کیا۔ (کامل جلد ۱ ص۲۶)۔ (۱۱) (جناب ابراہیمؑ) اسحٰقؑ را در دیارِ شام ولی عہد و خلیفہ گردانید۔ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسحٰقؑ کو ملکِ شام میں اپنا ولیعہد اور خلیفہ مقرر کیا۔ (ر روضۃ الصفا جلد ۱ ص۵۸)۔ (۱۲) ان اسماعیل لما حضرتہ الوفاۃ اوصی الی اخیہ اسحاق۔ جب حضرت اسماعیلؑ کی وفات کا وقت قریب آیا تو اپنے بھائی جناب اسحٰق کو اپنا وصی مقرر کیا۔ (طبری جلد ۱ ص۱۶۲)۔ (۱۳) اسمٰعیلؑ در آخر ایام حیاتِ خویش قیدار را وصی و ولی عہد خویش گردانید۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے اپنی زندگی کے آخری حصہ میں (دوسرے مقام پر) قیدار کو اپنا وصی اور ولی عہد مقرر کیا (ر روضۃ الصفا جلد ۱ ص۶۱)۔ (۱۴) حضرت اسحاقؑ نے بھی اپنے فرزند حضرت یعقوبؑ کو خود اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ (ر روضۃ الصفا جلد ۱ ص۶۲ و ۶۳)۔ (۱۵) حضرت یعقوبؑ نے بھی اپنے فرزند حضرت یوسفؑ کو خود ہی (بحکم خدا) اپنا وصی اور خلیفہ مقرر کیا۔ (ر روضۃ الصفا جلد ۱ ص۹۴) ان یعقوبؑ اوصی الی یوسفؑ حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کو اپنا وصی مقرر کیا۔ (طبری جلد ۱ ص۱۷۲)۔ (۱۶) حضرت یوسفؑ کے متعلق ہے اوصی الی اخیہ یہوذا کہ انتقال کے وقت اپنے بھائی یہوداؑ کو اپنا وصی اور خلیفہ مقرر کیا۔

Marfat.com

(طبری جلد ۱ ص۱۷۲)۔ (۱۷) حضرت ایوبؑ نے بھی اپنی وفات کے قریب اپنے فرزند حول کو اپنا وصی اور ولی عہد مقرر کیا۔ (روضۃ الصفا جلد ۱ ص۱۰۱) ان ایوبؑ اوصیٰ عند موتہ الیٰ ابنہ حومل حضرت ایوبؑ نے اپنے فرزند حومل کو مرتے وقت اپنا وصی مقرر کیا۔ (طبری جلد ۱ ص۱۶۷ وکامل جلد ۱ ص۴۷) (۱۸) ان بشرا اوصیٰ الیٰ ابنہ عبدان۔ خدا نے حضرت ایوبؑ کے آپ کے فرزند بشر کو ان کا قائم مقام کیا۔ اور انھوں نے اپنے فرزند عبدان کو اپنا وصی مقرر کیا۔ (طبری جلد ۱ ص۱۶۷ وکامل جلد ۱ ص۴۷)۔ (۱۹) حضرت موسیٰؑ ہارون را طلب کردہ امامت و خلافتِ خود را بدو تفویض فرمود۔ حضرت موسیٰؑ نے جناب ہارون کو بلا کر اپنی امامت و خلافت کا عہدہ اُن کے سپرد کر دیا۔ (روضۃ الصفا جلد ۱ ص۱۲۱) فانطلق موسیٰؑ واستخلف هارون علیٰ بنی اسرائیل حضرت موسیٰؑ رخصت ہو گئے اور جناب ہارون کو قوم بنی اسرائیل پر اپنا خلیفہ مقرر کر دیا۔ (طبری جلد ۱ ص۲۱۸ وکامل جلد ۱ ص۶۵)۔ (۲۰) مگر چونکہ جناب ہارون کا انتقال حضرت موسیٰؑ کے سامنے ہی ہو گیا تھا اس سبب سے پھر حضرت موسیٰؑ نے جناب یوشع بن نون کو اپنے انتقال سے پہلے اپنا خلیفہ مقرر کر دیا۔ (روضۃ الصفا جلد ۱ ص۱۲۹)۔ (۲۱) ثم توفاہ اللہ فاستخلف علیٰ بنی اسرائیل کالب بن یوقنا۔ پھر جناب یوشع کو خدا دنیا سے اُٹھانے لگا تو بنی اسرائیل پر کالب بن یوقنا کو اپنا خلیفہ مقرر کر گئے۔ (طبری جلد ۱ ص۲۳۷ وکامل جلد ۱ ص۱۳۶ وروضۃ الصفا جلد ۱ ص۱۳۶)۔ جناب کالب نے بھی اپنے فرزند یوساقوس کو خلافت سپرد کر کے دنیا سے انتقال کیا۔ (روضۃ الصفا جلد ۱ ص۱۳۵)۔ (۲۳) جناب الیاس پیغمبر نے بھی وحی خدا کے مطابق مرتے وقت اپنی خلافت الیسع کو سپرد کر دی۔ (روضۃ الصفا جلد ۱ ص۱۳۱)۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ سابق انبیاء و مرسلین خدا کی وحی نازل ہونے پر اپنا خلیفہ اُس شخص کو مقرر کر دیتے تھے جن کے متعلق وحی ہوتی تھی۔ (۲۴) جب جناب الیسع کو یقین ہو گیا کہ اب موت سے ان کی جان بری نہیں ہو سکتی تو ذی الکفل کو طلب کر کے خلافت ان کے حوالہ اور اپنی روح خدا کے سپرد کر دی۔ (روضۃ الصفا جلد ۱ ص۱۴۰)

(۲۵) استخلف اللہ علیٰ بنی اسرائیل بعد شمعیا یاشیۃ ابن اموس۔ خدا نے جناب شمعیاؑ کے بعد بنی اسرائیل پر یاشیہ ابن اموس کو اُن کا خلیفہ مقرر کیا۔ (طبری جلد ۱ ص۲۵۵)

Marfat.com

(۲۶) حضرت داؤدؑ نے بھی اپنے فرزند حضرت سلیمان کو اپنا وصی اور خلیفہ مقرر کیا۔ (کامل جلد ۱ ص۷۷) فلما مات ورث سلیمانؑ ملکه وعلمه ونبوته وکان له تسعة عشر ولدا فورثه سلیمان دونهم۔ جب حضرت داؤدؑ نے انتقال کیا تو آپ کے فرزند حضرت سلیمان جناب داؤدؑ کی سلطنت اور علم اور نبوت کے وارث ہوئے۔ آپ کے ۱۹ فرزند تھے مگر وارث صرف حضرت سلیمانؑ ہوئے۔ (تاریخ کامل جلد ۱ ص۷۹) [1]

(۲۷) حضرت عیسیٰؑ نے بھی اپنا خلیفہ خود ہی مقرر فرمایا۔ از جملہ وصایائے عیسیٰؑ آں بود کہ خدا مرا امر فرمودہ است کہ شمعون را بر شما خلیفہ گردانم و حواریاں خلافت وے قبول کردند۔ یعنی حضرت عیسیٰؑ کی وصیتوں سے ایک یہ بھی تھی کہ خدا نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ شمعون کو تم لوگوں پر اپنا خلیفہ مقرر کروں۔ اور حواریوں نے ان کی خلافت قبول کرلی۔ (روضۃ الصفا جلد ۱ ص۱۸)۔

غرض حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک جس قدر انبیاء و مرسلین گذرے کسی کے متعلق بھی کسی کتاب سے ثابت نہیں ہوتا کہ انھوں نے اپنی امت کو یوں ہی چھوڑ دیا ہو اور بغیر اپنا خلیفہ مقرر کئے ہوئے دنیا سے چلے گئے ہوں۔ نہ کسی رسول یا نبی کے متعلق یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ اُن کی وفات پر اُن کی امت نے اپنی پنچائت یا اپنے انتخاب یا اجماع یا شورے سے کسی کو اپنا امام یا پیشوا اور اپنے رسول یا نبی کا خلیفہ مقرر

---

[1] اس سے بھی ثابت ہوا کہ حضرات انبیاء خود بھی وارث ہوتے اور دوسروں کو بھی وارث کرتے تھے۔ ایسی صورت میں مشہور حدیث نحن معاشر الانبیاء لا نورث ولا نورث ما ترکناہ صدقة (ہم گروہ انبیاء نہ تو کسی کے وارث ہوتے ہیں نہ کسی کو اپنا وارث چھوڑتے ہیں بلکہ ہم لوگ جو چیزیں چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتی ہیں) کس طرح صحیح تسلیم کی جا سکتی ہے؟ تاریخ کامل کی مذکورۂ بالا عبارت ثابت کرتی ہے کہ گروہِ انبیاء خود بھی دوسروں کے وارث ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی اپنا وارث چھوڑ جاتے ہیں۔ حضرت داؤدؑ پیغمبر تھے اور ان کے وارث حضرت سلیمانؑ ہوئے جو خود بھی پیغمبر تھے۔ اور اس پر ہر مسلمان کو یقین رکھنا چاہئیے کہ حضرت رسول خدا صلعم کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے تھے اور آپ کے دہنِ مبارک سے کوئی لفظ خلاف واقعہ نہیں نکل سکتا تھا۔ قرآنِ مجید سے بھی انبیاء کا وارث ہونا اور وارث چھوڑنا واضح ہے۔ غرض یہ کل باتیں اس امر کی قطعی دلیلیں ہیں کہ حدیث نحن معاشر الانبیاء صحیح نہیں ہو سکتی۔ ۱۲

Marfat.com

کیا ہو۔ اگر دنیا میں کوئی شخص بھی آدمیوں کے انتخاب یا تجویز سے کسی نبی کا خلیفہ ہو سکتا تو حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک کسی ایک ہی پیغمبر کے متعلق یہ ثابت ہو جاتا کہ ان کی امت نے اپنے انتخاب سے ان کا خلیفہ مقرر کیا تھا۔ مگر جب ایسا نہیں ہے اور قطعاً نہیں ہے۔ تمام کتب حدیث و تاریخ و سیرۃ و تفسیر اس سے خالی ہیں تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خاص حضرت رسولخدا صلعم کے متعلق یہ اصول کیوں ایجاد کیا گیا اور کس وجہ سے اس کو تسلیم کیا جائے؟ اگر سابق انبیاء کا اپنے خلفاء کو مقرر کرنا خدا کا فعل مانا جائے اور یقین کیا جائے کہ ان سب کو درحقیقت خدا نے مقرر کیا۔ اور ان پیغمبروں نے صرف ان کی خلافت کا اعلان کر دیا (جو ہر مسلمان کا عقیدہ ہے اور ہونا چاہئے) تو اس صورت میں خدا پر الزام عائد ہوتا ہے کہ جب اُس نے حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک کل انبیاء و مرسلین کے خلفاء کو خود مقرر کیا تھا تو حضرت رسولخدا صلعم کے بارے میں اس کے خلاف کیوں کیا؟ کیا حضرت رسولخدا صلعم نے خدا کا کوئی بھاری قصور کیا تھا جس کی سزا آپ کو اس طرح دی گئی؟ یا خدا اس امت ہی سے خفا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اُس نے اپنی اس شفقت کو اُٹھا لیا؟ یا خدا کو ایسا کوئی شخص ملا ہی نہیں جس کو حضرتؐ کا خلیفہ تجویز کرتا؟ کیا سبب ہوا کہ اُس نے آنحضرتؐ کا خلیفہ خود مقرر نہیں کیا؟ اور اُس نے حضرت رسولخدا صلعم سے آپ کے خلیفہ کا بھی کیوں اعلان نہیں کرایا؟ حالانکہ اُس کے اصول بدلتے نہیں ہیں۔ اُس نے صاف طور پر فرما دیا ہے۔ سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ خدا کا یہی طریقہ اُن لوگوں کے بارے میں بھی رہا ہے جو تم سے پہلے گذر گئے ہیں۔ اور تم کو خدا کے طریقہ میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں مل سکتا۔ (سورہ احزاب ع ۸) دوسری جگہ فرماتا ہے فھل ینظرون الا سنۃ الاولین فلن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا۔ یعنی یہ لوگ کیا اگلوں کے دستور اور طریقہ کا انتظار کر رہے ہیں؟ تو (سمجھ رکھو کہ) تمھیں خدا کے دستور اور طریقہ میں کبھی کوئی تغیر نہیں ملے گا۔ اور نہ اُس کے دستور و طریقہ کو تم کبھی ٹلتا ہوا پاؤ گے۔ (سورہ فاطر رکوع ۵)۔ یہ بھی فرماتا ہے سنۃ اللہ التی قد خلت من قبل ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ یعنی یہ خدا کا وہ طریقہ اور دستور ہے جو ہمیشہ سے چلا آتا ہے اور تم کبھی خدا کے طریقہ و دستور میں کوئی تغیر و تبدل نہیں پا سکتے۔ (سورہ فتح رکوع ۳) جب اس قسم کی آیات سے ہم پر یہ امر اچھی طرح محقق ہو گیا کہ خدا کے

اصول میں اختلاف نہیں ہوتا۔ اُس کی تدبیروں میں تغیر نہیں ہوتا۔ اُس کا دستور و طریقہ بدلا نہیں کرتا۔ اور سابق تحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے کہ خلافت کے بارے میں حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک خدا کا یہی دستور رہا ہے کہ اُن کے خلیفہ کا انتظام خدا ہی انکی زندگی میں کرتا اور اُن انبیاء و مرسلین سے اُن کے سامنے ہی اس کا اعلان کراتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ شاعر نے کہدیا ؎ قبل تعیین وصی و وزیر ھل تری فات نبیّ وھجر یعنی کیا تم نے کسی نبی کو بھی دیکھا ہے کہ اُس نے اپنا وصی اور وزیر مقرر کرنے کے پہلے دنیا سے انتقال کیا ہو؟ پھر حضرت رسولِ خداؐ کے بارے میں خدا کا یہ دستور کس طرح ٹوٹ سکتا ہے۔ اور آنحضرتؐ کے خلیفہ کے متعلق خدا اپنا یہ طریقہ کیوں چھوڑ دیتا؟ کیا اسکی وجہ سے وہ جھوٹا نہیں ثابت ہوگا کہ کہتا تو یہ ہے کہ اُس کے دستور میں تغیر نہیں ہوتا مگر رسولِ خداؐ کے خلیفہ کے متعلق اُس کے دستور میں تغیر ہو گیا۔ اور کیا اس کی وجہ سے اِس پر لم تقولون مالا تفعلون (تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جسکو کرتے نہیں) کا الزام نہیں قائم ہوگا کہ وہ کہتا تو یہ ہے کہ اُس کے دستور بدلا نہیں کرتے لیکن کرتا یہ ہے کہ حضرت رسولؐ خدا کے خلیفہ کے بارے میں اُس نے خود ہی اپنا دستور بدل دیا۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ سابق انبیاء و مرسلین کے خلفاء کو خدا نے نہیں مقرر کیا نہ اُس نے اپنے پیغمبروں سے اس کا اعلان کرایا بلکہ خود ان انبیاء و مرسلینؑ نے اپنا خلیفہ تجویز کر کے اپنی زندگی میں مقرر کر دیا اور اس کا اعلان کر دیا۔ تو اب حضرت رسولِ خدا صلعم مورد الزام قرار پاتے ہیں کہ آپ نے اپنے اس ضروری فریضہ کو کیوں ترک کر دیا۔ اور جس دینی خدمت کو سابق انبیاء و مرسلین سے کسی نے بھی نہیں چھوڑا تھا۔ اُس سے حضرت ایسے رحمۃ للعالمین۔ سیّد الانبیاء و المرسلین نے کیوں روگردانی کی؟ حالانکہ خدا نے آپ کو حکم دیا تھا کہ اولئک الذین ھدی اللہ فبھدا ھم اقتدہ۔ یعنی گذشتہ انبیاء و مرسلین وہ تھے جن کی اللہ نے ہدایت کر دی تھی۔ اب اے پیغمبر ان ہی کے طریقہ کی پیروی تم بھی کرو۔ (پارہ ۷ سورۂ انعام رکوع ۱۰/۱۶)

اِن تمام وجوہ سے ماننا پڑے گا کہ حضرت رسولِ خدا صلعم کی خلافت کو بھی خدا یا رسولؐ نے مسلمانوں پر نہیں چھوڑا کہ وہ اپنے انتخاب یا پنچائت یا اجماع یا شورے سے جسکو چاہیں

Marfat.com

رسُول کا خلیفہ بنالیں۔ اور نہ خدا ہی نے آنحضرتؐ کے خلیفہ کا اعلان کرانے سے قبل اپنے رسُول کو دنیا سے اٹھایا اور نہ آنحضرت صلعم نے اپنا خلیفہ مقرر کرنے کے پہلے دنیا سے انتقال کیا بلکہ سابق انبیاء و مرسلین کی طرح خدا نے آپ کے خلیفہ کو بھی آپ کی زندگی ہی میں تجویز کرکے آپ سے اس کا اعلان کرا دیا۔ اور بار بار اس کی تاکید کراتا رہا۔ پھر آخر وقت تک مسلمانوں کو اس خلیفہ کی خلافت و ولایت کا مسئلہ یاد دلانے کے بعد اپنے رسُول کو اپنی درگاہ میں بُلا لیا۔ کل معتبر کتب تاریخ و تفسیر و حدیث ہمارے اس دعوے کی تصدیق کرتی ہیں۔ مثلاً علامہ طبری وغیرہ نے لکھا ہے کہ جب سے بعثت میں خدا کا یہ حکم نازل ہوا وانذر عشیرتک الاقربین اے رسُول اپنے قرابت مندوں کو ڈراؤ۔ (پارہ ۱۹ سورہ شعراء رکوع $\frac{11}{15}$) تو حضرت رسُول خدا نے دعوت کا سامان کیا اور لوگوں کو جمع کرکے فرمایا انی واللہ ما اعلم شابا فی العرب جاء قومہ بافضل مما قد جئتکم بہ انی قد جئتکم بخیر الدنیا والاخرۃ۔ وقد امرنی اللہ تعالیٰ ان ادعوکم الیہ فایکم یوازرنی علی ھذا الامر علیٰ ان یکون اخی ووصیی وخلیفتی فیکم۔ قال فاحجم القوم عنہا جمیعا وقلت وانی لاحدثہم سنا وارمصہم عینا واعظمہم بطنا واحمشہم ساقا انا یا نبی اللہ اکون وزیرک علیہ فاخذ برقبتی ثم قال ان ھذا اخی ووصیی وخلیفتی فیکم فاسمعوا لہ واطیعوا۔ قال فقام القوم یضحکون ویقولون لابی طالب قد امرک ان تسمع لابنک وتطیع۔ بھائیو! خدا کی قسم میں عرب کے کسی جوان کو نہیں جانتا جو اپنی قوم کے پاس وہ چیز لایا ہو جو میرے لائے ہوئے امر (دین اسلام) سے جو میں تمھارے پاس لایا ہوں افضل ہو۔ میں تمھارے پاس دنیا و آخرت کی بھلائی لایا ہوں۔ اور خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم لوگوں کو اسی دین کی طرف بلاؤں۔ اب بتاؤ تم سے کون شخص اس کام میں میرا ہاتھ بٹائے گا تاکہ وہی میرا بھائی۔ میرا وصی (قائم مقام) اور (اسی وقت سے) میرا خلیفہ مقرر کر دیا جائے۔ آنحضرتؐ کی اس تقریر کا کسی شخص نے کچھ جواب نہیں دیا۔ مگر حضرت علیؑ نے باوجودیکہ عمر میں سب سے چھوٹے تھے عرض کی اے رسُول خدا اس خدمت کے لیے میں حاضر ہوں اور دشمنوں کی مخالفت میں لڑوں گا۔ اس پر حضرتؐ نے حضرت علیؑ کی آنکھ

پکڑ کر (اور پوری قوم کو اچھی طرح دکھا کر) فرمایا کہ (یاد رکھو) یہی علیؑ میرے بھائی۔ میرے وصی اور تم لوگوں میں میرے خلیفہ ہیں۔ تم سب لوگ ان کا حکم مانتے اور ان کی اطاعت کرتے رہنا۔ یہ بات سن کر سب لوگ قہقہہ لگاتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور جناب ابو طالب سے کہتے گئے کہ لو تمھیں حکم دیا گیا ہے کہ (اپنے ہی فرزند) علیؑ کی باتیں سنا کرو اور ان کی اطاعت کرتے رہو۔ (طبری جلد ۲ صـ ۲۱۶)۔ یہی مضمون تاریخ کامل جلد ۲ صـ ۲۲۔ ابوالفدا جلد ۱ صـ ۱۱۶۔ حبیب السیر جلد ۱ جزو ۳ صـ ۱۶۔ گبن جلد ۳ صـ ۴۹۹۔ تاریخ اوکلی صـ ۱۵۔ تاریخ مسٹر کارلائل صـ ۶۱ تاریخ ابرونگ صـ ۳۷۔ تاریخ گلمن صـ ۸۳ تاریخ ڈیون پورٹ صـ ۵ وغیرہ میں بتفصیل مرقوم ہے۔ اور کتب تفسیر سے تفسیر طبری جلد ۱۹ صـ ۶۸۔ معالم التنزیل صـ ۶۶۲۔ خازن جلد ۳ صـ ۲۷۲ تفسیر ثعلبی۔ تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں بھی موجود ہے۔ اور کتب حدیث سے مسند امام احمد بن حنبل جلد ۱ صـ ۱۵۳ و خصائص نسائی و مختارہ ضیاء مقدسی و ازالۃ الخفاء مقصد ۳ صـ ۲۵۲۔ و کنز العمال جلد ۶ صـ ۳۹۲ و ۳۹۶ و ۳۹۷ وغیرہ میں موجود ہے۔ سیرۃ حلبیہ وغیرہ میں بھی یہ روایت ہے جس میں یہ زیادتی بھی ہے فانت اخی ووزیری ووصیی ووارثی وخلیفتی من بعدی حضرت علیؑ کی اس آمادگی پر حضرت رسولؐ نے آپ سے فرمایا۔ اچھا اب تم ہی میرے بھائی میرے وزیر۔ میرے وصی۔ میرے وارث اور میرے بعد میرے خلیفہ مقرر کر دئے گئے۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صـ ۳۱۶) چلئے معاہدہ ہو گیا۔ قرارداد پایۂ تکمیل کو پہونچ گئی۔ حضرت علیؑ نے بیعت کی حضرت رسولؐ نے بیعت لی کس بات پر؟ اسلام کی حمایت و نصرت اور دین الٰہی کی تائید و اعانت پر۔ اور رسولؐ نے اُسی وقت اپنی خلافت و جانشینی کا مسئلہ بھی طے کر دیا۔

غرض خدا و رسولؐ نے ابتدائے اسلام ہی میں خلافت کے مسئلہ کو واضح طریقہ سے طے کر دیا تھا اور حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان کر کے اس کو اس درجہ یقینی بلکہ بدیہی بنا دیا تھا کہ آج جو شخص بھی خواہ عیسائی ہو یا ہندو یا مسلمان شیعہ سنی جھگڑوں سے الگ ہو کر اس کی تحقیق کرنا چاہیگا وہ آسانی سے یقین کر لیگا کہ خدا نے جس طرح رسالت کے مسئلہ کو صاف کر دیا تھا بالکل اسی طرح خلافت کی مہم بھی سر کر دی تھی۔ اور آنحضرتؐ نے جس طرح نماز و روزہ کا فریضہ لوگوں کو بتا دیا تھا اسی طرح حضرت علیؑ کا خلیفۂ بلافصل ہونا بھی اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔ اور صرف دنیا سے اپنے انتقال ہی کے قریب نہیں بلکہ اس سے بیس سال

قبل جب اسلام کی طرف شروع شروع لوگوں کو دعوت دی فرمادیا کہ ان ھذا اخی ووصیی وخلیفتی فیکم۔ پھر اپنے انتقال تک کبھی یہ نہیں فرمایا کہ علیؑ کو ہم نے اُس موقع پر چند دنوں کے لئے اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا مگر اب ان کو اس عہدہ سے معزول کرتے اور فلاں شخص کو ان کی جگہ اپنا خلیفہ مقرر کرتے ہیں۔ یا تم لوگوں پر چھوڑے جاتے ہیں کہ اپنے انتخاب یا پنچایت یا اجماع یا شورے سے جس شخص کو چاہنا ہمارا خلیفہ اور امام مقرر کرلینا۔ ایک معمولی کام سورۂ براءۃ کی تبلیغ کرنا تھا اُس کے لئے آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکر و حضرت عمر کو تجویز کرکے اُن کے حوالہ یہ کام کیا اور وہ آگے بڑھ بھی گئے مگر خدا کو یہ بات پسند نہ ہوئی تو فوراً جناب جبرئیلؑ کو بھیجکر دونوں صاحبوں کو اس عہدہ سے معزول کرادیا۔ اور آپ کے عوض حضرت علیؑ کو مقرر کیا۔ اور باوجودیکہ حضرت ابوبکر و عمر کو اس ذلت کا سخت صدمہ بھی ہوا مگر خدا نے اپنا فیصلہ نہیں بدلا۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ خدا امت اسلام کے ہر کام کی طرف ہر وقت نگراں رہتا اور جب کوئی امر اس کیلئے مضر پاتا آنحضرتؐ کو اس پر تنبیہ فرمادیتا تھا۔ اسی طرح اگر حضرت علیؑ کا خلیفۂ بلافصل ہونا خدا کو ناپسند ہوتا یا وہ کسی دوسرے شخص کو تجویز کرتا یا حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان ۱۳ سنہ بعثت میں عارضی یا نمائشی یا نام نہادی یا صرف کار تبلیغ کیلئے رہتا تو خدا ضرور بعد کو دوسرا خلیفہ مقرر یا صرف حضرت علیؑ کو اس عہدہ سے معزول کرا کے اس کا اعلان کرادیتا۔ مگر ہم تو دیکھتے ہیں کہ بجائے معزول کرانے کے خدا ہمیشہ حضرت علیؑ کی خلافت کو مستحکم کراتا اور اس عہد کو ہمیشہ تازہ کراتا رہا۔ سنہ ۱۳ بعثت میں اہل مکہ کے بڑے مجمع میں ان ھذا اخی ووصیی وخلیفتی کے ذریعہ سے حضرت علیؑ کی خلافت و وصایت کا اعلان کرایا۔ جو آپ کی خلافت کا قولی و منطوقی اشتہار تھا۔ اور جب آنحضرتؐ کو مکہ معظمہ سے ہجرت کرنے کا وقت ہوا اور ضرورت ہوئی کہ مکہ معظمہ میں کوئی شخص آنحضرتؐ کی خلافت کرکے آپ کے ضروری کام (امانتوں اور ودیعتوں کا واپس کرنا) انجام دے تو رسولؐ خدا کا حکم ہوا کہ اب یہاں سے جاتے وقت تم اپنا خلیفہ حضرت علیؑ ہی کو مقرر کر جاؤ کہ وہی تمہارے فرش پر سوئیں اور تمہاری ہی چادر اوڑھیں اور اس کے بعد تمہاری امانتیں لوگوں تک پہونچا دیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہر کا فر و مسلم سمجھ لے کہ حضرت رسولؐ خدا کے نائب اور قائم مقام حضرت علیؑ ہی ہیں۔ اور جس طرح اس وقت حضرت رسولؐ خدا کے ہٹنے سے حضرتؐ کی جگہ حضرت علیؑ مقرر کئے گئے اُسی طرح آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد بھی آپ کی جگہ حضرت علیؑ ہی کیلئے موزوں ہے۔

نہ کسی اور کیلئے۔ غرض حضرت علیؑ کی خلافت کا فعلی و عملی اعلان پہلی دفعہ تو آنحضرتؐ کے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرتے وقت ہوا کہ باوجودے کہ بہت لوگ مسلمان ہو چکے تھے اور انھیں میں حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان بھی تھے اور بہت ذی اثر بھی تھے۔ کہ مکہ میں ان لوگوں کی بڑی قوت و دبدبہ و اقتدار کا دعوی کیا جاتا ہے مگر کسی کے بارے میں خدا کا حکم آنحضرتؐ کو نہیں ہوا کہ اپنا نائب (خلیفہ) بنا کر ان کو اپنی جگہ سُلا جاؤ۔ بلکہ حضرت علیؑ ہی اس عہدہ پر سرفراز کئے گئے۔ حضرت علیؑ کی خلافت کا دوسرا فعلی و عملی اعلان غزوۂ تبوک میں ہوا جسکی تفصیل معلوم ہے کہ جب آنحضرتؐ روانہ ہونے لگے اور حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ مدینہ میں قیام کر کے حضرتؐ کی خلافت کریں تو حضرت علیؑ کبیدہ خاطر ہو کر کہنے لگے اتخلفنی فی الصبیان والنساء کیا آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں؟ حضرتؐ نے جواب دیا اما ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰؑ الا انہ لا نبی بعدی۔ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم مجھ سے وہی نسبت رکھو جو ہارون کو موسیٰؑ سے تھی سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۳ صـ۵۳ و خمیس جلد ۲ صـ۳۸ ۔ تاریخ طبری جلد ۳ صـ۱۲۴ ریاض نضرہ جلد ۲ صـ۱۶۲ ۔ سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صـ۳۱۷ وغیرہ) اگر آخری جملہ لا نبی بعدی کا نہ ہوتا تو جناب ہارون کی منزلت کو صرف وقتی جانشینی اور عارضی خلافت تک محدود سمجھا جا سکتا تھا لیکن اس جملہ سے ثابت ہوتا ہے کہ زندگی میں اور بعد وفات دونوں حالتوں میں حضرت علیؑ کو اسی جانشینی اور خلافت کا درجہ حاصل ہے جو جناب ہارون کو حضرت موسیٰؑ کے بعد حاصل ہوا۔ دنیا کو معلوم ہے کہ جناب ہارون حضرت موسیٰؑ کے شریک کار، معاون اور وزیر و جانشین تھے۔ اور اگر ان کی زندگی حضرت موسیٰؑ کے بعد باقی رہتی تو خلافت کا حق سوائے ان کے کسی کو نہ پہنچتا۔ بالکل اسی طرح حضرت علیؑ کیلئے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حیات و ممات ہر حالت میں رسول اللہ کے جانشین تھے۔ اور اگر جناب ہارون سے کوئی فرق تھا تو صرف یہ کہ جناب ہارون نبی تھے اور حضرت رسول اللہ کے بعد سلسلۂ نبوت ختم ہو گیا۔ لیکن اگر یہ سلسلہ ختم نہ ہوتا تو نبی بھی سوائے حضرت علیؑ کے کوئی دوسرا نہ ہوتا۔

استدلال حدیث کے متعلق جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی لکھتے ہیں۔ "این حدیث ہم دلیل ... است در اثبات فضیلت حضرت امیرؑ در حجت امامت ایشان ... ازیں حدیث

مستفاد می شود استحقاق آں جناب برائے امامت یعنی یہ حدیث بھی اس بات کی دلیل ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کی خلافت بلا فصل صحیح تھی۔ اور اس حدیث سے جناب امیرؑ کا امامت کیلئے استحقاق ثابت ہوتا ہے۔ (تحفۂ اثنا عشریہ ص۲۳۳) ۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی خلافت اور امامت پر حضرت رسولؐ نے نص کر دی تھی۔ یہی شاہ صاحب ایک اور مقام پر لکھ چکے ہیں۔ خلفاء ثلثہ نزد اہلسنت نہ معصوم اند و نہ منصوص علیہ اہلسنت کے نزدیک خلفاء ثلثہ نہ تو معصوم ہیں اور نہ ان کی خلافت پر خدا و رسولؐ نے کوئی نص کی تھی۔ (تحفۂ اثنا عشریہ) اس سے واضح ہوا کہ خلفاء ثلثہ کی خلافت کے متعلق کوئی نص نہیں ہے۔ لہٰذا حضرت علیؑ کی خلافت بطور نص ثابت ہو گئی کیونکہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں صریح نص وارد ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے غزوۂ تبوک میں جاتے وقت حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ اس طرح صحیحین کی منقول نص کے مطابق حضرت علیؑ حضرت رسولِ خدا کے خلیفہ مطلق ہوئے۔ کیونکہ جناب ہارون کو بھی حضرت موسیٰؑ نے اپنا خلیفہ ہی مقرر کیا تھا۔ پس جب تک خدا یا رسولؐ کا کوئی قول یا فعل اس حکم اور ارشاد کا ناسخ نہیں ہوگا اُس وقت تک حضرت علیؑ ہی آنحضرتؐ کے خلیفہ بلا فصل رہیں گے۔ علاوہ بریں شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے اس حدیث کو اس طرح نقل کیا ہے فقال لہ اما ترضیٰ ان تکون منّی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لیس نبی بعدی۔ انہ لا ینبغی ان اذھب الا وانت خلیفتی۔ حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ تم اس پر خوش نہیں ہوتے کہ جو مرتبہ جناب ہارون کو حضرت موسیٰؑ سے تھا وہی درجہ تم کو بھی مجھ سے ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ میرے بعد پھر کوئی نبی نہیں ہوگا۔ یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ میں جاؤں اور تم میرے خلیفہ نہ ہو۔ (ازالۃ الخفاء مقصد ۲ ص۲۶۱)[1]

---

[1] اور علامہ سبط ابن جوزی نے لکھا ہے فقال الا ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا النبوۃ وانت خلیفتی۔ اے علی تم اس سے خوش نہیں ہوتے کہ تم کو مجھ سے وہی مرتبہ حاصل ہے جو جناب ہارون کو حضرت موسیٰؑ سے تھا سوائے اس کے کہ تم کو نبوت نہیں ملیگی۔ اور میرے خلیفہ تم ہی رہو گے۔ (تذکرہ خواص الامۃ ص۱۲) اور علامہ علی متقی نے لکھا ہے قال (یعنی اللہ) حین خلّفنی علی المدینۃ خلفنی لتکون خلیفتی فقال رسول نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ میں تم کو اس لئے چھوڑ کر جاتا ہوں کہ تم ہی میرے خلیفہ رہو۔ (کنز العمال جلد ۶ ص۳۹۸) اور امام حاکم نے

(بقیہ حاشیہ ص۱۸۶)

Marfat.com

آخری جملہ "کسی طرح مناسب نہیں ہے" الخ سے حضرت رسُول صفر فرماتے ہیں کہ جب میں جاؤں گا اُس وقت تمھیں کو میرا خلیفہ ہونا ضروری ہے۔ اِس طرح آنحضرت صلعم کے دنیا سے جاتے وقت بھی آں حضرتؐ کا خلیفہ حضرت علیؑ ہی کو ہونا چاہیئے۔ ورنہ آنحضرتؐ کا یہ قول کہ لاینبغی ان اذھب الا وانت خلیفتی غلط ہو جائے گا۔ اور بعد کا جملہ انہ لانبی بعدی اسی دعوے کی تائید کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو اے علیؑ تم ہی نبی ہوتے جیسے حضرت ہارون کو نبوت اور خلافت موسوی دونوں حاصل تھی لیکن چونکہ نبوت مجھ پر ختم ہو گئی ہے لہذا یہ عہدہ تم کو نہیں مل سکتا۔ ہاں دوسرا عہدۂ خلافت تمھارا ہی ہے۔ (یہ بحث چند صفحے پہلے بھی غزوۂ تبوک کے بیان میں گذر چکی ہے مگر چونکہ یہاں خلافت کی بحث ہے اور اس پر اس عبارت سے بھی کافی روشنی پڑتی ہے اس وجہ سے ان عبارتوں کو مکرر ذکر کیا گیا تاکہ اس کی اہمیت کی تاکید ہو جائے۔

جس طرح (بلا تشبیہ) قرآن مجید پارہ ۲۷ سورۂ رحمان میں خدا نے فبای الاء ربکما تکذبان کو کئی بار ذکر کیا ہے۔) پھر سورۂ برارت کی تبلیغ میں (جس کا ذکر صفحہ ۸۷ میں گذر چکا ہے) آنحضرتؐ کا فرمانا کہ لایبلغ عنی غیری او رجل منی یعنی دینی احکام کو میری طرف سے سوائے میرے یا ایسے شخص کے جو مجھ ہی سے ہو کوئی نہیں پہنچا سکتا۔ بتاتا ہے کہ کار رسالت آنحضرتؐ کے بعد اگر کوئی شخص انجام دے سکتا تھا تو وہ صرف حضرت علیؑ ہی تھے۔

اب دنیا سے جاتے وقت آں حضرتؐ نے حضرت علیؑ کی خلافت کا وہ اعلان کیا جو قولی بھی تھا اور عملی بھی، حضرتؐ کو خدا کا حکم ہوا فاذا فرغت فانصب والی ربک فارغب۔ اے محمدؐ اب کہ تم تمام احکام الٰہی کی تبلیغ سے فارغ ہو گئے تو (اپنی جگہ مقرر اور نصب کر دو) اس کے بعد اپنے پروردگار کی طرف چلے آؤ۔ (پارہ ۳۰ سورۂ انشراح رکوع $\frac{1}{19}$) اس آیت کا مطلب بالکل صاف ہے کہ اے رسُول جب تم اسلام کی کل خدمتیں انجام دے لو اور میرے دربار میں آنے لگو تو اس سے پہلے اپنی جگہ اپنے خلیفہ کو بٹھا کر لوگوں کو (پھر) دکھا دو۔

یہ بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر آنحضرتؐ کو اپنا خلیفہ مقرر کر کے جانے کا حکم نہیں تھا تو اور

بقیہ حاشیہ ص ۱۸۵

الکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا فان المدینہ لا تصلح الا بی او بک۔ اے علی مدینہ کی حالت یا میرے رہنے سے درست رہیگی یا تمھارے رہنے سے۔ مستدرک

کون بات تھی جسکے لئے خدا کا حکم ہو رہا ہے کہ جب تم فارغ ہو جاؤ تو نصب بھی کر دو۔ کون سا کام باقی رہ گیا تھا؟ غرض حضرتؐ نے اس حکم کی تعمیل کی کہ حجۃ الوداع سے واپسی پر مقام غدیر خم میں حضرت علیؑ کو اپنے ساتھ منبر پر لیجا کر فرما دیا من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ اے مسلمانو! جس شخص کا مولا میں ہوں اُس کے مولا علی بھی ہیں۔ اگرچہ آنحضرتؐ نے سنہ ۴ بعثت ہی میں فرما دیا تھا ان ھذا اخی ووصیی وخلیفتی فیکم اور اگرچہ شب ہجرت میں اور غزوۂ تبوک کے موقع پر بھی رسولخدا صلعم نے آپ کو . . . اپنی جگہ عملاً مقرر کر کے اپنا خلیفہ بنا دیا اور اس کا اشتہار دے دیا تھا مگر اب تک کوئی ایسی صورت نہیں ہوئی تھی کہ مسلمانوں کے کسی بڑے مجمع میں ایک ہی منبر پر کھڑے ہو کر اور علیؑ کو بھی وہاں کھڑا کر کے رسولخداؐ نے آپکی خلافت اور مسند نشینی کا علی اعلان کیا ہو۔ اِس سبب سے حکم خدا ہوا کہ جو مسلمان حجۃ الوداع سے واپس جا رہے ہیں ان کی تعداد کافی ہے۔ اور یہ مختلف مقامات کے بھی ہیں۔ اِس سے اچھا مجمع پھر نہیں ملیگا۔ بس اسی جگہ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ۔ اے رسولؐ جو (خاص) حکم تم پر نازل کیا گیا ہے اُس کو (جلد) پہنچا دو۔ اگر تم نے اس کو نہیں پہنچایا تو (معلوم ہو گا کہ) تم نے خدا کا کوئی حکم بھی نہیں پہنچایا۔ (پارہ ۶ رکوع ۱۴) اِس حکم کی تعمیل میں آنحضرتؐ نے کجاووں کا منبر طیار کرایا اور اُس پر حضرت علیؑ کو لے جا کر اور مسلمانوں کو دکھا کر فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ جس کا مولا میں ہوں اُس کے مولا علیؑ بھی ہیں۔ علامہ ابن حجر مکی نے اس روایت کو درج کر کے اس پر اِس طرح تبصرہ کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اِس میں کوئی شک نہیں۔ اور امام ترمذی نسائی احمد بن حنبل وغیرہ ایک جماعت نے اس کی تخریج کی ہے اور اس کے طرق واسناد بہت زیادہ ہیں۔ چنانچہ ۱۶ صحابیوں نے اس کی روایت کی ہے۔ اور امام احمد بن حنبل کی ایک روایت میں ہے کہ ۳۰ صحابیوں نے اس کے سننے کی گواہی دی ہے۔ اور اس کے اسناد اکثر صحیح و حسن ہیں (صواعق محرقہ مطبوعہ مصر ص۲۵)۔ استیعاب ابن عبد البر و اسد الغابہ ابن اثیر جزری وغیرہ میں متعدد مقام پر یہ روایت مذکور ہے۔ اور آخر میں حضرت عمر کا حضرت علیؑ کو مبارک باد دینا کہ ھنیئا لک یا ابن ابی طالب اصبحت وامسیت مولا کل مومن ومومنۃ اے فرزند ابو طالبؑ آپ کو مبارک ہو کہ آپ ہر مومن و مومنہ کے مولا ہو گئے۔ (ریاض نضرہ جلد ۲ ص۱۶۹)

بھی ثابت کرتا ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کو اپنا ولی عہد اور خلیفہ ہی بنایا۔ اور اس موقع پر اسی کا عملی اعلان کیا تھا۔ اور سب لوگوں نے یہاں تک کہ حضرت عمر نے بھی اس اعلان کا یہی مطلب سمجھا۔ اگر یہ حضرت علیؑ کی خلافت کا آخری اعلان نہیں تھا تو اس میں آپ کی کون سی نئی عزت و فضیلت تھی جس پر حضرت عمر کو مبارکباد دینے کی ضرورت ہوئی؟

خلافت کی بحث مفصل طور پر حضرت ابوبکر کی سوانح عمری میں درج کی جا چکی ہے لیکن اس امر میں چونکہ حضرت ابوبکر و عمر کا چولی دامن کا ساتھ تھا اس وجہ سے مجبوراً اس سوانح عمری میں بھی مذکورۂ بالا بحث کا خلاصہ نقل کر دیا گیا۔ مولوی شبلی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے "اخیر بحث یہ ہے کہ جو کچھ ہوا وہ بے جا تھا یا بجا؟ اس کو ہر شخص جو ذرہ بھی اصول تمدن سے واقفیت رکھتا ہو بہ آسانی سمجھ سکتا ہے۔ آنحضرتؐ نے جس وقت وفات فرمائی مدینہ منورہ منافقوں سے بھرا ہوا پڑا تھا جو مدت سے اس بات کیلئے منتظر تھے کہ رسول اللہ کا سایہ اٹھ جائے تو اسلام کو پامال کر دیں۔" (الفاروق ص۷۰) یہ تحریر کس درجہ مضحکہ خیز ہے؟ آنحضرتؐ نے جس وقت وفات فرمائی کیا اسی روز یا دس بیس ہزار منافقین کہیں سے پہنچ گئے تھے؟ یا مدینہ سے باہر ہزاروں منافقین چھپے ہوئے تھے جو اسی روز وہاں پہنچ گئے؟ سب جانتے ہیں کہ اسلام میں شروع ہی سے منافقین بھی تھے مکہ معظمہ میں بھی اور مدینہ منورہ میں بھی۔ پھر وہ منافقین اسلام کو پامال کرنے کیلئے حضرت رسولؐ خدا کی وفات کے منتظر کیوں تھے؟ کیا آنحضرتؐ خود ہی اتنی طاقت رکھتے تھے کہ تن تنہا ہزاروں منافقین کو روکے رہتے اور حضرتؐ کے صحابہ اتنے کمزور تھے کہ ان سے کوئی منافق رک نہیں سکتا تھا؟ آخر ان منافقین کو اسلام کے پامال کرنے کیلئے آنحضرتؐ کا سایہ اٹھ جانے کا انتظار کیوں تھا؟ جب آنحضرتؐ مدینہ سے باہر کسی غزوہ میں تشریف لیجاتے تھے اور حضرتؐ کے ساتھ ہزاروں صحابہ بھی مدینہ خالی کر دیتے تھے اور یہ سب لوگ مدت دراز تک مدینہ سے باہر ہی رہتے تھے منافقین کو زیادہ موقع مل سکتا تھا کہ اسلام کو پامال کر دیں۔ پھر اس زمانہ میں کس منافق نے سر اٹھایا اور اسلام کو کیا نقصان پہنچایا؟ ظاہر ہے کہ اسلام کی حمایت کرنے والے مسلمانوں کو بچانے والے۔ دشمنوں کو دفع کرنے والے اہل اسلام ہی تھے جن کے مقابلہ میں منافقین کچھ کر نہیں سکتے تھے اور رسولؐ کے انتقال پر وہ کل اہل اسلام اپنی اپنی جگہ موجود ہی تھے کوئی بھی وہاں سے ہٹا نہیں تھا

پھر منافقوں کا خوف ہی کیوں ہوتا؟ جس طرح رسولؐ کی زندگی میں منافقوں کا زور نہیں چل سکا اُسی طرح وفات کے موقع پر بھی ان سے کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ ان وجوہ سے کہنا پڑے گا کہ ہاں اس نازک وقت میں یہی ضروری تھا کہ مسلمان رسولؐ کے غسل و دفن میں مشغول رہتے اور ان فرائض سے فارغ ہونے کے بعد حضرتؐ کے مقرر کردہ خلیفہ بلا فصل کی اطاعت کر کے امورِ اسلام کو اُسی طرح انجام دیتے جس طرح رسولؐ کی زندگی میں کرتے تھے۔ اگر اُس وقت منافقوں کا زور اس قدر بڑھ گیا ہوتا تو حضرت رسول خدا صلعم اسامہ کے ماتحت مسلمانوں کی بڑی جماعت کو مدینہ سے بہت دور چلے جانے کا حکم نہیں دے سکتے تھے۔ اور اگر واقعاً منافقین اسلام کے پامال کرنے کے انتظار میں ہوتے تو حضرت رسولؐ کے مرض ہی میں ان کی کسی کوشش کا پتا لگ جاتا۔ مگر تمام کتب تاریخ و حدیث ان باتوں سے خاموش ہیں اور سب بتاتی ہیں کہ اُس وقت مدینہ میں پورا سکون اور ہر طرح اطمینان تھا۔ منافقین موجود ضرور تھے مگر وہ اپنے کو اُسی طرح کمزور سمجھتے تھے جس طرح رسولؐ کی زندگی میں جانتے تھے کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ صرف رسولؐ نے انتقال کیا جو کسی کے مقابلہ پر تلوار اُٹھاتے تک نہیں تھے۔ اور حضرتؐ کی طرف سے جو لوگ جہاد کرتے تھے اسی طاقت اور شان و شوکت سے موجود ہیں۔ جو شخص سر اُٹھائیگا اُس کی سرکوبی اُسی طرح کی جائیگی جس طرح رسولؐ کی زندگی میں کی جاتی۔

دوسری فصل

استحکام خلافت اولیٰ کے لئے حضرت عمر کی جد و جہد

اِس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت ابوبکر کی تائید و اعانت کر کے حضرت عمر نے آپ کی خلافت کو اس طرح مستقل کر دیا کہ کوئی شخص اپنی خلافت کے لئے بھی اتنی جانفشانی نہیں کرتا اور آپ نے اس کے لئے نہ کسی ذات کی پرواکی نہ کسی مصیبت کی۔ پھر لوگوں سے زبردستی بیعت لینے کی کوئی کوشش نہیں اوٹھا رکھتے۔ آپ بیان کرتے تھے۔ ارتفعت الاصوات والغلط فلما خشیت الاختلاف، قلت لابی بکر ابسط یدک ابایعک۔ فبسط یدہ فبایعتہ وبایعہ الناس۔ ثم نزونا علی سعد بن عبادہ فقال قائلھم قتلتم سعدا۔ فقلت قتل اللہ سعدا۔ (سقیفہ میں بیعت کا جھگڑا شروع ہو گیا تو آواز دی گئی

Marfat.com

ہو گئیں اور شور و غل ہونے لگا۔ مجھے اختلاف کا خوف ہوا۔ یہ خیال کر کے میں نے ابوبکر سے کہا ہاتھ بڑھاؤ میں تمھاری بیعت کر لوں۔ اُنھوں نے بڑھا دیا۔ میں نے جھٹ اُس پر بیعت کر لی۔ پھر اور لوگوں نے بیعت کی۔ پھر ہم لوگ (اپنے مخالف) سعد بن عبادہ پر ٹوٹ پڑے۔ یہ دیکھ کر اُن کے کسی طرفدار نے کہا ہائے تم نے سعد کو قتل کر دیا۔ تو میں (حضرت عمر) نے کہا کہ اللہ سعد کو قتل کر دے۔ (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۱۲۴) وکادوا یطئون سعد بن عبادہ فقال ناس من اصحاب سعد اقتلوا سعدا لاتطئوہ۔ فقال عمر اقتلوہ قتلہ اللہ۔ ثم قام علی راسہ فقال لقد ھممت ان اطاک حتی تندر عضوک۔ فاخذ سعد بلحیۃ عمر فقال واللہ لو حصصت منہ شعرۃ ما رجعت وفی فیک واضحۃ فقال ابو بکر مھلا یا عمر الرفق ھھنا ابلغ فاعرض عنہ عمر وقال سعدا اما واللہ لوان لی قوۃ ما اقوی علی النھوض لسمعت منی فی اقطارھا وسککھا زئیرا یجرک واصحابک اما واللہ اذا لالحقنک بقوم کنت فیھم تابعا غیر متبوع۔ احملونی من ھذا المکان فحملوہ فادخلوہ فی دارہ۔ قریب تھا کہ سعد بن عبادہ کو لوگ روند ڈالیں۔ جس پر سعد کے ساتھیوں سے کچھ لوگوں نے کہا سعد کو چھوڑ دو۔ ان کو نہ روندو۔ اس کے جواب میں حضرت عمر نے کہا تم سب لوگ سعد کو قتل کر ڈالو۔ خدا بھی اس کو قتل کر دے۔ پھر حضرت عمر خود ہی سعد کے سر پر سوار ہو کر کہنے لگے میں نے طے کر لیا ہے کہ تم کو اس طرح کچل ڈالوں کہ تمھارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ اس پر سعد نے حضرت عمر کی ڈاڑھی پکڑ لی تو کہا خدا کی قسم اگر تم نے میرا ایک بال بھی اُکھاڑا تو میں تمھارے کل دانتوں کو توڑ ڈالوں گا۔ اور تم اپنے گھر کو اس طرح واپس جاؤ گے کہ تمھارے منہ میں کوئی بھی دانت نہیں ہو گا۔ تب حضرت ابوبکر نے کہا اے عمر اپنے کو روکو یہ موقع نرمی کا ہے اسی سے زیادہ کام نکلے گا۔ اس کے بعد حضرت عمر سعد کے اوپر سے اُترے تو سعد نے کہا خدا کی قسم اگر (میں بیمار نہ ہوتا اور) مجھ میں اتنی قوت بھی ہوتی کہ خود سے اُٹھ سکتا تو مدینہ کی سڑکوں اور گلیوں میں تم میری وہ ہیبت ناک آواز سنتے جس پر تم بھی اور تمھارے ساتھی بھی خوف سے زمین کے سوراخوں میں گھستے پھرتے۔ خدا کی قسم اگر میری صحت درست رہتی تو میں تم کو اُن لوگوں میں ملا دیتا جن کے تم لوگ رعیت بن کر رہتے اور سردار نہیں بننے پاتے۔ (مگر میرے مرض نے مجھے بے بس کر دیا ہے۔

Marfat.com

پھر اپنے ساتھیوں سے کہا) مجھے اس جگہ سے اُٹھالے چلو۔ لوگ اُن کو اُٹھا لے گئے۔ اور اُن کے گھر پہنچا دیا۔ (طبری جلد ۳ ص۱۱) اور علامہ ابن اثیر وغیرہ نے لکھا ہے وبایعه الناس فقالت الانصار او بعض الانصار لا نبایع الا علیًا۔ قال وتخلف علی وبنو هاشم والزبیر وطلحة عن البیعة وقال الزبیر لا اغمد سیفا حتی یبایع علی۔ فقال عمر خذوا سیفه واضربوا به الحجر ثم اتاهم عمر فاخذهم للبیعة۔ جب حضرت ابوبکر کی بیعت ہونے لگی تو سب انصار یا بعض انصار نے کہا ہم تو حضرت علیؑ کے سوائے کسی کی بھی بیعت نہیں کر سکتے۔ اور حضرت علیؑ و خاندان بنی ہاشم و زبیر و طلحہ نے حضرت ابوبکر کی بیعت سے انکار کر دیا۔ زبیر نے تو یہاں تک کہدیا کہ جب تک حضرت علیؑ کی بیعت نہیں کی جائیگی میں اپنی تلوار نیام میں نہیں کرونگا۔ اس پر حضرت عمر نے لوگوں سے کہا زبیر کی تلوار چھین کر پتھر پر پٹک دو۔ پھر حضرت عمر ان لوگوں کے پاس گئے اور ان کو بیعت کے لئے گرفتار کر لیا۔ (کامل جلد ۲ ص۱۲۴) اُن لوگوں کی ان کارروائیوں سے حضرت علیؑ کو اس درجہ صدمہ ہوا کہ فقال علی کرم الله وجهه الله الله یا معشر المهاجرین لا تخرجوا سلطان محمد فی العرب من داره وقعر بیته الی دورکم وقعور بیوتکم وتدفعون اهله عن مقامه فی الناس وحقه۔ فوالله یا معشر المهاجرین لنحن احق الناس بهذا الامر منکم فما کان فینا القاری لکتاب الله الفقیه فی دین الله۔ العالم بسنن رسول الله۔ المتطلع لامر الرعیة المدافع عنهم الامور المسیئة۔ القاسم بینهم بالسویة۔ والله انه لفینا فلا تتبعوا الهوی فتضلوا عن سبیل الله فتزدادوا من الحق بعدا۔ اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا اے گروہ مہاجرین اللہ سے ڈرو۔ خدا (کے عذاب) سے بچو۔ عرب میں حضرت رسول خدا صنم کو جو اقتدار اور تسلط حاصل ہے اُسے حضرتؐ کے گھر اور حضورؐ کے خاندان سے نکال کر اپنے گھروں اور اپنے خاندانوں کی طرف نہ لے جاؤ۔ اور مسلمانوں کے درمیان حضرتؐ کے اہلبیتؑ کا جو درجہ قائم ہو چکا ہے اُس سے اور اُن کے حق سے جو اُن کو ہٹاتے ہو (بہت برا کرتے ہو) کیونکہ اے گروہ مہاجرین خدا کی قسم سب سے زیادہ ہم لوگ ہی اس خلافت کے حقدار ہیں اس لئے کہ ہم ہی اہلبیت رسولؐ ہیں۔ اور جب تک ہم لوگوں میں کتاب خدا کا پڑھنے والا۔ دین خدا کا سمجھنے والا۔ رسولؐ کی سنتوں کا جاننے والا

امورِ رعایا کی خبر رکھنے والا۔ اور اُن کے لئے سینہ سپر ہونے والا۔ اُن کی مشکلات۔ پریشانیوں اور برائیوں کا دفع کرنے والا۔ اور اُن کے درمیان برابری سے تقسیم (حقوق) کرنے والا موجود رہیگا۔ اُس وقت تک تم سب سے زیادہ ہم لوگ ہی اس (خلافت) کے مستحق رہیں گے۔ اور خدا کی قسم اِن صفات کا شخص یقیناً ہم (اہلبیتؑ) میں موجود ہے۔ (جس کو تم لوگ بھی خوب پہچانتے ہو) پس تم لوگ اپنے ہوا و ہوس نفسانی کی پیروی نہ کرو۔ جس کے سبب خدا کی راہ سے گمراہ ہو کر حق سے اور زیادہ دور ہوتے چلے جاؤ گے۔ (کتاب الامامۃ والسیاستہ ص۲) ۔اور روضۃ الاحباب میں ہے "بعد ازاں انصار مبایعت نمودند الا طائفۂ قلیلہ کہ بعضے گفتند کہ ما متابعت باہیچ کس نہ کنیم الا علی بن ابی طالب"۔ وگویا شیخ فریدالدین عطار از زبان آں جمع گفتہ ؎

زمشرق تا بہ مغرب گر امام است علیؑ و آل و اولادش تمام است

یعنی اس کے بعد انصار نے بیعت کی مگر ایک چھوٹی جماعت نے نہیں کی۔ وہ یہی کہتے رہے کہ ہم لوگ سوائے حضرت علیؑ کے کسی کی بھی بیعت نہیں کر سکتے۔ اور گویا شیخ فریدالدین عطار نے اسی جماعت کی زبان سے ترجمہ کر کے کہا ہے کہ مشرق سے مغرب تک اگر کوئی امام ہو سکتا ہے تو وہ حضرت علیؑ اور آپ کی آل و اولاد ہی ہیں۔ (روضۃ الاحباب جلد ۲ ص۲۳)۔

غرض حضرت ابوبکر کی خلافت جمانے کے لئے حضرت عمر نے جو جد و جہد کی اُس کی حد و انتہا بیان نہیں ہو سکتی۔ جن لوگوں نے اس سے انکار کیا اُن کے بارے میں ہے فذھب الیھم عمر فی عصابۃ فقالوا انطلقوا فبایعوا ابا بکر فابوا۔ فخرج الزبیر بن العوام رض فقال عمر رض علیکم بالرجل فخذوہ۔ فوثب علیہ سلمۃ بن اسلیم فاخذ السیف من یدہ فضرب بہ الجدار وانطلقوا بہ۔ ان مخالفین بیعت کی طرف حضرت عمر ایک جتھا لئے ہوئے پہنچے اور کہا بس چل کر ابھی ابوبکر کی بیعت کر لو۔ مگر اب بھی ان سب نے انکار کیا۔ بلکہ زبیر بن العوام (جو عشرہ مبشرہ سے تھے) تلوار لئے ہوئے نکل پڑے تو حضرت عمر نے (اپنے سپاہیوں سے) کہا اس شخص کو سب مل کر گرفتار کر لو۔ اس پر سلمہ بن اسلیم جناب زبیر پر اُچک کر پہنچ گئے اور ان کی تلوار ان کے ہاتھ سے چھین کر دیوار پر پھینک دی اور سب کو گرفتار کر لے گئے۔ (کتاب الامامۃ والسیاستہ ص۱۲ و کامل جلد ۲ ص۱۲۴ وغیرہ)۔ اور علامہ طبری نے لکھا ہے۔ تخلف علیؑ والزبیر واختر

الزبیر سیفہ وقال لا اغمدہ حتی یبایع علیؑ فبلغ ذلک ابابکر وعمر۔ فقال عمر خذوا سیف الزبیر فاضربوا بہ الحجر۔ قال فانطلق الیہم عمر فجاہد بہما تعبًا وقال لتبایعان وانتما طائعان اولتبایعان وانتما کارہان۔ حضرت علی اور زبیر نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی اور زبیر نے تو اپنی تلوار بھی سونت لی۔ اور کہا میں اس کو اُس وقت تک نیام میں نہیں کروں گا جب تک حضرت علیؑ کی بیعت نہیں کی جائیگی۔ یہ خبر حضرت ابوبکر و عمر تک پہنچی تو کہا زبیر کی تلوار چھین کر پتھر پر پٹک دو۔ پھر حضرت عمر خود ان لوگوں کی طرف گئے اور ستاتے ہوئے ان کو گرفتار کر لائے۔ اور کہا چاہو خوشی سے بیعت کرو چاہو جبر سے کرو۔ کرنا ضرور ہوگا۔ (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۹۹) مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ زبیر کی تلوار اُن سے چھین نہیں سکے۔ بلکہ اُن کے ہاتھ سے وہ خود ہی گر گئی اور اُن لوگوں نے اُٹھا لی۔ علامہ طبری نے لکھا ہے اتی عمر بن الخطاب منزل علیؑ وفیہ طلحۃ والزبیر ورجال من المہاجرین۔ فقال واللہ لاحرقن علیکم او لتخرجن الی البیعۃ۔ فخرج علیہ الزبیر مصلتا بالسیف فعثر۔ فسقط السیف من یدہ فوثبوا علیہ فاخذوہ۔ حضرت عمر حضرت علیؑ کے دولت خانہ پر پہنچ گئے اُس وقت اُس میں جناب طلحہ و زبیر اور دوسرے بہت سے مہاجرین کا مجمع تھا۔ آپ نے آکر کہا خدا کی قسم میں اس گھر میں آگ لگا کر تم سب لوگوں کو اس میں پھونک ڈالوں گا۔ ورنہ تم سب نکل کر چلو اور حضرت ابوبکر کی بیعت کر لو۔ یہ سننا تھا کہ حضرت زبیر تلوار کھینچے ہوئے اُس میں سے نکل پڑے مگر اتفاقاً ٹھوکر کھا کر گرے تو تلوار ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اس پر حضرت عمر کے لوگ اُن پر ٹوٹ پڑے اور انھیں گرفتار کر لیا۔ (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۹۸)۔

لطف یہ ہے کہ جب بیعت کا مرحلہ طے ہو گیا اور مخالفین زیر کر لئے گئے تو یہی حضرت عمر اس بیعت کے متعلق یہ فرمانے لگے فلا یغرن امرءًا ان یقول ان بیعۃ ابی بکر کانت فلتۃ فقد کانت کذالک غیر ان اللہ وقی شرہا۔ کسی شخص کو یہ بات دھوکے میں نہ رکھے کہ وہ کہے حضرت ابوبکر کی بیعت (ہی کیا ہوئی۔ وہ) تو ناگہانی طور پر یا چھین جھپٹ کر ہو گئی۔ ہوئی تو وہ اسی طرح (چھین جھپٹ کر) مگر خدا نے اس کی خرابیوں سے (سب کو) بچا لیا۔ (طبری جلد ۳ صفحہ ۲۰۲ وصواعق محرقہ صفحہ ۲۱ ومسند احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۵۵ و

Marfat.com

صحیح بخاری پارہ ۲۸ ص۳۶۵ باب رجم الحبلیٰ)۔ اس جملہ کے متعلق مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدر آبادی نے لکھا ہے۔ "ان بیعۃ ابی بکر کانت فلتۃ وقی اللہ شرھا۔ حضرت عمر نے کہا ابو بکر صدیق کی بیعت تو ناگہانی یکایک (بغیر غور و فکر کے) ہو گئی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی بیعت سے جو شر و فساد پیدا ہوتا ہے اُس سے اپنے بندوں کو محفوظ رکھا۔ (ہوا یہ کہ صحابہ میں اختلاف ہو رہا تھا کس سے بیعت کی جائے۔ اور حضرت علی اور بنی ہاشم اور کئی صحابہ اس جلسہ میں موجود بھی نہ تھے۔ ان کی رائے بھی نہیں لی گئی تھی۔ اتنے میں حضرت عمر نے لپک کر حضرت صدیق سے بیعت کر لی۔ اُن کے دیکھا دیکھی رو پڑ گئی۔ پھر کیا تھا جو آیا اُس نے اُن سے بیعت کر لی۔ بعضوں نے یوں ترجمہ کیا ہے کہ ابو بکر صدیق کی امامت گویا لوگوں سے چھین اور اُچک کر ہوئی تھی کیونکہ دوسرے کئی شخص اس کے طلب گار تھے۔ بعضوں نے کہا فلتہ کہتے ہیں حرام مہینوں کی آخری رات کو۔ اس میں لوگوں کا اختلاف ہوتا ہے۔ کوئی کہتا ہے وہ بھی حرام ہے۔ کوئی کہتا ہے وہ حلال ہے اور اُس میں شر اور فساد اور خوں ریزی کو جائز سمجھتا ہے۔ تو آنحضرتؐ کی زندگی کے مہینوں کو حرام سے تشبیہ دی۔ اور آپ کی وفات کے دن کو فلتہ سے (انوار اللغۃ پارہ ۳۰ ص۱۰۰) اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس کا معنی یہ لکھا ہے قال الداؤدی معنی قولک کانت فلتۃ انھا وقعت من غیر مشورۃ مع جمیع من کان ینبغی ان یشاور۔ اور علامہ داؤدی کہتے تھے فلتہ کا معنی یہ ہے کہ جن لوگوں کے مشورہ سے اس خلافت کا ہونا مناسب تھا بغیر ان کی رائے کے واقع ہو گئی۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری پارہ ۲۸ ص۳۶۵) علامہ داؤدی یہ بھی کہتے تھے انہ لم یکن مع ابی بکر حینئذٍ من المھاجرین الا عمر وابو عبیدہ اُس وقت جماعت مہاجرین سے حضرت ابو بکر کی بیعت سوائے حضرت عمر و ابو عبیدہ کے کسی نے بھی نہیں کی (فتح الباری پارہ ۲۸ ص۳۶۸) اور علامہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے ذکر صاحب الصحاح انّ الفلتۃ الامر الذی یعمل فجاءۃ من غیر تروّ ولا تدبّر وھکذا کانت بیعۃ ابی بکر لان الامر لم یکن فیھا شوری بین المسلمین وانما وقعت بغتۃ لم تتضمن فیھا الآراء ولم یتناظر فیھا الرجال وکانت کالشیٔ المستلمح المنتھب علامہ جوہری نے لغت کی مشہور کتاب صحاح میں لکھا ہے کہ فلتہ سے مراد وہ امر ہوتا ہے جو

Marfat.com

اچانک بغیر غور و فکر کئے ہو جائے چنانچہ حضرت ابوبکر کی بیعت اسی طرح واقع ہو گئی جس میں نہ لوگوں کی رائیں دیکھی گئیں اور نہ لوگوں نے اس میں غور و فکر کا موقع پایا بلکہ اس طرح ہو گئی جیسے کوئی چھینی۔ اُچکی اور غصب کی ہوئی چیز ہوتی ہے۔ (شرح نہج البلاغہ طبع مصر جلد ۱ ص ۱۲۷)۔

اب سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت ابوبکر کی بیعت اور حضرت عمر کی اس ذاتی کارروائی پر اجماع کا دعوٰے کس اصول سے کیا جاتا ہے؟ کیا صرف حضرت عمر کے بیعت کر لینے سے یہ بیعت اجماعی ہو گئی؟ یا کیا صرف جناب ابو عبیدہ کے تائید کر دینے سے اس پر اجماع کی تعریف صادق آگئی؟ اور سب سے زیادہ مصیبت یہ ہے کہ جو لوگ خلافت حضرت ابوبکر پر اجماع کا دعوٰی کرتے ہیں وہ حضرت عمر کی تکذیب کرتے ہیں یا تصدیق؟ اس لئے کہ ممدوح فرماتے ہیں حضرت اول کی بیعت فلتہ (بغیر راے اور مشورے کے) ہو گئی۔ اور اب یہ لوگ کہتے ہیں کہ نہیں اجماع سے ہوئی۔ غالباً اسی مصیبت سے چھٹکارا پانے کے لئے دوسرے لوگوں نے کہدیا کہ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کی بیعت کو فلتۃً نہیں بلکہ فتنہ کہا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فرماتے تھے لا یغرن امرءً ان یقول ان بیعۃ ابی بکر کانت فتنۃ فقد کانت کذالک کسی شخص کو یہ امر دھوکا نہ دے کہ کہے حضرت ابوبکر کی بیعت ایک فتنہ تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ تھی ایسی ہی (فتنہ) مگر خدا نے اُس کے شر سے بچالیا۔ (کامل جلد ۲ ص ۱۲۴)۔ اس فتنہ کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ ممکن ہے یہ ہو کہ حضرت عمر جانتے تھے رسول خدا کے بعد حضرت علیؑ کو الگ کر کے جو شخص بھی خلافت پر قدم رکھے گا وہ چونکہ حضرت رسول خدا صلعم کے مقرر کئے ہوئے خلیفۂ بلا فصل کے مقابلہ میں اس پر مسلط ہو گا اسی وجہ سے اسلام میں عظیم الشان فتنہ و فساد برپا ہو جائے گا۔ یا وہ خدا کے ہاں بڑے فتنہ اور رخنہ کا باعث قرار پائے گا۔ اور مسلمانوں کی ایک جماعت کہتی ہے کہ حضرت عمر جانتے تھے رسولؐ خدا کے بعد حضرت علیؑ کے مقابلہ میں جو شخص بھی خلافت پر قدم رکھے گا وہ مخالفتوں اور بغاوتوں کا شکار ہو جائے گا۔ اس سبب سے موصوف نے راے قائم کی کہ بہتر ہے اس کے لئے حضرت ابوبکر ہی پیش کئے جائیں۔ اور جب میدان ہموار یا کار خلافت آسان ہو جائے گا تو ہم خود اس بار کو اُٹھا لیں گے۔ علاوہ بریں حضرت ابوبکر

Marfat.com

بہت بوڑھے ہو چکے ہیں۔ خلافت کے ابتدائی جھگڑوں کو ختم کرتے کرتے ان کی مدت حیات پوری ہی ہو جائے گی۔ اس وقت ان کی بیعت کر لینے سے ابتدائی مصائب سے ہم محفوظ بھی ہو جاتے ہیں اور ان پر احسانِ عظیم بھی ہو جاتا ہے جس کے عوض یہ دنیا سے چلتے وقت خلافت کو ہمارے ہی حوالہ کر دیں گے۔ حضرت علیؓ نے بھی اسی وقت یہ بات فرما دی۔ علامہ ابن قتیبہ وغیرہ نے لکھا ہے انّ علیاً کرّم اللہ وجہہ اتیٰ بہ ابا بکر وھو یقول انا عبد اللہ و اخو رسولہ۔ فقیل لہ بایع ابا بکر۔ فقال انا احقّ بھذا الامر منکم لا ابایعکم وانتم اولیٰ بالبیعۃ لی۔ اخذتم ھذا الامر من الانصار واحتججتم علیھم بالقرابۃ من النبیؐ وتاخذوہ منّا اھل البیت غصبا۔ الستم زعمتم للانصار انکم اولیٰ بھذا الامر منھم لما کان محمدؐ منکم۔ فاعطوکم المقادۃ وسلموا الیکم الامارۃ فاذا احتج علیکم بمثل ما احتججتم علی الانصار فمن اولیٰ برسول اللہ حیّا ومیتا فانصفونا ان کنتم تومنون۔ والا فبؤا بالظلم وانتم تعلمون۔ فقال لہ عمر انک لست متروکا حتیٰ تبایع۔ فقال لہ علی احلب حلبا لک شطرہ۔ واشدد لہ الیوم یردہ علیک غدا۔ ثمّ قال واللہ یا عمر لا اقبل قولک ولا ابایعہ فقال لہ ابو بکر فان لم تبایع فلا اکرھک (جب حضرت ابو بکر کے لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ان کے پاس لائے تو آپ فرماتے تھے میں خدا کا بندہ اور اُس کے رسولؐ کا بھائی ہوں۔ جب حضرت علیؓ سے کہا گیا آپ حضرت ابو بکر کی بیعت کر لیجئے تو حضرت نے فرمایا تم سب سے زیادہ مستحقِ خلافت میں ہوں۔ میں تمھاری بیعت نہیں کر سکتا بلکہ تم لوگوں ہی کو میری بیعت کرنی چاہیئے۔ تم نے خلافت کو انصار سے نکالتے وقت یہ استدلال کیا ہے کہ تم حضرت رسولِ خدا کے قرابت دار ہو۔ (اور انصار حضرتؐ کے اغیار ہیں) مگر تم سب اس خلافت کو ہم اہلبیت (رسولؐ) سے غصب کر کے اپنے قبضہ میں رکھنا چاہتے ہو۔ کیا تم نے انصار کے مقابلہ میں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ "چونکہ ہم لوگ حضرت محمدؐ کے قریبی رشتہ دار ہیں اس وجہ سے خلافت کے بھی زیادہ مستحق ہم ہی ہیں"۔ تمھاری اس دلیل پر انصار نے خلافت تمھیں چھوڑ دی اور حکومت کے دعوے سے دست بردار ہو گئے۔ اب میں بھی تمھارے مقابلہ میں وہی دلیل پیش کرتا ہوں جو تم نے انصار کے مقابلہ میں پیش کی تھی اور کہتا ہوں کہ حضرت رسولِ خدا کی زندگی میں اور حضرتؐ کے

انتقال پر بھی ہم (اہلبیتؑ) ہی حضرتؐ کے زیادہ قریبی رشتہ دار (بلکہ حضرتؐ کے جزو) ہیں۔ اب اگر ایمان رکھتے ہو تو ہمارے حق میں الصاف کرو۔ ورنہ جان بوجھ کر ظالم بنے رہو۔ حضرت علیؑ کی اِس تقریر پر حضرت عمر بولے جب تک تم بیعت نہیں کر لوگے چھوڑے نہیں جا سکتے۔ اِس پر حضرت علیؑ نے کہا ہاں ہاں اس (خلافت) کا دودھ خوب دوہ لو جس سے تمھیں بھی حصّہ ملے اور آج اس خلافت کو حضرت ابوبکر کے لئے خوب مضبوط کر دو۔ تاکہ کل ہی (مر کر ابوبکر) اِس کو تمھارے حوالہ کر دیں۔ پھر فرمایا اے عمر! خدا کی قسم میں تمھارا قول نہیں مان سکتا اور نہ ان کی بیعت کر سکتا ہوں[1]۔ حضرت ابوبکر نے کہا اگر آپ بیعت نہیں کریں گے تو میں مجبور بھی نہیں کر سکتا۔ (کتاب الامامۃ والسیاسۃ صـ۱۹)۔

یہ کس درجہ حیرت خیز ہے کہ حضرت ابوبکر یا حضرت عمر نے حضرت علیؑ کے اس استدلال کا کوئی بھی جواب نہیں دیا۔ اگر یہ دونوں حضرات اپنی خلافت کے حق ہونے کی کوئی وجہ پاتے تو ضرور اُس کو بیان کر دیتے۔ بلکہ حضرت ابوبکر نے انتقال کے وقت جو تقریر کی اُس سے واضح کر دیا کہ حضرت علیؑ کا ایک ایک لفظ صحیح تھا۔ جب آپ مرضِ موت میں مبتلا ہوئے تو مسلمانوں سے فرمایا واللہ انی لشدید الرجم ولمّا القیٰ منکم یا معشر المہاجرین اشدّ علی من وجعی۔ انّی ولیت امرکم ولست خیرکم فی نفسی۔ فکلکم ورم انفہ اذا ان یکون ھذا الامر لہ وذلک لما رأیتم الدنیا قد اقبلت۔ خدا کی قسم تم سے مجھے بہت سخت درد ہے اور اے گروہِ مہاجرین تم سے جو باتیں مجھ کو پہنچتی ہیں وہ میرے مرض سے

---

[1] مسلمانوں کی ایک جماعت کہتی ہے کہ حضرت علیؑ نے اس کے کچھ دنوں بعد حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی مگر حضرت علیؑ کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرتؑ نے کبھی بھی ان کی بیعت نہیں کی اِس لئے کہ آپ نے قسم کھا کر صاف فرما دیا تھا "خدا کی قسم میں تمھارا قول نہیں مان سکتا اور نہ ان کی بیعت کر سکتا ہوں"۔ اللہ کی قسم کھانے کے بعد حضرت علیؑ اس کے خلاف کیونکر کرتے؟ ہاں اگر قسم کھانے کا کفارہ ادا کر لیتے تب ممکن تھا کہ بیعت بھی کر لیتے۔ مگر اسلام کی کسی کتاب یا حدیث یا تاریخ یا سیرۃ وغیرہ میں کمزور سے کمزور تر روایت یا قول بھی اس مضمون کا نہیں ہے نہ کسی صحابی یا تابعی کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ نے اس قسم کا کفارہ ادا کیا اور انکی بیعت کی۔

Marfat.com

زیادہ میرے لئے اذیت رساں ہیں۔ اگرچہ میں تم لوگوں سے بہتر نہیں ہوں مگر میں تم لوگوں کا حاکم بن گیا تو تم لوگوں کی ناکیں غیظ و غضب سے پھول گئیں۔ کیونکہ ہر شخص کی خواہش یہی تھی کہ خود ہی خلیفہ بن جائے۔ اور یہ سب اس وجہ سے کہ تم لوگوں نے (رسولؐ کے آخری زمانہ میں) دیکھ لیا تھا کہ دنیا نے (مسلمانوں کی طرف) رُخ کر دیا ہے۔ (کتاب الامامۃ والسیاسۃ صفحہ ۳۰)[1]۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت رسول خدا صلعم کے زمانہ میں

---

[1] حجۃ الاسلام امام غزالی نے اس غرض کو زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے لکھتے ہیں اجمع الجماھیر علی متن الحدیث عن خطبتہ یوم غدیر خم باتفاق الجمیع وھو یقول من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ فقال عمر بخ بخ لک یا ابا الحسن لقد اصبحت مولائی ومولا کل مومن ومومنۃ۔ ھذا تسلیم ورضا وتحکیم۔ ثم بعد ھذا غلب الھوٰی لحب الریاسۃ وحمل عمود الخلافۃ وعقود البنود وخفقان الھوٰی فی قعقعۃ الرایات واشتباک ازدحام الخیول وفتح الامصار سقاھم کأس الھوٰی فعادوا الی الخلاف الاول۔ فنبذوہ وراء ظھورھم واشتروا بہ ثمنا قلیلا۔ فبئس ما یشترون۔ ولما مات رسول اللہ ؐ قال قبل وفاتہ ایتونی بدوات وبیاض لازیل عنکم اشکال الامر واذکر لکم من المستحق لھا بعدی۔ قال عمر دعوا الرجل فانہ لیھجر وقیل یھذو فاذا بطل تعلقکم بتاویل النصوص فعدتم الی الاجماع۔ وھذا منقوض ایضاً فان العباس واولادہ وعلیاً وزوجتہ واولادہ لم یحضروا حلقۃ البیعۃ وخالفکم اصحاب السقیفۃ یعنی جمہور علماء و محققین اسلام نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے اپنے خطبۂ یوم غدیر خم میں حدیث غدیر کو ضرور ارشاد فرمایا اور سب کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ (جس کا مولا میں ہوں اُس کے مولا علی بھی ہیں) اس پر حضرت عمر نے فوراً کہا اے ابوالحسن آپ کو مبارک ہو۔ اور خوب مبارک ہو کہ آج آپ میرے اور ہر ایمان والے مرد اور ہر ایمان والی عورت کے مولا ہو گئے۔ (امام غزالی فرماتے ہیں) حضرت عمر کا یہ کہنا درحقیقت حضرت علیؑ کی خلافت و حکومت کا مان لینا اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۹)

Marfat.com

دنیا نے مسلمانوں کی طرف رُخ کر دیا تھا اِس وجہ سے ہر شخص کی آرزو رہتی تھی کہ حضرتؐ کا خلیفہ وہی بن جائے مگر حضرت ابوبکر و عمرؓ کامیاب ہو گئے تو دوسرے لوگ ہمیشہ اس پر ندامت

(بقیہ حاشیہ ص۱۹۸)

اس پر راضی ہو جاتا تھا۔ مگر اس کے بعد دنیائے (اسلام کی) بادشاہت پر قبضہ کر لینے۔ خلافت کے ستونوں کو اُٹھا لینے۔ جھنڈوں کے پھریرے ہلانے۔ علموں کی کھڑکھڑاہٹ میں ہوا کے جھونکے مارنے۔ لشکروں میں گھوڑوں کے اژدحام اور دریا کرنے اور شہروں کے فتح کرنے کی آرزو و تمنا کی وجہ سے ان لوگوں پر خواہش نفسانی غالب آگئی جس نے ان کو نفس پرستی کے جام سے اچھی طرح سیراب کر دیا۔ اسی سبب سے یہ لوگ خلافت اول کی طرف (یعنی اپنی اُس حالت کی جانب جو اسلام کے قبل تھی) پلٹ گئے۔

غرض اس دینِ اسلام کو ان لوگوں نے پس پشت پھینک دیا۔ اور اس قابل قدر مذہب کو بیچ کر اس کی بہت ہی کم قیمت قبول کر لی۔ افسوس کیا ہی بُری چیز (دنیا) ان لوگوں نے خریدی۔ حالانکہ حضرت رسولِ خدا صلعم نے اپنے انتقال سے پہلے ان لوگوں سے ارشاد فرما دیا تھا کہ تم لوگ میرے پاس دوات اور کاغذ لاؤ تاکہ میں تم لوگوں کے لئے خلافت کی مشکل حل کر دوں اور تم لوگوں کو بتا دوں کہ میرے بعد خلافت کا مستحق کون ہے مگر حضرت عمر نے آنحضرتؐ کے جواب میں لوگوں سے کہہ دیا اس شخص (رسولؐ) کو چھوڑ دو یہ ہذیان بک رہا ہے۔ یا بہکی باتیں کر رہا ہے۔ (اب میں ان لوگوں سے کہتا ہوں کہ) حضرت ابوبکر کی خلافت کے متعلق تم لوگ قرآن یا حدیث کی جو جو تاویلیں کر کے اس کو ان کی خلافت کے بارے میں بطور نص پیش کر سکتے تھے جب وہ سب باطل ہو گئیں اور اُن سے تمہارا کوئی کام نہیں نکل سکا تو اب تم لوگوں نے اجماع کی آڑ میں پناہ لی۔ (کہ کہتے ہو حضرت ابوبکر کی خلافت پر مسلمانوں نے اجماع کیا) حالانکہ یہ بھی غلط ہے کیونکہ (حضرت رسولؐ خدا کے چچا) جناب عباس اور ان کی کل اولاد۔ نیز حضرت علیؑ۔ ان کی بیوی اور ان کی اولاد سے بھی کوئی شخص ممدوح کے حلقۂ بیعت میں حاضر نہیں ہوا۔ اور سقیفہ میں جو اصحاب جمع ہو گئے تھے انھوں نے بھی تم لوگوں کی مخالفت ہی کی (کہ حضرت ابوبکر کی خلافت سے انکار کرتے رہے) پھر تم لوگ اجماع کا نام کس منہ سے لیتے ہو؟ (کتاب سر العالمین مصنف امام غزالی مطبوعہ بمبئی ص۹)۔ امام غزالی صاحب نے جو تفصیل

(بقیہ حاشیہ ص۲۰۰)

پیستے رہے اور ان کا غیظ و غضب برابر قائم رہا۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر کو آخر وقت میں ظاہر کر دینا پڑا۔ اور یہ ایسا واضح امر تھا کہ صحابہ نے حضرت ابوبکر کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اپنے سکوت سے ان کی تصدیق کر دی کہ بیشک ہم لوگوں کی طرف دنیا متوجہ ہو گئی تھی جس پر قبضہ کر لینے میں آپ کامیاب ہو گئے اور ہم سب محروم رہے اس وجہ سے ہم لوگ آپ پر غضب ناک ہیں۔ اس غیظ و غضب میں تقریباً ہر مسلمان شریک تھا لیکن اس کا سب سے زیادہ اثر انصار و شرفاء مہاجرین میں پایا گیا۔ مورخین نے لکھا ہے۔

خلا جماعة من بني هاشم والزبير وعتبة ابن ابي لهب وخالد بن سعيد بن العاص والمقداد بن عمرو وسلمان الفارسي وابي ذر وعمار بن ياسر والبراء بن عازب وابي بن كعب وصالوا مع علي بن ابي طالبؑ وقال في ذلك عتبة بن ابي لهب ؎

ما كنت احسب ان الامر منصرف ... عن هاشم ثم منهم عن ابي حسن
عن اول الناس ايمانا وسابقة ... واعلم الناس بالقرآن والسنن
واخر الناس عهدا بالنبيؐ ومن ... جبريلؑ عون لهٗ في الغسل والكفن
من فيه ما فيهم لا يمترون به ... وليس في القوم ما فيه من الحسن

وکذالک تخلف عن بیعت ابی بکر ابوسفیان من بنی امیّة یعنی بنی ہاشم کی ایک جماعت نیز جناب زبیر و عتبہ بن ابی لہب و خالد بن سعید۔ مقداد بن عمرو۔ سلمان فارسی۔ ابوذر۔ عمار یاسر۔ براء بن عازب۔ ابی بن کعب وغیرہم نے حضرت ابوبکر کی بیعت سے انکار کیا اور حضرت علیؑ ہی کی طرف رہے۔ اس کے متعلق عتبہ ابن ابی لہب نے کچھ اشعار بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۹)

بیان کی اُس کو حضرت رسولِ خدا صلعم نے ایک ہی جملہ میں کمال فصاحت و معرفت سے پہلے ہی بطور پیشین گوئی فرما دیا تھا کہ حضرت علی سے آخر وقت میں وصیت کی "چوں بہ بینی کہ مردم دنیا اختیار کنند باید کہ تو آخرت را اختیار کنی" اے علیؑ جب دیکھنا کہ یہ لوگ دنیا اختیار کرتے ہیں تو چاہئے کہ تم آخرت ہی اختیار کئے رہو۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۵۱) ۔ اس سے زیادہ حضرت کے اقوال کنز العمال مشکوٰۃ صحیح بخاری فتح الباری وغیرہ میں بھرے ہیں۔ ۱۲

Marfat.com

نظم کر ڈالے۔ جن کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ حضرت رسولؐ کی خلافت حضرتؐ کے خاندان بنی ہاشم سے نکال لی جائیگی اور خاص کر حضرت ابو الحسن (علیؑ) کے قبضہ سے جو سب سے پہلے ایمان لائے اور اس فضیلت میں سب پر سبقت لے گئے جو قرآن مجید اور احادیث رسولؐ کے سب سے زیادہ عالم و ماہر ہیں۔ جو حضرت رسولِ خداؐ کی خدمت میں سب کے آخر تک رہے۔ اور جن کی مدد (رسولؐ خدا کے) غسل دینے اور کفن پہنانے میں جناب جبرئیلؑ (ایسے مقرب فرشتہ) نے کی۔ وہ حضرت علیؑ کہ دوسروں میں جس قدر فضائل ہیں وہ سب حضرت میں بھی موجود ہیں لیکن حضرت میں جو شرف و بزرگی و افضلیت ہے وہ تمام مسلمانوں سے کسی میں بھی نہیں ہے۔

مذکورۂ بالا لوگوں کی طرح ابوسفیان نے بھی جو خاندان بنی امیہ کا سردار تھا حضرت ابوبکر کی خلافت سے انکار کر دیا۔ (تاریخ ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۰۶) انکار کے ساتھ ہی تعجب بھی کیا کہ ابوبکر کو خلافت سے کیا واسطہ؟ قال ابوسفیان لعلی ما بال هذا الامر فی اقل حی من القریش واللہ لئن شئت لاملانها علیہ خیلا ورجالا۔ ابوسفیان نے حضرت علیؑ سے کہا اس خلافت کی کیا گت بن گئی؟ کہ قریش کے سب سے حقیر خاندان میں پہنچی۔ اے علیؑ اگر تم چاہو تو خدا کی قسم میں اس مدینہ کو تمھاری حمایت میں سواروں اور پیدلوں سے بھر دوں۔ (طبری جلد ۳ صفحہ ۲۰۲) لمّا اجتمع النّاس علیٰ بیعۃ ابی بکر اقبل ابوسفیان وهو یقول واللہ انّی لاری عجاجۃ لایطفئها الادم۔ یا آل عبد مناف فی ما ابوبکر من امورکم... وقال ابا حسن ابسط یدک حتّٰی ابایعک جب حضرت ابوبکر کی بیعت واقع ہوئی تو ابوسفیان نے آگے بڑھ کر کہا خدا کی قسم میں فتنہ و فساد کا وہ غبار دیکھ رہا ہوں جس کو خوں ریزی کے سوائے اور کوئی چیز زائل نہیں کر سکتی۔ اے عبد مناف تمھارے امور میں ابوبکر کو کیا دخل؟ اور کہا اے ابوالحسن تم ہاتھ بڑھاؤ میں تمھاری بیعت کر لوں۔ (طبری جلد ۳ صفحہ ۲۰۳)۔ اور ابن عساکر نے روایت کی ہے جب حضرت ابوبکر کی بیعت ہو گئی تو انھوں نے سب لوگوں میں اس کی وجہ سے ناراضی اور مخالفت دیکھی تب ان لوگوں سے کہا کس سبب سے تم لوگ مجھے خلیفہ نہیں مانتے؟ کیا میں ایسا اور کیا ویسا نہیں ہوں (تاریخ الخلفا صفحہ ۴۸)۔ اس میں اس سے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ۱۲

Marfat.com

تیسری فصل

دختر رسولؐ سے حضرت عمر کا برتاؤ

دنیا جانتی ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ حضرت رسولخداؐ کی نہایت محبوب اور عزیز بیٹی تھیں اور حضرت آپ کو اس درجہ مانتے تھے کہ فرما دیا تھا فاطمہؑ بضعۃ منّی من اذاھا فقد اذانی ومن اغضبھا فقد اغضبنی فاطمہؑ میرا ہی ٹکڑا ہے جس شخص نے ان کو ستایا اُس نے مجھے ستایا اور جو ان کو غضبناک کریگا وہ مجھے بھی غضبناک کریگا۔ (صحیح بخاری جلد ۳ ص ۳۹ وغیرہ) اور حضرت رسولخداؐ سے حضرت عمر کے جو تعلقات تھے وہ بھی محتاج بیان نہیں لیکن حضرت عمر نے حضرت فاطمہؑ کے ساتھ جو برتاؤ کیا غالباً ویسا برتاؤ حضرت آدمؑ سے اس وقت تک کسی مذہبی پیشوا یا دینی سردار کی اولاد سے اُس کے ماننے والوں نے نہیں کیا ہو۔ اور کسی ملک کسی مذہب۔ کسی قوم۔ کسی زمانہ کی تاریخ اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتی۔ اسی وجہ سے آپ حضرت رسول خدا صلعم کو یاد کرکے یہ نوحہ پڑھا کرتیں ؎

ماذا علی من شم تربۃ احمدؐ ان لا یشم مدی الزمان غوالیا
صبّت علیّ مصائب لو انّھا صبّت علی الایام صرن لیالیا

جو شخص روضۂ رسولؐ کی مٹی سونگھ کر پھر زندگی بھر کوئی خوشبو نہ سونگھے تو کوئی مضائقہ نہیں مجھ پر حضرتؐ کے بعد اتنی مصیبتیں پڑیں جو دنوں پر پڑتیں تو وہ رات ہو جاتے۔ (نور الابصار ص ۴۶ و مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۲۱۴ وغیرہ) شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے لکھا ہے "جناب فاطمہؑ نے ابوبکر وغیرہ سے بات چیت کرنی چھوڑ دی۔ مرتے وقت وصیت کی کہ مجھے رات کے وقت دفن کرنا اور یہ لوگ میرے جنازے پر نہ آنے پائیں"۔ (امہات الامہ ص ۹۹) حضرت عمر سے جناب سیدہؑ کو کیا اذیتیں پہنچیں ان کی تفصیل کی جائے تو سو صفحے بھی کافی نہیں ہوں گے۔ اس وجہ سے اختصار کے لئے ہم اپنے معزز دوست جناب مسٹر شیخ ذاکر حسین صاحب دہلوی مرحوم مصنف کتاب تاریخ اسلام وغیرہ کا وہ قابل قدر رسالہ جو اس کے متعلق لکھا تھا اور جو رسالہ اصلاح میں کئی مرتبہ شائع ہو چکا ہے اس کتاب میں بھی بعینہا نقل کر دیتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ مرحوم نے باوجود اختصار کے اکثر ضروری عبارتیں جمع کر دی ہیں

Marfat.com

نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ انہا علیہم مؤصدۃ فی عمد ممددۃ

النار الموقدہ

تالیف لطیف

عالی جناب فضائل مآب ماسٹر شیخ ذاکر حسین صاحب دام عزہ
مالک دفتر اتالیق انگریزی دہلی

اس رسالہ شریفہ میں بہت سی عربی۔ فارسی۔ انگریزی تواریخ سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ خلیفۂ اول کی بیعت لینے کے لئے بیت الشرف جناب سیدہ صلوات اللہ و سلامہ علیہا کے جلانے کو خلیفۂ دوم آگ لکڑی لے گئے اور جلانے کا قصد کیا

بغرض اظہار حق و نفع مومنین
دوسری مرتبہ شائع کیا گیا

در مطبع اصلاح کجھوا ضلع ارن طبع گردید

Marfat.com

النار المؤقدۃ

لِمَنْ اَحْرَقَ بَیْتَ السَّیِّدَۃ ع

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین محمد وآلہ الطاہرین ولعنۃ علی اعدائھم اجمعین اما بعد چونکہ یہ امر انکار واقعاتِ صحیحہ کا ہے کہ ہر گذشتہ واقعہ سے جو مضر مطلب خیال کیا جاتا ہے انکار کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ واقعہ کربلا سے بھی انکار رہے۔

لہذا یہ رسالہ صرف اس بحث میں لکھا جاتا ہے کہ خلیفہ دوم نے خانہ جناب سیدہ صلوات اللہ وسلامہ علیہا کے جلانے کا قصد کیا یا جلایا۔ جس سے امید ہے کہ اہل اسلام سمجھیں اہلبیت رسولؐ پر بعد وفات رسول اللہؐ کیا کیا مصائب گذرے اور ہم کو کہاں تک اُن حضرات سے ہمدردی کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ہر فرد بشر پر اپنے محسن اور محسن زادوں کی محبت ومودت فرض ہے۔

اور ان کے دشمنوں سے مخالفت ومعاندت لازم ہے وان اریدالا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

اتیں ذاکر حسین جعفر عفی عنہ

قصد احراق خانہ جناب سیدہؑ

علامہ حلی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب کشف الحق میں طبری۔ واقدی اور ابن عبدہ وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ بسبب ترک بیعت جناب ابوبکر کے جناب عمر نے خانہ جناب

Marfat.com

سیدہ صلوات اللہ علیہا کو پھونک دینے کا قصد کیا جس میں اُس وقت جناب امیر المومنینؑ اور جناب سیدہؑ اور اُن کے دونوں بیٹے اور ایک جماعت بنی ہاشم کی تھی۔ اور ابن خزابہ کی کتاب غرر سے لکھا ہے قال زید بن اسلم کنت ممن حمل الحطب مع عمر الی باب فاطمہؑ حین امتنع علیؑ واصحابہ عن البیعۃ ان یبایعوا فقال عمر لفاطمہؑ اخرجی من البیت والا احرقتہ ومن فیہ قال وفی البیت علیؑ وفاطمہؑ والحسنؑ والحسینؑ وجماعۃ من اصحاب النبیؐ۔ فقالت فاطمہؑ تحرق ولدی قال ای واللہ اولیخرجن ولیبایعن (یعنی نقل کیا ہے ابن خزابہ نے اپنی کتاب غرر میں کہ کہا زید بن اسلم نے کہ تھا میں اُن لوگوں میں جو دروازہ فاطمہؑ پر عمر کے ساتھ لکڑیاں لے گئے جبکہ علیؑ اور اُن کے اصحاب نے بیعت سے انکار کیا تھا۔ پس کہا جناب عمر نے جناب فاطمہؑ سے نکل آؤ گھر میں سے ورنہ پھونک دونگا اس کو اور اُن کو جو اس میں ہیں۔ اور تھے گھر میں علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنؑ اور حسینؑ اور ایک جماعت اصحاب نبیؐ کی۔ پس کہا جناب فاطمہؑ نے تو میرے بچوں کو پھونک دیگا؟ کہا جناب عمر نے خدا کی قسم ضرور پھونک دونگا۔ ورنہ وہ نکل آئیں اور بیعت کریں۔) علامہ حلی کی اس تحریر کے جواب میں فضل بن روزبہان اپنی کتاب ابطال الباطل[1] میں لکھتے ہیں من اسمج ما افتراہ الروافض هذا الخبر وهو احراق عمر بیت فاطمہؑ وما ذکر ان الطبری ذکره فی التاریخ فالطبری من الروافض مشهور بالتشیع حتی ان علماء بغداد هجروه لغلوه فی الرفض والتعصب وهجروا کتبه وروایاته واجادة وکل من نقل هذا الخبر فلا یشک انه رافضی متعصب یرید ابداء القدح والطعن علی الاصحاب وما رأینا احدا روی هذا الا الروافض ینسبونه الی الطبری ولحن ما رأینا هذا فی تاریخه۔ (یعنی جو کچھ روافض نے افترا باندھا اس میں سے زبوں تر اور قبیح تر یہ خبر ہے عمر کی خانہ فاطمہؑ میں آگ لگانے کی اور (علامہ حلی نے) جو یہ لکھا ہے کہ طبری نے اپنی کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے پس طبری رافضیوں میں

[1] جس کو شہید ثالث علامہ شوستری علیہ الرحمہ کی کتاب احقاق الحق نے باطل کر دیا ہے۔ ۱۱ منہ

Marfat.com

سے ہے تشیع کے ساتھ مشہور رہے۔ یہاں تک کہ علماء بغداد نے ترک کیا اُسے اُس کے غلو سے رفض اور تعصب کی وجہ سے اور اُس کی کتابوں اور روایتوں اور اخبار کو ترک کر دیا۔ اور جس کسی نے اس خبر کو نقل کیا پس بے شک وہ رافضی ہے متعصب اصحاب پر طعن اور قدح کرنی چاہتا ہے۔ اور ہم نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اُس نے روایت کی ہو سوائے رافضیوں کے جو اس واقعہ کو طبری کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور ہم نے اسے طبری کی تاریخ میں لکھا ہوا نہیں دیکھا) ابن روزبہان کی بیباکی اور خیرگی ملاحظہ کے قابل ہے۔ دیدہ ودانستہ ناحق کوشی اور باطل فروشی اور اپنے علماء کی تضلیل پر کمر باندھی ہے۔ غایت عناد و تعصب اور عجز و حیرانی و پریشانی سے سوا اس کے چارہ نہ دیکھا کہ اصل واقعہ ہی سے صاف انکار کر دیں۔ اور بالخصوص طبری کی روایت میں کلام کر کے اپنی جہالت کو ظاہر کیا ہے۔ دوسری روایتوں کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ اول طبری کو رافضی بنایا پھر کہہ دیا کہ سوائے رافضیوں کے کوئی اس روایت کو طبری سے منسوب نہیں کرتا اور پھر صاف انکار کر دیا کہ تاریخ طبری میں یہ مضمون ہے ہی نہیں تعجب یہ ہے کہ صرف طبری ہی کے رافضی بنانے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ عام حکم دے دیا کہ جو کوئی اس خبر کو روایت کرے وہ رافضی ہے۔ اور اس حکم باطل سے اُس نے اپنے علماء اعلام کو جنھوں نے اس خبر کو روایت کیا ہے رافضی یعنی بدتر از یہود و نصاریٰ قرار دیا ہے۔ اور مقدوح مجروح اور بے اعتماد کر دیا ہے۔ حالانکہ اگر ان علماء کی توثیق کتب اہلسنت سے درج کی جائے تو ایک خاصی ضخیم کتاب تیار ہوتی۔ مثلاً ان ہی ابو جعفر طبری کو لیجئے جن پر ابن روزبہان نے ایسی بے دردی سے حملہ کیا ہے۔ قاضی ابن خلکان اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں "ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری صاحب تفسیر الکبیر والتاریخ الشہیر فنون کثیرہ میں امام تھا ان میں سے تفسیر و حدیث و فقہ و تاریخ وغیرہ ہیں اور فنون عدیدہ میں اس کی تصانیف ملیحہ ہیں جو اس کی وسعت علم اور غزارت فضل ظاہر کرتی ہیں۔ ائمہ مجتہدین میں سے تھا کسی کا مقلد نہ تھا وہ نقل میں ثقہ تھا اور تاریخ اس کی تمام تاریخوں سے صحیح تر اور ثابت تر ہے"۔

صاحب مدینۃ العلوم و کشف الظنون نے بھی ایسا ہی کچھ لکھا ہے۔ اور تاج الدین سبکی نے

Marfat.com

طبقات فقہاے شافعیہ میں لکھا ہے کہ "ابو جعفر محمد بن جریر طبری امام الجلیل مجتہد المطلق علم اور دین کی رو سے ایک امام ہے دنیا کا"۔ صاحب کشف الظنون نے اور مولوی عبد العزیز دہلوی نے اپنے تحفہ کے کید پنجاہ و دوم میں طبری کی تاریخ کو اصح التواریخ لکھا ہے۔
غرض طبری کا تستن و عظمت و جلالت و اعتماد و اعتبار نزدیک اہلسنت کے کالشمس فی رابعۃ النہار ہویدا و آشکار ہے۔ اور کتب دین و ایمان اہلسنت اُس کے اقوال و روایات کی نقل سے بھری پڑی ہیں۔ کوئی عالم اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ ابن روزبہان نے ایسے جلیل القدر امام کو رافضی یعنی بدتر از یہود و نصاریٰ بنایا اور اس کے ساتھ ہی اُن تمام علماء کو لے لیا جو اس روایت کو نقل کریں۔ اب ذرا اُن بڑے بڑے علماء اہلسنت کی روایتیں جو اس واقعہ کی نسبت انھوں نے درج کی ہیں اور نیز مورخین فرنگ کی تحریروں کو بہ نظر غور ملاحظہ کیجئے اور ابن روزبہان کی حق پوشی اور دلیری کی داد دیجئے۔
(۱) امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری (المتوفی سنہ ۳۱۰ھ) کی تاریخ الامم والملوک مطبوعہ مصر جلد سوم صفحہ ۱۹۰۔

حدثنا ابن حمید قال حدثنا جریر عن مغیرہ عن زیاد بن کلیب قال اتی عمر بن الخطاب منزل علیؓ وفیہ طلحہ والزبیر ورجال من المہاجرین فقال واللہ لاحرقن علیکم او لتخرجن الی البیعۃ فخرج علیہ الزبیر مصلتا بالسیف فعثر فسقط السیف من یدہ فوثبوا علیہ فاخذوہ

ابن حمید کہتا ہے کہ عمر بن الخطاب علیؓ کے مکان پر آئے اور اس میں طلحہ اور زبیر اور کچھ مہاجرین بیٹھے تھے پس کہا عمر نے واللہ میں ضرور جلا دونگا تم پر اس مکان کو ورنہ باہر نکل آؤ اور بیعت کرو۔ پس زبیر تلوار کھینچے ہوئے باہر آئے مگر ٹھوکر کھا کر گر پڑے پس تلوار اُن کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور لوگوں نے دوڑ کر زبیر کو پکڑ لیا۔

لہ البتہ ایک موقع پر جبکہ غریب طبری نے اپنی کتاب اختلاف الفقہائیں امام احمد بن حنبل کو فقیہوں میں شمار کرنے سے انکار کیا تھا تو حنبلیوں نے جلکر شورش مچائی تھی اور لوگوں کو ان سے برگشتہ کرنے کی غرض سے خواہ مخواہ اکو رافضی مشہور کر دیا تھا ورنہ طبری کو تو تشیع سے ایسی نفرت تھی کہ مورخین لکھتے ہیں کہ جب بغداد سے اپنے وطن طبرستان کو واپس گئے
(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۸)

Marfat.com

(۲) امام شہاب الدین احمد المعروف بابن عبد ربہ اندلسی (المتوفی ۳۲۸ھ) کی عقد الفرید مطبوعہ مصر جلد ۲ ص ۱۷۹۔

الذین تخلفوا عن بیعۃ ابی بکر علیؑ والعباس والزبیر وسعد بن عبادہؓ فاما علیؑ والعباس والزبیر فقعدا فی بیت فاطمہؑ حتی بعث الیہم ابوبکر عمر بن الخطاب لیخرجہم من بیت فاطمہؑ وقال لہ ان ابوا فقاتلہم۔ فاقبل بقبس من نار علی ان یضرم علیہم الدار فلقیتہ فاطمہؑ فقالت یا بن الخطاب اجئت لتحرق دارنا قال نعم او تدخلوا فیما دخلت فیہ الامۃ فخرج علی حتی دخل علی ابی بکر فبایعہ

جن لوگوں نے ابوبکر کی بیعت سے تخلف کیا وہ علی۔ عباس۔ زبیر۔ سعد بن عبادہ تھے پس علیؑ اور عباس اور زبیر جناب فاطمہؑ کے گھر میں آن بیٹھے۔ یہاں تک کہ ابوبکر نے عمر بن الخطاب کو اُن کی طرف بھیجا کہ اُن کو فاطمہؑ کے گھر سے نکال دے۔ اور حکم دیدیا کہ اگر وہ انکار کریں تو اُن سے قتال کرنا۔ پس آئے عمر آگ کی چنگاری لئے ہوئے کہ اُن لوگوں پر مکان کو جلا دیں۔ پس ملاقات کی فاطمہؑ نے (پس در سے) عمر سے اور فرمایا اے ابن الخطاب آیا تو اِس لئے آیا ہے کہ ہمارے گھر کو پھونک دے؟ عمر نے کہا ہاں اِسی لئے آیا ہوں ورنہ جس طرح امت کے اور لوگوں نے بیعت کی تم لوگ بھی بیعت کر لو۔ پس جناب علی باہر نکلے یہاں تک کہ ابوبکر کے پاس آکر بیعت کر لی۔

(۳) ملک المؤید عماد الدین اسماعیل ابوالفدا (المتوفی ۷۳۲ھ) کی تاریخ المختصر فی اخبار البشر مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۵۶۔

وبادروا الی سقیفۃ بنی ساعدہ فبایع عمر ابا بکر رضی اللہ عنہما وانثال الناس علیہ یبایعونہ فی العشر الاوسط من ربیع الاول سنۃ

اور سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف دوڑے گئے پس بیعت کر لی عمر نے ابوبکر سے۔ اور لوگوں نے ہجوم کیا اور بیعت کرنے لگے۔ یہ بیعت ربیع الاول ۱۱ھ کے عشرۂ اوسط میں

(بقیہ حاشیہ ص ۲۰۹)

اور وہاں دیکھا تشیع پھیل گیا ہے تو مارے نفرت کے اپنے وطن کو ترک کر کے واپس چلے آئے ۱۲ منہ

احدی عشرة خلا جماعة من بنی هاشم والزبیر وعتبة بن ابی لهب وخالد بن سعید بن العاص والمقداد بن عمرو وسلمان الفارسی وابی ذر وعمار بن یاسر والبراء بن عازب وابی بن کعب وما لوا مع علی بن ابی طالب وقال فی ذالك عتبة بن ابی لهب سه ما کنت احسب ان الامر منصرف عن هاشم ثم منهم عن ابی حسن - عن اول الناس ایمانا وسابقة - واعلم الناس بالقرآن والسنن - واخر الناس عهدا بالنبیؐ - ومن جبرئیل عون له فی الغسل والکفن - من فیه ما فیهم لا یمترون به - ولیس فی القوم ما فیه من الحسن + وکذالك تخلف عن بیعة ابی بکر ابو سفیان من بنی امیة ثم ان ابا بکر بعث عمر بن الخطاب الی علیؑ ومن معه لیخرجهم من بیت فاطمہؓ رضی اللہ عنہا و قال ان ابوا علیك فقاتل فاقبل عمر بشیٔ من نار علی ان یضرم الدار فلقیته فاطمہ رضی اللہ عنہا و قالت الی این یا ابن الخطاب اجئت لتحرق دارنا - قال نعم او تدخلوا فیما

ہوئی - سوائے ایک جماعت بنی ہاشم اور زبیر اور عتبہ بن ابی لہب اور خالد بن سعید بن العاص اور مقداد بن عمرو اور سلمان فارسی اور ابوذر اور عمار یاسر اور براء بن عازب اور ابی بن کعب کے (جنھوں نے بیعت نہیں کی) اور رغبت رکھتے تھے طرف علی بن ابی طالبؑ کے۔ اور کہا اس بارہ میں عتبہ بن ابولہب نے "میں نہ جانتا تھا کہ خلافت اور حکم اولادِ ہاشم سے جاتا رہیگا خصوصًا ابوالحسنؑ سے جو سب سے پہلے ایمان لایا ہے اور سب سے پہلے مسلمان ہوا ہے اور قرآن وسنن کو خوب جانتا ہے اور جس نے آخر وقت رسول خدا صلعم کو غسل دیا اور حضرت جبرئیلؑ نے اُس کی مدد غسل وکفن کے دینے میں کی اور وہ ایسا ہے کہ بلاشک اُس میں وہ تمام خوبیاں ہیں جو اوروں میں ہیں۔ اور جو خوبیاں اس میں ہیں وہ اوروں میں نہیں ہیں اوس کو تو خلافت نہ ملیگی۔ بلکہ ایک اور شخص کو مل جائیگی یہ بات میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھی۔ (صاحب حبیب السیر نے ان اشعار کو حضرت عباس کی طرف منسوب کیا ہے اور اس طرح ترجمہ کیا ہے سه ندانم خلافت چرا منصرف شد از ہاشم وانگاہ از بوالحسنؑ

دخل فیہ الامۃ فخرج علی حتی الیٰ ابا بکر فبایعہ۔ کذا نقلہ القاضی جمال الدّین بن واصل و روی الزھری عن عائشہ قالت لم یبایع علی ابا بکر حتّی ماتت فاطمہ وذالک بعد ستۃ اشھر لموت ابیھا صلی اللہ علیہ وسلّم

نہ اوا ولین مقبل قبلہ بود + نہ او بود اعلم بفرض وسنن + نہ اقرب بعہد نبی بود دو بود۔ معین جبرئیلش بغسل وکفن + نہ او مجمع حسن اوصاف گشتہ + نہ قدر علی وزخلق حسن آور اسی طرح تخلف کیا ابوبکر کی بیعت سے ابوسفیان نے بنی امیہ میں سے۔ اس کے بعد ابوبکر نے عمر کو علیؑ کے پاس بھیجا اور

اُن لوگوں کے پاس جو علیؑ کے ساتھ تھے کہ اُن کو فاطمہؑ کے گھر سے نکال دے۔ اور حکم دیا کہ اگر تجھ سے انکار کریں تو اُن سے قتال کیجیو۔ پس آئے عمر کسی قدر آگ لئے ہوئے کہ گھر کو پھونک دیں۔ پس ملیں عمر سے جناب فاطمہؑ اور فرمایا اے ابن الخطاب کدھر کو آئے۔ آیا ہمارا گھر پھونکنے آئے ہو۔ کہا عمر نے ہاں اسی لئے آیا ہوں۔ ورنہ جس امر میں امت داخل ہوئی ہے تم لوگ بھی داخل ہو جاؤ۔ یعنی ابوبکر کی بیعت کرلو۔ پس نکل آئے علیؑ یہاں تک کہ ابوبکر کے پاس آکر بیعت کر لی۔ نقل کیا ہے اسی طرح قاضی جمال الدین ابن واصل نے اور زہریؒ نے عائشہؓ سے یہ روایت کی ہے کہ جب تک جناب فاطمہؑ کا انتقال نہیں ہوگیا علیؑ نے بیعت ابوبکر کی نہیں کی۔ اور فاطمہؑ کا انتقال رسول اللہ صلعم کی وفات کے ۶ مہینے بعد ہوا ہے۔

(۴) علامہ ابوالولید محمد بن شحنہ (المتوفی سنہ ۸۱۵ھ) کی روضۃ المناظر بر حاشیہ جلد یازدہم تاریخ کامل مطبوعہ مصر صـ ۱۱۳۔

اس کتاب میں بھی احراق خانۂ جناب سیدہؑ سے متعلق بالکل یہی روایت جو ابوالفدا نے لکھی ہے کسی قدر اختصار کے ساتھ درج ہے۔ بالکل یہی مطلب ہے۔ باندیشہ طول ہم نے یہاں نقل نہیں کیا۔

(۵) امام ابو محمد عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ (المتوفی سنہ ۲۷۰ھ) کی کتاب الامامۃ والسیاسۃ[1] مطبوعہ مصر جلد اول صـ ۲۔

[1] چونکہ ابن قتیبہ نے اس موقع پر دیگر مورخین کی نسبت حق پوشی کم کی ہے اور بہت سی ایسی باتیں

(بقیہ حاشیہ صـ ۲۱۱)

انّ ابا بکر رضی اللّٰہ عنہ تفقدّ قومًا تخلّفوا عن بیعتہ عند علی کرم اللّٰہ وجہہ فبعث الیہم عمر فجاء فناداہم وہم فی دار علیؑ فابوا ان یخرجوا۔ فدعا بالحطب وقال والّذی نفس عمر بیدہ لتخرجنّ اولاحرقنّہا علی من فیہا فقیل لہ یا ابا حفص انّ فیہا فاطمۃ فقال وان فخرجوا فبایعوا الّا علیّا فانہ رہم انہ قال حلفت ان لا اخرج ولا اضع ثوبی علی عاتقی حتی اجمع القرآن فوقفت فاطمۃؓ رضی اللّٰہ عنہا علی بابہا فقالت لا عہد لی بقوم حضری واسوء محضری منکم۔ ترکتم رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلّم جنازۃ بین ایدینا وقطعتم امرکم بینکم لم تستامرونا ولم تردوا لنا حقّنا فالتی عمر ابا بکر فقال لہ الا تاخذ ہذا المتخلف عنک بالبیعۃ فقال ابو بکر لقنفذ وہو مولی لہ اذہب فادع لی علیّا قال فذہب الی علیّ فتنفذ فقال لہ ما حاجتک۔ فقال یدعوک خلیفۃ رسول اللّٰہ۔ فقال علی لسرعۃ ما کذبتم

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُن لوگوں کی خبر دریافت کی جو ان کی بیعت سے تخلف کرکے حضرت علیؑ کے پاس جمع ہوئے تھے۔ اور اُن کے پاس عمر بن الخطاب کو بھیجا جبکہ وہ حضرت علیؑ کے گھر میں تھے۔ عمر آئے اور اُن کو آواز دی۔ اونھوں نے باہر آنے سے انکار کیا تو عمر نے لکڑیاں منگائیں اور کہا قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے نکل آؤ ورنہ میں اس میں آگ لگا دوں گا اور مع اُن لوگوں کے جو اس میں ہیں پھونک دوں گا۔ پس کسی نے کہا اے ابو حفص (عمر) اس گھر میں تو فاطمہؑ ہیں۔ پس کہا عمر نے ہوا کریں۔ تب وہ لوگ نکل آئے اور بیعت کرلی لیکن علیؑ نہ نکلے۔ عمر نے خیال کیا کہ علیؑ نے قسم کھالی ہے کہ جب تک قرآن جمع نہ کرلونگا اور نہ (سوائے وقت نماز کے) ردا دوش پر ڈالونگا (اس لئے باہر نہ آئے) تب جناب فاطمہؑ دروازہ کے پاس کھڑی ہوئیں اور کہا تم سے زیادہ بدتر قوم سے پالا نہیں پڑا۔ تم نے جنازہ رسول اللہ صلعم کا ہمارے ہاتھوں میں چھوڑ دیا اور اپنے کام کی کتر بیونت میں لگ گئے ہم سے مشورہ نہیں لیا اور ہم کو ہمارا حق نہیں دیا۔

لکھا ہیں جن سے اہل حق کو واقف ہونا ضرور ہے۔ اس سبب سے ہم نے بھی اس روایت کو تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے ۱۲

Marfat.com

علی رسول اللہ ص فرحم فابلغ الرسالۃ
قال فبکی ابوبکر طویلا فقال عمر الثانیہ
ان لا تمھل ھذا المتخلف عنک بالبیعۃ
فقال ابوبکر لقنفذ عد الیہ فقل لہ امیر
المومنین یدعوک لتبایع فجاءہ قنفذ فادی
ما امر بہ فرفع علی صوتہ فقال سبحان اللہ
لقد ادعی ما لیس لہ فرجع قنفذ فابلغ الرسالۃ
فبکی ابوبکر طویلا ثم قام عمر فمشی معہ جماعۃ
حتی اتوا باب فاطمۃ فدقوا الباب فلما سمعت
اصواتھم نادت یا علی صوتھا یا ابت یا
رسول اللہ ص ماذا لقینا بعدک من ابن
الخطاب وابن ابی قحافۃ فلما سمع القوم
صوتھا وبکائھا انصرفوا باکین وکادت قلوبھم
تنصدع واکبادھم تنفطر وبقی عمر و
معہ قوم فاخرجوا علیا فمضوا بہ الی ابی بکر
فقالوا لہ بایع فقال ان انا لم افعل فمہ قالوا
اذا واللہ الذی لا الہ الا ھو نضرب عنقک
قال اذا تقتلون عبد اللہ واخا رسول اللہ
قال عمر اما عبد اللہ فنعم واما اخو رسول اللہ
فلا۔ وابوبکر ساکت لا یتکلم فقال لہ عمر
الا تامر فیہ بامرک فقال لا اکرھہ علی شیء
ما کانت فاطمۃ الی جنبہ فلحق علی بقبر رسول
اللہ ص یصیح ویبکی وینادی یا ابن ام

پس آئے عمر ابوبکر کے پاس اور کہا ابوبکر سے کیا آپ
اس شخص (علی) سے جو آپ سے پھرا ہوا ہے بیعت
نہ لیں گے۔ پس کہا ابوبکر نے اپنے غلام قنفذ سے
جا علی کو میرے پاس بلا لا۔ پس قنفذ علی کے پاس
گیا۔ حضرت علیؑ نے کہا کیا مطلب ہے۔ قنفذ
نے کہا آپ کو خلیفۂ رسول اللہ بلاتے ہیں۔
علیؑ نے کہا کس قدر جلدی تم لوگوں نے رسول
اللہ پر جھوٹ باندھا ہے۔ قنفذ نے واپس
آکر علیؑ کا پیغام ابوبکر سے کہا: اس پر ابوبکر
دیر تک روئے۔ پھر عمر نے دوبارہ کہا کہ تم اس
متخلف سے بیعت لینے میں ڈھیل نہ کرو۔ تب
ابوبکر نے قنفذ سے کہا پھر علیؑ کے پاس جا اور
ان سے کہہ کہ امیر المومنین آپ کو بلاتے ہیں۔ آکر
بیعت کرو۔ قنفذ علیؑ کے پاس آیا اور خلیفہ کا
پیغام بیان کیا۔ پس علیؑ نے بآواز بلند یعنی
غصہ ہو کر فرمایا سبحان اللہ کیا اچھا دعویٰ
ہے جس کا مطلق اُسے حق حاصل نہیں ہے۔
قنفذ واپس آیا اور علیؑ کا پیغام پہنچایا۔ سنکر ابوبکر
بہت روئے۔ پھر عمر اوٹھے اور ان کے ساتھ
ایک جماعت بھی چلی یہاں تک کہ دروازۂ
جناب فاطمہؑ پر پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا
جب جناب فاطمہ نے ان لوگوں کی آوازیں سنیں
تو بہت زور سے چلانی اور واویلا کرنے لگیں
رو رو کر فرماتی تھیں کہ اے بابا اے رسول اللہ (اپنی بیٹی کی خبر لیجیے) ہم آپ کے بعد ابن خطاب (عمر)

ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی[1] فقال عمر لابی بکر انطلق بنا الی فاطمۃ فانا قد اغضبناها فانطلقا جمیعا فاستاذنا علی فاطمۃ فلم تاذن لهما فاتیا علیا فکلماه فادخلهما علیها فلما قعدا عندها حولت وجهها الی الحائط فسلما علیها فلم ترد علیهما السلام فتکلم ابوبکر فقال یا حبیبۃ رسول اللہ واللہ اغضبناکِ فی میراثکِ من ابیکِ وفی زوجکِ۔ فقالت مالک یرثکِ اهلکِ ولا نرث محمدا فقال واللہ ان قرابۃ رسول اللہ احب الی من قرابتی وانکِ لاحب الی من عائشۃ ابنتی ولوددت یوم مات ابوکِ ان اللہ ابقی بینه فدفنا فی وا عزنکِ وا عرف فضلکِ وشرفکِ وا منعکِ حقکِ وصیرا ثکِ من رسول اللہ الا انی سمعت اباکِ رسول اللہ یقول لا نورث ما ترکنا صدقۃ

اور ابن قحافہ (ابوبکر) کے ہاتھوں یہ کیا مصیبتیں اوٹھا رہے ہیں۔ جس وقت ان لوگوں نے حضرت فاطمہ کی فریاد وزاری سُنی روتے ہوئے اُلٹے پھر گئے درحالیکہ دل ان کے درد کرتے تھے اور جگر شق ہوئے جاتے تھے مگر عمر اور ان کے ساتھ کچھ اور آدمی ٹھہرے رہے پس انھوں نے علیؑ کو بلایا اور پکڑ کر ابوبکر کے پاس لے گئے اور کہا کہ بیعت کرو۔ علیؑ نے کہا کہ اگر بیعت نہ کروں تو کیا ہوگا۔ جواب دیا قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے کہ اس صورت میں ہم لوگ تمھاری گردن ماریں گے۔ آپ نے فرمایا تو ایک بندۂ خدا اور رسول اللہ کے بھائی کا خون کروگے۔ عمر نے کہا کہ بندۂ خدا تو خیر مگر رسول اللہ کا بھائی غلط اور ابوبکر چپکے بیٹھے ہوئے سُنا کئے کچھ نہ بولے۔ تب عمر نے اُن سے کہا اس کے بارہ میں حکم نہیں دیتے۔ پس ابوبکر نے کہا کہ جب تک فاطمہ ان کے پہلو میں ہیں ان پر کسی معاملہ

---

[1] یہ وہ الفاظ ہیں جن سے حضرت ہارون نے اپنے بھائی جناب موسیٰؑ سے بنی اسرائیل کی شکایت کی ہے جب کہ بنی اسرائیل جناب موسیٰ کے چلے جانے کے بعد گوسالہ پرستی اختیار کرلی تھی اور جناب موسیٰؑ نے واپس آکر جناب ہارون کو سرزنش کی کہ تم نے ان کو کیوں نہ روکا۔ (دیکھو پارہ ۹ سورۂ اعراف رکوع ۱۸) یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جناب امیرؑ نے ابن ام فرمایا ہے یا ابن عم نہیں فرمایا تاکہ حضرت ہارون سے پوری پوری مشابہت رہے۔ اور کیسا صحیح فرمایا ہے کیونکہ رسول اللہ نے جناب امیرؑ کی شان میں اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ تو فرمایا ہی تھا ساتھ ہی تھا یہ بھی تھا کہ چونکہ علیؑ بقضیٰ کی والدۂ ماجدہ فاطمہ بنت اسد نے جناب رسول اللہ صلعم کو بیٹوں کی طرح پالا تھا بلکہ اپنی اولاد سے زیادہ عزیز چاہتی تھیں۔ آنحضرت صلعم اون کو ہمیشہ ماں ہی کہکر پکارتے تھے پس ہے کلام الامام امام الکلام۔ کیا خوب آیۂ قرآنی کو اپنے حال پر چسپاں کیا ۱۲

Marfat.com

صدقت فقالت ارایتکما ان حدثتکما حدیثا
عن رسول اللہ ﷺ تعرفانہ وتفعلان بہ قال نعم
فقالت نشدتکما اللہ الم تسمعا رسول اللہ ﷺ
یقول رضاء فاطمۃ من رضائی وسخط فاطمۃ
من سخطی فمن احب فاطمۃ ابنتی فقد احبنی ومن ارضا
فقد ارضانی ومن اسخط فاطمۃ فقد اسخطنی
قالا نعم سمعناہ من رسول اللہ ﷺ قالت فانی
اشھد اللہ وملائکتہ انکما اسخطتمانی وما
ارضیتمانی ولئن لقیت النبی لاشکونکما اللہ فقال
ابوبکر انا عائذ باللہ تعالیٰ من سخطہ وسخطک
یا فاطمۃ ثم انتحب ابوبکر یبکی حتی کادت نفسہ
ان تزھق وھی تقول واللہ لادعون اللہ علیک
فی کل صلوٰۃ اصلیھا ثم خرج باکیا فاجتمع علیہ
الناس فقال لھم مثیت کل رجل منکم معانقا
خلیلتہ مسرورا باھلہ وتترکونی وما انا فیہ
لا حاجۃ لی فی بیعتکم اقیلونی بیعتی قالوا یا خلیفۃ
رسول اللہ ﷺ ان ھذا الامر لا یستقیم وانت اعلمنا
بذالک ان کان ھذا لم یقم للہ دین فقال
واللہ لولا ذالک ومما اخاف من رخاوۃ ھذہ
العروۃ ما بت لیلۃ ولی فی عنق مسلم بیعۃ بعد
ما سمعت ورأیت من فاطمۃ قال فلم یبایع
علی کرم اللہ وجھہ حتی ماتت فاطمۃ رضی اللہ عنہا
ولم تمکث بعد ابیھا الا خمسا وسبعین لیلۃ

میں جبر نہیں کر سکتا۔ پس علیؑ قبر رسول اللہ پر تشریف
لائے اور نالہ و فریاد کرنے لگے۔ رو رو کر کہتے
تھے اے بھائی (اے رسول اللہ میری خبر لیجیے)
اس قوم نے مجھے مجبور و ناچار بے بس و تنہا کر دیا ہے
اور میرے قتل پر آمادہ ہو گئی۔ پس کہا عمر نے ابوبکر
سے آؤ فاطمہؑ کے پاس چلیں کیونکہ بہ تحقیق ہم نے
اُن کو غضبناک کیا ہے۔ پس وہ دونوں ساتھ
ساتھ فاطمہؑ کے گھر پر آئے اور اندر آنے کی
اجازت مانگی جناب فاطمہؑ نے ان دونوں کو
اجازت نہ دی پس علیؑ کے پاس آئے اور اُن
سے دونوں نے باتیں کیں۔ علیؑ اُن دونوں کو
جناب فاطمہؑ کے پاس لائے جب وہ ان کے پاس
آکر کھڑے ہوئے تو جناب فاطمہؑ نے اپنا منہ
دیوار کی طرف پھیر لیا۔ اُنھوں نے سلام کیا
جناب فاطمہؑ نے سلام کا جواب نہ دیا پس ابوبکر
نے کہا اے حبیبۂ رسول اللہ ہم نے تمھارے باپ
رسول اللہ صلعم کی میراث اور تمھارے شوہر
کے بارہ میں تم کو غضبناک کیا ہے پس جناب
فاطمہ نے فرمایا یہ کیا بات ہے کہ تیرے اہل تو
تیری میراث پائیں اور ہم محمدؐ کی میراث سے محروم
رہیں! ابوبکر بولے واللہ قرابت رسول اللہ کی
میرے نزدیک میری قرابت سے زیادہ محبوب ہے
اور تم مجھے میری بیٹی عائشہ سے زیادہ محبوب ہو۔
اور جس دن آپ کے پدر بزرگوار کا انتقال ہوا ہے میں چاہتا تھا کہ میں مر جاتا اور آنحضرتؐ کے بعد زندہ نہ

رہتا۔ کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ میں آپ کا حق اور آپ کا وارث روکتا ہوں جو رسول اللہ کی طرف سے آپ کو پہنچتا ہے۔ حالانکہ میں آپ سے اور آپ کے فضل و شرف سے واقف ہوں مگر بات یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ سے سنا ہے وہ حضرت فرماتے تھے کہ ہمارا وارث نہیں ہوتا جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔ جناب فاطمہؑ نے فرمایا میں بھی تم سے رسول اللہ کی ایک حدیث بیان کروں اُسے پہچانو گے اور اُس پر عمل کرو گے؟ ابوبکر اور عمر بولے ضرور۔ فرمائیے۔ پس فرمایا جناب فاطمہؑ نے میں تم کو قسم دے کر پوچھتی ہوں کیا تم دونوں نے رسول اللہ صلعم کو کہتے نہیں سنا کہ رضا فاطمہؑ کی میری رضا ہے اور غضبہ فاطمہؑ کا میرا غضبہ ہے۔ پس جس نے میری بیٹی فاطمہؑ سے محبت کی اُس نے مجھ سے محبت کی۔ جس نے اُسے راضی کیا اُس نے مجھے راضی کیا۔ اور جس نے فاطمہؑ کو غضبناک کیا اُس نے مجھے غضبناک کیا۔ ابوبکر اور عمر دونوں نے کہا ہم نے ایسا سنا ہے۔ تب فاطمہؑ نے فرمایا میں خدا اور ملائکہ کو گواہ کرتی ہوں کہ تم نے مجھے ضرور غضبناک کیا اور مجھے تم دونوں نے راضی نہیں کیا۔ اور جب میں نبی صلعم سے ملاقات کرونگی تو ضرور تم دونوں کی شکایت اون حضرتؐ سے کرونگی۔ تب ابوبکر نے کہا میں پناہ مانگتا ہوں خدا سے اے فاطمہؑ کہ آنحضرتؐ اور تم غضبناک ہو۔ یہ کہکر ابوبکر رونے لگے یہاں تک کہ اُن کا دم گھٹنے لگا لیکن جناب فاطمہؑ یہی کہتی گئیں واللہ جو نماز میں پڑھونگی اُس میں تیرے لئے بد دعا کرتی رہونگی۔ پس ابوبکر روتے ہوئے نکلے اور لوگ اُن کے پاس جمع ہوئے۔ پس ابوبکر نے اُن سے کہا کہ تم سب لوگ اپنے اہل و عیال میں مسرور اپنی زوجہ کے ساتھ معانقہ میں رات گذارتے ہو اور مجھکو اس مصیبت اور آفت میں چھوڑ دیا ہے۔ مجھے تمھارے بیعت کی حاجت نہیں ہے۔ میری بیعت توڑ دو۔ وہ بولے اے خلیفہ رسول یہ امر استقامت پذیر نہ ہوگا اور آپ اس بات کو ہم سے بہتر جانتے ہیں کہ اگر یہ نہ ہوگا تو دین خدا قائم نہ رہیگا۔ پس ابوبکر نے کہا کہ واللہ اگر یہ بات نہ ہوتی اور اس گرفت کے ڈھیلا پڑ جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ایک رات بھی کسی مسلمان کی گردن میں اپنی بیعت نہ رکھتا بعد اس کے جو میں نے فاطمہؑ سے سنا ہے اور جو کچھ اُن کا حال دیکھا ہے۔ راوی کہتا ہے پس جناب علیؑ نے ہرگز بیعت نہیں کی جب تک کہ جناب فاطمہؑ زہرا کا انتقال نہ ہوگیا۔ اور وہ صرف ۷۵ دن اپنے پدر بزرگوار کے بعد زندہ رہیں۔

(۶) علامہ مسعودی مروج الذہب صفحہ ۱۵۹ برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۹ مطبوعہ مصر میں لکھتے ہیں۔

وحدث النوفلی فی کتابہ الاخبار عن ابن	یعنی نوفلی حماد بن سلمہ سے روایت کرتا ہے کہ عروہ

Marfat.com

عائشۃ عن ابیہ عن حماد بن سلمۃ قال کان عروۃ بن الزبیر یعذر اخاہ اذا جری ذکر بنی ھاشم وحصرہ ایاھم فی الشعب وجمعہ الحطب لتحریقھم ویقول انما اراد بذالک ارھابھم لیدخلوا فی طاعتہ کما ارھب بنو ھاشم وجمع بھم الحطب لاحراقھم اذھم ابوا البیعۃ فیما سلف۔

بن الزبیر اپنے بھائی عبداللہ بن زبیر کی اس حرکت سے کہ اُس نے حضرت محمد بن حنفیہ کے جلانے کا قصد کیا تھا اور لکڑیاں جمع کی تھیں۔ بھی معذرت کرتا تھا کہ غرض اس سے اُن لوگوں کا ڈرانا تھا کہ داخل طاعت ہوں جیسا کہ اس سے پہلے جب بنو ہاشم نے بیعت سے انکار کیا تھا تو جلانے والی لکڑیاں اُن کے جلانے کو جمع کی گئی تھیں

(۷) امام ابوالفتح محمد بن عبدالکریم شہرستانی (المتوفی ۵۴۸ھ) کی کتاب الملل والنحل مطبوعہ بمبئی جلد ۱ ص ۲۵

قال النظام ان عمر ضرب بطن فاطمۃ علیھا السلام یوم البیعۃ حتی القت المحسن من بطنھا وکان یصیح احرقوھا بمن فیھا وما کان فی الدار غیر علی وفاطمۃ والحسن والحسین۔

نظام کہتا ہے کہ عمر نے لات ماری فاطمہ علیہا السلام کے شکم پر بیعت کے دن یہاں تک کہ محسن اُن کے شکم مبارک سے نکل پڑے۔ اور عمر غل مچاتے تھے کہ جلا دو گھر کو مع اُن لوگوں کے جو اس میں ہیں۔ حالانکہ گھر میں سوائے علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کے کوئی نہ تھا۔

(۸) مولوی ولی اللہ صاحب کی ازالۃ الخفاء مطبوعہ مطبع صدیقی دہلی اور اسی کتاب کا اردو ترجمہ مطبوعہ لاہور مقصد دوم مآثر ابوبکر ص ۲۳۶

انھیں ایام میں ایک اور مشکل فوق جمیع مشکلات یہ پیش آئی کہ حضرت زبیر اور ایک جماعت بنی ہاشم حضرت فاطمہؑ کے مکان پر جمع ہوئے اور نقض خلافت کے متعلق مشورے کئے شیخین نے حسن تدبیر سے جس طرح ممکن ہوا اس مشکل کو بھی اوٹھایا (یعنی رفع کیا) اسی طرح جو ملال حضرت علی مرتضیٰ کے مزاج مبارک پر لاحق ہوا تھا اُس کا بھی حضرت صدیق نے نہایت حسن ملاطفت سے جبر نقصان فرمایا۔ اس قصہ کے تمام راویوں کا حال یہ ہے کہ کچھ یاد رکھا ہے اور کچھ ترک کیا ہے۔ اس جگہ چند روایتیں لکھتا ہوں کہ اصل منقح ہو جائے۔

عن زید بن اسلم عن ابیہ انہ حین بویع لابی بکر بعد رسول اللہ ص کان علی والزبیر یدخلان علی فاطمۃ بنت رسول اللہ ص فیشاورونھا ویرتجعون فی امرھم فلما بلغ ذالک عمر بن الخطاب خرج حتی دخل علی فاطمۃ فقال یا بنت رسول اللہ ص

زید بن اسلم سے روایت ہے کہ بعد وفات آنحضرتؐ جب حضرت صدیق کی بیعت کی گئی تو حضرت علی مرتضیٰ اور زبیر رضی اللہ عنہما حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر آتے اور اپنے امور میں مشورہ کرتے حضرت فاروق کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو حضرت فاطمہؑ

Marfat.com

ما من الخلق احب الی من ابیك وما من احد احب الینا بعد ابیك منك وایم الله ما ذاك بمانعی ان اجتمع هؤلاء النفر عندك ان امر بهم ان یحرق علیهم البیت قال فلما خرج عمر جاءوها فقالت تعلمون ان عمر قد جاءنی وقد حلف بالله لان عدتم لیحرقن علیکم البیت وایم الله لیمضین لما حلف علیه فانصرفوا راشدین فروا راءیکم وساتی جبوا الی فانصرفوا عنها فلم یجبوا الیها حتی بایعوا لابی بکر اخرجه ابن ابی شیبه۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان پر آئے اور فرمایا اے دختر رسول تم سے اللہ کی قسم کوئی شخص آپ کے والد سے مجھے محبوب تر نہیں ہے اور پھر آنحضرت کے بعد آپ سے زیادہ مجھے کوئی محبوب تر نہیں مگر قسم ہے اللہ کی یہ امر مجھے اس امر سے مانع نہیں آسکتا کہ اگر پھر یہ لوگ اس طرح جمع ہوں تو میں گھر میں آگ لگا دوں جب حضرت فاروق واپس آئے اور وہ لوگ حضرت فاطمہؓ کے مکان پر گئے تو آپ نے کہا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہے۔ ابھی میرے پاس عمر آئے تھے وہ قسم کھا کر گئے ہیں کہ اگر پھر یہ لوگ جمع ہوں تو وہ گھر کو آگ لگا دیں گے بسو قسم ہے اللہ کی وہ اس کام کو کر گذریں گے جس کی انہوں نے قسم کھائی ہے سو بہتر ہے کہ آپ لوگ واپس ہوں اور اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہیں اور پھر میرے پاس مجتمع نہ ہوں چنانچہ وہ لوگ واپس ہوئے اور آپ کے مکان پر اس طرح مجتمع نہ ہوئے یہاں تک کہ انہوں نے حضرت صدیق سے بیعت کر لی۔ ابن ابی شیبہ اس کے راوی ہیں۔ ازالۃ الخفا ص۳

(۹) امام ابن عبدالبر (المتوفی ۴۶۳ھ) کی کتاب استیعاب مطبوعہ حیدرآباد دکن جلد اول ص۳۴۵۔ اس کتاب میں بھی ازالۃ الخفا والی روایت کسی قدر اختلاف لفظی سے درج ہے مگر معنی و مطلب بالکل وہی ہے جو اس ابن ابی شیبہ کی روایت کا ہے۔

(۱۰) مولوی عبدالعزیز دہلوی نے اپنے تحفہ (مطبوعہ نول کشور ص۲۹۳) میں قصد احراق عمر خانہ جناب سیدہؓ کی روایت کو تسلیم کر لیا ہے اور صحیح مان لیا ہے۔ لکھتے ہیں "وگفتن (عمر) اینکہ من خواہم سوخت پس دحشت آنست کہ ایں تکلیف وتہدید کسانے را بود کہ خانہ زہرا را ملجا وپناہ بہر صنا حیا نت دانستہ حکم حرم مکہ معظمہ دادہ در اینجا جمع می شدند وفتنہ وفساد منظور می داشتند۔

(۱۱) مولوی شبلی نعمانی اپنی کتاب الفاروق میں احراق خانہ جناب سیدہؓ کی روایت طبری سے نقل کر کے فرماتے ہیں کہ درایت کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے حضرت عمر کی تندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں ہے۔

Marfat.com

(۱۲) مولوی وحید الدین خاں صاحب سنی المذہب اپنی کتاب حد تحقیق مطبوعہ لکھنؤ کے صفحہ ۱۱ میں لکھتے ہیں جب تک حضرت علیؑ کفن و دفنِ حضرت رسولؐ میں مصروف تھے تو اسی عرصہ میں فرصت پاکر حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنا دیا۔ اور بحکم حضرت علی کو واسطے بیعت کرنے کے طلب کیا اور رسمِ تعزیت و ماتم پرسی ساتھ دخترِ رسولؐ کے کچھ بجا نہیں لائے۔ اور حسب مضمون ایک روایت تاریخ ابوالفدا بادشاہِ شام کے کہ جس پر کچھ احتمال شیعی ہونے کا نہیں ہو سکتا یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمر واسطے جلانے گھر فاطمہؑ کے ہاتھ میں آگ لیکر گئے تھے اور حضرت ابوبکر سے یہ حکم پایا تھا کہ علیؑ بیعت نہ کریں تو علیؑ اور ہمراہیان کو اُن کے گھر سے فاطمہؑ کے نکال دیا جائے تو یہ فعل گویا وہی ہاروت و ماروت کی تعلیم کا کام ہے کہ جس سے زن و شو میں جُدائی کراتے تھے۔

(۱۳) حافظ عبدالرحمٰن امرتسری نے اپنی کتاب المرتضیٰ مطبوعہ امرتسر صفحہ ۴۵ میں عقد الفرید اور ابوالفدا کی روایت کو مستند سمجھ کر درج کیا ہے۔

(۱۴) ڈیون پورٹ کے رسالہ خلافت کا اردو ترجمہ جزو مظاہر حق مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۳ اُس عرصہ میں ابوبکر نے جلدی سے عمر کو فاطمہؑ کے گھر پر جہاں علیؑ اور بعضے اُن کے دوست تھے بایں حکم بھیجا کہ اُن کو طلب کریں تاکہ وہ حاضر ہو کر بیعت خلیفہ کی کریں۔ اور اگر وہ اس امر سے انکار کریں تو اُن سے بزور بیعت لیں۔ بموجب اس حکم کے عمر نے اُس گھر کو جا کے اپنے سرہنگوں سے گھیر لیا اور ابوبکر کے منتخب ہونے کی خبر علیؑ سے کہکر دھمکی کی آواز و انداز سے بیان کیا کہ میری (یعنی عمر کی رائے) اور تحریک سے یہ بات باتفاق رائے شوریٰ میں قرار پائی ہے کہ اگر کوئی شخص خود رئیس (خلیفہ) بن بیٹھے تو وہ شخص مع کل اُن لوگوں کے جنھوں نے اعانت اور حمایت اُس کی کی ہو وہ سزا موت کی پاویں۔ یہ کھلے عمر نے بیان کیا کہ اگر اس حکم کی تعمیل نہ ہوگی تو وہ اس گھر میں آگ لگا کے اوس کو اور جو لوگ اس میں ہیں اُن سب کو جلا کے وہ سزا جاری کریں گے۔ پس فاطمہؑ بطور تشنیع کے کمال غیظ و غضب سے چلائیں کہ اے ابن خطاب تو ایسے ظلم قبیح و وحشیانہ کا مرتکب نہ ہونا۔ عمر نے جواب دیا میں ضرور ضرور کرونگا۔ اگر تم بیعت سے اُس شوریٰ کی انکار کروگے۔ اُس حالت میں علی اور اُن کے رفیقوں کو کوئی چارہ نہ رہا سوائے اس کے کہ اس حکم ناحق کی تعمیل کریں۔

(۱۵) گبن[۱] کی مشہور کتاب ڈکلائن اینڈ فال آف دی رومن امپائر (زوال سلطنت روم) مطبوعہ فریڈرک وارن

[۱] طول کے اندیشہ سے ہم نے انگریز مؤرخین کی انگریزی عبارت نہیں لکھی صرف ترجمہ پر اکتفا کیا ہے جسے شبہ ہو اصل سے مقابلہ کرلے

Marfat.com

اینڈ کمپنی لندن جلد سوم ص۵۱۹۔ "فقط بنی ہاشم نے ابوبکر کی بیعت سے انکار کیا اور اُن کا سردار (علیؓ) ۶ ماہ سے زیادہ تک بالکل بے تعلق اور چپ چاپ گھر میں بیٹھا رہا۔ اُس نے عمر کی دھمکیوں کی کچھ پروا نہ کی جس نے دخترِ رسولؐ کے مکان میں آگ لگا دینے کا قصد کیا تھا۔"

(۱۶) واشنگٹن ایروِنگ کی مشہور کتاب سکسسز آف محمدؐ (محمدؐ کے جانشین) مطبوعہ جارج بل اینڈ سنز لندن ص۔ "عمر نے اپنے ہمراہیوں سے (فاطمہؑ کے) مکان کو گھیر لیا۔ علیؑ سے کہا کہ ابوبکر خلیفہ منتخب ہو گئے ہیں۔ تم بھی بیعت کر لو۔ علیؑ حجت کرنے اور اپنے حقوق جتانے لگے مگر عمر نے کہا اب مرضی عامہ کے خلاف جو کوئی خلافت پر قبضہ کرنے کا قصد کرے گا اُسے سزائے قتل دی جائیگی۔ اور کہا کہ بیعت کرو ورنہ گھر کو اور جو لوگ اس میں ہیں سب کو پھونک دونگا۔ فاطمہؑ نے ملامت کے طور پر چلا کر کہا اے ابن خطاب تو ایسا ظلم تو نہ کیجئو۔ عمر نے جواب دیا کہ اگر تم لوگ اور لوگوں کی طرح بیعت نہ کر لوگے تو واللہ میں ضرور جلا دوں گا۔"

(۱۷) اوکلی کی ہسٹری آف دی سیراسنز (تاریخ اسلام) مطبوعہ جارج بل اینڈ سنز لندن ص۔ "عمر گھر میں آگ لگانے ہی کو تھا کہ فاطمہؑ نے پوچھا تیرا مطلب کیا ہے۔ عمر نے کہا کہ اگر ان لوگوں کی طرح تم لوگ بیعت نہ کر لوگے تو میں گھر کو جلا کر خاک سیاہ کر دوں گا۔"

(۱۸) ابوالفرج ملطی نصرانی (المتوفی ۶۸۴ھ) نے اپنی عربی تاریخ مختصر الدول میں بھی یہ روایت اسی طرح لکھی ہے جس طرح اوکلی کی تاریخ میں ہے۔

ہم نے یہ ۱۸ شواہد واقعہ قصد احراق خانۂ جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا کے متعلق ایسی کتابوں سے پیش کئے ہیں جو چھپ چکی ہیں اور جو ہر شائقِ تحقیق کو بغیر زیادہ دشواری کے دستیاب ہو سکتی ہیں اور اکثر تاریخی دنیا میں مستند اور معتبر مانی جاتی ہیں ورنہ ابن ابی شیبہ[۱۹] ابوبکر جوہری[۲۰]۔ صاحب کتاب السقیفہ اور ابن ابی الحدید[۲۱] صاحب شرح نہج البلاغہ اور ابراہیم بن عبداللہ یمنی شافعی[۲۲] صاحب کتاب الاکتفاء اور جلال الدین سیوطی[۲۳] صاحب جمع الجوامع اور ملا علی متقی[۲۴] کنز العمال اور ابن حجر[۲۵] صاحب غرر وغیرہ نے بھی حضرت عمر کے اس قصدِ احراق کی روایت کو اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے[۱]۔

[۱] مگر تعجب ہے علامہ ابن خلدون پر کہ وہ اپنی مشہور آفاق تاریخ میں اس واقعہ سے بالکل چشم پوشی کر گئے ہیں۔ امام حسنؑ اور مالک اشتر کو معاویہ کے زہر دلوانے والے واقعات میں تو کچھ حیلے حوالے بھی بتلائے تھے لیکن نامعقول

(بقیہ حاشیہ ص۲۲۰)

Marfat.com

اِن ۱۹ شواہد میں سے نمبر ۱ سے نمبر ۱۰ تک شواہد اہلسنت کے ایسے جلیل القدر عالموں سے نقل کئے گئے ہیں کہ جن کا نام سنتے ہی اہلسنت اُن کی جلالتِ قدر و عظمت کی وجہ سے سر جھکا لیتے ہیں۔ ایک بڑی ہی کی توثیق تحریر کی جاوے اور اس کی مدح و ثنا جو علمائے اہلسنت نے کی ہے لکھی جائے تو پچاس یا ساٹھ یا اس سے زیادہ صفحوں کی ایک کتاب تیار ہوتی ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے ہم نے اس مضمون کے شروع میں لکھا بھی ہے۔ پس اپنے ایسے جید علماء کی مستند اور معتبر کتابوں کے اتنے شواہد کے بعد اہلسنت کو اس واقعہ سے انکار کرنے کی مطلق گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ایسی مستند اور معتبر شہادتوں سے انکار کیا جائے تو دنیا کا کوئی واقعہ بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ ان تاریخی روایتوں کے ساتھ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی اس حدیث کو بھی شامل کر لیجئے (۱) عن عائشہ۔ ان فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ ارسل الی ابی بکر الصدیق تسالہ میراثها من رسول اللہ ﷺ مما افاء اللہ علیہ بالمدینۃ وفدک وما بقی من خمس خیبر فقال ابوبکر ان رسول اللہ ﷺ قال لا نورث ما ترکنا صدقۃ انما یاکل آل محمد ﷺ فی ھذا المال وانی واللہ لا اغیر شیئا من صدقۃ رسول اللہ ﷺ عن حالها التی کانت علیها فی عہد رسول اللہ ﷺ ولا عملن فیها بما عمل رسول اللہ ﷺ فابی ابوبکر ان یدفع الی فاطمہ شیئا فوجدت فاطمہ علی ابی بکر فی ذالک فھجرتہ فلم تکلمہ حتی توفیت وعاشت بعد رسول اللہ ﷺ ستۃ اشہر فلما توفیت دفنها زوجها علی بن ابی طالب لیلا۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت رسول اللہ نے جناب ابوبکر کے پاس کہلا بھیجا اور رسول اللہ صلعم کی ملک میں سے جو مدینہ اور فدک اور ما بقایا ے خمس خیبر میں تھی اپنی میراث طلب کی پس کہا ابوبکر نے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ ہمارا ورثہ نہیں ہوا کرتا جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں صدقہ ہے سوا اس کے نہیں ہے کہ آل محمد اس مال میں کھائیں ہے۔ اور قسم خدا کی میں رسول اللہ کے صدقہ کو اسی حالت میں رکھوں گا جس حالت میں وہ حضرت کے عہد میں تھا۔ اس میں کسی طرح کا تغیر نہ کروں گا اور اُسے اُسی طرح کام میں لاؤں گا جس طرح

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۹)
طور پر ہاتھ پاؤں بھی مارے تھے۔ یہاں جب کوئی بات نہ بنا سکے تو روایت ہی کو اڑا دیا حالانکہ تاریخ طبری کو ایک مستند اور معتبر تاریخ سمجھتے ہیں بہت کچھ حصوں تاریخ طبری سے اپنی تاریخ میں بھرا ہے۔ جیسا کہ خود ہی اپنی تاریخ کی جلد دوم کے آخر میں اقرار کیا ہے۔ علامہ کو مناسب تھا کہ اس روایت کو جو شیخین کے ایمان کے حق میں سم قاتل کا اثر رکھتی ہے ضرور لکھتے اور معقول دلائل سے رد کر کے شیخین کی پیشانی سے اس بدنما دھبے کو چھڑا دیتے۔ ۱۲ منہ

Marfat.com

ولم یوذن بھا ابابکر وصلی علیھا علیؑ وکان لعلی من الناس وجھۃ حیاۃ فاطمۃ فلما توفیت استنکر علی وجوہ الناس فالتمس مصالحۃ ابی بکر ومبایعتہ ولم یکن بایع تلک الاشھر (دیکھو صحیح بخاری جلد سوم مطبوعہ مصر ص۳۵ وصحیح مسلم جلد ۲ ص۹۱)

رسول اللہ صلعم کیا کرتے تھے پس ابوبکر نے انکار کیا اور فاطمہؑ کو کچھ بھی نہ دیا۔ پس غضبناک ہوئیں فاطمہؑ ابوبکر پر اس بارہ میں۔ اور اُن سے ترک کر دیا (ملنا) اور ہرگز اُن سے کلام نہ کیا یہاں تک کہ انتقال کر گئیں۔ اور زندہ رہیں فاطمہ رسول اللہ کے بعد ۶ ماہ تک۔ پس جب وفات پائی جناب فاطمہؑ نے تو دفن کیا اُن کو اُن کے شوہر علی بن ابی طالبؑ نے رات کے وقت۔ اور نہ اجازت دی اُن کے جنازہ پر ابوبکر کو اور نماز جنازہ پڑھی علیؑ نے۔ اور جب تک جناب فاطمہؑ زندہ رہیں لوگ علیؑ کی رواداری اور لحاظ کرتے رہے[1] جب فاطمہؑ کا انتقال ہو گیا تو علیؑ نے دیکھا کہ لوگوں کے رُخ اُن کی طرف سے بالکل پھر گئے پس فوراً ابوبکر سے مصالحت اور بیعت کی درخواست کی[2] اور نہیں بیعت کی تھی علیؑ نے اُن چھ مہینے تک (جب تک فاطمہؑ زندہ رہیں)۔

پس ان روایتوں اور حدیثوں سے نتائج مندرجہ ذیل صریح اور کھلے طور پر برآمد ہوتے ہیں۔

(۱) جناب امیرؑ خلافت ابوبکر پر راضی نہ تھے اور اس کو باطل سمجھتے تھے مگر خلیفہ ثانی زبردستی بیعت لینی چاہتے تھے اور بروایت ترمذی وازالۃ الخفا ومودۃ القربیٰ وصواعق محرقہ وغیرہ ثابت ہے کہ جناب رسولخدا صلعم نے فرمایا اَلْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ وَعَلِیٌّ مَعَ الْحَقِّ اَللّٰھُمَّ اَدِرِ الْحَقَّ مَعَہٗ حَیْثُمَا دَارَ (حق علیؑ کے ساتھ اور علی حق کے ساتھ ہے خداوندا پھیر تو حق کو علیؑ کے ساتھ جس جس طرف علی پھرے یعنی علیؑ مثل آفتاب ہے اور حق مانند اُس کی شعاع کے جو اُس سے منعکس ہوتی ہے) اور یہ حدیث متفق علیہ ہے کہ من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ الجاھلیۃ (دیکھو شرح عقائد نسفی) یعنی جو شخص مرے اور اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانے وہ کافر مرتا ہے۔ اور جناب امیرؑ نے بروایت مسلم وبخاری ومعتبرین بعد ۶ ماہ کے بہ مجبوری بیعت کی پس اس ۶ ماہ کے زمانہ میں

---

[1] چنانچہ ابن قتیبہ کی روایت میں لکھا جا چکا ہے کہ ابوبکر نے عمر سے کہا کہ فاطمہؑ جب تک ان کے پہلو میں ہیں میں ان کو کسی امر میں مجبور نہیں کر سکتا۔ ۱۲ منہ [2] کیونکہ خوب جانتے تھے کہ فاطمہؑ کا انتقال ہو چکا ہے اب ابوبکر رعایت کرنے اور چھوڑنے والے نہیں ہیں۔ ادھر عمر اُن کا وعدہ یاد دلا کر کریلا اور نیم چڑھا کا مضمون صادق کر دیں گے نہیں معلوم کیا کر گذریں گے جو ہر صورت میں تباہی اسلام کا باعث ہوگا۔ ۱۲ منہ

Marfat.com

حضرت نے کس کو امام سمجھا حالانکہ ایک شب بھی بغیر معرفت امام کے رہنا حرام ہے۔ اگر خلافت حضرت ابوبکر کی حق ہوتی تو حضرت امیرالمومنین سب سے پہلے بیعت کرتے۔

(۲) بڑے بڑے اصحاب جلیل القدر مثل ابوذر و سلمان و مقداد و عمار یاسر کے جناب علیؑ کے ساتھ تخلف بیعت میں شریک تھے جن کی نسبت رسول اللہ نے فرمایا ہے (روی سلیمان وعبداللہ ابنا بریدہ عن ابیھما قال قال رسول اللہؐ) ان اللہ عزوجل امرنی بحب اربعۃ من اصحابی واخبرنی انہ یحبھم فقیل یارسول اللہؐ من ھم قال علی والمقداد وسلمان وابوذر (استیعاب مطبوعہ حیدرآباد جلد اول ص۲۹) یعنی بریدہ کے بیٹے سلیمان اور عبداللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ نے کہ خدائے عزوجل نے میرے اصحاب میں سے چار سے محبت رکھنے کا حکم دیا ہے اور مجھے خبر دی ہے کہ وہ (خدا) بھی اُن سے محبت رکھتا ہے۔ پس لوگوں نے پوچھا کہ یا رسولؐ اللہ وہ چار کون سے اصحاب ہیں۔ فرمایا وہ علیؑ ہیں اور مقداد ہیں اور سلمان ہیں اور ابوذر ہیں اِنَّ الْجَنَّۃَ تَشْتَاقُ اِلٰی ثَلَاثَۃٍ علیؑ وعمار وسلمان۔ (صحیح ترمذی مع ترجمہ مطبوعہ نولکشور جلد دوم ص۲۱۰) بتحقیق جنت مشتاق ہے تین شخصوں کی علیؑ کی عمار کی اور سلمان کی۔

ما اظلمت الخضراء ولا اقلت الغبراء ذی لھجۃ اصدق ولا اوفی من ابی ذر شبہ عیسی بن مریم فقال عمر بن الخطاب کالمحاسد یارسول اللہؐ فتعرف ذالک لہ قال نعم فاعرفوہ (صحیح ترمذی جلد دوم ص۲۹۳) یعنی فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ نہیں سایہ ڈالا آسمان نے اور نہیں بچھایا زمین نے کوئی ذی لہجہ زیادہ سچا اور زیادہ وفا کرنے والا ابوذرؓ سے مانند عیسیٰ بن مریمؑ کے پس عمر بن الخطاب نے حسد سے کہا یا رسولؐ اللہ کیا آپ اس کی ایسی تعریف کرتے ہیں۔ جواب دیا آپ نے ہاں تم بھی اس کی تعریف کرو۔ قال النبیؐ لو کان الدین عند الثریا لنالہ سلمان (استیعاب جلد دوم ص۵۷۲) یعنی فرمایا نبی صلعم نے کہ اگر دین ثریا کے قریب بھی ہوتا تو سلمان اُس تک جا پہنچتا یا اُسے حاصل کر لیتا۔ قال رسول اللہؐ ان عمار املیٔ ایمانا الی مشاشتہ اور نیز بملیٔ عمار ایمانا الی اخمص قدمیہ اور من ابغض عمارا ابغضہ اللہ (استیعاب جلد دوم ص۴۳۵) یعنی فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ بتحقیق عمار کا دل ایمان سے پُر ہے۔ عمار سر سے پاؤں تک ایمان میں ڈوبا ہوا ہے۔ جو عمار سے دشمنی کرے خدا اُس سے دشمنی کرے۔ ملاحظہ کیجئے جو چوٹی کے اصحاب تھے وہ علیؑ ہی کے ساتھ تھے

(۳) جناب عمر نے قسم کھائی ہے اس سبب سے ضرور اُس گھر کو مع اہلبیت کے جلا دیتے اگر حضرت علیؑ باہر نہ نکل آتے۔ دوسرے یہ کہ بروایت کتاب العقد جناب ابوبکر نے جب کہا کہ اگر علیؑ و عباس بیعت نہ کریں تو قتال کرنا۔ یہ حکم سُن کر عمر آگ اور لکڑی لیکر آئے تھے جس سے صریح قصد پھونک دینے کا ثابت ہے۔

(۴) حضرات شیخین نے جناب فاطمہؑ پر سختیاں کیں اور ان کے شدائد سے جناب فاطمہؑ کو سخت ایذا پہونچی اور حضرت فاطمہؑ تا دمِ وفات ان سے ناراض رہیں بلکہ بروایت نظام معتزلی ضرب جناب عمر ہی سے سقطِ محسن وقوع میں آیا۔ اور وہی جناب سیدہ کے بیمار پڑ جانے اور وفات کا باعث ہوا۔

(۵) رسولؐ کی بیٹی شیخین سے ایسی ناراض گئی کہ جنازہ پر ان کی حاضری کی اجازت نہ دی۔ رات کے وقت چپکے سے دفن کر دی گئی۔ اور ایسی بیکسی اور بے بسی کی حالت تھی کہ اپنے چاہتے باپ کے پہلو میں دفن ہونے کی

(۶) قرابتدارانِ رسولؐ کے ساتھ ایسی کارروائی کرنے والوں نے آیۂ مودت فی قرآن کو پس پشت ڈال دیا اور حسبنا کتاب اللہ پر بھی قائم نہ رہے۔

اب ذرا ہماری خاطر سے بخاری اور مسلم کی یہ دو حدیثیں اور بھی پڑھ لیجئے انّ فاطمۃ بضعۃ منّی فمن اغضبہا اغضبنی (صحیح بخاری مطبوعۂ مصر جلد دوم صـ۱۸۵) فاطمہؑ میرا ایک ٹکڑا ہے جس نے اُس کو غضبناک کیا اُس نے مجھکو غضبناک کیا۔ اور ان فاطمۃ بضعۃ منی یوذینی ما اذاھا (صحیح مسلم مطبوعۂ مطبع مجتبائی دہلی جلد ۲ صـ۲۹۰) فاطمہؑ میرا ایک ٹکڑا ہے اُس کی ایذا میری ایذا ہے۔

ان احادیث کے پڑھنے کے بعد جو آخری نتیجہ نکلتا ہے وہ محتاجِ بیان نہیں ہے ایسا صریح ہے کہ ہر معمولی عقل کا آدمی سمجھ سکتا ہے۔

مسلمانو! آنکھیں کھولو تقلید آبائی کے غیر واجب طریقہ کو چھوڑو قالوا حسبنا ما وجدنا علیہ اٰباءنا اولو کان اٰباءھم لا یعلمون شیئاً ولا یھتدون[1] کے مصداق نہ بنو اور اے وہ لوگو جو فخریہ اپنے کو علیؑ و فاطمہؑ کی اولاد بتاتے ہو اور پھر لباس تستّن پہنے ہوئے انہوں کی فضیلت سے انکار کر کے غیر واقعہ تردید دیتے ہو اپنے دادا اور دادی کی مصیبت پر غور کرو اور خیال کرو کہ ابھی رسول اللہ صلعم کا انتقال

---

[1] کہتے ہیں کافی ہے ہم کو جس پر کہ پایا ہے اپنے ابا و اجداد کو کیا اگرچہ اُن کے آبا و اجداد کچھ نہ جانتے تھے اور نہ ہدایت پر تھے۔ (پارہ ۷ سورۂ مائدہ رکوع ۱۴)

Marfat.com

ہوا ہے۔ اُن کی دُکھیاری فاقہ کش مصیبت زدہ بیٹی اپنے باپ کے فراق میں بیٹھی زار و قطار رو رہی ہے۔ اُس کے چھوٹے چھوٹے بچے حسنؑ حسینؑ زینبؑ و ام کلثومؑ جن میں سب سے بڑے کی عمر سات برس سے زیادہ نہیں ہے اور بے انتہا اپنے نانا سے مانوس ہیں۔ نانا کی گود ڈھونڈ رہے ہیں۔ اُن کی محبت و شفقت یاد کر کے جانیں کھو رہے ہیں۔ اُس کا آفت رسیدہ شوہر جو یوم پیدائش سے آخر دم تک اپنے اخ المعظم اپنے مربی و محسن اپنے آقا و سردار رسولِ مختار سے جدا نہیں ہوا۔ اپنے آقا و پیشوا کی مفارقت میں ادھر تو جان سے عاری ہو رہا ہے۔ ڈاڑھیں مار مار کر رو رہا ہے اُدھر اپنی بیوی اور بچوں کی تباہ حالت دیکھ کر غم کھا رہا ہے۔ غرض تمام اہلبیتؑ کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو رہی ہے کہ یکایک وہ ماں جو اپنے کم سن بچوں کو فقر و فاقہ کے عالم میں روتی پیٹتی لئے بیٹھی ہے۔ دیکھتی ہے کہ دوڑ آگئی ہے اور گھر اور گھر والوں کو پھونکنے کی خوفناک آواز سنتی ہے۔ کسی طرح چھپ چھپا نے سے نجات ملتی ہے تو اُس کے شوہر کو زبردستی پکڑ کر حاکم کے پاس لیجاتے ہیں۔ بیچاری کو باپ کا غم تو ہے ہی اب شوہر کی پڑ گئی کہ دیکھئے اگر حاکم نے قتل کا حکم دیدیا تو میں ان معصوم بچوں کو لیکر کہاں جاؤں گی۔ اور حال یہ ہے کہ تمام زمانہ مخالف نظر آرہا ہے تصور کرو۔ کلیجوں پر ہاتھ دھرو۔ اگر خدانخواستہ ہم تم میں سے کسی کو ایسا روزِ بد پیش آئے تو ہمارے دلوں اور کلیجوں کی کیا نوبت ہو۔ بے تعصبی کی عینک لگا کر ان حالات کو دیکھو غور کرو۔ تحقیق کرو راہِ راست اور طریقِ حق کو اختیار کرو۔

اگر اس سے بھی تسکینِ خاطر نہ ہو تو روایت کشف بیت فاطمہؑ کو ملاحظہ کیجئے جو تاریخ طبری[۱] کامل مبرد[۲] کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ[۳] کتاب سقیفہ جوہری[۴] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید[۵] تاریخ ابن عساکر[۶] جمع الجوامع سیوطی[۷] کنز العمال منتخب کنز العمال[۸] کتاب الاصول ابو عبیدہ[۹] فضائل الصحابہ خیثمہ بن سلیمان[۱۰] اطراف البیہقی[۱۱] معجم کبیر طبرانی[۱۲] مختارہ ضیاء مقدسی[۱۳] مرآۃ الزمان سبط ابن جوزی[۱۴] وغیرہ بہت سی کتب المسنت میں موجود ہے

تاریخ طبری میں ہے جلد ۴ ص ۵۲ مطبوعہ مصر یعنی عبدالرحمن بن عوف سے روایت ہے کہ وہ

حدثنا یونس بن عبدالاعلی قال حدثنا	داخل ہوئے ابوبکر پر اُس بیماری میں جس میں
یحیی بن عبداللہ بن بکیر قال حدثنا اللیث	ابوبکر نے وفات کی تو عبدالرحمن نے ان کو بہت
بن سعد قال حدثنا علوان عن صالح بن کیسان	فکرمند پایا۔ عبدالرحمن نے کہا آج تو تم نے صبح کی
عن عمر بن عبدالرحمن بن عوف عن ابیہ انہ دخل	اس حال میں کہ اچھے ہو۔ ابوبکر نے کہا کیا تم
علی ابی بکر الصدیق فی مرضہ الذی توفی فیہ	ایسا خیال کرتے ہو۔ عبدالرحمن نے کہا ہاں

فاصابه مهتما فقال له عبد الرحمن اصبحت
والحمد لله بارئا فقال ابو بكر رضي الله عنه قال
نعم قال اني وليت امركم خيركم في نفسي فكلكم
ورم انفه من ذلك يريد ان يكون الامر له
دونه ورايتم الدنيا قد اقبلت ولما تقبل
وهي مقبلة حتى تتخذوا ستور الحرير والديباج
الديباج وتالموا الاضطجاع على الصوف الاذري
كما يألم احدكم ان ينام على حسك والله
لان يقدم احدكم فيضرب عنقه في غير حد
خير له من ان يخوض في غمرة الدنيا وانتم اول
من مال بالناس غدا فقصد ونهض عن الطريق
يمينا وشمالا يا هادي الطريق انما هو الفجر
والبحر فقلت لا خفض عليك رحمك الله
فان هذا يهيضك في امرك انما الناس
في امرك بين رجلين اما رجل رأى ما رأيت
فهو معك واما رجل خالفك فهو مشير عليك
وصاحبك كما تحب لا نعلمك اردت الا خيرا
اولم تزل صالحا وانك لا تاسى من الدنيا
قال ابو بكر رض اجل اني لا اسى على شئ من
الدنيا الا على ثلاث فعلتهن وددت اني
تركتهن وثلاث تركتهن وددت اني فعلتهن
وثلاث وددت اني سالت عنهن رسول الله ﷺ
فاما الثلاث التي وددت اني تركتهن فوددت
اني لم اكشف بيت فاطمة عن شئ وان كانوا

ابوبکر نے کہا ہم تم سب کے حاکم ہوئے جبکہ ہم اپنی
نفس میں تم سب سے بہتر تھے پس تم سب کی ناک تم
کر آئی (غصہ ہو گئے) چاہتے تھے کہ خلافت تم ہی
کو ملے دوسرے کو نہ ملے۔ اور دنیا کو دیکھا کہ رُخ
کئے ہوئے ہے حالانکہ وہ وقت آنے والا ہے
کہ تم فرش حریر و دیبا پر خواب کرو گے۔ خدا کی
قسم اگر تم لوگوں میں سے کوئی شخص بغیر حد کے قتل
کر دیا جائے تو بہتر ہے اس سے کہ غمزہ دنیا میں
تم غوطہ زن ہو۔ تم لوگ سب سے پہلے گمراہ کرنے
والے ہو لوگوں کو کہ اُن کے دائیں بائیں کی راہ
روکو گے۔ عبد الرحمن نے کہا آہستگی کرو خدا
تم پر رحم کرے کیونکہ تمہارے امر میں دو ہی قسم کے
لوگ ہیں۔ ایک تو وہ جنکی رائے وہی ہے جو تمہاری
رائے ہے تو وہ تمہارا صاحب اور ہم رائے ہے۔
دوسرا وہ جو تمہارے خلاف ہے تو وہ تمہارا
مشیر ہے۔ اور صالح تمہارا (عمر) جیسا کہ تم چاہتے
ہو اور ہم جہاں تک جانتے ہیں تم نے خیر ہی کا
ارادہ کیا ہے۔ اور ہمیشہ تم صالح و مصلح رہے۔ دنیا
کی کسی بات پر تم کو افسوس نہ ہوگا۔
ابوبکر نے کہا ہاں ہم کو تین بات کا افسوس ہے کہ
کاش نہ کئے ہوتے۔ اور تین بات کا افسوس ہے
کہ کاش کئے ہوتے اور تین باتوں کو کاش رسول
سے دریافت کئے ہوتے۔
وہ تین باتیں جن کو ہم نے کیا اور چاہتے ہیں

قد غلقوه على الحرب وددت انی لم اکن
حرقت الفجاءة السلمی وانی کنت قتلته شر قتلة
او خلیته نجیحا وددت انی یوم سقیفة
بنی ساعدة کنت قذفت الامر فی عنق
احد الرجلین یدیه عمر وابا عبیدة فکان
احدهما امیرا وکنت وزیرا واما اللاتی
تو کلمتن فوددت انی یوم اتیت بالاشعث
بن قیس اسیرا کنت ضربت عنقه فانه
یخیل الی انه لا یری شرا الا اعان علیه
ووددت انی حین سیرت خالد بن الولید
الی اهل الردة اقمت بذی القصة فان
ظفر المسلمون ظفروا وان هزموا کنت
بصدد لقاء او مدد ووددت انی کنت
اذ وجهت خالد بن الولید الی الشام
کنت وجهت عمر بن الخطاب الی العراق
فکنت قد بسطت یدی کلیتهما فی
سبیل الله ومدیدیه ووددت انی کنت
سالت رسول الله ﷺ لمن هذا الامر فلا ینازعه
احد ووددت انی کنت سالته هل للانصار
فی هذا الامر نصیب ووددت انی کنت
سالته عن میراث ابنة الاخ والعمة فانه
فی نفسی منهما شیء ص۵۳

کر نہ کئے ہوتے۔ ایک یہ ہے کہ کشف بیت فاطمہؓ
نہ کئے ہوتے (یعنی حضرت فاطمہؓ کا گھر نہ کھولے
ہوتے) اگرچہ وہ لوگ جنگ کرنے کے لئے اُس
کو بند کئے ہوتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ
کاش فجاءۃ سلمی کو ہم نہ جلائے ہوتے بلکہ یا چھوڑ
دیتے یا قتل کر دیتے۔ تیسری بات یہ کہ بروز سقیفہ
ہم اس امر کو ان دونوں عمر و ابو عبیدہ کے کسی
کے گلے میں ڈالے ہوتے کہ کوئی ان میں سے
امیر ہوتا اور ہم اُس کے وزیر ہوتے۔ رہی
وہ تین باتیں جن کو ہم نے نہیں کیا اور چاہتے
ہیں کہ کئے ہوتے۔ ایک یہ کہ اشعث بن قیس کو
جب اس کو گرفتار کر کے لوگ لائے تو ہم اُس کو
قتل کئے ہوتے (مگر بعوض اس کے اپنی بہن
ام فروہ کو اُس کے حوالہ کیا) کیونکہ ہمارے
خیال میں وہ جب کسی امر شر کو دیکھتا ہے تو
اُس کا معین ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جب
خالد بن ولید کو اہل ردہ سے لڑنے کے لئے بھیجا
تو ہم ذی القصہ میں رہتے کہ اگر مسلمانوں کی فتح
ہوئی تو خیر اور اگر ہزیمت پاتے تو ہم اُن کی مدد
کرتے۔ تیسری بات یہ کہ جب خالد کو ہم نے
ملک شام کی طرف بھیجا تو عمر کو عراق کی طرف بھیجتے
کہ خدا کی راہ میں ہم دونوں ہاتھ پھیلا دیتے۔
لیکن وہ باتیں جن کی نسبت ہم چاہتے ہیں کہ رسول اللہ سے پوچھے ہوتے۔ ایک یہ ہے کہ
حضرت سے پوچھتے یہ خلافت کس کا حق ہے۔ دوسری بات یہ کہ حضرتؐ سے پوچھتے کہ انصار کا

Marfat.com

بھی کچھ حق ہے اس میں کہ نہیں تیسری بات یہ ہے کہ میراث برادر زادی اور عمہ کو دریافت کرتے کہ اس میں ہم کو شک ہے۔ کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ ص۳ مطبوعہ مصر میں بھی یہی مضمون ہے۔ ان روایات سے نہ صرف واقعہ قصد احراق خانۂ جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا کی تصدیق ہوئی جس پر سب سے پہلے اظہارِ افسوس کیا ہے بلکہ صحابہ کی دنیا داری بھی بدیہی طور پر نمایاں ہوئی کہ حضرت ابوبکر سے اس وجہ سے ناراض تھے کہ چاہتے تھے کہ خلافت ہم ہی کو ملے دوسرا کوئی نہ پائے۔

پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر کی خلافت حکمِ رسول سے نہ تھی۔ کیونکہ فرماتے ہیں کاش ہم رسول اللہ سے پوچھے ہوتے یہ خلافت کس کا حق ہے۔

ضمیمہ

بعض مورخین اہل فرنگ کی تحریریں جناب امیرؑ اور خلفا کی بابت

(۱) اس پر اُس نے (رسول اللہ صلعم نے) حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ میرے قرابتداروں کو بلا لاؤ جو تعداد میں چالیس کے قریب تھے اُن کی دعوت کرو۔ اور اُن کے آگے ایک بھیڑ اور دودھ کا ایک بڑا برتن رکھدو۔ جب وہ کھا پی چکے تو حضرت اُن کو وعظ کرنے لگے۔ مگر ابولہب خلل انداز ہوا (اور وہ چلے گئے) تو اسی طرح دوسرے دن اُن کی دعوت کی گئی اور جب وہ فارغ ہوئے تو حضرت کے لعل لب اس طرح دُرفشاں ہوئے۔ "میں نہیں جانتا کہ عرب میں کوئی دوسرا شخص اس سے بہتر تحفہ تمھارے سامنے پیش کرے جیسا کہ میں اس وقت تمھارے سامنے پیش کرتا ہوں میں تم کو دنیا اور عاقبت دونوں کی بھلائی اور بہتری پیش کرتا ہوں۔ خدائے تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اُس کی طرف دعوت کروں۔ پس تو اب تم بتاؤ کہ میرا وزیر میرا بھائی اور میرا خلیفہ کون بنتا ہے"۔ جب کوئی نہ بولا تو علیؑ نے کہا کہ "میں بنوں گا۔ میں آپ کے مخالفوں کا دانت توڑ ڈالوں گا۔ آنکھیں نکال ڈالوں گا پیٹ پھاڑ ڈالوں گا۔ اور ٹانگیں توڑ ڈالوں گا۔ اُن کے اوپر میں آپ کا وزیر بنوں گا"۔ تب سرورِ کونین نے حضرت علیؑ کو (جن کی عمر اُس وقت دس گیارہ برس کی تھی) گلے سے لگا لیا۔ اور فرمایا "یہ ہے میرا بھائی۔ میرا وصی۔ میرا خلیفہ۔ اس کی اطاعت اور فرمان برداری کرتے رہو"۔ (دیکھو اوکلی کی تاریخ اسلام ص۱۴-۱۵۔ گلمن کی تاریخ اسلام ص۸۲۔ گبن کی تاریخ روم جلد سوم ص۴۹۹۔

Marfat.com

(۲) اگرچہ سب سے پہلے عمر نے اہلِ حلبسہ کے سامنے ابوبکر کو خلافت کے واسطے تجویز کیا اور سب سے پہلے اُسکو خلیفہ تسلیم کر کے بیعت کی۔ مگر بعد میں وہ اس انتخاب سے کچھ خوش نہیں ہوا۔ جو اس نازک وقت میں ضرور کیا تھا (وہ ضرورت یہ تھی کہ کہیں لوگ علیؑ کو خلیفہ نہ بنالیں کیونکہ اگر علیؑ خلیفہ ہو جائیں گے تو خلافت ہمیشہ کو خاندانِ نبوت ہی میں قائم ہو جائیگی۔) اِس کا ثبوت اُن کی اس بات سے ہوتا ہے کہ وہ خدا سے دعا کرتے تھے کہ اس بیعت فلتہ کی خرابیوں سے خداوند کریم محفوظ رکھے جو کوئی آئندہ ایسا کریگا اُسے قتل کیا جائیگا۔ اور اگر کبھی کوئی کسی دوسرے کی بیعت خلاف رائے عامہ کے کرے گا تو بیعت کرنے والا اور جس کی وہ بیعت کرے گا دونوں مار دیئے جائیں گے (مطلب یہ کہ اب تو ہم نے ابوبکر کو خلیفہ بنالیا۔ اب جو کوئی علیؑ کو خلیفہ بنائے گا کیونکہ بہت سے لوگ علیؑ کو خلیفہ بنانے کی تجویز کر رہے تھے تو علیؑ سے بیعت کرنے والے اور علیؑ دونوں قتل کر دیئے جائیں گے) ایسی ایسی باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بعد میں اس انتخاب کو ناپسند کرنے لگے لیکن جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا تھا اب علاج کیا تھا۔ سوا اس کے کہ رضامندی ظاہر کر کے چپکے ہو رہیں۔ اب جاننا چاہیئے کہ اگرچہ درحقیقت ابوبکر خلیفہ ہو گئے مگر سب لوگ برابر رضامند نہ تھے کیونکہ بہت سے لوگوں کی یہ رائے تھی کہ خلافت کا حق علی بن ابی طالبؑ کا ہے۔ خلافت اُن کو ملنی چاہیئے۔ (اوکلی کی تاریخ اسلام ص ۳۳)

(۳) مسلمانوں کی سب سے بڑی تعداد اس امر کی مدعی ہے کہ سب سے پہلے علیؑ نے اسلام قبول کیا۔ اور ایک روایت کے بموجب درحقیقت وہ بہت ہی سابق الاسلام تھے کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے شکمِ مادر میں دینِ اسلام قبول کیا ہوا تھا۔ کیونکہ جب مکہ حالت حمل میں رہے علیؑ نے اپنی ماں کو بُت کے سامنے نہیں جھکنے دیا۔ اسی واسطے جب مسلمان علیؑ کا نام لیتے ہیں تو کرم اللہ وجہہ (خداوند تعالیٰ نے اُن کے چہرے کو بزرگی اور عظمت بخشی کہ انھوں نے نہ تو خود کبھی بتوں کو سجدہ کیا نہ اپنی والدہ کو کرنے دیا۔ حالانکہ اور کسی سے ایسا نہیں ہوا۔ کوئی صحابی ایسا نہیں ہوا جس نے کبھی بت کو سجدہ نہ کیا ہو۔ اسی واسطے علیؑ اس دعا کے ساتھ مخصوص کئے گئے) مسلمان یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا علیؑ میرے لئے ہے اور میں علیؑ سے ہوں (علیؑ منی وانا منہ) وہ مجھ سے وہی درجہ رکھتا ہے جو ہارون موسیٰؑ کے ساتھ رکھتے تھے (ھو منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰؑ) میں ایک شہر ہوں جس میں تمام علم بند ہے اور علیؑ اوس کا دروازہ ہے (انا مدینۃ العلم وعلیؑ بابھا) اوکلی ص ۳۳۔

(۴) اگر شجاعت خوش طینتی زہد پارسائی عقل و دانائی کے خیال سے دیکھا جائے تو علیؑ ایسا شخص تھا کہ اس قوم میں اُس سے بڑھکر کوئی پیدا نہیں ہوا۔ اوکلی ص ۳۳۵۔

(۵) نسب قرابت رسولؐ اور خوخصلت میں علیؑ اپنے تمام اہل وطن سے بڑھے ہوئے تھے اور اس سبب سے عرب کے خالی تخت پر اُن کو پورا پورا حق حاصل تھا۔ ابو طالبؑ کا بیٹا اپنے ذاتی حق سے بنی ہاشم کا سردار تھا اور خانہ کعبہ اور شہر مکہ کا موروثی شہزادہ (حاکم)۔ شمع نبوت خاموش ہو چکی تھی مگر شوہر فاطمہؑ کو اُس کے باپ کا ترکہ اور ورثہ ملنا چاہئے تھا۔ عرب کچھ عرصہ تک عورت کی حکمرانی کے متحمل رہ چکے تھے اور رسول اللہ نے دونوں کو گود میں لیکر پیار کیا تھا اور منبر پر سے فرمایا تھا کہ یہ میرے بڑھاپے کی امیدیں ہیں اور جوانان بہشت کے سردار ہیں۔ اس سبب سے پہلے مومن کی بابت فرمایا تھا کہ یہ دنیا و عاقبت میں مسلمانوں کا پیشوا ہے۔ اور اگر بعض لوگ (ابوبکر و عمر وغیرہ) زیادہ سنجیدہ اور فطرغلیظ تھے۔ مگر علیؑ کی سرگرمی اور اوصاف حمیدہ تک کوئی مسلمان نہیں پہنچ سکتا تھا۔ وہ شاعر بھی تھا سپاہی بھی تھا اور ولی بھی تھا۔ بہت سے اخلاقی اور مذہبی مقولوں سے اب تک اُس کی دانائی ٹپکتی ہے۔ اور زبان اور تلوار کی لڑائی میں ہر حریف اُس کی فصاحت اور شجاعت کے آگے مغلوب ہو جاتا تھا۔ اول وقت بعثت سے لیکر تجہیز و تکفین کے زمانہ تک اس فیاض دوست نے رسول اللہ کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑا رسول اللہ بھی اس کو نہایت خوشی سے اپنا بھائی اپنا وصی و خلیفہ اور موسیٰؑ ثانی کا ہارونؑ ثانی کہا کرتے تھے۔ ابو طالب کے بیٹے پر بعد میں طعن کی گئی کہ اُس نے باقاعدہ طور پر اپنا حق کیوں طلب نہیں کیا۔ اگر وہ اپنا حق طلب کرتا تو کسی حریف کی کچھ چلتی اور نص آسمانی سے اوس کی خلافت کی توثیق ہو جاتی۔ مگر یہ شک و شبہ نہ کرنے والا بہادر اپنی حقیقت پر بھروسہ رکھتا تھا۔ اور اس خیال سے کہ سلطنت کا رشک و حسد پیدا ہوگا اور غالباً اس خیال سے کہ مخالفت پیدا ہو جائے رسول اللہ اپنے ارادوں سے باز رہے (یعنی علانیہ خلیفہ نہیں بنایا)۔ اس انگریز مورخ کی یہ رائے عدم واقفیت کی وجہ سے ہے۔ ورنہ رسول اللہ صلعم غدیر خم کے موقع پر علانیہ خلیفہ بنا چکے ہیں۔ اور آخر وقت میں خلافت علیؑ کے نام لکھ دینے کے واسطے قلم دوات بھی طلب کیا تھا جو حریفوں نے نہ دیا اور نہ لکھنے دیا) یہ بات بھی ہوئی کہ رسول اللہ کا بستر بیماری مکار و پُرفن عائشہ بنت ابوبکر سے گھرا ہوا تھا جو علیؑ کی دشمن تھی (یعنی اگر رسول اللہ نے علیؑ کو نماز پڑھانے یا

Marfat.com

خلیفہ بنانے کا حکم بھی دیا ہو تو اُس کی تعمیل کیونکر ہو سکتی تھی۔ گھر میں عائشہ یا ہر عائشہ کا رسوخ جو چاہا رسول اللہ کے نام سے لوگوں سے کہدیا وہی ہو گیا۔ علیؓ بیچارے محروم رہ گئے (گبن جلد ۳ ص ۵۱۸)

(۶) ان سب (ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ علیؓ) میں سے علیؓ سب سے زبردست حق رکھتا تھا۔ وہ صرف رسول اللہ کا داماد ہی نہ تھا بلکہ یاد ہو گا کہ سب سے پہلے بعثت کے اعلان کے وقت رسول اللہ کی مدد کو یہی دوڑا تھا اور اس نازک وقت میں خلیفہ کا خطاب پا چکا تھا۔ اور رسول اللہ نے اس کے ساتھ ہی اس کی فرماں برداری کا حکم دیا تھا۔ گلمن ص ۲۲۵۔

(۷) ۶۳۳ء میں فاطمہؓ کا انتقال ہو گیا۔ تب علیؓ بھی دیگر صحابیوں کے ساتھ دربارِ خلافت میں آنے جانے لگے اور اُس شکایت کو بالکل بالائے طاق رکھدیا جو اُن کو انتخاب میں نظر انداز کر دینے کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔ غالباً اُنھوں نے یہ دیکھا ہو گا کہ عام لوگوں کی نسبت اُن کی مخالفت کرنے کے ساتھ ہو جانے ہی کی پالیسی اچھی ہے دل سے نہیں تو ظاہر داری ہی سہی۔ اگرچہ اونھیں اچھی طرح یاد تھا کہ رسول اللہ نے خلیفہ صرف انھیں کو کیا ہے (خلیفہ کے لقب سے کبھی کسی دوسرے کو معزز و ممتاز نہیں فرمایا۔ گلمن ص ۲۶۲)

(۸) خون کے رشتہ کے لحاظ سے حق خلافت علیؓ کا تھا۔ اور اُس کے اوصاف حمیدہ اور خدمات کثیرہ نے نمایاں طور پر اُسے مستحقِ خلافت کر دیا تھا۔ جس زمانہ میں اسلام کا آغاز ہی تھا اور حقیر سمجھا جاتا تھا اور مسلمانوں کو کفار آزار پہنچاتے تھے رسول اللہ نے علیؓ کو اپنا بھائی اور وصی فرمایا تھا۔ اُس وقت سے وہ برابر قول و فعل گفتار و کردار میں جان نثاری کرتے رہے تھے۔ اور اپنی عالی حوصلگی سے ایسے نمایاں طور پر اسلام کا ساتھ دیا تھا جیسے کہ اپنی شجاعت سے ظاہر کیا تھا۔ (ایرونگ خلفاے رسول ص ۱)۔

اب ہم مزید تشفی اہلسنت کے لئے آخر میں اصلی عبارت انگریزی مورخوں کی بھی درج کرتے ہیں کہ پھر کسی کو عذر نہ رہے۔ پہلے تین عبارتیں متعلق احراق خانۂ جناب سیدہؓ میں اور آٹھ عبارتیں متعلق ضمیمہ بغور ملاحظہ فرمائیں۔ والحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم

Marfat.com

1. The Hashemites alone declined the oath of fedelity, and their chief, in his own house, maintained above six months a sallen and independent reserve, without listening to the threats of Omar, who attempted to consume with fire the habitation of the daughter of the apostle. (Gibbon's Decline & Fall Vol. III P. 514)

Omar surrounded the house (of Fatema) with his followers; announced to Ali the election of Abu Bakr and demanded his concurrence. Ali attempted to remonstrance, alleging his own claim but Omar proclaimed the penalty of death decreed all who should attempt usurp the sovereign power in defiance of public zeill; and threatened to enforce it by setting fire to the house and consuming its inmates. "Oh son of Khattab!" cried Fatima reproachfully, "thou will not surely commit such an outrage!" "Ay will I in very truth" replied Omar, "unless ye all make comman cause with the people" (Irving's Successors of Mohamed page 4).

2. Omar was just going to fire the house, when Fatemi asked him what he meant. He told her that he would certainly burn the house down, unless they would be content to do as the rest of the people had done. (Ockley's History of the Saracens Page 85).

3. Upon this she ordered Ali to invite his Kinsmen about forty in number, to an entertainment, and to set before them a lamb and a large vessel of milk. When they had done eating and drinking, he began to preach, but being interrupted by Abu Lahab, he invited them to a like feast the next day, and when it was over, he harangued them in the following words:- "I dont Know any man in Arabia can make you a better present than I now bring you; I offer you the

Marfat.com

good both of this world and of the other life: the great God has commanded me to call you to him. Who then will be my Vizier, my brother, my deputy?" Whe all were silent, Ali said "I will: I will beat out the teeth, put out the eyes, rip up the bellies and break the legs of all that oppose you, I will be your Vizier over them" Then the apostle of God, embracing Ali about the neek, said "This is my brother, my ambassador, my deputy, pay him obedience!" (ockley's History of Saracens, page 14-15, Gilman's Saracens Page 82, Gibbon's Rome vol III. Page 499)

4. Notwithstanding that omar was the first to propose Abu bakr to the assembly and to aaknowledge him as calif, he did not afterwards approve of that choice which necissity had suggested at that critical juncture. This appears from what he said, namely that he prayed to God to avert the evil consequences which it was to be feared would follow upon such an indiscreet choice. That the man who should do such a thing would deserve death and if any one should ever swear fealty to another without the consent of the rest of the musalmans, both he that took the government upon him and he that swore to him, ought to be put to death." These and similar expressions were evident signs of his dislike, but the thing being done & past, there was no remedy, but to sit down and rest contended. Now though the government was actually settled upon Abu bakr, all parties were not equally satisfied, for a great many were of opinion that the right of succession belonged to Ali, the son of Abu Talib. (ockley Page 330).

5. The greatest part of the musalmans pretend that Ali was the first that embraced their religion. And according to a tradition he was a very early musalman indeed, for it seems he made profession of that religion in his mother's womb.

For all the time she was big of him he

hindered her from prostrating herself before henidol which she used to worship. The form of benediction of blessing which the musalmans always add when they name him is "God glorify the face of him." They say moreover that Mohamed talking of him, said "Ali is for me and I am for him; he stands to me in the same rank as Aaron did to moses; I am the town in which all knowledge is shut up and he is the gate of it." (Ockley page 330).

6. If Ali be considered with regard to his courage, temper, piety and understanding, he was one of the greatest men that was ever born in that nation. (Ockley page 335)

7. The birth, the alliance, the character of Ali, which exalted him above the rest of his countrymen, might justify his claim to the vacant throne of Arabia. The son of Abu Talib was in his own right the chief of the family of Hashim, and the hereditary prince or guardian of the city and temple of Mecca. The light of prophecy was extinct but the husband of Fatima might expect the inheritance and blessing of her father. The Arabs had sometimes been patient of a

Marfat.com

female vezign; and the two grandsons
of the Prophet had often been founded in his
lap and shown in his pulpit, as the hope of
his age and the chief of the youth of Paradis.
The first of the true believers might aspire
to march before them in this world and the
next; and if some were of a graver or more
rigid cast, the zeal and virtue of Ali were
never outstripped by any recent proselyte.
He united the qualifications of a poet, a
soldier and a saint: his wisdom still
breathes in a collection of moral and re-
ligious sayings; and every*
antagonist, in the combats of the tongue
or of the sword, was subdued by his
eloquence and valour. From the first hour
of his mission to the last rites of his
funeral, the apostle was never forsaken
by a generous friend, whom he delighted
to name his brother, his viceregent, and
faithful Aaron of a second Moses.

The son of Abu Talib was afterwards
reproached for neglecting to secure his
interest by a solemn declaration

Marfat.com

of his right, which would have silenced all competition, and sealed his succession by the decrees of heaven. But the unsuspecting hero confided in himself, and the jealousy of empire and perhaps the fear of opposition, might suspend the resolutions of mohammad; and the bed of sickness was besieged by the artful Ayesha, the daughter of Abubakr and the enemy of Ali. (Gibbon vol. III page 578) & Of all these Ali seems to have had the strongest right; not only was he son-in-law of the Prophet, but it will be remembered that he was the first one to rush to his support when the mission was announced and had at that most critical moment received the title "Kalif" joined with the promise that his commands should be obeyed. (Gilman Page 225) q. During the year 633 Fatima died, and Ali then joined the other companions of the Prophet in attending upon the Kalif's court setting aside the grievance that he had felt at

Marfat.com

being passed over in the election. He probably found that it was better policy to fall in with the current, at least to appearance than to fight against popular feeling, though he never forgot that he had been the only person called Kalif by the Prophet. (Gilman Page 264).

So. The right of succession in order of consanguinity, lay with Ali and his virtues and services eminently by entitle him to it.

On the first burst of his generous zeal when Islamism was derided and persecuted faith, he had been pronounced by mohomed his brother, his viceregent; he had ever since been devoted to him in word and deed and had honoured the cause by his magnanimity as signally as he had vindicated it by his valour.

(Irvingspage 4)

Marfat.com

بیت الاحزان[1]

اگرچہ بعد اثبات اس امر کے کہ جناب سیدہ کے گھر جلانے کو آگ لکڑیاں لے گئے اور حضرت ابوبکر مرتے وقت اس پر افسوس کرتے رہے کہ کاش ہم کشف بیت فاطمہ نہ کئے ہوتے ضرورت اس کی نہ تھی کہ بیت الاحزان کا بھی کچھ حال لکھا جائے مگر بتفصیل رسالہ النار الموقدہ کچھ اجمالی تذکرہ اس کا بھی مناسب ہے۔

صاحب تذکرۃ المعصومین نے کتاب بحار الانوار[2] سے نقل کیا ہے (اور دیگر علمائے اہل تشیع نے بھی لکھا ہے) کہ وہ معصومہ دن رات اپنے باپ کے غم میں ڈھاڑیں مار مار کر رویا کرتی تھیں کسی وقت آنسو آنکھوں سے نہ تھمتے تھے۔ اور آواز نالہ و بے قراری کم نہ ہوتی تھی پس اُن معصومہ کی کثرت گریہ وزاری سے تمامی اہل مدینہ تنگ ہوئے اور بزرگان مدینہ جمع ہو کر جناب امیرؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی اے ابوالحسنؑ جناب فاطمہ زہراؑ اپنے پدر بزرگوار کے غم میں تمام رات اور تمام دن روتی ہیں۔ اور اُن معصومہ کے رونے سے نہ ہمیں راتوں کو نیند آتی ہے اور نہ کوئی دن کو طلب معیشت اور اپنے کاموں میں مشغول ہو سکتا ہے اس لئے ہم عرض کرتے ہیں کہ ہماری جانب سے آپ خدمت جناب سیدہؑ میں عرض کریں کہ آپ یا شب کو رویا کریں اور دن کو خاموش رہیں یا دن کو رویا کریں اور شب کو آرام فرمائیں۔ حضرتؑ نے جناب فاطمہؑ کو روسائے مدینہ کا پیغام پہنچایا۔ جناب سیدہؑ نے عرض کیا کہ اے ابوالحسنؑ بہت کم ہے زندگی میری اور رہنا میرا ان لوگوں میں۔ اور بہت قریب ہے رحلت میری ان سب میں سے۔ پس بخدا میں ہرگز رات اور دن گریہ وزاری کو ترک نہ کروں گی۔ یہاں تک کہ ملاقات کروں اپنے پدر عالی مقدار رسول خدا سے۔ جناب امیرؑ نے

---

[1] اس مضمون کو ہمارے رسالے النار الموقدہ کا ضمیمہ سمجھنا چاہئے۔ [2] چونکہ ہم نے اپنے مضمون میں کتابوں کے حوالے ٹھیک ٹھیک دیئے ہیں جن سے ہر شخص بآسانی اپنے وہم و شک کو رفع کر سکتا ہے اس سبب سے ہم نے (بعض کم علم ناظرین کے خیال سے) تمام عربی و فارسی عبارتوں کے اردو مطلب پر اکتفا کی ہے اور طول کے اندیشہ سے عربی اور فارسی عبارتوں کو نقل نہیں کیا۔ ۱۲

یہ جواب سن کر فرمایا اے فاطمہؑ اس امر میں تم کو اختیار ہے جو چاہو وہ کرو۔ بعد اس کے حضرتؑ نے قبرستان بقیع میں مدینہ سے علیحدہ ایک حجرہ رونے کے لئے اُس معصومہ کو بنوا دیا کہ نام اُس کا بیت الاحزان[1] ہے۔ پس جناب سیدہؑ کا معمول تھا کہ جب صبح ہوتی تو حسنین علیہما السلام آگے آگے اور آپ پیچھے روتی ہوئی قبرستانِ بقیع میں تشریف لیجاتی تھیں۔ اور وہاں جاکر دن بھر متصل رویا کرتی تھیں۔ پس جبکہ شام ہوتی تھی اُس وقت جناب امیرؑ قبرستانِ بقیع میں تشریف لیجاتے اور اپنے ساتھ اُس معصومہ کو گھر میں لاتے۔ جب وقت وفات جناب سیدہؑ کا قریب آیا تو بہت کچھ وصیت کی۔ علی بن ابی طالبؑ کو منجملہ اُن وصیتوں کے یہ تھی کہ اے ابوالحسنؑ تم میرے جنازہ پر نماز پڑھنا اور مجھے شب کو دفن کرنا۔ اور نماز نہ پڑھے مجھ پر وہ امت کہ جنھوں نے عہد شکنی کی خدا و رسولؐ سے امیرالمومنینؑ کے باب میں اور ظلم کیا حق میں میرے اور چھین لی ارث میری اور پارہ کیا میری سند کو جو باب فدک میں میرے باپ نے مجھے لکھ دی تھی۔ اور تکذیب کی گواہوں کی میرے۔ قسم بخدا کہ گواہ میرے حضرت جبرئیلؑ و میکائیلؑ اور جناب امیرالمومنینؑ اور ام ایمن ہیں پس سزاوار نہیں ہے کہ یہ امت نماز پڑھے کیونکہ خدا و رسولؐ ان سے بیزار ہیں۔ اور میں بھی ان سے آزردہ ہوں۔ پس جناب امیرؑ نے مطابق وصیت جناب سیدہؑ کے عمل فرمایا اور کسی کو اس حال (وفاتِ سیدہؑ) سے مطلع نہ کیا۔

یہ ہے مختصر کیفیت بیت الاحزان اور وفاتِ جناب سیدہؑ کی جو کتبِ شیعہ میں لکھی ہے۔ اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آیا ان روایات کا وجود یا ثبوت کتب اہلسنت میں بھی پایا جاتا ہے یا نہیں۔ صاحب حبیب السیر[2] لکھتے ہیں۔ کتب فریقین میں متعدد طریقوں سے وارد ہوا ہے کہ جب آیہ کریمہ وات ذی القربیٰ حقہ[3] نازل ہوئی تو خواجۂ کائنات نے مزرعۂ فدک فاطمہ زہراؑ کو دیدیا۔ اور امیرالمومنین ابوبکر نے اپنے اوائل ایام خلافت میں اُس مزرعہ کو مع تمام متروکات سیدکائناتؑ کے داخل بیت المال کرلیا۔ اور پھر جناب فاطمہؑ کو نہ دیا اور حسب علی کرم اللہ وجہہ اور فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا

---

[1] بیت بمعنی خانہ۔ احزان جمع حزن بمعنی غم۔ پس بیت الاحزان یا بیت الحزن۔ غمکدہ یا ماتم کدہ ۱۲ منہ

[2] مطبوعہ بمبئی جلد اول جزو سوم صفحہ ۹ یہ کتاب فارسی ہے ہم نے صرف اردو ترجمہ لکھدیا ہے۔

[3] اور دے تو (اے رسولؐ) قرابت دار کو حق اوس کا۔

Marfat.com

نے اس قضیہ میں اُن جناب سے گفتگو کی کہا کہ میں نے رسول خدا سے سنا ہے کہ فرمایا نحن معاشر الانبیاء لا نورث ولا نوروث (ہم گروہِ انبیا کا ورثہ نہیں ہوا کرتا نہ ہم کو ورثہ ملتا ہے نہ ہمارا ورثہ کسی کو ملتا ہے) اور کشف الغمہ میں امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ بعد وفات رسول اللہ صلعم کے امیرالمومنین علیؑ نے سیدۃ النساء سے کہا کہ جاؤ خلیفۂ رسول خدا کے پاس اور میراث اپنی طلب کرو۔ اور فاطمہؑ خلیفہ کے پاس گئیں اور فرمایا میراث میرے باپ کی مجھے دے۔ امیرالمومنین ابوبکر نے کہا النبی لا یورث (یعنی نبی کا ورثہ نہیں ہوا کرتا) جناب فاطمہؑ نے کہا کیا سلیمان نے داؤد کا ورثہ نہیں پایا پس ابوبکر غضبناک ہو کر بولے کہ نبی کا ورثہ نہیں ہوتا۔ فرمایا جناب فاطمہؑ نے الم یقل زکریا فھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب (کیا زکریا نے یہ دعا نہیں مانگی کہ بارالہا عطا کر تو مجھکو ایک ولی جو وارث ہو میرا اور وارث ہو آل یعقوبؑ کا) فرمایا جناب ابوبکر نے کہ نبی کا ورثہ نہیں ہوا کرتا۔ پس ارشاد کیا جناب فاطمہؑ نے کہ خدائے تعالیٰ نے نہیں فرمایا یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین (خدائے تعالیٰ تم کو وصیت کرتا ہے کہ تمھاری اولاد کے بارہ میں مرد کا حصہ عورت کے حصہ سے دُگنا ہے)۔ پس کہا ابوبکر نے نبی کا ورثہ نہیں ہوتا۔ القصہ اس قضیہ میں درمیان امیرالمومنین علیؑ اور فاطمہؑ اور شیخین رضی اللہ عنہم کے جیسا کہ بعض کتب مبسوطہ میں مذکور ہے بہت کچھ گفت و شنید واقع ہوئی۔ مگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فدک اہلبیتؑ کو واپس نہیں دیا۔ اور نیز متروکات سیدِ کائنات سے کچھ بھی بتولِ عذرا کو نہ دیا۔ اور یہ بات جمہور کے نزدیک عجیب و غریب قابلِ وامور سے ہے۔ ارباب اخبار بیان کرتے ہیں کہ جناب فاطمہ علیہا السلام حضرت خیرالانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصیبت میں گرفتار ہوئیں تو صبح سے شام اور شام سے صبح تک اس قدر گریہ و زاری اور نالہ و بے قراری کرتی تھیں کہ اہل مدینہ ان کی گریہ سے تنگ آگئے اور عرض کی کہ اے دخترِ پیغمبر خدا اگر آپ دن کو روتی ہیں تو رات کو چپ رہا چاہیئے کہ ہمیں بھی آسائش حاصل ہو۔ پس جناب سیدہؑ رات کو مقابر شہدا میں جا کر رویا کرتی تھیں .... کسی نے فاطمہؑ کو مرتے دم تک ہنستے نہ دیکھا .... اور روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ جنازہ جناب سیدہؑ پر بقولے مرتضیٰ علیؑ نے اور بروایتی عباس نے نماز پڑھی اور دوسرے دن شیخین اور تمام اصحاب جناب سید البشر کے امیرالمومنین حیدر پر عتاب کرنے لگے کہ ہم کو خبر کیوں نہ کی کہ ہم بھی فاطمہؑ کے جنازہ پر نماز پڑھنے کا شرف حاصل کرتے۔ شاہ ولایت پناہ نے فرمایا کہ میں نے سیدہؑ کی وصیت

کے سبب سے ایسا کیا۔" حبیب السیر جلد اول جزو سوم ص۵۸ اور روضۃ الصفا مطبوعہ نولکشور جلد دوم ص۱۱۶ اور معارج النبوۃ مطبوعہ نول کشور رکن چہارم ص۲۲۷ میں لکھا ہے کہ۔

"حضرت رسالت پناہ نے فدک کی طرف امیر المومنین علیؑ کو بھیجا اور صلح جناب امیرؑ کے ہاتھوں واقع ہوئی۔ اس طرح کہ جناب امیرؑ ان کی جانوں کا قصد نہ کریں اور حوائط (فدک) خاص رسول اللہ صلعم کی ملکیت رہیں۔ پس جبرئیل نازل ہوئے اور کہا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ حق خویشوں کا دیدے۔ آنحضرتؐ نے دریافت کیا کہ وہ خویش کون ہیں اور اُن کا حق کیا ہے۔ جبرئیلؑ نے کہا کہ فاطمہؑ ہے حوائط فدک اُس کو دیدے اور جو کچھ فدک میں خدا و رسولؐ کا حصہ ہے وہ بھی اُسی کو دیدے اور پیغمبرؐ نے فاطمہؑ کو بلایا اور اُن کو ایک سند لکھ دی اور وہی سند تھی کہ رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد فاطمہؑ نے ابوبکر کے سامنے پیش کی تھی اور کہا تھا کہ یہ نوشتہ رسولؐ ہے کہ میرے اور حسنؑ حسینؑ کے واسطے لکھا ہے۔"

سیرۃ الحلبیہ[1] جلد سوم ص۳۹۲ اور صواعق محرقہ[2] ص۱۹۶ کے بموجب فاطمہؑ نے فدک کا دعویٰ کیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلعم نے فدک مجھکو عطا کیا ہے۔ ابوبکر نے گواہ مانگا۔ علیؑ۔ ام ایمن۔ حسنؑ حسینؑ اور ام کلثوم پیش کئے گئے۔ ان کی شہادت کو وجوہ اعتراض قائم کر کے نامنظور کیا گیا اور سیدہؑ کا دعویٰ خارج کر دیا گیا۔ ذرا آگے چل کر یہی صاحب سیرۃ الحلبیہ لکھتے ہیں[3] ابن جوزی نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر نے فدک جناب فاطمہؑ کے لئے واگذاشت کر کے کاغذ لکھدیا تھا کہ عمر ابوبکر کے پاس آپہنچے انھوں نے کہا کہ یہ کیا ہے۔ کہا کہ نوشتہ ہے کہ فاطمہؑ کو اُن کے باپ کی میراث کے بارہ میں لکھدیا ہے۔ کہا کہ پھر مسلمانوں کو کیا کھلاؤ گے۔ اور عرب سے تم کو لڑائی درپیش ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو۔ پس عمر نے وہ نوشتہ لیکر چاک کر ڈالا۔ معجم البلدان[4] جلد ششم

---

[1] حبیب السیر اور روضۃ الصفا اور معارج النبوۃ جو اہل تسنن کی معتبر اور معتمد تاریخ و سیر کی کتابوں میں سے ہیں۔ فارسی زبان میں ہیں۔ ۱۲ [2] علی بن برہان الدین شافعی (المتوفی ۱۰۴۴ھ) کی مستند اور معتبر تالیف عربی زبان میں تین ضخیم جلدوں میں مصر کے مطبع ازہریہ میں چھپی ہے اس کا دوسرا نام انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون ہے۔ ۱۲ [3] ابن حجر مکی کی مشہور و معتبر کتاب عربی زبان میں مطبوعہ مصر مطبع میمنہ ۱۲ [4] یاقوت حموی (المتوفی ۶۲۶ھ) کی مشہور تصنیف عربی زبان میں مع مکملہ دس مجلدوں میں مطبع سعادت مصر میں چھپی ہے۔ ۱۲

Marfat.com

صـ۳۴۵ اور فتوح البلدان بلاذری صـ۴ میں لکھا ہے کہ سنہ ۲۱۰ھ میں مامون نے حکم دیا کہ فدک بنی فاطمہؑ کو دے دیا جائے اور اپنے مدینہ کے عامل قثم بن جعفر کو لکھا کہ رسول اللہ صلعم نے فدک اپنی بیٹی جناب فاطمہؑ کو عطا کر دیا تھا اور یہ امر ظاہر اور مشہور تھا آنحضرت صلعم کی آل میں سے کسی کو اس میں اختلاف نہیں ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ فاطمہؑ اس پر ہمیشہ دعوے کرتی رہیں۔ میری رائے میں فدک فاطمہؑ کے وارثوں کو واپس اور حوالہ کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ بنی فاطمہؑ کو دیدیا گیا۔

فدک سے متعلق ان تمام روایات کا خلاصہ مطلب یہ نکلا کہ (۱) فدک خدا کے حکم سے جناب رسالت مآب صلعم نے جناب فاطمہؑ کے نام لکھدیا تھا (۲) خلیفہ اول نے ضبط کر لیا (۳) جناب سیدہؑ نے دعوے کیا (۴) خلیفہ نے (اپنی مصنوعی مخالف قرآن) حدیث نحن معاشر الانبیاء لا نورث پیش کر کے اور سیدہؑ کے پیش کردہ گواہوں۔ علیؑ۔ ام ایمن حسنؑ حسینؑ اور ام کلثومؑ کی شہادت کو غیر معتبر اور ناکافی کہکر دعوے خارج کر دیا (۵) بعد میں سیدہؑ کے حجج و براہین قاطعہ سے جو انھوں نے کلام اللہ سے پیش کیں معقول ہو کر واگذاشت فدک کی سند لکھ دی۔ اوسی وقت عمر آپہونچے اور انتظام سلطنت کے واسطے روپیہ کی ضرورت ظاہر کر کے وہ سند چھین کر چاک کر ڈالی۔ اور فاطمہؑ فدک سے محروم کر دی گئیں (۶) جناب فاطمہؑ تا دم وفات اپنے فدک کے دعوے پر قائم رہیں مگر اون کو نہ دیا گیا (۷) جناب فاطمہؑ کو اپنے باپ کی امت سے ایسے صدمات اور ایسی تکلیفیں پہنچی تھیں کہ وہ اُن سے ایسی ناراضی اور غضبناکی کی حالت میں رحلت کر گئیں کہ اپنے جنازہ تک پر حاضر ہونے کی ممانعت کر گئیں۔

فدک کی بحث ہمارے نفس مضمون سے بہت کم تعلق رکھتی ہے۔ مگر چونکہ جناب سیدہؑ کی آخری وصیت میں اس کا ذکر آگیا ہے۔ اس سبب سے ہم نے ضمناً سرسری طور سے اس پر بھی نظر ڈال دی ہے۔ ورنہ علماے اعلام کی اس مادہ میں بڑی بڑی تصنیفات موجود ہیں ارباب بھی بیچارے اٹاوے کے کاریگر کے بے ہنگم ٹانکے جو اُس نے دہلی کے معتمر بساطی کے کچے

لہ یہ کتاب احمد بن یحییٰ بلاذری (المتوفی سنہ ۲۷۹ھ) کی تصنیف عربی زبان میں مصر کے طبع موضوعات میں چھپی ہے ۱۲ منہ

Marfat.com

سوت کو بڑی محنت سے بٹکر اپنی آیات بینات کے جوڑ میں لگائے تھے کشف الظلمات کے تیز اوزار سے بڑی سہولت سے کاٹے اور اُدھیڑے جا رہے ہیں۔

پس ہم اپنے اصل مضمون بیت الاحزان کی طرف رجوع کرتے ہیں:۔

مولوی شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی مدینہ کی تاریخ جذب القلوب میں لکھتے ہیں "قبہ عباس سے قبلہ کی طرف مائل بشرق ایک مسجد جناب سیدہ کی طرف منسوب ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ وہ بیت الحزن کر کے مشہور ہے۔ اس واسطے کہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غم میں آدمیوں میں رہنے سے متنفر ہو کر وہیں اقامت فرمائی تھی۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ جگہ وہ گھر ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بقیع میں لیا تھا۔ محدث مذکور نے اسی روایت کو اسی طرح اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں درج کیا ہے (دیکھو ترجمہ جذب القلوب مطبوعہ نول کشور ص۱۷۰ اور منہاج النبوۃ اردو ترجمہ مدارج النبوۃ جلد دوم ص۸۴۴)

سوانح عمری رسول کریمؐ[1] مطبوعہ لاہور ص۱۱۱ میں لکھا ہے کہ مدینہ کے باب البقیع سے قریب ہی حضرت عباس اور حضرت امام حسنؓ کا مقبرہ ہے۔ اس قبہ کے برابر حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا کا بیت الحزن ہے حضرت رسول کریم کی وفات کے بعد آپ اسی مکان میں رہا کرتی تھیں۔ تاریخ آل نجاد[2] ص۱۷ میں مولف نے گورستان بقیع کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد ہمسایہ شدت گریہ فاطمہ زہراؑ سے رات کو سو نہیں سکتے تھے۔ اس سبب سے جناب سیدہ دن بھر ایک درخت کے نیچے بیٹھکر رویا کرتی تھیں اُس (جگہ) کا نام بیت الحزن ہو گیا۔ مگر اکسیر التواریخ (جلد دوم ص۲۷) میں لکھا ہے "پس جناب فاطمہؑ کے واسطے ایک گھر بقیع میں بنایا گیا اور اس کا نام بیت الاحزان رکھا گیا"۔

اب ہم اپنے تمام مضمون کا خلاصہ ایک لائق سنی مصنف کی لفظوں میں لکھتے ہیں۔ مصنف مذکور مولوی صدرالدین احمد صاحب اپنی کتاب رواتح المصطفٰے[3] میں جناب فاطمہؑ کا حال

---

[1] مولوی حافظ حکیم ظہیر احمد صاحب کی اردو تصنیف مطبع خادم التعلیم لاہور میں چھپی ہے ۱۲ [2] یہ کتاب مولوی عبدالمجید صاحب مرحوم نے اپنے مطبع انصاری دہلی میں چھپوائی تھی ۱۲ [3] مصنفہ مولوی صدرالدین احمد

Marfat.com

لکھتے ہوئے صـ۳۶ و ۳۷ میں تحریر کرتے ہیں "بعد از وفات پیغمبر واقعات بسیار گزشتہ مثل معاملہ فدک و سقط شدن حمل او و تہدید نمودن عمر خطاب بنی ہاشم را کہ در خانہ زہرا اجتماع نمودہ بودند و نالہ و شیون نمودن حضرت زہرا پیش انصار طولی دارد ذکرش ناکردن اولے ترست ۔ وصیت نمودن حضرت زہرا کہ ہیچکس بر جنازہ او حاضر نشود دلیل صریح است بر آنکہ حضرت زہرا آزردہ و ملول از دنیا رفت اکنوں تاویل ہر چہ خواہند بکنند ۔ الغرض ما از مشاجرات صحابہ عنان قلم منصرف نمودیم زہرا بعد از وفات پدر بزرگوار از خود خانۂ در جنت البقیع گرفتہ آنرا بیت الحزن مقرر نمودہ اکثر ایام در آنجا بسر می برد ۔ و مرثیہ برائے پیغمبر انشاء نمودہ یک بیت از اول آں قصیدہ اینست ؎

صبّت علیّ مصائب لو انہا ∴ صبت علی الایام صرن لیالیا

(ترجمہ) پیغمبر خدا کی وفات کے بعد بہت سے واقعات گزرے مثل معاملہ فدک اور اسقاط حمل جناب سیدہ اور عمر خطاب کا بنی ہاشم کو دھمکانا جو خانۂ جناب زہرا میں جمع ہوئے تھے اور نالہ وشیون کرنا حضرت زہرا کا انصار کے سامنے طول طویل سلسلے ہیں ۔ اُن کا نہ ذکر کرنا بہتر ہے ۔ وصیت کرنی جناب سیدہ کی کہ کوئی اون کے جنازہ پر حاضر نہ ہو صریح دلیل ہے ۔ اس بات پر کہ حضرت زہراؑ آزردہ اور ملول دنیا سے گئیں ۔ اب بیٹھے ہوئے جو چاہو تاویل کیا کرو ۔ الغرض ہم صحابہ کے مشاجرات سے قلم کو روکتے ہیں ۔ جناب زہراؑ نے اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد ایک مکان جنت البقیع میں اختیار کر لیا تھا اور اُس کو بیت الحزن (ماتم کدہ) بنا کر اکثر ایام وہیں بسر کرتی تھیں ۔ ایک مرثیہ جناب پیغمبرؐ کے واسطے کہا تھا کہ اُس قصیدہ کی اول میں ایک بیت یہ ہے "اے پدر بزرگوار آپکی وفات کے بعد مجھ پر وہ مصیبتیں گزریں کہ اگر وہ مصیبتیں دنوں پر پڑتیں تو وہ دن راتیں ہو جاتے")

(بقیہ حاشیہ صـ۲۴۲)

نوہاری بزبان فارسی مطبع احمدی کان پور میں چھپی ہے ۔ مصنف مذکور نے اپنی کتاب کے صـ۲۱۶ میں حضرت صاحب الامرؑ کے وفات پا جانے کا اعتقاد ظاہر کیا ہے ۔ اور اُن حضرتؑ کے معجزات جو شواہد میں نقل ہیں اُن کو غیر معتمد کہکر انکار کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کینے شدید اہل تسنن تھے کہ مولوی جامی سے بھی بڑھکر ہوئے ہیں ۱۲ منہ

مصنف علام نے ان چند سطروں میں غور کرنے کے واسطے بہت کچھ لکھ دیا ہے۔ والعاقل تکفیہ الاشارۃ۔

ہم نے یہاں صرف واقعات کو لکھا ہے اور ہر امر کا تاریخی ثبوت دیا ہے جسکی غرض صرف اسقدر ہے کہ جو حضرات واقعات سے انکار کرتے ہیں وہ سمجھیں کہ شیعوں کا دعوے کس قدر مدلل ہوتا ہے کہ ہر دعوے ایک نہیں صدہا کتب اہل سنت سے ثابت ہے۔

رہا نتیجہ وہ سمجھ بوجھ سے متعلق ہے۔ ممکن ہے کوئی یہ سمجھے کہ جو سلوک جناب سیدہ کے ساتھ بوجہ مطالبہ فدک کیا گیا وہی حق تھا جیسا کہ مولوی عبدالعلی صاحب نے مسلم الثبوت میں لکھا ہے اور ممکن ہے کہ کوئی انسانی ہمدردی دل رکھنے والا اسکے برعکس نتیجہ نکالے کہ یہ وہ ظلم ہے جو نہ ابتدائے آفرینش سے آج تک ہوا اور نہ ہوگا۔ جس سے وہ بتعمیل حکم خدا ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرۃ واعد لھم عذابا مھینا والذین یوذون المومنین والمومنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بھتانا واثما مبینا (سورہ احزاب)

لعنت کرتے ہیں۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے جو لوگ خدا اور رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر خدا کی لعنت ہے۔ اور جو لوگ مومنین و مومنات کو ایذا دیتے ہیں تو انھوں نے بہتان اور گناہ عظیم کا بوجھ اپنے سر پر رکھا۔ فقط

الیس ذاکر حسین جعفر

Marfat.com

ضروری سوال اب یہ نہایت اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے جناب سیدہ کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا۔ اس میں موصوف نے احکامِ خدا کی پابندی یا حضرت رسولِ خدا صلعم کے قول و فعل کی پیروی۔ یا کفارِ مکہ و مدینہ کی اقتداء کی یا اپنے ذاتی اجتہاد سے کام لیا۔ بس یہی چار صورتیں ہوسکتی ہیں ۱۔ احکام خدا کی پابندی تو ہو نہیں سکتی اس لئے کہ اُس نے کہیں یہ حکم نہیں دیا ہے کہ جو شخص کسی کی بیعت نہیں کرے اس کے بازو پر کوڑے مارو۔ اس کے پہلو پر دروازہ گرادو۔ اس کے گلے میں رسی باندھ کر کشاں کشاں لاؤ۔ اور اس کے گھر کو جلا کر پھونک دو۔ جب اپنے کو معبود منوانے۔ اپنی وحدانیت کا اقرار کرانے اور اپنی بندگی کرانے کے لئے اس نے ان باتوں کو پسند نہیں کیا تو اپنے کسی بندے کی بیعت کی غرض سے کیونکر ان سختیوں کو گوارا کر سکتا ہے۔ اسی طرح کسی نبی کو پیشوا اور ہادی ماننے کے لئے بھی خدا نے ان صورتوں کی اجازت نہیں دی۔ خود حضرت سید الانبیاء والمرسلین کا کلمہ پڑھنے اور دینِ اسلام قبول کرنے کے لئے بھی اس نے ان امور کو منظور نہیں کیا بلکہ صاف صاف فرمادیا لا اکراہ فی الدین قد تبیّن الرّشد من الغی۔ مذہب کے متعلق کوئی زبردستی نہیں ہے۔ حق کا راستہ گمراہی سے واضح ہوچکا ہے جو چاہے اس کو اختیار کرے اور جو چاہے گمراہ رہے (پ ۳۔ رکوع ۲) فان اسلموا فقد اھتدوا وان تولوا فانما علیک البلاغ۔ اگر یہ لوگ اسلام قبول کریں گے تو بے کھٹکے راہِ راست پر آجائیں گے اور اگر منہ پھیر لیں گے تو اے رسولؐ تم پر صرف اسلام کا پہونچا دینا فرض ہے (پ ۳۔ ع ۱۰) من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ومن تولے فما ارسلناک علیہم حفیظا۔ جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اُس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے روگردانی کی تو تم کچھ خیال نہ کرو کیونکہ ہم نے تم کو ان لوگوں کا پاسبان مقرر کرکے تو بھیجا نہیں ہے (پ ۵۔ ع ۸) تم ان لوگوں پر کسی قسم کا جبر دینے کے لئے نہیں مقرر کئے گئے ہو۔ جو ہمارے عذاب کے وعدے سے ڈرے بس اس کو تم صرف قرآن کے ذریعہ نصیحت کرتے رہو (پ ۲۶۔ رکوع ۱۷) فذکر انما انت مذکر لست علیہم بمصیطر الا من تولے وکفر فیعذبہ اللہ العذاب الاکبر۔ ان الینا ایابھم ثم ان علینا حسابھم۔ اے رسولؐ تم ان لوگوں کی نصیحت کئے جاؤ۔ تمہارا کام تو بس نصیحت ہی

Marfat.com

کرتے رہنا ہے۔ تم کچھ ان پر داروغہ تو ہو نہیں۔ بس جس نے منہ پھیر لیا اور تمہاری باتیں نہ مانیں اس کی سزا خدا کے ذمہ ہے کہ وہی اس پر بڑا عذاب کرے گا۔ بیشک ان سب کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے۔ پھر ان کا حساب بھی ہمارے ہی ذمہ ہے (پ ۳۰ ع ۱۳)۔ واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واحذروا فان تولیتم فاعلموا انما علی رسولنا البلاغ المبین۔ اور خدا کا حکم مانو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور نافرمانی سے بچے رہو۔ اس پر بھی اگر تم نے (حکم خدا سے) منہ پھیرا تو سمجھ رکھو کہ ہمارے رسولؐ پر بس صاف صاف پیغام پہونچا دینا فرض ہے۔ پھر کرو چاہے نہ کرو تم کو اختیار ہے (پ ۷ ع ۲)۔ ما علی الرسول الا البلاغ ہمارے رسولؐ پر پیغام پہونچا دینے کے سوائے کچھ فرض نہیں ہے (پ ۷ ع ۳)۔ فان تولوا فانما علیک البلاغ المبین اگر یہ لوگ ایمان سے منہ پھیریں تو اے رسولؐ تمہارا فرض صرف احکام کا صاف صاف پہونچا دینا ہے بس (پ ۱۴ ع ۱۷)۔ غرض اس مضمون کی آیتیں قرآن مجید میں بھری ہوئی ہیں کہ اگر کوئی شخص رسولؐ کو نہ مانے تو رسولؐ بس اس کو سمجھا دیں اور احکام خدا پہونچاتے رہیں۔ اس سے زیادہ کسی کارروائی کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر یا حضرت عمر حضرت رسولؐ کی خلافت یا نیابت ہی کے لئے یہ سب کارروائیاں کرتے رہے۔ پھر جن باتوں کا حکم خدا نے حضرت رسول خدا صلعم کو بھی نہیں دیا وہ باتیں ان لوگوں نے کیوں ایجاد کیں؟ ان صاحبوں کی ان باتوں سے کس قدر عقل کو حیرت ہوتی ہے کہ جن چیزوں کو خدا اور رسولؐ نے کفار و منافقین تک کے لئے جائز نہیں سمجھا ان کو انھوں نے حضرت علیؑ اور رسول زادی کے لئے نہ صرف جائز سمجھا بلکہ کر ڈالا۔ کفار تک سے مناسب برتاؤ کی تعلیم قرآن مجید نے دے دی ہے مگر ان حضرات نے اس کو بھی پس پشت ڈال دیا۔ اور جو ان کے دل میں آیا اس پر کاربند ہو گئے۔ حضرت موسےٰؑ و ہارونؑ خدا کے پیغمبر تھے اور فرعون کافر ہی نہیں تھا بلکہ اس سے بھی بڑھا ہوا کہ خدائی کا دعویدار اور اللہ کا مقابل بنتا تھا۔ اب دیکھو خدا ایسے سرکش سے کس برتاؤ کی تعلیم دیتا ہے۔ جناب موسےٰؑ سے فرماتا ہے اذھب انت واخوک بایاتی ولا تنیا فی ذکری۔ اذھبا الی فرعون انہ طغی فقولا لہ قولا لینا لعلہ یتذکر او یخشی۔ قالا ربنا انا نخاف

ان یفرط علینا او ان یطغی ۔ قال لا تخافا اننی معکما اسمع وارے ۔ فاتیاہ فقولا انا رسولا ربک فارسل معنا بنی اسرائیل ولا تعذبھم قد جئناک بآیۃ من ربک والسلام علی من اتبع الھدے ۔ اے موسےٰ تم اپنے بھائی (ہارون) سمیت ہمارے معجزے لیکر جاؤ اور دیکھو ہماری یاد میں سستی نہ کرنا ۔ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ ۔ بے شک وہ بہت سرکش ہو گیا ہے ۔ پھر اس کے پاس پہونچکر نرمی سے باتیں کرو تاکہ اس کا دل نصیحت ماننے پر آمادہ ہو سکے یا خدا سے ڈرے ۔ دونوں نے عرض کی اے ہمارے پروردگار ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں وہ ہم پر زیادتی نہ کر بیٹھے ۔ یا اور زیادہ سرکشی نہ کرنے لگے خدا نے فرمایا تم دونوں ڈرو نہیں ۔ میں تمہارے ساتھ ہوں اور سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہوں ۔ غرض تم دونوں اسکے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم آپ کے پاس آپ کے پروردگار کے رسول ہیں ۔ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے اور انہیں ستائیے نہیں ۔ ہم آپ کے پاس آپ کے پروردگار کا معجزہ لیکر آئے ہیں اور جو شخص راہ راست کی پیروی کرے اُسی کے لئے سلامتی ہے (پ ۱۶ ۔ ع ۱۱) ۔ ان آیات کے ایک ایک لفظ پر غور کرو اور حضرت عمر کی کارروائیوں سے ملاؤ ۔ فرعون خدا کا منکر ۔ خود ہی خدائی کا مدعی ہے ۔ اور جو چاہتا ہے اسی دعوے کے مطابق خدا کے مقابلہ میں کرتا رہتا ہے ۔ اس پر خدا کا غضب کس درجہ ہونا چاہئے ۔ اور اس کو خدا کن کن سختیوں کا مستحق سمجھتا ہوگا ۔ ایسے شخص کے ساتھ سخت سے سخت تر برتاؤ کا حکم دیتا جب بھی قابل اعتراض نہیں ہوتا لیکن وہ کسی زیادتی کی اجازت نہیں دیتا بلکہ حضرت موسےٰؑ و ہارونؑ کو سخت باتیں کرنے سے بھی منع کر کے فرماتا ہے قولا لہ قولا لینا اس سے باتیں تک نرمی سے کرنا ۔ خدا تو اپنے مخالف کے لئے یہ فرمائے ۔ اور حضرت عمر اپنے مخالف نہیں بلکہ صرف غیر مطیع کے لئے آگ لکڑی لے جائیں ۔ اس پر اس کے مکان کا دروازہ گرا دیں ۔ اس پر خاردار کوڑہ ماریں ۔ اور ان سب کے قتل پر آمادہ ہو جائیں!!! اس پر صاحبان عقل گھبرا کر پوچھ سکتے ہیں کہ کیا حضرت عمر نے اپنا درجہ خدا سے زیادہ سمجھا یا اپنے اختیارات کو خدا کے اختیارات سے زیادہ قرار دیا ۔ یا حضرت سیدہؑ کے بیعۃ نہ کرنے کو فرعون کی فرعونیت سے زیادہ قرار دیا ۔ یہاں ذرہ نمرود کے متعلق بھی خدا کا برتاؤ دیکھ لو ۔ خدا فرماتا ہے الم تر الی الذی حاج ابراھیم فی ربہ ان اتاہ اللہ الملک

Marfat.com

اذ قال ابراهیم ربی الذی یحیی ویمیت۔ قال انا احی وامیت قال ابراهیم فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بها من المغرب فبهت الذی کفر۔ اے رسول کیا تم نے اس شخص (نمرود کے حال) پر نظر نہیں کی جو صرف اس برتے پر کہ خدا نے اُسے سلطنت دے رکھی تھی ابراہیم سے ان کے پروردگار کے بارے میں الجھ پڑا کہ جب ابراہیم نے اس سے کہا میرا پروردگار تو وہ ہے جو لوگوں کو جلاتا اور مارتا ہے تو وہ بھی شیخی میں آکر کہنے لگا میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا اچھا خدا تو آفتاب کو پورب سے نکالتا ہے بھلا تم اس کو پچھم سے تو نکال کر دکھا دو۔ اس پر وہ کافر مبہوت ہو کر رہ گیا (پ ۳ ع ۳) بس صرف عقلی مباحثہ تک یہ مقابلہ رہا۔ نہ کوئی زیادتی کی گئی۔ نہ کوئی سختی روا رکھی گئی۔ اور نہ کوئی زور آزمائی کی گئی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ شاید حضرت عمر نے ان سختیوں میں حضرت رسولخدا صلعم کے احکام و اعمال کی پیروی کی ہو۔ مگر افسوس ایسا بھی نہیں ہے۔ اول تو آنحضرتؐ کا کوئی قول و فعل قرآن مجید کے خلاف ہوتا ہی نہیں تھا۔ دوسرے یہ کہ حضرتؐ کی پوری زندگی کو مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک پڑھ جاؤ کہیں بھی تم کو حضرتؐ کا یہ برتاؤ کسی شخص کے ساتھ بھی نہیں ملے گا جو حضرت عمر نے جناب سیدہ اور حضرت علیؑ کے ساتھ کیا۔ اگر کہا جائے کہ مکہ معظمہ میں حضرتؐ خود ہی بے بس تھے۔ کفار کی سختیوں کا جواب کیونکر دیتے۔ تو کہا جائیگا کہ مدینہ میں تشریف لانے کے بعد تو حضرتؐ کی قوت و شوکت بہت بڑھ گئی تھی اور کفار و منافقین کا مقابلہ برابر ہوتا ہی رہتا تھا۔ پھر کیا آنحضرت صلعم نے بھی اپنے کسی نہ ماننے والے کے بازوؤں پر کوڑے بازی کی؟ کسی کے خود ہی قتل کا ارادہ کیا؟ کسی کے گھر پر آگ لکڑی منگائی یا بھیجی تاکہ اس کے رہنے والوں کو اس میں جلا دیں؟ کسی کو گرفتار کر کے زبردستی اپنے دربار میں بلایا؟ حضرت رسولخدا صلعم نے اپنے مخالفوں کے ساتھ ایسا کوئی برتاؤ بھی کیا ہو تو کوئی شخص بیان کرے۔ حضرتؐ کا جو سلوک اپنے مخالفین کے ساتھ ہوتا تھا اس کو بھی دیکھ لو تاکہ تم کو موازنہ کرنے کا موقع ملے کہ رسولؐ نے کیا کیا اور حضرت عمر نے حضرتؐ کی خلافت کی شان کس طرح دکھائی۔ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "ارباب سیر نے تصریح کی ہے اور تمام واقعات شاہد ہیں کہ آنحضرتؐ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ صحیحین میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے کبھی کسی سے اپنے

ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا۔ بجز اس صورت کے کہ اس نے احکام الٰہی کی تفضیح کی ہو۔ جنگ احد کی شکست سے زیادہ رؤساء طائف کے تحقیر آمیز برتاؤ کی یاد خاطر اقدس پر گراں تھی۔ تاہم دس برس کے بعد غزوۂ طائف میں جب وہ ایک طرف منجنیق سے مسلمانوں پر پتھر برسا رہے تھے تو دوسری طرف ایک سراپا حلم وعفو انسان (خود آنحضرت صلعم) یہ دعا مانگ رہا تھا کہ خدایا انھیں سمجھ عطا کر اور ان کو آستانۂ اسلام پر جھکا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ۹ھ میں جب اُن کے وفد نے مدینہ کا رخ کیا تو آپ نے صحن مسجد میں ان کو مہمان اتارا اور عزت وحرمت کے ساتھ ان سے پیش آئے۔ قریش نے آپ کو گالیاں دیں، مارنے کی دھمکی دی، راستوں میں کانٹے بچھائے، جسم اطہر پر نجاستیں ڈالیں۔ گلے میں پھندا ڈالکر کھینچا۔ آپکی شان میں گستاخیاں کیں۔ نعوذ باللہ کبھی جادوگر کبھی پاگل کبھی شاعر کہا لیکن آپ نے کبھی ان کی باتوں پر برہمی ظاہر نہیں فرمائی۔ غریب سے غریب آدمی بھی جب کسی مجمع میں جھٹلایا جاتا ہے تو وہ غصہ سے کانپ اٹھتا ہے۔ ایک صاحب جنہوں نے آنحضرت صلعم کو ذی المجاز کے بازار میں اسلام کی دعوت دیتے ہوئے دیکھا تھا۔ بیان کرتے ہیں کہ حضور فرما رہے تھے "لوگو لا الہ الا اللہ کہو تو نجات پاؤ گے"۔ پیچھے پیچھے ابو جہل تھا وہ آپ پر خاک اُڑا اُڑا کر کہہ رہا تھا "لوگو! اس شخص کی باتیں تم کو اپنے مذہب سے برگشتہ نہ کردیں۔ یہ چاہتا ہے کہ تم اپنے دیوتاؤں لات وعزیٰ کو چھوڑ دو"۔ راوی کہتا ہے کہ آپ اس حالت میں اس کی طرف مڑ کر دیکھتے بھی نہ تھے (مسند احمد جلد ۴ ص ۶۳)
سب سے بڑھکر طیش اور غضب کا موقع افک کا واقعہ تھا جب کہ منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہ کو نعوذ باللہ تہمت لگائی تھی۔ حضرت عائشہ آپ کی محبوب ترین ازواج اور حضرت ابوبکر جیسے یار غار اور افضل الصحابہ کی صاحب زادی تھیں، شہر منافقوں سے بھرا پڑا تھا، جنہوں نے دم بھر میں اس خبر کو اس طرح پھیلا دیا کہ سارا مدینہ گونج اُٹھا دشمنوں کی شماتت، ناموس کی بدنامی، محبوب کی تفضیح یہ باتیں انسانی صبر وتحمل کے پیمانہ میں نہیں سما سکتیں۔ تاہم رحمت عالم نے ان سب باتوں کے ساتھ کیا کیا؟ تہمت کا تمام تر بانی رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تھا اور آپ کو اس کا بخوبی علم تھا بایں ہمہ آپ نے صرف اس قدر کیا کہ مجمع عام میں منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا مسلمانو! جو شخص میرے ناموس کے

Marfat.com

متعلق مجھ کو ستاتا ہے اُس سے میری داد کون لے سکتا ہے؟ حضرت سعد بن معاذ غصہ سے بے تاب ہو گئے اور اُٹھکر کہا میں اس خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ آپ نام بتائیں تو اس کا سر اُڑا دوں۔ سعد بن عبادہ نے جو عبداللہ بن ابی کے حلیف تھے مخالفت کی اور اس پر دونوں طرف کے حمایتی کھڑے ہو گئے قریب تھا کہ تلواریں کھنچ جائیں آپ نے دونوں کو ٹھنڈا کیا... قریش نعوذ باللہ آنحضرتؐ کو گالیاں دیتے تھے۔ بُرا بھلا کہتے تھے۔ ضد سے آپ کو محمدؐ (تعریف کیا گیا) نہیں کہتے تھے بلکہ مذمم (مذمت کیا گیا) کہتے تھے لیکن آپ اس کے جواب میں اپنے دوستوں کو خطاب کر کے صرف اسی قدر فرمایا کرتے کہ تمہیں تعجب، نہیں آتا کہ اللہ تعالےٰ قریش کی گالیوں کو مجھ سے کیونکر پھیرتا ہے، وہ مذمم کو گالیاں دیتے اور مذمم پر لعنت بھیجتے ہیں اور میں محمدؐ ہوں... دشمنوں سے عفو و درگزر اور حسن سلوک انسان کے ذخیرۂ اخلاق میں سب سے زیادہ کم یاب اور نادر الوجود چیز دشمنوں پر ترحم اور اُن سے عفو و درگزر ہے لیکن حاملِ وحی و نبوت کی ذات اقدس میں یہ جنس فراواں تھی۔ دشمن سے انتقام لینا انسان کا قانونی فرض ہے۔ لیکن اخلاق کے دائرہ شریعت میں آکر یہ فرضیت بدل کر مکروہ تحریمی بن جاتی ہے۔ تمام روایتیں اس بات پر متفق ہیں کہ آپ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ دشمنوں سے انتقام کا سب سے بڑا موقع فتح حرم کا دن تھا جب کہ وہ کینہ خواہ سامنے آئے جو آنحضرت صلعم کے خون کے پیاسے تھے اور جن کے دست ستم سے آپ نے طرح طرح کی اذیتیں اٹھائی تھیں لیکن اُن سب کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم طلقاء۔ تم پر کوئی ملامت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔

وحشی جو اسلام کے قوت بازو اور آنحضرتؐ کے عزیز ترین چچا حضرت حمزہ کا قاتل تھا مکہ میں رہتا تھا۔ جب مکہ میں اسلام کی قوت نے ظہور کیا وہ بھاگ کر طائف آیا۔ طائف نے بھی آخر سر اطاعت خم کیا اور وحشی کے لئے یہ بھی مامن نہ رہا لیکن اُس نے سنا کہ آنحضرت صلعم سفراء سے کبھی سختی کے ساتھ پیش نہیں آتے۔ ناچار خود رحمت عالم کے دامن میں پناہ لی اور اسلام قبول کیا۔ آنحضرت صلعم نے صرف اس قدر فرمایا کہ میرے

Marfat.com

سامنے نہ آیا کرنا کہ تم کو دیکھ کر مجھے چچا کی یاد آتی ہے۔
ہندہ ابوسفیان کی بیوی جس نے حضرت حمزہ کا سینہ چاک کیا اور دل وجگر کے ٹکڑے کئے فتح مکہ کے دن نقاب پوش آئی کہ آنحضرت صلعم پہچان نہ سکیں اور بیخبری میں بیعت اسلام کرکے سند امان حاصل کرلے۔ پھر اس موقع پر بھی گستاخی سے باز نہ آئی، آنحضرت صلعم نے ہندہ کو پہچان لیا۔ لیکن اس واقعہ کا ذکر تک نہ فرمایا۔ ہندہ اس کرشمۂ اعجاز سے متاثر ہوکر بے اختیار بول اٹھی یا رسولؐ اللہ! آپ کے خیمہ سے مبغوض تر خیمہ کوئی میری نگاہ میں نہ تھا لیکن آج آپ کے خیمہ سے کوئی زیادہ محبوب خیمہ میری نگاہ میں دوسرا نہیں...
ابوسفیان اسلام سے پہلے جیسے کچھ تھے غزوات نبوی کا ایک ایک حرف اس کا شاہد ہے، بدر سے لیکر فتح مکہ تک جتنی لڑائیاں اسلام کو لڑنی پڑیں ان میں سے اکثر میں ان کا ہاتھ تھا لیکن فتح مکہ کے موقع پر جب وہ گرفتار کرکے لائے گئے اور حضرت عباس ان کو لیکر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ اُن کے ساتھ محبت سے پیش آئے، حضرت عمر نے گزشتہ جرائم کی پاداش میں اُن کے قتل کا ارادہ کیا لیکن آپ نے منع فرمایا اور نہ صرف یہ بلکہ اُن کے گھر کو امن وامان کا حرم بنا دیا، فرمایا کہ "جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے گا اُس کا قصور معاف ہوگا"۔
کیا دنیا کے کسی فاتح نے اپنے دشمن کے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہے؟... قریش کی ستمگری وجفاکاری کی داستان دُہرانے کی ضرورت نہیں، یاد ہوگا کہ شعب ابی طالب میں تین برس تک ان ظالموں نے آپ کو اور آپ کے خاندان کو اس طرح محصور کرر کھا تھا کہ غلہ کا ایک دانہ اندر پہنچ نہیں سکتا تھا۔ بچے بھوک سے روتے تھے اور تڑپتے تھے اور یہ بے درد ان کی آوازیں سُنکر ہنستے اور خوش ہوتے تھے لیکن معلوم ہے کہ رحمتِ عالم نے اس کے معاوضہ میں قریش کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ مکہ میں غلہ یمامہ سے آتا تھا، یمامہ کے رئیس یہی ثمامہ بن آثال تھے مسلمان ہوکر جب یہ مکہ گئے تو قریش نے تبدیل مذہب پر ان کو طعنہ دیا، انھوں نے غصہ سے کہا کہ "خدا کی قسم اب رسول اللہ صلعم کی اجازت کے بغیر گیہوں کا ایک دانہ نہیں ملے گا"۔ اس بندش

سے مکہ میں اناج کا کال پڑ گیا۔ آخر گھبرا کر قریش نے اُس آستانہ کی طرف رجوع کیا جس سے کوئی سائل کبھی محروم نہیں گیا۔ حضور کو رحم آیا اور کہلا بھیجا کہ بندش اُٹھا لو۔ چنانچہ حسب دستور غلہ جانے لگا۔

کفار اور مشرکین کے ساتھ برتاؤ:۔ کفار کے ساتھ آپ کے حسن خلق کے بہت سے واقعات مذکور ہیں لیکن مورخین یورپ مدعی ہیں کہ یہ اُس وقت تک کے واقعات ہیں جب تک اسلام ضعیف تھا اور مجاملت اور لطف و آشتی کے سوا چارہ نہ تھا۔ اسلئے ہم اس عنوان کے نیچے صرف وہ واقعات نقل کریں گے جو اس زمانہ کے ہیں جب کہ مخالفین کی قوتیں پامال ہو چکی تھیں اور آنحضرت صلعم کو پورا اقتدار حاصل ہو چکا تھا...

یہود و نصاریٰ کے ساتھ برتاؤ:۔ خلق عمیم میں کافر و مسلم، دوست دشمن، عزیز و بیگانہ کی تمیز نہ تھی، ابر رحمت دشت و چمن پر یکساں برستا تھا۔ یہود کو آنحضرت صلعم سے جس شدت کی عداوت تھی اُسکی شہادت غزوۂ خیبر تک کے ایک ایک واقعہ سے ملتی ہے لیکن آپ کا طرز عمل مدت تک یہ رہا کہ جن امور کی نسبت مستقل حکم نازل نہ ہوتا آپ ان میں انھیں کی تقلید فرماتے...

دشمنانِ جان سے عفو و درگزر:۔ جانی دشمنوں اور قاتلانہ حملہ آوروں سے عفو و درگزر کا واقعہ پیغمبروں کے صحیفۂ اخلاق کے سوا اور کہاں مل سکتا ہے جس شب کو آپنے ہجرت فرمائی ہے کفار قریش کے نزدیک یہ طے شدہ تھا کہ صبح کو محمدؐ کا سر قلم کر دیا جائیگا اس لئے دشمنوں کا ایک دستہ رات بھر خانۂ نبوی کا محاصرہ کئے کھڑا رہا، اگرچہ اس وقت ان دشمنوں سے انتقام لینے کی آپ میں ظاہری قوت نہ تھی لیکن ایک وقت آیا جب انمیں سے ایک ایک شخص کی گردن اسلام کی تلوار کے نیچے تھی۔ اور اسکی جان صرف آنحضرت صلعم کے رحم و کرم پر موقوف تھی لیکن ہر شخص کو معلوم ہے کہ ان میں سے کوئی شخص اس جرم میں کبھی مقتول نہیں ہوا۔

ہجرت کے دن قریش نے آنحضرت صلعم کے سر کی قیمت مقرر کی تھی۔ اور اعلان کیا تھا کہ جو محمدؐ کا سر لائے گا یا زندہ گرفتار کرے گا اس کو سو اونٹ انعام میں دیئے

جائیں گے، سراقہ بن جعشم پہلے شخص تھے جو اس نیت سے اپنے صبا رفتار گھوڑے پر سوار ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے آپ کے قریب پہنچے - آخر دو تین دفعہ کرشمۂ اعجاز دیکھکر اپنی نیتِ بد سے توبہ کی اور خواہش کی کہ مجھ کو سند امان دی جائے - چنانچہ سند امان لکھکر دی گئی - اس کے آٹھ برس کے بعد فتح مکہ کے موقع پر وہ حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے اور اس جرم کے متعلق ایک حرف سوال بھی درمیان میں نہیں آیا ... فتح مکہ کے زمانہ میں ایک دفعہ اسّی آدمیوں کا ایک دستہ منہ اندھیرے جبل تنعیم سے اُتر کر آیا اور چھپ کر آنحضرت صلعم کو قتل کرنا چاہا - اتفاق سے وہ لوگ گرفتار ہو گئے لیکن آنحضرت صلعم نے ان کو چھوڑ دیا اور کچھ تعرض نہیں کیا...

دشمنوں کے حق میں دعاے خیر: - دشمنوں کے حق میں بد دعا کرنا انسان کی فطری عادت ہے لیکن پیغمبروں کا مرتبہ عام انسانی سطح سے بدرجہا بلند ہوتا ہے جو لوگ انکو گالیاں دیتے ہیں وہ اُن کے حق میں دعاے خیر کرتے ہیں اور جو اُن کے تشنۂ خون ہوتے ہیں وہ ان کو پیار کرتے ہیں - ہجرت سے قبل مکہ میں مسلمانوں پر اور خود آنحضرت صلعم پر جو پیہم مظالم ہو رہے تھے اس داستان کے دہرانے کے لئے بھی سنگ دلی درکار ہے - اسی زمانہ میں خباب بن ارتّ ایک صحابی نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! دشمنوں کے حق میں بد دعا فرمائیے - یہ سُن کر چہرۂ مبارک سُرخ ہو گیا - ایک دفعہ چند صاحبوں نے مل کر اسی قسم کی بات کہی تو فرمایا "میں دنیا کے لئے لعنت نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں"-

مستورات کے ساتھ برتاؤ: - دنیا میں یہ صنف ضعیف (عورتیں) چونکہ ہمیشہ ذلیل رہی ہے اس لئے کسی نامور شخص کے حالات میں یہ پہلو کبھی پیشِ نظر نہیں رہا کہ اس مظلوم گروہ کے ساتھ اس کا طریق معاشرت کیا تھا، اسلام دنیا کا سب سے پہلا مذہب ہے جس نے عورتوں کی حق رسی کی اور عزت و منزلت کے بارہ میں ان کو مردوں کے برابر جگہ دی - اس لئے شارع اسلام کے واقعاتِ زندگی میں ہم کو یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ مستورات کے ساتھ اُن کا طرزِ عمل کیا تھا... عورتیں عموماً نہایت دلیری کے ساتھ آپ سے بے محابا مسائل دریافت کرتی تھیں اور صحابہ

کو اُن کی جرأت پر حیرت ہوتی تھی لیکن آپ کسی قسم کی ناگواری نہیں ظاہر فرماتے تھے۔ چونکہ عورتیں عموماً نازک طبع اور ضعیف القلب ہوتی ہیں ان کی خاطرداری کا نہایت خیال رکھتے تھے۔

رحمت و محبت عام:۔ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک تمام دنیا کے لئے رحمت بنکر آئی تھی ... تم آنحضرت صلعم کے حلم و عفو مسامحت و درگزر کے سیکڑوں واقعات پڑھ چکے نظر آیا ہوگا کہ اس خزانۂ رحمت میں دوست دشمن کافر مسلم، بوڑھے بچے۔ عورت مرد، آقا و غلام، انسان و حیوان ہر ایک صنف ہستی برابر کی حصہ دار تھی ... آپ نے دنیا کو پیغام دیا لا تحاسدوا ولا تباغضوا وکونوا یا عباد اللہ اخوانا۔ ایک دوسرے پر بغض و حسد نہ کرو۔ اے خدا کے بندو! سب آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔ ایک اور حدیث میں حکم فرمایا احبّ للناس ما تحب لنفسک تکن مسلما۔ لوگوں کے لئے وہی چاہو جو اپنے لئے چاہتے ہو تو مسلم بنو گے ... آپ نے فرمایا لا یؤمن احدکم حتے یحب للناس ما یحب لنفسہ وحتے یحب المرء لا یحب الا للہ عزوجل۔ تم میں سے کوئی اُس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ سب لوگوں کے لئے وہی محبوب نہ رکھے جو اپنے لئے رکھتا ہے اور جب تک وہ دوسرے کو بے غرض صرف خدا کے لئے پیار نہ کرے" (سیرۃ النبیؐ جلد ۲ صـ۲۸۳ تا ۳۱۳) [1]

تیسری صورت یہ ہے کہ حضرت عمر نے جناب سیدہؑ کے ساتھ یہ برتاؤ کرنے میں کفار مکہ و مدینہ کی اقتداء کی ہو۔ لیکن تاریخ و سیرت و مغازی کا ایک ایک حرف

---

[1] حضرت علیؑ کا برتاؤ:۔ جناب سیدہؑ نے صرف بیعت خلیفہ اول و ثانی سے سکوت کیا تو حضرت عمر نے اُن کے ساتھ جو سلوک کیا اُس کو تم پڑھ چکے۔ حضرت رسولخدا صلعم کو بھی جو لوگ مانتے نہیں تھے اُن کے ساتھ حضرتؐ جو سلوک کرتے تھے اس کا بھی نمونہ دیکھ چکے۔ اب اسے بھی جان لو کہ اسلام کے ایک اور پیشوا (حضرت علیؑ) کا برتاؤ ایسے لوگوں کے ساتھ جو حضرتؑ کو نہیں مانتے تھے کیا ہوتا تھا۔ اور اس صفت میں حضرتؑ

Marfat.com

پڑھ جاؤ۔ رجال وحدیث کے ذخیروں کو اچھی طرح الٹ جاؤ تم کو اس کا اشارہ تک کہیں نہیں مل سکتا کہ کسی کافر نے کسی عورت کو اس وجہ سے کوڑا مارا ہو یا اُس پر اُسکے مکان کا دروازہ گرادیا ہو۔ یا اسکے بچہ کا اسقاط کرادیا ہو۔ یا اس کے مکان کے جلا ڈالنے کی دھمکی دی ہو بلکہ وہاں آگ لکڑی کا ڈھیر بھی کر دیا ہو کہ وہ عورت اس شخص کو اپنا مذہبی پیشوا اور دینی مقتدا کیوں نہیں مانتی یا اپنے عقائد اس شخص کے ایسے کیوں نہیں رکھتی۔ یا جو شخص مذہباً اس سے مغائر ہے اس کا ساتھ کیوں دیتی یا اس کو مدد کیوں پہونچاتی ہے۔ مثال کے لیے دور جانے کی ضرورت نہیں۔ حضرت خدیجہ سے بھی کفار عرب کو تقریباً وہی عداوت ہونی چاہیئے تھی جو انھیں حضرت رسولخدا صلعم سے تھی کہ اگر آنحضرتؐ نے اسلام کا نام لیا تو حضرت خدیجہ نے اس کو تسلیم کرنے میں سبقت کی۔ اگر آنحضرتؐ نے بت پرستی کو گمراہی بتایا تو حضرت خدیجہ نے فوراً اسکی تصدیق کی۔ اگر حضرت رسولخدا صلعم نے لوگوں کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۴)

کا طرز عمل بالکل آنحضرت صلعم کے قدم بہ قدم تھا یا کسی موقع پر کسی حیثیت سے کچھ فرق نظر آتا ہے۔ تاکہ تم کو اس امر کا فیصلہ کرنے میں آسانی ہو کہ حضرت رحمۃ للعالمین کی صفات حسنہ کا پورا اتوڑ کون شخص تھا۔ مصداق انک لعلی خلق عظیم کا بہترین آئینہ کس بزرگ کو سمجھنا چاہیئے۔ رسولؐ کے بعد خلق کی ہدایت واصلاح کے لیے کس مجسمہ اخلاق کریمہ کی ضرورت تھی۔ اور وحی الٰہی کا سلسلہ منقطع ہونے کے بعد حجۃ خدا کس شان کا ہونا چاہیئے۔ حضرت علیؑ کو اپنے زمانہ میں چار قسم کے لوگوں سے معاملہ پیش آیا۔ اول خلفاء ثلثہ۔ دوسرے بانیان جنگ جمل۔ تیسرے ارباب جنگ صفین۔ چوتھے خوارج۔ خلفاء ثلثہ کے ساتھ حضرت کا برتاؤ مشہور ہے کہ باوجود اس کے کہ ان لوگوں نے حضرتؑ پر ہر طرح کی زیادتیاں کیں لیکن آپ ہمیشہ ان لوگوں پر رحم ہی کرتے رہے اور ایک منٹ کے لیے بھی یہ ثابت ہونے نہیں دیا کہ حضرت رحمۃ للعالمین کے طرز عمل سے آپ بال برابر بھی الگ ہیں۔ یہاں تک مدد کی کہ حضرت عمر کا قول آج تک مشہور اور ضرب المثل ہے کہ لولا علی لھلک عمر۔ اگر حضرت

Marfat.com

نئے مذہب کی طرف بلایا تو حضرت خدیجہ نے اس کے لئے اپنی کل دولت پیش کر دی۔ حضرت فاطمہؓ صرف اپنے مقام پر خاموش بیٹھی رہیں۔ خلافۃ اول یا ثانی کے خلاف آپ نے نہ کوئی کوشش کی۔ نہ کوئی دولت خرچ کی۔ نہ کسی اور طرح کوئی حصہ لیا اور ان کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا کہ کوڑے سے پیٹی گئیں۔ ان کے جسم مبارک پر دروازہ گرا دیا گیا اور گھر پر آگ لکڑی جمع کر دی گئی۔ لیکن جناب خدیجہ کفار عرب کے مقابلہ میں صرف خاموش ہی نہیں بیٹھی رہیں بلکہ ان کے مذہب پر کاری ضرب لگاتی رہیں۔ ان کے دین کی مذمت کی۔ اس پر لات مارا۔ اپنے عمل سے ثابت کیا کہ کفار عرب کے بزرگوں کی جگہ جہنم ہے۔ دین اسلام جلد از جلد قبول کیا۔ حضرت رسولخدا صلعم کا تن دھن سے ساتھ دیا۔ اسلام کی حمایت میں سینہ سپر رہیں اور مسلمانوں کی ترقی و اشاعت کے لئے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ لیکن کفار عرب نے نہ انکے بازوؤں پر کوڑے مارے نہ ان پر یورش کی۔ نہ ان پر فوج کشی کی۔ نہ ان پر دروازہ گرایا۔ اور نہ ان کے مکان میں آگ لگانے کا سامان کیا۔ اب تم خود فیصلہ کرلو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۵)

علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے (ازالۃ الخفاء مقصد ۲ صفحہ ۲۶۸ وغیرہ)۔ آپ بار بار فرماتے این مفرج الکرب این ابوالحسن۔ کرب کے دور کرنے والے ابوالحسن (حضرت علیؑ) کہاں ہیں ان کو بلاؤ۔ کان عمر بن الخطاب یتعوذ باللہ من معضلۃ لیس لھا ابوحسن۔ حضرت عمر ہر اس مشکل اور مصیبت کا سامنا کرنے سے خدا کی پناہ طلب کرتے تھے جسکے دفع کرنے کے لئے حضرت علیؑ نہ ہوتے (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۱۶) عرب کے ذی اثر اور صاحب اقتدار سردار ابوسفیان نے حضرت علیؑ کی حمایت میں بہت چاہا کہ حضرت اول و دوم کی کامیابیوں کا تخت ہی اُلٹ دیا جائے اور اس کے لئے پوری طرح آمادگی ظاہر کی مگر حضرت علیؑ نے اس کو قبول نہ کر کے دکھا دیا کہ حضرت رحمۃ للعالمین کی پیروی کس طرح کی جاتی ہے۔ اور باوجود اسباب مہیا ہونے کے اپنے مخالفوں سے انتقام کس طرح ترک کیا جاتا ہے۔ حضرت عثمان کا مسلمانوں نے جب محاصرہ کر لیا اور دنیا کا ذرہ ذرہ ان کے خون کا پیاسا ہو گیا تو وہ حضرت علیؑ ہی تھے جنہوں نے انکی

Marfat.com

کہ کس کا طرز عمل کس قابل تھا اور حضرت عمر نے جناب سیدہ کے برتاؤ میں خدا اور رسولؐ کی طرح کفار عرب کی بھی مخالفت ہی کی۔ اور ان سختیوں کی ایجاد کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ مگر لطف یہ ہے کہ آپکی یہ شدتیں بھی صرف حضرت فاطمہؑ و جناب امیرؑ ہی کے ساتھ تھیں۔ حضرت ابو بکر کی یا اپنی خلافت میں آپ نے اور کسی شخص کے ساتھ ان باتوں میں ایک کو بھی جائز نہیں رکھا۔ معلوم نہیں آپ کے جذبات اُس زمانہ میں کیوں اور کیسے ہو گئے تھے کہ جناب سیدہ کے رسول زادی ہونے کی پروا بھی نہیں کی اور جو دل میں آتا گیا کرتے گئے جسکی وجہ سے آج تک اسلامی تاریخ کے اوراق ان شرمناک واقعات سے دنیا کو اسلام اور ارکان اسلام پر ہنسنے کا موقع مہیا کرتے رہتے ہیں۔ مولوی شبلی صاحب ہمارے ہیرو کی حمایت میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیتے ہیں مگر حضرت فاطمہؑ کے ساتھ اس برتاؤ کی کوئی تاویل ان سے بھی نہ ہو سکی۔ اقرار کرنا ہی پڑا لکھتے ہیں۔ بنو ہاشم اپنے ادعا پر ڈٹے رہے اور حضرت فاطمہؑ کے گھر میں وقتاً فوقتاً جمع ہو کر مشورے کرتے رہتے تھے۔ حضرت عمر نے بزور اُن سے بیعت لینی چاہی لیکن بنو ہاشم حضرت علیؑ کے سوا اور کسی کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر نے حضرت فاطمہؑ کے گھر کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۶)

حفاظت میں اپنے گھٹنے ٹیک دیئے اور نہ صرف باغیوں کو روکتے بلکہ آپ کو کھانے پانی تک کی مدد پہونچاتے رہے۔ مورخین نے بتصریح لکھا ہے کہ حاصر الناس عثمان ومنعوہ الماء فاشرف علی الناس فقال افیکم علیؑ فقالوا لا۔ قال افیکم سعد قالوا لا۔ فسکت ثم قال لا احد یبلغ علیا بہ فیسقینا ماء فبلغ ذلک علیا فبعث الیہ بثلث قرب مملوۃ ماءً فما کادت تصل الیہ وجرح بسببہا عدۃ من موالی بنی ہاشم وبنی امیۃ حتے وصل الماء الیہ۔ فبلغ علیا ان عثمان یرید قتلہ۔ فقال انما اردنا منہ مروان فاما قتل عثمان فلا۔ فقال للحسن والحسین اذہبا بسیفکما حتے تقوما علے باب عثمان فلا تدعا احدا یصل الیہ۔ مسلمانوں نے حضرت عثمان کا محاصرہ کر کے ان پر پانی بند کر دیا۔ تو وہ کوٹھے پر چڑھ کر لوگوں

Marfat.com

دروازے پر کھڑے ہو کر کہا کہ یا بنت رسولؐ اللہ خدا کی قسم آپ ہم کو سب سے زیادہ محبوب ہیں تاہم اگر آپ کے ہاں لوگ اس طرح مجمع کرتے رہے تو میں ان لوگوں کی وجہ سے گھر میں آگ لگا دوں گا۔ اگرچہ سند کے اعتبار سے اس روایت پر ہم اپنا اعتبار ظاہر نہیں کر سکتے کیونکہ روایت کے رُواۃ کا حال ہم کو نہیں معلوم ہو سکا تاہم درایت کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ حضرت عمر کی تندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نازک وقت میں حضرت عمر نے نہایت تیزی اور سرگرمی کے ساتھ جو کارروائیاں کیں اُن میں گو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہوں لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ انہی بے اعتدالیوں نے اُٹھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا ورنہ ہم کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اسی وقت جماعت اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا اور وہی خانہ جنگیاں برپا ہو جاتیں جو آگے چل کر جناب امیر علیہ السلام اور امیر معاویہ میں واقع ہوئیں" (الفاروق جلد ۱ صـ۷۲)

مولوی شبلی صاحب کو بتانا چاہیئے کہ حضرت عمر نے بنو ہاشم سے کیوں بزور بیعت لینی چاہی؟ کیا ان کا یہ فعل جائز تھا؟ کیا خدا نے کسی سے بھی بزور بیعت لینے کا کسی کو حکم دیا ہے؟ پھر خدا نے حضرت آدمؑ سے حضرت سید الانبیاءؐ تک کو کیوں حکم نہیں دیا کہ جو شخص انکو نہ مانے اس سے بزور بیعت لیں۔ اس سے زبردستی اپنے کو پیغمبر منوائیں۔ اپنے

(بقیہ حاشیہ صـ۲۵۷)

سے پوچھنے لگے تم میں حضرت علیؑ بھی ہیں؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ پوچھا سعد ہیں؟ کہا گیا وہ بھی نہیں ہیں۔ تو حضرت عثمان خاموش ہو گئے۔ پھر کہا کیا تم میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو حضرت علیؑ تک میرا پیغام پہونچا دے کہ میں پیاسا ہوں وہ مجھے کسی طرح پانی پلوا دیں۔ یہ خبر حضرت علیؑ تک پہنچ گئی تو پانی سے بھری ہوئی تین مشکیں ان کی طرف بھیج دیں مگر باغیوں نے کوشش کی کہ وہ پانی بھی ان تک پہنچنے نہ پائے۔ اسمیں زور آزمائی ہوئی تو موالی بنی ہاشم و بنی امیہ سے بہت لوگ زخمی ہو گئے تب وہ پانی اُن تک پہونچ سکا۔ پھر حضرت علیؑ کو معلوم ہوا کہ باغی حضرت عثمان کو قتل کرنا چاہتے ہیں تو فرمایا اُن سے تو صرف اس امر کا مطالبہ تھا کہ مروان کو حوالہ کر دیں۔ رہا ان کا قتل

مذہب میں اس کو سختی کر کے داخل کریں۔ اس کو مجبور کر کے خدا اور اپنی پیغمبری کا کلمہ پڑھوائیں۔ اس کو بقہر وغلبہ اپنا مطیع بنائیں۔ اس کو کوڑے اور تلوار سے خوف زدہ کر کے اپنی جماعت بڑھائیں۔ اور اس کو بے بس کر کے اپنے حلقہ میں لے لیں۔ لیکن کسی نبی یا رسول کو اسکی اجازت نہیں دی گئی۔ بلکہ صاف صاف فرما دیا لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحییٰ من حی عن بینۃ۔ تاکہ جو شخص گمراہ ہو وہ حق کی حجت تمام ہونے کے بعد گمراہ ہو اور جو ہدایت پائے وہ ہدایت کی حجت تمام ہونے کے بعد ہدایت پائے (پ ۱۰ ع ۱)۔ پھر حضرت ابوبکر کے لئے کیا خصوصیت تھی کہ ان کے لئے زبردستی کا اہتمام کیا گیا۔ اور حضرت عمر کو کیا حق تھا کہ انھوں نے ان لوگوں سے بزور بیعت لینی چاہی۔ کیا حضرت رسول خدا صلعم نے کسی سے بزور بیعت لینے کی اجازت دی ہے؟ یا حضرتؐ نے اپنے طرز عمل سے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ کسی سے بزور بیعت لی جائے۔ سوال تو صرف یہ ہے کہ حضرت عمر نے کیوں کسی پر زور دیا۔ اور جو لوگ بیعت نہیں کرتے تھے ان پر کس عقلی یا نقلی دلیل سے دباؤ دیکر بیعت لینی چاہی۔ مولوی صاحب نے لکھا ہے "یاد رکھنا چاہیے کہ انہی بے اعتدالیوں نے اٹھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۸) تو یہ نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد حضرت علیؑ نے اپنے صاحبزادوں جناب حسنؑ و حسینؑ سے فرمایا کہ تم لوگ اپنی تلواریں لیکر جاؤ عثمان کے دروازے پر کھڑے ہو جاؤ اور کسی شخص کو انکے پاس پہنچنے نہ دو (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۰۹)

دوسری جماعت جنگ جمل والوں کی ہے جنہوں نے حضرت علیؑ کی ظاہری خلافت کے شروع ہی میں آپ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ اس میں حضرت عائشہ کا بہت بڑا حصہ تھا۔ گویا اس کی روح رواں وہی تھیں۔ اگر وہ شریک نہ ہوتیں یا شریک ہونے کے بعد اس سے علیحدہ ہو جاتیں تو اسی وقت جنگ موقوف ہو جاتی اور کسی مسلمان کا خون نہ ہونے پاتا۔ مگر ان کی مستقل مزاجی کی وجہ سے بقول مورخین اسلام طرفین کے ۲۰ ہزار مسلمانوں کا خون بہایا گیا۔ اور تقریباً اتنی ہی مسلمان عورتیں بیوہ کر دی گئیں۔ اور معلوم نہیں کتنے بچے اور بچیاں یتیمی کی مصیبت میں مبتلا ہوئیں۔ حضرت سیدہ نے صرف بیعت

Marfat.com

مولوی صاحب کا فرض تھا کہ یہ بھی بتا دیتے وہ اُٹھتے ہوئے فتنے کن لوگوں کیطرف سے تھے۔ ان لوگوں کی طرف سے جن کے فتنوں کے خوف سے آنحضرتؐ نے ان کو اپنی زندگی ہی میں جیش اسامہ کے ساتھ مدینہ سے بہت دور چلے جانے کا حکم دیا تھا یا ان لوگوں کی طرف سے جن سے آنحضرتؐ کو کوئی خوف نہیں تھا اور جن کو وفات تک آنحضرتؐ نے اپنے پاس سے جدا نہیں کیا۔ ہر شخص تسلیم کریگا کہ خدا اور رسول کا انتظام دوسروں کے انتظام سے ہزارہا درجہ بہتر تھا۔ پس جو لوگ لشکر اسامہ کے ماتحت کر دیئے گئے تھے وہ اگر چلے گئے ہوتے تو کہیں بھی فتنہ و فساد کا نشان تک نہیں ملتا اگر نہیں گئے تھے تو اپنی جگہ خاموش بیٹھے رہتے۔ یہ کیا کہ رسولؐ کی روح پرواز کرتی ہے اور وہ آنحضرتؐ کا جنازہ چھوڑ سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچ گئے اور خلافت کا انتظام کر لیا۔

مولوی صاحب نے آخر میں لکھا ہے "بنو ہاشم کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اُسی وقت جماعت اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا اور وہی خانہ جنگیاں برپا ہو جاتیں جو آگے چل کر جناب امیرؑ اور امیر معویہ میں واقع ہوئیں"۔ اگر ہمارے معزز دوست زندہ ہوتے تو انسے سوال کیا جاتا کہ آپ نے یہ عبارت عالم بیداری میں لکھی ہے یا عالم خواب و خیال میں۔ بنو ہاشم کی سازش کہاں تھی اور کس مصنف نے لکھا ہے کہ بنی ہاشم نے کوئی سازش کی انھوں نے صرف بیعتِ حضرت ابوبکر سے انکار کیا۔ کیا اسی کو سازش کہتے ہیں؟ پھر تو حضرت رسولِ خدا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۹) نہ کرنے کی وجہ سے جو اذیتیں اٹھائیں ان کو تم پڑھ چکے ہو۔ اب حضرت عائشہ نے حضرت علیؑ سے اتنی مخالفت اور ایسی سخت جنگ کے بعد کیا دیکھا کہ بھی معلوم کرلو" بعد واقعہ جمل حضرت علیؑ حضرت عائشہ کے قیام گاہ پر گئے اور بعد حصول اجازت اندر جاکر ان سے کہنے لگے رسولؐ کی بی بیوں کو خدا کا حکم ہے کہ قرن فی بیوتکن یعنی اپنے گھروں میں بیٹھی رہو مگر تم نے اشد خطا کی اور ایسے امور کی مرتکب ہوئیں جو تمہارے مناسب حال نہ تھے باوجودے کہ تم نے آنحضرتؐ کو مکرر یہ فرماتے سنا تھا کہ میں جس کا مولا ہوں علیؑ بھی اس کا مولا ہے۔ پھر بھی تم نے میرے ساتھ دشمنی کی۔ اب مناسب یہی ہے کہ اسی وقت مدینہ کو لوٹ جاؤ اور جس گھر میں جناب رسولؐ نے تم کو چھوڑا تھا تادم مرگ قرار پکڑو

کو بھی آپ سازش ہی کا الزام دیں گے۔ کیونکہ حضرتؑ نے بھی تو بتوں کو معبود ماننے سے انکار کیا تھا۔ لات و عزیٰ کے آگے سجدہ کرنے سے سرتابی کی تھی۔ کفار کا مذہب اختیار کرنے سے باز رہے تھے۔ مخالفین کی اطاعت سے منکر ہو گئے تھے۔ لطف یہ ہے کہ جناب امیرؑ اور امیر معاویہ کی خانہ جنگیاں بھی حضرت ابوبکر و عمر ہی کی وجہ سے ہوئیں۔ اس کو بہت معتبر مورخ اسلام علامہ مسعودی کی تحریر سے دیکھیں لکھتے ہیں (صرف ترجمہ درج کیا جاتا ہے)

جناب محمد ابن ابی بکر اور امیر معاویہ میں خط و کتابت محمد ابن ابی بکر نے معاویہ کو ایک خط اس مضمون کا لکھا کہ محمد ابن ابی بکر کی جانب سے گمراہ معاویہ کو معلوم ہو کہ خدائے باعظمت و جبروت نے اپنی مخلوق کو عبث پیدا نہیں کیا۔ نہ خلقت عالم کی اُس کو حاجت تھی نہ بغیر آفرینش مخلوق اوسکی قوت میں کچھ ضعف ہو سکتا تھا بلکہ اس نے مخلوقات کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ اپنے صانع حقیقی کی عبادت کریں چنانچہ مخلوقات میں گمراہ بھی ہیں رشید بھی شقی بھی ہیں، سعید بھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جناب رسالت مآبؐ کو اپنے علم و قبولیت کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۰) رہو۔ مگر حضرت عائشہ آمادہ نہ ہوئیں تو دوسرے دن امام حسنؑ کو ایک پیام دے کر حضرت علیؑ نے حضرت عائشہ کے پاس بھیجا کہ جا کر کہنا اگر تم اسی وقت مدینہ کی جانب نہ روانہ ہو گی تو میں تم کو ایک ایسے امر پر متنبہ کر دوں گا جس کو تم خوب جانتی ہو۔ حضرت عائشہ یہ سنتے ہی اوٹھیں اور حکم دیا کہ ابھی میرے اسباب سواری پر بار کر کے سفر مدینہ کا سامان کرو۔ اُس وقت ان کے چہرے سے کمال اضطراب ظاہر ہوتا تھا۔ بصرہ کی ایک عورت نے کہا جب ابن عباس نے تم کو علیؑ کا پیام پہنچایا تو تم نے کلمہ بکلمہ جواب دیا۔ پھر خود علیؑ نے آکر تم سے جو کہا تم نے قبول نہ کیا۔ اب یہ حسنؑ کون سا پیام لائے جس پر تم اس درجہ مضطرب ہو گئیں۔ حضرت عائشہ نے فرمایا بات یہ ہے کہ ایک دفعہ میں نے علیؑ سے گفتگو میں زیادہ درشتی اختیار کی تو رسول اللہؐ نے میری سخت کلامی پر غضب ناک ہو کر علیؑ سے فرمایا اے علیؑ میں نے ان بی بیوں کا طلاق تمہارے قبضۂ اختیار میں دے دیا۔ اور تم کو اپنا وکیل کیا ان میں سے جس کو تم میری طرف سے طلاق دے دو گے اُس کا نام

مطابق رسالت و امانت وحی کے لئے منتخب فرما کر بطور بشیر و نذیر مبعوث فرمایا اور جس نے سب سے پہلے آنحضرتؐ کی تصدیق فرمائی وہ علی ابن ابی طالب ہیں جو ہر موقع خوف و دہشت میں رسول مقبول کے جان نثار رہے۔ جس سے آنحضرتؐ نے جنگ کی اس سے انھوں نے بھی جنگ کی اور جس سے آنحضرت نے صلح کی اُس سے انھوں نے بھی صلح کی۔ ہمیشہ شب و روز خوف و جوع کی حالت میں رسول مقبول پر اپنی جان فدا کرنے کو طیار رہے۔ اور ان تمام باتوں میں ایسی سبقت لے گئے کہ نہ پیروان رسول میں کوئی اُنکی نظیر ہو سکتا ہے نہ اعمال حسنہ میں کوئی انکی برابری کر سکتا ہے۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ تو ان پر فوقیت ڈھونڈھتا ہے۔ حالانکہ تو تو ہی ہے اور وہ وہ ہی ہیں۔ وہ اپنی نیت کی بنا پر اصدق الناس اور اپنی ذریت کے اعتبار سے افضل الناس اور فاطمہ زہرا کے شوہر ہونے کی حیثیت سے خیر الناس ہیں۔ اُن کے چچا حمزہ سید الشہداء جنگ احد ہیں۔ اور ان کے باپ وہ شخص ہیں جو پیغمبر خدا کی تکلیفوں کو دور کرتے رہے۔ اور اے معویہ تو خود بھی نفرین کردہ شدہ ہے اور تیرا باپ بھی۔ تم باپ بیٹے ہمیشہ رسول اللہؐ کی ایذا رسانی کے خواہاں اور جان

(بقیہ حاشیہ صـ۲۶۱) ازواج رسولؐ کے دفتر سے محو ہو جائے گا۔ نیز آنحضرتؐ نے امر طلاق کو مطلقاً فرمایا تھا اپنی زندگی اور موت کا فرق نہیں کیا تھا۔ چنانچہ علی بن ابیطالب نے مجھے اسی بات پر متنبہ کیا ہے جس کو سُنکر میں خائف ہوں کہ مبادا ان کی زبان پر ایسا ناگوار لفظ آجائے جس کا تدارک ممکن نہ ہو۔ اور منقول ہے کہ جب حضرت عائشہ نے سفر مدینہ کا ارادہ فرمایا تو حضرت علیؑ نے بارہ ہزار درہم سامان سفر کے لئے حضرت عائشہ کے پاس بھیج دیئے اور جناب محمد بن ابی بکر کو حکم دیا کہ اپنی بہن کو مدینہ طیبہ پہونچا آئیں (روضۃ الاحباب جلد صـ و ارجح المطالب صـ۲۰۲)

غور اور انصاف کرو کہ جناب سیدہ کے صرف سکوت پر ان کے ساتھ کیا کچھ نہ کیا گیا۔ اور حضرت عائشہ کی اس مخالفت اور فوج کشی اور خوں ریزی پر حضرت علیؑ نے ان سے کیا سلوک کیا ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

تیسری جماعت جس سے حضرت علیؑ کو مقابلہ کرنا پڑا جنگ صفین والے ہیں۔ ان کے ساتھ

Marfat.com

وبال سے تو رخدا کے بجھانے میں کوشاں رہے۔ اسی حالت میں تیرا باپ مرگیا اور تو اسکا قائم مقام ہوا۔ تیرے گواہ وہ لوگ ہیں جو بقیۂ احزاب و منافقین میں سے آہستہ آہستہ تیرے پاس پہونچکر پناہ گزین ہوئے اور علیؑ (صاحب فضل مبین قدیم) کے شاہد عادل وہ انصار ہیں جن کی فضیلت کا ذکر قرآن میں ہے اور جن کی مدح و ثنا بہ حیثیت مہاجر و انصار ہونے کے خدا نے فرمائی ہے۔ یہی لوگ علیؑ کی فوج اور جماعت ہیں اور علیؑ کی پیروی کو حق اور اُن کی مخالفت کو شقاوت جانتے ہیں پس وائے ہو تجھ کو کہ علیؑ کی برابری کرتا ہے حالانکہ علیؑ وارث و وصی رسول ہیں۔ علیؑ کی اولاد رسولؐ مقبول کی اولاد ہے اور علیؑ ہی پیغمبر خدا کی پیروی کرنے میں اور آنحضرتؐ سے اقرب عہد ہونے میں اول الناس ہیں جن کو آنحضرتؐ نے اپنے تمام امور و اسرار پر آگاہ کیا۔ اور تو خود بھی اُن کا دشمن ہے اور تیرا باپ بھی ان کا دشمن تھا پس جس قدر تیرے امکان میں ہو باطل ذریعوں سے دنیوی منتع حاصل کر اور جتنا ابن العاص سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۲) حضرتؑ نے جس رحم دلی کا برتاؤ کیا اب اس کو دیکھو جب حضرت علیؑ کی تمام فوج لشکر معویہ کے مقابل پہنچ گئی تو معویہ والوں نے پہلے ہی نہر فرات پر قبضہ کرلیا اور حضرت علیؑ کے لشکر پر پانی بند کردیا۔ جب حضرتؑ کو پانی کے روک کی خبر ہوئی تو معویہ کے پاس پیغام بھیجا کہ تمہارے لشکر نے پانی بند کردیا ہے۔ لشکر کے ساتھ ضعیف کمزور اور بوڑھے بھی ہیں۔ مناسب نہیں کہ مسلمانوں سے پانی روکا جائے۔ اگر ہم یہاں تم سے پہلے پہنچ گئے ہوتے تو ہرگز تم لوگوں پر پانی بند نہ کرتے ہم لوگ پانی پر لڑنے نہیں آئے بلکہ دین کے لئے یہ جنگ ہے تاکہ خلق خدا پر حجت واضح ہوجائے۔ مناسب ہے کہ لشکر کو لب دریا سے اٹھا لو اور پھر لڑو تاکہ حق و باطل کا فرق جنگ سے ظاہر ہوجائے۔ لیکن اگر تمہاری یہی مرضی ہے کہ جو گھاٹ لے لے فتح اُسی کی سمجھی جائے تو ہم اس پر راضی ہیں۔ اس پیغام کے پہنچنے پر معویہ نے اپنے امرا سے مشورہ کیا۔ عمرو عاص نے کہا اے معویہ کیا تم اپنے خیال میں ساقی کوثر کو نہر فرات کے کنارے پیاسا رکھ سکتے ہو؟ مگر معویہ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ جناب امیر کے لشکری

Marfat.com

ہو سکے تجھے گمراہی میں مدد دے۔ مگر اے معویہ! یقین کر لے کہ تیری میعاد ختم ہو چکی اور تیرا مکر سست ہو گیا اور بالآخر تجھ پر واضح ہو جائے گا کہ عاقبت علیا کس کے لئے ہے۔ نیز یہ بھی سمجھ لے کہ تو اس خدا سے فریب کرتا ہے جس نے تیرے کید کی جزا سے تجھے اب تک امن دے رکھا ہے اور جس کی رحمت سے تو مایوس ہو چکا ہے۔ وہ تیری گھات میں ہے اور تو اس سے بے خبر۔ اور سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

معویہ کا جواب محمد بن ابی بکر کے نام جب یہ نامہ معویہ کے پاس پہنچا تو انھوں نے اس کے جواب میں لکھا کہ "اپنے پدر کو عیب لگانے والے پسر محمد بن ابی بکر پر من جانب معویہ بن صخر واضح ہو کہ تو نے اپنے خط میں خدا کی اس عظمت و قدرت کا ذکر کیا ہے جس کا وہ اہل ہے اور ان محامد کو بیان کیا ہے جن کے ساتھ خدا نے اپنے رسولؐ کو برگزیدہ فرمایا۔ نیز انہیں ذکروں کے ساتھ تو نے ایسا کلام کثیر بھی قلم بند کیا ہے جو تیری تضعیف اور تیرے باپ کے لئے سرزنش اور ملامت کا باعث ہے۔ تو نے اپنے خط میں علیؑ ابن ابیطالب کی فضیلت و سابقیت کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی دکھایا ہے کہ وہ رسول اللہؐ کے ساتھ قرابت قریبہ رکھتے ہیں۔ اور انھوں نے ہول اور خوف کے اوقات میں آنحضرتؐ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۳) پیاس سے سخت بے تاب ہوئے تو حضرتؑ سے کہا یا امیرالمومنین تمام لشکر پیاسا ہے ہم کب تک خاموش رہیں۔ اجازت دیجئے کہ لڑ کر ان لوگوں سے پانی چھین لیں۔ حضرتؑ نے مجبوراً اجازت دی۔ زور شور کی لڑائی کے بعد حضرتؑ کی فوج نے گھاٹ چھین لی۔ اب حضرتؑ کے لشکر نے دریا پر چھاؤنی ڈال دی۔ معویہ کو نہایت اضطراب ہوا۔ عمرو عاص نے بھی خوب ملامت کی اور کہا میں کیا کہتا تھا تو اب اگر علیؑ تمہارے ساتھ وہی کریں جو تم نے کل ان کے ساتھ کیا تھا تو تمہارا کیا حال ہوگا؟ معویہ نے کہا اب کیا ہوگا؟ عمرو عاص نے کہا علیؑ تمہارے ایسے نہیں ہیں۔ انہ لکصوٗ کریم۔ وہ بڑے ہی رحم دل اور صاحب عفو و کرم ہیں۔ ہرگز پانی بند نہیں ہونے دینگے۔ خجل اور شرمندہ ہو کر معویہ نے حضرت علیؑ کے پاس درخواست بھیجی کہ ہم پر پانی بند نہ کریں۔ ساقی کوثر نے جواب میں فرمایا ہم کسی پر پانی بند نہیں کرینگے۔

Marfat.com

کے ساتھ کس قدر ہمدردی کی ہے۔ لیکن میری نسبت تیری یہ حجت اور عیب گیری بربنائے فضل غیر ہے۔ تیرے فضل پر مبنی نہیں ہے۔ اور میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ اُس نے تجھ سے اس فضل کو پھیر کر تیرے غیر کو عطا کیا۔ سُن! ہم سب جن میں تیرے باپ بھی شامل ہیں علی ابن ابی طالب کا فضل اور اُن کے حقوق کا لازم و مبرور ہونا اچھی طرح جانتے تھے مگر جب خدا نے اپنے رسولؐ کو دین و حجت کے کامل و آشکار ہو جانے کے بعد اپنے پاس بلا لیا تو تیرے باپ اور اُن کے فاروق ہی اول وہ شخص تھے جنہوں نے باہم اتفاق کر کے علیؑ کے حق کو چھین لیا۔ اور امر خلافت کے متعلق علیؑ کی مخالفت کی۔ پھر دونوں صاحبوں نے علیؑ کو اپنی بیعت کے لئے بلا یا مگر علیؑ عرصہ تک کنارہ کش رہے جس سے اُن دونوں صاحبوں کو رنج و اندوہ لاحق ہوا۔ اور بالآخر ان دونوں نے علیؑ کی نسبت ایسے اہم منصوبے قائم کئے کہ علیؑ کو اُن کی بیعت کر لینی پڑی۔ تاہم ان دونوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۴) خاطر جمع رکھو اور منادی کرا دی کہ پانی سب کے لئے ہے۔ کسی کے لئے کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ دونوں لشکروں میں جس کو ضرورت ہو بے تکلف آدمیوں بلکہ جانوروں کے لئے بھی لے جائے۔

چوتھی جماعت جو حضرت علیؑ سے جنگ پر آمادہ ہوئی خوارج تھے۔ انھوں نے کہا خدا کے سوائے دوسرے کا حکم کوئی چیز نہیں ہے۔ پھر انھوں نے حضرت علیؑ پر خروج کر کے مقام حروراء میں بغرض جنگ لشکر جمع کیا۔ جب یہ خبر حضرت علیؑ کو پہونچی تو آپ نے ابن عباس کو خوارج کے افہام و تفہیم کے لئے بھیجا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک جماعت کثیر اپنے ارادے سے باز رہی اور باقی گروہ خوارج کا نہروان چلا گیا۔ حضرت علیؑ کو یہ حال معلوم ہوا تو آپ نے نہروان کی طرف رخ کیا۔ وہاں خوارج حضرت سے لڑنے پر آمادہ نظر آئے۔ اونھوں نے اتنی زیادتی کی کہ حضرت کی طرف کے ایک شخص عبد اللہ کو ذبح اور انکی حاملہ بی بی کا پیٹ چاک کر ڈالا۔ اس کے بعد بنی طے کی تین عورتوں کو قتل کیا کہ ام سنان بھی ان میں تھی۔ حضرت علیؑ یہ حال سُن کر کمال متاسف ہوئے۔ خوارج کو بہت سمجھایا۔

Marfat.com

بزرگوں نے علیؑ کو نہ اپنے کسی امر میں شریک کیا۔ نہ اپنے بھیدوں پر اطلاع دی حتےٰ کہ ان دونوں صاحبوں نے دنیا سے رحلت فرمائی اور عثمان اُن کے قائم مقام ہوئے اور انکی سیرت و طریقت پر پورا عمل کیا۔ پھر تو نے اور علیؑ نے عثمان کی عیب گیری پر کمر باندھی حتےٰ کہ دور دور کے اہل معاصی اس کی بابت حرص میں پڑ گئے اور تو نے اور علیؑ نے عثمان کے ساتھ دشمنی کا اظہار کر کے اُن کو بلاؤں میں ڈالنا چاہا اور اس کے متعلق تیری اور علیؑ کی مراد پوری ہو گئی۔

اے ابو بکر کے بیٹے پنج اور اپنی بالشت کو اپنی انگلیوں کی درمیانی وسعت پر قیاس کر۔ تو اوس شخص کے مقابلہ اور مساوات سے قاصر ہے جو پہاڑوں کو اپنی بردباری کے ساتھ وزن کرتا ہے۔ پس جس معاملہ کے متعلق ہم گفتگو کر رہے ہیں اگر وہ ٹھیک ہے تو تیرے باپ ہی نے استبدادی طریقہ سے اُس کی ابتدا کی اور ہم سب اُن کے اس فعل میں شریک رہے۔ اگر تیرے باپ قبل ازیں ایسا برتاؤ عمل میں نہ لاتے تو ہم بھی علیؑ کی مخالفت نہ کرتے بلکہ اُن کے مطیع رہتے لیکن جب ہم نے تیرے باپ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا تو اونھیں کی مثال ہم نے بھی اختیار کی۔ اب اگر تو عیب الزام لگائے تو اپنے باپ کو لگائے یا اس خیال کو چھوڑ دے۔ اور سلام ہو اُس پر جو حق کی طرف رجوع کرے"۔ فقط

(ان خطوط کی اصل عربی عبارت مروج الذہب مطبوعہ مصر بر حاشیہ تاریخ کامل جلد ۶ صفحہ ۷۹ میں موجود ہے اور یہ ترجمہ بھی انہیں کے ہم مذہب خاں بہادر شیخ احمد حسین صاحب تعلقدار پریانواں کی تاریخ احمدی صفحہ ۱۷۶ سے نقل کیا گیا ہے۔) مورخ مشہور علامہ ابن اثیر جزری و

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۵) پند و نصیحت کی مگر وہ نہ مانے تو مجبوراً حضرتؑ نے ان سے بھی اسی طرح دفاعی جنگ کی جس طرح حضرت رسولخدا صلعم مدینہ میں اسلام و مسلمین کی حمایت میں جہاد کرتے رہے۔ لیکن نہ کسی کو مجبور کر کے گرفتار کیا نہ کسی نہتے پر ہتھیار اُٹھنے دیا نہ کسی عورت کو کوڑے لگوائے۔ نہ اس پر دروازہ گرانے کا حکم دیا نہ اسکے مکان کے جلا ڈالنے کا سامان کیا ۱۲

Marfat.com

علامہ طبری نے بھی ان خطوط کا ذکر کیا ہے مگر ان کے مضمون کو غائب کر دیا۔ لکھتے ہیں ان محمد ابن ابی بکر کتب الی معویۃ لما ولے فذکر مکاتبات جرت بینھما کرھت ذکرھا لما فیہ مما لا یحتمل سماعھا العامۃ معویہ کے خلیفہ ہونے پر ان میں اور محمد بن ابی بکر میں ایسی خطوط کتابت جاری رہی جسکی نقل کو میں پسند نہیں کرتا کیونکہ ان میں وہ مضامین مذکور ہیں جن کا سننا عام لوگ کسی طرح برداشت نہیں کر سکتے (تاریخ طبری جلد ۵ صـ ۲۳۲ و کامل جلد ۳ صـ ۱۰۱)

چوتھی فصل

حضرت ابوبکر پر آپکا غلبہ

حضرت ابوبکر باوجودے کہ خلیفہ کہے جاتے مگر درحقیقت خلافت کے کل امور حضرت عمر ہی انجام دیا کرتے۔ کان ابوبکر لا یخالف عمر ولا یعصیہ۔ حضرت ابوبکر کسی طرح حضرت عمر کی نہ مخالفت کرتے اور نہ ان کی نافرمانی کرتے تھے (تاریخ خمیس جلد ۲ صـ ۲۴۷) خرج الزبرقان والاقرع الی ابی بکر وقالا اجعل لنا خراج البحرین ونضمن لک الا یرجع من قومنا احد ففعل وکتب الکتاب وکان الذی یختلف بینھم طلحۃ واشھد واشھدوا منھم عمر فلما اتے عمر بالکتاب فنظر فیہ لم یشھد۔ قال لا واللہ ولا کرامۃ ثم مزق الکتاب ومحاہ فغضب طلحۃ فاتے ابابکر فقال أانت الامیر ام عمر۔ فقال عمر غیران الطاعۃ لی فسکت۔ دو شخص زبرقان و اقرع حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور کہا بحرین کا خراج ہمارے لئے مقرر کر دیجئے۔ ہم ضامن ہوتے ہیں کہ ہماری قوم سے کوئی پلٹے گا نہیں آپنے یہ بات مان لی اور ایک دستاویز لکھ کر اُن کے حوالہ کر دی۔ اس وثیقہ کے کئی گواہ مقرر ہوئے جن میں حضرت عمر کا نام بھی تھا۔ مگر حضرت عمر نے اس کو دیکھا تو پھاڑ ڈالا اور مٹا دیا۔ اس پر طلحہ غضب ناک ہو کر حضرت ابوبکر کے پاس آئے۔ اور کہا خلیفہ آپ ہیں یا عمر؟ بولے خلیفہ تو عمر ہی ہیں مگر طاعت میری ہے۔ اس پر وہ خاموش ہو رہے (طبری جلد ۳ صـ ۲۴۰)۔ ثم بعث ابوبکر الجنود الی الشام وکان اول من استعمل علی ربع منھا خالد بن سعید فاخذ عمر یقول لا تؤمرہ وقد صنع ما صنع وقال ما قال فلم

Marfat.com

ینزل بابی بکر حتے عزلہ ۔ حضرت اول نے کچھ فوجیں شام کو بھیجیں اور ایک ربع پر خالد بن سعید کو افسر بنایا تو حضرت عمر کہنے لگے تم اس کو افسر فوج بناتے ہو؟ حالانکہ اسنے جو کچھ کیا کیا اور جو کچھ کہا کہا حضرت عمر ان پر مسلط ہی رہے یہاں تک کہ انھوں نے خالد کو اُسی وقت معزول کر دیا (طبری جلد ۴ ص ۲۵) ۔ عن عروۃ قال دخلت علے معویۃ فقال لی ما فعل المسلول قلت ھو عندی قال اناد اللہ خططتہ بیدی اقطع ابوبکر الزبیر فکنت اکبتھا فجاء عمر فاخذ ابوبکر الکتاب فادخلہ فی ثنی الفراش فدخل عمر فقال کانکم علے حاجۃ فقال ابوبکر نعم فخرج فاخرج ابوبکر الکتاب فاتممتہ ۔ عروہ کا قول ہے کہ ایک دفعہ میں معویہ کے پاس گیا۔ انھوں نے پوچھا مسلول نامی زمین کس کے پاس ہے۔ کہا میرے پاس۔ معویہ نے کہا ابوبکر نے اسے اپنے داماد زبیر کو دینا چاہا تو میں اس کا وثیقہ لکھنے لگا مگر عمر وہاں پہنچ گئے تو ابوبکر نے وہ وثیقہ اپنے فرش کے نیچے چھپا لیا۔ حضرت عمر پوچھنے لگے تم لوگ کوئی خاص کام کرتے تھے؟ ابوبکر نے کہا ہاں۔ تو وہ نکل گئے۔ تب ابوبکر نے وہ وثیقہ نکالا اور میں نے اسے تمام کیا (کنز العمال جلد ۲ ص ۱۸۹) ۔ جناب سیدہ اور حضرت امیرؑ کے استدلال سے لاجواب ہو کر حضرت ابوبکر نے فدک کا وثیقہ بھی آپ کے لئے لکھدیا تھا۔ مگر حضرت عمر بگڑتے اور بہت کچھ بولتے رہے ثم اخذ عمر الکتاب فشقہ پھر حضرت عمر نے وہ وثیقہ لیکر پھاڑ ڈالا (سیرۃ حلبیہ جلد ۳ ص ۳۹) ۔ حضرت ابوبکر فرماتے تھے واللہ لا اجد شیئا رد ہ عمر ۔ خدا کی قسم میں اس بات کو منظور نہیں کر سکتا جس کو عمر نے نامنظور کر دیا ہو (منتخب کنز العمال جلد ۴ ص ۳۷۱) فاشار علیہ عمر بعزلہ فقال ابوبکر فمن یجزی عنی جزاء خالد قال عمر انا قال فانت حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کو مشورہ دیا کہ خالد کو معزول کر دو۔ پوچھا خالد جو کارہائے نمایاں انجام دے رہے ہیں کون سنبھالے گا؟ کہا میں ۔ حضرت ابوبکر نے کہا اچھا تم جاکر اور اُن کو معزول کر کے ان کا کام اپنے ہاتھ میں لے لو ۔ حضرت عمر آمادہ ہو گئے ۔ مگر اصحاب رسولؐ نے حضرت ابوبکر سے کہا یہ کیا غلطی کرتے ہیں۔ بغیر عمر کے آپ کا کام نہیں چل سکتا۔ آپ ان سے صاف کہہ دیں کہ تمہیں یہیں رہنا ہو گا (اصابہ جلد ۲ ص ۵۰۱) ۔ مگر بعض اوقات حضرت عمر کی باتیں حضرت ابوبکر کی برداشت سے بھی باہر ہو جاتی تھیں جسکی وجہ سے آپ

اُن پر بگڑ جاتے بلکہ ہاتھ پاؤں کو بھی حرکت دینے لگتے۔ مثلاً جس طرح حضرت رسولخدا صلعم نے اسامہ بن زید کو سردار فوج مقرر کیا تھا۔ حضرت ابوبکر نے بھی کیا تو صحابہ نے حضرت عمر سے کہلایا کہ کسی بڑے شخص کو ہمارا سردار بنائیے۔ حضرت عمر گئے اور صحابہ کا پیغام پہنچایا فوثب ابوبکر وکان جالسا فاخذ بلحیۃ عمر فقال لہ ثکلتک امک وعدمتک یا ابن الخطاب استعملہ رسول اللہ وتامرنی ان انزعہ۔ یہ بات سنی تو حضرت ابوبکر نے جو بیٹھے ہوئے تھے اُچک کر حضرت عمر کی ڈاڑھی پکڑ لی اور کہا اے خطاب کے بیٹے! تمہاری ماں تمہارے ماتم میں بیٹھے اور تم کو ناپید کرے! اسامہ کو رسولخدا صلعم تو سردار مقرر کر گئے اور تم مجھے حکم دیتے ہو کہ ان کو معزول کردوں (تاریخ طبری جلد ۳ ص ۲۱۲ وکامل جلد ۲ ص ۱۲۷ وغیرہ) اور جب حضرت عمر نے ممدوح سے کہا یا خلیفۃ رسول اللہ تالف الناس وارفق بھم۔ فقال جبار فی الجاھلیۃ خوار فی الاسلام فماذا تالفھم۔ اے خلیفۂ رسول! لوگوں کو ملائیے اور ان کے ساتھ نرمی کیجئے تو حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے کہا تم جاہلیت میں جبار تھے اور اسلام میں خوار ہو گئے۔ میں کس چیز سے ان لوگوں کو ملاؤں؟ (منتخب کنز العمال جلد ۴ ص ۳۴۹ وتاریخ الخلفاء ص ۵۰ وازالۃ الخفاء مقصد ۲ ص ۲۸ وغیرہ) "جبار فی الجاھلیۃ وخوار فی الاسلام" حضرت صدیق نے حضرت عمر سے فرمایا کیا جاہلیت کے زمانہ میں تو تم سرکش اور سخت تھے اسلام میں آکر ناتوان اور کمزور ہو گئے۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد عرب کے کئی قبیلوں نے زکوۃ دینے سے انکار کیا۔ حضرت صدیق نے کہا میں ان سے لڑوں گا۔ حضرت عمر نے یہ رائے دی کہ تم کو تالیف قلوب چاہیئے۔ تب حضرت صدیق نے یہ فرمایا (انوار اللغۃ پ ۱۰ ص ۱۳۵)۔ کبھی کبھی حضرت رسولؐ کی زندگی میں بھی دونوں بزرگوں کے درمیان اس طرح کی نوک جھوک ہو جایا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا میری امت سے ایک لاکھ آدمی بہشت میں جائیں گے۔ اس پر حضرت ابوبکر نے تین بار کہا اے رسولؐ ہمیں زیادہ کیجئے۔ فقال عمر ثکلتک امک یا ابا بکر قال مالنا ولک یا ابن الخطاب۔ تو حضرت عمر نے کہا اے ابوبکر بس بھی کرو۔ اس پر حضرت ابوبکر نے جواب دیا اے خطاب کے بیٹے تم ہمارے درمیان کیوں بولنے لگتے ہو؟ (مسند احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۹۳)

پانچویں فصل

مالک کا واقعہ اور مظلوم کی زبردست حمایت

بعض اوقات حضرت عمر مظلوم کی حمایت پر اس طرح آمادہ ہو جاتے کہ حضرت ابوبکر کی ناراضی کی پروا بھی نہیں کرتے تھے جس کی وجہ سے دونوں بزرگوں میں سخت اختلاف پیدا ہو جاتا تھا۔ مثلاً مالک بن نویرہ کی طرفداری جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں قبیلہ بنو یربوع نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ ان کا بزرگ مالک بن نویرہ تھا جو بادشاہ، بہادر سردار اور شاعر تھا۔ وفات رسولؐ پر اس نے حضرت ابوبکر کو زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تو حضرت ابوبکر نے اس کی طرف خالد بن ولید کو بھیجا کہ اس سے جنگ کرو۔ مالک نے ان لوگوں سے کہا میں مسلمان ہوں نماز پڑھتا ہوں صرف ابوبکر کو زکوٰۃ دینا نہیں چاہتا۔ اس پر دونوں میں دیر تک سخت کلامی ہوئی۔ خالد نے کہا میں تم کو ضرور قتل کر کے رہوں گا۔ اور ضرار ابن ازور کو حکم دیا کہ مالک کو قتل کر دو۔ ضرار بڑھا تو مالک اپنی بی بی کی طرف جو نہایت ہی حسینہ و جمیلہ تھی متوجہ ہو کر کہنے لگا میری یہی بی بی میرے قتل ہونے کا سبب ہے کیونکہ اسی کی خوبصورتی مجھے قتل کراتی ہے۔ خالد نے کہا نہیں بلکہ تم اسلام سے پھر گئے اس سبب سے قتل کئے جاتے ہو۔ مالک نے کہا واہ میں تو اسلام ہی پر قائم ہوں۔ اس جگہ حضرت عمر کے صاحب زادے عبداللہ اور ابو قتادہ انصاری بھی موجود تھے۔ ان دونوں نے خالد سے مالک کی سفارش کی (کہ یہ مسلمان ہے کیونکر اس کو قتل کرتے ہو) مگر خالد نے ان دونوں کی باتیں بھی ناپسند کیں۔ خود خالد کی فوج سے بہ کثرت لوگوں نے خالد سے کہا کہ یہ لوگ مسلمان ہیں ہم نے ان کی اذان سنی اور ان کو نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ تم کو خدا کی قسم ان کو قتل نہ کرو۔ مگر خالد نے کسی کی بات نہیں سنی اور کہا اے ضرار ان کی گردن اڑا دو۔ بیچارہ فوراً قتل کر دیا گیا اور اس کا سر ایک دیگچی کا چولھا بنا دیا گیا (کہ اس کے سر میں آگ لگائی گئی اور اس پر دیگچی رکھی گئی) کیونکہ مالک کے سر میں بال بہت تھے۔ اس کے بعد فوراً ہی

Marfat.com

خالد نے مالک کی بی بی پر قبضہ کیا جسکے متعلق ایک شخص نے کچھ اشعار میں یہ مضمون لکھا ہے اے مخاطب جب تو اس قبیلہ سے جو جانوروں کی ٹاپوں سے روندڈالا گیا گزرے تو کہدے کہ مالک کے قتل ہو جانے کے بعد یہ رات بڑی لمبی ہو گئی۔ خالد نے ظلم وستم سے مالک کی پری جمال بی بی پر تصرف کر لیا جس کا عشق اس کے سینہ میں بہت دنوں سے شعلہ ور ہو رہا تھا۔ خالد نے کسی طرح اپنی تمنا پوری کر لی اور اس نے نہ اپنی فریفتگی سے منہ موڑا نہ اس پر قابو رکھ سکا۔ اس طرح وہ نئی معشوقہ کا ہم بستر ہو گیا اور (اس معشوقہ کا شوہر) بیچارہ مالک اپنی بی بی سے جدا کر کے ہلاکت کے گڈھے میں پھینک دیا گیا۔ جب اس واقعہ کی خبر حضرت عمر و ابوبکر کو ہوئی تو حضرت عمر نے اسے کہا کہ خالد نے (مالک کی خوبصورت بی بی سے) زنا کیا ہے اس کو سنگسار کر دو۔ پھر اس طرح گفتگو ہونے لگی:-

حضرت ابوبکر۔ میں اس کو سنگسار نہیں کر سکتا اس نے تاویل کی تو خطا کی پھر میں قتل کیوں کروں۔

حضرت عمر۔ اچھا اس نے ایک مسلمان (مالک) کو قتل کیا ہے۔ اس کے عوض اسکو قتل کر دو۔

حضرت ابوبکر۔ میں اس کو قتل بھی نہیں کروں گا۔ اس نے تاویل کی جس میں اس سے خطا ہو گئی۔

حضرت عمر۔ خیر تو اس کو معزول کر دو کہ پھر ایسا ظلم نہ کر سکے)

حضرت ابوبکر۔ میں اس تلوار کو نیام میں نہیں کر سکتا جس کو خدا نے ان لوگوں (میرے مخالفوں) پر کھینچ دیا ہے۔

غرض حضرت عمر لاکھ کوشش کرتے رہے مگر حضرت ابوبکر نے ان کی کوئی بات نہیں مانی (طبری جلد ۳ صلہ ۲۴۲ و کامل جلد ۲ صلہ ۱۲۶ و ابو الفدا جلد ۱ صلہ ۱۵۵ و روضۃ المناظر جلد ۱ صلہ ۱۱۵ وغیرہ)۔ جس وقت مالک نے دیکھا تھا کہ جناب خالد بن ولید کی نظر اسکی خوشحال بی بی پر پڑ گئی۔ اسی وقت کہہ دیا کہ اب میری خیریت نہیں۔ ان خالدا سا اے امرأۃ مالک وکانت فائقۃ فی الجمال فقال مالک بعد ذلک لامرأتہ قتلتنی یعنی

ساقتل من اجلک۔ جب خالد کی نظر مالک کی زوجہ پر پڑ گئی جو حُسن جمال میں آپ اپنی نظیر تھی تو مالک نے فوراً اس سے کہہ دیا اب میرے قتل میں کوئی شبہ نہیں رہا یعنی تیرے عشق ہی کی وجہ سے خالد مجھکو قتل کر کے رہیگا تاکہ میرے بعد وہ تجھ سے اپنا مطلب پورا کرے (اصابہ جلد ۶ ص۳۷)۔ لطف یہ کہ خالد حکم اسلام کے مطابق زمانہ عدہ تک بھی برداشت نہ کر سکے وقتل مالک بن نویرۃ فتزوج ام تمیم امرأتہ من لیلتہ وکانت جمیلۃ۔ جب مالک بن نویرہ قتل کر دیا گیا تو جس دن وہ قتل ہوا اُسی رات کو خالد نے اُس کی بی بی سے ہم بستری کی کیونکہ وہ بہت ہی خوبصورت تھی۔ ان خالدا امر براس مالک فجعل اثفیۃ القدر۔ پھر خالد نے حکم دیا کہ مالک کا سر چولھا بنایا جائے اور اُس پر دیگچی رکھی جائے۔ وکان من اکثر الناس شعرا فکانت القدر علی راسہ۔ مالک کے سر کے بال بہت تھے۔ اُس میں آگ لگا کر دیگچی اس پر رکھ دیگئی (تاریخ خمیس جلد ۲ ص۲۳۳)۔ یہاں ایک مشکل سوال پیدا ہوتا ہے کہ ام تمیم تو اپنے بے مثال حسن وجمال کی وجہ سے قبضہ میں کر لی گئی اور حلال وحرام کی پروا تک نہیں کی گئی اور مالک بھی اُسی کے آتش عشق کی وجہ سے ختم کر دیا گیا مگر اس کے مرنے کے بعد اس کی لاش کو کیوں سزا دی گئی کہ اس کے بالوں میں آگ لگائی گئی۔ اس کے سر کا چولھا بنایا اور اس پر کھانا پکایا گیا۔ شاید اس نئی بیوہ کو اس کے محبوب شوہر کا نیا تماشہ دکھانے کے لئے یہ برتاؤ کیا گیا ہو۔ حضرت ابوبکر ان کل باتوں سے خوش ہی ہوتے اور خالد کی مدح وثنا کے پُل ہی باندھتے رہے۔ فلما بلغ ذلک ابابکر قال عجزت النساء ان یلدن مثل خالد۔ جب خالد کے کارنامے حضرت ابوبکر تک پہونچے تو (بجائے افسوس وریخ کے) خوش ہو کر اور جوش میں آکر فرماتے کہ دوسری عورتیں خالد ایسا بہادر پیدا کرنے سے عاجز ہیں (طبری جلد ۴ ص۱۱ و کامل جلد ۲ ص۱۴۹ وغیرہ)۔ اس وجہ سے خالد کی دلیری بھی بہت بڑھ گئی تھی۔ وہ حضرت عمر کی بھی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے تھے۔ جب خلیفہ وقت ہی ان کی پشت پناہی پر آمادہ تھے تو وہ کسی کی پروا ہی کیوں کرتے۔ حضرت عمر اس وقت سوائے شرمندہ ہونے کے اور کرتے ہی کیا لیکن ممدوح پر ان مظالم کا خاص اثر تھا۔ وہ خالد کو ظالم۔ زانی اور گردن زدنی سمجھتے رہے اور اپنی جانب سے انکی مخالفت کا کوئی درجہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اس وجہ سے جب خود خلافت کی مسند پر تشریف فرما ہوئے تو

خالد کو جلد از جلد معزول کر کے رہے

Marfat.com

چھٹی فصل

حضرت عمر کا استخلاف

جب ۱۳ھ میں حضرت ابوبکر دنیا سے انتقال کرنے لگے تو بالخانہ سے لوگوں کو جھانکا اور دعا عثمان خالیا فقال له اکتب بسم الله الرحمن الرحیم هذا ما عهد ابوبکر الی المسلمین اما بعد قال ثم اغمی علیه فذهب عنه فکتب عثمان اما بعد فانی قد استخلفت علیکم عمر بن الخطاب ولم آلکم خیرا ثم افاق ابوبکر فقال اقرء علیّ فقرء علیه فکبر ابوبکر وقال اراک خفت ان یختلف الناس ان اقتلتت نفسی فی غشیتی قال نعم۔ حضرت عثمان کو تنہائی میں بلا کر وصیت نامہ لکھوانے لگے "اما بعد" لکھ کر بیہوش ہو گئے۔ حضرت عثمان نے خود لکھ دیا میں نے تم پر عمر کو خلیفہ کیا حضرت ابوبکر کو ہوش ہوا تو پڑھوایا یہ سنکر کہا اللہ اکبر تم ڈر گئے کہ میں ختم نہ ہو جاؤں۔ حضرت عثمان نے کہا ہاں (طبری جلد ۴ صـ۵۲)۔ واہیل الکتاب مع مولے له ومعه عمر پھر حضرت ابوبکر نے وہ وصیت نامہ اپنے غلام اور حضرت عمر کے ساتھ لوگوں کیطرف بھیجا وبید ہ جرید تہ وھو یقول اسمعوا واطیعوا قول خلیفۃ رسول اللہ۔ حضرت عمر ڈنڈا لئے لوگوں سے کہتے تھے خلیفہ رسول کا حکم سنو اور مان لو (طبری جلد ۴ صـ۵۲ وکامل جلد ۲ صـ۱۶۲) فقال له رجل ما فی الکتاب یا ابا حفص قال لا ادری ولکنی اول من سمع واطاع۔ قال لکنی واللہ ادری ما فیه۔ امر ته عام اول وامرک العام۔ حضرت عمر وہ وثیقہ لیکر لوگوں کے پاس گئے تو ایک شخص نے پوچھا اے حفصہ کے باپ! اسمیں لکھا کیا ہے؟ کہا معلوم نہیں لیکن سب سے پہلے اس حکم کا ماننے والا میں ہوں۔ اس شخص نے کہا تم کو نہ معلوم ہو لیکن خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ اسمیں کیا لکھا ہے۔ پارسال تم نے انکو خلیفہ بنایا تو (اسکے عوض) اس سال انہوں نے تمکو خلیفہ بنا دیا (امامت وسیاست جلد ۱ صـ۳۳) معلوم نہیں ممدوح نے کس مصلحت سے اپنے بالخانہ میں سے جھانک کر حضرت عمر کو اپنا خلیفہ ظاہر کرنا پسند کیا ع رموز مملکت خویش خسرواں دانند

چوتھا باب۔ وفات خلیفہ اوّل سے وفات حضرت عمرؓ تک کے حالات

پہلی فصل۔ خلافت کی اجمالی کیفیت

تاریخ ابوالفدا بہت جامع اور مختصر تاریخ ہے۔ اس وجہ سے ہم پہلے اسکی پوری عبارت نقل کرتے ہیں، تاکہ اجمالی حالات پر آسانی سے نظر ہو جائے۔ لکھتے ہیں:۔

Marfat.com

ذکر وفات ابی بکر رضی اللہ عنہ وقد اختلف فی سبب موتہ فقیل ان الیھود سمتہ فی ارز وقیل فی حسو فاکل ھو والحارث ابن کلدۃ فقال الحارث اکلنا طعاما مسموما سم سنۃ فما تابعد سنۃ وعن عائشۃ رضی اللہ عنہا انہ اغتسل وکان یوما بارد انحم خمسۃ عشر یوما لا یخرج الی الصلاۃ وامر عمر ان یصلی بالناس وعھد بالخلافۃ الی عمر ثم توفی مساء لیلۃ الثلاثاء بین المغرب والعشاء لثمان بقین من جمادی الآخرۃ سنۃ ثلاث عشرۃ فکانت خلافتہ سنتین وثلاثۃ اشھر وعشر لیال وعمرہ ثلاث وستون سنۃ وغسلتہ زوجتہ اسماء بنت عمیس وحمل علی السریر الذی حمل علیہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وصلی علیہ عمر فی مسجد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بین القبر والمنبر واوصی ان یدفن الی جنب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فحفر لہ وجعل راسہ عند کتفی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وکان حسن القامۃ خفیف العارضین معرق الوجہ غائر العینین ناتی الجبھۃ احنی عاری الاشاجع یخضب بالحناء والکتم۔

ذکر خلافۃ عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبد العزی رضی اللہ عنہ بویع بالخلافۃ فی الیوم الذی مات فیہ ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالی عنہ واول خطبۃ خطبھا قال یا ایھا الناس واللہ ما فیکم احد اقوی عندی من الضعیف حتی آخذ الحق لہ ولا اضعف عندی من القوی حتی آخذ الحق منہ ثم اول شئ امر بہ ان عزل خالد بن الولید عن الامرۃ وولی ابا عبیدۃ علی الجیش بالشام وارسل بذلک الیھما وھو اول من سمی بامیر المومنین وکان ابوبکر یخاطب بخلیفۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (ثم سار ابو عبیدۃ) ونازل دمشق وکانت منزلتہ من جھۃ باب الجابیۃ ونزل خالد من جھۃ باب توما وباب شرقی ونزل عمرو بن العاص بناحیۃ اخری وحاصر وھا قریباً من سبعین لیلۃ وفتح خالد ما یلیہ بالسیف فخرج اھل دمشق وبذلوا الصلح لابی عبیدۃ من الجانب الآخر وفتحوا لہ الباب فامنھم ودخل والتقی مع خالد فی وسط البلد وبعث ابو عبیدۃ بالفتح الی عمر (وفی ایامہ) فتح العراق (ثم دخلت سنۃ اربع عشرۃ) فیھا فی المحرم امر عمر ببناء البصرۃ فاختطت

Marfat.com

وقيل فى سنة خمس عشرة وفيها توفى ابو قحافة ابو ابى بكر الصديق وعمره سبع وتسعون سنة وكانت وفاته بعد وفاة ابنه ابى بكر (ثم دخلت سنة خمس عشرة) فيها فتحت حمص بعد دمشق بعد حصار طويل حتى طلب الروم الصلح فصالحهم ابو عبيدة على ما صالح اهل دمشق (ثم سار) الى حماة قال القاضى جمال الدين بن واصل رحمه الله تعالى فى التاريخ الذى نقلنا هذا منه ان حماة كانت فى زمن داؤد وسليمان عليهما السلام مدينة عظيمة قال وقد وجدت ذكرها فى اخبار داؤد وسليمان فى كتاب اسفار الملوك الذى بايدى اليهود وكذلك كانت فى زمن اليونان الا انها فى زمن الفتوح وقبله كانت صغيرة هى وشيزر وكانا من عمل حمص وكانت حمص كرسى مملكة هذه البلاد وقد ذكرهما امرئ القيس فى قصيدته التى اولها :: سمالك شوق بعد ما كان اقصرا :: ويقول من جملتها - تقطع اسباب اللبانة والهوى :: عشية جاوزنا حماة وشيزرا - قال بعض الشراح حماة وشيزر قريتان من قرى حمص ولما وصل ابو عبيدة الى حماة خرجت الروم التى بها اليه يطلبون الصلح فصالحهم على الجزية لرؤسهم والخراج على ارضهم وجعل كنيستهم العظمى جامعا وهو جامع السوق الاعلى من حماة ثم جدد فى خلافة المهدى من بنى العباس وكان على لوح منه مكتوب انه جدد من خراج حمص ثم سار ابو عبيدة الى شيزر فصالحه اهلها على صلح اهل حماة وكذلك صالح اهل المعرة وكان يقال لها معرة حمص ثم قيل لها معرة النعمان بن بشير الانصارى لانها كانت مضافة اليه مع حمص فى خلافة معاوية (ثم) سار ابو عبيدة الى اللاذقية ففتحها عنوة (وفتح) جبلة والطرطوس (ثم) سار ابو عبيدة الى قنسرين وكانت كرسى المملكة المنسوبة اليوم الى حلب وكانت حلب من جملة اعمال قنسرين ولما نازلها ابو عبيدة وخالد بن الوليد كان بها جمع عظيم من الروم فجرى بينهم قتال شديد انتصر فيه المسلمون ثم بعد ذلك طلب اهلها الصلح على صلح اهل حمص فاجابهم على ان يخربوا المدينة فخربت (ثم) فتح بعد ذلك حلب وانطاكية وملبج ودلوك وسرمين وتنزين وعزاز واستولى

Marfat.com

على الشام من هذه الناحية (ثم) سار خالد الى مرعش ففتحها واجلى اهلها واخربها وفتح حصن الحدث (وفى هذه السنة) لما فتحت هذه البلاد وهى سنة خمس عشرة :: وقيل ست عشرة اليس هرقل من الشام وسار الى قسطنطينية من الروم :: ولما سار هرقل علا على نشز من الارض ثم التفت الى الشام وقال السلام عليك يا سوريا سلام لا اجتماع بعده ولا يعود اليك رومى بعدها ابدا حتى يولد المولود المشؤم وليته لم يولد فما اجل فعله وأمر فتنته على الروم ثم فتحت قيسارية وصبصطية وبها قبر يحيى بن زكريا ونابلس ولد وبها وتلك البلاد جميعها واما بيت المقدس فطال حصاره وطلب اهله من ابى عبيدة ان يصالحهم على صلح اهل الشام بشرط ان يكون عمر بن الخطاب متولى امر الصلح فكتب ابو عبيدة الى عمر بذلك فقدم عمر رضى الله عنه الى القدس وفتحها واستخلف على المدينة على بن ابى طالب رضى الله عنه (وفى هذه السنة) اعنى سنة خمس عشرة وضع عمر ابن الخطاب الدواوين وفرض العطاء للمسلمين ولم يكن قبل ذلك وقيل كان ذلك سنة عشرين فقيل له ابدا بنفسك فامتنع وبدأ بالعباس عم رسول الله صلى الله عليه وسلم ففرض له خمسة وعشرين الفا ثم ابن أبا لاقرب فالاقرب من رسول الله صلى الله عليه وسلم وفرض لاهل بدر خمسة آلاف خمسة آلاف وفرض لمن بعدهم الى الحديبية وبيعة الرضوان اربعة آلاف اربعة آلاف ثم لمن بعدهم ثلاثة آلاف ثلاثة آلاف وفرض لاهل القادسية واهل الشام الفين الفين وفرض لمن بعد القادسية واليرموك الفا الفا ولزياد فهم خمسمائة خمسمائة ثم ثلثمائة ثلثمائة ثم مائتين وخمسين مائتين وخمسين (وكان فى هذه السنة اعنى سنة خمس عشرة وقعة القادسية وكان المتولى لحرب الاعاجم فيها سعد بن ابى وقاص وكان مقدم العجم رستم وجرى بين المسلمين وبين الاعاجم اذ ذاك قتال عظيم دام اياما فكان (اليوم) الاول يوم اغواث ثم (يوم) عماس ثم (ليلة) الهرير لتركهم الكلام فيها وانما كانوا يهرون هريرا حتى اصبح الصباح ودام القتال الى الظهيرة وهبت ريح عاصفة فمال الغبار على المشركين فانكسروا وانتهى القتال واصيب

الی سریر رستم وقد قام رستم عنه واستظل تحت بغال علیها مال وصلت من
کسری للنفقة فلما شدوا علی رستم هرب ولحقه هلال بن علقمة فاخذ برجله
وقتله ثم جاء به حتی رمی به بین ارجل البغال وصعد السریر ونادی قتلت رستم
ورب الکعبة وتمت الهزیمة علی العجم وقتل منهم ما لا یحصی ثم ارتحل سعد ونزل
غربی دجلة علی نهر شیر قبالة مدائن کسری وایوانه المشهور ولما شاهد المسلمون
ایوان کسری کبروا وقالوا هذا ابیض کسری هذا ما وعد الله ورسوله (ثم دخلت
سنة ست عشرة) واقام سعد علی نهر شیر الی ایام من صفر ثم عبروا دجلة وهربت
الفرس من المدائن نحو حلوان وکان یزدجرد قد قدم عیاله الی حلوان وخرج هو
ومن معه بما قدروا علیه من المتاع ودخل المسلمون المدائن وقتلوا کل من وجدوه
واحتاطوا بالقصر الابیض ونزل به سعد واتخذوا ایوان کسری مصلی واحتاطوا
علی اموال من الذهب والآنیة والثیاب تخرج عن الاحصاء وادرک بعض المسلمین
بغلا وقع فی الماء فوجد علیه حلیة کسری من التاج والمنطقة والدرع وغیر ذلک
کله مکلل بالجوهر ووجدوا اشیاء یطول شرحها وکان لکسری بساط طوله ستون ذراعا
فی ستین ذراعا وکان علی هیئة روضة قد صورت فیه الزهور بالجوهر علی قضبان
الذهب واستوهب سعد ما یخص اصحابه منه وبعث به الی عمر فقطعه عمر وقسمه
بین المسلمین فاصاب علی بن ابی طالب منه قطعة فباعها بعشرین الف درهم (واقام)
سعد بالمدائن وارسل جیشا الی جلولا وکان قد اجتمع بها الفرس فانتصر المسلمون
وقتلوا من الفرس ما لا یحصی وهذه الوقعة هی المعروفة بوقعة جلولا وکان یزدجرد
بحلوان فسار عنها وقصدها المسلمون واستولوا علیها (ثم) فتح المسلمون تکریت
والموصل (ثم) فتحوا ماسندان عنوة وکذلک قرقیسیا (وفی هذه السنة) اعنی
سنة ست عشرة للهجرة قدم جبلة بن الایهم علی عمر بن الخطاب رضی الله عنه
فتلقاه جماعة من المسلمین ودخل فی زی حسن وبین یدیه جنائب مقادة ولبس
اصحابه الدیباج ثم خرج عمر الی الحج فی هذه السنة فحج جبلة معه فبینا جبلة طائفا اذ
وطئ رجل من فزارة علی ازاره فلطمه جبلة فهشم انفه فاقبل الفزاری الی عمر فشکاه

فاحضره عمر وقال افتد فسك والا امر ته ان يلطمك فقال جبلة كيف ذلك وانا ملك وهو سوقة فقال عمر ان الاسلام جمعكما وسوى بين الملك والسوقة فى الحد فقال جبلة كنت اظن انى بالاسلام اعز منى فى الجاهلية فقال عمر دع عنك هذا فقال جبلة اتنصر فقال عمر ان تنصرت ضربت عنقك فقال انظرنى ليلتى هذه فانظره فلما جاء الليل سار بجبلة بخيله ورجله الى الشام ثم سار الى القسطنطينية وتبعه خمسمائة رجل من قومه فتنصروا عن آخرهم وفرح هرقل بهم واكرمه ثم ندم جبلة على فعله ذلك وقال

تنصرت الاشراف من عار لطمة ... وما كان فيها لو صبرت لها ضرر
تكنفنى فيها لجاج ونخوة ... وبعت لها العين الصحيحة بالعور
فيا ليت امى لم تلدنى وليتنى ... رجعت الى القول الذى قاله عمر

وكان قد مضى رسول عمر الى هرقل وشاهد ما هو فيه جبلة من النعمة فارسل جبلة خمسمائة دينار لحسان بن ثابت واوصلها عمر اليه ومدحه حسان بن ثابت بابيات منها

ان ابن جفنة من بقية معشر ... لم تيسرهم آباؤهم باللوم
لم ينسنى بالشام اذهور بها ... كلا ولا متنصرا بالروم
يعطى الجزيل ولا يرى اله عنده ... الا كبعض عطية المذموم

(ثم دخلت سنة سبع عشرة) فيها اختطت الكوفة وتحول سعد اليها (وفى هذه السنة) اعتمر عمر واقام بمكة عشرين ليلة ووسع فى المسجد الحرام وهدم منازل قوم ابوا ان يبيعوها وجعل اثمانها فى بيت المال وتزوج ام كلثوم بنت على بن ابى طالب وامها فاطمة رضى الله عنهما (وفى هذه السنة) كانت واقعة المغيرة بن شعبة وهى ان المغيرة كان عمر قد ولاه البصرة وكان فى قبالة العلية التى فيها المغيرة بن شعبة علية فيها اربعة وهم ابو بكرة مولى النبى صلى الله عليه وسلم واخوه لامه زياد بن ابيه ونافع بن كلدة وشبل بن معبد فرفعت الريح الكوة عن العلية فنظروا الى المغيرة وهو على ام جميل بنت الافقم بن عامر بن صعصعة وكانت

تغشى المغيرة فكتبوا الى عمر بذلك فعزل المغيرة واستقدمه مع الشهود وولى البصرة ابا موسى الاشعرى فلما قدم الى عمر شهد ابوبكرة ونافع وشبل على المغيرة بالزنا :: واما زياد بن ابيه فلم يفصح شهادة الزنا وكان عمر قد قال قبل ان يشهد انى لارجلا ان لا يفضح الله به رجلا من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال زياد رأيته جالساً بين رجلى امرأة ورأيت رجلين مرفوعتين كاذنى حمار ونفسا يعلو واستاتنبو عن ذكر ولا اعرف ما وراء ذلك فقال عمر هل رأيت الميل فى المكحلة قال لا فقال هل تعرف المرأة قال لا ولكن اشبهها فامر عمر بالثلاثة الذين شهدوا بالزنا ان يحدوا حد القذف فجلد وا وكان زياد اخا ابى بكرة لامه فلم يكلمه ابوبكرة بعدها (وفيها) فتح المسلمون الاهواز وكان قد استولى عليها الهرمزان وكان من عظماء الفرس ثم فتحوا رام هرمز وتستر وتحصن الهرمزان فى القلعة وحاصروه فطلب الصلح على حكم عمر فانزل على ذلك وارسلوا به الى عمر وصعه وفد منهم انس بن مالك والاحنف بن قيس فلما وصلوا به الى المدينة البسوه كسوته من الديباج المذهب ووضعوا على راسه تاجه وهو مكلل بالياقوت ليراه عمر والمسلمون فطلبوا عمر فلم يجدوه فسألوا عنه فقيل جالس فى المسجد فاتوه وهو نائم فجلسوا دونه فقال الهرمزان اين هو عمر قالوا هو ذا قال فاين حرسه وحجابه قالوا ليس له حارس ولا حاجب واستيقظ عمر لجلبة الناس فنظر الى الهرمزان وقال الحمد لله الذى اذل بالاسلام هذا واشباهه وامر بنزع ما عليه فنزعوا البسوه ثوبا صفيقاً فقال له عمر كيف رايت عاقبة الغدر وعاقبة امر الله فقال الهرمزان نحن وايا كم فى الجاهلية لما خلى الله بيننا وبينكم غلبنا ولما كان الله الآن معكم غلبتمونا وداربينهما الكلام وطلب الهرمزان ماء فاتى به فقال اخاف ان تقتلنى وانا اشرب فقال عمر لا باس عليك حتى تشرب فرمى بالاناء فانكسر فقصد عمر قتله فقالت الصحابة انك امنته بقولك لا باس عليك الى ان تشرب ولم يشرب ذلك الماء وآخر الامر ان الهرمزان اسلم وفرض له عمر الفين (ثم دخلت سنة ثمانى عشرة) فيها حصل فى المدينة والحجاز قحط عظيم

Marfat.com

فکتب عمر الی سائر الامصار یستعینهم فکان ممن قدم علیه ابو عبیدة من الشام باربعة آلاف راحلة من الزاد وقسم عمر ذلک علی المسلمین حتی رخص الطعام بالمدینة ۞ ولما اشتد القحط خرج عمر ومعه العباس وجمع الناس واستسقی متشفعا بالعباس فما رجع الناس حتی تدارکت السحب وامطرت واقبل الناس یتمسحون باذیال العباس رضی الله عنه (وفی هذه السنة) اعنی سنة ثمان عشرة کان طاعون عمواس بالشام مات به ابو عبیدة بن الجراح واسمه عامر بن عبد الله بن الجراح الفهری احد العشرة المشهود لهم بالجنة واستخلف ابو عبیدة علی الناس (معاذ) بن جبل الانصاری فمات ایضا بالطاعون واستخلف (عمرو) بن العاص ومات من الناس فی هذا الطاعون خمسة وعشرون الف نفس فطال مکثه شهرا وطمع العدو فی المسلمین واصاب بالبصرة مثله (وفی هذه السنة) سار عمر الی الشام فقسم مواریث الذین ماتوا ثم رجع الی المدینة فی ذی القعدة (ثم دخلت سنة تسع عشرة وسنة عشرین) فیها فتحت مصر والاسکندریة علی ید عمرو بن العاص والزبیر بن العوام فنازلا عین شمس وهو بقرب المطریة وکان بها جمعهم ففتحاها وبعث عمرو بن العاص ابرهة بن الصباح الی الفرما وضرب عمر وفسطاطه موضع جامع عمر وبمصر الآن واختطت مصر وبنی موضع الفسطاط الجامع المعروف بجامع عمرو بن العاص (ثم) توجه الی الاسکندریة ففتحها عنوة بعد قتال کثیر (وفیها) اعنی سنة عشرین توفی بلال بن رباح مؤذن رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو مولی ابی بکر الصدیق واسم امه حمامة وهو من مولدی الحبشة اسلم بعد اسلام ابی بکر الصدیق ولم یؤذن بعد رسول الله صلی الله علیه وسلم فطلب من ابی بکر ان یرسله الی الجهاد فسأله ابو بکر ان یقیم معه فاقام معه حتی تولی عمر فسأله عمر ذلک فابی فبلال وساء الی دمشق واقام بها حتی مات ودفن عند الباب الصغیر (ثم دخلت سنة احدی وعشرین) فیها کانت وقعة نهاوند مع الاعاجم وکان قد اجتمعوا فی مائة وخمسین الفا وقد مهم الفیرزان فجری بینهم وبین المسلمین حروب کثیرة آخرها ان المسلمین

هزموا الاعاجم و أفنوهم قتلا و هرب الفيرزان مقدم جيش الاعاجم فلما وصل الى ثنية هذان وجد بغالا محملة عسلا فلم يقدر على المضى فنزل عن فرسه وهرب فى الجبل فتبعه القعقاع راجلا وقتله فقال المسلمون ان لله جندا من عسل (وفى هذه السنة) فتحت الدينور والصيمرة وهذان واصفهان (وفى هذه السنة) توفى خالد ابن الوليد واختلف فى موضع قبره فقيل بحمص وقيل بالمدينة (ثم دخلت سنة اثنتين وعشرين) فيها فتحت اذربيجان والرى وجرجان وقزوين وزنجان وطبرستان (وفيها) سار عمرو بن العاص الى برقة فصالحه اهلها على الجزية (ثم) سار الى طرابلس الغرب فحاصرها وفتحها عنوة (وفى هذه السنة) غزى الاحنف بن قيس خراسان وحارب يزدجرد وافتتح هراة عنوة (ثم) سار الى مرو وزر وكتب يزدجرد الى ملك الترك يستمده والى ملك الصغد والى ملك الصين ليستمدهما وانهزم يزدجرد الى بلخ ثم سار اليه المسلمون فهزموه وعبر يزدجرد نهر جيحون (ثم) ان يزدجرد اختلف هو وعسكره فانه اشار بالمقام مع الترك واشار عسكره بمصالحة المسلمين والدخول فى حكمهم فابى يزدجرد ذلك فطرده عسكره واخذ واخزانته وسار يزدجرد مع الترك فى حاشيته واقام بفرغانة زمن عمر كله وبقى عسكره فى اماكنهم وصالحوا المسلمين (وفيها) توفى ابى بن كعب بن قيس وهو من ولد مالك بن النجار وكان يكنى ابا المنذر احد كتاب الوحى لرسول الله صلى الله عليه وسلم وهو الذى امر الله تعالى رسوله عليه الصلوة والسلام ان يقرأ القرآن على ابى بن كعب المذكور وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اقرأ امتى ابى بعدى وقيل مات فى سنة ثلاثين فى خلافة عثمان (ثم دخلت سنة ثلاث وعشرين)

ذكر مقتل عمر رضى الله عنه (وفى هذه السنة) طعن ابو لؤلؤة واسمه فيروز عبد المغيرة بن شعبة عمر بن الخطاب وهو فى الصلاة بخنجر فى خاصرته وتحت سرته وذلك لست بقين من ذى الحجة من السنة المذكورة وتوفى يوم السبت سلخ ذى الحجة ودفن يوم الاحد هلال محرم سنة اربع وعشرين وكانت مدة خلافته عشر سنين

Marfat.com

وستة اشهر وثمانية ايام ودفن عند النبى صلى الله عليه وسلم وابى بكر الصديق رضى الله عنهما وعهد بالخلافة الى النفر الذين مات رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو عنهم راض وهم على وعثمان وطلحة والزبير وسعد رضى الله عنهم بعد ان عرضها على عبد الرحمن بن عوف فابى وكان عمر رضى الله عنه طويل القامة ابيض اصلع اشيب وكان عمره خمساً وخمسين سنة وقيل ستين وقيل ثلاثا وستين وكان له من الفضل والزهد والعدل والشفقة على المسلمين القدر الاوفر فمن ذلك انه جاء الى عبد الرحمن بن عوف وهو يصلى فى بيته ليلا فقال عبد الرحمن ماجاء بك يا امير المومنين فى هذه الساعة فقال ان رفقة نزلوا فى ناحية السوق خشيت عليهم سراق المدينة فانطلق لنحرسهم فاتيا السوق وقعد اعلى تشز من الارض يتحدثان ويحرسانهم وعمر اول من سمى بامير المومنين واول من كتب التاريخ وارخ من السنة التى هاجر فيها رسول الله صلى الله عليه وسلم واول من عس بالليل واول من نهى عن بيع امهات الاولاد واول من جمع الناس فى صلاة الجنازة على اربع تكبيرات وكانوا قبل ذلك يكبرون اربعا وخمسا وشتا واول من جمع الناس على امام يصلى بهم التراويح فى رمضان وكتب بذلك الى سائر البلدان وامر هم به واول من حمل الدرة وضرب بها ودون الدواوين وخطب مرتة الناس وعليه ازار فيه اثنتى عشرة رقعة وكان مرة فى بعض حجاته فلما مر بضحيان قال لا اله الا الله المعطى ماشاء من شاء كنت ارعى ابل الخطاب فى هذا الوادى فى مدرعة صوف وكان فظا يرعبنى اذا عملت ويضربنى اذا قصرت وقد اصبحت وليس بينى وبين الله احد وفضائله رضى الله عنه اكثر من ان تحصر وشرد خلت سنة اربع وعشرين) فيما عقب موت عمر اجتمع اهل الشورى وهم على وعثمان وعبد الرحمن بن عوف وسعد بن ابى وقاص وعبد الله بن عمر رضى الله عنهم وكان قد شرط عمر ان يكون ابنه عبد الله شريكا فى الرأى ولا يكون له حظ فى الخلافة وطال الامر بينهم وكان قد جعل لهم عمر مدة ثلاثة ايام وقال لا يمضى اليوم الرابع الا ولكم امير وان اختلفتم فكونوا مع الذى معه عبد الرحمن

Marfat.com

فمضى على الى العباس رضى الله عنهما وقال له عدل عنا لان سعدا لا يخالف عبد الرحمن لانه بن عمه وعبد الرحمن صهر عثمان فلا يختلفون فيوليها احدهم الآخر فقال العباس لم ادفعك عن شئ الا رجعت الي مستأخرا اشرت عليك قبل وفاة رسول الله صلى الله عليه وسلم ان تسأله فيمن يجعل هذا الامر فأبيت وأشرت عليك بعد وفاته ان تعاجل هذا الامر فابيت وأشرت عليك حين سماك عمر في الشورى ان لا تدخل فيهم فابيت وهذا الرهط لا يبرحون بنا نحوننا عن هذا الامر حتى يقوم له غيرنا وأيم الله لا ينالها الا بشر لا ينفع معه خير (ثم) جمع عبد الرحمن الناس بعد ان اخرج نفسه عن الخلافة فدعا عليا فقال عليك عهد الله و ميثاقه لتعملن بكتاب الله وسنة رسوله وسيرة الخليفتين من بعده فقال ارجو ان افعل و اعمل مبلغ علمي وطاقتي ودعا بعثمان وقال له مثل ما قال لعلي فرفع عبد الرحمن راسه الى سقف المسجد ويده في يد عثمان وقال اللهم سمع واشهد اللهم اني جعلت ما في رقبتي من ذلك في رقبة عثمان وبايعه فقال علي لعثمان هذا اول يوم تظاهرتم علينا فيه فصبر جميل والله المستعان على ما تصفون والله ما وليت عثمان الا ليرد الامر اليك والله كل يوم هو في شان فقال عبد الرحمن يا علي لا تجعل على نفسك حجة وسبيلا فخرج على وهو يقول سيبلغ الكتاب أجله (فقال) المقداد بن الاسود لعبد الرحمن والله لقد تركته يعني عليا وانه من الذين يقضون بالحق وبه يعدلون فقال يا مقداد لقد اجهدت للمسلمين ۔ فقال المقداد اني لا عجب من قريش انهم تركوا رجلا ما أقول ولا اعلم ان رجلا اقضى بالحق ولا اعلم منه فقال عبد الرحمن يا مقداد اتق الله فاني اخاف عليك الفتنة ثم لما احدث عثمان رضى الله عنه ما احدث من توليته الامصار للاحداث من اقاربه روى انه قيل لعبد الرحمن بن عوف هذا كله فعلك فقال لم أظن هذا به لكن لله علي ان لا أكلمه أبدا ومات عبد الرحمن وهو مهاجر لعثمان رضى الله عنهما ودخل عليه عثمان عائدا في مرضه فتحول الى الحائط ولم يكلمه

حضرت ابوبکر کی وفات کا بیان

آپ کی وفاۃ کے سبب میں اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے

کہ یہود نے جادو یا حریرہ میں زہر دے دیا۔ جسے آپ نے کھالیا اور ایک سال کے بعد مر گئے مگر حضرت عائشہ کہتی تھیں کہ انھوں نے سردی کے زمانہ میں غسل کیا جس سے ۱۵ دن تک تپ آتی رہی تو نماز کے لیے نکلنا موقوف کر دیا اور حضرت عمر کو نماز پڑھانے اور خلافت کرنے کا حکم دیا۔ پھر ۲۲ جمادی الآخرۃ ۱۳ھ کو انتقال کر گئے۔ آپ کی خلافت ۲ سال ۳ ماہ ۱۰ دن اور آپ کی عمر ۶۳ سال ہوئی۔ آپ کی زوجہ اسماء نے غسل دیا اور جس تخت پر حضرت رسولؐ کا جنازہ اٹھا تھا اسی پر آپ بھی اٹھائے گئے۔ مسجد رسولؐ میں، قبر اور منبر کے درمیان آپ پر حضرت عمر نے نماز جنازہ پڑھی۔ اور آپ کی وصیت کے مطابق رسولؐ کے پہلو میں قبر کھودی گئی جس میں آپ دفن کر دیئے گئے۔ آپکی قامت اچھی۔ دونوں گال پچکے ہوئے چہرے پر رگیں ابھری ہوئی۔ آنکھیں دھنسی ہوئی۔ پیشانی آگے کو نکلی ہوئی۔ انگلیاں گوشت سے خالی اور پیٹھ آگے یا پیچھے کو دبی (یعنی کبڑ نکلی) ہوئی تھی۔ مہندی اور وسمہ کا خضاب کرتے تھے۔

حضرت عمر بن الخطاب کی خلافت کا بیان

جس روز حضرت ابوبکر مرے اسی دن آپکی خلافت کی بیعت کی گئی۔ آپکی پہلی تقریر یہ تھی "اے لوگو! خدا کی قسم تم میں کوئی شخص میرے نزدیک کمزور سے زیادہ مضبوط نہیں یہاں تک کہ میں اس کا حق لے لوں۔ اور مضبوط سے زیادہ کمزور کوئی نہیں یہاں تک کہ اس سے حق لے لوں"۔ پھر پہلا کام آپ نے یہ کیا کہ خالد بن ولید کو افسری سے معزول کر کے انکی جگہ شام کے لشکر کا سردار ابو عبیدہ کو کر دیا اور یہ پیغام دونوں کے پاس بھیجدیا۔ آپ ہی نے سب سے پہلے اپنا نام امیر المومنین رکھا۔ حضرت ابوبکر تو خلیفہ رسول اللہ کہے جاتے تھے۔ پھر ابو عبیدہ گئے اور دمشق پر چڑھائی کی۔ ایک طرف سے انھوں نے۔ ایک جانب سے خالد اور ایک سمت سے عمرو عاص نے دمشق کا محاصرہ کر لیا ستر دن محاصرہ کے بعد دمشق زیر ہو گیا اور ابو عبیدہ نے فتح کی خوش خبری حضرت عمر کے ہاں بھیج دی۔ انھیں دنوں میں عراق فتح ہوا۔ ۱۴ھ کے محرم میں حضرت عمر نے حکم دیا کہ بصرہ آباد کیا جائے تو اسکی حد بندی کی گئی اور بقولے یہ ۱۵ھ کا واقعہ ہے۔ اور اسی سال حضرت ابوبکر کے والد ابو قحافہ نے ۹۷ سال کی عمر میں حضرت ابوبکر کے بعد انتقال کیا۔

Marfat.com

سنہ ۱۵ھ اس سال دمشق کے بعد بہت دنوں محاصرہ ہونے پر حمص بھی فتح ہوگیا۔ اور رومیوں نے صلح کی درخواست کی تو ابو عبیدہ نے ان سے بھی انہیں شرائط پر صلح کی جن شرطوں پر اہل دمشق نے کی تھی۔ پھر وہاں سے وہ حماۃ کی طرف گئے۔ قاضی جمال الدین بن واصل نے اُس تاریخ میں جس سے ہم نے یہ مضمون نقل کیا لکھا ہے کہ حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ کے زمانہ میں یہ مقام حماۃ ایک بڑا شہر تھا۔ انھوں نے کہا ہے کہ میں نے اس کا ذکر حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ کے حالات میں کتاب اسفار الملوک میں پایا ہے جو یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔ اسی طرح یونان کے زمانہ میں بھی یہ بڑا شہر تھا مگر یہ کہ زمانہ فتوحات میں بلکہ اس کے قبل بھی یہ ایک چھوٹا قصبہ رہ گیا تھا۔ یہ اور شیزر حمص کے مضافات میں تھے اور حمص ان شہروں کا صدر مقام تھا۔ جب ابو عبیدہ حماۃ پہنچے تو وہاں کے رومی صلح کی درخواست لے کر نکلے۔ ابو عبیدہ نے ان سے اس شرط پر صلح کرلی کہ ہر شخص کا جزیہ اور ہر زمین کا خراج دینا ہوگا۔ اور ان کے بڑے گرجا کو مسجد بنادیا جو حماۃ کے بڑے بازار کی مسجد جامع قرار پائی۔ پھر بنی عباس کے خلیفہ مہدی کے زمانہ میں اس مسجد کی مرمت کی گئی۔ اور اس کی ایک لوح پر لکھا گیا کہ اس مسجد کی مرمت مقام حمص کے خراج سے کی گئی ہے۔ وہاں سے ابو عبیدہ شیزر گئے۔ وہاں کے باشندوں نے بھی انہیں شرائط پر صلح کرلی جو حماۃ والوں کے تھے۔ اسی طرح معرہ والوں نے بھی صلح کرلی۔ پہلے اس کا نام معرۃ نعمان بن بشیر انصاری کہا جانے لگا۔ کیونکہ معویہ کی خلافۃ میں وہ حمص کے ساتھ اسی شخص کے ذمہ کردیا گیا تھا۔ وہاں سے ابو عبیدہ لاذقیہ کی طرف بڑھے اور اس کو زبردستی (قہر و جبر سے) فتح کرلیا۔ اور جبلہ و طرطوس کو بھی لے لیا۔ وہاں سے ابو عبیدہ قنسرین کی طرف بڑھے جو سلطنت حلب کا پایہ تخت تھا اور حلب قنسرین کے مضافات سے تھا۔ جب ابو عبیدہ و خالد بن ولید نے اس پر حملہ کیا تو وہاں رومیوں کی بہت بڑی جمعیت تھی۔ دونوں طرف سخت جنگ ہوئی مگر مسلمان ہی کامیاب ہوئے۔ اس کے بعد وہاں کے باشندوں نے بھی صلح کی درخواست کی انہیں شرائط پر جو حمص والوں سے طے ہوئے تھے مگر ابو عبیدہ نے اس شرط پر صلح منظور کی کہ وہ شہر تباہ و برباد کردیا جائے چنانچہ وہ برباد کردیا گیا۔ اس کے بعد حلب و انطاکیہ و منبج و دلوک و سرمین و تنزین و عزاز بھی فتح کرلئے گئے اور اس جانب سے شام

حمص تھا پھر یہ معرہ

Marfat.com

پر پورا تسلط ہو گیا۔ یہاں سے خالد مرعش کی طرف بڑھے اسے فتح کر کے اسکے باشندوں کو جلا وطن کر دیا اور اس شہر کو مٹا دیا۔ اور قلعہ حدث کو بھی فتح کر لیا اور اسی سال ۱۵ھ میں جب یہ سب شہر فتح ہو گئے اور کچھ لوگوں نے کہا ہے ۱۶ھ میں ہرقل شام سے مایوس ہو کر رہا سے قسطنطنیہ کی طرف چلا گیا۔ جب جانے لگا تو ایک ٹیلے پر چڑھ کر اور شام کی طرف منہ کر کے کہنے لگا اے شام تجھ پر سلام ہو ایسا سلام کہ پھر ملنا نہیں ہو گا اور تیری طرف اب کوئی رومی نہیں پلٹیگا مگر یہ کہ وہ خوف زدہ ہو گا یہاں تک کہ منحوس بچہ پیدا ہو اور کاش وہ نہ پیدا ہوتا۔ اس کا فعل کتنا مہتم بالشان اور اس کا فتنہ کتنا سخت ہو گا۔ پھر قیساریہ اور صبصطیہ بھی فتح ہو گئے (وہیں حضرت یحییٰ بن زکریا کی قبر ہے) اور نابلس و لد یافا اور یہ سب شہر بھی۔ پھر بیت المقدس پر حملہ ہوا تو مسلمانوں نے اس کا محاصرہ کر لیا جو بہت دنوں تک رہا۔ آخر وہاں کے باشندوں نے ابو عبیدہ سے شام والوں کے شرائط پر درخواست صلح کی اس عنوان سے کہ خود عمر بن الخطاب آ کر صلح نامہ لکھیں۔ ابو عبیدہ نے اسکی خبر حضرت عمر کو کی تو وہ حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنی جگہ رکھکر بیت المقدس آئے اور اس کو فتح کیا۔ اور اسی سال یعنی ۱۵ھ میں حضرت عمر نے دفتروں کو وضع کیا اور مسلمانوں کے لئے وظیفے مقرر کئے جس کا پہلے نام و نشان بھی نہ تھا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ کام ۲۰ھ میں کیا۔ لوگوں نے کہا آپ اپنی ذات سے شروع کریں مگر وہ نہ مانے اور حضرت رسولؐ کے چچا جناب عباس سے شروع کیا ان کے لئے ۲۵ ہزار درہم سالانہ مقرر کئے۔ پھر درجہ بدرجہ جو شخص حضرت رسولؐ سے جتنا قریب تھا اوسی مناسبت سے اس کا نام پہلے درج کیا۔ اور بدر میں جو اصحاب شریک تھے ان کے لئے پانچ پانچ ہزار اور شرکاء بدر کے بعد سے صلح حدیبیہ و بیعۃ الرضوان تک شریک ہونے والوں کے لئے چار چار ہزار۔ پھر ان کے بعد والوں کے لئے تین تین ہزار۔ اور اہل قادسیہ و اہل شام کے لئے دو دو ہزار اور جنگ قادسیہ و یرموک سے بعد کے مجاہدین کے لئے ایک ایک ہزار۔ اور ان کے ردیفوں کے لئے پانچ پانچ سو پھر تین تین سو پھر ڈھائی ڈھائی سو مقرر کئے۔

Marfat.com

اور اسی سال یعنی ۱۵ھ میں جنگ قادسیہ بھی ہوئی۔ اس میں عجمیوں سے لڑنے کے ذمہ دار سعد بن ابی وقاص مقرر کیے گئے اور عجمیوں کی طرف سے رستم سپہ سالار مقرر ہوا اور اب مسلمانوں اور عجمیوں کے درمیان بہت بڑی جنگ واقع ہوئی جو کئی دن تک ہوتی رہی۔ اول دن کی لڑائی جنگ اغواث دوسرے دن کی جنگ عماس اور رات کی لیلۃ الہریر کے نام سے مشہور ہے کیونکہ اس رات ان لوگوں نے اپنی بات چیت ترک کر دی تھی اور فوجوں کو لڑنے کے لیے اُبھار۔ سنے ہی میں پوری رات بسر کر دی۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور دوپہر تک لڑائی ہوتی رہی۔ پھر ایک تیز و تند آندھی آئی جس کا غبار مشرکین کی جانب پڑا اور وہ بے دم ہو گئے اور قعقاع اور انکی فوج والے رستم کے تخت تک پہنچ گئے۔ رستم یہ حال دیکھکر تخت سے اتر کر کچھ خچروں کے سایہ میں چلا آیا تھا جن پر وہ مال لدے ہوئے تھے جو اس کے پاس مصارف جنگ کے لئے کسرے کے ہاں سے بھیجے گئے تھے۔ پھر جب مسلمانوں نے رستم پر حملہ کیا تو وہ بھاگ نکلا مگر ہلال بن علقمہ اس کے پاس پہنچ ہی گئے اور اس کا پاؤں کھینچ کر اسے قتل کر ڈالا۔ پھر اس کی لاش لاکر خچروں کے پاؤں میں ڈال دی اور اسکے تخت پر چڑھکر پکارے کہ خدا کی قسم میں نے سردار فوج رستم کو قتل کر دیا۔ یہ سنکر ایرانی بھاگ نکلے۔ انکی پوری شکست ہو گئی۔ مسلمانوں نے دور تک ان کا پیچھا کر کے بے حد و حساب لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ وہاں سے سعد بن ابی وقاص فوج لے کر آگے بڑھے اور دجلہ کے پچھم جانب ایک نہر شیر پر اُترے جو مدائن کسریٰ اور اس کے مشہور ایوان کے مقابل تھی۔ یہاں جب مسلمانوں نے ایوان کسرے دیکھا تو تکبیر بلند کی اور کہا یہ کسرے کا سفید محل ہے۔ یہ وہ ہے جس کا خدا و رسولؐ نے وعدہ کیا تھا۔

سنہ ۱۶ھ پھر سنہ ۱۶ھ داخل ہوا۔ سعد نہر شیر پر ماہ صفر کے اوائل تک ٹھہرے رہے۔ پھر دریائے دجلہ کو عبور کیا اور ایرانی مدائن سے حلوان کیطرف بھاگ گئے۔ یزدگرد نے پہلے ہی اپنے حرم اور خاندان شاہی کو حلوان روانہ کر دیا تھا۔ اب خود بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ جو کچھ مال و دولت لے سکا ساتھ لیکر وہاں چلا گیا

اور اہل اسلام مدائن میں داخل ہوگئے وہاں جس کو بھی پایا قتل کردیا۔ اور سفید محل کو اپنی حراست میں لے لیا۔ سعد اُسی میں اُترے ایوان کسرے کو اپنی عبادت گاہ بنائی اور سونے چاندی کے کل مالوں، ظرفوں اور لباس کو اپنے قبضہ میں کرلیا۔ جو حد و حساب سے باہر تھے۔ بعض مسلمانوں نے ایک خچر کو پایا جو نہر میں پڑا ہوا تھا اسکے اوپر کسرے کے زیوروں کا انبار تھا مثلاً اُس کا تاج۔ کمربند۔ زرہیں وغیرہ جو سب جواہرات سے مزیّن تھے۔ غرض سونے۔ چاندی اور مختلف قسم کے کپڑوں اور قیمتی فرشوں کا اندازہ تعداد اور وہم سے خارج تھا۔ کسرے کا ایک خاص فرش تھا جسکی لمبائی ۶۰ گز اور چوڑائی بھی ۶۰ گز تھی۔ وہ بالکل ایک باغ کی صورت کا بنایا گیا تھا جس میں پھولوں اور شگوفوں کی تصویریں سب کی سب جواہرات سے بنائی گئی تھیں یعنی سونے کی زمین، زمرد کا سبزہ۔ پکھراج کی جدولیں۔ سونے چاندی کے درخت۔ ریشم کے پتے اور جواہرات کے پھل تھے۔ سعد نے اس کو حضرت عمر کے پاس بھیج دیا۔ انہوں نے اس کے ٹکڑے کراکے مسلمانوں میں تقسیم کردیئے حضرت علیؓ کو بھی ایک ٹکڑا ملا جسے آپ نے ۲۰ ہزار درہم میں بیچ ڈالا۔ سعد مدائن ہی میں مقیم رہے اور جلولاء کی طرف لشکر روانہ کیا جہاں پر ایرانی جمع ہوگئے تھے۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی اور انھوں نے ایرانیوں کو بے دریغ قتل کرنا شروع کیا جنکی حد و حساب نہیں (بقول مورخ طبری ایک لاکھ ایرانی جان سے مارے گئے)۔ یہ واقعہ جنگ جلولاء کے نام سے مشہور ہے۔ یزدگرد حلوان میں تھا۔ شکست کی خبر سُنکر اسے بھی چھوڑ دیا اور اس شہر پر بھی مسلمانوں نے قبضہ کرلیا۔ پھر اہل اسلام نے تکریت و موصل کو فتح کیا۔ پھر ماسندان کو زبردستی فتح کیا اور اسی طرح قرقیسیا کو۔

اور اسی سال یعنی سنہ ۱۶ھ میں جبلہ ابن ایہم حضرت عمر کے پاس آیا۔ مسلمانوں نے اس کو ہاتھوں ہاتھ اُتارا کیونکہ وہ شان و شکوہ سے آیا تھا۔ اس کے ساتھ بہت عمدہ عمدہ کوتل جانور تھے اور اس کے ساتھ والے ریشم و دیبا کے لباسوں سے آراستہ تھے۔ اسی سال حضرت عمر حج کو گئے۔ جبلہ بھی ان کے ساتھ گیا۔ ایک دفعہ وہ طواف کر رہا تھا کہ اس کی چادر کا گوشہ فزارہ کے ایک شخص کے پاؤں کے نیچے دب گیا جبلہ

Marfat.com

نے اُس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا جس سے اس کی ناک زخمی ہوگئی۔ اس نے حضرت عمر سے اس کی شکایت کی۔ آپ نے جبلہ کو بلا بھیجا اور کہا ابھی جرمانہ داخل کرو ورنہ میں اس کو حکم دوں گا کہ تم کو بھی طمانچہ مارے۔ جبلہ نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں بادشاہ اور یہ معمولی آدمی۔ حضرت عمر نے کہا اسلام نے تم دونوں کو جمع کیا اور سزا میں بادشاہ اور معمولی آدمی کو برابر کر دیا ہے۔ جبلہ نے کہا میں تو سمجھتا تھا کہ اسلام میں آنے کے بعد میری عزت زمانہ جاہلیت سے بھی زیادہ ہو جائیگی۔ حضرت عمر نے کہا ان باتوں کو چھوڑو۔ جبلہ نے کہا تو میں نصرانی ہو جانا چاہتا ہوں۔ حضرت عمر نے کہا ایسا کرو گے تو ابھی گردن اُڑا دی جائیگی۔ اُس نے کہا آج رات بھر کی مہلت دیجئے۔ آپ نے اُسے مہلت دے دی۔ رات کو جبلہ اپنے سواروں، پیادوں کے ساتھ شام کی طرف چلا گیا اور وہاں سے قسطنطنیہ کو روانہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ اس کی قوم کے پانچ سو آدمی بھی چلے گئے جو قسطنطنیہ پہنچکر سب کے سب عیسائی ہو گئے۔ ہرقل کو اس کی بڑی خوشی ہوئی۔ اس نے ان سب کی بہت عزت کی۔ پھر جبلہ اپنے فعل پر نادم ہوا اور اسکے متعلق کچھ اشعار بھی کہے۔ اور حضرت عمر کا قاصد ہرقل کے ہاں گیا تھا وہاں اس نے اُس نازونعم کو دیکھا جس میں جبلہ اور اُس کے ساتھی تھے۔ جبلہ نے وہاں سے پانچ سو اشرفیاں حسان بن ثابت کے لئے بھیج دیں تو حسان نے اس کی مدح میں بہت سے اشعار کہہ دیئے۔

سنہ ۱۷ھ | پھر سنہ ۱۸ھ داخل ہوا۔ اس میں شہر کوفہ آباد کیا گیا اور سعد اسی میں چلے گئے۔ اسی سال حضرت عمر عمرہ بجالائے۔ مکہ میں ۲۰ دن رہے۔ مسجد حرام کو وسیع کیا اور ان سب لوگوں کے مکانوں کو منہدم کرا دیا۔ جنہوں نے ان مکانوں کے بیچنے سے انکار کیا تھا۔ اور ان سب کی قیمت بیت المال میں رکھ لی اور حضرت علی و فاطمہ کی صاحبزادی جناب ام کلثوم سے شادی کی۔

واقعہ مغیرہ | اسی سال مغیرہ بن شعبہ کا قصہ بھی پیش آیا۔ جس کا واقعہ یہ ہے کہ مغیرہ کو حضرت عمر نے بصرہ کا حاکم مقرر کیا تھا۔ جس کوٹھے پر مغیرہ رہتے تھے اس کے مقابل ایک اور کوٹھا تھا جس میں چار آدمی رہتے تھے (الف) ابوبکرۃ (ب) اس کا مادری بھائی

زیاد بن ابیہ (ج) نافع بن کلدہ اور (د) شبل ابن معبد - ایک روز ہوا تیز چلی تو مغیرہ کے کوٹھے کی کھڑکی کھل گئی - ان چاروں آدمیوں نے دیکھا کہ مغیرہ ایک خوبصورت عورت ام جمیل دختر ارقم بن عامر کے اوپر ہیں اور وہ عورت ان کو اپنی ٹانگوں میں لئے ہوئے ہے (یعنی دونوں زنا کر رہے ہیں) - ان لوگوں نے اس واقعہ سے حضرت عمر کو مطلع کر دیا - انھوں نے مغیرہ کو معزول کر کے گواہوں سمیت مدینہ میں بلا بھیجا - اور بصرہ کی حکومت ابو موسےٰ اشعری کے حوالہ کی - جب مغیرہ حضرت عمر کے پاس آئے اور بیان لیا گیا تو ابو بکرہ و نافع و شبل نے گواہی دی کہ مغیرہ اس عورت کے ساتھ زنا کر رہے تھے لیکن زیاد ابن ابیہ نے زنا کی صاف صاف گواہی نہیں دی - واقعہ یہ ہوا تھا کہ جب وہ گواہی دینے کے لئے کھڑا ہوا تو حضرت عمر نے پہلے ہی کہہ دیا کہ اب میں ایسے شخص کو دیکھ رہا ہوں جس کے بارے میں مجھے امید ہے کہ خدا اس کے ذریعہ سے ایک صحابی رسولؐ کو فضیحت نہیں ہونے دیگا - تو زیاد نے اس طرح گواہی دی "میں نے دیکھا کہ مغیرہ ایک عورت کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھے ہیں - اور اس عورت کی دونوں ٹانگیں گدھی کے دونوں کانوں کی طرح اٹھی ہوئی ہیں - وہ سانس زور سے لیتی ہے اور اسکی دُبر ان کے ذکر سے اٹھ جاتی ہے اس کے پیچھے کیا ہو رہا تھا اس کو میں نہیں پہچانتا" حضرت عمر نے پوچھا جس طرح سرمہ دانی میں سلائی جاتی ہے اسی طرح اس عورت کی ... میں ان کے ... کو جاتے دیکھا ہے یا نہیں ؟ کہا نہیں - پوچھا اچھا اس عورت کو پہچانتے ہو؟ کہا نہیں لیکن مجھے اس کے بارے میں شبہہ ہے - گواہی ختم ہو گئی تو حضرت عمر نے مغیرہ کو چھوڑ دیا اور ان تینوں گواہوں کو جنہوں نے ان کے زنا کی گواہی دی تھی جھوٹ افتراء کی حد ماری سب کو خوب کوڑے لگائے گئے - اور یہ زیاد ابو بکرۃ کا مادری بھائی تھا - اس واقعہ کے بعد ابو بکرۃ زندگی بھر اپنے اس بھائی سے بولے تک نہیں -

اور اسی سال مسلمانوں نے اہواز فتح کیا - ایران کے نامی سردار ہرمزان نے اس پر قبضہ کر رکھا تھا - پھر رام ہرمز و تستر کو فتح کیا اور ہرمزان قلعہ میں پناہ گیر ہو گیا - تو مسلمانوں نے اس کا محاصرہ کر لیا - ہرمزان نے اس شرط پر اپنے کو حوالہ کر دیا کہ اُسے مدینہ حضرت عمر کے

Marfat.com

پاس بھیج دیا جائے۔ اس کی یہ شرط منظور کی گئی اور وہ انس بن مالک و احنف بن قیس کے ساتھ حضرت عمر کے ہاں روانہ کر دیا گیا۔ مدینہ پہنچکر اس نے سنہرے ریشم کے کپڑے پہنے اور وہ تاج سر پر رکھا جس میں یاقوت جڑے ہوئے تھے تاکہ حضرت عمر اور اہل اسلام اس کی یہ عظمت و شان دیکھیں۔ مدینہ پہنچکر ان لوگوں نے حضرت عمر کو تلاش کیا مگر وہ نہیں ملے۔ تو ان کو دریافت کیا۔ تب ان لوگوں سے کہا گیا کہ وہ مسجد میں ہیں۔ یہ سب وہاں پہنچے تو وہ مسجد میں سوتے تھے۔ یہ سب ان کے پاس ہی بیٹھ گئے۔ ہرمزان نے گھبرا کر پوچھا وہ عمر کہاں ہیں؟ لوگوں نے بتایا یہی تو ہیں۔ پوچھا ان کے دربان اور چوکیدار کہاں ہیں۔ کہا گیا نہ کوئی دربان ہے نہ چوکیدار۔ لوگوں کی آواز سے حضرت عمر جاگ گئے تو ہرمزان کو دیکھکر کہا اُس خدا کی حمد ہے جس نے اسلام سے اس کو ذلیل کیا۔ اور حکم دیا کہ اس کے کل شاہی لباس چھین لئے جائیں اور بھدے لباس پہنائے جائیں۔ پھر آپ نے ہرمزان سے کہا دیکھا تم نے کہ بدعہدی اور حکم خدا کا کیا انجام ہوا۔ ہرمزان نے کہا زمانہ جاہلیت میں ہم تم ایسے تھے کہ ہمارے درمیان خدا حائل تھا تو ہم تم پر غالب رہا کرتے تھے اور اب خدا تمہارے ساتھ ہوگیا تو تم لوگ ہم پر غالب آگئے۔ غرض اسی طرح دونوں کے درمیان باتیں ہوتی رہیں۔ اتنے میں ہرمزان نے پانی مانگا۔ جب پانی آیا تو ہاتھ میں کوزہ لیکر کہا مجھے خوف ہے کہ پانی پینے میں تم مجھ قتل نہ کر ڈالو۔ حضرت عمر نے کہا تم مطلق خوف نہ کرو جب تک اس کو پی نہ لوگے کسی قسم کے خطرہ میں نہ ڈالے جاؤ گے۔ اس پر اُس نے وہ کوزہ پھینک دیا۔ وہ ٹوٹ گیا تو حضرت عمر نے جھلا کر اس کو قتل کرنا چاہا مگر صحابہ نے کہا آپ ابھی اس کو امان دے چکے ہیں۔ اور اسنے پانی پیا نہیں تو جب تک وہ پی نہ لے آپ اس کو قتل کیسے کرینگے؟ قصہ مختصر یہ کہ ہرمزان مسلمان ہوگیا۔ اور حضرت عمر نے دو ہزار اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔

سنہ ۱۸ھ پھر سنہ ۱۸ھ داخل ہوا۔ اس سال مدینہ اور حجاز میں سخت قحط پڑا۔ حضرت عمر نے مختلف شہروں کے حاکموں سے مدد مانگی تو ابو عبیدہ شام سے غلہ کے چار ہزار اونٹ لائے اور حضرت عمر نے اس کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جس سے مدینہ میں کھانا ارزاں ہوگیا۔ اور جب قحط کی شدت ہوئی تو حضرت عمر اور آنحضرت صلعم کے چچا جناب عباس اور سب

Marfat.com

لوگ باہر نکل پڑے اور جناب عباس کی شفاعت سے نماز استسقاء پڑھکر دعا کی۔ ابھی اس سے فارغ ہو کر لوگ اپنے گھر پلٹنے بھی نہ پائے تھے کہ زور شور کا ابر آیا اور بارش ہونے لگی تو سب لوگ جناب عباس کے دامنوں کو بطور تبرک مس کرنے لگے۔

اور اسی سال یعنی سنہ ۱۸ھ میں شام میں وبائے طاعون پھیلی اس میں شام کے گورنر ابو عبیدہ بن جراح نے وفات پائی۔ مرتے وقت معاذ بن جبل کو قائم مقام کرتے گئے یہ بھی طاعون سے مرے تو عمرو عاص کو حاکم شام بنا دیا۔ غرض اس طاعون سے پچیس ہزار مسلمان ختم ہو گئے۔ ایک مہینہ تک یہ وبا شدت پر رہی جس سے دشمنوں کو مسلمانوں کے بارے میں طمع پیدا ہو گئی۔ اور بصرہ میں بھی یہ مصیبت نازل ہوئی۔ اسی سال حضرت عمر شام گئے اور مُردوں کی میراث وارثوں کو تقسیم کر کے ذی القعدہ میں مدینہ واپس آئے۔

سنہ ۱۹ھ پھر سنہ ۲۰ھ داخل ہوا۔ اس میں عمرو بن عاص و زبیر بن عوام کے ہاتھوں پر ملک مصر و اسکندریہ فتح ہو گئے۔ یہ دونوں عین شمس پر جو مطریہ کے قریب ہے حملہ آور ہوئے جہاں اُنکی بڑی جماعت تھی۔ دونوں نے اس کو فتح کیا۔ اور عمرو عاص نے ابرہتہ بن صباح کو فرما کی طرف روانہ کیا اور اپنا ڈیرا اس جگہ ڈالا جہاں ان دنوں مصر میں مسجد عمرو موجود ہے۔ اور مصر کی حد بندی کی گئی اور عمرو عاص کے ڈیرے پر وہ یادگار مسجد بنائی گئی جو جامع عمرو بن عاص کے نام سے مشہور ہے۔ پھر وہ اسکندریہ کی طرف متوجہ ہوئے تو اس کو بھی سخت اور طویل جنگ کے بعد زبردستی قہر و غلبہ سے فتح کر لیا۔

اور اسی سال (یعنی سنہ ۲۰ھ میں) بلال بن رباح نے جو رسولخدا صلعم کے موذن اور حضرت ابو بکر کے آزاد کردہ غلام تھے انتقال کیا۔ ان کی ماں کا نام حمامۃ تھا۔ اور انکی پیدائش ملک حبشہ میں ہوئی تھی۔ وہ حضرت ابو بکر کے بعد مسلمان ہوئے تھے اور آنحضرتؐ کے بعد اذان نہیں دی۔ بلکہ حضرت ابو بکر سے درخواست کی کہ ان کو کسی جہاد میں بھیجیں مگر آپ نے کہا میرے ساتھ ہی رہو۔ چنانچہ وہ آپ ہی کے ساتھ رہے یہاں تک کہ حضرت عمر کی خلافت شروع ہوئی۔ آپ نے بھی ان سے اپنے

ساتھ رہنے کو کہا مگر اب انہوں نے انکار کیا۔ اور دمشق چلے گئے۔ وہیں مرتے وقت تک رہے اور باب صغیر کے پاس دفن کئے گئے۔

سنہ ۲۱ھ پھر سنہ ۲۱ھ داخل ہوا جس میں عجمیوں سے مشہور جنگ نہاوند ہوئی۔ اس میں ایرانی لشکر کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ ان کا سردار فیرزان تھا۔ دونوں طرف کی فوجوں میں بہت لڑائیاں ہوتی رہیں۔ آخر مسلمانوں نے اس میں بھی ایرانیوں کو شکست دی۔ اور قتل کرکے ان سب کو فنا کر ڈالا۔ سردار فوج فیرزان بھاگ نکلا۔ اور جب ثنیہ ہمدان میں پہنچا تو کچھ خچروں کو پایا۔ جن پر شہد لدا ہوا تھا۔ اب اس سے چلا نہ گیا۔ اپنے گھوڑے سے اترا اور پہاڑ کی طرف بھاگا۔ مگر قعقاع نے پیدل اس کا تعاقب کیا۔ اور پکڑ کر قتل کر دیا جس پر مسلمانوں نے کہا اللہ اکبر اسکے کچھ لشکر شہد میں بھی رہتے ہیں۔ اسی سال دینور و صمیرۃ و ہمدان و اصفہان بھی فتح کر لئے گئے۔ اسی سال خالد بن ولید نے انتقال کیا۔ انکی جائے دفن کے بارے میں اختلاف ہے کہ حمص میں ہے یا مدینہ میں۔

سنہ ۲۲ھ پھر سنہ ۲۲ھ داخل ہوا۔ اس میں آذربیجان۔ رے۔ جرجان۔ قزوین زنجان اور طبرستان فتح کئے گئے۔ اور اسی سال عمرو بن العاص برقہ کیطرف گئے گروہاں والوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا جس پر صلح ہو گئی۔ پھر وہ ملک طرابلس الغرب کی طرف بڑھے اس کا محاصرہ کیا اور قہر و غلبہ سے فتح کر لیا۔ اسی سال احنف بن قیس نے خراسان پر حملہ کیا۔ یزدجرد سے جنگ کی اور ہراۃ کو قہر و غلبہ سے فتح کر لیا۔ پھر مرو روز کی طرف گئے تو یزدجرد نے ترک و صغد و ملک چین کے بادشاہوں کی طرف خطوط بھیجکر ان لوگوں سے مدد طلب کی۔ مگر یزدجرد نے بلخ تک شکست کھائی۔ پھر اسکی طرف مسلمان گئے اور اس کو شکست دی اور یزدجرد نہر جیحون پار ہو گیا۔ پھر یزدجرد اور اس کے لشکر کے درمیان اختلاف ہو گیا۔ اس کی رائے تھی کہ ترک کے ساتھ قیام کیا جائے اور اسکے لشکر کی رائے تھی کہ مسلمانوں سے صلح کر کے انکی اطاعت کر لی جائے مگر یزدجرد اس کو نہ مانا تو اس کے لشکر نے اس کو نکال باہر کیا اور اس کا خزانہ بھی چھین لیا تو

Marfat.com

یزدجرد ترک کے ساتھ اپنے خاص لوگوں کے ہمراہ چلا گیا اور حضرت عمر کی زندگی تک فرغانہ میں مقیم رہا اور اس کے لشکر والے اپنی جگہوں میں رہے اور مسلمانوں سے صلح کرلی۔

اسی سال ابی بن کعب نے انتقال کیا وہ مالک بن نجار کی اولاد سے تھے۔ ابو منذر کنیت تھی۔ حضرت رسولؐ کی وحی لکھنے کا شرف ان کو بھی تھا۔ یہی وہ بزرگ ہیں جن کے بارے میں خدا نے رسولؐ کو حکم دیا تھا کہ قرآن کو ابی بن کعب پڑھائیں اور حضرت رسولؐ نے فرمایا تھا کہ میرے بعد میری امت میں سب سے اچھی قراءۃ والے ابی ہیں۔ اور کچھ لوگوں کا بیان ہے کہ یہ ۳۰ھ میں بزمانہ خلافت حضرت عثمان مرے ہیں۔

سنہ ۲۳ھ پھر سنہ ۲۳ھ داخل ہوا

حضرت عمرؓ کے قتل کا بیان

اسی سال ابو لؤلؤۃ نے جس کا نام فیروز اور جو مغیرہ بن شعبہ کا غلام تھا حضرت عمر پر نماز میں ایک خنجر سے حملہ کیا جس سے آپکی کمر اور زیر ناف کا مقام زخمی ہوا۔ یہ واقعہ ۲۶ ذی الحجہ سنہ ۲۳ھ کا ہے اور ذی الحجہ کی آخری تاریخ میں بروز شنبہ آپ نے رحلت کی اور اتوار کے دن یکم محرم سنہ ۲۴ھ کو آپ دفن کئے گئے۔ آپ کی خلافت دس سال چھ ماہ اور ۸ دن تک رہی۔

حضرت رسولخدا صلعم و حضرت ابوبکر صدیق کے پاس دفن کیے گئے۔ اور خلافت کا عہد اُن لوگوں کے ذمہ کر گئے جن سے حضرت رسولخدا صلعم اپنے انتقال کے وقت راضی تھے یعنی حضرت علیؑ و عثمان و طلحہ و زبیر و سعدؓ بعد اس کے کہ اس کو عبدالرحمن بن عوف پر پیش کیا اور انھوں نے انکار کر دیا تھا۔

حضرت عمر بلند قد، گورے رنگ، گنجے اور سفید بال والے تھے۔ آپکی عمر ۵۵ یا ۶۰ یا ۶۳ سال کی تھی۔ آپ کو فضل و زہد و عدل و شفقت بر مسلمین سے کافی حصہ ملا تھا۔ اسی سے یہ بھی ہے کہ آپ عبدالرحمن بن عوف کے ہاں گئے۔ وہ اس وقت اپنے گھر میں رات کو نماز پڑھتے تھے۔ عبدالرحمن نے کہا اے امیر المومنین آپ کے اس وقت آنے کا کیا سبب ہوا؟ آپ نے کہا کچھ مسافر بازار کے کنارے اُترے ہیں۔ مجھے انکے

بارے میں مدینہ کے چوروں کا خوف ہے۔ چلو ان کی حفاظت کریں۔ غرض دونوں بازار گئے ایک ٹیلہ پر بیٹھ گئے اور آپس میں باتیں اور انکی حفاظت کرتے رہے اور حضرت عمر پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔ اور اول وہ شخص ہیں جنہوں نے تاریخ لکھی اور اُس سال سے تاریخ کا حساب رکھا جس سال حضرت رسولخدا صلعم نے ہجرت کی تھی۔ اور پہلے وہ شخص ہیں جو رات کو بدمعاشوں کی تلاش میں پھرا کرتے رہے۔ اور اول وہ شخص ہیں جنہوں نے امہات اولاد (بچہ والی لونڈیوں) کے بیچنے سے منع کیا۔ اور پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے لوگوں کو نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر جمع کیا۔ اس سے پہلے لوگ چار اور پانچ اور چھ تکبیریں کہتے تھے۔ اور پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے لوگوں کو ایک امام پر جمع کیا جو ان لوگوں کو ماہ رمضان میں تراویح پڑھاتا تھا۔ آپ نے اس کا حکم نامہ تمام شہروں کی طرف لکھ بھیجا اور وہاں سب کو اس کی پابندی کرنے کا حکم دیا۔ اور آپ پہلے وہ ہیں جنہوں نے دُرّہ (کوڑا) اُٹھایا اور اُس سے لوگوں کو مارا۔ اور دیوانوں (دفتروں) کو مرتب کیا۔ اور ایک دفعہ لوگوں کو اس طرح خطبہ دیا کہ آپکی اوپر صرف ایک چادر تھی جس میں بارہ پیوند لگے تھے۔ اور ایک دفعہ حج کو گئے جب ضجنان سے گزرے تو کہا اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں جس کو جس قدر چاہتا ہے دیتا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ میں اس وادی میں خطاب کے اونٹوں کو اونکا صرف ایک کُرتا پہنے چرایا کرتا تھا۔ وہ (خطاب) بڑا سخت دل تھا۔ جب میں پورا کام کرتا تھا تو مجھ پر رعب جماتا تھا اور جب کچھ کمی کرتا تھا تو مجھے پیٹتا تھا۔ اور اب میں ایسے حال میں ہوگیا کہ میرے اوپر خدا کے سوائے کسی کی بھی حکومت نہیں ہے۔ حضرت رضی اللہ عنہ کے اور فضائل اس سے زیادہ ہیں کہ ان کا حصر کیا جائے۔

سنہ ۲۴ھ پھر سنہ ۲۴ھ داخل ہوا۔ اس میں حضرت عمر کی وفاۃ کے بعد اہل شورے کا جلسہ ہوا جو حضرت علیؓ و عثمان و عبدالرحمن بن عوف و سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم تھے۔ حضرت عمر نے یہ شرط کر دی تھی کہ ان کے بیٹے عبداللہ رائے مشورہ میں شریک رہیں مگر خلافت میں ان کا کوئی حصہ نہ ہو۔ ان لوگوں کے درمیان

انتخاب خلیفہ کے متعلق باتیں بہت بڑھ گئیں۔ حضرت عمر نے اس کام کے لئے صرف تین دن مقرر کئے تھے اور کہا تھا چوتھا دن گزرنے نہ پائے مگر یہ کہ کوئی شخص خلیفہ ضرور ہو جائے۔ اگر تم لوگوں میں اختلاف ہو تو اس شخص کا ساتھ دینا جس کی طرف عبدالرحمن ہوں۔ یہ سن کر حضرت علیؑ جناب عباس کی طرف گئے اور کہا اس دفعہ بھی ہم چھانٹ دیئے گئے۔ اس لئے کہ سعد تو عبدالرحمن کے خلاف ہو نہیں سکتے۔ کیونکہ وہ ان کے چچازاد بھائی ہیں اور عبدالرحمان حضرت عثمان کے دامادٹھہرے۔ یہ لوگ آپس میں اختلاف کر نہیں سکتے۔ غرض انہیں سے ایک شخص دوسرے کو خلیفہ بنا دے گا۔ جناب عباس نے کہا میں نے تم کو کسی امر سے نہیں روکا مگر یہ کہ تم دیر کر کے میری طرف پلٹے۔ میں نے تم کو وفاۃ رسولؐ سے پہلے رائے دی تھی کہ حضرتؐ سے پوچھ لو یہ امر کس شخص کے متعلق رہیگا مگر تم نے انکار کیا۔ اور حضرتؐ کی وفاۃ کے بعد میں نے مشورہ دیا کہ خلافت پر قبضہ رکھنے میں جلدی کرو تب بھی تم نے انکار کیا۔ اور جب تم کو عمر نے شورے میں رکھا تب بھی میں نے کہہ دیا تھا کہ تم اس کمیٹی میں نہ رہنا مگر تم نے انکار کیا۔ یہ وہ پارٹی ہے جو ہمیشہ ہم لوگوں کو اس حق سے ہٹاتی ہی رہی یہاں تک کہ اس کو ہمارا غیر اوٹھا لیتا ہے۔ اور خدا کی قسم اس دفعہ بھی اس (خلافۃ) کو وہی شخص لے لیگا جس کے ساتھ کوئی بھلائی نفع نہیں دیگی۔ اسکے بعد عبدالرحمن بن عوف نے اپنے کو امیدواران خلافت سے الگ کر کے باقی لوگوں کو جمع کیا۔ پھر حضرت علیؑ کو بلا کر کہا تم خدا سے عہد و پیمان کرو کہ کتاب خدا، سنت رسول اور خلیفہ اول و خلیفہ دوم کی سیرۃ پر عمل کرو گے۔ حضرتؑ نے جواب دیا مجھے امید ہے کہ میں ایسا کروں گا اور اپنے علم و طاقت کے مطابق عمل کروں گا۔ اس کے بعد عبدالرحمن نے حضرت عثمان کو بلا کر وہی کہا جو حضرت علیؑ سے کہا تھا۔ پھر عبدالرحمن نے اپنا سر مسجد کی چھت کی طرف بلند کر کے اور حضرت عثمان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر کہا اے اللہ تو سن اور گواہ رہ۔ اے اللہ میں نے اس بوجھ کو جو میری گردن پر تھا عثمان کی گردن پر ڈال دیا۔ اور فوراً حضرت عثمان کی بیعت کر لی۔ حضرت علیؑ نے کہا یہ پہلا دن نہیں ہے جس روز تم لوگوں نے ہمارے خلاف ایکا کیا ہے فصبر جمیل واللہ المستعان۔ اب بھی صبر ہی بہتر ہے۔ اور اللہ ہی سے ہر صبر میں اعانت کی درخواست ہے۔ خدا کی قسم تم نے

Marfat.com

عثمان کو خلیفہ نہیں بنایا مگر اس لئے کہ وہ اس حکومت کو تمہیں پلٹا دیں۔ عبدالرحمن نے کہا اے علیؑ تم اپنے نفس پر کوئی حجۃ اور سبیل نہ قرار دو۔ اس پر حضرت علیؑ وہاں سے نکل گئے اور فرماتے گئے یقیناً کتاب اپنی مدت پر پہنچکر رہے گی۔ اس کے بعد جناب مقداد بن اسود نے عبدالرحمن بن عوف سے کہا خدا کی قسم تم نے ان (حضرت علیؑ) کو ترک کر دیا حالانکہ وہ ان لوگوں سے ہیں جو حق کے مطابق فیصلہ اور اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ تو عبدالرحمن نے کہا اے مقداد میں نے مسلمانوں کی بھلائی کرنے کی کوشش کی ہے۔ تب مقداد نے کہا مجھے قریش پر سخت حیرت ہوتی ہے کہ انھوں نے اس بزرگ کو کیسے چھوڑ دیا جس کے بارے میں میرا دعوے اور علم ہے کہ ان سے زیادہ حق کے مطابق فیصلہ کرنے والا اور ان سے زیادہ علم رکھنے والا کوئی بھی نہیں ہے۔ عبدالرحمن نے کہا اے مقداد اللہ سے ڈرو کیونکہ مجھے خوف ہے تم کسی فتنہ میں نہ پڑ جاؤ۔ پھر جب حضرت عثمان نے خلاف عہد و پیمان بہت سے کام کر ڈالے۔ مثلاً بڑے بڑے شہروں کی حکومت اپنے رشتہ کے ناتجربہ کار لوگوں کے حوالہ کر دی تو عبدالرحمن سے کہا گیا (ع) اے باد صبا این ہمہ آوردہ تست تو ان سب کے بانی آپ ہی ہیں۔ تو انھوں نے جواب دیا مجھے اس وقت تو ان سے ان باتوں کا گمان بھی نہ تھا۔ لیکن اب میں خدا سے عہد کرتا ہوں کہ عثمان سے کبھی بھی نہ بولوں گا۔ واقعاً عبدالرحمن مرتے وقت تک حضرت عثمان سے ناراض ہی رہے۔ ان کے مرض موت میں حضرت عثمان عیادت کے لئے ان کے پاس گئے بھی تو انھوں نے اپنا منہ دیوار کی طرف پھیر لیا اور ان سے کچھ بھی نہ بولے" (اصل عربی عبارت تاریخ ابوالفدا مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۱۵۸ سے صفحہ ۱۶۶ تک ہے) تاریخ ابوالفدا درحقیقت مشہور تاریخ اسلام یعنی تاریخ کامل ابن اثیر جزری کا خلاصہ ہے اور تاریخ کامل تقریباً تاریخ طبری کی نقل ہے۔ اس وجہ سے مذکورہ بالا عبارت کو انہیں دونوں تاریخوں کی عبارتوں کا خلاصہ سمجھنا چاہئے بس جس واقعہ کی جزئیات کو تفصیل سے بیان کر کے بڑی تاریخوں میں طول دیا گیا ہے انہیں امور کو علامہ ابوالفدا نے مختصر کر کے ذکر کر دیا ہے۔ پھر بھی جو ضروری چیزیں عبارت بالا میں درج ہونے سے رہ گئی ہیں کوشش کیجائیگی کہ ان سب کو دوسری کتابوں سے بھی آئندہ صفحات میں ذکر کر دیا جائے تاکہ یہ سوانحعمری انشاء اللہ ہر طرح مکمل اور ممدوح کے حالات کا سچا آئینہ ہو جائے۔

دوسری فصل

آپ کی خلافت سے مسلمانوں کی پریشانی

یہ عجیب امر ہے کہ حضرت ابو بکر نے حضرت عمر کو خلیفہ بنایا تو تمام اہل اسلام کو اس درجہ ناپسند ہوا کہ وہ سب تڑپ اُٹھے ۔ تاریخ کے کل اوراق اُلٹ جاؤ تم کو کسی خلیفہ کے مقرر ہونے پر (خواہ وہ خلفاء راشدین سے ہو یا خلفاء بنی امیہ یا بنی عباس یا خلفاء قسطنطنیہ کے عثمانی خاندان سے) اہل اسلام کا وہ اضطراب نہیں ملے گا جو آپ کے متعلق ظاہر ہوا۔ صرف چند روایتیں بطور نمونہ ذکر کی جاتی ہیں۔ دخل طلحة علی ابی بکر فقال استخلفت علی الناس عمر وقد رأیت ما یلقی الناس منه وانت معه۔ فکیف به اذا خلا بهم وانت لاق ربک فسألک عن رعیتک۔ طلحہ نے (جو عشرہ مبشرہ سے تھے) حضرت ابو بکر سے کہا تم نے عمر کو لوگوں کا حاکم اور اپنا خلیفہ بنا دیا؟ حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ جب تم موجود تھے تب مسلمانوں نے ان سے کیا کیا مصیبتیں جھیلیں۔ پھر جب تم اپنے پروردگار کے پاس جاتے ہو اور ان کو میدان خالی ملتا ہے تو وہ کیا کچھ نہ کر ڈالیں گے؟ خدا تم سے تمہاری رعیت کے بارے میں ضرور ہی سوال کرے گا (طبری جلد ۴ صـ ۵۴)

یہ تو صرف طلحہ کا بیان واضح ہوا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ آپ کا نام سُن کر مسلمانوں کی کل مقتدر جماعتیں خواہ وہ مہاجرین ہوں یا انصار بے چین ہو گئی تھیں اور اُن لوگوں نے اس پر صبر کرنا گوارا نہیں کیا۔ بلکہ فریادیں کیں۔ استغاثے بلند کئے۔ حضرت ابو بکر کو خدا اور روز قیامت کی باز پرس سے بہت ڈرایا اور اس کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا کہ کسی طرح آپ اس جگہ پر نہ معین کئے جائیں۔ مندرجہ ذیل روایت سے اس انتشار کا کچھ پتا چلتا ہے دخل علیه المهاجرون والانصار حین بلغهم انه استخلف عمر فقالوا نراک استخلفت علینا عمر وقد عرفته وعلمت بوائقه فینا وانت بین اظهرنا۔ فکیف اذا ولیت عنا وانت لاق الله فسائلك فما انت قائل۔ مہاجرین و انصار کو جب خبر ملی کہ حضرت عمر خلیفہ بنا دیئے گئے تو وہ سب کے سب دوڑے

ہوئے حضرت ابوبکر کے ہاں آئے اور فریاد کرنے لگے۔ کہا ہم دیکھتے ہیں کہ تم نے ہمارے اوپر عمر کو خلیفہ مقرر کر دیا ہے حالانکہ تم ان کو خوب پہچانتے ہو اور اُن کے اُن سب بوائق (فتنے۔ فساد۔ ظلم و ستم۔ اذیات۔ سفاکی وغیرہ) سے بھی اچھی طرح واقف ہو جو تمہارے زمانہ میں وہ کرتے تھے۔ پھر جب تم ان کو خلیفہ بنا کر چلے جاؤ گے تو وہ کیا کچھ نہیں کر ڈالیں گے؟ تم اللہ سے ملو گے اور وہ تم سے اس کی باز پرس کریگا تو اُس کو کیا جواب دو گے؟ (کتاب الامامۃ والسیاسۃ صہ ۳۲) مگر حضرت ابوبکر پر ان استغاثوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اور ہوتا بھی کیونکر۔ انھوں نے نہایت دلیری سے اپنی کارروائی کی مدح و ثنا کے پل باندھ دیئے اور دکھا دیا کہ آپ اپنی ذاتی رائے کے مقابلہ میں تمام مہاجرین و انصار کی رایوں کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے۔ اس طرح اجماع کے زور۔ اس کی حقیت اور اسکی حجیت کو اپنی چٹکیوں سے اُڑا دیتے ہیں۔ اور دنیا کو دکھا دیتے ہیں کہ خلافت اولےٰ و ثانیہ کے متعلق اجماع کا دعوےٰ آج تک شرمندۂ دلیل نہیں ہو سکا پہلی خلافت صرف حضرت عمر کی بیعت سے مسلّم ہو گئی۔ اور اُسکے جواب یا معاوضہ میں دوسری خلافت بھی صرف حضرت ابوبکر کی ذاتی اور شخصی تمنا اور آرزو سے مسلمانوں پر مسلط کر دی گئی اجماع کی تاویل کس مضحکہ ہی مضحکہ ہے۔ یہ وہ لفظ ہے جس کا عملی دنیا میں کوئی معنی ہی نہیں!!!

فقال طلحة والزبیر ما کنت قائلا لربک اذا ولیته مع غلظته وفی روایۃ قال طلحة الی علینا فظا غلیظا۔ ما تقول لربک اذا لقیته۔ فقال ابوبکر ساندنی فاجلسوہ فقال ابالله تخوفنی اقول استعملت علیهم خیرا هلک۔ طلحہ و زبیر نے حضرت ابوبکر سے کہا جب تم عمر کو ہم پر باوجود ان کی غلظت (سخت مزاجی۔ تندی۔ بد اخلاقی وغیرہ) کے خلیفہ مقرر کرتے ہو تو اپنے پروردگار کو کیا جواب دو گے؟ اور دوسری روایت میں ہے کہ طلحہ نے کہا کیا تم ہم پر فظ غلیظ کو خلیفہ بناتے ہو؟ لہ جب تم اپنے

لہ فظ سخت گو سخت مزاج۔ غلیظ درشت خو۔ اکھڑ۔ کھرا۔ (انوار اللغۃ) دونوں میں مزاج کی برائی اور سختی شامل ہے۔ خدا نے حضرت رسول خدا صلعم کو خاص طور پر اس عیب سے بچایا تھا بلکہ اس نے اس برائی کو اس درجہ قابل نفرت سمجھا ہے کہ قرآن مجید میں فرمایا فبما

پروردگار سے ملوگے تو اُس کو کیا جواب دوگے؟ اس پر حضرت ابوبکر نے اپنے لوگوں سے کہا تم لوگ ذرہ مجھے سہارا تو لگا دینا۔ لوگوں نے ان کو بٹھایا تو کہا کیا تم مجھ کو خدا سے ڈراتے ہو؟ جاؤ۔ میں خدا کو جواب دے دوں گا کہ میں نے اس شخص کو ان کا حاکم بنا دیا جو تیرے اہل میں سب سے اچھا تھا (تاریخ خمیس جلد ۲ صـ۲۶۹)۔ خدا کو ہادیانِ دین و پیشوایانِ مذہب کی خوش خلقی۔ نرم مزاجی۔ تواضع و انکسار اس درجہ مطلوب تھی کہ حضرت سید المرسلین ایسے رحمۃ للعالمین کو بھی بار بار اس کی تاکید فرماتا رہا کہ مزاج میں تعلّی نہ آنے دینا بلکہ واخفض جناحک للمومنین ان مسلمانوں سے (اگرچہ وہ غریب ہوں) جھک کر ملا کرو (پارہ۔ ۱۴۔ ع ۶) واخفض جناحک لمن اتبعک من المومنین فان عصوک فقل انی بری مما تعملون وتوکل علی العزیز الرحیم الذی یراک حین تقوم۔ اے رسولؐ جو مومنین تمہارے پیرو ہو گئے ہیں اُنکے سامنے اپنا بازو جھکاؤ (تواضع کرو) پھر بھی اگر لوگ تمہاری نافرمانی کریں تو تم صاف صاف کہہ دو کہ میں تمہارے کرتوتوں سے بری الذمہ ہوں اور تم اُس خدا پر جو سب سے غالب اور بڑا مہربان ہے بھروسا رکھو کہ جب تم نماز تہجد میں کھڑے ہوتے ہو تمہیں دیکھتا ہے (پ ۱۹ ع ۱۵)۔ اس قسم کی آیتیں بے حد و حساب ہیں۔ حضرت رسولؐ کی

(بقیہ حاشیہ صـ۲۹۹) رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک۔ اے پیغمبر یہ بھی اللہ کا بڑا ہی فضل ہے کہ تم ان لوگوں کو نرم دل پیشوا ملے ہو۔ اگر تم مزاج کے اکھڑ اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ کبھی کے تمہارے پاس سے تتر بتر ہو گئے ہوتے۔ ایک بھی تمہارے گرد نہ پھٹکتا (قرآن مجید پ ۴ ع ۸)۔ یہ عجیب امر ہے کہ جن عیوب سے خدا نے آنحضرتؐ کو بچایا ہے انھیں برائیوں کو حضرت عمر میں بیان کر کے صحابہ کرام آپکی خلافت سے اختلاف کرتے تھے لیکن حضرت ابوبکر ان عذروں کو کیونکر قبول کرتے۔ اور جب ابتدار اسلام سے آپ نے ممدوح کے مقابلہ میں کسی کو کوئی چیز نہیں سمجھا تو اب کون طاقت آپ کا خیال بدل سکتی تھی۔ اور اگر آپ اسکے خلاف چاہتے بھی تو حضرت عمر آپ کو کامیاب کیونکر ہونے دیتے ۱۲

Marfat.com

احادیث میں بھی بڑا ذخیرہ اس امر کا ہے کہ عامہ مسلمین تک کو خوش خلق اور نرم دل ہونا چاہیئے - چہ جائے کہ وہ لوگ جو اُن کے پیشوا مانے جائیں کہ اُن کا ان صفات میں دوسروں کے لئے نمونہ ہونا ضروری ہے - اگر ایک دو صحابی حضرت عمر کے متعلق ان خرابیوں کی شکایت کرتے تو اُن کا قول لاپروائی سے ٹال دیا جاتا لیکن مہاجرین و انصار سب کا اک زبان ہو کر شکایت کرنا ضرور قابل توجہ تھا -

تیسری فصل

حضرت عمرؓ کا خطبہ پڑھنا اور حضرت امام حسینؑ کا کہنا کہ میرے باپ کی جگہ سے اُتر آیئے

علامہ ابن حجر وغیرہ نے لکھا ہے وقع للحسین نحو ذلک مع عمر وھو علی المنبر فقال له منبر ابیک واللہ لا منبر ابی - ایسا ہی واقعہ[1] امام حسینؑ کا بھی ہے کہ جب حضرت عمر

---

[1] یہ اشارہ اس طرف ہے کہ پہلے یہ بات حضرت امام حسنؑ حضرت ابوبکر سے کہہ چکے تھے امام دارقطنی نے لکھا ہے کہ حضرت امام حسنؑ جناب ابوبکر کے پاس آئے تو دیکھا کہ وہ حضرت رسولؐ کے منبر پر بیٹھے ہیں - آپ نے فرمایا یہ میرے باپ کے بیٹھنے کی جگہ ہے - اس سے آپ اُتر آیئے - حضرت ابوبکر نے سچ کہا آپ نے خدا کی قسم یہ آپ کے باپ ہی کی جگہ ہے - پھر آپ کو گود میں بٹھا کر رونے لگے (صواعق محرقہ ص۱۰۵ و تاریخ الخلفاء ص۵۵ و ریاض نضرہ ص۱۲۸ و تاریخ خطیب و نہایۃ العقول فخر رازی وغیرہ) - اس سے ثابت ہوا کہ حضرت امام حسنؑ تک کو جو اُس وقت دس سال کے تھے معلوم تھا کہ حضرت رسولؐ کا منبر حضرت ابوبکر کے نہیں بلکہ حضرت علیؑ کے بیٹھنے کی جگہ اور حضرتؑ ہی کا حق ہے - اس وجہ سے اُن پر اعتراض کیا اور اس پر سے اُتر آنے کی تاکید کی - اس کے جواب میں حضرت ابوبکر نے قسم کھا کر کہا کہ بے شک یہ آپ کے باپ ہی کی جگہ ہے - یہاں ایک مشکل سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر خلافت حضرت علیؑ کا حق نہیں تھا تو حضرت امام حسنؑ نے کیوں فرمایا اور حضرت ابوبکر نے بھی کیوں قسم کھا کر کہا کہ یہ آپ کے باپ ہی کے بیٹھنے کی جگہ ہے؟

Marfat.com

منبر پر تھے تو کہا میرے باپ کے منبر سے اُتر آئیے۔ حضرت عمر نے جواب دیا بے شک آپ کے باپ ہی کا منبر ہے اور خدا کی قسم میرے باپ کا منبر نہیں ہے (صواعق محرقہ ص۷۵) اور علامہ ابن حجر عسقلانی وغیرہ نے لکھا ہے حدثنی الحسینؑ بن علیؑ قال اتیت عمر وھو یخطب علی المنبر فصعدت الیہ۔ فقلت انزل عن منبر ابی واذھب الی منبر ابیک۔ فقال عمر لم یکن لابی منبر۔ واخذنی فاجلسنی معہ۔ فلما نزل انطلق بی الی منزلہ فقال لی من علمک۔ قلت واللہ ما علمنی احد۔ قال بابی لو جعلت تغشانا۔ قال فاتیتہ یوما وھو خال بمعویۃ وابن عمر بالباب۔ فرجع ابن عمر فرجعت معہ فلقینی بعد فقال لی لم ارک۔ قال انی جئت وانت خال بمعویۃ فرجعت مع ابن عمر۔ فقال انت احق من ابن عمک فانما ابنت ما ترے فی رؤسنا اللہ ثم انتم۔ حضرت امام حسینؑ بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ میں حضرت عمر کے ہاں گیا۔ دیکھا وہ منبر پر خطبہ دے رہے ہیں تو میں بھی منبر پر چڑھ گیا اور اُن سے کہا میرے باپ کے منبر سے اُتر آئیے اور اُس منبر پر جا کر بیٹھئے جو آپ کے باپ کا ہو۔ حضرت عمر نے کہا میرے باپ کا تو کوئی بھی منبر نہیں ہے!!! یہ کہکر وہیں مجھے بھی بٹھا لیا اور جب اس سے اُترے تو مجھے بھی اپنے ساتھ گھر لیتے گئے۔ وہاں پہنچکر مجھ سے پوچھنے لگے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۱) ظاہر ہے کہ وہ منبر رسولخدا صلعم کا تھا حضرت علیؑ کا نہیں تھا پس اگر حضرت صلعم کے بعد حقیت خلافت کے ذریعہ سے وہ جگہ حضرت علیؑ کے بیٹھنے کی نہیں ہو گئی تھی تو حضرت ابوبکر کی یہ قسم کیسی تھی؟ کیا اس سے حضرت علیؑ کی اُس شکایت کی تائید نہیں ہوتی جس کو امام مسلم تک نے لکھا ہے کہ آپ نے حضرت ابوبکر سے فرمایا ولکنک استبددت علینا بالامر وکنا نحن نرے لنا حقا۔ تم نے ہم لوگوں کو الگ کر کے اپنی رائے سے اکیلے خلافت پر قبضہ کر لیا حالانکہ خلافت ہمارا حق تھا (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۹۱)۔ اور علامہ طبری نے لکھا ہے نرے ان لنا فی ھذا الامر حقا فاستبددتم بہ علینا شم ذکر قرابتہ من رسول اللہ وحقھم فلم یزل علی یقول ذلک حتے بکے ابوبکر۔ حضرت علیؑ نے حضرت اول سے فرمایا کہ اس خلافت کو ہم لوگ اپنا حق سمجھتے

Marfat.com

کیوں بھائی یہ بات آپ کو کس نے سکھائی تھی ؟ میں نے کہا خدا کی قسم کسی نے بھی نہیں (بلکہ میں نے اپنے دل سے کہی تھی) ۔ تب حضرت عمر بولے میرا باپ آپ پر فدا ہو جائے آپ کبھی کبھی میرے ہاں آیا کریں ۔ اس پر میں ایک دن ان کے ہاں گیا مگر معلوم ہوا کہ معویہ ان کے پاس ہیں اور وہ دونوں تخلیہ میں کچھ کر رہے ہیں ۔ حضرت عمر کے بیٹے پر ہیں ۔ وہ بھی اندر نہیں جا سکے بلکہ پلٹ آئے ۔ تو میں بھی پلٹ آیا ۔ اس کے کچھ دنوں بعد حضرت عمر مجھ سے ملے تو کہا آپ میرے ہاں آئے نہیں ؟ میں نے کہا میں آیا تو تھا مگر آپ اور معویہ تنہائی میں کچھ کر رہے تھے تو میں بھی عبداللہ ابن عمر کے ساتھ واپس گیا ۔ حضرت عمر نے کہا میرے لڑکے سے زیادہ آپ کا حق مجھ پر ہے کیونکہ ہم لوگوں کے سروں کا ایک ایک بال بھی صرف خدا کے فضل اور آپ کے طفیل ہی میں پیدا ہوا ہے (اصابہ جلد ۲ ص۱۵۔ و تہذیب الکمال وکنز العمال جلد ۷ ص۱۰۵ و ازالۃ الخفا ء جلد ۲ ص۳۰) حضرت عمر نے اس قول میں اعتراف کیا ان کی خلقت ۔ ان کا گوشت پوست اور ہر نعمت ان حضرات ہی کی طفیل میں ملی ۔

(بقیہ حاشیہ ص۳۰۲) تھے مگر تم لوگوں نے ہم کو الگ کر کے خود ہی اس پر قبضہ کر لیا ۔ پھر نے رسول خدا صلعم سے اپنی قرابت بیان کی اور اپنے حقوق ذکر کئے ۔ حضرت برابر بیان کرتے ہی رہے یہاں تک کہ حضرت ابوبکر رونے لگے (طبری جلد ۳ ص۲۰۲)

سلہ اسی کے قریب حضرت رسول خدا کے مشہور صحابی ابوہریرہ نے بھی کہا تھا ۔ علامہ طبری وغیرہ نے لکھا ہے عن ابی المہزم قال کنا مع ابی ھریرۃ فی جنازۃ فلما رجعنا اعیا الحسین معہ فجعل ابوھریرۃ ینفض التراب عن قدمیہ بثوبہ فقال لہ الحسین انت یا اباھریرۃ ابوالمہزم بیان کرتے تھے کہ ایک جنازہ میں ابوہریرہ کے ساتھ میں بھی تھا جب دفن کر کے سب پلٹے تو حضرت امام حسینؑ چڑھائی کی وجہ سے تھک گئے تھے ۔ یہ دیکھکر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرتؑ کے دونوں پاؤں اپنے کپڑوں سے جھاڑنے لگے ۔ تو امام حسینؑ نے فرمایا اے ابوہریرہ تم یہ کیا کر رہے ہو ۔ انھوں نے جواب دیا ۔ مجھے ایسا ہی کرنے دیجئے کیونکہ آپ کے جو فضائل مجھے معلوم ہیں اگر وہ سب دوسرے لوگوں کو بھی معلوم ہو جائیں تو وہ لوگ آپ کو اپنے کاندھوں پر سوار کر کے لے جایا کریں (تاریخ طبری جلد ۳ ص۱۸۱)

Marfat.com

چوتھی فصل

کیا حضرت ابوبکر و عمر کی خلافت جمہوری تھی؟

زمانہ حال کے نامور مصنف مولوی شبلی صاحب نعمانی نے لکھا ہے "فلسفہ تاریخ کا یہ ایک راز ہے کہ جو واقعات جس قدر زیادہ شہرت پکڑ جاتے ہیں اُسی قدر اُن کی صحت زیادہ مشتبہ ہوتی ہے۔ دیوار قہقہہ۔ چاہ بابل۔ آب حیواں۔ مارضی اک۔ جام جم سے بڑھکر کس واقعہ نے شہرت عام کی سند حاصل کی ہے۔ لیکن کیا ان میں ایک بھی اصلیت سے علاقہ رکھتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اکثر واقعات کسی خاص وقتی سبب سے شہرت کی منظر پر آجاتے ہیں پھر عام تقلید کے اثر سے جو خاصہ انسانی ہے شہرت عام کی بنا پر لوگ اس پر یقین کرتے چلے جاتے ہیں اور کسی کو تنقید اور تحقیق کا خیال تک نہیں آتا یہاں تک کہ رفتہ رفتہ وہ مسلّمات عامہ میں داخل ہو جاتے ہیں"۔ پھر ایک مثال ذکر کرکے لکھتے ہیں "اس واقعہ کا کانوں میں پڑنا تھا کہ گویا خدا کا خاص قاصد آکر ایک ایک کے کان میں وحی پھونک گیا۔ بچے۔ جوان۔ بوڑھے۔ جاہل۔ عالم۔ رذیل۔ شریف۔ نیک۔ بد سب یہی راگ گانے لگے۔ رفتہ رفتہ تقریر۔ تحریر۔ ضرب المثل۔ تلمیحات۔ افسانہ کوئی چیز اس سے خالی نہیں رہی لیکن بالآخر تحقیق کی عدالت نے فیصلہ کیا ع

عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ" (رسالہ اورنگ زیب مطبوعہ لاہور ص۲)

تقریباً یہی حال خلافت شیخین کی جمہوریت کا بھی ہے کہ کچھ سادہ لوح لوگوں نے کہا دونوں بزرگوں کی خلافت جمہوری تھی اور تقلید کے شیدائی اس آواز کو لے اُڑے اب کوئی نہیں دیکھتا کہ جمہوریت کی تعریف کیا ہے اور اس کا ہزارواں حصہ بھی ان خلافتوں پر صادق آتا ہے یا نہیں۔ حد ہو گئی کہ مولوی شبلی صاحب ایسے فہمیدہ۔ روشن خیال۔ اور باخبر مصنف بھی اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے اور اس وہمی بنیاد پر بہت بڑی عمارت کھڑی کر دی۔ لکھتے ہیں "پہلے یہ بتانا چاہیئے کہ اُس (حضرت عمر کی) حکومت

کی ترکیب اور ساخت کیا تھی ؟ یعنی شخصی تھی یا جمہوری ... حضرت عمر نے بغیر کسی مثال اور نمونے کے جمہوری حکومت کی بنیا دڈالی اور اگرچہ وقت کے اقتضاء سے اُسکے عام اصول و فروع مرتب نہ ہوسکے تاہم جو چیزیں حکومت کی روح ہیں سب وجود میں آگئیں" (الفاروق حصہ ۲ ص۱۵)۔

افسوس مولوی صاحب نے جمہوری حکومت کی تعریف نہیں کی ورنہ جو نتائج ممدوح نے پیدا کئے ہیں وہ سب خود ساقط ہو جاتے۔ جمہوری حکومت کی سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ اُس کا حاکم جمہور کی راے ومشورہ سے مقرر کیا جائے۔ یعنی جمہور جس کو کہیں جس کا نام بتائیں۔ جس کے متعلق راے دیں اُسی کا انتخاب کیا جائے۔ اگر دو آدمیوں کے درمیان اختلاف ہو کچھ لوگ ایک شخص کو چاہیں دوسرے لوگ دوسرے کو پسند کریں تو کثرت آراء پر عمل کیا جائے۔ اگر کسی حاکم کے تقرر میں یہ اصول ملحوظ نہیں رہیگا تو وہ ہرگز جمہوری حاکم یا جمہوری خلیفہ نہیں کہا جاسکتا اور نہ اس کی حکومت یا خلافت جمہوری کی صفت سے متصف ہوسکتی ہے۔ اس زمانہ میں یورپ، امریکہ کی مختلف حکومتوں نے دونوں کے فرق کو اس درجہ واضح کردیا ہے کہ اب جمہوری حکومت کی تعریف محتاج بیان نہیں رہی۔

پھر حضرت ابوبکر کی حکومت جمہوری کیسے کہی جاسکتی ہے ؟ اور حضرت عمر کی خلافت اس صفت سے کیونکر متصف ہوسکتی ہے ؟ حضرت ابوبکر کی بیعۃ صرف حضرت عمر نے کی تھی اور پھر دوسروں کو زبردستی اسکی طرف کھینچا جس کو خود ممدوح بعد کو کہتے تھے فلا یغترن امرء ان یقول انما کانت بیعۃ ابی بکر فلتۃ وتمت الا وانھا قد کانت کذلک لکن اللہ وقی شرھا۔ کوئی شخص اس دھوکے میں نہ پڑے کہ کہنے لگے ابوبکر کی بیعۃ تو ناگہانی طور پر ہوگئی اور پوری ہوئی۔ یہ صحیح ہے کہ وہ اسی طرح ہوئی لیکن خدا نے اس کے شر سے تو سب کو بچالیا (صحیح بخاری مطبوعہ احمدی میرٹھ ص۱۰۰۹)۔ اس کی شرح میں لکھا ہے انہ لم یکن مع ابی بکر حینئذٍ من المھاجرین الا عمر وابو عبیدہ۔ اُس وقت جماعت مہاجرین سے حضرت ابوبکر کی بیعۃ سوائے حضرت عمر وابوعبیدہ کے کسی نے نہیں کی (فتح الباری پارہ ۲۸ ص۳۶۵)۔ اور علامہ جوہری نے تصریح کردی ہے ذکر صاحب الصحاح ان الفلتۃ لام

Marfat.com

الذی یعمل فجاءۃ من غیر تردد ولا تدبر وھکذا کانت بیعۃ ابی بکر لان الامر لم یکن فیھا شوریٰ بین المسلمین وانما وقعت بغتۃ لم تمخض فیھا الآراء ولم یتناظر فیھا الرجال وکانت کالشئ المنتھب۔ علامہ جوہری نے لغت کی مشہور کتاب صحاح میں لکھا ہے کہ فلتۃ سے مراد وہ امر ہوتا ہے جو اچانک بغیر غور و فکر کے ہو جائے۔ حضرت ابوبکر کی بیعت اسی طرح واقع ہوئی۔ کیونکہ اس کے متعلق مسلمانوں سے بالکل مشورہ نہیں کیا گیا۔ بلکہ ناگہانی ہو گئی جس میں نہ لوگوں کی رائیں دیکھی گئیں اور نہ ان کو اس میں غور و غوض کا موقع دیا گیا بلکہ اس طرح کر لی گئی جس طرح کوئی چھینی اچکی اور غصب کی ہوئی چیز ہوتی ہے (منقول از شرح نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد ۱ ص۱۲۷) اب جو لوگ حضرت ابوبکر کی حکومت کو جمہوری کہتے ہیں وہ حضرت عمر کی تکذیب کرتے ہیں یا تصدیق حضرت عمر کے بیان سے تو واضح ہو گیا کہ حضرت ابوبکر کی خلافت جمہوری نہیں تھی۔ اب خود آپ کی خلافت کو دیکھو۔ کیا اس کو کوئی شخص جمہوری کہہ سکتا ہے جس کے بارے میں گزر چکا (دیکھو صفحہ ۲۹۸) کہ تمام مہاجرین و انصار نے اس کی مخالفت کی۔ لیکن حضرت ابوبکر نے سب کو ڈانٹ بتائی اور خلیفہ بنا کر رہے۔ کیا جمہوری حکومت کا لاکھواں دھبہ بھی اس خلافت پر پڑا؟ اب دیکھو کہ حضرت عمر نے مسند آرا ہونے کے بعد خلافت کے کام جمہوری اصول پر کئے یا شخصی حکومت کے مطابق۔ آپ کے زمانہ کے مشہور واقعات لے لو۔ وہی خود فیصلہ کر دینگے۔

(۱) آپ نے خلیفہ ہوتے ہی خالد کو معزول کیا۔ انھیں مولوی شبلی صاحب کے الفاظ میں سنو "تمام مورخین کا بیان ہے کہ حضرت عمر نے عنان خلافت ہات میں لینے کے ساتھ پہلا جو حکم دیا وہ خالد کی معزولی کا تھا۔ ابن اثیر وغیرہ سب یہی لکھتے آئے ہیں... حضرت عمر خالد کی بعض بے اعتدالیوں کی وجہ سے مدت سے ناراض تھے... حضرت عمر کو انکی یہ خود مختاری کیونکر پسند ہو سکتی تھی... خالد کو لکھا کہ تم اسی شرط پر سپہ سالار رہ سکتے ہو... خالد نے اس شرط کو نامنظور کیا اور اس بنا پر وہ سپہ سالاری کے عہدے سے معزول کر دیئے گئے" (الفاروق ص۱۶)۔ کیا اسی حکومت کو جمہوری کہتے ہیں کہ تمام معاملات خود حضرت عمر نے انجام دیئے۔ شرط بھی خود پیش کی۔ جواب بھی خود ہی پایا۔ فیصلہ بھی خود ہی کیا۔

اور خالد کی معزولی کا پروانہ بھی خود ہی روانہ کر دیا۔ انصاف کرو سکندر۔ تیمور۔ چنگیز خاں اور نادر شاہ کی حکومت اور حضرت عمر کی حکومت میں سر مو برابر بھی فرق ہے؟ وہ بھی تو جس کو چاہتے بغیر کسی سے کچھ دریافت کئے مقرر کرتے جس کو چاہتے معزول کرتے حضرت عمر نے بھی بغیر مسلمانوں کی رائے و مشورے کے خالد کو معزول کر دیا۔ غرض وہ بھی دونوں کی رائے و مشورہ کے محتاج نہ تھے اور حضرت عمر بھی نہ ہوئے۔ تیمور وغیرہ کا نام خود مولوی صاحب نے لیا ہے۔ لکھتے ہیں "سکندر اور چنگیز۔ بخت نصر۔ تیمور۔ نادر جتنے بڑے بڑے فاتح گزرے ہیں سب کے سب سفاک بھی تھے" (الفاروق جلد ۲ صـ۸) اس وجہ سے ہم نے بھی ان لوگوں کا ذکر کیا کہ جس طرح وہ لوگ جو چاہتے کرتے کوئی ٹوکنے والا نہیں تھا۔ اسی طرح حضرت عمر بھی اپنے دل کی حکومت کرتے تھے۔ کوئی شخص ان کا روکنے والا نہیں تھا۔ ہمارا یہ قصور نہیں کہ خالد کی بے جا حمایت کریں یا حضرت عمر پر نکتہ چینی پسند کریں بلکہ صرف یہ دکھانا ہے کہ جو امر جیسا ہے ویسا ہی بیان کیا جائے۔ حضرت عمر نے جو کچھ اپنے اجتہاد یا ذاتی رائے سے کیا وہ انہیں کا فعل کہا جائے۔ اُس کو جمہوریت کا نام دیکر لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا نہ کیا جائے۔ خالد کی معزولی بہت بڑا امر تھا۔ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کی خلافت میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا تھا کہ وہ کسی طرح ان کو معزول کر دیں مگر حضرت ابوبکر نے ان کے مقابلہ میں حضرت عمر کو بھی کوئی چیز نہیں سمجھا اور انکی کل کوششیں برابر ناکامیاب ہی ہوتی رہیں۔ جب آپ کے اصرار پر خالد دربار خلافت میں بلائے گئے تو حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کے پاس جاکر کچھ کہنا چاہا مگر آپ دروازہ پر روک دیئے گئے۔ اور صرف خالد کو اجازت ملی۔ حضرت ابوبکر نے خالد سے کہا تم نے ایک مسلمان کو قتل کیا اور اوسکی بیوی کو چھین لیا؟ خالد نے جواب دیا اے خلیفۂ رسول میں آپ کو قسم دیکر پوچھتا ہوں کیا آپ نے رسولخدا سے نہیں سُنا کہ فرماتے تھے خالد سیف اللہ (اللہ کی تلوار) ہے؟ حضرت ابوبکر نے کہا ہاں میں نے سنا ہے۔ خالد نے کہا شمشیر خدا سوائے کسی کافر یا منافق کے کسی اور کو نہیں مارتی۔ حضرت ابوبکر نے یہ سُن کر واپس جانے کی اجازت دی اور خالد خوشی خوشی باہر آئے اور اپنے لشکر کی طرف متوجہ ہوئے۔ علامہ طبری نے یہ بھی لکھا ہے فخرج خالد حین رضی عنہ ابوبکر وعمر جالس فی المسجد فقال هلم الی یا ابن ام شملة قال فعرف عمر ان ابا بکر قد رضی عنہ فلم

Marfat.com

یکلمہ و دخل بیتہ ۔ حضرت ابوبکر جب خالد سے خوش ہو گئے تو خالد ان کے پاس سے نکلے اس وقت حضرت عمر مسجد میں بیٹھے تھے۔ ان کو دیکھکر خالد نے کہا اے ام شملہ کے بیٹے اب چلا آ ۔ یہ سن کر حضرت عمر سمجھ گئے کہ حضرت ابوبکر ان سے راضی ہو گئے ہیں تو خالد سے آپ کچھ نہ بولے اور اپنے گھر میں گھس گئے (تاریخ طبری جلد ۳ صـ۲۴۳) [1]

(۲) مغیرہ کا واقعہ بھی قابل غور ہے جو بتاتا ہے کہ حضرت عمر کی حکومت پر جمہوری حکومت کا سایہ بھی نہیں پڑا تھا۔ اس واقعہ کی خبر حضرت عمر کو ملی۔ آپ نے نہ صحابہ سے مشورہ کیا اور نہ کسی سے رائے لی بلکہ خود ہی اس کے کل امور انجام دیئے۔ اگر جمہوریت کا شبہ بھی ہوتا تو جب زیاد نے باقی تینوں گواہوں کے بالکل مطابق شہادت نہیں دی تھی اور صرف چند الفاظ کا فرق ہو گیا تھا تو آپ ارباب حکومت سے (بشرطیکہ وہ کچھ رہے بھی ہوں) مشورہ کرتے۔ ان کی رائے طلب کرتے۔ ان سے بحث و گفتگو کرتے

---

[1] علامہ حلبی نے خالد سے حضرت عمر کی دشمنی کی ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ بچپن میں حضرت عمر اور خالد میں کشتی ہوئی تھی۔ خالد قوی تھے انھوں نے حضرت عمر کی پنڈلی کی ہڈی توڑ دی تھی جو بعد میں علاج سے جڑ گئی (انسان العیون مطبوعہ مصر جلد ۳ صـ۲۲۴) اصلی وجہ جو کچھ بھی ہو مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت عمر اور خالد میں بنتی نہیں تھی اور یہ اُن کی برابر توہین پر آمادہ رہتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت ابوبکر نے انکو کوئی ناگوار خط لکھا تو خالد نے پڑھکر کہا ھذا عمل الاعیسر یعنی عمر بن الخطاب۔ یہ اس شخص کی کارروائی ہے جو بائیں ہاتھ سے کام کرتا ہے۔ اس سے مقصود حضرت عمر تھے (طبری جلد ۳ صـ۲۵۴)۔ اس قسم کی عبارتیں کتابوں میں بھری ہوئی ہیں جن سے واضح ہے کہ وہ آپ کو کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے۔ اور حضرت عمر کی مخالفت کو کہتے تھے کہ حسد کی وجہ سے ہے ۔ فلما اتے خالد اکتاب ابی بکر بذلک قال خالد ھذا عمل الاعیسر ابن ام شملہ یعنی عمر بن الخطاب حسدنی ان یکون فتح العراق علی یدی۔ جب حضرت ابوبکر کا خط خالد کو ملا تو کہا یہ کھیے ام شملہ کے بیٹے کی کارروائی ہے اس نے مجھ پر حسد کیا کہ میں عراق کا فاتح کیوں ہوا (طبری جلد ۴ صـ۴۴)

زیاد کی مدح کراتے لیکن آپ نے مغیرہ کی اس درجہ طرفداری کی کہ اشارہ سے زیاد کو اپنے مافی الضمیر پر مطلع کر دیا اور اُس کے بیان ہی پر مغیرہ کو چھوڑ کر باقی تین گواہوں پر حد جاری کر دی۔ فقہی حیثیت سے قطع نظر بھی کر لی جائے تو عدل و انصاف کی رو سے آپ کا یہ طرز عمل کہاں تک ممدوح قرار پا سکتا ہے؟ آپ پر اگر مقدمہ ثابت نہیں تھا تو آپ نے دوسروں سے مشورہ کیوں نہیں کیا۔ دوسروں کی رائے کیوں نہیں حاصل کی۔ دوسروں کو بھی اپنے خیالات ظاہر کرنے کا موقع کیوں نہیں دیا۔

عجیب تماشہ ہے کہ خالد نے مالک بن نویرہ کو قتل کر کے اس کی زوجہ سے زنا کیا تو حضرت عمر کو اس درجہ غیظ و غضب ہوا کہ آپ حضرت ابوبکر سے خالد کو سزا دینے کے لئے گویا جنگ کرتے رہے اور وہاں کسی سے یہ نہیں پوچھا کہ خالد نے اس عورت کے ساتھ کیا کیا۔ کس طرح کیا۔ کسی نے وہ فعل کرتے اپنی آنکھوں سے دیکھا بھی تھا کسی نے گواہی بھی دی تھی کہ اس نے اپنی آنکھ سے خالد کی یہ حرکت مشاہدہ کی۔ وہاں بھی کسی سے حضرت عمر نے یہ جرح کی تھی کہ جس طرح سرمہ دانی میں سلائی جاتی ہے اس طرح اس عورت کی... خالد...

لیکن مغیرہ کی حمایت میں آپ نے یہ سب اہتمام کیا۔ دونوں واقعات کو ملاؤ۔ دونوں کے متعلق حضرت عمر کی جد و جہد کو دیکھو۔ دونوں کے بارے میں آپ کے جذبات کا جائزہ لو تو صاف معلوم ہوگا کہ دونوں کا واقعہ ایک ہی ایسا مگر آپ کا طرز عمل بالکل متضاد۔ اور دونوں صورتوں میں جرم ایک ہی مگر آپ کے حکم میں زمین و آسمان کا فرق۔ اور جمہور تو دونوں موقعوں کے فیصلوں سے پناہ مانگنے کو طیار!!!

اسلامی تاریخ کی ایک ایک کتاب پڑھ جاؤ۔ اور ہر ہر کتاب کا ایک ایک ورق اُلٹ جاؤ مگر تم اس امر کی تحقیق میں کسی طرح کامیاب نہیں ہو سکتے کہ حضرت عمر نے خالد کے متعلق جرم زنا کو کیوں فوراً قبول کر لیا۔ کیوں اس کے بھی چار گواہ نہیں طلب کئے۔ کیوں ان گواہوں کی بھی جرح و تعدیل نہیں کی۔ کیوں خالد اور ام تمیم کو بھی بلا کر ان کا خاص بیان انکی زبان سے نہیں لیا۔ کیوں خالد کے مقدمہ میں بھی کسی گواہ کو اشارہ نہیں کیا کہ خدا اسکے ذریعہ سے ایک صحابی رسولؐ کو فضیحتی سے محفوظ رکھے گا۔ مغیرہ کے صحابی رسولؐ

ہونے کا تو آپ نے اتنا لحاظ کیا۔ پھر خالد کے صحابی رسول ہونے کی پروا کیوں نہیں کی۔ درصورتیکہ خالد کا درجہ مغیرہ سے کہیں بڑھا ہوا تھا۔ خالد کو حضرت رسولخدا صلعم نے سیف اللہ کا خطاب دیا تھا اور ان کے جہادی کارناموں سے خوشی ظاہر فرمائی تھی۔ اس کے برعکس مغیرہ کو کوئی امتیاز نہیں حاصل تھا۔ لطف یہ کہ اوس زمانہ میں آپ کے خلیفہ ماننے والے جس قدر اہل اسلام تھے وہ بھی بُت بنے ہوئے ان تمام امور کو دیکھتے رہے اور کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ اے خلیفہ جب آپ نے خالد کے مقدمہ میں گواہی نہیں طلب کی جب اس قضیہ میں آپ نے اس قسم کی جرحیں نہیں کیں تو آپ مغیرہ کو کیوں اس کا نفع پہنچاتے ہیں یہاں وجہ ترجیح کیا ہے۔ اس کو بھی تو بیان فرما دیجئے تاکہ آپ کے فیصلوں پر ہم لوگوں کو بھی اطمینان ہو۔ علامہ ابن خلکان نے اپنی تاریخ وفیات الاعیان ترجمہ یزید بن زیاد میں لکھا ہے کہ (مغیرہ کے مقدمہ میں گواہی کے لئے) زیاد آیا تو عمر فاروق نے اس کو دیکھ کر کہا دیکھو وہ شخص آگیا جس کی زبان کی بدولت مہاجرین سے ایک شخص رسوائی سے بچ جائیگا اور مغیرہ نے زیاد سے کہا اے زیاد خدا سے ڈرنا اور وہ سوء منظر جو تم نے دیکھا ہے اُس سے وہ بات نہ کہنے لگنا جو تم نے نہیں دیکھی ہے کیونکہ اگر تم میرے اور اُس عورت کے پیٹ کے درمیان بھی ہوتے تو بھی مجھ کو داخل کرتے ہوئے نہ دیکھ سکتے تھے پس حضرت عمر نے پوچھا تو زیاد نے کہا کہ میں نے مغیرہ کو اس عورت کی ٹانگیں اُٹھائے ہوئے اور اُسکے خصیوں کو اس کی رانوں کے درمیان آتے جاتے دیکھا ہے اور شدید دھکے اور بلند سانس کی آواز سُنی ہے مگر اس طرح نہیں دیکھا جس طرح سرمہ دانی میں سلائی آتی جاتی ہے۔ پس حضرت عمر نے فرمایا اللہ اکبر اے مغیرہ اوٹھو اور ان تینوں گواہوں کو حد افتراء کے کوڑے مارو۔ پس مغیرہ نے اسّی اسّی کوڑے تینوں کو مارے۔ کوڑے کھانے کے بعد ابوبکرہ نے کہا میں اب بھی گواہی دیتا ہوں کہ مغیرہ نے ایسا کیا۔ اس پر حضرت عمر فاروق نے دوبارہ حد مارنی چاہی تو حضرت علیؑ نے فرمایا اگر اس کو مارتے ہو تو اپنے صاحب کو رجم کرو۔ پس حضرت عمر نے اُسے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد موسم حج میں ام جمیل حضرت عمر سے ملی۔ مغیرہ بھی وہاں موجود تھے حضرت عمر نے مغیرہ سے

Marfat.com

پوچھا تم اس عورت کو جانتے ہو؟ مغیرہ نے مزاحی جواب دیا تو حضرت عمر نے کہا تم مجھ سے تجاہل عارفانہ کرتے ہو؟ واللہ میں گمان نہیں کرتا کہ ابو بکرہ نے تم پر جھوٹی گواہی دی۔ جب میں تم کو دیکھتا ہوں تو مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں مجھ پر آسمان سے پتھر نہ آپڑیں (وفیات الاعیان جلد ۱ ص ۲۹۱)

مغیرہ کا قصہ حضرت عمر کی خلافت کا اس درجہ حیرت ناک واقعہ ہوا کہ آج تک آپکے ماننے والے علماء کو اس کا تشفی بخش جواب نہیں ملا۔ اور وہ اپنی کتابوں میں اسکی مختلف تاویلیں کرکے ممدوح کے دامن کو پاک کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن خود بھی سمجھتے ہیں کہ یہ باتیں کسی کی عقل میں آنے والی نہیں ہیں۔

(۳) حضرت عمر کا پہلا خطبہ جس کی عبارت پہلے تاریخ ابوالفدا سے نقل کی گئی خود حضرت عمر کے قول سے جمہوریت کے دعوے کو باطل کرتا ہے۔ ممدوح نے فرمایا تھا کہ "خدا کی قسم تم میں سے کوئی شخص میرے نزدیک کمزور سے زیادہ مضبوط نہیں ہے یہاں تک کہ میں اس کے لئے حق کو حاصل کروں۔ اور مضبوط سے زیادہ کمزور کوئی نہیں ہے یہاں تک کہ میں اُس سے حق کو حاصل کروں" جس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ کرینگے حضرت تنہا اپنی رائے۔ اپنی عقل۔ اپنی فہم۔ اپنے زور۔ اپنے اقتدار سے۔ اس میں نہ کسی کو شریک کرینگے۔ نہ کسی سے رائے لینگے۔ نہ کسی سے کچھ دریافت کرینگے۔

(۴) خالد کے معزول کرنے کے بعد آپ نے شامی لشکروں کا سردار جناب ابوعبیدہ کو مقرر کیا۔ کیا اس میں بھی آپ نے جمہوری حکومت کا شبہہ پیدا ہونے دیا؟ کل مورخین کی عبارتوں کو چھوڑ کر مولوی شبلی صاحب ہی سے دریافت کرو کہ حضرت عمر نے یہ کارروائی لوگوں سے دریافت کرکے کی یا خود اپنی ذاتی رائے سے اور محض شخصی پسند سے انجام دی۔ لکھتے ہیں "خالد نے اس شرط کو نامنظور کیا اور اس پر وہ سپہ سالاری کے عہدہ سے معزول کر دیئے گئے ... بایں ہمہ ان کو بالکل معزول نہیں کیا بلکہ ابوعبیدہ کے ماتحت کر دیا" (الفاروق جلد ۱ ص ۱۶۰)

اللہ اکبر آپ کے عہد حکومت میں اتنا بڑا تغیر ہوتا ہے کہ خالد سیف اللہ معزول اور

Marfat.com

ابو عبیدہ سردار مقرر کئے جاتے ہیں۔ لیکن نہ کسی سے پوچھا جاتا۔ نہ کسی سے مشورہ کیا جاتا اور نہ کسی کو کچھ بولنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ علامہ طبری وغیرہ نے لکھا ہے کان اول کتاب کتبہ عمر حین ولے الی ابی عبیدۃ یولیہ علے جند خالد۔ یعنی حضرت عمر نے خلیفہ ہوتے ہی سب سے پہلا فرمان جو لکھا وہ ابو عبیدہ کی طرف تھا جس میں ان کو لکھا کہ تم کو میں نے خالد کی فوج کا سردار مقرر کیا (طبری جلد ۴ صـ ۵۴)۔ غرض ہر کتاب کا ایک ایک ورق پڑھ جاؤ۔ تم کو کہیں یہ بات نہیں ملے گی کہ حضرت عمر نے ابو عبیدہ کو سردار فوج مقرر کرنے کے لئے کسی سے مشورہ کیا ہو۔ پھر جمہوریت کس کو کہتے ہیں؟

(۵) نہ صرف یہ کہ حضرت عمر خود جو چاہتے کرتے سرداران فوج بھی مطلق العنان چھوڑ دیئے گئے تھے۔ جو چاہتے کرتے اور ان کے افعال سے تعرض کرنے والا کوئی نہیں تھا مثلاً جب قنسرین کا محاصرہ ہوا ہے تو وہاں والوں نے شکست کھا کر صلح کی درخواست کی۔ ان کی یہ درخواست اس شرط پر منظور کی گئی کہ ان کا شہر تباہ و برباد کر دیا جائیگا مرتا کیا نہ کرتا۔ بیچارے اس پر راضی ہو گئے اور وہ شہر برباد کر دیا گیا۔ کیا یہ مناسب کارروائی تھی؟ شکست خوردہ فوج جو طالب صلح ہوئی تھی اس پر کیوں مجبور کی گئی کہ ان لوگوں کا وطن مٹا دیا جائے۔ ان کی عمارتیں ڈھا دی جائیں۔ ان کی زراعتیں تباہ کر دی جائیں۔ ان کی زندگی کے تمام آثار فنا کر دیئے جائیں۔ مگر ان لوگوں نے کیا اور حضرت عمر نے اپنی خاموشی سے ان سب کارروائیوں پر مہر رضا ثبت کر دی۔ اور کسی دوسرے دردمند و ہمدرد حکومت نے بھی ان کارروائیوں پر زبان استفسار نہیں کھولی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس شہر نے کیا قصور کیا تھا جس کی سزا اس کو اس طرح دی گئی وہاں کی کمزور اور بے زبان مخلوقات کی کیا خطا تھی جس کی وجہ سے وہ سب بھی پیس دیئے گئے۔ کیا اب بھی آپ کی حکومت کے متعلق کوئی شخص جمہوری کا نام لے سکتا ہے؟

(۶) گزشتہ سوال کی طرح یہ بھی ہے کہ جناب خالد نے مرعش کو فتح کیا اور اس کے کل باشندوں کو وہاں سے جلا وطن کر کے اس مقام کو بھی ویرانہ کر دیا۔ لیکن کسی نے بھی ان کو نہیں ٹوکا۔ اگر جمہوری حکومت کا دھبہ بھی اس پر پڑا ہوتا تو اس قسم کی کارروائیاں

Marfat.com

کیا باقی رہ سکتی تھیں؟ کیا جمہور خاموش رہتے؟ (۷) جبلہ بن ایہم کا واقعہ بھی اس دعوے پر روشنی ڈالتا ہے۔ وہ ایک ممتاز اور ذی اثر شخص بلکہ شام کا مشہور رئیس بلکہ بادشاہ تھا اور مسلمان ہو گیا تھا لیکن ابھی اسلام کی تمام جزئیات پر اس کی نظر نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اس سے ایک معمولی غلطی ہو گئی کہ ایک فزاری شخص کی بے ادبی پر ایک طمانچہ لگا دیا۔ آپ نے اس سے فدیہ طلب کیا۔ وہ متوحش ہوا مگر آپ نے اسکی کچھ بھی دل دہی نہیں کی بلکہ جب وہ مرتد ہو جانے پر آمادہ ہوا تب بھی آپ کو تنبہ نہیں ہوا اور اس کے قتل کی دھمکی دیدی۔ آخر وہ قسطنطنیہ چلا گیا۔ اور وہ اور اسکے ساتھ پانچ سو مسلمان بھی عیسائی ہو گئے۔ اس واقعہ میں بھی جو کچھ کیا تنہا حضرت عمر نے کہ نہ حکم خدا کا خیال کیا۔ نہ عمل رسولؐ کو دیکھا۔ نہ کسی سے رائے لی۔ نہ کسی سے مشورہ کیا۔ حالانکہ جانتے تھے اور دیکھ چکے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے زمانہ میں منافقین کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جاتا تھا اور انکی کس درجہ دلجوئی کر کے ان کو اسلام کے حلقہ میں باقی رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اسی وجہ سے ان کو مؤلفۃ القلوب کہتے تھے۔ خود مولوی شبلی صاحب نے ان لوگوں کی حیثیت تسلیم کی ہے لکھتے ہیں "مکہ کے اکثر رؤسا جنہوں نے حال میں اسلام قبول کیا تھا ابھی تک مذبذب الاعتقاد تھے۔ انہی کو قرآن مجید میں مؤلفۃ القلوب کہا ہے۔ قرآن مجید میں جہاں غنیمت کے مصارف بیان کئے ہیں ان لوگوں کا نام بھی ہے۔ آنحضرتؐ نے ان لوگوں کو نہایت فیاضانہ انعامات دیئے ... جن لوگوں پر انعام کی بارش ہوئی عموماً اہل مکہ اور اکثر جدید الاسلام تھے۔ اس پر انصار کو رنج ہوا۔ بعضوں نے کہا رسول اللہ نے قریش کو انعام دیا اور ہم کو محروم رکھا حالانکہ ہماری تلواروں سے اب تک قریش کے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں۔ بعض بولے کہ مشکلات میں ہماری یاد ہوتی اور غنیمت اوروں کو ملتی ہے۔ آنحضرتؐ نے یہ چرچے سنے تو انصار کو طلب فرمایا... آپ نے انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں۔ میں نے ان کو جو کچھ دیا تالیف قلب کی بنا پر نہیں بلکہ تالیف قلب کے لئے دیا" (سیرۃ النبی جلد ۱ ص۳۹۶)۔ بالکل اسی طرح جبلہ بھی جدید الاسلام تھا۔ اسکے ساتھی بھی تازہ مسلمان تھے۔ ابھی ان کو اسلام کے کل قواعد و آداب کا علم نہیں تھا۔ وہ اس کے قوانین سے واقف نہیں تھے۔ اور ابھی

Marfat.com

جبلہ کے دماغ سے شاہی بو زائل نہیں ہوئی تھی - اس وجہ سے اس نے فزاری کو ایک چپت لگادی - حضرت عمر اس کو سمجھا دیتے آئندہ کے لئے تاکید کر دیتے - بتا دیتے کہ اسلام میں اس کا بھی قدیہ دینا ضروری ہوتا ہے - اپنے پاس سے اس کو ادا کر کے اتنی بڑی جماعت کو حلقۂ اسلام میں باقی رکھ لیتے اور حضرت رسول صلعم کی تاسی کر کے ارباب بصیرت کو کہنے کا موقع دیتے کہ یہ خلیفہ رسولؐ ہیں - جس طرح رسولؐ نئے مسلمانوں کے ساتھ خاص برتاؤ کر کے ان کو متوحش نہیں کرتے تھے آپ نے بھی ان جدید الاسلام لوگوں کے ساتھ غض بصر کرنا مناسب سمجھا - لیکن افسوس یہ سب کچھ نہیں کیا اور دوسروں سے رائے مشورہ بھی نہیں کیا - نہ کسی کو کچھ بولنے کا موقع دیا - ایسی حالت میں بتاؤ آپکی حکومت کو جمہوری کس معنے میں کہا جاسکتا ہے ؟ (۸) سنہ ۱۸ ہجری میں آپ نے مسجد حرام کو وسیع کیا - مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "حرم محترم کی عمارت کو وسعت دی اور اوسکی زیب و زینت پر توجہ کی - اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام کو جو روز افزوں وسعت ہوتی جاتی تھی اس کے لحاظ سے حرم محترم کی عمارت کافی نہ تھی اسلئے ۱۷ھ میں گرد و پیش کے مکانات مول لے کر ڈھا دیئے اور اُن کی زمین حرم کی صحن میں شامل کر دی" (الفاروق جلد ۲ صلا۱۴) - سوال یہ ہے کہ اس کام کو ممدوح نے خود اپنی ہی رائے سے انجام دیا یا کسی سے رائے و مشورہ بھی کیا ؟ کسی کتاب سے نہیں معلوم ہوتا کہ آپ کا یہ فعل دوسروں کی رضامندی سے ہوا ہو - پھر آپکی حکومت جمہوری کیونکر ہوئی ؟ حیرت تو یہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنے مکانات بیع نہیں کئے حضرت عمر نے ان سب کے مکانوں کو زبردستی ڈھا دیا اور سب کو تلوار کے زور سے خاموش کر کے انکی زمین مسجد میں شامل کر دی - کیا یہ فعل صحیح ہوا ؟ کیا یہ امر شریعت اسلام کے مطابق انجام پایا ؟ کیا خدا اور رسولؐ نے اس کی اجازت دی ہے کہ لوگوں کے مکانوں کو غصب کر کے ڈھا دو اور اس جگہ مسجد بنا دو ؟ حضرت عمر نے جس طرح لوگوں کے مکانوں کو قہر و غلبہ زور حکومت سے لیا اور سب کو منہدم کرا کے مسجد حرام میں داخل کیا اس واقعہ کو محدثین و مورخین اسلام نے نہایت عبرت خیز الفاظ میں لکھا ہے (دیکھو تاریخ ابوالفدا - کتاب الاعلام - تاریخ مکہ از علامہ ازرقی وغیرہ) غالباً دنیا کا کوئی اور قابل

ذکر مذہب ایسا نہ ہو جس کی عبادت گاہ دوسروں کا مکان غصب کر کے بڑھائی گئی ہو اور وہ مکان والے بھی اسی مذہب کے ہوں۔ معلوم نہیں حضرت عمر کی اس توسیع کو اس وقت کے مسلمانوں نے کن نظروں سے دیکھا۔ یا جن لوگوں کے مکان لینے کی خواہش کی گئی ان کے ساتھ حضرت عمر نے کس قسم کا برتاؤ کیا کہ وہ اہل مکہ باوجود خود اہل اسلام ہونے کے اپنے مکانات دینے پر راضی نہیں ہوئے اور حضرت عمر کو ان سب کے حاصل کرنے کے لیے اپنی حکومت کی طاقت خرچ کرنے کی ضرورت ہوئی۔ اگر حضرت عمر کی حکومت جمہوری ہوتی تو آپ سب سے مشورہ کر کے یہ کام کرتے اور ایسی صورت میں دوسروں کے مکانوں کو زبردستی لے لینے اور ان کے منہدم کرا دینے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ نہ آپ پر یہ شدید الزام عائد ہوتا۔

اس جگہ حضرت رسولِ خدا صلعم کا طرز عمل بھی دیکھ لو تاکہ معلوم ہو سکے رسولؐ کے فعل اور حضرتؐ کے خلیفہ کے طرز عمل میں کس حد کا فرق ہے۔ اس کو بھی مولوی شبلی صاحب ہی کی عبارت میں دیکھو لکھتے ہیں "مدینہ میں قیام کے بعد سب سے پہلا کام ایک خانۂ خدا کی تعمیر تھی۔ اب تک یہ معمول تھا کہ مویشی خانہ میں آپ نماز پڑھا کرتے تھے دو ٹکڑہ کے قریب خاندان نجار کی زمین تھی۔ جس میں کچھ قبریں تھیں۔ کچھ کھجور کے درخت تھے۔ آپ نے ان لوگوں کو بلا کر فرمایا کہ "میں یہ زمین بہ قیمت لینا چاہتا ہوں" وہ بولے کہ "ہم قیمت لیں گے لیکن آپ سے نہیں بلکہ خدا سے"۔ چونکہ اصل میں وہ زمین دو یتیم بچوں کی تھی آپ نے خود ان یتیموں کو بلا بھیجا۔ ان یتیم بچوں نے بھی اپنی کائنات نذر کرنی چاہی لیکن آپ نے گوارا نہ کیا۔ حضرت ابو ایوب نے قیمت ادا کی اور مسجد کی تعمیر شروع ہوئی" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ ص ۲۰۵)۔ اس عبارت کا جو بہت مختصر کر کے لکھی ہے ایک ایک لفظ پڑھو اور دیکھو کہ حضرت رسولؐ کو وہ زمین مفت ملتی تھی مگر حضرتؐ نے گوارا نہیں کیا۔ اور حضرت عمر کو مکہ والے کسی طرح اپنا مکان دینے پر راضی نہیں تھے لیکن آپ نے زبردستی سب کے مکان منہدم کرا کے مسجد میں داخل کر لیئے ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

(۹) آپ کے انتظامات میں یہ بھی ہے ھوالذی اخّر مقام ابراھیم الی موضعہ الیوم و کان ملصقا بالبیت آپ ہی وہ ہیں جنہوں نے خانہ کعبہ میں مقام ابراہیم کو اسکی جگہ

سے پیچھے ہٹا کر وہاں کر دیا جہاں وہ اب ہے حالانکہ وہ پہلے بیت الحرام سے ملا ہوا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص۹۳)۔ یہ تغیر بھی ممدوح نے اپنی ذاتی رائے اور شخصی حکومت کی بنا پر کیا۔ نہ کسی صحابی سے رائے لی۔ نہ کسی مسلمان سے دریافت کیا۔ نہ اس کے لئے لوگوں کو جمع کر کے ان کے سامنے اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا نہ کسی کو بولنے کا موقع دیا۔

(۱۰) ھو اول من سنّ قیام شھر رمضان آپ ہی پہلے وہ بزرگ ہیں جنہوں نے ماہ رمضان المبارک میں تراویح کی ایجاد کی (تاریخ الخلفاء ص۹۳)۔ یہ بھی آپ کی محض ذاتی کارروائی تھی۔ نہ کسی اور مسلمان کے ذہن میں یہ بات آئی۔ نہ کسی اہل اسلام نے اس کا ارادہ کیا۔ اور نہ آپ ہی نے کسی سے رائے لیکر اس ایجاد کو اسلام میں داخل کیا۔ اسی وجہ سے مورخین اسلام نے اس واقعہ کو بھی آپ کے اولیات میں داخل کیا ہے۔ جس کا مطلب یہ کہ وہ باتیں جن کی ایجاد کا سہرا صرف حضرت عمر کے سر پر ہے۔ کسی اور کو اس میں کسی قسم کی شرکت کا شرف حاصل نہیں ہوا۔

(۱۱) ھو اول من ضرب فی الخمر ثمانین۔ حضرت عمر پہلے وہ بزرگ ہیں جنہوں نے شراب پینے کی سزا میں اسّی کوڑے مارنے کا حکم جاری کیا (تاریخ الخلفاء ص۹۳) مولوی شبلی صاحب بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ لکھا ہے "شراب پینے کی جو سزا پہلے سے مقرر تھی اس کو زیادہ سخت کر دیا یعنی پہلے ۴۰ دُرّے مارے جاتے تھے۔ انھوں نے ۴۰ سے ۸۰ کر دیئے" (الفاروق ص۲۱۴)۔ پہلے ۴۰ دُرّے تھے اس کا مطلب یہی تو ہوا کہ حضرت رسول خدا صلعم کے زمانہ میں یہ سزا اسّی اور حضرت عمر نے اس کو بڑھا کر ۸۰ کر دیا۔ یہ مسئلہ علیحدہ ہے کہ خدا کے مقرر کئے ہوئے حدود اور حضرت رسولؐ کی بتائی ہوئی سزا میں اصلاح دینے کا حق حضرت عمر کو تھا یا نہیں۔ ابھی اس کو اس حیثیت سے دیکھو کہ حضرت عمر کے یہ احکام اور تغیرات کیا جمہوری حکومت کے نتائج تھے؟ یا ذاتی حکومت۔ شخصی سلطنت۔ اپنے خاص اجتہاد کے کارنامے؟ پھر حضرت کی حکومت کے بارے میں جمہوریت کا نام کس طرح لیا جا سکتا ہے؟

(۱۲) وھو اول من حرم المتعۃ آپ ہی پہلے وہ بزرگ ہیں جنہوں نے متعہ کو حرام کر دیا (ص۹۳) اس کا ذکر نہیں کہ آپ نے ایسا کر کے شریعۃ اسلام میں دخل دیا۔ اور جس امر کو خدا و رسولؐ

Marfat.com

نے حلال کیا تھا اُسے حرام کیا بلکہ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ آپ نے اس کو جمہوری اصول کے مطابق روکا یا شخصی حکومت کی رو سے۔ اگر جمہوری حکومت تھی تو آپ نے اس کے متعلق کس سے مشورہ لیا۔ کس کی رائے دریافت کی۔ کس کو اظہار خیالات کا موقع دیا۔ کس کی رائے پر عمل کرنے کی آمادگی ظاہر کی۔ اگر یہ سب کچھ نہیں ہوا تو آپ کے ذاتی اجتہادات کا شرف آپ سے کیوں چھینا جاتا اور آپ کا انتظام جمہور کی رائے کا غلام کیوں بنایا جاتا ہے؟ (۱۳) وھو اول من نھی عن بیع امھات الاولاد۔ آپ ہی وہ ہیں جنہوں نے اولاد والی لونڈیوں کی خرید و فروخت منع کر دی (ایضاً صـ۹۱)۔ اس کا مطلب بھی واضح ہے کہ حضرت رسولؐ کے زمانہ میں جس امر کا رواج تھا اور خدا اور رسولؐ نے جس معاملہ کی اجازت دے رکھی تھی حضرت عمر نے اس کو روک دیا۔ مذہبی نقطۂ نظر کو چھوڑ کر دیکھو کہ جمہوری اصول کے مطابق آپ کا یہ طرز عمل کہاں تک ممدوح تھا۔ کیا اسکے لئے آپ نے عام مسلمانوں سے مشورہ کیا؟ کیا ارباب علم و فہم کی رائے دریافت کی؟ کیا کسی کو بحث و تنقیح کا موقع دیا؟ (۱۴) ھو اول من جمع الناس فی صلوٰۃ الجنازۃ علی اربع تکبیرات آپ ہی نے سب سے پہلے لوگوں کو حکم دیا کہ نماز جنازہ میں صرف چار تکبیریں کہا کریں (ایضاً صـ۹۳)۔ نماز جنازہ حضرت رسولِ خدا صلعم کے زمانہ میں بھی ہوتی تھی اور خدا اور رسولؐ ہی نے اس کا طریقہ بھی معین کر دیا تھا مگر حضرت عمر نے آکر بھی اصلاح دے دی کہ پہلے چار تکبیروں پر اس کو ختم نہیں کیا جاتا تھا۔ آپ نے اس کو لازمی قرار دے دیا۔ شرعی لحاظ سے اس کا جو مطلب سمجھا جائے لیکن بحث تو جمہوری حکومت کی ہے۔ کیا اس میں جمہوریت کا کوئی اثر ظاہر ہوتا ہے؟ کیا مسلمانوں کی رائے و مشورہ سے ایسا کیا گیا؟ کیا ارباب علم و عقل سے اس کو دریافت کیا گیا؟ کیا اسکے متعلق بحث و تحقیق کی صورت اختیار کی گئی؟ اگر ایسا ہوا تو اس زمانہ کے کل اہل اسلام پر یہ الزام عائد ہوتا ہے کہ سب نے خدا اور رسولؐ کے احکام میں دخل دیا اور سب شریعت اسلام میں تحریف کے مرتکب ہوئے۔ مگر کسی کتاب سے نہیں معلوم ہوتا کہ قوانین اسلام میں کسی دوسرے مسلمان کو بھی کسی قسم کا تغیر کرنے کی جرأت ہوتی تھی غرض حضرت عمر کے اس فعل میں بھی کسی اور کی کچھ شرکت نہیں ہوئی۔ اس وجہ سے

Marfat.com

ماننا پڑے گا کہ حضرت عمر نے ملکی انتظامات کئے ہوں۔ یا سیاسی اصول ترتیب دیئے ہوں۔ یا مذہبی امور کو بدلا ہو سب کچھ خود ہی کیا اور کسی دوسرے کو ان امور میں شرکت کا شرف نہیں حاصل ہوا (۱۵) ھو اول من اعال الفرائض۔ حضرت ہی پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے فرائض (میراث) میں عول کی صورت[1] ایجاد کی (" ص۹۳) اس جگہ بھی اس کا ذکر نہیں ہے کہ مذہبی امور میں تغیر کر دینے یا خدا اور رسول کے مقرر کئے ہوئے قوانین میں اصلاح دینے کا حق حضرت عمر کو تھا یا نہیں اور کہاں تک یہ باتیں دائرۂ اسلام میں قرار پا سکتی ہیں۔ بلکہ سوال یہ ہے کہ حکومت کی حیثیت اور سلطنت کے اصول سے یہ باتیں جمہوری طرز حکومت کو ثابت کرتی ہیں یا شخصی اور ذاتی بادشاہت کو۔ مولوی شبلی صاحب نے مذہبی حیثیت سے ان تغیرات کی تاویل کرنے کی کوشش کی ہے لکھتے ہیں "جن چیزوں میں آنحضرتؐ کے ارشادات منصب رسالت کی حیثیت سے نہ تھے ان میں اس بات کا موقع باقی رہا کہ زمانے اور حالات موجودہ کے لحاظ سے نئے قوانین وضع کئے جائیں۔ چنانچہ معاملات میں حضرت عمر نے زمانہ اور حالات کی ضرورتوں سے بہت نئے نئے قاعدے وضع کئے جو آج حنفی فقہ میں بکثرت موجود ہیں" (الفاروق جلد ۲ ص۲۳۸)۔ اس توجیہ پر بڑا مشکل سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم کو پیغمبر بنانے والا یقیناً خدا اور اسلام کے

---

[1] عول علم فرائض کا ایک عمل ہے وہ یہ ہے کہ سہام کو بڑھا دینا جب حصہ والوں پر برابر تقسیم نہ ہو سکے ... اول من اعال الفرائض عمر بن الخطاب اول جس نے ترکہ میں عول کا قاعدہ نکالا وہ حضرت عمر تھے ... جب حضرت عمر ... جو خلفائے راشدین میں سے ہیں عول منقول ہے تو اب نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم کا قول انکار عول میں لائق تسلیم نہیں" (انوار اللغۃ پارہ ۔ ۱۸ ص۲۳۳) اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عول اسلام میں وہ نئی بات ہے جس کو بڑے بڑے علماء بھی پسند نہیں کرتے اور اس سے صاف صاف انکار کر دیتے ہیں اور اس وقت تک علماء اسلام اس سے سخت متوحش رہتے ہیں اور اسکی کوئی تاویل نہیں کر سکتے ۱۲

Marfat.com

احکام کا حضرتؐ تک بھیجنے والا بھی وہی معبود برحق ہے۔ تو کیا اس نے قرآن مجید یا احادیث قدسیہ میں اس تفریق کو بتایا ہے جس پر مولوی شبلی صاحب اتنی بڑی عمارت کھڑی کر دیتے ہیں؟ کیا اس نے کسی طرح اس بات کی طرف اشارہ بھی کیا ہے کہ آنحضرتؐ کے کچھ ارشادات منصب رسالت کی حیثیت سے ہوتے ہیں اور کچھ اسکے خلاف؟ کچھ احکام اسلام ایسے ہیں جن میں تغیر نہیں ہو سکتا اور کچھ ایسے جن میں حضرت عمر اور خلفاء جس طرح چاہیں اصلاح دے دیں؟ اگر خدا نے اس کی صورت ظاہر نہیں کی تو کیا حضرت رسولخدا صلعم نے اس کو فرمایا ہے کہ میرے بعض ارشادات منصب رسالت کی حیثیت سے ہوتے ہیں اور بعض دوسری حیثیت سے؟ خدا نے تو آنحضرت صلعم کے بارے میں واضح اصول مقرر کر دیا ہے کہ وما ینطق عن الھوے ان ھو الا وحی یوحی رسولؐ کوئی بات اپنے دل سے نہیں کہتے بلکہ جو کچھ بیان کرتے ہیں میری وحی نازل ہونے کے بعد (پ ۲۷ ع ۵) پھر آنحضرتؐ کے ارشاد کو دو حصوں پر تقسیم کرنے کا حق کس کو ہے؟ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "حضرت عمر ان باتوں کو منصب نبوت سے الگ سمجھتے تھے ورنہ اگر باوجود اس امر کے علم کے کہ وہ باتیں منصب رسالت سے تعلق رکھتی تھیں اُن میں دخل دیتے تو بزرگ ناشناور کنار ہم اُن کو اسلام کے دائرے سے بھی باہر سمجھتے" (الفاروق جلد ۲ صـ۲۳۷)۔ اس پر پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمر ان باتوں کو منصب رسالت سے الگ کیوں سمجھتے تھے؟ ان باتوں کو منصب رسالت سے الگ سمجھنے کا حق کیا کسی مسلمان کو ہے؟ کیا خدا اور رسولؐ نے کسی کو اس کی اجازت دی ہے کہ ان باتوں کو آنحضرتؐ کے منصب نبوت و عہدۂ رسالت سے الگ سمجھے؟ یہ گفتگو تو مذہبی حیثیت کے مطابق تھی۔ لیکن اصل بحث تو اس میں ہے کہ حضرت عمر کی حکومت جمہوری کس اصول پر کہی جاتی ہے؟ کیا حضرت ممدوح کی اس کثرت سے اصلاحیں جو آپ نے احکام خدا اور رسولؐ میں کیں آپ کی ذاتی کارروائیاں اور شخصی تدبیریں نہیں تھیں؟ کیا جمہور نے ان سے کہا تھا کہ اسلام کے ان اصول و آداب کو آپ اس طرح بدلدیں حضرت رسولخدا صلعم کے زمانہ کے امور میں یوں تغیر دے دیں؟ اگر کسی ایک مسلمان نے بھی ایسی جرأت کی ہو تو اس کا نام بتانا چاہیئے۔ ورنہ صاف اعلان کر دینا چاہیئے کہ

Marfat.com

حضرت عمر جو کچھ کرتے تھے تنہا اپنی رائے۔ اپنے اجتہاد سے۔ کسی اور کو اس میں ذرہ برابر دخل نہیں تھا۔ اس امر کو یاد رکھنا چاہیے کہ اصول مسلمہ ہے تاویل القول بمالا یرضی بہ قائلہ (کسی قول کی ایسی تاویل جس پر اس کا کہنے والا راضی نہ ہو) جائز نہیں ہے۔ مولوی شبلی صاحب نے اس پر بہت زور دیا ہے کہ حضرت عمر جس جس حکم خدا و رسولؐ میں اصلاح دیتے تھے اس کے متعلق ان کا خیال تھا کہ حضرت رسولؐ نے اس کو منصب نبوت سے الگ ہو کر کہا تھا۔ اگر اس خیال سے ایسا نہ کرتے تو آپ دائرۂ اسلام سے خارج سمجھے جاتے۔ لیکن یہ تو خود مولوی شبلی صاحب کی توجیہ ہے۔ پہلے بتانا چاہیے کہ حضرت عمر نے بھی اپنے کسی قول سے اس کو واضح کیا ہے کہ وہ حضرت رسولؐ کی دو حیثیتیں قرار دیتے ہیں۔ ایک حیثیت وہ جس کی رو سے حضرتؐ کا کوئی حکم۔ کوئی قول۔ کوئی فتوے محتاج ترمیم نہیں تھا۔ اور دوسری حیثیت وہ جسکے مطابق آنحضرتؐ کے احکام اس قابل تھے کہ ان میں اصلاح دے دی جائے۔ مولوی صاحب کا بہت بڑا فرض یہ تھا کہ پہلے اس کو ثابت کرتے کہ حضرت عمر آنحضرت صلعم کی خدمات دین کو اس طرح تقسیم کرتے تھے لیکن افسوس آپ نے اس کی زحمت گوارا نہیں کی۔ یہ بھی بتانا چاہیے تھا کہ حضرت عمر حضرت رسولخدا صلعم کے جن اقوال و احکام کو اصلاح طلب سمجھتے تھے ان میں اصلاح دینے کا اہل بھی صرف اپنی ہی ذات مبارکہ کو جانتے تھے یا اوروں کو بھی اس لائق خیال کرتے تھے۔ یعنی وہ یہ طے کیے ہوئے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے جس حکم کو خود چاہیں بدل دیں اور جس کو چاہیں باقی رکھیں۔ یہ اصول صرف آپ ہی تک محدود تھا یا حضرت ابوبکر۔ حضرت عثمان۔ معویہ۔ یزید۔ عبدالملک وغیرہ کو بھی اس کا حق حاصل تھا۔ اسکی بھی توضیح ضروری تھی کہ اس امر کا معیار کیا ہے کہ حضرت عمر نے آنحضرتؐ کے فلاں فعل کو منصب نبوت کی حیثیت سے الگ سمجھا اور فلاں کو اس کے مطابق خیال کیا۔ اگر صرف دنیوی امور میں ایسا ہوتا تب بھی کچھ سہولت ہوتی مگر ہم تو دیکھتے ہیں کہ نماز۔ روزہ۔ زکوۃ۔ میراث۔ حدود۔ غرض جس قدر دینی ابواب ہیں تقریباً سب میں ممدوح نے احکام خدا و رسولؐ پر اصلاح دے دی۔ تو اب وہ کون سے مسائل یا احکام تھے جن کے بارے میں تسلیم کیا جائے کہ حضرت عمر نے ان کو اس وجہ سے چھوڑ دیا کہ آپ سمجھتے

Marfat.com

تھے آنحضرتؐ نے ان سب کو منصب نبوت کے مطابق فرمایا تھا۔ (۱۶) ھذا اول من اخذ زکوۃ الخیل۔ آپ ہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے گھوڑوں کی زکوۃ لی۔ (تاریخ الخلفاء صـ۹۳) ۔معلوم ہے کہ زکوۃ اسلام کا مقرر کیا ہوا فریضہ ہے۔ قرآن مجید ہی نے بار بار فرمایا ہے اقیموا الصلوۃ و آتوا الزکوۃ تم لوگ نماز قائم کرو اور زکوۃ دیا کرو۔ اسکے متعلق مورخین نے تصریح کی کہ گھوڑوں کی زکوۃ سب سے پہلے حضرت عمر نے لی۔ اس کا مطلب واضح ہے کہ نہ حضرت ابوبکر نے لی اور نہ حضرت رسولؐ نے اور نہ خدا نے اس کو مقرر کیا بلکہ اس کی ایجاد حضرت عمر نے کی۔ مذہبی حیثیت سے اس پر سوال ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے کیوں ایسا کیا؟ ان کو کس نے یہ حق دیا کہ جس چیز کی زکوۃ خدا اور رسولؐ نے نہیں معین کی اس کی زکوۃ وہ خود مقرر کریں۔ لیکن ابھی گفتگو اس میں ہے کہ کیا حضرت عمر کی حکومت جمہوری تھی۔ اس کو اسی نقطۂ نظر سے دیکھو کہ جب حضرت عمر نے خدا اور رسولؐ کے مقرر کئے ہوئے اصول زکوۃ میں ترمیم کر دی اور نہ کسی صحابی سے اس میں رائے لی۔ نہ کسی مسلمان سے مشورہ کیا۔ نہ عامہ مسلمین کا خیال دریافت کیا۔ نہ دوسروں کو اظہار رائے کا موقع دیا تو آپکی حکومت جمہوری کس منے سے کہی جا سکتی ہے؟ (۱۷) وقال النووی فی تھذیبہ ھو اول من اتخذ الدرۃ وکذا ذکرہ ابن سعد فی الطبقات قال وقد قیل بعدہ لدرتہ عمر اھیب من سیفکم۔ علامہ نووی نے اپنی کتاب تہذیب میں لکھا ہے کہ حضرت عمر ہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے درہ کو اختیار کیا۔ اور یہی مضمون علامہ ابن سعد نے بھی اپنی کتاب طبقات میں لکھا ہے۔ اور بعد کو کہا جاتا تھا کہ حضرت عمر کا درہ تم لوگوں کی تلوار سے زیادہ ہیبت ناک ہے (ایضاً صـ۹۳)۔ اگر حضرت عمر معمولی بادشاہ ہوتے تو جو چاہتے کرتے لیکن چونکہ آپ نے مسلمانوں پر حکومت اس حیثیت سے کی کہ آپ حضرت رحمۃ للعالمین کے خلیفہ تھے اس وجہ سے دریافت کرنے کی ضرورت ہوئی کہ آپ کا دُرّہ ایجاد کرنا کہاں تک مناسب تھا۔ اور ایسا کرنے سے آپکی حکومت جمہوری ثابت ہوتی ہے یا تنسی۔ (۱۸) وھو اول من اخرج الیھود من الحجاز الی الشام واخرج یھود نجران الی الکوفۃ۔ حضرت عمر ہی

Marfat.com

وہ بزرگ ہیں جنہوں نے یہودیوں کو حجاز سے شام کی طرف اور نجران کے یہودیوں کو کوفہ کی طرف نکال دیا (تاریخ الخلفاء صـ۹۳) ۔ حجاز عرب کے اس حصہ ملک کا نام ہے جہاں مکہ ہے اور شام وہاں سے بہت دور شمال کی جانب ہے ۔ حضرت عمر نے حجاز کے یہودیوں کو نکال دیا کہ شام میں چلے جائیں ۔ یہ مرقوم نہیں کہ یہودیوں کے کس قصور کی سزا ان کو یہ دی گئی کہ اپنے ملک سے نکال دیئے گئے ۔ اپنے وطن سے جلاوطن کر دیئے گئے ۔ اپنے گھر ۔ اپنی جائداد ۔ اپنی زراعت ۔ اپنے مقامی تعلقات سے محروم کر دیئے گئے ۔ اگر کسی خطا کا ذکر ہوتا تو دیکھا جاتا کہ کیا اس جرم کی اتنی بڑی سزا مناسب تھی یا نہیں ۔ لیکن جب ان کے کسی سبب کا ذکر نہیں تو ماننا پڑے گا کہ اُن کے صرف یہودی ہونے کی سزا ان کو یہ دی گئی کہ وہاں سے نکال دیئے گئے ۔ مذہبی حیثیت سے اس پر جو اعتراض ہوتا ہے اس کی وجہ سے آج اسلام تمام اہل مذاہب کے سامنے شرمندہ ہے کہ اسلام دوسرے مذہبوں کے ساتھ بربریت کا برتاؤ کرتا رہا ۔ مگر یہاں تو گفتگو حضرت کی حکومت کے متعلق ہے کہ جمہوری تھی یا شخصی ۔ اگر جمہوری حکومت تھی تو کیا جمہور میں عیسائی داخل نہیں تھے ؟ یہودیوں کا ان میں شمار نہیں تھا ؟ پھر کیا حضرت عمر نے ان لوگوں سے رائے لی کہ ان سب کو حجاز سے شام اور نجران سے کوفہ کی طرف نکالا ؟ اگر نہیں تو پھر یہ حکومت جمہور کیسے ہوئی ؟ اچھا پھر کیا دوسرے سامانوں سے اس کے بارے میں رائے لی گئی ؟ عامہ مسلمین سے اس کے متعلق مشورہ کیا گیا ؟ کسی کو بھی ان تجویزوں کے بارے میں کچھ کہنے کا موقع دیا گیا ؟ ان یہودیوں کے کم از کم اعذار تو دریافت کر لئے گئے ہوتے ۔ ان کی مجبوریاں تو سُن لی گئی ہوتیں ۔ لیکن افسوس ان غریبوں کے ساتھ انسانیت کا ادنےٰ برتاؤ بھی نہیں کیا گیا ۔ اور پھر دعوے یہ ہے کہ حضرت عمر کی حکومت جمہوری تھی !!!

(۱۹) مورخین و محدثین نے تفصیل سے لکھا ہے ثم قال لابنہ یاعبد اللہ انظر ما علی من الدین فحسبوہ فوجدوہ ستۃ وثمانین الفا ونحوھا ۔ جب حضرت عمر کی وفات کا وقت قریب آیا تو اپنے صاحب زادے سے کہا اے عبد اللہ دیکھو مجھ پر کس قدر قرض ہے لوگوں نے اس کا حساب کیا تو ۸۶ ہزار نکلا (تاریخ الخلفاء صـ۹۲ و ریاض نضرہ جلد ۲ صـ۶۸ وغیرہ)

یہاں پہنچکر جمہوریت اپنا پورا حساب لینے کو طیار رہے۔ جمہوری حکومت کا ایک بڑا اصول یہ ہے کہ جمہور کا مال جمہور کی راے ومشورہ سے خرچ کیا جائے۔ بیت المال کے مالوں کو حضرت عمر نے جس جس طرح صرف کیا اوس کی تفصیل بہت طولانی ہوگی۔ بطور نمونہ یہی عبارت کافی ہے۔ حضرت عمر سمجھتے تھے کہ آپ نے بیت المال کی جس قدر رقم قرض کے نام سے لے لی ہے وہ اتنی کم ہوگی کہ جناب عبداللہ خود ہی اس کا حساب کرکے بتادینگے۔ اس وجہ سے ان کے ذمہ یہ کام کردیا۔ مگر صاحب زادے اس میں ناکامیاب رہے تو بہت سے ہمدردوں نے اس کا حساب کیا۔ اور معلوم ہوا کہ وہ رقم دہائی تک محدود نہیں ہے سیکڑوں تک بھی نہیں ہے بلکہ ۸۶ ہزار ہے۔ اس رقم کو حضرت عمر نے کیا جمہور کی راے ومشورہ سے خرچ کیا تھا؟ کیا کسی کو اس کی اطلاع بھی دی تھی کہ میں بیت المال کی دولت اپنی ذات میں صرف کررہا ہوں؟ نہیں اور یقیناً نہیں تو آپ کی حکومت جمہوریت کی صفت سے کیونکر متصف کی جاتی ہے؟ یہ واضح ہے کہ اُس زمانہ کے کل مسلمان آپ سے خوش حال نہیں ہوگئے تھے کہ کسی کو ان مالوں کی ضرورت نہ رہی ہو۔ ایسی صورت میں آپ کا اتنی گراں قدر رقم کو صرف اپنی ذات میں خرچ کردینا اچھی طرح واضح کرتا ہے کہ جس قدر مستحق لوگوں کا کام اس رقم سے نکلتا ان سب کی ضرورتیں معطل رہیں۔ اور وہ نقصان اوٹھاتے رہے اور حضرت عمر ان کی حاجتوں سے چشم پوشی کرکے بیت المال کی رقموں کو اپنی ذات میں صرف کرتے چلے گئے۔ اور اگر آپکی وفات کا زمانہ نہ آجاتا تو معلوم نہیں وہ رقم ۸۶ ہزار سے بھی بڑھکر کتنے لاکھوں تک پہنچ جاتی فاعتبروا یااولی الابصار۔ (۲۰) حضرت عمر کی زندگی کا آخری انتظام بھی اس مسئلہ پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "اُس وقت اسلام کے حق میں جو سب سے اہم کام تھا وہ ایک خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا۔ تمام صحابہ بار بار حضرت عمر سے درخواست کرتے تھے کہ اس مہم کو آپ طے کرجایئے۔ حضرت عمر نے خلافت کے معاملہ پر مدتوں غور کیا تھا اور اکثر اس کو سوچا کرتے تھے۔ بار بار لوگوں نے ان کو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے ہیں اور کچھ سوچ رہے ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے باب میں غلطاں پیچاں ہیں۔ مدت کے غور وفکر پر بھی اُن کے انتخاب کی

Marfat.com

نظر کسی شخص پر جمتی نہ تھی۔ بارہا اُن کے منہ سے بے ساختہ آہ نکل گئی کہ افسوس اس بارِ گراں کا کوئی اوٹھانے والا نظر نہیں آتا۔ تمام صحابہ میں اُس وقت چھ شخص تھے جن پر انتخاب کی نگاہ پڑ سکتی تھی علیؓ۔ عثمانؓ۔ زبیرؓ۔ طلحہؓ۔ سعد وقاصؓ۔ عبدالرحمن بن عوفؓ لیکن حضرت عمر ان سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے [1] اور اس کا اُنھوں نے

[1] حضرت عمر نے اور بزرگوں کی نسبت جو خردہ گیریاں کیں گو ہم نے اُن کو ادب سے نہیں لکھا لیکن اُن میں جائے کلام نہیں۔ البتہ حضرت علیؑ کے متعلق جو نکتہ چینی حضرت عمر کی زبانی عام تاریخوں میں منقول ہے یعنی یہ کہ اُن کے مزاج میں ظرافت ہے۔ یہ ایک خیال ہی خیال معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علیؑ ظریف تھے مگر اُسی قدر جتنا ایک لطیف المزاج بزرگ ہو سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؑ کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے پیچ در پیچ تھے کہ قریش کسی طرح اُن کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ علامہ طبری نے اس معاملہ کے متعلق حضرت عمر کے خیالات مکالمہ کی صورت میں نقل کئے ہیں۔ ہم اُن کو اس موقع پر اس لئے درج کرتے ہیں کہ اس سے حضرت عمر کا راز سربستہ معلوم ہوگا۔ مکالمہ عبداللہ بن عباس سے ہوا تھا جو حضرت علیؑ کے ہم قبیلہ اور طرفدار تھے۔

حضرت عمر۔ کیوں عبداللہ بن عباس! علیؑ تمہارے ساتھ کیوں نہیں شریک ہوئے؟

عبداللہ بن عباس۔ میں نہیں جانتا۔

حضرت عمر۔ تمہارے باپ رسولؐ اللہ کے چچا اور تم رسولؐ اللہ کے چچیرے بھائی ہو۔ پھر تمہاری قوم تمہاری طرفدار کیوں نہیں ہوئی؟

عبداللہ بن عباس۔ میں نہیں جانتا۔

حضرت عمر۔ لیکن میں جانتا ہوں تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا گوارا نہیں کرتی تھی۔

عبداللہ بن عباس۔ کیوں؟

حضرت عمر۔ وہ یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آجائیں۔ شاید تم یہ کہو گے کہ حضرت ابوبکر نے تم کو خلافت سے محروم کر دیا لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں۔ ابوبکر نے وہ کیا جس سے زیادہ مناسب کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی۔

مختلف موقعوں پر اظہار بھی کر دیا تھا۔ چنانچہ طبری وغیرہ میں ان کے ریمارک بہ تفصیل

(بقیہ حاشیہ صـ۳۲۴) اگر وہ تم کو خلافت دینا بھی چاہتے تو اُن کا ایسا کرنا تمہارے حق میں کچھ بھی مفید نہ ہوتا۔ دوسرا مکالمہ اس سے زیادہ مفصل ہے۔ کچھ باتیں تو وہی ہیں جو پہلے مکالمہ میں گزریں۔ کچھ نئی ہیں اور وہ یہ ہیں:-

حضرت عمر۔ کیوں عبداللہ بن عباس! تمہاری نسبت میں بعض بعض باتیں سُنا کرتا تھا لیکن میں نے اس خیال سے اس کی تحقیق نہیں کی کہ تمہاری عزت میری آنکھوں میں کم نہ ہو جائے۔

عبداللہ بن عباس۔ وہ کیا باتیں ہیں؟

حضرت عمر۔ میں نے سُنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ لوگوں نے ہمارے خاندان سے خلافہ حسداً اور ظلماً چھین لی۔

عبداللہ بن عباس۔ ظلماً تو میں نہیں کہہ سکتا کیونکہ یہ بات کسی پر مخفی نہیں لیکن حسداً تو اس کا تعجب کیا ہے۔ ابلیس نے آدمؑ پر حسد کیا اور ہم لوگ آدمؑ ہی کی اولاد ہیں پھر محسود ہوں تو کیا تعجب ہے؟

حضرت عمر۔ افسوس خاندان بنی ہاشم سے پُرانے رنج اور کینے نہ جائیں گے۔

عبداللہ بن عباس۔ ایسی بات نہ کہیے۔ رسول اللہ صلعم بھی ہاشمی ہی تھے۔

حضرت عمر۔ اس تذکرہ کو جانے دو۔

عبداللہ بن عباس۔ بہت مناسب (دیکھو تاریخ طبری صـ۲۷۶۸ و ۲۷۷۱)۔

مولوی شبلی صاحب نے ان تعلقات کی تشریح نہیں کی جن کی وجہ سے قریش کسی طرح حضرت علیؑ کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ اسلامی تاریخ کا ایک ایک ورق پڑھ جاؤ۔ کوئی بھی مولوی صاحب کے اس خیال کی تائید کرنے کے لئے طیار نہیں ہے۔ بنو ہاشم قریش ہی تھے بلکہ قریش کے رکن اعظم۔ ان کے بارے میں موصوف نے اسی الفاروق میں بار بار لکھا ہے کہ بنو ہاشم حضرت علیؑ کے سوا کسی کی خلافت نہیں چاہتے تھے۔ اس خاندان کے بعد قریش کا جو خاندان سب سے زیادہ طاقت ور۔ سب سے زیادہ مقتدر۔ سب سے زیادہ ذی اثر تھا وہ بنی امیہ کا تھا۔ وہ اُس وقت تک حضرت علیؑ ہی کی خلافت کے لئے زور دیتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے سردار اعظم ابوسفیان نے حضرت علیؑ سے اپنے پورے خیالات ظاہر کر کے ثابت کر دیا کہ وہ حضرت ابوبکر و عمر یا

Marfat.com

مذکور ہیں۔ مذکورہ بالا بزرگوں میں وہ حضرت علیؑ کو سب سے بہتر جانتے تھے لیکن بعض اسباب سے ان کی نسبت بھی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے" (الفاروق جلد ۱ صفحہ ۲۰۶)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۵) ان کے خاندانوں کو کسی طرح اس کا اہل نہیں سمجھتے ہیں۔ پہلے وہ عبارتیں لکھی جا چکی ہیں۔ یہاں پھر دیکھو۔ لما اجتمع الناس علی بیعۃ ابی بکر اقبل ابوسفیان وھو یقول واللہ انی لاری عجاجۃ لا یطفئھا الا دم۔ یا آل عبد مناف فی ما ابوبکر من امورکم۔ این المستضعفان۔ این الاذلان علی والعباس۔ وقال اباحسن ابسط یدک حتی ابایعک فابی علی علیہ۔ جب لوگوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی تو (بنی امیہ کا سردار) ابوسفیان یہ کہتا ہوا آگے بڑھا کہ خدا کی قسم میں (فتنہ و فساد کا) وہ غبار دیکھ رہا ہوں جس کو خوں ریزی کے سوائے کوئی چیز زائل نہیں کر سکتی۔ اے عبد مناف تمہارے امور میں ابوبکر کو کیا دخل؟ جو دونوں شخص کمزور سمجھ لئے گئے وہ کہاں ہیں؟ یعنی جو دونوں علیؑ و عباس مغلوب کر لئے گئے وہ کہاں ہیں؟ اسکے بعد کہا اے ابوالحسن (حضرت علی) آپ اپنا ہاتھ پھیلائیے میں آپکی بیعت کرتا ہوں مگر حضرت علیؑ نے (اس اختلاف سے) انکار کر دیا (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۲۰۳)۔ مولوی صاحب بتائیں کہ اگر حضرت علیؑ کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے پیچ در پیچ ہوتے کہ قریش کسی طرح اُن کے آگے سر نہیں جھکا سکتے" تو بنو ہاشم کیوں ہمیشہ اسی فکر میں رہے۔ بنو امیہ کے سردار نے کیوں حضرت علیؑ کو خلافت پر قبضہ کر لینے کے لئے اُبھارا؟ انصار کیوں کہتے تھے کہ ہم حضرت علیؑ کے سوائے کسی کی بیعۃ نہیں کریں گے؟ اسلام کے رکن یہی تین قبیلے تھے اور تینوں قبیلے مصر تھے کہ حضرت علیؑ ہی خلافت کو زینت بخشیں کسی اور کو یہ نہ ملے۔ حضرت عمر کے مکالمہ پر بھی انہیں باتوں سے کافی روشنی پڑتی ہے۔ ممدوح نے معلوم نہیں کس عالم میں جناب عبداللہ سے سوال کیا کہ "تمہاری قوم تمہاری طرفدار کیوں نہیں ہوئی" وہ کون قوم تھی جو حضرت علیؑ کی طرفدار نہیں ہوئی؟ بنی امیہ کی حالت تم نے ابھی سنی۔ انصار کا ایک زبان ہو کر حضرت علیؑ کے طرف ہونا

پوری عبارت پڑھ جاؤ کسی ایک لفظ سے بھی یہ وہم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے اپنی حکومت میں جمہور کو ذرہ برابر بھی دخل دیا؟ آپ خلافت کے مسئلہ پر مدتوں غور و فکر کرتے رہے مگر یہ آپ کا ذاتی فعل تھا۔ اور اس سے کسی کو انکار کی وجہ نہیں ہے لیکن سوال یہ ہے کہ آپ نے اس کے بارے میں مسلمانوں سے کیا رائے و مشورہ کیا؟ عامۂ مسلمین کے خیالات دریافت کئے؟ کسی کو اپنا مافی الضمیر ظاہر کرنے کا بھی موقع دیا؟

(بقیہ حاشیہ ط۳۲۶) تم پہلے معلوم کر چکے۔ بنو ہاشم تو حضرتؑ کے تھے ہی۔ جن کے بارے میں مولوی صاحب لکھ چکے ہیں "بنو ہاشم اپنے ادعا پر ڈٹے رہے اور حضرت فاطمہؑ کے گھر میں وقتاً فوقتاً جمع ہو کر مشورے کرتے رہتے تھے۔ حضرت عمر نے بزور اُن سے بیعت لینی چاہی لیکن بنو ہاشم حضرت علیؑ کے سوا اور کسی کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے" (الفاروق ص۱۷) ۔ سب کا نتیجہ یہی تو نکلا کہ صرف حضرت ابوبکر و عمر اور آپ ہی کے طرفدار ایسے تھے جو حضرتؑ کی مخالفت پر جمے ہوئے تھے ورنہ تمام عرب کی یہی تمنا تھی کہ حضرت رسولؐ کے خلیفہ حضرت علیؑ ہی ہوں۔ حضرت عمر نے یہ عجیب و غریب دعوے کیا ہے کہ "تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا گوارا نہیں کرتی تھی"۔ اگر قوم سے مراد صرف حضرت ابوبکر و عمر کی ذاتیں تھیں تو صحیح ہے۔ اور اگر اس قوم سے مراد کچھ اور لوگ تھے تو بتانا چاہیئے وہ کون تھے۔ حضرت عمر کا یہ قول اور زیادہ حیرت خیز ہے کہ "وہ یہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں کا رہنا پسند نہیں کرتے تھے حضرت عمر کا فرض تھا کہ وہ اس کی بھی تصریح کر دیتے وہ کون لوگ تھے جن کا یہ خیال تھا۔ عرب کے رہنے والوں کا حال تو معلوم ہو چکا کہ بنو ہاشم حضرت علیؑ کے سوا کسی کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ بنو امیہ کے سردار ابوسفیان کا جوش بیان ہو چکا کہ وہ حضرت علیؑ کی حمایت میں مدینہ کو سوار اور پیدلوں سے بھر دینے کے لئے حضرت علیؑ کی صرف اجازت چاہتا تھا۔ انصار فاطمیہ یہی کہتے تھے کہ ہم حضرت علیؑ کے سوا کسی کی بھی خلافت تسلیم نہیں کریں گے۔ اور حضرت عثمان کی خلافت کے بعد انہیں مہاجرین و انصار نے متفق اللفظ حضرت علیؑ کی خوشامدیں کیں کہ اس خلافت کے بار کو اوٹھا لیجئے۔ حضرت

Marfat.com

اگر نہیں تو آپ کی حکومت شخصی ہوئی یا جمہوری ؟ اللہ اکبر حضرت عمر دنیا سے جا رہے ہیں اور تمام مسلمانوں کی حکومت کسی اور شخص کے ذمہ ہونے والی ہے مگر آپ کسی سے بھی مشورہ نہیں کرتے اور جو کچھ انتظام کرتے ہیں اپنی عقل و فہم۔ اپنے علم۔ اپنے جذبات اپنی خواہش دل اور اپنے نفس کی قوت فیصلہ پر اور پھر زور شور سے کہا جاتا ہے کہ حضرت

(بقیہ حاشیہ ص۳۲۷) برابر انکار ہی کرتے رہے لیکن کوئی نہیں مانا اور حضرتؑ کو مجبوراً ظاہری خلافت قبول کرنی ہی پڑی۔ اس وقت کیا نبوت اور خلافت دونوں ایک ہی خاندان میں نہیں آئیں ؟ غرض وفات رسولؐ کے وقت اکثر مسلمانوں کی خواہش اور چوتھی خلافت کے موقع پر تمام اہل اسلام کے زور نے واضح کر دیا کہ حضرت عمر کا مذکورہ بالا خیال صحیح نہیں تھا اور اس کی وجہ سے آپ شدید غلط فہمی میں مبتلا تھے بس صرف دو موقع پر کتابوں سے زیادہ پتا نہیں چلتا کہ ان لوگوں نے حضرت علیؑ کی خلافت کے لئے اس طرح زور دیا ہو جس طرح پہلی اور چوتھی خلافت کے وقت کوشش کی اولاً حضرت ابوبکر کی وفات پر اور وہ غالباً اس وجہ سے کہ حضرت ابوبکر نے خود ہی اپنا خلیفہ حضرت عمر کو مقرر کر کے سب سے آپ کی بیعت لے لی اور کسی کو کچھ بھی بولنے کا موقع نہیں دیا۔ دوسرے حضرت عمر کے بعد کہ آپ نے مجلس شوریٰ کا انتظام کر کے پھر مسلمانوں کی زبانیں بند کر دی تھیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اور بھی چند مکالمے نقل کر دیئے جائیں۔ جن سے ان امور پر کچھ زیادہ روشنی پڑے۔ یہی جناب عبداللہ بن عباس کہتے تھے کہ ایک دفعہ میں اور حضرت عمر ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے مدینہ کے ایک کوچہ میں چلے جاتے تھے تو اس طرح باتیں ہونے لگیں:۔

حضرت عمر۔ اے ابن عباس میں گمان کرتا ہوں کہ تمہارے صاحب (حضرت علیؑ) پر ظلم ہوا۔

عبداللہ بن عباس (نے اپنے دل میں کہا کہ قسم بخدا مجھے پھر ایسا موقع ہاتھ نہیں آئیگا۔ اس وجہ سے میں نے جواب دیا) اے خلیفہ! پھر جو کچھ اُن (حضرت علیؑ) سے بہ ظلم چھینا گیا ہے اُنہیں واپس کیوں نہیں کر دیتے ؟

حضرت عمر نے یہ سنکر میرے ہاتھ میں سے اپنا ہاتھ نکال لیا اور تھوڑی دور گنگناتے ہوئے

Marfat.com

عمر کی حکومت جمہوری تھی۔ کیا اس تعریف کی کوئی اور مثال بھی دنیا میں مل سکتی ہے؟
ہاں اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمر نے بعض موقعوں پر ممتاز صحابہ سے مشکل مواقع میں مشورے کئے ہیں۔ ان سے رائیں لی ہیں۔ ان سے اپنی پریشانیاں ظاہر کی ہیں اُن کی عقل و فہم اور علم و حکمت سے مدد لی ہے اور جس بات کو خود حل نہیں کر سکے اس کے متعلق

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۸) چلے گئے۔ پھر ٹھہر گئے اور میں اُن تک جا پہونچا فرمانے لگے) اے ابن عباس میں گمان کرتا ہوں کہ تمہاری قوم نے تمہارے صاحب کی کم سنی کی وجہ سے اُن کو خلیفہ نہیں ہونے دیا۔ انہوں نے ان کو صغیر سمجھا۔

عبداللہ ابن عباس۔ (میں نے اپنے دل میں کہا کہ پہلا فساد تو یہی ہے اور حضرت عمر کو جواب دیا)۔ خدا کی قسم اللہ اور اسکے رسولؐ نے تو حضرت علیؑ کو کم سن نہ جانا جب انہیں حکم دیا تھا کہ تمہارے صاحب (حضرت ابوبکرؓ سے) سورہ براءۃ واپس لیکر مکہ والوں تک پہونچائیں۔

حضرت عمر نے اس جواب پر مجھ سے منہ پھیر لیا اور دوسری طرف خاموش چلے گئے تو میں بھی واپس آیا (شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ صفحہ ۱۰۵ از کتاب موفقیات زبیر ابن بکار) یہی جناب عبداللہ بن عباس کہتے تھے کہ میں ایک دفعہ حضرت عمر کے ساتھ ملک شام کی طرف گیا۔ وہ ایک دن اپنے اونٹ پر اکیلے نکلے۔ میں بھی ساتھ ہو لیا تو مجھ سے کہنے لگے اے ابن عباس! میں تم سے تمہارے ابن عم (حضرت علیؑ) کی شکایت کرتا ہوں۔ میں نے اُن سے کہا تھا کہ میرے ساتھ چلو مگر وہ نہ آئے۔ اور میں ان کو ہمیشہ اپنے سے غضب ناک ہی دیکھتا ہوں۔ کیا تم کو بھی اس کا کچھ سبب معلوم ہے وہ مجھ سے غضب ناک کیوں رہتے ہیں؟

عبداللہ بن عباس۔ یہی بات ہے۔ اونھیں یہ یقین ہے کہ رسولؐ اللہ نے خلافت انکو عطا کی تھی

حضرت عمر۔ اے ابن عباس! رسولؐ اللہ کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے جب خدا نے نہ چاہا۔ بات یہ ہے کہ رسولؐ اللہ نے چاہا تھا اور اللہ تعالےٰ نے اسکے خلاف چاہا تو خدا کی مراد جاری ہوئی اور رسولؐ اللہ کی مراد جاری نہ ہوئی۔ دیکھو رسولؐ اللہ نے بہت ہی چاہا کہ اُن کا چچا اسلام لائے لیکن خدا نے نہ چاہا تو وہ اسلام نہیں ہی لایا۔

Marfat.com

دوسروں کیطرف رجوع کی ہے۔ مثلاً حضرت علیؑ ہی سے آپ نے بے حساب موقعوں پر علمی، عملی، دینی، دنیوی، سیاسی، و انتظامی اعانتیں حاصل کی ہیں اور حضرت علیؑ نے بار بار آپ کی مدد کی جس پر آپ بول اوٹھے ولا علی لھلک عمر۔ اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا لابقیت لمعضلۃ لیس لھا ابوالحسن جس مصیبت کے دفع کرنے کے لئے

(بقیہ حاشیہ ط۳۲۹) رسولؐ اللہ نے تو یہ بھی چاہا تھا کہ مرض موت میں خلافت کے لئے علیؑ کا نام لکھ دیں مگر میں نے فتنہ اور امر اسلام کے پراگندہ ہو جانے کے خوف سے روک دیا۔ رسولؐ اللہ بھی میرے دل کی بات کو سمجھ گئے اور رُک گئے۔ اور اللہ نے جو مقدر کیا تھا وہی ہوا (شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ صـ۱۱۴)

یہی عبد اللہ بن عباس یہ بھی کہتے تھے کہ میں حضرت عمر کی ابتدائی خلافت میں ایک دفعہ اُن کے پاس گیا دیکھا کہ ایک صاع (ساڑھے تین سیر) کھجوریں بوریئے پر اُن کے آگے رکھی ہیں۔ مجھ سے کہا تم بھی کھاؤ۔ میں نے ایک کھجور اوٹھائی۔ حضرت عمر حسب معمول کھاتے رہے اور اکیلے ہی سب کھا گئے۔ پاس ٹھلیا رکھی تھی اس میں سے پانی پیا اور گاؤ تکیہ پر کہنی لگا کر لیٹ رہے۔ اور بار بار بشکر خدا کرنے لگے۔ پھر اسطرح باتیں ہونے لگیں۔

حضرت عمر۔ اے عبد اللہ کہاں سے آئے؟

ابن عباس۔ مسجد سے۔

حضرت عمر۔ تمہارے ابن عم کیا کر رہے تھے۔

ابن عباس۔ (کہتے تھے کہ میں سمجھا عبد اللہ بن جعفر کو پوچھتے ہیں۔ اس وجہ سے میں نے کہا)۔ اپنے ہم جولیوں میں کھیل رہے ہیں۔

حضرت عمر۔ میری مراد وہ نہیں ہیں بلکہ تم اہلبیت کے بزرگ (حضرت علیؑ) مقصود ہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔

ابن عباس۔ وہ تو فلاں شخص کے کھجوروں کے باغ میں پانی دے رہے ہیں اور قرآن مجید کی تلاوت اس حالت میں بھی کئے جا رہے ہیں۔

حضرت عمر۔ اے عبد اللہ تم کو قسم ہے سچ کہنا۔ اگر چھپاؤ گے تو تم پر انٹینوں کی قربانی

Marfat.com

حضرت علیؑ نہ ہوں اس کے نازل ہوتے وقت تک خدا تجھے زندہ ہی نہ رکھے۔
مسٹر امیر علی نے لکھا ہے کہ "حضرت عمر کے عہد حکومت میں جس قدر کام رفاہ عام کے ہوئے وہ سب حضرت علیؑ ہی کے صلاح و مشورہ سے عمل میں آئے" (تاریخ اسلام)۔ لیکن یہ سب ذاتی اور شخصی اصول کے مطابق تھا۔ جس طرح ہر مطلق العنان بادشاہ جو جمہور کا بالکل تابع نہیں ہوتا کوئی مشکل پیش آنے پر اپنے ملک کے ہر اوس شخص کی طرف رجوع کرتا ہے جس کو اس کام کے حل کرنے کے لئے مناسب سمجھتا ہے۔ خواہ وہ اس کا وزیر ہو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳۰) واجب ہو جائے گی۔ آیا اب بھی علیؑ کے دل میں خلافت کا کچھ خیال باقی ہے؟
ابن عباس۔ یقیناً باقی ہے۔
حضرت عمر۔ کیا اُن کو یقین ہے کہ رسولؐ اللہ نے انکی خلافت کے لئے نص کر دی تھی؟
ابن عباس۔ ہاں اور اس سے بڑھکر سُنئے میرے والد (حضرت عباس) سے حضرت علیؑ کے دعوے کے بارے میں دریافت کیا گیا تھا تو اونھوں نے بھی کہا تھا کہ یہ سچا دعوے ہے۔
حضرت عمر۔ بے شک رسولؐ اللہ سے علیؑ کے بارے میں بعض باتیں ایسی ہوتی تھیں جن سے کوئی حجت ثابت نہیں ہوتی اور عذر قطع نہیں ہوتا یعنی صریح نہیں ہوتی تھیں اور کبھی حضرتؐ اُن کے بارے میں مبالغہ کرتے تھے اور اس محبت کے سبب جو علیؑ سے رکھتے تھے۔ حضرت رسولؐ اللہ علیؑ کے باب میں حق سے باطل کی طرف مائل ہو جانا چاہتے تھے۔ اور یہ بھی یقینی ہے کہ حضرت رسولؐ نے اپنے مرض موت میں علیؑ کے نام کی تصریح کر دینی چاہی تھی۔ مگر میں نے اس سے ان کو روک دیا۔ جس سے میری غرض صرف اسلام کی ہمدردی تھی۔ کعبہ کے رب کی قسم علیؑ کے بارے میں کبھی قریش کا اجماع نہ ہوگا۔ اور اگر لوگ ان کو خلیفہ بنا بھی لیں گے تو ہر طرف سے عرب ان سے شورش کریں گے پس رسولؐ اللہ سمجھ گئے کہ میں انکے دل کی بات تاڑ گیا۔ غرض وہ رُک گئے۔ علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ اس خبر کو احمد بن ابی طاہر نے اپنی تاریخ بغداد میں لکھا ہے (شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ صفحہ ۹۷) اور علامہ مسعودی نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر اور جناب ابن عباس میں اسطرح

یا مدار المہام - یا اس کی ریاست کا کوئی بڑا مدبر - یا کسی فن کا استاد - یا کسی مذہب کا پیشوا سکندر - بخت نصر - چنگیز خاں - تیمور وغیرہ جس قدر خود رائے بادشاہ گزرے ہیں سب اپنے اعوان و انصار سے رائے و مشورہ بھی کر لیا کرتے تھے اور جو بات ان کو مفید معلوم ہوتی تھی اس پر عمل بھی کرتے تھے - تو کیا اس کی وجہ سے ان کی حکومت شخصی یا ذاتی سلطنت

(بقیہ حاشیہ ص۳۳۱) باتیں ہوئیں :-

حضرت عمر - اے ابن عباس ! حمص کا حاکم مر گیا ! اور وہ اہل خیر سے تھا - اور اہل خیر ہمیشہ کم ہوتے ہیں - ہم امید کرتے ہیں کہ تم بھی اہل خیر سے ہو - مگر ہم کو تمہاری طرف سے ایک کھٹکا ہے جس کو تم سے دیکھا نہیں - اور اُس نے ہم کو تھکا دیا ہے - تو تمہاری کیا رائے ہے وہاں کی حکومت قبول کرو گے ؟

ابن عباس - جب تک آپ اُس خلش کو بیان نہ کرینگے ہم اس منصب کو قبول نہیں کرینگے -

حضرت عمر - تمہیں اس بات سے کیا غرض -

ابن عباس - غرض ہے کیوں نہیں - اگر وہی بات ہے جس کا خوف ہم کو اپنے نفس سے ہے تو اس سے بے شک خوف کرنا چاہئے - اور اگر جس کا ہم کو خوف ہے وہ نہیں ہے کوئی دوسری بات ہے جس سے ہم بری ہیں تو بے شک آپ کے حکم کو قبول کرینگے - کیونکہ میں کمتر کسی بات کو دیکھتا یا گمان کرتا ہوں مگر یہ کہ اُس کا مشاہدہ کر لیتا ہوں -

حضرت عمر - وہ بات یہ ہے کہ مجھ کو اس کا خوف ہے کہ اگر اجل معین میری اُس زمانہ میں آگئی کہ تم ہماری طرف سے وہاں کے حاکم ہو تو تم ضرور لوگوں کو اپنی طرف کھینچو گے اور لوگوں سے کہو گے کہ ہماری طرف آؤ - حالانکہ تمہاری طرف تم لوگوں کے سوائے اور لوگ نہ جائینگے (مروج الذہب بر حاشیہ کامل جلد ۵ ص۱۳۵) - یہی جناب ابن عباس یہ بھی بیان کرتے تھے کہ میں ایک رات حضرت عمر کے ساتھ سیر کر رہا تھا - وہ پنجہ پر تھے اور میں گھوڑے پر بس اونھوں نے ایک آیت پڑھی جس میں حضرت علیؑ کا ذکر تھا - پھر کہا اے فرزند عبدالمطلب ! خدا کی قسم علی تم لوگوں میں اس خلافت کے لئے ہم سے بھی بہتر تھا اور ابوبکر سے بھی - میں نے اپنے دل میں کہا اگر میں یہاں جواب سے درگزر کروں تو خدا مجھ سے

کے مفہوم سے خارج ہو کر جمہوری نظام کی تعریف میں آجائیگی ؟ بس اسی طرح حضرت عمر بھی کل انتظامات ذاتی اور شخصی حکومت کے مطابق انجام دیتے۔ اور کسی کی رائے و مشورہ کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ ہاں جب خود ان کو کوئی مجبوری پیش آتی تھی تو دوسروں سے مطلق العنان بادشاہوں کی طرح مشورہ بھی کر لیتے تھے۔

پانچواں باب

پہلی فصل۔ حضرت عمر کے فتوحات پر تبصرہ

اس میں شبہہ نہیں کہ حضرت عمر کو عظیم الشان فتوحات حاصل ہوئیں۔ اور بڑی بڑی کامیابیوں نے آپکے قدم چومے۔ مسلمانوں نے نئے نئے ملکوں کی سیر کی۔ وہاں کی حکومت کے

(بقیہ حاشیہ صـ۳۳۲) درگزر نہ کرے۔ اور اس طرح باتیں ہوئیں:۔

ابن عباس ۔ آپ ایسا کلمہ کہتے ہیں۔ حالانکہ آپ اور آپ کے صاحب (حضرت ابوبکر) ہی وہ دو شخص تھے جو اس موقع پر کود پڑے اور حضرت علیؑ کے حق کو چھین لیا اور کوئی تو اس کا باعث نہیں ہوا۔

حضرت عمر ۔ دور ہو جاؤ۔ اے فرزند ان عبد المطلب تمہیں معلوم رہنا چاہئے کہ تم اصحاب عمر سے ہو۔

جناب ابن عباس کہتے تھے کہ حضرت عمر کا یہ خشم ناک کلام سن کر میں کچھ پیچھے ہٹا اور وہ کچھ دیر کے لئے آگے بڑھ گئے۔ پھر کہا کہ تم جاؤ ہم نہ جائیں گے۔ پھر کہا اپنے کلام کا پھر سے اعادہ کرو۔ میں نے کہا اے خلیفہ! آپ نے ایک بات کہی تھی تو میں نے بھی اس کا جواب دے دیا۔ اگر آپ سکوت کرینگے تو ہم بھی خاموش ہو جائیں گے۔

حضرت عمر ۔ واللہ ہم نے یہ کام عداوت سے نہیں کیا مگر ہم نے حضرت علیؑ کو کم سن جانا اور اس بات سے ڈرے کہ عرب ان پر نہ مجتمع ہوں گے حالانکہ قریش ان سے علیحدہ رہنے والے ہوں گے۔

مزے لوٹے۔ ان کے باشندوں کی دولتوں پر قبضہ کیا۔ وہاں کے رہنے والوں کو اپنی رعایا اور غلام بنایا۔ سلطنت کا شغل پیدا کیا۔ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے لگے۔ لطف دنیا اچھی طرح حاصل کرنے لگے۔ مگر یہ امر بھی دیکھنے کا ہے کہ اسلام کی حقیقی روح ان باتوں سے کس قدر دور ہوتی گئی۔ وہ رسولؐ جو فرمایا کرتے الفقر فخری (فقر و فاقہ عسرت۔ اور مالی پریشانی میرے لئے باعث فخر و مباہات ہے) اُن کے خلیفہ۔ بلکہ اکثر پیروؤں کے پاس ہر طرف سے خزانے پر خزانے برسنے لگے۔ پھر اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے اپنے کو دنیا کا فاتح۔ دنیا کا شہنشاہ یا بادشاہ سمجھا تھا یا حضرت رسولخدا صلعم کا خلیفہ۔ اگر پہلی حیثیت تھی تب آپ کے فتوحات اسی نظر سے دیکھے جائینگے جس نظر سے بڑے فاتحان عالم مثلاً سکندر۔ بخت نصر۔ چنگیز خاں۔ نادرشاہ وغیرہ کے کارنامے گزرے۔ لیکن اگر آپ حضرت نبی آخرالزمان کے خلیفہ سمجھے جائیں تب آپ کو فتوحات سے کیا تعلق؟ اس لئے کہ یہ فتوحات اور قتل و غارت کے واقعات کیا کسی دینی پیشوا اور مذہبی رہنما کے شایانِ شان ہو سکتے ہیں؟ حضرت آدمؑ سے حضرت رسولخدا تک کوئی نبی یا وصی ایسا گزرا جس نے ان امور کو کبھی پسند کیا ہو؟ کیا انبیاء و مرسلین ملک فتح کرنے کے لئے آتے تھے؟ کیا اُن کے اوصیاء و خلفاء بادشاہت کا درجہ حاصل کرنے کے لئے ان کے قائم مقام بنائے جاتے تھے؟ کیا وہ لوگوں کے خون کی ندیاں بہانے کو بھیجے جاتے تھے؟ کیا وہ مخلوقِ خدا کے مال و اسباب کو لوٹنے کے لئے مقرر کئے جاتے تھے؟ کیا وہ لوگوں کو اُن کے ملکوں سے آوارہ وطن کرنے اور ان کے آبائی وطنوں کو ویران تباہ و برباد کرنے کے لئے ان کے جانشین بنائے جاتے تھے؟ کیا ان کو یہ حکم دیا جاتا تھا کہ جو

(بقیہ حاشیہ صـ۳۳۳) ابن عباس۔ رسولؐ اللہ تو حضرت علیؑ کو تنہا بھیجتے تھے اور حضرتؐ سب کو پچھاڑ دیتے تھے۔ حضرتؐ نے کبھی ان کو صغیر نہ جانا۔ اب آپ اور آپ کے صاحب ان کو صغیر جانتے ہیں۔

حضرت عمر۔ ہاں پھر دیکھتے ہو کہ کس طرح ہم اُن کے مشورہ بغیر کوئی کام نہیں کرتے اور نہ کوئی کام بغیر انکی اذن کے کرتے ہیں (کتاب المحاضرات امام راغب اصفہانی) ۱۲

شخص خدا کو نہ مانے۔ یا اس کی توحید کا اقرار نہ کرے یا تم کو پیغمبر یا اس کا وصی نہ تسلیم کرے اسے گرفتار کرو۔ آگ میں پھونک دو۔ پہاڑ پر سے گرا دو۔ کنوئیں میں لٹکا دو۔ انکی عورتوں بچوں تک کو ذبح کر ڈالو۔ ان کے بیمار اور زخمی تک کو تلوار کی باڑھ پر رکھ لو۔ ان کے مکانوں کو منہدم کر دو۔ ان کی عمارتوں کو مٹا دو۔ ان کی جائدادوں کو تباہ کر دو انکے گاؤں قصبوں، شہروں کو ویرانہ بنا دو۔ ان کے ذرائع معاش کو فنا کر دو۔ دنیا میں کسی پیغمبر نے یہ کارروائیاں کیں؟ کسی وصی یا خلیفۂ نبی نے اس کا لاکھواں حصہ بھی کیا؟ کیا خود حضرت رسو لخدا صلعم نے کسی کو اس سبب سے قتل کیا کہ وہ اسلام کیوں نہیں قبول کرتا۔ خدا کو ایک کیوں نہیں مانتا۔ آپ کو پیغمبر کیوں تسلیم نہیں کرتا حضرت کا جو کچھ کام تھا اس کو خدا نے صاف فرما دیا ہے ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلو اعلیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین۔ وہ خدا ایسا ہے جس نے جاہلوں میں ایک رسول بھیجا جس کا کام یہ ہے کہ لوگوں پر خدا کی آیتوں کی تلاوت کرے۔ ان کے اخلاق کو درست کرے اور ان کو کتاب وحکمۃ کی تعلیم دے (پ ۲۸ سورہ جمعہ) قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ۔ اے پیغمبر کہہ دو میں تم سے یہ دعوے نہیں کرتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں (پ ۷ رکوع ۵) یہ اشارہ ہے اس طرف کہ رسول اللہ کو خزانہ سے کیا تعلق؟ نبی کو دولت سے کیا ربط؟ ہادی کو دنیوی زخارف سے کیا واسطہ؟ ان ھو الا نذیر مبین۔ پیغمبر اور کوئی نہیں۔ مگر وہ (اللہ کے عذاب سے) کھلا ڈرانے والا ہے (پ ۲۹ رکوع ۲۳) لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم۔ لوگو! تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آیا ہے تمہاری تکلیف اس کو ناگوار ہے۔ تمہاری بھلائی کی اس کو لو لگی ہے۔ ایمان والوں پر بہت شفقت کرتا مہربان ہے (پ ۱۰ رکوع ۱۶) ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔ مگر یہ رسول اللہ کا پیغمبر اور نبیوں کا ختم کرنے والا ہے (پ ۲۲ رکوع ۵)۔ ان انت الا نذیر۔ تم اور کچھ نہیں۔ بس خدا کی طرف سے ڈرانے والے ہو (پ ۳۰ رکوع ۲) الا انما انا نذیر مبین۔ اور

Marfat.com

کچھ نہیں - میں کھلا ڈرانے والا ہوں (پ ۲۳ رکوع ۵) - وانک لتھدی الی صراط مستقیم - اے پیغمبرؐ تم تو لوگوں کو سیدھی راہ دکھاتے ہو (پ ۲۵ رکوع ۵) - اس قسم کی آیتیں بھری ہوئی ہیں - سب پڑھ جاؤ اور دیکھو کہ کہیں اشارۃً بھی خدا نے یہ کہا ہے کہ رسولؐ دوسرے ملکوں پر فوج کشی کریں گے - فتوحات حاصل کرینگے سلطنت پیدا کرینگے - بادشاہت کی کوشش کرینگے - لوگوں کو اپنی رعایا اور غلام بنائیں گے - خود حاکم اور دوسروں کو اپنا محکوم کریں گے - نہ ماننے والوں کو قتل کرینگے ان کی عورتوں بچوں کو ذبح کریں گے - ان کو جلاوطن کرینگے - اور ان کے مقامات کو تباہ و ویران کریں گے؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو حضرتؐ کے کسی جانشین کے لئے یہ امر کیسے مناسب سمجھا جا سکتا ہے؟ جو لوگ حضرتؐ کا دین نہ قبول کریں یا حضرتؐ کا حکم نہ مانیں اُن کے بارے میں بھی حضرتؐ کے فرائض کو خدا نے صاف صاف فرما دیا ہے جس کی چند آیتیں پہلے (صفحہ ۲۴۵ میں) گزر چکیں - اور بھی دیکھو - وما جعلناک علیہم حفیظا وما انت علیہم بوکیل - اور اے رسولؐ! ہم نے تم کو ان پر داروغہ نہیں بنایا اور نہ تم ان سب کے پاسبان ہو (پ ۷ رکوع ۱۳) افمن حق علیہ کلمۃ العذاب افانت تنقذ من فی النار - بھلا جو شخص اپنے کو عذاب کا مستحق کر رہا ہے کیا تم اس کو زبردستی دوزخ سے باہر نکال سکتے ہو؟ افانت تسمع الصم او تھدی العمی ومن کان فی ضلال مبین - اے پیغمبرؐ کیا تم اس شخص کو سنا سکتے ہو جو تمہاری کوئی بات سننا ہی نہیں چاہتا یا اس کو سیدھا راستہ دکھا سکتے ہو جو اس کو دیکھنا ہی نہیں چاہتا یا اس کی ہدایت کر سکتے ہو جو کھلی گمراہی میں پڑا ہے (پ ۲۵ رکوع ۱۰) غرض ان سب آیات نے اچھی طرح بتا دیا کہ کوئی نبی زبردستی لوگوں کو مسلمان بنانے ان سے اپنا دین قبول کرانے - خدا کو سجدہ کرانے - نماز پڑھوانے - زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا - بلکہ سب کا فرض صرف اس قدر تھا کہ لوگوں کو سمجھا دیں اور دین خدا ان تک پہونچا دیں - اگر وہ مانیں تو سبحان اللہ - نہیں تو اُن کو اُن کے حال پر ترک کر دیں - ان کے مرنے پر خدا ان سے خود سمجھ لے گا - اب آسانی سے فیصلہ کر لو کہ حضرت عمر کی فتوحات ملک گیری اور سلطنت پسندی کس اصول کے ماتحت تھی - بہ حیثیت

Marfat.com

پیشوائے دین یا بطور فاتح جبار و قہار۔

حضرت عمر اور حضرت علیؑ بعض سادہ لوح بلکہ نادان لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر نے بڑے بڑے ملک فتح کئے۔ کروڑوں اشرفیوں کی دولتیں حاصل کیں۔ اسلام کی عظیم الشان سلطنت قائم کی۔ عربوں کو دنیا کے معتد بہ حصہ کا بادشاہ بنا دیا۔ اور ترقی کی غیر معمولی حدود تک اہل اسلام کو پہنچا دیا۔ مگر حضرت علیؑ نے کوئی ملک فتح نہیں کیا۔ کسی بڑے شہر پر قبضہ نہیں کیا۔ اسلامی ممالک میں کسی نمایاں جزو کا اضافہ نہیں کیا۔ اہل اسلام کی ترقی کو آگے نہیں بڑھا سکے۔ مسلمانوں کی سلطنت کو زیادہ نہ کر سکے۔ ان لوگوں کے لئے دنیا کی کوئی دولت حاصل نہیں کر سکے۔ ان کو زیادہ خوش حال نہیں کر سکے۔ انکی زندگی کے لئے عیش و عشرت کا سامان مہیا نہ کر سکے۔ اور حضرت ابوبکر و عمر سے یہ کل فوائد حاصل ہوئے۔ اس وجہ سے حضرت رسولخداؐ کی خلافت کے لئے مناسب حضرت ابوبکر و عمر ہی تھے نہ حضرت علیؑ۔ کیونکہ آپ کو شاندار کامیابی نہیں حاصل ہوئی۔ لیکن ایسا خیال کرنے والے یہ نہیں سمجھتے کہ اگر حضرت علیؑ نے ایسا نہیں کیا تو کیا حضرت آدمؑ نے ایسا کیا؟ حضرت نوحؑ سے یہ کام ہو سکے؟ حضرت ابراہیمؑ کے یہ کارنامے کہیں بھی ملتے ہیں؟ حضرت موسیٰؑ کا اس قسم کا کوئی واقعہ کوئی شخص بتا سکتا ہے؟ حضرت عیسیٰؑ نے یہ باتیں انجام دیں؟ حضرت رسولخدا صلعم سے یہ فوائد حاصل ہوئے؟ اگر نہیں اور قطعی نہیں تو حضرت علیؑ کو اس جماعت میں رکھو جس میں یہ پیشوایان دین گزرے ہیں۔ اور حضرت ابوبکر و عمر کو اس گروہ میں قرار دو جس میں دنیا کے عظیم الشان فاتحین سلاطین تھے۔ کیونکہ شروع سے دنیا میں دو قسم کے سردار گزرے ہیں۔ ایک دنیا کے حکام۔ دوسرے دینی پیشوا۔ اگر حضرت ابوبکر و عمر دنیوی سرداروں میں قرار پاتے ہیں تو حضرت علیؑ دینی پیشواؤں میں محسوب کئے جائیں گے۔ اور ان کی زندگی کے کارناموں سے ان لوگوں کی تقسیم اس طرح کی جائیگی کہ دونوں کے درمیان موازنہ کرنے کی گنجائش باقی ہی نہیں رہے گی۔ اور ہر شخص آسانی سے بول اٹھیگا کہ دونوں کی دو راہیں تھیں دونوں کا مقصود جداگانہ تھا۔ دونوں کی معرفت آپس میں متضاد تھی۔ دونوں کا میدان عمل ایک دوسرے سے مختلف تھا۔

دنیا کے بڑے فاتح	دنیا کے بڑے ہادی
(۱) سکندر	(۱) حضرت آدم علیہ السلام
(۲) بخت نصر	(۲) حضرت نوح علیہ السلام
(۳) جولیس سیزر	(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام
(۴) چنگیز	(۴) حضرت ایوب علیہ السلام
(۵) نپولین بوناپارٹ	(۵) حضرت یحییٰ علیہ السلام
(۶) محمود غزنوی	(۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام
(۷) تیمور	(۷) حضرت ہارون علیہ السلام
(۸) اکبر	(۸) حضرت عیسیٰ علیہ السلام
(۹) حضرت ابوبکر	(۹) حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
(۱۰) حضرت عمر	(۱۰) حضرت علی علیہ السلام بلکہ کل ائمہ طاہرین

غالباً اسی مناسبت کو ملحوظ رکھ کر حضرت رسول خدا صلعم نے اپنی مشہور حدیث تشبیہ ارشاد فرمائی تھی کہ قال قال رسول اللہ من اراد ان ینظر الی آدمؑ فی علمہ والی نوحؑ فی فہمہ والی ابراھیم فی حلمہ والی یحییٰ ابن زکریا فی زھدہ والی موسیٰ بن عمران فی بطشہ فلینظر الی علی ابن ابیطالبؑ۔ جو شخص چاہے کہ حضرت آدمؑ کو انکے علم میں۔ حضرت نوحؑ کو ان کے فہم میں۔ حضرت ابراہیمؑ کو ان کے حلم میں۔ حضرت یحییٰ بن زکریاؑ کو ان کے زہد میں۔ حضرت موسیٰؑ کو انکی صولت میں دیکھے اُس کو مناسب ہے کہ صرف حضرت علیؑ کو دیکھ لے (کہ ان میں سب کی تصویر نظر آجائیگی از ریاض نضرہ جلد ۲ صہ ۲۱۸) ۔ اس حدیث کے ذیل میں علامہ فخر الدین رازی نے لکھا ہے ھذا الحدیث یدل علی ان علیا کان مساویا لھولاء الانبیاء فی ھذہ الصفات ولاشک ان ھولاء الانبیاء کانوا افضل من سائر الصحابۃ والمساوی لافضل افضل فوجب ان یکون علی افضل منھم۔ یہ حدیث ثابت کرتی ہے کہ ان صفات (علم۔ فہم۔ حلم زہد بطش) میں حضرت علیؑ مذکورہ بالا انبیاء کرام کے برابر تھے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں

کہ یہ کل انبیاء تمام صحابہ سے افضل تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ جو شخص افضل کے برابر ہوگا وہ بھی افضل ہی ہوگا۔ لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت علیؑ بھی کل صحابہ سے افضل تھے (اربعین فی اصول الدین وارجح المطالب ص۴۵۵)۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو اپنی ذات کے مثل بھی فرمایا ہے۔ عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ ما من نبی الا وله نظیر فی امته فعلیؑ نظیری اخرجه الخلعی۔ انس بن مالک صحابی بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے ہر نبی کی کوئی مثال اُس کی اُمت میں ضرور ہوتی ہے۔ اور میری امت میں میری مثال علیؑ ہیں۔ اس حدیث کو خلعی اور دیلمی نے ذکر کیا ہے (ارجح المطالب ص۴۵۴)۔ پس جس طرح حضرت رسولخدا صلعم فاتح ممالک و بلاد اور قابض اموال و املاک نہیں تھے اسی طرح حضرت علیؑ کو بھی یہ خطابات نہیں مل سکتے۔ لیکن جس طرح حضرت رسولخدا صلعم دنیا کے سب سے بڑے پیغمبر تھے اوسی طرح حضرت علیؑ سب سے بڑے خلیفہ اور وصی تھے۔ جس طرح حضرت رسولخدا صلعم نے لوگوں کو ایمان کی راہ دکھائی حضرت علیؑ بھی لوگوں کو ہدایت کرتے اور صراط مستقیم دکھاتے رہے[1]

---

[1] حضرت عمر ایسے بزرگ نے بھی حضرت علیؑ کی اس خصوصیت کا اعلان کر دیا تھا۔ علامہ محب طبری وغیرہ نے لکھا ہے عن عمر انه قال حین طعن واوصی ان ولوها الاجلح۔ سلک بهم الطریق المستقیم یعنی علیا۔ حضرت عمر جب زخمی کئے گئے تو وصیت میں یہ بات بھی کہی کہ اگر یہ اجلح خلیفہ بنائے جائیں تو یہ تم لوگوں کو صراط مستقیم پر لے چلیں گے۔ اجلح سے مراد حضرت علیؑ تھے۔ وفی لفظ ان ولوها الاصیلع یحملهم علی الحق وان کان السیف علی عنقه۔ ایک روایت میں ہے کہ کہا اگر لوگوں نے اصیلع کو خلیفہ بنایا تو وہ لوگوں کو حق پر قائم رکھیں گے اگرچہ انکی گردن پر تلوار بھی دھر دی گئی ہو (ریاض نضرہ جلد ۲ ص۲۴۱)۔ اجلح اور اصیلع اوس شخص کو کہتے ہیں جس کے سر پر آگے کے بال اُڑ گئے ہوں یا پیدا ہی نہ ہوئے ہوں۔ اسی طرح حضرتؑ کو انزع بطین کہتے تھے۔ ان کا معنے بھی وہی ہے۔ بعضوں نے

Marfat.com

اور جس طرح حضرت رسولؐ خدا پر جب دشمنوں نے حملہ کیا تو حضرتؐ نے اپنی ذات اور مومنین کے بچانے کے لئے ان سے دفاعی جنگ کی بالکل اسی طرح جب حضرت علیؑ پر جمل وصفین و نہروان میں دشمنوں نے یورش کی تو حضرتؐ نے بھی اپنی ذات اور مومنین کی حفاظت کے لئے ان سے جہاد کئے۔ چنانچہ حضرت رسولؐ اللہ نے اس کی پیشین گوئی بھی فرمادی تھی۔ حضرت علیؑ سے فرماتے تھے انک تقاتل علے تاویل القران کما قاتلت علے تنزیلہ۔ اے علیؑ تم بھی قرآن کا مطلب بتانے کے لئے لوگوں سے اسی طرح جہاد کروگے جس طرح میں قرآن کا حکم پہونچانے کے لئے ان لوگوں سے جہاد کر رہا ہوں (صواعق محرقہ باب ۱۱ ص ۱۰۸) روے ابن عساکر عن علیؓ قال امرنی رسولؐ اللہ بقتال الناکثین والمارقین والقاسطین والمراد بالناکثین طلحۃ والزبیر اصحاب الجمل وبالمارقین الخوارج وبالقاسطین معویۃ۔ ابن عساکر نے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ فرماتے تھے مجھے حضرت رسولؐ خدا نے حکم دیا تھا کہ ناکثین و مارقین و قاسطین سے مراد معویہ ہیں (سیرۃ محمدیہ مطبوعہ مصر ص ۴۵۹ و مجمع بحار الانوار لغت نکث ص ۳۹۵) اگر آنحضرت صلعم کو کبھی اس کا موقع مل گیا کہ حضرت ابوبکر و عمر اور حضرت علیؑ کی جنگ اور انکی ایمانی حالت پر تبصرہ فرمائیں تو حضرت علیؑ ہی کی جنگ کو دینی جہاد فرمایا۔ اور آپ ہی کے ایمان کی تصدیق کی۔ اور اُن دونوں حضرات کے بارے میں سوال بھی کیا گیا تو حضرتؐ نے سواے لا (نہیں) کے کچھ نہیں فرمایا۔ محدثین محققین نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرتؐ نے فرمایا یا معشر قریش واللہ لیبعثن اللہ علیکم رجلا منکم۔ قد امتحن اللہ قلبہ للایمان ولیضربنکم علے الدین او یضرب بعضکم قال ابوبکر انا ھو یا رسولؐ اللہ۔ قال لا۔ قال عمر انا ھو یا رسولؐ اللہ۔ قال لا ولکن ذلک الذی یخصف النعل وقد اعطے علیا نعلہ یخصفھا۔ ۱

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۹) نے یوں ترجمہ کیا ہے کہ شرک سے خالی ایمان اور علم سے پیٹ بھرا ہوا" (انوار اللغۃ پارہ ۲۵ ص ۴۴) ۱۲

* سے جہاد کرنا۔ ناکثین سے مراد طلحہ و زبیر جنگ جمل والے ہیں مارقین سے مراد خوارج ہیں اور قاسطین

Marfat.com

گروہ قریش خدا کی قسم تم لوگوں پر اللہ اس شخص کو معزز کرے گا جو تم ہی میں سے ہے اور جس کے دل کا امتحان اللہ نے کر لیا ہے۔ وہ تم لوگوں سے یا تمہاری جماعت سے دین حق پر جہاد کرے گا۔ اس پر حضرت ابوبکر نے پوچھا اے رسول خدا! کیا وہ شخص میں ہوں گا؟ فرمایا نہیں۔ تب حضرت عمر نے پوچھا کیا میں ہونگا؟ ارشاد ہوا نہیں بلکہ یہ ہوگا جو میری جوتی ٹانک رہا ہے۔ اور اس وقت حضرتؐ نے اپنی جوتی حضرت علیؑ کو ٹانکنے کے لئے دی تھی (ازالۃ الخفاء مقصد ۲ ص ۲۵۶)۔ اس سے واضح ہوا کہ حضرت رسولؐ خدا نے پیشین گوئی فرما دی تھی کہ حضرت علیؑ کا جہاد خالص طور پر دینی ہوگا۔ اور حضرتؑ کے ایمان کا امتحان بھی خدا لے چکا ہے۔ برخلاف اسکے حضرت ابوبکر و عمر کے فتوحات کو آنحضرتؐ نے نہ دینی کارنامہ بتایا اور نہ ان دونوں بزرگوں کے ایمان کی تصدیق کی۔ یہ تو حضرت علیؑ کے جہاد کی حالت تھی کہ بدرجہ مجبوری اس پر آمادہ ہوئے تو اس میں بھی بالکل رسولؐ کی پیروی کی۔ لیکن حضرتؑ کے اصلی فرائض وہ تھے جو حضرت رسولؐ خدا کے تھے اور جو اوپر بیان کئے گئے کہ جس طرح آنحضرتؐ لوگوں پر آیات خدا کی تلاوت کرتے، لوگوں کے اخلاق کی اصلاح فرماتے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے تھے بالکل اسی طرح حضرت علیؑ نے بھی یہی خدمات انجام دیں۔ آیات خدا کی تلاوت اس شان سے کی کہ اب تک لوگ آپ کے ارشادات سے ایمان تازہ کر رہے ہیں۔ خصوصاً آپ کی کتاب مستطاب نہج البلاغہ آیات خدا کی تلاوت کا مکمل خزانہ ہے جس کے ایک ایک لفظ کو پڑھ کر آج عیسائی قومیں بھی اپنا سر دھنتی اور متحیر ہوتی ہیں کہ معرفت خدا۔ توحید باری۔ حقائق ایمان کے اتنے اعلیٰ مضامین اور ایسے دقیق مطالب کیونکر حضرتؑ کی زبان مبارک سے صادر ہوئے۔ علماء محققین نے مجبور ہو کر حضرتؑ کے کلام کے بارے میں کہہ دیا کہ تحت کلام الخالق و فوق کلام المخلوق۔ حضرتؑ کا یہ کلام (جو نہج البلاغہ میں بھرا ہوا ہے) اس پایہ کا ہے کہ خدا کے کلام سے تو نیچے مگر مخلوق کے کلام سے بالاتر ہے جس تک انسانی دماغ کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اور لوگوں کے اخلاق اس طرح درست کئے کہ اس وقت تک دنیا حضرت کی تعلیم سے بہرہ ور ہو رہی ہے۔ حضرتؑ کی مذکور بالا کتاب

Marfat.com

نہج البلاغہ کو آج عیسائی علماء و محققین دیکھکر مبہوت ہو جاتے۔ اس کے مطالب میں غور و فکر کرکے مششدر رہ جاتے اور اس کے مصنف کو اسلام کی نہایت عظیم الشان قابل فخر ہستی سمجھکر گویا سجدہ کر رہے ہیں۔ اس کتاب میں جس کو بڑے بڑے عیسائی ملکوں کی یونیورسٹیوں میں علم ادب و معارف کی تعلیم و درس کا بہترین ذریعہ قرار دیا جاتا ہے۔ زیادہ تر توحید خدا، تزکیۂ نفس اور تکمیل اخلاق ہی کا فلسفہ بھرا ہوا ہے جن پر اگر انسان عمل کرے تو فرشتہ کی حد سے قریب ہو جائے۔ رہی کتاب و حکمۃ کی تعلیم تو یہ صفت بھی حضرت رسولخدا کے بعد بوجہ اتم و بدرجہ اکمل حضرت علیؑ ہی میں تھی۔ قرآن مجید پر سیکڑوں اعتراضات خلفاء ثلثہ کے زمانہ میں ہوتے اور حضرت علیؑ ہی سب کو حل کرتے۔ قرآن مجید کی تفسیر بیان کرنا شروع کرتے تو شام سے صبح تک ایک لفظ کی تفسیر بھی ختم نہیں ہوتی۔ عن ابن عباس قال یشرح لنا علیؑ نقطۃ الباء من بسم اللہ الرحمن الرحیم لیلۃ فانفلق عمود الصبح فرأیت نفسی فی جنبہ کالفوارۃ فی جنب البحر المتحر۔ ابن عباسؓ کہتے تھے کہ کسی رات کو حضرت علی بسم اللہ الرحمن الرحیم میں جو ب ہے اس کے نقطہ کی تفسیر بیان کرنے لگتے تو صبح ہو جاتی مگر وہ تفسیر پوری نہیں ہوتی۔ اُس وقت مجھے معلوم ہوتا کہ قرآن کا جس قدر علم میں رکھتا ہوں وہ حضرت علیؑ کے علم کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسے ایک چھوٹا پانی کا گڑھا سمندر کے بازو۔ کہاں سمندر اور کہاں ایک گڑھا (انوار اللغۃ پ ۱ ص ۳۶)۔ اور حکمت تعلیم آپ نے اس اعلےٰ درجہ سے کی کہ کتابوں میں اسکے خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ یورپ کی کئی زبانوں میں بھی ان کے ترجمے ہو چکے۔ ایک کتاب درر الکلم و غرر الحکم بھی انہیں چیزوں کا ایک جزو ہے۔ مختصر یہ کہ حضرت رسولخدا نے آپکے متعلق بہت صحیح فرمایا تھا کہ انا مدینۃ العلم و علی بابھا (میں علم کا شہر اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں) انا دار الحکمۃ و علی بابھا (میں حکمت کا گھر اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں) پس جس کو وہ روحانی منافع اور نورانی فوائد دیکھنے ہوں جو حضرت رسولخدا صلعم سے دنیا والوں کو حاصل ہوئے یا ہو سکتے تھے وہ حضرت علیؑ کی طرف رجوع کرے۔ اور جسکو حکومت و نیابت، ملک گیری اور تحصیل مال و دولت کا تماشہ دیکھنا ہو وہ دوسری جماعۃ

کی طرف نظر کرے۔ کیونکہ جب حضرت علیؓ رحمۃ للعالمین کے نفس اور جانشین تھے تو کسی پر بے وجہ حملہ کیوں کرتے؟ کسی ملک پر فوج کس غرض سے بھیجتے؟ اور جب یہ باتیں آپ نے حرام سمجھیں تو کوئی ملک کس طرح فتح ہوتا؟ اور جب کسی سلطنت کو آپ نے لوٹا ہی نہیں تو اپنا خزانہ کیسے بھرتے؟

دوسری فصل

جو لوگ آپکا موازنہ سکندر، چنگیز خاں وغیرہ سے کرتے ہیں انکے اس خیال پر تبصرہ

مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "پہلے حصہ میں تم فتوحات کی تفصیل پڑھ آئے ہو۔ اس سے تمہارے دل پر اوس عہد کے مسلمانوں کے جوش، ہمت، عزم و استقلال کا قوی اثر پیدا ہوا ہوگا... لیکن ایک نکتہ سنج مورخ کے دل میں فوراً یہ سوالات پیدا ہوں گے کہ چند صحرانشینوں نے کیونکر فارس و روم کا دفتر الٹ دیا؟ کیا یہ تاریخ عالم کا کوئی مستثنیٰ واقعہ ہے؟ آخر اس کے اسباب کیا تھے؟ کیا ان واقعات کو سکندر و چنگیز کی فتوحات سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی؟ جو کچھ ہوا اس میں فرمانروائے خلافت کا کتنا حصہ تھا؟ ہم اس موقع پر انہیں سوالات کا جواب دینا چاہتے ہیں لیکن نہایت اجمال کے ساتھ۔ پہلے یہ بتا دینا ضرور ہے کہ فتوحات فاروقی کی وسعت اور اس کے حدود اربعہ کیا تھے؟ حضرت عمرؓ کے مقبوضہ ممالک کا کل رقبہ ۲۲۵۱۰۳ میل مربع یعنی مکہ معظمہ سے شمال کی جانب ۱۰۳۶۔ مشرق کی جانب ۱۰۸۷۔ جنوب کی جانب ۴۸۳ میل تھا۔ مغرب کی جانب چونکہ صرف جدہ تک حدِ حکومت تھی اسلئے وہ قابل ذکر نہیں۔ اس میں شام۔ مصر۔ عراق۔ جزیرہ خوزستان۔ عراق عجم۔ آرمینیہ۔ آذربایجان۔ فارس۔ کرمان۔ خراسان اور مکران جس میں بلوچستان کا بھی کچھ حصہ آجاتا ہے شامل تھا۔ ایشیائے کوچک پر جس کو اہل عرب، روم کہتے ہیں سنہ ۲۰ھ میں حملہ ہوا تھا لیکن وہ فتوحات کی فہرست میں شمار ہونے کے قابل نہیں... پہلے سوال کا جواب یورپین مورخین نے یہ دیا ہے کہ اس وقت فارس

Marfat.com

و روم دونوں سلطنتیں اوج اقبال سے گر چکی تھیں۔ فارس میں خسرو پرویز کے بعد نظام سلطنت بالکل درہم و برہم ہوگیا تھا کیونکہ کوئی لائق شخص جو حکومت کو سنبھال سکتا موجود نہ تھا۔ دربار کے عمائد و ارکان میں سازشیں شروع ہو گئی تھیں اور انہیں سازشوں کی بدولت تخت نشینوں میں اَدْل بَدَل ہوتا رہتا تھا۔ چنانچہ تین ہی چار برس کے عرصہ میں عنانِ حکومت چھ سات فرماں رواؤں کے ہات میں آئی اور نکل گئی۔ ایک اور وجہ یہ ہوئی کہ نوشیرواں سے کچھ پہلے مزدکیہ فرقہ کا بہت زور ہو گیا تھا جو الحاد و زندقہ کی طرف مائل تھا۔ نوشیرواں نے گو تلوار کے ذریعے اس مذہب کو دبا دیا لیکن بالکل مٹا نہ سکا۔ اسلام کا قدم جب فارس میں پہنچا تو اس فرقہ کے لوگوں نے مسلمانوں کو اس حیثیت سے اپنا پشت و پناہ سمجھا کہ وہ کسی مذہب اور عقائد سے تعرض نہیں کرتے تھے۔ عیسائیوں میں نسٹورین فرقہ جس کو اور کسی حکومت میں پناہ نہیں ملتی تھی وہ بھی اسلام کے سایہ میں آکر مخالفوں کے ظلم و ستم سے بچ گیا۔ اس طرح مسلمانوں کو دو بڑے فرقہ کی ہمدردی اور اعانت مفت میں ہات آگئی۔ روم کی سلطنت خود کمزور ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ عیسائیت کے باہمی اختلافات اُن دنوں زوروں پر تھے اور چونکہ اس وقت تک مذہب کو نظام حکومت میں دخل تھا اس لئے اس اختلاف کا اثر مذہبی خیالات تک محدود نہ تھا بلکہ اس کی وجہ سے خود سلطنت کمزور ہوئی جاتی تھی۔

یہ جواب گو واقعیت سے خالی نہیں لیکن جس قدر واقعیت ہے اُس سے زیادہ طرز استدلال کی ملمع سازی ہے جو یورپ کا خاص انداز ہے لہ

لہ جس امر کی شکایت مولوی شبلی صاحب کو یورپ کے مصنفوں سے ہے وہی اکثر مسلمانوں کو خود مولوی شبلی صاحب سے ہے کہ آپ نے اپنے طرز استدلال کی ملمع سازی سے حضرت عمر کو اس درجہ بلند کرنے کی کوشش کی کہ ظاہری نظروں میں آپ ہر اعتبار سے حضرت رسولخدا صلعم سے بھی افضل و اعلم بلکہ حضرت کے استاد اعظم ثابت ہوتے، میں جس کو کوئی مسلمان پسند نہیں کر سکتا ۱۲ منہ

بے شبہ اوس وقت فارس و روم کی سلطنتیں اصلی عروج پر نہیں رہی تھیں لیکن اس کا صرف اس قدر نتیجہ ہو سکتا تھا کہ وہ پُر زور قوی سلطنت کا مقابلہ نہ کر سکتیں۔ نہ یہ کہ عرب جیسی بے سر و سامان قوم سے ٹکرا کر پُرزے پُرزے ہو جائیں۔ روم و فارس گو کسی حالت میں تھے تاہم فنون جنگ میں ماہر تھے۔ یونان میں خاص قواعد حرب پر جو کتابیں لکھی گئی تھیں اور جو اب تک موجود ہیں۔ رومیوں میں ایک مدت تک اون کا عملی رواج رہا۔ اس کے ساتھ رسد کی فراوانی سر و سامان کی بہتات آلات جنگ کے تنوع، فوجوں کی کثرت میں کمی نہیں آئی تھی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کسی ملک پر چڑھ کر جانا نہ تھا بلکہ اپنے ملک میں، اپنے قلعوں میں اپنے مورچوں میں رہ کر ملک کی حفاظت کرنی تھی۔ مسلمانوں کے حملے سے ذرا ہی پہلے خسرو پرویز کے عہد میں جو ایران کی شوکت و شان کا عین شباب تھا۔ قیصر روم نے ایران پر حملہ کیا اور ہر ہر قدم پر فتوحات حاصل کرتا ہوا اصفہان تک پہنچ گیا۔ شام کے صوبے جو ایرانیوں نے چھین لئے تھے واپس لئے اور نئے سر سے نظم و نسق کیا۔

ایران میں خسرو پرویز تک تو عموماً مسلم ہے کہ سلطنت کو نہایت جاہ و جلال حاصل تھا۔ خسرو پرویز کی وفات سے اسلامی حملے تک صرف تین چار برس کی مدت ہے۔ اتنے تھوڑے سے عرصہ میں ایسی قوی اور قدیم سلطنت کہاں تک کمزور ہو سکتی تھی! البتہ تخت نشینوں کی اَدل بَدل سے نظام میں فرق آگیا تھا لیکن چونکہ سلطنت کے اجزاء یعنی خزانہ۔ فوج اور محاصل میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ اس لئے جب یزدگرد تخت نشین ہوا اور درباریوں نے اصلاح کی طرف توجہ کی تو فوراً نئے سر سے وہی ٹھاٹھ قائم ہو گئے۔ مزدکیہ فرقہ گو ایران میں موجود تھا لیکن ہم کو تمام تاریخ میں اُن سے کسی قسم کی مدد ملنے کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح فرقۂ نسطورین کی کوئی اعانت ہم کو معلوم نہیں۔ عیسائیت کے اختلاف مذہب کا اثر بھی کسی واقعہ میں خود یورپین مورخوں نے کہیں نہیں بتایا۔

... ہمارے نزدیک اس سوال کا اصلی جواب صرف اس قدر ہے کہ مسلمانوں

اوس وقت بانیٔ اسلام کی بدولت جو جوش، عزم، استقلال، ہمت، بلند حوصلگی، دلیری پیدا ہوگئی تھی اور جس کو حضرت عمر نے اور زیادہ قوی اور تیز کر دیا تھا روم و فارس کی سلطنتیں عین عروج کے زمانہ میں بھی اوسکی ٹکر نہیں اوٹھا سکتی تھیں... سکندر اور چنگیز وغیرہ کا نام لینا یہاں بالکل بے موقع ہے۔ بے شبہ ان دونوں نے بڑی فتوحات حاصل کیں لیکن کیونکر قہر، ظلم اور قتل عام کی بدولت۔ چنگیز کا حال تو سب کو معلوم ہے۔ سکندر کی یہ کیفیت ہے کہ جب اُس نے شام کیطرف شہر صور کو فتح کیا تو چونکہ وہاں کے لوگ دیر تک جمکر لڑے تھے اس لئے قتل عام کا حکم دیا" (اظہار حق جلد ۲ ص۵) مولوی صاحب کا آخری جملہ توجہ اور غور کے قابل ہے۔ آپ نے سکندر و چنگیز کے قہر و ظلم وغیرہ کا ذکر کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ حضرت عمر کی فتوحات قہر، ظلم وغیرہ سے پاک تھیں۔ مگر کیا تاریخ کے اوراق بھی آپ کے اس دعوے کی تائید کرتے ہیں؟ کسی شخص کے ملک پر بغیر کسی وجہ یا عذر کے لشکر کشی کرنا۔ وہاں فوجیں بھیجنی۔ وہاں کے لوگوں سے جنگ کرنی کیا قہر نہیں ہے؟ ان کو شکست دے کر ان کے خاص ملکوں پر قبضہ کر لینا کیا ظلم نہیں ہے؟ اور ان لوگوں نے اپنے وطن کی حفاظت کرنی چاہی تو ان کو ہلاک کرنا کیا قتل عام کا حکم نہیں رکھتا؟ مولوی صاحب کو چاہیئے تھا کہ پہلے قہر، ظلم اور قتل عام کی تعریف بھی کر دیتے اس کے بعد دکھاتے کہ حضرت عمر کی فتوحات اس تعریف سے خارج تھیں۔ آپ نے لکھا ہے کہ "حضرت عمر کے مقبوضہ ممالک کا کل رقبہ ۲۲۵۱۰۳ میل مربع تھا" سوال یہ ہے کہ اتنے ممالک پر ممدوح نے جو قبضہ کیا یہ قہراً کیا یا رضاً؟ ظلماً کیا یا عدلاً؟ قتل عام کی بنا پر کیا یا آبادی عام کی بنا پر؟ ان ملکوں کے باشندوں نے کیا ممدوح کو طلب کیا تھا کہ جا کر ان کے ملکوں پر قبضہ کریں؟ کیا اُن لوگوں نے حضرت ممدوح کو دعوت دی تھی کہ آپ ہمارے ہاں تشریف لائیں اور ان ملکوں پر قبضہ کر لیں؟ کیا اُن لوگوں نے حضرت سے اپنے ملکوں کا زر ثمن پا لیا تھا جس کے عوض آپ نے ان پر قبضہ کیا؟ کیا اُن لوگوں نے اپنے ملکوں کے عوض دوسری جائدادیں آپ سے پائی تھیں۔ جس کے عوض ان ممالک کو آپ کے حوالہ کر دیا؟ کیا اُن لوگوں نے

اپنے ملکوں کا ہبہ نامہ حضرت ممدوح کے نام لکھ دیا تھا جس کے بعد آپ نے ان سب پر قبضہ کر لیا؟ کیا اُن لوگوں نے اپنے اپنے مقام پر حضرت کی قابلیت۔ سیاست وغیرہ کا شہرہ سنکر آپ کو اپنے ملکوں کا سلطان تجویز کر لیا تھا جس کی وجہ سے آپ نے ان پر قبضہ کیا؟ کیا وہاں کے غریبوں اور کمزوروں نے آپ سے فریادیں کی تھیں کہ وہاں جاکر آپ ان لوگوں کی مدد کریں اور ان کو مصائب سے چھڑائیں جس پر رحم کھا کر آپ اُن کی طرف بڑھے اور سب پر قبضہ کر لیا؟ کیا اُن پر کوئی بیرونی دشمن حملہ آور ہوتا تھا جس کے ظلم و قہر سے بچانے کے لئے آپ نے اُن ملکوں کی طرف رُخ کیا اور اس بیرونی دشمن کو دفع کرنے کے بعد ان ملکوں پر قبضہ کر لیا؟ مولوی صاحب کا فرض تھا کہ بتاتے حضرت عمر نے کس عقلی اور شرعی قاعدہ کے مطابق اتنے ممالک پر قبضہ کیا اور ان لوگوں پر بادشاہت کرنے لگے۔ اگر ایسی کوئی بات نہیں تھی تو حضرت کی فتوحات قہر۔ ظلم۔ اور قتل عام کی تعریف سے کیوں مستثنےٰ سمجھی جائیں گی؟

سوانح نویس کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ وہ جس کے حالات لکھے اس کی بیجا حمایت نہ کرے۔ اُس کے واقعات زندگی کو اپنے طرزِ استدلال کی ملمع سازی سے محفوظ رکھے۔ اُس کے ہنر کو بھی اُسی طرح پیش کرے اور اُس کے عیوب کو بھی صاف صاف بیان کر دے۔ اگر مولوی صاحب حضرت عمر کے پہلے ہی سے ماننے والے اور آپ کے آباء و اجداد حضرت ممدوح کے معتقد نہ ہوتے تب بھی کیا آپ حضرت کی فتوحات کو قہر و ظلم سے علیحدہ ہی ثابت کرتے؟ یہ سوال اس طرح بھی ادا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر کی مدح میں آپ جس فصاحت و بلاغت کے دریا بہا رہے ہیں کیا سکندر کا مداح اور معتقد بھی اس کی مدح و ثنا اس سے زیادہ رطب اللسانی سے نہیں کر سکتا؟ کیا چنگیز کا حامی بھی اُس کی تائید و تصویب میں یہی بلکہ اس سے بڑھکر تقریر نہیں کر سکتا؟ کیا نادر شاہ کا ہوا خواہ بھی اس قسم کی باتیں کر کے دوسروں کی نظر میں اس کو بے عیب ثابت کرنے کی کوشش نہیں کر سکتا؟ پھر کیا ایسا کرنے والے اچھی نظروں سے دیکھے جا سکتے ہیں؟ کیا حق و انصاف ان لوگوں کی ان کارروائیوں پر بھی چیخ نہیں اٹھیں گے؟ کیا بے تعصب افراد (جن سے دنیا کبھی خالی نہیں رہتی) ان

Marfat.com

مصنفین کی ظلمت پرستی پر ماتم نہیں کرینگے ؟ کیا عقل سلیم والے اس علمی جور و جفا پر خاموش رہ جائیں گے ؟ کیا صاحبان علم و معرفت اس حق پوشی اور باطل کوشی کو کبھی پسند کرسکینگے غالباً سب کا جواب یہی ہوگا کہ ہرگز نہیں - اب ذرہ مختصر طور پر دیکھو کہ حضرت عمر نے جن ملکوں کو فتح کیا اس کی وجہ کیا تھی ؟

عراق | عراق پر لشکر کشی حضرت ابو بکر کے زمانہ میں شروع ہوئی اور حضرت عمر نے اسکی تکمیل کی - اس کی وجہ کیا تھی مولوی شبلی صاحب ہی کے الفاظ میں سنو :- "یوران کے زمانہ میں مشہور ہوگیا کہ فارس میں کوئی وارث تاج و تخت نہیں ... اس خبر کی شہرت کے ساتھ عراق میں قبیلہ وائل کے دو سرداروں مثنےٰ اور سوید عجلی نے عراق کی سرحد حیرۃ و ابلہ کی طرف غارتگری شروع کی یہ حضرت ابو بکر کی خلافت کا زمانہ تھا... مثنےٰ نے حضرت ابو بکر کی خدمت میں حاضر ہوکر عراق پر حملہ کرنے کی اجازت حاصل کی... ان نومسلموں کا ایک بڑا گروہ لیکر عراق کا رُخ کیا - اِدھر حضرت ابو بکر نے خالد کو مدد کے لئے بھیجا - خالد نے عراق کے تمام سرحدی مقامات فتح کرلئے اور حیرۃ پر علم فتح نصب کیا... حضرت عمر مسند خلافت پر بیٹھے تو سب سے پہلے عراق کی مہم پر توجہ کی" (الفاروق جلد ۱ صلا) - یہ مولوی شبلی صاحب کی ضروری عبارت ہے سب پڑھ جاؤ کسی لفظ سے تم کو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر نے عراق پر کس عقلی یا شرعی یا اخلاقی وجہ سے حملہ کیا - اور اس کے فتح کرنے پر آمادہ ہو گئے - اور پھر حضرت عمر نے کیوں اس مشن کو جاری رکھا اور اُسے پورا کرکے رہے ؟ تاریخ طبری - مروج الذہب - ابن خلدون - ابو الفدا تاریخ خمیس سب کو پڑھ جاؤ تم کو عراق والوں کا اتنا جرم بھی نہیں مل سکتا جس کو پرتشہ برابر کہہ سکیں - لطف یہ کہ عراق کے دو سردار مثنےٰ اور سوید نے عراق کی سرحد پر غارتگری شروع کی اور حضرت ابو بکر سے اس غارت گری میں مدد کے خواستگار ہوئے تو حضرت نے یہ نہیں کہا کیا کسی کی غارت گری جائز ہے ؟ کیا غارت گری کی تعلیم کسی عقل نے دی ہے ؟ کیا غارت گری کو اسلام پسند کرتا ہے ؟ کیا غارت گری سے خدا اور رسول خوش ہوسکتے ہیں ؟ ان سب کے عوض ممدوح نے اس غارت گری کے بڑھانے پر کمر ہمت باندھ لی - سب کام چھوڑ کر اس کے لئے آمادہ ہو گئے - اس کے لئے فوجیں بھیجیں -

Marfat.com

اس کے لئے لشکر کشی کی - اور اسی غارت گری کے سلسلہ کو جو حضرت ابو بکر کی وفاۃ سے مکمل نہیں ہو سکا حضرت عمر نے خلیفہ ہوتے ہی پورا کیا - غرض عراق کے فتوحات کی بنیاد اور اصلی اساس یہی غارت گری تھی جس کو تمام مورخین کھلے لفظوں لکھتے آرہے ہیں اور ہمارے مولوی شبلی صاحب تک پوشیدہ نہیں کر سکے - صاف صاف لکھدیا کہ "غارت گری شروع کی" اور غارتگری ہی پر یہ سلسلہ ختم بھی ہوا - اردو زبان میں غارت گری کو ڈاکہ اور غارت گر کو ڈاکو کہتے ہیں - اب سمجھ لو کہ مثنیٰ اور سوید کون تھے - کیا کرتے تھے - کس کام میں حضرت ابو بکر کی مدد چاہی اور آپ نے صرف مدد ہی نہیں دی بلکہ اس کام کو پورا اپنے ہاتھ میں لے لیا اور حضرت عمر نے اسی غارت گری کے کام کو مکمل کیا - عراق کے حملوں میں جب حضرت عمر کی فوج کو شکست ہوئی تب بھی آپ کو یہ خیال نہیں ہوا کہ ایک دفعہ غارت گری کر کے اور نقصان اُٹھایا - اب اس غارت گری سے باز آئیں - اس کے عوض آپ نے کیا کیا - مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں " اس شکست نے حضرت عمر کو سخت برہم کیا اور نہایت زور شور سے حملہ کی تیاریاں کیں - تمام عرب میں خطباء اور نقیب بھیج دیئے جنہوں نے پرجوش تقریروں سے تمام عرب میں آگ لگادی - اور ہر طرف سے عرب کے قبائل اُمنڈ آئے ... یہ جوش یہاں تک پھیلا کہ نمر و تغلب کے سرداروں نے جو مذہباً عیسائی تھے حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ آج عرب و عجم کا مقابلہ ہے اس قومی معرکہ میں ہم بھی قوم کے ساتھ ہیں - ان دونوں سرداروں کے ساتھ اُن کے قبیلہ کے ہزاروں آدمی تھے اور عجم کے مقابلہ کے جوش میں لبریز تھے ... مثنیٰ نے فوج کو للکارا کہ گھبرانا نہیں - یہ نامردانہ غل ہے عیسائی سرداروں کو جو ساتھ تھے بلا کر کہا تم اگرچہ عیسائی ہو لیکن ہم قوم ہو اور آج قوم کا معاملہ ہے - میں مہران پر حملہ کرتا ہوں تم ساتھ رہنا - انہوں نے لبیک کہا - مثنیٰ نے ان سرداروں کو دونوں بازوؤں پر لے کر دھاوا کیا اور پہلے ہی حملہ میں مہران کا میمنہ توڑ کر قلب میں گھس گئے - دیر تک بڑی گھمسان کی لڑائی رہی - انس بن ہلال جو عیسائی سردار تھا اور بڑی جاں بازی سے لڑ رہا تھا زخم کھا کر گرا ... مہران کے قتل

Marfat.com

پر لڑائی کا خاتمہ ہوگیا۔ عجم نہایت ابتری سے بھاگے۔ مثنٰی نے فوراً پل کے پاس پہنچکر رستہ روک لیا کہ عجم بھاگ کر نہ جانے پائیں۔ مورخین کا بیان ہے کہ کسی لڑائی نے اس قدر بے شمار[1] لاشیں اپنی یادگار میں نہیں چھوڑیں۔ چنانچہ مدتوں کے بعد جب مسافروں کا اُدھر گزر ہوا تو اونھوں نے جابجا ہڈیوں کے انبار پائے۔ اس معرکہ کے بعد مسلمان عراق کے تمام علاقہ میں پھیل پڑے" (الفاروق حصہ ا صفحہ ۹۰)

اس عبارت نے بقیہ شک وشبہہ بھی زائل کردیا۔ حضرت عمر حضرت رسُولخدا کے خلیفہ تھے۔ اور اسلام ہی کے نام پر ان ملکوں کی فتح شروع کی تھی لیکن واقعہ یہ ہے کہ جنگ کرتے وقت اسلام کا نام ترک کردیا گیا اور عرب میں جوش پیدا کیا گیا کہ یہ ملکی جنگ اور قومی لڑائی ہے۔ مسلمانوں کا غیر مسلموں سے نہیں بلکہ عرب کا عجم سے مقابلہ ہے۔ صرف مسلمان ہی نہ لڑیں بلکہ عرب میں جس مذہب کے بھی لوگ ہیں سب مل کر حملہ کریں۔ اس قدر مذہب کو علیحدہ کردیا گیا۔ اس درجہ دینی خیالات لوگوں کے دماغوں سے مٹا دیئے گئے کہ عیسائی جماعتیں بھی جو اسلام اور مسلمانوں کی سخت دشمن ہیں حضرت عمر کی فوج میں شریک ہوگئیں اور اُن کے سرداروں نے خود حضرت عمر سے لڑنے کی درخواست کی۔ غرض یہ فتوحات بھی عرب وعجم کی جنگ کا نتیجہ تھیں۔ اسلام اور کفر کی لڑائی سے اس کو بے تعلق سمجھنا چاہیئے۔

مولوی شبلی صاحب آپ کی فتوحات کو قہر وظلم وقتل عام کی سفاکیوں سے بری ثابت کرنے کا دعوے کرتے ہیں۔ کیا وہ اپنے ہی لکھے ہوئے ان الفاظ کا مطلب بھی بتادینگے "مثنٰی نے رستہ روک لیا کہ عجم بھاگ کر نہ جانے پائیں۔ کسی لڑائی نے اس قدر بیشمار لاشیں نہیں چھوڑیں" بھاگی ہوئی فوج کا تعاقب کرنا اور رستہ روک کر "اس قدر بیشمار"

---

[1] مولوی شبلی صاحب بڑے انشاپرداز بھی کہے جاتے ہیں۔ آپ کی عبارت قابل ملاحظہ ہے کہ لاشوں کی کثرت ظاہر کرنے کے لئے آپ نے "اس قدر بے شمار" کا جوڑ لگایا ہے جس کی خوبصورتی کو اہل ادب اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ تصریح میں وہ لطف نہیں اس وجہ سے اشارہ ہی کافی ہے ۱۲ منہ

Marfat.com

لاشوں کا سامان کرنا کیا قہر کے عوض رحم۔ ظلم کے عوض عدل۔ اور قتل عام کے عوض امن عام کی دلیل ہے؟ حضرت رسولؐ کے متعلق مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "معمول تھا کہ جب کسی قوم پر حملہ ہوتا تو اہل فوج چاروں طرف دور دور پھیل جاتے جس راستے بند ہو جاتے۔ گھروں میں آنا جانا مشکل ہو جاتا راہگیروں کا مال و متاع لٹ جاتا، یہ طریقہ ایک مدت سے چلا آتا تھا، ایک لڑائی میں قدیم دستور کے مطابق یہی حرکتیں لوگوں سے سرزد ہوئیں آپ نے منادی کرادی کہ جو شخص ایسا کرے گا اس کا جہاد جہاد نہیں۔ ابو داؤد میں انس جہنی سے روایت ہے غزوت مع نبیؐ اللہ غزوۃ کذا وکذا فضیق الناس المنازل رقطعوا الطریق فبعث نبیؐ اللہ منادیا ینادی الناس ان من ضیق منزلا او قطع طریقا فلا جہاد لہ۔ میں فلاں غزوہ میں آپ کے ساتھ تھا، لوگوں نے دوسروں کے پڑاؤ پر جا کر ان کو تنگ کیا۔ لوٹا مارا، آپ نے ایک شخص کو بھیجا جس نے منادی کی کہ جو دوسروں کو گھڑی میں تنگ کرے یا لوٹے مارے اس کا جہاد قبول نہیں (ابو داؤد کتاب الجہاد جلد ۱ صفحہ ۳۶۰ از سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۴۴۴)

حضرت عمر کے سردار مثنیٰ نے عجمیوں کو صرف روکا ہی نہیں بلکہ اُن کا تعاقب بھی کیا۔ کیا عقلی یا اخلاقی حیثیت سے یہ پسندیدہ کہا جا سکتا ہے؟ جب ان بیقصوروں بے خطاؤں پر آپ کی فوج نے حملہ کیا تو ان سب کا فرض تھا کہ جس طرح ہر شخص کسی شیر یا سانپ کے حملہ سے بچنے کے لئے اس شیر یا سانپ کا مقابلہ کرتا ہے اسی طرح وہ بھی مسلمانوں کے حملہ سے بچنے کے لئے ان کا مقابلہ کریں۔ لیکن جب ہار گئے تو کیا انسانیت کا تقاضا یہی تھا کہ شکست خوردہ فوج کو بھاگنے کا موقع بھی نہ دیا جائے اور وہ راہ روک روک کر پکڑے اور قتل کئے جائیں؟ کیا کوئی مہذب ملک یا قوم ایسا برتاؤ کسی مفتوح جماعت کے ساتھ کرتی ہے؟ یا کوئی شخص کسی کی ان حرکتوں کو پسند کر سکتا ہے؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو حضرت عمر کی فوجوں کے بارے میں کیا کہا جائے؟ کیا صرف اس وجہ سے مدح کی جائے کہ یہ باتیں دوسروں کی نہیں بلکہ خاص خلیفہ دوم حضرت عمر بن الخطاب کی ہیں؟

Marfat.com

اب اُن احکام کو بھی دیکھو جو جنگ سے بھاگنے والوں کا تعاقب کرنے کے متعلق ہیں۔ محدثین نے لکھا ہے عن امرأۃ من بنی اسد قالت سمعت عمارا بعد ما فرغ علی من اصحاب الجمل ینادی لاتقتلوا مقبلا ولا مدبرا ولا تذففوا علی جریح ولا تدخلوا دارا ومن القی السلاح فھو آمن ومن اغلق بابہ فھو آمن۔ ایک عورت بیان کرتی تھی کہ میں نے جناب عمار صحابی رسُول سے سُنا کہ جنگ جمل کے بعد ندا دیتے تھے خبردار کوئی شخص کسی آنے والے کو نہ قتل کرے اور نہ کسی بھاگنے والے کو قتل کرے اور نہ کسی زخمی کی جان لے اور نہ کسی کے گھر میں گھُسے۔ اور جو شخص ہتھیار ڈال دے وہ امان میں ہے اور جو اپنا دروازہ بند کر دے وہ بھی امان میں ہے۔ عن علی قال لا یذفف علی جریح ولا یقتل اسیر ولا یتبع مدبر۔ حضرت علی کا حکم تھا کہ کسی جہاد کے زخمی کی جان نہ لی جائے اور نہ کوئی قیدی قتل کیا جائے اور نہ کسی بھاگنے والے کا تعاقب کیا جائے (منتخب کنز العمال جلد ۲ صـ۳۱۵) "حضرت علیؑ نے جنگ جمل کے دن منادی کرائی جو شخص پیٹھ موڑ کر بھاگے اوس کا پیچھا نہ کرو اور جو کوئی قید ہو جائے اُس کو قتل نہ کرو اور جو شخص زخمی ہو جائے اوسکی جان نہ لو" (انوار اللغۃ پارہ ۔ ۹ صـ۱۶) [1]

[1] حضرت عمر اور حضرت علیؑ کا طرزِ عمل دیکھ چکے۔ اب حضرت ابوبکر کا اصول بھی دیکھو۔ آپ اپنی فوجوں کو تاکید کرتے تھے فان اظھرہ اللہ علیھم ان شاء اللہ وامکنہ منھم فلیقتلھم بالسلاح ولیحرقھم بالنار ولا یستبق منھم احد قدر علی ان یستبقیہ ولیقسم اموالھم۔ اگر اِس فوج کو خدا اُن لوگوں پر فتح دے اور وہ اِس کے قابو میں آجائیں تو اُن کو ہتھیاروں سے قتل کر دے۔ سب کو آگ میں جلا دے اور کسی کو باقی نہ چھوڑے اور اُن سب کا مال تقسیم کر لے (تاریخ خمیس جلد ۲ صـ۲۲۵)۔ ایک شخص شریک فزاری بیان کرتا تھا کہ حضرت ابوبکر نے مجھے بھی اپنے سردار فوج کی طرف روانہ کیا وکتب معی الیہ بوصایا وفی آخرھا ان اظفرک اللہ باھل الیمامۃ فایاک والابقاء علیھم اجھز علی جریحھم واطلب مدبرھم

Marfat.com

حضرت رسولخدا صلعم اور حضرت علیؑ کے درمیان اصول و قوانین جہاد و آداب جنگ کے متعلق بھی ذرہ برابر فرق نظر نہیں آتا جس طرح حضرت رسولخدا صلعم بھاگنے والوں کا تعاقب نہیں کرتے۔ حضرت علیؑ بھی نہیں کرتے۔ جس طرح آنحضرتؐ زخمی کے قتل سے منع فرماتے حضرت علیؑ بھی سب کو اس سے روک دیتے۔ جس طرح حضرت رسولخدا صلعم ہتھیار ڈالنے والوں پر رحم کرتے حضرت علیؑ بھی کرتے۔ بلکہ انکی حمایت پر آمادہ ہو جاتے۔

(بقیہ حاشیہ صـ۳۵۲) واحمل اسیرهم علی السیف وهول فیهم القتل واحرقهم بالنار وایاک ان تخالف امری۔ اور اوس سردار فوج کے پاس میرے ہاتھ ایک خط بھیجا جس میں بہت سی باتوں کی تاکید تھی۔ آخری بات یہ تھی کہ (حضرت ابوبکر نے لکھا) اگر تم یمامہ والوں پر فتح پاؤ تو خبردار اُن پر ذرہ برابر بھی رحم نہ کھانا۔ ان میں جو لوگ زخمی ہو کر تڑپتے ہوں اُن کو بھی مار ڈالنا۔ جو بھاگیں اُن کا بھی تعاقب کر کے گرفتار کر لینا۔ اُن میں سے جو لوگ تمہاری قید میں آسکیں اُن سب کو اسیر کر کے تلوار کی باڑھ پر رکھ دینا۔ ان کے درمیان قتل کا ہول عظیم پیدا کر دینا اور اُن لوگوں کو آگ میں جلا ڈالنا۔ خبردار میرے حکم کے ذرہ برابر بھی خلاف نہ کرنا (تاریخ خمیس جلد ۲ صـ۲۳۳) حضرت ابوبکر کے کل احکام کی پوری تعمیل کی گئی۔ علامہ ابن اثیر جزری وغیرہ مورخین نے لکھا ہے فاتوہ بهم فمثل بهم وحرقهم ورضخهم بالحجارة ورمے بهم من الجبال ونكس فی الآبار وارسل الی ابی بکر یعلمه ما فعل۔ حضرت ابوبکر کی فوج والے اُن مخالفین کو پکڑ کر اپنے سردار فوج کے پاس لائے تو اُس نے اُن بیچاروں کا بدن ٹکڑے ٹکڑے کرایا۔ ان کو آگ میں جلا دیا۔ ان کے بدنوں کو پتھروں سے خوب کوٹ کوٹ کر چور کر دیا۔ انکو پہاڑوں پر لے جا کر وہاں سے نیچے پھینک دیا اور اونکی ٹانگوں میں رسیاں باندھ کر اُن کو کنوؤں میں اُلٹا لٹکا دیا کہ بیچاروں کے سر نیچے اور پاؤں اوپر تھے اور حضرت ابوبکر کو ان سب کارروائیوں کی اطلاع بھی کر دی (تاریخ کامل جلد ۲ صـ۱۳۲) کتاب زہری میں ہے کہ پھر حضرت ابوبکر کی فوج والے طلیحہ والوں کے پاس پہنچکر

(۲) شام کی فتح | مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "فتوحات شام۔ سلسلۂ واقعات کے لحاظ سے ہم اس موقع پر شام کی لشکر کشی کے ابتدائی حالات بھی نہایت اجمال کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابوبکر نے آغاز ۱۳ھ/۶۳۴ء ہجری میں شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کی ... فوجوں کی مجموعی تعداد ... ۲۴ ہزار تھی" (الفاروق جلد ۱ صـ۱۲۴)۔ افسوس مولوی صاحب نے اس لشکر کشی کی عقلی یا نقلی

(بقیہ حاشیہ صـ۳۵۳) ان کو قتل اور گرفتار کرنے لگے اور (حضرت ابوبکر کے سردار فوج) خالد نے پکار کر اپنی فوج والوں سے کہا کہ جو شخص دیگچی میں کچھ پکانا یا پانی گرم کرنا چاہے وہ (پتھر وغیرہ کا چولھا نہ بنائے بلکہ) انھیں مقتولین کے سروں کا چولھا بنائے اور اُن میں آگ روشن کر کے ان پر پکائے یا گرم کرے۔ اور خالد نے یہ بھی حکم دیا کہ بڑے بڑے گڈھے کھودے یا گھروندے بنائے جائیں پھر اُن میں آگ روشن کی جائے جب یہ سب کام ہو چکے تو حکم دیا کہ جتنے لوگ قیدی بنائے گئے ہیں سب اس آگ میں جھونک دیئے جائیں۔ اس پر وہ سب اس میں جلا دیئے گئے۔ اسی روز حامیہ میں سبیع بھی آگ میں جلا دیا گیا جس کو حضرت رسولخدا نے اس کی قوم کی زکوۃ وصول کرنے کے لئے مقرر کیا تھا (تاریخ خمیس جلد ۲ صـ۲۳) یہاں تک نوبت پہنچی کہ ایک عورت بھی اس آگ کا شکار ہو گئی وثبت فاقتحمت النار۔ وہ عورت اپنی جگہ سے اُچھلی اور آگ میں کود پڑی (تاریخ خمیس جلد ۲ صـ۲۳) ان خالد اجمع الاسارٰی فی الخطائر ثم اضرمها علیهم فاحترقوا وهم احیاء۔ حضرت ابوبکر کے سردار فوج خالد نے قیدیوں کو گھروندوں میں بھرا۔ پھر اُن لوگوں میں آگ لگا دی تو وہ سب اس میں جل گئے حالانکہ وہ سب کے سب اُس وقت زندہ تھے (یعنی اُن کو زندہ ہی آگ میں ڈال کر جلا ڈالا) جب خالد نے حکم دیا کہ بڑے بڑے گڈھے کھودے جائیں تو لوگوں نے ان سے پوچھا یہ کس لئے کھودے جاتے ہیں؟ کہا ان سب کو انہیں گڈھوں میں بند کر کے جلا دوں گا۔ اس کے بارے میں لوگوں نے ان سے گفتگو کی تو کہا میں کیا کروں مجھے

Marfat.com

شرعی یا اخلاقی، ملکی یا سیاسی غرض کوئی وجہ نہیں لکھی کہ کس سبب سے آپ نے شام پر لشکر کشی کی۔ مورخ کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ کسی جنگ کی حالت لکھنے کے قبل اس کے وجوہ و اسباب کو تفصیل سے بیان کر دے تاکہ ناظرین تاریخ کو فیصلہ کرنے میں آسانی ہو کہ اس فوج آرائی میں حملہ آور کا قصور تھا یا ان کا جن پر حملہ کیا گیا۔ جس قدر اسلامی تاریخیں موجود ہیں سب کا ایک ایک حرف پڑھ جاؤ تم کو کسی سے بھی یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ شام والوں نے حضرت ابوبکر سے کوئی بے ادبی کی ہو مسلمانوں پر کوئی زیادتی کی ہو۔ اہل اسلام کا کچھ نقصان کیا ہو۔ یا حضرت ابوبکر کو خود طلب کیا ہو کہ آکر ہم لوگوں پر حملہ کیجئے اور ہمیں غلام بنائیے۔ شام کیا کسی ملک والوں کا کوئی جرم نہیں بتایا جا سکتا جو حضرت ابوبکر کے حملوں کو مناسب ثابت کر سکے۔ اس کی دو ہی وجہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک حضرت ابوبکر کا شوق جہاں گیری۔ دوسری حضرت عمر کی زبردست رائے۔ کیونکہ جب آپ زمانہ جاہلیت میں ملک شام کی طرف گئے تھے تو وہاں کے عیسائی پیشوا نے آپ سے پیشین گوئی کی تھی کہ آپ کچھ زمانہ بعد وہاں کے بادشاہ بنا دیئے جائیں گے۔ اس کی تفصیل اسی سوانح عمری حصہ اول کے صفحہ ۲۴۳ و ۲۵۹ میں گزر چکی ہے۔ ناظرین اس مقام پر اس کو پھر پڑھ لیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۴) یہی حکم دیا گیا ہے (دیکھو یہ حضرت ابوبکر کا تاکیدی فرمان میرے پاس ہے جس میں مجھے حکم دیا ہے کہ اگر تم فتح پاؤ تو سب کو زندہ ہی جلا دو (تاریخ جلد ۲ صفحہ ۲۳۱)۔ ایک شخص فجارۃ سلمی حضرت ابوبکر پاس بھیج دیا گیا تو آپ نے حکم دیا کہ آگ روشن کی جائے۔ غرض مسیلمہ مدینہ میں آگ روشن کی گئی پھر فجارۃ کی اچھی طرح مشکیں باندھ دی گئیں اور وہ اس میں پھینک دیا گیا جس میں بیچارہ جل گیا (کامل جلد ۲ صفحہ ۱۳۴ وغیرہ) چونکہ حضرت ابوبکر کے تقریباً کل امور حضرت عمر ہی کی رائے و مشورہ سے انجام پاتے تھے اسوجہ سے حیرت ہوتی ہے کہ کیونکر حضرت عمر نے ان سختیوں کو پسند کیا۔ کیا خلیفہ رسول ان احکام کو دے سکتا اور ان کارروائیوں کو پسند کر سکتا ہے

Marfat.com

(۳) فتح مصر مصر کی فتح کو درحقیقت حضرت عمرؓ سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ اس کے شدید مخالف تھے مگر عمرو عاص نے حد سے زیادہ اصرار کر کے آپ کو مجبور کیا کہ اجازت دے دیں۔ پھر ان کے روانہ ہو جانے کے بھی خط لکھ کر اس سے سختی کے ساتھ روکا لیکن عمرو عاص نے پالیسی سے کام لیا اور اس کو فتح کر کے رہے۔ مولوی شبلی صاحب نے بھی دبی زبان اس کو تسلیم کیا ہے لکھتے ہیں "مصر کی فتح اگرچہ فاروقی کارناموں میں داخل ہے لیکن اس کے بانی مبانی عمرو بن العاص تھے، وہ اسلام سے پہلے تجارت کا پیشہ کرتے تھے اور مصر ان کی تجارت کا جولانگاہ تھا۔ اس زمانہ میں مصر کی نسبت گو اس قسم کا خیال بھی ان کے دل میں نہ گزرا ہوگا لیکن اُسکی زرخیزی اور شادابی کی تصویر ہمیشہ ان کی نظر میں پھرتی رہتی تھی۔ حضرت عمر نے شام کا جو اخیر سفر کیا اُس میں یہ اُن سے ملے اور مصر کی نسبت گفتگو کی۔ حضرت عمر نے پہلے احتیاط کے لحاظ سے انکار کیا لیکن آخر ان کے اصرار پر راضی ہو گئے اور چار ہزار فوج ساتھ کر دی۔ اس پر بھی اُن کا دل مطمئن نہ تھا۔ عمرو سے کہا کہ خدا کا نام لے کر روانہ ہو لیکن مصر پہنچنے سے پہلے اگر میرا خط پہنچ جائے تو اُلٹے پھر آنا عریش پہنچے تھے کہ حضرت عمر کا خط پہنچا۔ اگرچہ اسمیں آگے بڑھنے سے روکا تھا لیکن چونکہ شرطیہ حکم تھا عمرو نے کہا کہ اب تو ہم مصر کی حد میں آچکے" (الفاروق جلد ا صفحہ ۱۹۷) مولوی صاحب نے اجمال سے کام لیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے "۱۸ھ میں خلیفہ دوم شام کے شہر جابیہ میں آئے تو عمرو عاص نے تخلیہ میں مصر پر چڑھائی کرنے کے لئے عرض کی کہ یہ موقع غنیمت ہے اگر حملہ کر دیا جائے تو بہت انسب ہوگا کیونکہ روم کی ابھی ابھی کمر ٹوٹ ہی چکی ہے۔ مدافعت کی قوت نہیں۔ بہت آسانی سے فتح ہو جائیگی خلیفہ دوم نے جن وجوہات سے قطعی انکار کیا مورخین نے انہیں نہیں لکھا ہے بلکہ صرف خوف کی نسبت دی ہے کہ وہ خائف ہوئے۔ جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ لشکر کی موجودہ حالت نے کہ اتنی بڑی جنگ سے کس قدر تھکی ہو گی اُن کو خوفزدہ بنایا ہوگا جو نفسیہ ایسے دلوں کے ڈرانے کے لئے کافی ہے حالانکہ اکثر اوقات خود اس شخص کی کامیابی ایسی جرأت و ہمت دلانے والی ہوتی ہے کہ ہزاروں تھکن

Marfat.com

پر وہ غالب آجاتی ہے۔ عمرو عاص کا اصرار ترقی کرنے لگا اور اچھی طرح سمجھایا کہ یہ ملک نہایت زرخیز ہے۔ مال کثیر ہاتھ آئے گا۔ مصری لوگ عام طور پر جنگجو نہیں۔ بزدلے ہیں۔ لڑائی سے بہت ڈرتے ہیں۔ اُن میں نہ قوت ہے نہ جرأت اس ملک کے فتح سے مسلمانوں کو پوری قوت و شوکت حاصل ہو گی۔ حضرت عمر خائف تھے کیونکہ جنگ دو سر دارد ممکن ہے ہم کو شکست ہو جس سے نقصان کثیر اوٹھانا پڑے اور مسلمانوں کو بعوض نفع نقصان ہو۔ عمرو عاص اپنے اصرار پر برابر قائم رہے۔ اصول جنگ سمجھاتے رہے کہ اسلامی رعب بنا ہوا ہے۔ فتح کچھ مشکل نہیں یہاں تک کہ حضرت عمر نے بہ خاطر ان کے چار ہزار یا ساڑھے چار ہزار فوج قبیلۂ عک سے انکے حوالہ کی۔ حضرت عمر نے اگرچہ بکمال اکراہ تین یا چار پلٹن مرحمت کی اور ان کو اجازت دی کہ مصر پر حملہ آور ہوں مگر اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ میں اس بارہ میں خدا سے استخارہ کروں گا اور بہت جلد بذریعہ خط کے خبر دوں گا۔ دیکھو خط خاک مصر میں داخل ہونے کے پہلے اگر تم کو ملے اور اُس میں حکم واپسی ہو تو بلا تامل واپس آنا۔ اور اگر خاک مصر میں داخل ہونے کے بعد یہ حکم نامہ ملے تو خدا پر بھروسہ کر کے چلے جانا۔ عمرو عاص چونکہ اس ملک کے لئے بیتاب ہو رہے تھے لہذا شب ہی کو اونہوں نے کوچ کیا اور اپنی مختصر فوج کے ساتھ ڈبل مارچ کرتے چلے جا رہے تھے جس کی خبر نہ خلیفہ کو معلوم ہوئی نہ کسی دوسرے کو۔ صبح کے وقت خلیفہ نے استخارہ کیا جس سے اُن کی فطری قلبی حالت نے فیصلہ کیا کہ خدا کا حکم نہیں۔ اس جنگ میں خیریت نہیں۔ چنانچہ اسی بنیاد پر انہوں نے تاکیدی حکم نامہ بنام عمرو عاص لکھا کہ "جلد مع فوج واپس آؤ"۔ یہ خط عمرو عاص کو بمقام رفح ملا جو سرحد مصر کے اسی طرف تھا۔ لہذا عمرو عاص کو یہ خوف دامن گیر ہوا کہ اگر اس حکم نامہ میں مراجعت کا حکم ہو گا جو ضروری ہے تو اوس کی تعمیل میں کوئی عذر نہ رہے گا۔ یہ سوچ کر عمرو نے قاصد سے ہاں خط نہ لیا اور بہ لطائف الحیل ٹالتے چلے گئے یہاں تک کہ بہ کمال سرعت رفح و عریش کے درمیانی گاؤں میں پہنچ گئے جو خاک مصر میں داخل تھا۔ یہاں پر عمرو

Marfat.com

نے قاصد سے خط لیا۔ پھر لشکر کے روبرو پڑھکر سُنایا اور کہا تم جانتے ہو کہ یہ گاؤں ملک مصر کی سرحد میں داخل ہے جس کے بارے میں خلیفہ نے فرمایا تھا کہ اگر یہ خط سرحد کے اس طرف ملے تو اس کی تعمیل کرنا۔ اور اگر داخلۂ خاک مصر کے بعد یہ خط ملے تو تم چلے جانا اور اس کی تعمیل لازمی نہ ہوگی۔ جس کو کل اہل لشکر نے قبول کیا اور عمرو نے ملک مصر کی راہ لی (کتاب حسن المحاضرہ تاریخ مصر و قاہرہ صلہ)

یہاں تحقیق طلب نگاہیں ضرور متفحص ہونگی کہ وہ کون سی قوت تھی جس نے عمرو عاص کو فتح مصر کے لئے ایسا بے چین کیا کہ نہ مخالفت خلیفہ نے اُن کو روکا نہ قلت لشکر نے۔ حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ کسی فوج کے جنرل کو کسی ملک کی فتح سے بذاتہٖ تعلق نہیں۔ نہ وہ منافع اس کو ہوتے ہیں جو خود بادشاہ کو حاصل ہوں۔ اور اسلامی قانون سے تو بلا اجازت رسولؐ و امامؑ نہ کسی کو جہاد کرنے کا منصب ہے نہ کسی جنرل فوج کو مالِ غنیمت سے زیادہ لینے کا حکم ہے۔ کیونکہ یہاں سردار کا بھی وہی حصہ ہے جو معمولی سپاہی کو حاصل ہوتا ہے۔ تو کیا جوشِ قوت ایمانی میں عمرو عاص بڑھے ہوئے تھے حضرت عمر سے جو وہ مصر تھے اور یہ مانع؟ کیا شجاعت میں عمرو عاص فائق تھے جو اس طرح تڑپ رہے ہیں اور حضرت عمر کے دل میں وہ ولولہ نہیں؟ حالانکہ ہر بادشاہ خصوصاً جو فاتح ہوتا ہے ملک گیری کے لئے بے چین ہوتا ہے۔ کیا فوج کی حالت سے حضرت عمر زیادہ واقف تھے جو مدینہ میں تھے اور عمرو عاص اس سے ناواقف تھے؟ حالانکہ اسی فوج کے ساتھ وہ مدت سے مصروفِ کارزار تھے۔ پھر ان کو کیوں ایسا اصرار تھا؟ آن کل سوالوں کا جواب ضرور نفی میں ہوگا کہ نہ عمرو عاص کی قوتِ ایمانی خلیفہ سے بڑھی تھی نہ شجاعت میں وہ فائق تھے، نہ فوج کے ضعف و قوۃ کے اندازہ میں یہ گھٹے ہوئے تھے جو اس درجہ اصرار کر رہے ہیں بلکہ وہ ایک دوسری قوۃ ان کی محرک تھی جس کا نہ علم خلیفہ کو تھا نہ وہ ان کے لئے محرک ہو سکتی ہے۔ کیونکہ عمرو عاص کو زمانہ جاہلیت میں ایک خاص ذریعہ سے معلوم ہو چکا تھا کہ ہم ایک روز ضرور حاکم و مالک مصر

ہوں گے۔ وہی اطلاع آج ان کو گدگدا رہی ہے کہ جلد مصر پر چڑھائی کرو۔ نہ حکم خلیفہ پر اُن کی نظر ہے نہ قلتِ فوج کا خیال ہے۔ نہ استخارہ خلیفہ کا انتظار کرنے دیتا ہے بلکہ استخارہ والے حکم کو اس حیلہ سے ٹال رہا ہے کہ کوئی الزام میرے نہ آنے پائے اور جنگ مصر بھی ہاتھ سے نہ جائے۔

تفصیل اسکی علامہ سیوطی اس طرح لکھتے ہیں کہ "عمرو عاص زمانۂ جاہلیت میں جب کہ آفتاب رسالت کا بھی طلوع نہ ہوا تھا ایک دفعہ بغرض تجارت بہت سے قریش کے ساتھ وارد بیت المقدس ہوئے۔ وہاں ایک عیسائی پادری بھی جو اسکندریہ کا رہنے والا تھا بغرض زیارت بیت المقدس آیا تھا۔ پادری بیت المقدس کے اعمال زیارت سے فارغ ہوکر بغرض سیر و تفریح پہاڑوں پر چڑھ گیا اور سیر و تماشا کر رہا تھا کہ پیاس نے اوس پر غلبہ کیا۔ اور شدت تشنگی سے جاں بہ لب ہوا۔ عمرو عاص وغیرہ قریش کا معمول یہ تھا کہ ہر روز ایک شخص باری باری اپنے اور قافلہ والوں کے اونٹ کو چرانے کے لئے پہاڑ پر لے جایا کرتا تھا۔ چنانچہ جس روز یہ پادری پہاڑ پر آیا تھا عمرو عاص کی باری تھی کہ اوس نے پانی مانگا اور سیراب ہوکر وہیں سو رہا۔ اتفاقاً جہاں وہ پادری سویا تھا اُس کی بغل میں ایک گڈھا تھا جس سے ایک اژدہا نکلا اور اُس نے اُس پادری کیطرف رُخ کیا۔ عمرو عاص دور سے دیکھ رہے تھے۔ وہیں سے اونھوں نے نشانہ بٹھاکر ایک ایسا تیر مارا جس سے وہ اژدہا وہیں مرکر چت ہوگیا۔ پادری صاحب جب خواب سے بیدار ہوئے تو اتنے بڑے مردہ سانپ کو اپنے زیر بغل دیکھکر حیران ہوئے کہ یہ موذی کہاں سے آیا اور کس نے میری جان بچائی۔ عمرو عاص نے اُن کے استفسار پر سارا قصہ سانپ نکلنے اور تیر مارنے کا بیان کیا جس سے وہ نہایت درجہ شکر گزار ہوا۔ اور اُن کے سر کا بوسہ لیکر کہا کہ خدا نے تمہاری بدولت دو مرتبہ میری جان بچائی کہ ایک دفعہ شدت تشنگی سے میں جاں بلب تھا تم نے اس صحرائے بے آب میں پانی پلاکر مجھے زندہ کیا۔ دوسری مرتبہ اس سانپ سے رہائی دلوائی۔ اب بتاؤ تم کس غرض سے یہاں آئے ہو اور تمہارا مقصود کیا ہے۔

Marfat.com

عمرو عاص - ہم قریش کے ساتھ یہاں بغرض تجارت آئے ہیں کہ شاید کچھ نفع حاصل ہو۔
پادڑی - کس قدر نفع کی تم کو امید ہے ؟
عمرو عاص - میرا خیال یہ ہے کہ ایک اونٹ کی قیمت کے موافق نفع ہو کیونکہ اس وقت میری ملکیت میں کل دو اونٹ ہیں - ایک اونٹ اور خریدلوں تو تین اونٹ ہو جائینگے
پادڑی - تمہارے یہاں دیت یعنی خوں بہا کسی شخص کا کس قدر دیا جاتا ہے۔
عمرو عاص - سو اونٹ۔
پادڑی - ہم لوگ اونٹ وغیرہ نہیں جانتے - یہ بتاؤ کہ اُس کی قیمت کتنی ہوگی کیونکہ ہمارے ہاں درہم و دینار کا رواج ہے۔
عمرو عاص - ہزار اشرفی۔
پادڑی - میں ایک مرد غریب مسافر ہوں۔ یہاں بغرض ادائے نذر آیا تھا کہ بیت المقدس میں نماز پڑھوں - اور ایک مہینہ یہاں رہوں - اب زمانہ میری معاودت کا آگیا ہے - وطن جانا چاہتا ہوں اگر تم میرے ساتھ چلو تو میں بعہد خدا قسم کھاتا ہوں کہ دو آدمیوں کا خوں بہا (دو ہزار اشرفیاں) تم کو دوں گا۔ کیونکہ خدا نے دو مرتبہ میری جان تمہاری بدولت بچائی۔
عمرو عاص - تمہارا وطن کہاں ہے ؟
پادڑی - ملک مصر میں ایک شہر اسکندریہ ہے۔
عمرو - میں تو اُس کو نہیں جانتا نہ کبھی وہاں گیا ہوں۔
پادڑی - اگر تم وہاں چلو تو تم کو معلوم ہو کہ ایسے ملک زرخیز میں آج تک تمہارا گزر بھی نہیں ہوا۔
عمرو - اچھا قسم کھاؤ کہ اپنے عہد پر ثابت قدم رہو گے اور ایفائے وعدہ کروگے۔
پادڑی نے قسم کھائی اور قول و قرار محکم ہو گیا۔
عمرو عاص - یہ سفر کتنی مدت میں ختم ہو گا؟
پادڑی - ایک مہینہ میں - دس روز سفر - دس روز قیام اور پھر دس روز واپسی اور میں اس کا بھی عہد کرتا ہوں کہ بحفاظت تم کو پہنچا دوں گا اور وقت معاودت ایک

Marfat.com

شخص کو ساتھ کر دوں گا جو بہ حفاظت یہاں پہنچا دے گا۔
عمرو عاص نے اپنے دوستوں سے ایک شخص کو بایں شرط ساتھ لیا کہ جو کچھ ہاتھ آئیگا اسمیں سے تم کو بھی حصہ دیں گے۔ باخود ہا یہ صلاح ٹھہرا کر روانہ ملک مصر ہوئے۔ وہاں پہنچکر مصر کی عمارات اور کثرت مال نے عمرو کی آنکھوں میں چکاچوند کر دی۔ کیونکہ اس قسم کی عمارتیں آج تک خواب میں بھی نہ دیکھی تھیں۔ ایک نئی دنیا نظر آئی۔
عمرو عاص کا داخلہ اسکندریہ میں (جہاں پادڈی کا مکان تھا) حسن اتفاق سے اُس زمانہ میں ہوا جو ان لوگوں کے خاص عید کا موسم تھا جس میں ایک روز معین تھا کہ مصری شاہزادے اُس طلائی گیند سے چوگان بازی کرتے جس کے خواص سے یہ تھا کہ جسکی آستین میں وہ گیند پڑ جاتا ایک دفعہ سلطنت مصر پر وہ ضرور فائز ہوتا جس کا صدہا مرتبہ وہ تجربہ کر چکے تھے۔ پادڑی کو چونکہ دو ہزار اشرفیوں کی فکر تھی جس کا وعدہ عمرو سے کیا تھا لہذا اوس نے اوسی روز معین کو انتخاب کیا جس میں مصر کے کل شاہزادے اور امراء و رؤسا قسمت آزمائی کے لئے اُس میدان میں جمع ہوتے اور منتظر رہتے کہ دیکھئے آج کس کا پاسا پڑتا ہے۔ اس خیال میں پادڑی نے بروز معین عمرو عاص کو بھی لباس دیبا و حریر سے مزین کر کے وہیں پہنچایا جہاں یہ چوگان بازی ہو رہی تھی اور ہر شخص کی نظر اوسی ہمائے سعادت پر تھی جو بظاہر ایک گیند تھا۔
خدا کی دین کا موسٰے سے پوچھئے احوال :: کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری ہو جائے
گردشِ فلکی کو سب ہی جانتے ہیں۔ اس دفعہ ارضی گردش بھی ہو گئی کہ مصریوں کو چھوڑ کر اس گیند نے اپنا مرکز عمرو عاص کی اوس لانبی آستین کو بنایا جس کی نسبت دنیا میں کسی متنفس کو بھی گمان نہ تھا کہ یہ کسی بادشاہ کے دربار میں داخل ہونگے۔ چہ جائے کہ خود فرعون مصر بن جائیں۔ چنانچہ وہ سب شاہزادے خود کہ بڑے بڑے کلاں گیند نے تو کبھی ہم کو دھوکا نہیں دیا ہے اس دفعہ کیا ہوا جو اس عرب کی آستین میں پناہ لی۔ کیا یہ اعرابی کبھی ہمارا بادشاہ ہو سکتا ہے؟ یہ کلام جس سادہ لوحی سے اُن کی زبان سے نکلا تھا اوسی طرح اس نے عمرو عاص کے دل میں ایسا اثر کیا کہ ان کو اپنی کامیابی کا کلّی یقین ہو گیا۔ اس کے بعد پادڑی نے اُن شاہزادوں سے

Marfat.com

اپنا سارا قصہ بیان کیا اور ہر شخص سے مستدعی اعانت ہوا۔ ہر شخص نے حسب لیاقت اشرفیاں دیں جس سے فوراً وہ تعداد دو ہزار کی پوری ہو گئی جس کا وعدہ یاوڈری نے کیا تھا۔ بعدہٗ بکمال عزت و احترام ان کو رخصت کیا (حسن المحاضرہ ص۴۲ ج۲) آپ معلوم ہوا یہی وہ قوت محرک تھی جس نے عمرو عاص کو تسخیر ملک مصر پر آمادہ کیا کہ باوصف مخالفت خلیفہ وہ تین چار ہزار فوج سے حملہ آور ہوئے اور بہت کم زمانہ میں مصر کو فتح کیا۔

تیسری فصل

فتوحات شیخین کی کامیابی کا راز

گزشتہ صفحوں میں تم پڑھ چکے ہو کہ چند صحرانشینوں نے کیونکر فارس و روم کا دفتر اُلٹ دیا؟ اس کا جو جواب یورپین مورخوں نے دیا ہے اس کو بھی پڑھ چکے اور مولوی شبلی صاحب نے جو وجہ بیان کی اس کو بھی دیکھ چکے لیکن اصلیت سے دونوں ہی دور ہیں۔ اس کا واقعی سبب یہ تھا کہ اوس زمانہ کے غیر تعلیم یافتہ عربوں کو جہاد کا مطلب غلط ذہن نشین کرا دیا گیا جس کی وجہ سے اُن کو یقین ہو گیا کہ خلیفہ وقت جس سے لڑے۔ جس ملک پر حملہ کرے۔ جس قوم کے تباہ و برباد کر دینے اور جس مذہب کو فنا کر دینے کا حکم دے اس کے لئے آمادہ ہو جانا درحقیقت جہاد ہے جس کو خدا و رسولؐ نے ہر مسلمان پر واجب کیا ہے۔ اور جو شخص اس پر عمل نہیں کرے گا وہ جہنم میں جائے گا اور جو اپنی جان لڑا دے گا اوس کو بہشت میں جگہ ملے گی اور حور و غلمان سے وصل کی لذت حاصل ہو گی۔ اور چونکہ خدا نے جہاد و مجاہدین کے اجر و فضل کو قرآن مجید میں اور حضرت رسولخدا صلعم نے اپنی حدیثوں میں بہت کثرت سے بیان کیا ہے اس وجہ سے سب نے خیال کر لیا کہ کفار سے بے وجہ لڑنا بھی ان کل درجات و فضائل کا مستحق بنا دیتا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں خدا نے فرمایا ہے کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم۔ مسلمانو! تم پر کافروں سے جہاد فرض کیا گیا۔ اور وہ

Marfat.com

تم کو ناگوار ہوگا (پ ۲ ع ۲۶) ان الذین آمنوا والذین ھاجروا وجاھدوا
فی سبیل اللہ اولئک یرجون رحمۃ اللہ واللہ غفور رحیم - جو لوگ
ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی راہ میں لڑے ان ہی کو رحمت خدا کی امید
ہے اور اللہ غفور رحیم ہے (پ ۲ ع ۲۷) ولئن قتلتم فی سبیل اللہ او متم
لمغفرۃ من اللہ ورحمۃ خیر مما یجمعون - اگر تم راہ خدا میں مارے جاؤ یا مر جاؤ
تو اللہ کی بخشش اور رحمت اس چیز سے بہتر ہے جو وہ بٹور رہے ہیں (پ ۴ ع ۱۷)
فالذین ھاجروا واخرجوا من دیارھم واوذوا فی سبیلی وقاتلوا
وقتلوا لاکفرن عنھم سیئاتھم ولادخلنھم جنات تجری من تحتھا الانھار
ثوابا من عند اللہ واللہ عندہ حسن الثواب جن لوگوں نے ہجرت کی اپنے
گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور قتل کئے
گئے البتہ میں ان کے گناہوں کو مٹا دوں گا اور ایسے بہشتوں میں ان کو جگہ دونگا
جن میں نہریں بہتی ہیں - یہ اللہ کے پاس سے ان کو ثواب ملے گا - اور اللہ کے
پاس کیسا اچھا ثواب ہے (پ ۴ ع ۱۰) - اسی طرح بکثرت آیات ہیں مگر درحقیقت
سب اوس وقت کے لئے ہیں جب جنگ دفاعی ہو یعنی مسلمانوں پر غیر مسلموں
کی طرف سے حملہ کیا جائے - وہ ستائے جائیں - پریشان کئے جائیں - ان کی
ذات - مال - جائداد اور مذہب کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی جائے تب
اُن سے لڑنا صحیح جہاد ہے تاکہ اہل اسلام کی مذکورہ بالا چیزیں محفوظ رہیں اور
جو جنگ اس معیار سے نہیں ہوگی وہ جہاد نہیں بلکہ جدال ہے - قرآن مجید نے
اس مسئلہ کو بھی متعدد آیتوں میں صاف کر دیا ہے - واضح طور پر کہتا ہے :-
وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب
المعتدین - اور جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی اللہ کی راہ میں ان سے لڑو اور زیادتی
مت کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (پ ۲ ع ۲۴) ولا یزالون
یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا اور یہ کافر تو ہمیشہ تم سے
لڑتے رہیں گے اس غرض سے کہ اگر ان کا بس چلے تو تم کو تمہارے دین سے

Marfat.com

پھر ایں (پ ۲ ع ۲۷) یا ایھا الذین آمنوا خذوا حذرکم فانفروا ثبات او انفروا جمیعا - اے ایمان والو اپنے بچاؤ لئے رہو اور جتھے جتھے نکلو یا سب مل کر نکلو (پ ۵ ع ۱۰) ومالکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا - اور مسلمانو! تم کو کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں اور اُن بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کے لئے دشمنوں سے نہیں لڑتے جو عاجز آ کر خدا سے دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے کہیں نجات دے جہاں کے رہنے والے ہم پر ظلم کر رہے ہیں اور خود ہی اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا اور خود ہی کسی کو اپنی طرف سے ہمارا مددگار بنا (پ ۵ ع ۷) - وان جنحو اللسلم فاجنح لھا اگر کافر صلح کرنا چاہیں تو تم بھی صلح کر لو (پ ۱۰ ع ۴) - وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ - اور مشرکوں سے سب مل کر لڑو جس طرح وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں (پ ۱۰ ع ۱۱) - غرض اس مضمون کی بے شمار آیتیں ہیں کہ اگر کفار تم پر حملہ کریں تم پر ظلم کریں - تمہیں نقصان پہنچائیں تب ان کا جواب دینے یعنی اپنے کو بچانے کے لئے تم بھی اُن سے لڑو - اور اگر وہ اسے ترک کر دیں یا صلح چاہیں تو تم بھی جنگ روک دو - حضرت رسول خدا صلعم کی حدیثیں بھی اسی مقصود کی ہیں اور حضرتؐ کا طرز عمل بھی یہی رہا - مکہ معظمہ میں حضرت ۱۳ سال تک نبوت کے بعد رہے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کا کوئی دقیقہ اوٹھا نہیں رکھا - اس کے عوض حضرتؐ پر پتھر مارے جاتے - کوڑا کرکٹ ڈالا جاتا - اور جھڑیاں پھینکی جاتیں - حضرتؐ کو ساحر - کاہن مجنون کہا جاتا لیکن حضرتؐ نے کوئی جارحانہ قدم نہیں اوٹھایا - جب کفار مکہ حضرتؐ کے قتل پر آمادہ ہوئے اور حضرتؐ نے ہجرت کی تو مدینہ آنے پر بھی حضرتؐ کا وہی اصول عمل رہا - البتہ جب یہاں کفار مکہ نے اپنے مظالم کے ساتھ حضرتؐ سے جنگ کا سامان بھی کیا تب حضرتؐ بھی دفاعی جہاد کرنے کے لئے آمادہ ہوئے - مواہب لدنیہ اور زرقانی میں لکھا ہے کہ خدا نے ۱۲ صفر ۳ھ میں جہاد کی اجازت دی اول

Marfat.com

آیۃ نزلت فی الاذن بالقتال اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر۔ پہلی آیت جو قتال کی اجازت میں نازل ہوئی وہ یہ ہے:۔ اذن للذین الخ یعنی جن سے لڑائی کی جاتی ہے (مسلمان) ان کو بھی اب لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ اُن پر ظلم کیا جاتا ہے اور خدا ان کی مدد پر یقیناً قادر ہے (زرقانی بحوالہ صحیح نسائی جلد ۱ ص ۴۶۶)۔ تفسیر طبری میں ہے کہ جہاد کے متعلق سب سے پہلی آیت یہ نازل ہوئی قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم خدا کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں (پ ۲ ع ۸) غور سے دیکھو کہ دونوں آیتوں میں اونہی لوگوں سے لڑنے کی اجازت ہے جو پہلے مسلمانوں سے لڑنے آتے ہیں۔ اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان درحقیقت لڑنے پر مجبور کئے جاتے تھے۔ غزوات کے حالات تم کو بتائیں گے کہ اس دعوے میں ذرہ برابر مبالغہ نہیں ہے۔ قریش نے رسولؐ کی ہجرت کے ساتھ ہی مدینہ پر حملہ کی طیاریاں شروع کر دی تھیں جن کا انجام غزوۂ بدر کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ہر عقل فیصلہ کریگی کہ جب مکہ کے کفار آنحضرتؐ پر چڑھائی کر کے آئے اور مسلمانوں کو پیس ڈالنا چاہا تو حضرتؐ کیا اپنے کو اُن سب کا نشانہ بنا دیتے؟ کیا وہ حملہ کرتے رہتے اور حضرت مسلمانوں کو حکم دیتے کہ خاموش تلوار اور نیزہ کا وار کھاتے جاؤ؟ نہیں اور یقیناً نہیں۔ اس وجہ سے آنحضرت صلعم کی طرف سے جنگ مدافعانہ ہی تو ہوئی۔ لیکن بہرصورت کفار سے حضرتؐ کو جنگ کرنی پڑی۔ بس اسی امر کو خلفاء ثلثہ نے اپنے عالم گیری مقصود کی بنیاد قرار دی اور مسلمانوں کو سمجھایا کہ جس طرح رسولؐ کفار سے لڑتے تھے تم بھی لڑو۔ جس طرح حضرتؐ کے حکم سے ان لوگوں کو قتل کیا جاتا تھا۔ اب ہمارے حکم سے دوسروں کے ملکوں پر چڑھائی کر کے سب کو تہ تیغ کرو۔ جس طرح حضرتؐ کے جہادوں میں مخالفین کے ہتھیار۔ جانور۔ مال و اسباب غنیمت کے طور پر لوٹے جاتے تھے تم بھی ایران۔ عراق۔ شام۔ مصر کے باشندوں کو اچھی طرح زیر کرنے اور پوری شکست دینے کے بعد ان کی کل دولت۔ جائداد۔ املاک۔ مال و اسباب پر قبضہ کر لو کہ یہ سب تمہارے لئے جائز۔ حلال۔ طیب طاہر ہے۔ وفات

علی ھذا فلہ مالکم وعلیہ ما علیکم ومن ابے فاعرضوا علیہ الجزیۃ ثم امنعوہ مما تمنعون منہ انفسکم ومن ابے فقاتلوہ فانا الحکم بنیکم۔ فمن قتل منکم ادخلتہ جنتی ومن بقے منکم اعقبتہ النصر علی من ناوأہ۔ ہمارے خدا نے ہم لوگوں سے (اپنے رسولؐ کے ذریعہ) کہا ہے کہ جو لوگ تمہارا مذہب اختیار کریں ان کو وہ کل منافع حاصل ہو جائینگے جو تم کو حاصل ہیں (یعنی ہر حالت میں تم اور وہ لوگ برابر رہیں گے) اور جو لوگ اس مذہب سے انکار کریں اُن سے کہو کہ جزیہ دیں پھر اُن کی ہر اُس چیز سے حفاظت کرو جس سے اپنی حفاظت کرتے ہو۔ اس سے بھی اگر وہ لوگ انکار کریں تو ان سے لڑائی چھیڑ دو۔ کیونکہ تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا میں ہی ہوں کہ جو شخص تم میں سے قتل کیا جائے گا اوس کو میں اپنے بہشت میں جگہ دوں گا اور جو شخص بچ جائے گا اس کی مدد کرکے میں اس کو دشمن پر غلبہ دے دوں گا (طبری جلد ۴ صـ۵۹) جس خدا نے صاف فرمادیا ہے لا اکراہ فی الدین وہ کیا کہہ سکتا ہے کہ جو شخص اس دین کو قبول نہ کرے اوس سے قتال کرو؟ پھر اسکے بارے میں ایسا کہنا کیا اس پر افترا و بہتان نہیں ہے؟ غرض اسی قسم کے عقائد ان لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دیئے گئے تھے کہ جو شخص کفار کو مذہب اسلام میں نہ لاسکے وہ اس کو تلوار کے خوف سے ادھر لائے۔ اگر اس پر بھی کامیابی نہ ہو تو اس کو قتل کر دے۔ اگر قتل کرنے میں کامیابی ہو تو اس کا مال و اسباب ملے گا۔ اگر اس میں کامیاب رہا اور خود قتل ہو گیا تو شہید مرا اور اس کو خدا بہشت کے اعلیٰ درجہ میں جگہ دیگا۔ پھر کون مسلمان ایسا ہو سکتا ہے جو کفار سے لڑنے میں دبے یا ڈرے یا جھجکے۔ یا کسی امر کی پروا کرے۔ اسی وجہ سے ان کو غیر معمولی کامیابی ہوتی گئی اور اسلامی فتوحات کا سیلاب خوب بڑھتا گیا۔ اسی جنگ کے سلسلہ میں عرب کے مشہور خطیبوں نے جو خطبے دیئے ہیں اُن سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو اس بات پر برانگیختہ کرتے تھے کہ جان توڑ کر لڑو۔ اگر تم فتحیاب ہوئے تو مال غنیمت کی حد و حساب نہیں ہے اور اگر تم قتل کئے گئے تو تمہارے قبضہ سے جنت نہیں جاتی۔ قیس بن ہبیرہ نے کہا لوگو کیا دیکھتے ہو گھمسان کی لڑائی لڑو فان الجنۃ او الغنیمہ امامکم کیونکہ تمہارے

Marfat.com

آگے یا بہشت ہے یا مال غنیمت (تاریخ طبری جلد ۴ صـ۱۹۵) ۔ اور عاصم بن عمرو نے کہا یا معاشر العرب انکم اعیان العرب وقد صمد تم الاعیان من العجم وانما تخاطرون بالجنۃ ویخاطرون بالدنیا فلا یکونن علی دنیاھم حوط منکم علی آخرتکم۔ اے عرب کے سردارو! تم عجم کے سرداروں کے مقابلہ میں بڑھے ہو۔ اور تم لوگ بہشت حاصل کرنے کے لئے اپنی جان خطرے میں ڈالتے ہو۔ اور یہ ایرانی دنیا حاصل کرنے کے لئے تمہارا مقابلہ کرتے ہیں تو دیکھو یہ لوگ اپنی محبت دنیا کو تمہاری محبت آخرت سے زیادہ نہ ثابت کردیں۔

اور ربیع بن بلاد نے کہا یا معاشر العرب قاتلوا للدین والدنیا وسارعوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضھا السماوات والارض ... وقام فیھم بنحو من ھذا الکلام وتواثق الناس وتعاھدوا واھتاجوا کل ما کان ینبغی لھم۔ اے عرب والو! اپنے مذہب اور دنیا کے لئے خوب لڑو۔ اور اپنے پروردگار کی اس بخشش اور بہشت کی طرف دوڑو جس کی وسعت کل آسمان و زمین ہیں ... غرض بہت سے مقرر اور شاعر اسی قسم کا کلام کرتے رہے جس پر لوگوں میں اتنا جوش پیدا ہو گیا کہ سب نے ایک دوسرے سے قسمیں کھالیں۔ عہد و پیمان کر لئے اور جس قدر اُن کے بس میں تھا مارنے اور مرنے پر تل گئے (طبری جلد ۴ صـ۱۱۶) ۔ مولوی شبلی صاحب نے سب کا خلاصہ لکھا ہے "فوجیں آراستہ ہو چکیں تو عرب کے مشہور شعراء اور خطیب صفوں سے نکلے اور اپنی آتش فشانی سے تمام فوج میں آگ لگا دی۔ شعراء میں شماخ ... اور خطیبوں میں قیس ... میدان میں کھڑے تقریریں کر رہے تھے اور فوج کا یہ حال تھا کہ اُن پر کوئی جادو کر رہا ہے ... اس کے ساتھ قاریوں نے میدان میں نکل نکل کر نہایت خوش الحانی اور جوش سے سورہ جہاد کی آیتیں پڑھنی شروع کیں جس کی تاثیر سے دل ہل گئے اور آنکھیں سرخ ہو گئیں (الفاروق جلد ۱ صـ۱۰۵) [1]

[1] اس جگہ بعض تاریخوں کا یہ بیان بھی دلچسپی سے دیکھا جائیگا کہ نخیر جان ایک ایرانی

چوتھی فصل

غزوات رسول اور فتوحات خلفاء ثلثہ میں فرق

خلیفہ کا معنے قائم مقام ہے۔ اس وجہ سے خلفاء ثلثہ کی فتوحات اس شان کی ہونی چاہئیں جو خود بتائیں کہ یہ حضرت رحمۃ للعالمین کے جانشینوں کے کارنامے ہیں۔ دلائل

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶۹) امیر خسرو پرویز کے ساتھ بہت تقرب رکھتا تھا۔ اوسکی بیوی جو اپنے زمانہ کی عورتوں میں سب سے زیادہ خوبصورت تھی خسرو کے محل میں آتی جاتی تھی۔ خسرو پرویز نے اس سے مخفی تعلق کر لیا۔ مگر یہ بھید نخیرجان پر کھل گیا تو اوس نے اپنی بی بی سے علیحدگی اختیار کر لی۔ خسرو پرویز کو پتا چل گیا کہ اس کی زوجہ سے جو اس کا ناجائز تعلق ہو گیا اس کی خبر نخیرجان کو ہو گئی ہے۔ اس نے ایک دن نخیرجان سے سادہ لوح بن کر کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ تمہارے پاس آب خوشگوار کا ایک چشمہ ہے مگر تم اس سے پانی نہیں پیتے۔ نخیرجان نے جواب دیا کہ بادشاہ سلامت! میں اوس چشمہ سے برابر پانی پیا کرتا تھا لیکن ایک روز اس چشمہ کے قریب میں نے شیر کے پاؤں کا نشان دیکھا جس سے مجھ پر خوف غالب ہوا پھر اُس چشمہ کے پاس نہیں جا سکا۔ (بادشاہ) خسرو کو یہ جواب بہت پسند آیا۔ اپنی عورتوں کے محل میں آکر جو تعداد میں تین ہزار تھیں سب کا زیور لے کر اپنی معشوقہ (نخیرجان کی بیوی) کو دے دیا اور ایک سونے کا تاج جس میں یاقوت اور موتی جڑے ہوئے تھے نخیرجان کو عطا کیا۔ جب نخیرجان جنگ قادسیہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا تو اوسکی اولاد نے وہ تاج مرصع اور تمام وہ زیور و جواہر نہاوند کے ایک گاؤں میں دفن کر دیئے۔ نہاوند کی لڑائی میں جب وہ لوگ بھی جو اس خزانہ پر متصرف تھے مارے گئے تو ایک دہاتی شخص نے عربوں کے ایک شخص سائب بن اقرع کے پاس آکر کہا اگر تم میری جان و مال اور اولاد اور ساتھیوں کو امان دو تو میں تم کو ایسا خزانہ بتاؤں جس کی قیمت کا

الفقر فخری (فقر و ناداری پر مجھے فخر ہے) کی مایہ ناز دینی خدمات ہیں۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حضرت رسول صلعم کے غزوات کے بالکل برعکس ان خلفاء کی فتوحات کی تفاصیل ہیں۔ اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کی اعانت کے لئے بیت المال کی ضرورت ہوتی تو حضرت رسولخدا صلعم کافروں کے یہاں ڈاکہ نہیں ڈالتے صحابہ کرام کو ڈاکو نہیں بناتے۔ دوسروں کی جائداد زبردستی نہیں لیتے۔ دوسروں کو تلوار کے زور سے اپنا غلام نہیں بناتے۔ دوسرے ملکوں پر حملہ نہیں کرتے تھے بلکہ صرف خدا کا سچا دین لوگوں کے دلوں میں راسخ کرنے کی کوشش فرماتے تھے اپنا مشن صرف یہ رکھا تھا کہ لوگ خدا کو مانیں۔ اوسکی معرفت حاصل کریں اوسکے سچے مذہب کو اختیار کرکے آدمی بنیں۔ اخلاق کریمہ سے آراستہ ہوں۔ صفات حسنہ سے متصف ہوں۔ دوسروں کو بھی دنیا میں آرام سے زندگی بسر کرنے کا موقع

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷) کوئی شخص اندازہ تک نہ کرسکے۔ سائب نے کہا اگر تیری بات سچی ہے تو تیری درخواست منظور ہے۔ غرض سائب نے اپنے معتمد آدمی اس دہاتی شخص کے ساتھ کردیئے اور دہقان کے بتانے پر اونھوں نے ایک مقام سے دو صندوق نکالے ایک میں کسرے کا مرصع تاج تھا اور دوسرے میں کسرے کی بی بیوں کے وہ زیورات و جواہر تھے جو خسرو پرویز نے نیخرجان اور اوسکی بیوی کو عطا کئے تھے۔ حذیفہ بن الیمان نے مال غنیمت کا خمس اور یہ دونوں صندوق سائب بن اقرع کے ساتھ حضرت عمر کی خدمت میں مدینہ روانہ کردیئے۔ طبری ابن اثیر اور سید احمد دحلان وغیرہ نے سائب سے روایت کی ہے وہ کہتا تھا کہ حضرت عمر نے ان صندوقوں کو دیکھکر کہا کہ انہیں بیت المال میں داخل کردے اور تو اپنے لشکر سے جا مل۔ ہم سوچینگے کہ ان جواہرات کو کیا کیا جائے۔ سائب کہتا ہے کہ میں نے وہ صندوق بیت المال میں داخل کردیئے اور میں فوراً مدینہ سے نکل کر کوفہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ اوس رات کو حضرت عمر سوکر جب صبح کو اوٹھے تو اونھوں نے ایک قاصد میرے پیچھے روانہ کیا۔ لیکن وہ مجھ تک اوس وقت پہنچا جب میں کوفہ میں داخل ہوچکا تھا۔ پس اوس نے

Marfat.com

دیں۔ ایک دوسرے کے حقوق کا خیال کرے۔ سب میں اتفاق و اتحاد پیدا ہو۔ سب زیور تعلیم سے آراستہ ہو کر علمی روشنی حاصل کریں۔ دنیا کو مزرعہ آخرۃ سمجھکر اس کو کامیابی سے بنا ہیں۔ اور زندہ رہو اور زندہ رہنے دو کا اصول ہر شخص سختی سے اختیار کرے اور اس کا پابند بنے۔ لیکن خلفاء ثلثہ کے کل فتوحات کا اصول یہ نظر آتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے دنیا کی دولت حاصل کی جائے۔ ملکوں کو فتح کیا جائے۔ جائدادیں قبضہ میں کی جائیں۔ دوسرے لوگ اہل اسلام کی غلامی کا کلمہ پڑھیں۔ زبردستی اس دین کو اختیار کریں ورنہ جزیہ دیں۔ اگر ان دونوں صورتوں میں عذر ہو تو تلوار کے پانی سے سیراب ہوں۔

آنحضرتؐ کے غزوات اور خلفاء ثلثہ کے فتوحات کا یہ فرق دونوں کے تاریخی حالات دیکھنے سے بہت آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ آنحضرتؐ نے مکہ معظمہ میں تبلیغ

(بقیہ حاشیہ صـ۳۷۱) مجھ سے کہا چل امیر المومنین نے تجھے بلایا ہے۔ میں فوراً اُسکے ساتھ ہو لیا۔ جب حضرت عمر فاروق کے پاس آیا حضرت نے مجھے اپنے پاس بٹھایا اور فرمایا کہ جس رات کو تو مدینہ سے گیا ہے اوسی رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ فرشتے مجھے ان صندوقوں کے پاس لے گئے اور ان میں سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے (روضۃ الاحباب میں ہے کہ فرشتے ان جواہرات کو میری طرف پھینکتے تھے اور وہ چنگاریاں میرے بدن سے چمٹ جاتی تھیں۔ میں نے ان کے ہاتھ سے مجبور ہو کر اپنے خدا سے عہد کیا کہ اوس خزانے کو اوسی لشکر کے لوگوں میں تقسیم کرادوں گا۔ اور ان فرشتوں نے) کہا ہم ان میں تجھے ڈال دینگے پس میں نے قسم کھائی کہ میں ان کو مسلمانوں میں تقسیم کردوں گا۔ اے سائب ان کو لے جا اور بیچکر مسلمانوں میں تقسیم کردے پس میں نے اُن کو مسجد کوفہ میں فروخت کے لئے لاکر رکھا تھا۔ تاجروں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور عمرو بن حریث مخزومی نے وہ سب ۲۰ لاکھ درہم کو خرید لئے (روضۃ الصفا جلد ۲ صـ۲۸۲ و روضۃ الاحباب و تاریخ اعثم کوفی) اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ خدا ایسے مال و دولت اور اسکے حاصل کرنے والونکو کس طرح دیکھتا ہے ۱۲

Marfat.com

شروع کی، لوگوں کو دین اسلام کی طرف بلانے لگے۔ اور معبود برحق کی عبادۃ کی طرف سب کو متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ برخلاف اسکے خلفاء ثلثہ نے عراق۔ ایران۔ شام۔ مصر۔ دور دراز کے ملکوں پر حملے کئے اور جس قدر ان لوگوں کو دولت ملتی جاتی تھی اُتنا ہی زیادہ ان کا شوق ملک گیری و جہان رانی بڑھتا جاتا تھا برخلاف اسکے حضرت رسولخدا صلعم نے ایک منٹ کے لئے بھی دولتِ دنیا کی طرف نظر نہیں کی۔ اگر حضرت رسولخدا صلعم کا مقصود بھی دنیا کو فتح کرنا ہوتا تو حضرتؐ بجائے مذہب کی مخالفت خیز تحریک شروع کرنے کے کفار مکہ کو جمع کرکے فرماتے کہ بھائیو! کیوں میری مخالفت کرتے ہو۔ تم لوگ بہت نادار اور گمنام ہو۔ آؤ ہم سب مل کر دنیا کو فتح کرنے کی کوشش کریں۔ ہم سب دوسرے ملکوں پر حملہ کریں۔ وہاں کے رہنے والوں کو قتل کریں۔ وہاں کے لوگوں کو غلام بنائیں اور خود سب پر حکومت کریں کہ اس سے دنیا کی پوری ترقی حاصل ہوگی۔ لذات دنیا اچھی طرح ملینگی اور عیش و عشرت کی زندگی ہم لوگوں کے قدم چومے گی۔ ہم سب لوگ بالکل بدوؤں کی جنگلی اور وحشی زندگی بسر کرتے ہیں۔ جانوروں میں اور ہم لوگوں میں بہت کم فرق ہے۔ دنیا کے مزوں سے ہم سب ناآشنا ہیں۔ ایک جگہ پڑے ہوئے دوسرے مقامات کی عافیت و راحت کے ذرائع سے بالکل بے خبر ہیں۔ کیوں نہ اپنی تلوار، نیزے اور تیروں کے زور پر ہم لوگ نکل پڑیں اور دنیا کو اپنے قبضہ میں کرکے اپنی زندگی زمین سے آسمان پر پہنچا دیں۔ لیکن حضرت رسولخدا صلعم کی غرض تو دنیا کی ترقی یا راحت یا عیش سے ذرہ برابر کا لگاؤ نہیں رکھتی تھی۔ صرف دین حق کی تبلیغ آپ کی زندگی کا اصلی مقصود تھا۔ اگر حضرتؐ کی غرض ملکی فتوحات ہوتیں تو کفار مکہ بجائے دشمن ہونے کے حضرتؐ کے غلام ہو جاتے اور سکندر و چنگیز کی طرح اوسی وقت عربی حملوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا لیکن حضرتؐ نے تو اس کو کبھی بھی پسند نہیں کیا۔

مورخین نے لکھا ہے" غرض جب آنحضرتؐ نے اعلان دعوت کیا اور بت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی تو قریش کے چند معززوں نے ابوطالب سے آکر شکایت

Marfat.com

کی - ابوطالب نے نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا - لیکن چونکہ بنائے نزاع قائم تھی یعنی آنحضرتؐ ادائے فرض سے باز نہ آسکتے تھے اس لئے یہ سفارت دوبارہ ابوطالب کے پاس آئی - اس میں تمام روساے قریش - یعنی عتبہ بن ربیعہ شیبہ - ابوسفیان وغیرہ شریک تھے - اِن لوگوں نے ابوطالب سے کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے - ہمارے آبا و اجداد کو گمراہ کہتا ہے ہم کو احمق ٹھہراتا ہے - اس لئے یا تو تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ یا تم بھی میدان میں آؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے - ابوطالب نے دیکھا کہ اب حالت نازک ہو گئی ہے - قریش اب تحمل نہیں کر سکتے اور میں تنہا قریش کا مقابلہ نہیں کر سکتا آنحضرتؐ سے مختصر لفظوں میں کہا کہ جان عم! میرے اوپر اتنا بار نہ ڈال کہ میں اوٹھا نہ سکوں - رسولؐ اللہ کی ظاہری پشت و پناہ جو کچھ تھے ابوطالب تھے آنحضرتؐ نے دیکھا کہ اب اُن کے پائے ثبات میں بھی لغزش ہے - آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا خدا کی قسم یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند لا کر دے دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤنگا خدا یا اس کام کو یورا کرے گا یا میں خود اس پر نثار ہو جاؤں گا - آپکی پُر اثر آواز نے ابوطالب کو سخت متاثر کیا - رسولؐ اللہ سے کہا جا! کوئی شخص تیرا بال بیکا نہیں کر سکتا" (سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۱۶۲ و ابن ہشام ص ۸۹) - اگر حضرتؐ رسولخدا صلعم دنیا حاصل کرنے، اس عالم میں ترقی کرنے - ملکی فتوح کرنے دوسروں کو اپنا غلام بنانے اور دنیوی دولت و حکومت کا مزہ لوٹنے کی غرض سے تشریف لائے ہوتے تو اس موقع پر بہت آسانی سے کفار کو جواب دیتے کہ تم لوگ کیوں میری مخالفت کر رہے ہو؟ اس دین کو قبول کر لو تاکہ دنیا کے فتح کرنے کا سامان کیا جائے - میرا کلمہ پڑھنے لگو تاکہ عراق و ایران و شام و مصر پر فوج کشی کی کوشش کی جائے - مسلمان ہو جاؤ تاکہ دنیا کی دولت پر قبضہ کر سکو اور دوسرے ملکوں کے خزانے لُٹ کر تمہارے گھروں میں بھر جائیں - لیکن حضرتؐ جس کام کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے اوس کے مقابلہ میں سورج اور چاند کے قبضہ کو بھی کوئی چیز

Marfat.com

نہیں سمجھے ۔ اب خود طے کر لو کہ حضرت رسو لخدا صلعم کے غزوات اور خلفاء ثلثہ کی فتوحات میں کیا فرق ہے ؎۱

؎۱ البتہ حضرت علیؑ کے جہاد بالکل حضرت رسو لخدا صلعم کے غزوات کے مشابہ تھے۔ جس طرح حضرت رسو لخدا صلعم نے صرف دفاعی جہاد کیا۔ اسی طرح حضرت علیؑ نے اپنے زمانہ میں صرف دفاعی جنگ کی۔ جس طرح حضرت رسو لخدا صلعم نے اپنے مخالفین کا اوس وقت جواب دیا جب آں حضرتؐ پر ان لوگوں کی طرف سے حملے ہونے لگے ۔ اسی طرح حضرت علیؑ نے بھی جنگ جمل، جنگ صفین، اور جنگ نہروان میں اوسی وقت جنگ کی جب آپ کے مخالفین کسی طرح حق کی طرف واپس نہیں آئے ۔ جس طرح حضرت رسولؐ اپنی ذات ۔ اپنے صحابہ اور اپنے کلمہ گویوں کی حفاظت کے ذمہ دار تھے کہ مخالفین کے مصائب سے ان کو روکنے کی کوشش کریں اوسی طرح حضرت علیؑ بھی اپنے ماننے والوں اور بیعت کرنے والوں کی جان و مال کے حافظ تھے کہ کوئی ان کو ستانا چاہے تو حضرتؑ ان کے بچانے کی کوئی کوشش اوٹھا نہ رکھیں ۔ اور جس طرح حضرت رسولؐ اہل اسلام کو تاکید کرتے تھے کہ خبردار انسانی اخلاق و آداب سے جنگ میں بھی خالی نہ رہنا ۔ اسی طرح حضرت علیؑ بھی اپنی فوج کو حکم دیتے تھے کہ کمزوروں ۔ شکست کھانے والوں اور بھاگنے والوں کے ساتھ رحم دلی کا برتاؤ کرنا ۔ اپنی طرف سے کبھی ابتداء نہ کرنا ۔ پہلے سب کو اچھی طرح سمجھانا ۔ وعظ و پند کرنا ۔ پوری طرح اتمام حجت کر لینا ۔ ہر طرح غلط فہمی دور کر لینے کی کوشش کرنا ۔ اور جب وہ کسی طرح نہ مانیں تم کو قتل ہی کرنے پر آمادہ رہیں تب تم صرف اپنے کو بچانے کے لیے ان کا جواب دینا ۔ حضرت علیؑ ظاہری خلیفہ ہوئے تو آپ کو دو مرحلے پیش ہوئے ۔ ایک دنیوی ۔ دوسرا دینی ۔ دنیوی مرحلہ کہتا تھا کہ جس طریقہ پر آج تک عمل درآمد ہوتا رہا آپ بھی کیجئے کہ چین سے حکمرانی فرمائیے ۔ سابق ارکان سلطنت پر بوجھ ڈال دیجئے جس طرح چاہیں فتوحات کریں ۔ حضرتؑ اس میں مزاحمت نہ کریں ۔ ظالموں کو معزول نہ

پانچویں فصل

کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلا؟

مخالفینِ اسلام یہ اعتراض بہت زور شور سے کرتے ہیں اور کئی سو سال سے اسکی ادھم مچی ہوئی ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا۔ لوگوں کو موت کے ڈر سے خوف زدہ کرکے اس دین میں لایا گیا۔ قتل و ہلاکت کی دھمکی دیکر

(بقیہ حاشیہ ص۳۷۵) کریں۔ مظلوموں کی فریاد نہ سُنیں۔ چنانچہ مشورے بھی اسی کے دیئے جاتے۔ یہاں تک کہ حضرتؑ کے اخص خواص بھی یہی رائے دیتے رہے۔ مگر دینی مرحلہ کہتا تھا کہ حضرتؑ پر جو بھی گزر جائے لیکن آپ اسلام حقیقی کی تعلیم قائم کریں۔ اور لوگوں کو بتادیں کہ سچا اسلام کیا چاہتا ہے کن اصول پر جہاد ہو کن اصول پر فتوحات ہوں۔ کن اصول پر انتظام ہو۔ کن اصول پر قضایا فیصل کئے جائیں۔ کیا قواعد مقرر ہوں جن سے لوگوں کو معلوم ہو کہ اسلام کی اصلی تعلیم کیا ہے۔ اسکے واقعی احکام کیا ہیں۔ اس کے سچے اصول کیا ہیں۔ کیونکہ حالت موجودہ میں تو اسلام ایک غارتگر مذہب ثابت ہوتا ہے جس میں بجز شکم پروری اور جبر و تعدی کوئی خوبی نظر نہیں آتی۔

حضرت علیؑ کی کشمکش اس وجہ سے اور بڑھ گئی کہ جس طرف سے آواز آتی یہی کہ آپ اپنے سابق خلفاء کی تقلید کریں اوسی راہ پر چلیں۔ وہی طریقہ اختیار کریں۔ اوسی سیرت پر گامزن ہوں کہ اس طرح تمام مہمات خلافت درست ہوجائینگے مگر جو بزرگ اس لئے پیدا ہوا ہو کہ خدا اور رسولؐ کے احکام کی پیروی کرے۔ جو اس لئے دنیا میں آیا ہو کہ سنت رسولؐ سے ایک انچ ادھر اُدھر قدم نہ رکھے۔ جو اس غرض کے لئے مخلوق ہوا ہو کہ اصلی اسلام کا مزبی ہو۔ سچے اسلام کی ترویج کرے۔ وہ کیونکر دنیا کو دین پر ترجیح دے سکتا ہے؟ وہ کس طرح اسلام کو ذلیل

اُن سے خدا اور رسُول کا کلمہ پڑھوایا گیا۔ اُن کو دینوی طاقت و ترقی و حکومت و راحت کی امیدیں دلاکر اس مذہب کی اشاعت کی گئی۔ اُن کو عہدے اور مناصب کا لالچ دے کر مسلمان بنایا گیا۔ اگر حکومت کی طاقت نہیں صرف ہوتی اگر فوج کشی نہ کی جاتی۔ اگر سر پر تلوار رکھ کر اسلام لانے کو نہ کہا جاتا۔ اگر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۶) و خوار کر سکتا ہے؟ وہ کس دل سے اسلام کی روح کو تباہ کر سکتا ہے؟ وہ کیونکر اسلام پر ایسا بد نما دھبہ آنے دے سکتا ہے جو قیامت تک نہ مرتفع ہو۔ کیونکہ اب تو سب یہی کہیں گے کہ خلافت اوسی شخص کے ہاتھ میں گئی جو ابتدا سے اس دین کا وزیر اور مشیر تھا۔ پھر کیوں وہی مظالم جاری رہے اور اسی ملک گیری و جہان رانی کو رائج کیا جس پر پہلے روتے تھے کہ ہائے اسلام بدنام ہو رہا ہے لہذا حضرت نے دین کو دنیا پر ترجیح دی اور خود زحمتوں کو گوارا کیا کہ اسلام کے سر سے کسی طرح یہ الزام دور ہو۔ اگرچہ حضرتؓ کو خود ایک منٹ کا آرام بھی نہ ملے۔ مثلاً جنگ جمل میں حضرتؓ نے کیا عمل اختیار کیا۔ غور سے سنو: عن مالک بن الجون قال قام علی بالربذۃ فقال من احب ان یلحقنا فلیلحقنا ومن احب ان یرجع فلیرجع ماذدناله غیر حرج ... ولما التقی الفریقان یوم الجمل صف امیر المومنین الناس ثم نادے لایرمین رجل بسهم ولا یطعن برمح ولا یضرب بسیف ولا تبدوا الیوم بالقتال وکلموهم بالطف کلام لان هذا مقام من فلح فیه فلح یوم القیامة۔ فلم یزل وقوفا حتے تعالے النهار فنادے القوم باجمعهم یا ثارات عثمان۔ فنادے علی محمد بن الحنفیة ما یقولون، قال یقولون یا ثارات عثمان فرفع علی یدیه فقال اللهم اکب الیوم قتلة عثمان لوجوههم۔ وعن محمد بن عمر بن علی لم یقاتل یوم الجمل حتے دعا الناس ثلاثا حتے اذا کان الیوم الثالث دخل علیه الحسن والحسین وعبد الله بن جعفر فقالوا قد اکثروا فینا الجراح۔ فقال یا ابن اخی والله ما جملت شیئا من امرهم الا ما کانوا فیه وقال لی

اسلام سے انکار کرنے کی سزا موت یا غلامی نہ قرار دی جاتی تو اسلام کی اتنی اشاعت نہیں ہوتی - غالباً یہ اعتراض حضرت ابو بکر و عمر ہی کی فتوحات سے پیدا ہوا کیونکہ حضرت رسولخدا صلعم نے تو کسی کافر، کسی مشرک کو اسلام کے لئے نہ قتل کیا - نہ گرفتار کرایا - نہ کوئی سزا دی - البتہ کفار عرب جب خود حضرتؐ سے لڑنے کے

(بقیہ حاشیہ ۳۷۷) ماء فصب له ماء فتوضأ ثم صلی رکعتین حتی اذا فرغ رفع یدیه ودعا به وقال ان ظفرتم علیهم فلا تطلبوا مدبرا ولا تجهزوا علی جریح وانظروا ما حضروا به الحرب من آنیة فاقبضوه وما کان سوی ذلک فهو لورثته - وعن بشر الشیبانی فی قصة حرب الجمل قال فاجتمعوا بالبصرة فقال علی من یاخذ المصحف ثم یقول لهم ما ذا تنقمون تریدون دماءنا ودماءکم فقال رجل انا یا امیر المومنین قال انک مقتول قال لا ابالی - فاخذ المصحف فذهب به الیهم فقتلوه ثم قال من الغد مثل ما قال الامس فقال رجل انا - فقال انک مقتول کما قتل صاحبک قال لا ابالی فذهب فقتل ثم قال آخر کل یوم فاجد قد حل لکم قتالهم الان فبرز هولاء وهولاء فاقتتلوا قتالا شدیدا فرد علیهم ما کان فی العسکر حتی القدر - مالک بن جون سے روایت ہے کہ جب حضرت علیؑ بقصد جنگ جمل مدینہ سے روانہ ہوئے تو بمقام ربذہ قیام کیا اور فرمایا جو شخص چاہے ہم سے ملے اور جو چاہے واپس جائے - اس کو میری دلی اجازت ہے - کوئی حرج نہیں - اس پر حضرت امام حسنؑ کھڑے ہو گئے اور عرض کی اے پدر بزرگوار! اگر آپ کسی سوراخ میں بھی چھپے رہتے اور عرب کو آپ کی حاجت ہوتی تو وہیں سے آپ کو نکال کر لاتے - حضرت علیؑ نے فرمایا بیٹا میں نے اس معاملہ کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے - اور جب دونوں فوجیں ملیں تو حضرت امیر المومنینؑ نے اپنی فوج کی صف درست کر کے لوگوں میں منادی کرا دی کہ خبردار کوئی شخص دشمن کے کسی شخص پر تیر نہ چلائے - نہ اس کو نیزہ سے مارے -

لئے بڑھے اور مسلمانوں کو مٹا دینے کی کوشش کی تو حضرتؑ نے اپنے کو بھی بچایا اور مسلمانوں کی حفاظت کے لئے بھی تلوار اُٹھائی۔ کل غزوات کے حالات پڑھ جاؤ کسی ایک سے بھی نہیں معلوم ہوتا کہ کسی لڑائی میں حضرتؑ کی طرف سے جنگ کی ابتدا کی گئی ہو اور صرف سلطنت قائم کرنے یا اسلام کو تلوار کے زور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۸) اور نہ اس پر تلوار کا وار کرے اور تم لوگ لڑائی کی ابتداء بھی نہ کرو بلکہ پہلے ان لوگوں سے خوب نرمی سے گفتگو کرو۔ کیونکہ یہ ایسی جنگ ہے جس میں جو شخص فتح یاب ہوگا وہ قیامت کے روز بھی کامیاب ہوگا۔ غرض حضرتؑ اسی طرح کھڑے رہے یہاں تک کہ دن بلند ہوا تو حضرت عائشہ کی طرف کے لوگوں نے آواز بلند کی کہ اے عثمان کے خون کا بدلہ چاہنے والو! یہ سُن کر حضرت امیرالمومنینؑ نے جناب محمد بن الحنفیہ سے فرمایا یہ لوگ کیا کہتے ہیں۔ انھوں نے عرض کی کہتے ہیں اے عثمان کے خون کا بدلہ چاہنے والو۔ اس پر حضرت علیؑ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کر دیئے اور فرمایا اے خدا آج عثمان کا خون کرنے والوں کو ان کے منہ کے بل گرا دے۔ اور محمد بن عمر کہتے تھے کہ حضرت علیؑ نے اوس وقت تک حضرت عائشہ کے لشکر سے جنگ نہیں شروع کی جب تک تین دن تک سب کو اچھی طرح سمجھا نہ لیا اور خوب پند و نصیحت نہ کر لی۔ جب تیسرا روز ہوا تو حضرت امام حسنؑ و امام حسینؑ و عبداللہ بن جعفر حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی اب تو ہمارے لشکر کے لوگ بہت کثرت سے زخمی ہو گئے (کب تک حضور ان سے لڑنے کی اجازت نہیں دینگے؟) حضرتؑ نے (اپنے بھتیجے عبداللہ بن جعفر سے) فرمایا اے برادر زادے خدا کی قسم میں کسی حال سے بے خبر نہیں ہوں۔ پھر مجھ سے فرمایا کہ تھوڑا پانی لاؤ۔ پانی لایا گیا تو حضرتؑ نے وضو کیا پھر دو رکعتیں نماز پڑھیں پھر ہاتھ اوٹھا کر دعا کی اسکے بعد ہم لوگوں سے فرمایا اگر تم لوگ ان پر فتح پاؤ تو خبردار کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کرنا اور جو زخمی ہو کر گرے اس پر حملہ نہ کرنا۔ اور دیکھو وہ لوگ جو چیزیں جنگ میں لائے ہوں صرف وہی لوٹی جائیں۔ ان کے علاوہ مقتولین کی جو چیزیں ہوں وہ سب

Marfat.com

سے پھیلانے کے لئے آنحضرت صلعم نے ایک جہاد بھی کیا ہو یا ایک منٹ کے لئے بھی اس کو جائز رکھا ہو۔ اگر ایسا کرنا حضرتؐ کا مقصود ہوتا تو حضرتؐ قرآن مجید کا حکم لا اکراہ فی الدین لوگوں سے ذکر ہی نہ کرتے اور اسے مخفی رکھ کر لوگوں کو بہ تشدد مسلمان بنانے کی جد وجہد کرتے کیونکہ قرآن مجید کی ہر آیت تو حضرتؐ ہی

(بقیہ حاشیہ صـ۳۷۹) ان کے وارثوں کا مال ہے۔ ان تک پہنچا دینا۔ بشر شیبانی جنگ جمل کے حالات بیان کرتے ہوئے کہتے تھے کہ جب جنگ جمل والے بصرہ میں جمع ہو گئے تو حضرتؑ نے اپنی فوج سے خطاب کر کے فرمایا تم میں کون ایسا بہادر ہے جو قرآن مجید لے جا کر ان لوگوں سے پوچھے کہ تم لوگ کیوں فساد پر آمادہ ہو کہ اپنا خون بھی بہاتے ہو اور ہم لوگوں کا بھی؟ یہ سن کر حضرتؑ کی فوج کا ایک شخص بولا۔ اے امیر المومنینؑ! میں حاضر ہوں۔ حضرتؑ نے فرمایا مگر یہ سمجھ لو کہ تم ضرور قتل کر دیئے جاؤ گے۔ اس نے کہا مجھے اسکی پروا نہیں۔ غرض وہ قرآن مجید لے کر گیا اور حضرتؑ کا پیغام پہنچایا۔ اس کے جواب میں واقعاً لوگوں نے اس کو قتل کر دیا۔ دوسرے روز بھی حضرتؑ نے وہی تقریر کی۔ پھر ایک شخص نے کہا میں جاؤں گا۔ حضرتؑ نے فرمایا مگر تم بھی اوسی طرح قتل کئے جاؤ گے جس طرح کل تمہارا ایک ساتھی قتل ہو چکا ہے۔ اوس نے بھی کہا تو پرواہی کیا ہے۔ غرض گیا اور وہ بھی مار ڈالا گیا۔ حضرتؑ ہر روز آخر وقت فرماتے میں دیکھتا ہوں کہ اب تم لوگوں کے لئے ان سے لڑنا حلال ہو گیا۔ غرض تیسرے روز دونوں فوجیں ایک دوسرے پر حملہ آور ہو گئیں اور بہت گھمسان کی لڑائی ہونے لگی۔ جب حضرتؑ کو فتح ہوئی تو حضرتؑ نے دشمنوں کے لشکر کی ہر چیز ان لوگوں کو واپس کر دی یہاں تک کہ کھانا پکانے کی دیگچی بھی۔ (روضہ ندبہ صـ۳۲)۔

حضرتؑ کا وہ خطبہ قابل دید ہی نہیں بلکہ لائق حفظ ہے جسے حضرتؑ نے ظاہری خلافت پر قدم رکھتے ہی ارشاد فرمایا تھا حمد اللہ واثنی علیہ ثم قال ان اللہ انزل کتابا ھادیا بین فیہ الخیر و الشر فخذوا بالخیر ودعوا الشر۔ الفرائض

پر نازل ہوئی تھی۔ حضرتؓ کے قبل کسی آدمی کو بھی اس کے نزول کی خبر نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر زور اور طاقت سے اسلام کی اشاعت پسند کرتے تو اس آیت کا اُن لوگوں سے پوشیدہ رکھ لینا حضرتؐ کے لیے کیا مشکل کام ہوتا۔ لیکن حضرتؐ کلام مجید کی کل آیات علانیہ بیان کر دینے کے بعد اپنے کلام اور عمل سے بھی ہمیشہ یہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۰) ادوھا الی اللہ تعالیٰ یؤدکم الی الجنۃ ان اللہ حرم حرمات غیر مجہولۃ وفضل حرمۃ المسلم علی الحرم کلھا وشد بالاخلاص والتوحید حقوق المسلمین فالمسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ الا بالحق لا یحل دم امرء مسلم الا بما یجب۔ بادروا امر العامۃ وخاصۃ احدکم الموت فان الناس امامکم وان ماخلفکم الساعۃ تحدوکم فخففوا تلحقوا۔ فانما ینتظر بالناس اخراھم۔ اتقوا اللہ عباد اللہ فی بلادہ وعبادہ انکم مسئولون حتی عن البقاع والبھائم اطیعوا اللہ فلا تعصوہ واذا رأیتم الخیر فخذوا بہ واذا رأیتم الشر فدعوہ واذکروا اذ انتم قلیل مستضعفون فی الارض۔ حضرتؐ نے پہلے خدا کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا یقیناً خدا نے ایسی کتاب (قرآن مجید) نازل کی ہے جس میں خیر و شر دونوں کو واضح طور پر بیان فرما دیا ہے۔ اب تم لوگوں کا فرض ہے کہ خیر پر عمل کرو اور شر کو چھوڑ دو۔ دیکھو فرائض کا پورا لحاظ رکھو۔ فرائض کو کبھی نہ بھولو۔ سب کو ادا کر کے خدا تک پہنچاؤ کہ اسکے عوض خدا بھی تم لوگوں کو جنت تک پہنچائے گا۔ خدا نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے وہ چھپی ہوئی نہیں ہیں۔ اور مسلم کی حرمت کو خدا نے کل حرمات پر ترجیح دی ہے۔ اور اخلاص و توحید کی وجہ سے مسلمانوں کے حقوق کی اور بھی تاکید شدید کی ہے۔ پس سچا مسلمان وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں سوائے اسکے کہ کسی مسلمان کو اس کے کسی جرم کے عوض سزا دی جائے کہ یہ جائز ہے۔ سُن رکھو کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہے سوائے اس صورت کے کہ وہ خود ہی (مثلاً کسی کو قتل کر کے) اس کو واجب کر دے ... خدا کے شہروں اور خدا کے بندوں کے

ثابت کرتے رہے کہ جس کو اسلام کی خوبی نظر آئے اور جو اس دین کو پسند کرے وہ اس میں داخل ہو۔ اور اسی وجہ سے آنحضرتؐ کو مدینہ والوں نے اپنے ہاں بلایا اور اسلام قبول کر کے اپنا سردار و پیشوا بنالیا۔ پس جو روحانی طاقت اہل مدینہ کے مسلمان ہونے کی باعث ہوئی وہی دوسرے حقیقی مسلمانوں کے دین اسلام میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۱) بارے میں ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ یقیناً تم لوگوں سے زمین کے ٹکڑوں اور جانوروں تک کے متعلق بھی حساب کیا جائیگا، بازپرس ہوگی۔ غرض اللہ کی اطاعت کرو اور کبھی اس کی نافرمانی نہ کرو۔ اور جب تم خیر کو دیکھو تو اوسی کو اختیار کرو۔ اور جب شر کو دیکھو تو اوس کو چھوڑ دو۔ اور اوس زمانہ کو یاد کرو جب تم زمین میں کمزور سمجھے جاتے تھے (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۷۶ و تاریخ طبری جلد ۵ صفحہ ۱۵۷)۔ اس خطبۂ مبارکہ کا ایک ایک لفظ سونے کے حرفوں سے لکھنے کے قابل ہے۔ خصوصاً خطبہ کا آخری حصہ بتاتا ہے کہ اولیاء خدا کے کیا فرائض ہوتے ہیں۔ حضرتؓ کل مسلمانوں سے تاکید فرماتے ہیں کہ ملکوں، شہروں، قصبوں اور ہر جگہ کے بندگانِ خدا کا (خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم) خیال رکھو اور ان کے بارے میں خدا سے ڈرو۔ اس کا مطلب یہی تو ہے کہ اُن کو بے وجہ بغیر کسی جرم کے نہ ستاؤ۔ نہ سزا دو۔ نہ اُن پر حملہ کرو۔ نہ ان پر فوج کشی کرو۔ نہ ان کے ملکوں کو چھینو۔ حضرتؓ نے یہ بھی فرمادیا کہ انکم مسئولون حتی عن البقاع والبہائم۔ تم سے ہر چیز کے بارے میں سوال کیا جائیگا یہاں تک کہ زمین کے ٹکڑوں اور جانوروں کے بارے میں بھی پوچھے جاؤگے کہ کیوں ان پر چڑھائی کی۔ کیوں جانوروں کی خوراک زراعت وغیرہ تباہ کی۔ حضرت عمر کے متعلق تم معلوم کر چکے کہ بیت المال کا ۸۶ ہزار درہم اپنی ذات میں خرچ کر دیا تھا۔ اب حضرت علیؑ کا عمل بھی دیکھ لو۔ حضرتؑ کی طرف سے بیت المال کے خزانچی ابورافع تھے۔ ایک روز جناب امیرؑ داخل بیت المال ہوئے تو دیکھا کہ حضرتؑ کی کوئی صاحب زادی زیور پہنے ہوئے ہیں۔ اس میں ایک موتی بھی تھا جس کو حضرتؑ پہچانتے تھے۔ حضرتؑ نے پوچھا اس کو یہ کہاں سے لا؟ یہ تو بیت المال کا مال ہے۔

داخل ہونے کا سبب بھی تھی۔ البتہ آنحضرتؐ کے بعد خلیفہ اول اور حضرت عمر نے جن ملکوں کو فتح کیا اور جن لوگوں کو مسلمان بنایا اُن کے متعلق تاریخ کے اوراق یہی کہتے ہیں کہ سب تلوار کے زور سے اس مذہب کی طرف کھینچے گئے۔ اور چونکہ ان حضرات نے اپنے کو حضرت رسولخدا صلعم کا قائم مقام مشہور کیا اس وجہ سے

(بقیہ حاشیہ صـ۳۸۲) میں اس کا ہاتھ کاٹوں گا۔ ابو رافع نے جب حضرتؑ کا یہ غیظ و غضب دیکھا تو سچی بات کہہ دی کہ خدا کی قسم اس صاحب زادی کو یہ موتی میں نے پہنایا ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا کیا خوب! دنیا کی زینت سے مجھے یا میری اولاد کو کیا کام؟ تم جانتے نہیں کہ) جب میرا عقد فاطمہؑ سے ہوا تو ہمارے پاس کوئی ایسا فرش تک نہیں تھا جس پر ہم دونوں سوتے۔ صرف ایک بھیڑ کی کھال تھی جس پر شب کو ہم لوگ سوتے اور دن کو اُس پر ہمارا اونٹ دانہ کھاتا تھا۔ اور فاطمہؑ کے سوائے کوئی نوکر نہیں تھا جو گھر کا کام کرتا... عاصم بن کلیب کہتے تھے کہ جناب امیرؑ کے پاس کچھ مال اصفہان سے آیا تو آپ نے اُس کو سات حصوں پر تقسیم کر دیا۔ اس میں ایک روٹی تھی اُس کے بھی حضرتؑ نے سات حصے کئے اور فوج کے سرداروں کو بلا کر ساتوں حصے دیدیئے۔ ہارون بن عنترہ کہتے تھے کہ میں جناب امیرؑ کی خدمت میں بمقام خورنق گیا۔ وہ فصل جاڑے کی تھی۔ دیکھا حضرتؑ ایک پرانی چادر اوڑھے ہوئے ہیں اور سردی کی اذیت سے کانپ رہے ہیں۔ میں نے کہا یا امیرالمومنینؑ! خدا نے آپ کا اور آپ کے خاندان کا حصہ بھی تو اس میں مقرر کیا ہے پھر کیوں یہ حالت ہے؟ اور کیوں اپنے نفس پر اس قدر سختی گوارا کر رہے ہیں؟ حضرتؑ نے فرمایا واللہ ما استأثر أکم شیئا وما ھی الا قطیفتی التی اخرجتھا من المدینۃ خدا کی قسم میں تم لوگوں کے مال سے ذرہ برابر بھی کم نہیں کروں گا اپنی ذات میں خرچ نہیں کروں گا) اور میرے جسم پر جو لباس ہے یہ بھی میری وہ کملی ہے جو میں مدینہ سے لایا تھا وان کان لیؤتی بجبوبہ من المدینۃ فی جراب حضرتؑ کے کھانے کا غلہ بھی حضرتؑ کی ذاتی جائداد سے جو مدینہ میں تھی آیا کرتا تھا۔

Marfat.com

مخالفینِ اسلام بھی اُن کے افعال اور اعمال کو آنحضرتؐ کی طرف منسوب کر کے حضرتؐ کو بھی بدنام کرتے اور اسلام کو بھی اپنے طعن کا نشانہ بناتے ہیں۔ حالانکہ اس کے ذمہ دار صرف یہ حضرات ہیں۔ حضرت رسولِ خدا صلعم کو اِس سے کوئی تعلق نہیں اور اسلام اِس سے بالکل بری ہے۔ حضرت عمر نے صرف ملکوں کو فتح ہی نہیں کیا بلکہ آپ اسلامی احکام کو دوسروں پر زبردستی مسلط بھی کرتے تھے۔ علامہ ابن القیم وغیرہ نے لکھا ہے وقد حرق عمر بن الخطاب قریۃ بکمالها یباع فیها الخمر وحرق حانوت رویشد الثقفی وسماہ فویسقا وحرق قصر سعد علیہ لما احتجب فیہ عن الرعیۃ حضرت عمر کے زمانہ میں ایک گاؤں میں شراب بکتی تھی۔ آپ نے اس پورے گاؤں میں آگ لگوا کر اس کو جلا ڈالا اور رویشد ثقفی کے حانوت (شراب کی دوکان) کو بھی جلا ڈالا

(بقیہ حاشیہ ص۳۸۳) (تاریخ کامل جلد ۳ ص۱۵۹) اللہ اکبر دنیا میں سوائے حضرات انبیاءؑ کے کوئی بھی ایسا سردار گزرا ہے جو بندگانِ خدا کی خدمت میں اپنا پورا وقت بسر کرے اور اس کا طعام لباس تک اس کا ذاتی ہو؟ ان بندگانِ خدا کی کوئی چیز وہ اپنے استعمال میں نہ لاتا ہو۔ حالانکہ اس بزرگ کے پیش رو اپنی ذات میں بیت المال کا بے حساب مال خرچ کر چکے ہوں۔ سچ ہے ؎ گر ہو نبیؐ کے بعد تو ایسا امام ہو۔ اس کے مقابلہ میں حضرت عمر مسلمانوں کے مال سے پانچ ہزار سالانہ اپنا مشاہرہ پاتے تھے۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "خلافت کے چند برس کے بعد انہوں نے صحابہ کی خدمت میں مصارف ضروری کے لئے درخواست کی اس پر حضرت علیؓ کی رائے کے موافق اس قدر تنخواہ مقرر ہوگئی جو معمولی خوراک اور لباس کے لئے کافی ہو۔ ۱۵ھ ہجری میں جب تمام لوگوں کے روزینے مقرر ہوئے تو اور اکابر صحابہ کے ساتھ ان کے بھی پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر ہوگئے" (الفاروق حصہ ۲ ص۲۹۸)۔ اس سالانہ رقم کے علاوہ بیت المال کا ۸۶ ہزار روپیہ آپ کے ذمہ قرض نکلا تھا۔ اب دونوں بزرگوں کے درمیان فیصلہ کرو کہ الفقر فخری کہنے والے کی زندگی پر کس نے عمل۔ اور کون بزرگ سیرۃ رسولؐ کے کامل نمونہ تھے ۱۲ منہ

اور اس کا نام فوجیسق رکھا اور سعد کا قصر بھی جلوا دیا کیونکہ اس میں وہ رعیت سے چھپ کر بیٹھا کرتے تھے (زاد المعاد مطبوعہ مصر جلد ۲ صـ ۱۶)

چھٹی فصل

اسلام کو باقاعدہ جنگجو مذہب بنانا

حضرت عمر کا ایک شاندار کارنامہ یہ بھی ہے کہ آپ نے اسلام کو ایک باقاعدہ جنگجو مذہب بنایا۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "۱۵ھ میں حضرت عمر نے فوج کا ایک مستقل محکمہ قائم کرنا چاہا۔ اس باب میں اُن کی سب سے زیادہ قابل لحاظ جو تجویز تھی وہ تمام ملک کا فوج بنانا تھا۔ انھوں نے اس مسئلہ کو کہ ہر مسلمان فوج اسلام کا ایک سپاہی ہے باقاعدہ طور سے عمل میں لانا چاہا لیکن چونکہ ابتداء میں ایسی تقسیم ممکن نہ تھی اول قریش اور انصار سے شروع کیا... غرض... رجسٹر تیار ہوا اور حسب ذیل تنخواہیں مقرر ہوئیں:-

تقسیم مراتب	تعداد تنخواہ سالانہ
جو لوگ جنگ بدر میں شریک تھے۔	۵ ہزار درہم
مہاجرین حبش اور شرکاء جنگ احد۔	۴ ہزار درہم
فتح مکہ کے پہلے جن لوگوں نے ہجرت کی۔	۳ ہزار درہم
جو لوگ فتح مکہ میں ایمان لائے۔	۲ ہزار درہم
جو لوگ جنگ قادسیہ اور یرموک میں شریک تھے۔	۲ ہزار درہم
اہل یمن	۴۰۰ درہم
قادسیہ اور یرموک کے بعد کے مجاہدین	۳۰۰ درہم
بلا امتیاز مراتب	۲۰۰ درہم

Marfat.com

جن لوگوں کے نام درج دفتر ہوئے ان کی بیوی بچوں کی تنخواہیں بھی مقرر ہوئیں۔ چنانچہ مہاجرین اور انصار کی بیویوں کی تنخواہ ۲۰۰ سے ۴۰۰ درہم تک اور اہل بدر کی اولاد ذکور کی دو دو ہزار درہم مقرر ہوئی۔۔ جس قدر آدمی درج رجسٹر ہوئے اگرچہ سب درحقیقت فوج کی حیثیت رکھتے تھے لیکن ان کی دو قسمیں قرار دی گئیں (۱) جو ہر وقت جنگی مہمات میں مصروف رہتے تھے۔ گویا یہ فوج نظام یعنی باقاعدہ فوج تھی (۲) جو معمولاً اپنے گھروں پر رہتے تھے لیکن ضرورت کے وقت طلب کیے جاسکتے تھے ان کو عربی میں مطوعہ کہتے ہیں" (الفاروق حصہ ۲ صـ۹۷ خ۔ مولوی صاحب نے حضرت عباس اور رسولخدا کی بیویوں کے وظیفہ کی مقدار نہیں لکھی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ جناب عباس کا وظیفہ بچیس ہزار سالانہ اور حضرت عائشہ کا ۱۲ ہزار سالانہ اور دوسری ازواج رسولؐ کا دس دس ہزار سالانہ مقرر کیا (تاریخ کامل جلد ۳ صـ۱۹۵ وغیرہ) مذکورہ بالا انتظام اگر سکندر یا نپولین یا چنگیز یا تیمور یا نادرشاہ وغیرہ بڑے بڑے فاتحین کا ہوتا تو کسی کو جائے دم زدن نہیں تھی۔ مگر حضرت رسولخدا صلعم کے خلیفہ کے متعلق ہر شخص سوال کرسکتا ہے کہ اسلام کو ان انتظامات سے کیا تعلق؟ کیا دین اسلام اسی غرض سے آیا تھا کہ اس کے ماننے والوں کو باقاعدہ جنگ جو خوں ریز اور سفاک قوم طیار کیا جائے؟ کیا حضرت خاتم المرسلین اسی لئے خدا کی طرف سے بھیجے گئے تھے کہ آپ کے جانشین عربوں کو قتل و غارت کرنے والی جماعت بنادیں؟ کیا رحمۃ للعالمین کے مبعوث ہونے کی غرض یہ تھی کہ آپ ملکوں کی فتح کرنے والی فوجیں مرتب کریں؟ مولوی صاحب کس فخر سے لکھتے ہیں سب سے زیادہ قابل لحاظ جو تجویز تھی وہ تمام ملک کا فوج بنانا تھا انہوں نے اس مسئلہ کو کہ ہر مسلمان فوج اسلام کا ایک سپاہی ہے"۔ اس کا مطلب یہی تو ہوا کہ ہر مسلمان صرف دوسروں سے لڑنے۔ ان کو قتل کرنے۔ لوٹنے اور اُن کا خون بہانے کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور اوسکی عمر صرف اسی میں بسر ہونی چاہیے۔ حالانکہ خدا نے رسولؐ کی بعثت کی غرض صاف صاف بیان کردی ہے ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلو علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب و الحکمۃ۔ وہ خدا ایسا

ہے جس نے جاہل لوگوں میں ایک رسول بھیجا جو اُن لوگوں پر خدا کی آیتوں کی تلاوت کرتا ان لوگوں کے اخلاق درست کرتا اور اُن کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے (سورہ جمعہ) اس میں کیا اس امر کی طرف اشارہ بھی ہے کہ رسول کوئی فوج بنائے؟ غارت گر قوم طیار کرے؟ فوجی نظام مرتب کرے؟ لوگوں کو جنگ جو بنانے کی تدبیریں سوچے؟ خود مولوی شبلی صاحب کی دوسری عبارت سنو جو حضرت رسولؐ کے متعلق لکھی ہے تاکہ تم موازنہ کرسکو کہ رسولخدا اصلعم اور آپ کے خلیفہ میں کیا مناسبت تھی۔ لکھتے ہیں "یورپ کی ناآشنا نگاہیں اگرچہ آپ (حضرت رسولخدا اصلعم) کی زندگی کا یہ دور جدید ایشیائی شاہانہ زندگی کا ایک طرب انگیز منظر تھا لیکن آشنایان حقیقت کو شہنشاہ عرب پھٹے پرانے کپڑوں میں، مدینہ کی گلیوں کے اندر غلاموں اور مسکینوں کے کام کرتا ہوا نظر آتا ہے، وہ تاج وتخت سے بے نیاز، قصر وایوان سے مستغنی، حاجب ودربان سے بے پروا، مال وزر سے خالی، خدم وحشم کے بغیر دلوں پر حکومت کر رہا تھا، نہ اوسکی حکومت میں پولیس تھی، نہ بڑے بڑے انتظامی دفاتر، نہ کثیرالتعداد ارباب مناصب، نہ وزرائے مشورہ، نہ امرائے سیاست، نہ الگ الگ حکام وقضاۃ۔ وہ ایک ہی ذات تھی جو ہر فرض وخدمت کی خود ذمہ دار تھی۔ لیکن باایں ہمہ وہ اپنے آپ کو عام مسلمانوں سے اونٹ کے ایک بال کا بھی زیادہ مستحق نہیں سمجھتا تھا۔ اسکے عدل وانصاف کے آگے فاطمہ جگر گوشۂ نبوت اور عام مجرم برابر تھے۔ آنحضرتؐ کی بعثت کا اصل مقصد دعوت مذہب، اصلاح اخلاق اور تزکیہ نفوس تھا۔ اسکے علاوہ اور تمام فرائض محض ضمنی تھے۔ اس بنا پر انتظامات ملکی آپ نے اُسی حد تک قائم کئے جہاں تک ملکی بدامنی کے باعث دعوۃ توحید کے لئے عوائق پیش آتے تھے۔ تاہم یہ کام بھی کچھ کم اہم نہ تھا" (سیرۃ النبیؐ جلد ۲ ص۴۵۴)۔ حضرت عمر کے فوجی ساز وسامان کو مذکورہ بالا عبارت کے ایک ایک لفظ سے ملاؤ۔ اور دیکھو کہیں بھی دونوں کے حالات میں کوئی ارتباط ملتا ہے۔ واضح ہے کہ دونوں میں ایک ہی عمل ممدوح ہوسکتا ہے۔ پھر کیا حضرت رسولخدا صلعم کے عمل کو بُرا سمجھا جائے کہ کیوں حضرتؐ نے دنیا پرستی کو لوگوں میں رائج نہیں

Marfat.com

کیا۔ غالباً اسی وجہ سے بعض اصحاب رسول صلعم ان تغیرات اور مسلمانوں کی مالی ترقیوں کے خیال سے لرز جاتے تھے۔ یہ روایت قابل عبرت ہے: رواہ احمد فی مسندہ ان اباعبیدۃ دخل علیہ انسان وھو یبکی فقال مایبکیک یا اباعبیدۃ۔ فقال یبکینی ان رسول اللہ ذکر یوما ما یفتح اللہ علی المسلمین ویفی علیہم حتی ذکر الشام فقال ان ینسأ فی اجلک یا اباعبیدۃ فحسبک من الخدم ثلاثۃ خادم یخدمک وخادم یسافر معک وخادم یخدم اھلک و یرد علیہم وحسبک من الدواب ثلاثۃ دابۃ لرحلک ودابۃ لثقلک ودابۃ لغلامک۔ ثم انا انظر الی بیتی قد امتلأ رقیقا وانظر الی مربطی قد امتلأ خیلا ودواب وکیف القی رسول اللہ صلعم بعد ھذہ اوقد اوصانا رسول اللہ ان احبکم الی واقربکم منی من لقینی علی الحال التی فارقنی علیھا۔ امام احمد نے اپنی مسند میں لکھا ہے کہ ایک شخص ابوعبیدہ (صحابی رسولؐ) کے پاس گیا تو دیکھا وہ رو رہے ہیں۔ اوس نے رونے کا سبب پوچھا تو کہا کیونکر نہ روؤں کہ ایک روز حضرت رسولخدا صلعم نے مسلمانوں کی آئندہ فتوحات اور اُن کے مال غنیمت کا ذکر کیا تو فتوحات شام کے متعلق فرمایا اگر تم زندہ رہے تو اے ابوعبیدہ تمہارے لئے تین خادم اور تین جانور کافی ہوں گے۔ ایک خادم جو تمہاری خدمت کرے۔ ایک خادم جو سفر میں تمہارے ساتھ رہے۔ اور ایک خادم جو تمہارے اہل وعیال کی خدمت کرے۔ اور تمہیں گھوڑے بھی تین ہی کافی ہوں گے۔ ایک تمہارے لئے ایک تمہارے اسباب کے لئے اور ایک تمہارے غلام کے لئے۔ یہ تو حضرتؐ کا ارشاد تھا لیکن میں دیکھتا ہوں کہ میرا گھر غلاموں سے بھر گیا ہے اور میرا اصطبل گھوڑوں خچروں سے پُر ہو گیا ہے۔ پھر اس حالت اور ترقی کے بعد میں حضرت رسولخدا صلعم کی خدمت (بہشت) میں کیوں کر منہ دکھا سکوں گا۔ کیونکہ حضرتؐ نے ہم سب صحابہ سے وصیت کی تھی اور فرمایا تھا کہ تم لوگوں میں سب سے زیادہ مجھے محبوب اور میرا قریب وہ ہوگا جو مجھ سے قیامت میں اوسی حال سے ملے جس حال سے اس نے

Marfat.com

مجھے چھوڑا ہے (ریاض نضرہ جلد ۲ صـ۳۱۳)

ساتویں فصل

اسلامی فتوحات کے متعلق رسولؐ کی پیشینگوئیاں

معتبر کتب حدیث و سیرت و تفسیر میں حضرت رسولخدا صلعم کی بے حد و حساب حدیثیں اس مضمون کی بھری ہوئی ہیں کہ حضرتؐ اپنے بعد دنیوی ترقی اور ملکی فتوح سے بہت زیادہ خوف زدہ رہتے تھے۔ اور آپ نے بار بار صحابہ کو اس سے ڈرا دیا تھا کہ خبردار اسلام کی روح کو نہ مٹانا جس غرض کے لیئے میں دنیا میں آیا تھا اس کو نہ بھول جانا۔ دنیا کو دین پر ترجیح نہ دینا اور عیش و راحت کی زندگی میں نہ پڑ جانا (۱) حضرتؐ نے فرمایا انی واللہ ما اخاف علیکم ان تشرکوا بعدی ولکن اخاف علیکم ان تنافسوا فیہا مجھے اس کا خوف نہیں ہے کہ میرے بعد تم لوگ شرک کروگے لیکن اس کا خوف البتہ ہے کہ تم لوگ دنیا پرستی میں پھنس جاؤ گے (صحیح بخاری پارہ ۔ ۵ صـ۶۹۳ باب الصلوۃ علی الشہید) لہ آنحضرت صلعم نے یہ خوف صحابہ کرام سے ظاہر فرمایا اور بعدی

لہ اخشی ان تبسط الدنیا علیکم کما بسطت علی من کان قبلکم فتنافسوھا کما تنافسوھا۔ میں ڈرتا ہوں دنیا تم پر ایسی کشادہ ہو جیسی اگلے لوگوں پر کشادہ ہوئی تھی۔ مال دولت تم کو ملے جیسے اگلے لوگوں کو ملا تھا۔ پھر تم اس میں ایسی رغبت کرنے لگو جیسے اگلے لوگوں نے کی تھی۔ اور اس غفلت کی وجہ سے خدا سے غافل ہو جاؤ۔ اللہ کا ڈر چھوڑ دو۔ ایک دوسرے سے مال دولت حکومت حاصل کرنے کے لئے لڑائی جھگڑا شروع کر دو ما اخاف ان تشرکوا ولکنی اخاف علیکم ان تنافسوا۔ مجھ کو یہ ڈر نہیں ہے کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے یعنی سب کے سب کیونکہ بعضے مسلمان تو شرک میں مبتلا ہو گئے ہیں لیکن میں ڈرتا ہوں دنیا کی محبت میں غرق نہ ہو جاؤ۔ آنحضرتؐ کا ڈر صحیح نکلا۔ معویہ نے دنیا کی حکومت اور دولت کے لئے

کی قید سے واضح کر دیا کہ حضرتؐ کے بعد ہی صحابہ دنیا پرستی میں مشغول ہو جائیں گے۔
(۲) جناب ابوذر و معویہ میں اسی دولت پسندی کے متعلق اختلاف ہوا۔ زید بن وھب قال مررت بالربذة فاذا انا بابی ذر فقلت له ما انزلک منزلک هذا قال کنت بالشام فاختلفت انا ومعویة فی الذین یکنزون الذهب والفضة ولاینفقونها فی سبیل الله قال معویة نزلت فی اهل الکتاب فقلت نزلت فینا وفیهم فکان بینی وبینه فی ذلک فکتب الی عثمان یشکونی فکتب الیّ عثمان ان اقدم المدینة فقد متها فکثر علی الناس حتی کانهم لم یرونی قبل ذلک فذکرت ذلک لعثمان فقال ان شئت تنحیّت فکنت قریبا فذاک الذی انزلنی هذا المنزل
زید بن وہب کہتے تھے کہ میں ربذہ کی طرف سے گزرا تو وہاں جناب ابوذر کو پایا۔ پوچھا یہاں آپ کیسے آئے؟ کہا میں شام میں تھا۔ وہاں میرے اور معویہ کے درمیان آیۃ الذین[1] یکنزون الذھب والفضۃ کے بارے میں اختلاف ہوا۔ معویہ نے کہا کہ

(بقیہ حاشیہ ص۳۸۹) ہزاروں مسلمانوں کو قتل کر دیا۔ اُن کے فرزند یزید نے تو خاندان نبوت ہی کو میٹ دیا لعنہ اللہ فتنا فسوھا فتھلککم دنیا کی محبت کرو آخر وہ تم کو ہلاک کر ڈالیگی (انوار اللغۃ پ ۲۵ ص۱۰۶)۔ مولوی صاحب نے معلوم نہیں صرف معویہ کا نام کیوں لیا آنحضرت صلعم نے تو اپنے بعد کے سب لوگوں کو دنیا کی حکومت و دولت سے ڈرایا تھا اگر معویہ کے قبل والے دنیا کے بارے میں وہی اصول پیش نظر رکھتے جو حضرت رسولِ خدا صلعم کا تھا تو معویہ کو اس کا موقع ہی کب ملتا۔ دولت کے لئے معویہ نے ہزاروں مسلمانوں کو قتل کر دیا لیکن پہلے والوں نے تو لاکھوں کافروں کو بھی قتل کر دیا اور نہ معلوم کس قدر مسلمانوں کا خون بھی اس کے لئے بہایا۔ اسی وجہ سے اکثر صحابہ کہتے تھے کہ اسلام ہی منقلب ہو گیا جس کے شواہد بہت کثرت سے ہیں ۱۲

[1] یہ آیۃ سورہ توبہ کی ہے ترجمہ یہ ہے کہ جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے جاتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو اے رسولؐ ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دو جس دن وہ سونا چاندی جہنم کی آگ میں گرم اور لال کیا جائیگا پھر اس سے ان لوگوں کی پیشانیاں اور اُن کے پہلو اور

Marfat.com

یہ اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور میں نے کہا ان کی تخصیص کی وجہ نہیں جو لوگ ایسا کریں گے (خواہ مسلمان ہوں یا اہل کتاب) سب کے لئے ہے۔ اسکے بارے میں میرے ان کے درمیان کچھ بے لطفی ہو گئی تو انھوں نے خلیفہ ثالث حضرت عثمان کے ہاں شکایت لکھ بھیجی۔ اس پر عثمان نے مجھے بلا کر یہاں جلا وطن کر دیا۔ (صحیح بخاری پارہ۔ ۶ ص۱۵) ۔جناب ابوذر کا صرف یہ قصور ہوا کہ قرآن مجید کی آیۃ کی تلاوت کر کے لوگوں سے کہا اس پر عمل کرو۔ مگر دولت دنیا کے فریفتہ اہل اسلام اس کو کیونکر گوارا کر سکتے تھے؟ اس کی تاویل کر دی کہ اس سے مسلمان مراد نہیں بلکہ اہل کتاب مقصود ہیں کہ وہ اگر مال جمع کریں تو جہنم میں جائیں گے لیکن وہی کام مسلمان کریں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اور اسی وجہ سے جناب ابوذر ایسے سچے صحابی رسول کو اتنی بڑی سزا دے دی گئی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

(۳) ان النبیؐ جلس ذات یوم علی المنبر وجلسنا حوله فقال ان مما اخاف علیکم من بعدی ما یفتح علیکم من زهرة الدنیا وزینتها۔ حضرت رسولخدا صلعم ایک روز منبر پر بیٹھے اور ہم لوگ بھی حضرتؐ کے گرد بیٹھے۔ تو حضرتؐ نے فرمایا تم لوگوں کے بارے میں مجھے یہ خوف ہے کہ میرے بعد ہی تم لوگوں پر دنیا کی چمک دمک کا دروازہ کھل جائیگا (صحیح بخاری پ۶ ص۱۴۱)۔ اللہ اکبر! حضرتؐ کو خدا کس درجہ جزئیات تک کی خبر دے دیتا تھا۔ حضرتؐ کے بعد جس قدر فتوح ہوئیں اور انکی وجہ سے دنیا کی جو چمک اور آراستگی ان کو حاصل ہوئی ان سب کی تصویر اس مختصر سی حدیث میں ارشاد فرما کر حضرتؐ نے اپنے رنج اور کرب کو بھی ظاہر کر دیا۔

(بقیہ حاشیہ ص۳۹۰) اُن کی پیٹھیں داغی جائیں گی اور اُن سے کہا جائیگا یہی وہ مال ہے جسے تم نے اپنے لئے دنیا میں جمع کر رکھا تھا تو اب اپنے جمع کئے ہوئے مال کا مزہ چکھو (پ۱۰ ع۵/۱۱) له ان اخوف ما اخاف علیکم ما یفتح علیکم من زهرة الدنیا وزینتها مجھ کو سب سے زیادہ جس چیز کا تم پر ڈر ہے وہ دنیا کے فتوحات ہیں جو چمکتے اور تر و تازہ تم کو ملیں گے۔ ایسا نہ ہو تم ان میں پھنس کر خدا کو بھول جاؤ۔ ایسا ہی ہوا (انوار اللغۃ پ۱۱ ص۲۶)

(۴) ان رسول اللہ قام علی المنبر فقال انما اخشی علیکم من بعدی ما یفتح علیکم من برکات الارض فذکر زہرۃ الدنیا۔ ایک دفعہ منبر پر بیٹھکر حضرت رسولؐ نے فرمایا تمہارے بارے میں مجھ کو جو کچھ خوف ہے بس یہ ہے کہ میرے بعد ہی تم لوگوں پر زمین کی برکتیں اور اوسکی چمک دمک کی راہیں کھل جائیں گی۔ (صحیح بخاری پ ۱ ص ۶۶) لہ

(۵) فواللہ لا الفقر اخشی علیکم ولکن اخشی علیکم ان تبسط علیکم الدنیا کما بسطت علی من کان قبلکم فتنافسوھا کما تنافسوھا وتھلککم کما اھلکتھم۔ حضرت رسولخدا نے صحابہ سے فرمایا مجھے تمہارے بارے میں اس کا ڈر نہیں ہے کہ فقر

لہ دنیا کی چمک دمک اتنی زیادتی سے حضرت صلعم کے بعد ہی ان لوگوں کے سامنے آئی کہ تقریباً کل خوبیاں غائب ہوگئیں اور اسلام میں انقلاب عظیم پیدا ہوگیا۔ بعض صحابہ اس کو برداشت نہ کرکے حقیقت حال زبان پر جاری کردیتے تھے مثلاً ام الدرداء تقول دخل علی ابو درداء وھو مغضب فقلت ما اغضبک قال واللہ ما اعرف من امر محمد شیئا الا انھم یصلون جمیعا۔ درداء کی ماں کہتی تھیں کہ ان کے شوہر ابو درداء ایک دفعہ بڑے غیظ و غضب میں گھر پہنچے تو انہوں نے اسکی وجہ پوچھی۔ انہوں نے جواب دیا میں حضرت رسولخدا صلعم کے مذہب کی کوئی بات اب نہیں پاتا سوائے اسکے کہ لوگوں میں نماز جماعۃ تو ابھی باقی ہے (صحیح بخاری پ ۳ ص ۳۶۳)۔ ایک چیز کا استثناء کرکے ابو درداء نے حضرت رسولؐ کی کل خوبیوں کے زوال کی خبر دے دی۔ اگر دنیا کے یہ فتوحات نہیں ہوتے تو اسلام کی خوبیاں کیونکر زائل ہوسکتی تھیں۔ آنحضرت صلعم کے بعد نہ توحید کو کسی نے روکا۔ نہ رسالت کے اعتقاد کو موقوف کیا۔ نہ نماز۔ روزہ کے بند کرنے کا اعلان کیا۔ البتہ طلبی۔ جہاں گیری۔ عیش پرستی۔ حکمرانی ہی وغیرہ وہ باتیں تھیں جن کی وجہ سے اسلامی خوبیاں مٹتی گئیں۔ اور رسولؐ کے زمانہ کی سادگی۔ دینداری۔ اخلاص۔ خوف خدا۔ عبادت وغیرہ صفات ختم ہوتی گئیں ۱۲

میں مبتلا ہوگے بلکہ اس سے ڈرتا ہوں کہ تم لوگوں پر دنیا اسی طرح کشادہ ہو جائیگی جس طرح تمہارے پہلے والوں پر کشادہ ہوگئی تھی تو تم لوگ اس کی پرستش اوسی طرح کرنے لگو گے جس طرح تمہارے قبل والوں نے کی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ دنیا تم کو بھی اسی طرح ہلاک (یعنی گمراہ) کردے گی جس طرح تمہارے پہلے لوگوں کو ہلاک (گمراہ) کر دیا تھا (صحیح بخاری پ ۱۲ ص ۱۷۱)

(۶) ان النبیؐ قال لتتبعن سنن من قبلکم شبرا بشبر و ذراعا بذراع حتے لو سلکوا جحر ضب لسلکتموہ قلنا یارسول اللہ الیھود والنصاریٰ قال فمن۔ النبیؐ نے فرمایا حضرت رسول خدا صلعم اپنے صحابہ سے فرماتے تھے یقیناً تم لوگ اُن لوگوں کا طور طریقہ اختیار کرلوگے جو تم سے پہلے گزرے ہیں کہ اُن کے ہر قدم پر تمہارا قدم ہوگا۔ اور اُن کی ہر راہ تم چلوگے یہاں تک کہ اگر وہ سوسمار کے سوراخ میں گھسے ہوں گے تو تم لوگ بھی ان سوراخوں میں چلوگے۔ صحابہ نے پوچھا یا حضرت کیا ہم لوگ یہود و نصاریٰ کا طریقہ اختیار کریں گے؟ حضرتؐ نے فرمایا اور کس کا؟ (صحیح بخاری پ ۱۳ ص ۲۸۳) [1]

---

[1] جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب لکھتے ہیں "لتتبعن سنن من قبلکم تم بھی تمہارے اگلوں کی پیروی کروگے۔ اُن کی چال اختیار کروگے یعنی یہودیوں کی ... مجمع البحار میں ہے کہ یہودیوں نے اپنے پیغمبروں کو قتل کیا تھا مسلمانوں نے آنحضرتؐ کے جگر گوشہ یعنی امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کو شہید کرایا۔ اسی طرح عبد اللہ بن حسن نفس زکیہ اور زید بن علی اور یحییٰ اور ابراہیم فرزندان زید اور امام موسے کاظم اور امام علی رضا کو موت کے گھاٹ اُتارا... غرض یہودیوں کی پیروی ہر بات میں ان مسلمانوں نے پوری کی۔ اور جسے مخبر صادق صلعم نے فرمایا تھا کہ اگر وہ گھوڑ بھوڑ کے سوراخ میں گھسیں گے تو تم بھی گھسو گے وہ پورا ہوا" (انوار اللغۃ پ ۱۲ ص ۱۴۴) امام حسنؑ و امام حسینؑ کی والدہ اور دختر رسولؐ جناب سیدہؑ کے ساتھ بھی جو برتاؤ کیا گیا اُس پر وہ معصومہ مرتے دم تک نوحہ و فریاد کرتی رہیں۔ رسولؐ نے سچ فرمایا تھا ما اوذی نبی کما اوذیت۔ جیسی اذیت مجھے پہنچائی گئی کسی کو نہیں ہوئی۔

(۷) لئن طالت بک حیوۃ لتفتحن کنوز کسریٰ قلت کسریٰ بن ہرمز قال کسریٰ بن ہرمز ولئن طالت بک حیوۃ لترین الرجل یخرج ملأ کفہ من ذہب او فضۃ یطلب من یقبلہ منہ فلا یجد احدا یقبلہ منہ ولیلقین اللہ احدکم یوم یلقاہ ولیس بینہ وبینہ ترجمان یترجم لہ فلیقولن لہ الم ابعث الیک رسولا فیبلغک فیقول بلے۔ فیقول الم اعطک مالا وولدا وافضل علیک فیقول بلے فینظر عن یمینہ فلا یرے الا جہنم وینظر عن یسارہ فلا یرے الا جہنم۔ حضرت رسول خدا صلعم ایک صحابی سے فرماتے تھے کہ اگر تم کچھ دنوں اور زندہ رہے تو دیکھوگے کہ کسریٰ کے خزانے تم لوگوں کے لئے فتح کر لئے گئے۔ صحابی نے حیرت سے پوچھا کہ کیا کسریٰ بن ہرمز کے خزانے؟ حضرتؐ نے فرمایا ہاں وہی۔ اور اگر کچھ زندہ رہوگے تو مسلمانوں کے پاس اتنی دولت دیکھوگے کہ ایک ایک شخص اپنی مٹھیوں میں سونا اور چاندی لیکر نکلے گا اور چاہیگا کہ کوئی اس سے اس کو لے لے مگر مسلمان اتنے مالدار ہوگئے ہونگے کہ اس کو نہ لیں گے بلکہ قیامت میں تم لوگ اللہ سے اس طرح ملوگے کہ تمہارے اور خدا کے درمیان کوئی بھی ترجمان نہیں ہوگا جو تمہاری ترجمانی کرے۔ اس وقت خدا تم لوگوں سے کہیگا کیا میں نے تمہارے پاس کوئی رسول نہیں بھیجا جو دین حق تم لوگوں تک پہنچائے؟ تم لوگ کہوگے ہاں بھیجا تھا۔ پھر پوچھیگا کیا میں نے تم کو مال اور اولاد نہیں دی تھی اور تم پر ایسے ہی اور احسانات بھی نہیں کئے تھے؟ تو تم لوگ کہوگے ہاں۔ پھر تم لوگ داہنی طرف دیکھوگے تو جہنم کے سوائے کوئی چیز تمہیں دکھائی نہیں دیگی۔ پھر بائیں جانب دیکھوگے تو ادھر بھی دوزخ کے سوائے کچھ نظر نہیں آئے گا (صحیح بخاری پ ۱۴۔ ص ۳۴۰)۔ یہ حدیث بھی صحیح بخاری کی ہے جس کے ایک ایک لفظ سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اور سمجھ میں نہیں آتا کہ کسریٰ بن ہرمز کے خزانوں کے فتح کرنے والوں کا انجام کیا ہوگا یہ بھی افسوس ہے کہ کسریٰ بن ہرمز کے خزانے ہمارے ہیرو حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ میں فتح کئے گئے۔ مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "سعد نے حکم دیا کہ ایوانات

شاہی کا خزانہ اور نادرات لاکر یکجا کئے جائیں۔ کیانی سلسلہ سے لیکر نوشیرواں کے عہد تک کی ہزاروں یادگار چیزیں تھیں۔ خاقان چین۔ راجہ داہر۔ قیصر روم نعمان بن منذر۔ سیاؤش۔ بہرام چوبین کی زرہیں اور تلواریں تھیں۔ کسریٰ ہرمز اور قباد کے خنجر تھے۔ نوشیرواں کا تاج زرنگار اور ملبوس شاہی تھا۔"
(الفاروق جلد ۱ صـ۱۲۰)

(۸) فواللہ ما الفقر اخشی علیکم ولکنی اخشی ان تبسط علیکم الدنیا کما بسطت علی من کان قبلکم فتنافسوھا وتھلککم کما اھلکتھم۔ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا خدا کی قسم تم لوگوں کے متعلق مجھے ناداری کا خوف نہیں ہے بلکہ اس کا ڈر ہے کہ تم پر دنیا اسی طرح کشادہ ہو جائیگی جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر ہوئی تھی اور تم لوگ اسکی پیروی اسی طرح کروگے جس طرح پہلے لوگوں نے کی تھی اور وہ تم لوگوں کو بھی اسی طرح برباد کردیگی جس طرح تم سے پہلے والوں کو برباد کیا تھا (صحیح بخاری پ ۱۶ صـ۲۲)

(۹) انی لست اخشی علیکم ان تشرکوا ولکن اخشی علیکم الدنیا ان تنافسوھا قال فکانت آخر نظرۃ نظرتھا الی رسول اللہ۔ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا میں تمہارے بارے میں اس بات سے نہیں ڈرتا کہ تم مشرک ہو جاؤ گے۔ البتہ اس سے خوف زدہ ہوں کہ تم دنیا کو اختیار کرلوگے اور اس کی پرستش میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے جس وقت آنحضرتؐ سے یہ بات سنی اوس کے بعد حضرتؐ کو نہیں دیکھا (مطلب یہ کہ آنحضرتؐ نے دنیا سے جاتے وقت بھی مسلمانوں کے بارے میں اپنے اوس کرب و اذیت کو ظاہر فرمادیا تھا کہ یہ لوگ دنیا پرست ہو جائیں گے) (صحیح بخاری پ ۱۶ صـ۳۶)

(۱۰) واللہ ما اخاف علیکم ان تشرکوا بعدی ولکنی اخاف علیکم ان تنافسوا فیھا (صحیح بخاری پارہ ۔ ۱۶ صـ۵۱) اس کا ترجمہ گزر چکا۔

(۱۱) ویحکم انظروا لا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض۔ اے صحابہ تم پر وائے ہے دیکھو میرے بعد پلٹ کر کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن

Marfat.com

مارنے لگو (پ ۱۸ صـ۵۶) یہ حدیث بھی فتوحات اور دنیا پرستی ہی کے متعلق ہے اگر یہ لالچ نہ ہوتا تو مسلمان ایک دوسرے کی گردن مارتے ہی کیوں؟

(۱۲) ستلقون ربکم فیسئلکم عن اعمالکم الا فلا ترجعوا بعدی ضلالا یضرب بعضکم رقاب بعض۔ عنقریب تم لوگ اپنے پروردگار سے ملوگے اور وہ تم سب سے تمہارے اعمال کا حساب لے گا۔ تو دیکھو میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو (پ ۱۸ صـ۸۷) حضرت رسولخدا صلعم کے بعد ہی مسلمان ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگے چنانچہ کس قدر مسلمانوں کا خون اس قصور پر بہا دیا گیا کہ وہ صرف نماز روزہ کیوں بجا لاتے ہیں اور اُس وقت کی حکومت کو مان کر اس کو مال و دولت کیوں نہیں دیتے۔ اسکی تفصیل حضرت ابوبکر کی سوانحعمری میں گزر چکی[1] اس وجہ سے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اور چونکہ ممدوح کے کل امورِ خلافت حضرت عمر ہی کی رائے و مشورہ سے انجام پاتے تھے بلکہ درحقیقت تمام احکام اور انتظامات آپ ہی کے تھے اس وجہ سے آپ کے بارے میں بھی وہی افسوس ہے جو حضرت ابوبکر کے متعلق ہو سکتا ہے۔

(۱۳) الا وانہ یجاء برجال من امتی فیوخذ بھم ذات الشمال فاقول یارب اصیحابی فیقال انک لا تدری ما احدثوا بعدک فاقول کما قال العبد الصالح وکنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم فیقال ان ھولاء لم یزالوا مرتدین علی اعقابھم منذ فارقتھم سُن رکھو! قیامت کے روز میری امت کے کچھ لوگوں کو گرفتار کر کے جہنم کی طرف لے جائیں گے تو میں عرض کروں گا اے خدا! یہ تو میرے ہی اصحاب ہیں! اس پر مجھے جواب دیا جائیگا تمہیں خبر نہیں کہ ان لوگوں نے تمہارے بعد کیا کیا احداث کئے۔ اس پر میں وہی کہوں گا جو عبد صالح نے کہا تھا کہ جب تک میں ان لوگوں میں تھا ان کے امور کا نگراں رہا پھر جب تو نے مجھے موت دی تو تو ہی ان کا نگہبان ہو گیا تھا۔

[1] جو دفتر اصلاح کچھ اسے شایع ہو چکی ہے ۱۲

اس کے جواب میں مجھ سے ان صحابہ کے بارے میں کہا جائیگا کہ تمہاری مفارقت کے بعد ہی یہ لوگ برابر مرتد ہو کر اپنے پچھلے پاؤں سابق مذہب کی طرف جاتے رہے۔ (صحیح بخاری پ ۱۸ ص ۱۷۶) منذ فارقتهم (جس وقت سے تم ان سے جدا ہوئے) ایسا خطرناک جملہ ہے جس کی توضیح نہایت خوفناک ہے۔

(۱۴) صحیح بخاری پ ۱۹ ص ۲۵۹ میں بھی مذکور بالا حدیث ہے جس کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۱۵) ستلقون ربکم فیسأ لکم عن اعمالکم الا فلا ترجعوا بعدی ضلالا یضرب بعضکم رقاب بعض (پ ۲۳ ص ۳۲۶) اس کا ترجمہ بھی گزر چکا۔

(۱۶) لا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض (پ ۲۵ ص ۶۰) اس کا ترجمہ بھی پہلے گزر چکا۔

(۱۷) فوالله ما الفقر اخشی علیکم ولکن اخشی علیکم ان تبسط علیکم الدنیا کما بسطت علی من کان قبلکم فتنافسوها کما تنافسوها وتلهیکم کما الهتهم (صحیح بخاری پارہ ۔ ۶ ص ۵۶) ۔ اس کا ترجمہ بھی گزر چکا۔ اسکی شرح میں علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے سببها علمه ان الدنیا ستفتح علیهم ویحصل لهم الغنا بالمال وقد ذکر ذلک فی اعلام النبوة مما اخبر بوقوعه قبل ان یقع فوقع ۔ اس کا سبب ہو سکتا ہے یہ ہو کہ حضرت رسول کو علم (غیب) ہو گیا تھا کہ بہت جلد مسلمانوں کے لئے دنیا فتح ہو جائیگی اور اسکے ذریعہ سے ان کو مال و دولت بے حساب ملے گی۔ اور یہ چیز حضرتؐ کی نبوت کی دلیلوں میں سے قرار دی گئی ہے کیونکہ حضرتؐ نے واقعہ کے قبل اس کی خبر دی اور ایسا ہی ہوا۔ (فتح الباری پ ۲۶ ص ۹۸)

(۱۸) والله ما اخاف علیکم ان تشرکوا بعدی ولکنی اخاف علیکم ان تنافسوا فیها (پ ۲۶ ص ۹۶) ۔ ترجمہ پہلے گزر چکا۔

(۱۹) ان اول الخلائق یکسی یوم القیامة ابراهیم وانه سیجاء برجال من امتی فیؤخذ بهم ذات الشمال فاقول یارب اصحابی ۔ فیقول

انک لا تدری ما احدثوا بعدک فاقول کما قال العبد الصالح و کنت علیهم شهید ا الی قوله الحکیم فیقال انهم لم یزالوا مرتدین علی اعقابهم۔ وہ پہلے بزرگ جن کی بروز قیامت ستر پوشی کی جائے گی حضرت ابراہیمؑ ہوں گے۔ اور میری امت کے کچھ لوگ وہاں میرے پاس گرفتار کرکے لائے جائیں گے پھر فرشتے ان کو جہنم کی طرف لے چلیں گے تو میں کہونگا اے اللہ یہ تو میرے اصحاب ہیں! (ان کو تو جہنم میں کیوں بھیجتا ہے؟ (خدا جواب دے گا تمہیں نہیں معلوم ان لوگوں نے تمہارے بعد ہی کیا کیا احداث کئے اس پر میں عبد صالح والی بات کہوں گا تو مجھے جواب دیا جائیگا کہ یہ سب برابر اپنے پچھلے مذہب کی طرف جاتے اور مرتد ہی ہوتے رہے (صحیح بخاری پ ۲۷ ص ۱۰۱) یہ بڑی مصیبت ہے کہ تقریباً ان کل حدیثوں میں مرتد کا لفظ ہے کہ خدا نے حضرت رسول صلعم سے ان صحابہ کے بارے میں فرمایا یہ لوگ تمہارے بعد مرتد ہو گئے۔

(۲۰) عن النبیؐ قال انا فرطکم علی الحوض ولیرفعن رجال منکم ثم یختلجن دونی فاقول یارب اصحابی فیقال انک لا تدری ما احدثوا بعدک۔ حضرت رسو لخدا صلعم فرماتے ہیں کہ حوض کوثر میں سب مسلمانوں سے پہلے پہنچوں گا اور تم لوگوں سے کچھ لوگ وہاں اوٹھائے جائیں گے پھر وہاں سے ہٹا دیئے جائیں گے تو میں کہوں گا اے پروردگار! یہ تو میرے اصحاب ہیں اس پر مجھ سے کہا جائے گا تم کو نہیں معلوم کہ ان لوگوں نے تمہارے بعد کیا کیا احداث کئے (پ ۲۷ ص ۲۱۳) لہ

(۲۱) عن النبیؐ قال لیردن علی ناس من اصحابی الحوض حتی عرفتهم اختلجوا دونی فاقول اصحابی فیقول لا تدری ما احدثوا بعدک (پ ۲۷ ص ۲۱۵)

لہ "کچھ لوگ میرے پاس حوض کوثر پر آئیں گے پھر وہاں سے ہٹا دیئے جائیں گے۔ فرشتے اُن کو پکڑ کر کھینچ لیں گے وہاں سے دور کر دیں گے"۔
(انوار اللغۃ پ ۷ ص ۸۳)

Marfat.com

اس کا مطلب بھی وہی ہے جو اوپر کی حدیث کا بیان ہوا۔
(۲۲) ان رسول اللہ قال یرد علیّ یوم القیامۃ رھط من اصحابی فیحلئون عن الحوض فاقول یارب اصحابی فیقول انک لاعلم لک بما احدثوا بعدک انھم ارتدوا علی ادبارھم القھقری حضرت رسو لخدا صلعم فرماتے تھے کہ قیامت کے روز میرے اصحاب کا ایک گروہ میرے پاس پہنچیگا تو اُس کو فرشتے دھکے دیکر وہاں سے ڈھکیل دیں گے لہ اس پر میں کہوں گا اے پروردگار یہ تو میرے ہی اصحاب ہیں۔ تو خدا مجھے جواب دے گا تم کو کچھ خبر نہیں ہے کہ ان لوگوں نے تمہارے بعد ہی کیا کیا احداث کئے۔ یہ لوگ اپنے پچھلے پاؤں مرتد ہو گئے تھے (صحیح بخاری پ ۲۷ ص ۲۱۶) ۱۲
(۲۳) ان النبیؐ قال یرد علی الحوض رجال من اصحابی فیحلئون عنہ فاقول یارب اصحابی فیقول انک لا علم لک بما احدثوا بعدک انھم ارتدوا علی ادبارھم القھقری حضرت رسو لخدا صلعم فرماتے تھے کہ میرے پاس حوض کوثر پر میرے اصحاب سے کچھ لوگ آئیں گے تو وہاں سے دھکے دیکر نکال دیئے جائیں گے۔ اس پر میں کہوں گا اے پروردگا! یہ تو میرے اصحاب ہیں میں پھر کیوں

لہ قیامت کے دن کچھ لوگ میرے پاس آئیں گے حوض کوثر سے پینے کے لئے لیکن وہ حوض کوثر پر سے ہانک دیئے جائیں گے۔ فرشتے اُن کو ڈھکیل دینگے "(انوار اللغۃ پ ۱۱ ص ۵)
اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ وہاں سے معمولی طور پر نہیں بلکہ ذلت وخواری کے ساتھ دور کئے جائیں گے ۱۲ ۲ جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی نے لکھا ہے" یارب امتی فیقال انھم کانوا یمشون بعدک القھقری۔ آنحضرتؐ قیامت کے دن اپنی امت کے لوگوں کو جب فرشتے اُن کو دوزخ کی طرف لے جا رہے ہوں گے دیکھ کر عرض کرینگے پروردگار یہ تو میری امت کے لوگ ہیں۔ ارشاد ہوگا یہ لوگ تمہارے بعد اُلٹے پاؤں پھر گئے تھے اسلام چھوڑ کر مرتد ہو گئے تھے" (انوار اللغۃ پ ۲۱ ص ۱۸۲)
مولوی صاحب کے ترجمہ کی ہوشیاری قابل عبرت ہے کہ احادیث میں تو لفظ اصحابی بھرا ہوا ہے مگر آپ نے اس کا ترجمہ امت کر کے لوگوں کا ذہن دوسری طرف پھیرنے کی کوشش کی ۱۲

Marfat.com

ڈھکیلے جاتے ہیں؟) تو خدا جواب دے گا تم کو معلوم نہیں ان لوگوں نے تمہارے بعد کیا کیا احداث کئے ہیں۔ یہ مرتد ہو کر اپنے اُلٹے پاؤں (سابق مذہب کی طرف) پھر گئے تھے (پ ۲۷ ص ۲۱۶)

(۲۴) عن النبیؐ قال بینا انا قائم اذا زمرۃ حتے اذا عرفتهم خرج رجل من بینی وبینهم فقال هلم۔ فقلت این قال الی النار واللہ۔ قلت وما شانهم قال انهم ارتدوا بعدک علے ادبارهم القهقری ثم اذا زمرۃ حتے اذا عرفتهم خرج رجل من بینی وبینهم فقال هلم قلت این۔ قال الی النار واللہ۔ قلت ما شانهم قال انهم ارتدوا علے ادبارهم القهقری فلا اراہ یخلص منهم الا مثل هملالنعم

حضرت رسولخدا صلعم فرماتے تھے میں میدان قیامت میں کھڑا ہوں گا تو دیکھونگا کہ ایک گروہ سامنے آئیگا یہاں تک کہ میں اُن سب کو پہچان لوں گا۔ پھر میرے اور اس گروہ کے درمیان سے ایک شخص نکلے گا اور ان لوگوں سے کہے گا آؤ چلو۔ میں کہوں گا کہاں؟ جواب دے گا خدا کی قسم جہنم میں۔ میں کہوں گا ان لوگوں کا جرم اور گناہ کیا ہے؟ تو کہے گا یہ لوگ آپ کے بعد ہی مرتد ہو کر اپنے پچھلے مذہب کی طرف چلے گئے تھے۔ پھر دوسرا گروہ آئے گا اس کے ساتھ بھی وہی برتاؤ ہوگا۔ غرض میں ان لوگوں میں سے کسی کو جہنم سے بچتا ہوا نہیں دیکھونگا سوائے اتنے لوگوں کے جن کی تعداد بس اتنی سمجھو جس قدر چھوٹے ہوئے جانوروں کی ہوتی ہے (پ ۲۷ ص ۲۱۶)[1]

(۲۵) واللہ ما اخاف علیکم ان تشرکوا بعدی ولکنی اخاف علیکم ان تنافسوا فیها (پ ۲۷ ص ۲۱۷) یہ حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے۔

(۲۶) بنت ابی بکر قالت قال النبیؐ انی علے الحوض حتے انظر من یرد علیّ منکم

---

[1] فلا یخلص منهم الا مثل هملالنعم۔ اُن میں سے اتنے لوگ نجات پائیں جتنے گمے ہوئے چھوٹے ہوئے جانور ہوتے ہیں۔ وہ جانوروں میں بہت کم ہوتے ہیں مطلب یہ کہ بہت تھوڑے نجات پائیں گے" (انوار اللغۃ پ ۲۷ ص ۳۹۶)

وسیؤخذ ناس دونی فاقول یارب منی ومن امتی۔ فیقال هل شعرت ما عملوا بعدك؟ واللہ مابرحوا یرجعون علی اعقابهم فکان ابن ابی ملیکة یقول اللهم انا نعوذ بك ان نرجع علی اعقابنا او نفتن عن دیننا قال ابو عبداللہ علی اعقابکم تنکصون ترجعون علی العقب۔ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر کی صاحب زادی کہتی تھیں کہ حضرت رسولخدا صلعم نے مجھ سے فرمایا میں حوض کوثر پر رہوں گا تاکہ دیکھوں تم لوگوں سے کون کون وہاں میرے پاس آنے پاتا ہے۔ اُس وقت کچھ لوگوں کو دیکھوں گا کہ وہ میرے پاس ہی گرفتار کرلئے جائیں گے۔ اس پر میں عرض کروں گا اے پروردگار یہ تو مجھ سے اور میری امت سے ہیں تو مجھے جواب دیا جائے گا تمہیں کچھ خبر بھی ہے ان لوگوں نے تمھارے بعد کیا کیا گل کھلائے؟ خدا کی قسم یہ سب برابر اپنے پچھلے پاؤں سابق مذہب کیطرف جاتے ہی رہے۔ ابن ابن ملیکہ کہتے تھے کہ اے اللہ ہم اس سے پناہ مانگتے ہیں کہ اپنے پچھلے پاؤں پھر جائیں یا اپنے مذہب سے کسی خرابی میں پڑ جائیں۔
(صحیح بخاری پ ۲۷ ص ۲۱۷)

(۲۷) لاترجعن بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض (پ ۲۷ ص ۲۳۲)
پہلے بھی یہ حدیث بیان ہو چکی ہے۔

(۲۸) لاترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض (ص ۸۵۳)

(۲۹) عن النبیؐ قال انا علی حوضی انتظر من یرد علی فیؤخذ بناس من دونی فاقول امتی فیقال لا تدری مشوا علی القهقری۔ رسولؐ فرماتے تھے میں اپنے حوض پر انتظار کروں گا کہ کون لوگ میرے پاس آتے ہیں۔ مگر دیکھونگا کہ میری امت کے بہت سے لوگ گرفتار کرکے وہاں سے ہٹا دیئے جائیں گے۔ میں عرض کرونگا یہ تو میری ہی امت کے لوگ ہیں تو مجھے جواب ملے گا تم کو معلوم نہیں یہ لوگ دین اسلام کو چھوڑ کر دوسری طرف پلٹے گئے تھے (صحیح بخاری پ ۲۹ ص ۵۲۱)

(۳۰) عبداللہ قال قال لنا رسول اللہ انکم سترون بعدی اثرة وامورا تنکرونها۔ قالوا فما تامرنا یا رسول اللہ۔ قال ادوا الیهم حقهم وسلوا اللہ

حقلکم۔ حضرت رسولؐ کے ایک صحابی عبداللہ کہتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے ہم لوگوں سے فرمایا بہت جلد میرے بعد تم لوگ حق تلفی اور اندھیر کی باتیں دیکھو گے [1] ہم لوگوں نے پوچھا پھر حضور ہم لوگوں کو کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا ان کا حق ان کو دے دینا (تاکہ وہ تم پر پھر ظلم نہ کریں) اور اپنے حقوق کو خدا سے طلب کرنا۔ (صحیح بخاری پ ۲۹ ص ۵۲۲)

(۳۱) من کرہ من امیرہ شیئا فلیصبر۔ جو شخص اپنے حاکم کی کوئی حرکت ناپسند کرے اس کو چاہیئے کہ صبر کرے (پ ۲۹ ص ۵۲۲)۔

(۳۲) قول النبیؐ ھلاک امتی علی یدی اغیلمۃ سفھاء۔ حضرت رسولؐ نے فرمایا میری امت کی ہلاکت بے عقل چھوکروں کے ہاتھوں ہوگی۔ الصادق المصدوقؐ یقول ھلکۃ امتی علی ایدی غلمۃ من قریش فقال مروان لعنۃ اللہ علیھم غلمۃ۔ فقال ابو ھریرۃ لو شئت ان اقول بنی فلان و بنی فلان لفعلت۔ حضرت رسولؐ نے فرمایا میری امت کی ہلاکت قریش کے کچھ چھوکروں کے ہاتھوں ہونیوالی ہے۔ مروان نے یہ حدیث سُنی تو کہا ان چھوکروں پر خدا کی لعنت ہو۔ ابوہریرہ کہتے تھے اگر میں چاہوں تو یہ بھی بتا دوں کہ وہ فلاں فلاں خاندان کے لوگ ہیں (صحیح بخاری پارہ ۲۹ ص ۵۲۴) [2]

---

[1] تم میرے بعد دیکھو گے کہ دوسرے لوگوں کو تم پر بلا استحقاق فضیلت دی جائے گی تو صبر کئے رہنا (انوار اللغۃ پ ۱۵ ص ۹)۔ اللہ اکبر! آنحضرت صلعم نے بھی کیسی کیسی پیشینگوئیاں فرما دی تھیں۔ گویا اپنے بعد کے کل حالات کا فوٹو کھینچ کر اپنی زندگی ہی میں مسلمانوں کو دکھا دیا اور ہر انجام سے ہوشیار کر دیا تھا صلے اللہ علیہ وآلہ ۱۲)۔

[2] مولوی وحید الزمان خاں صاحب حیدر آبادی نے لکھا ہے "ھلاک امتی علی ایدی اغیلمۃ من قریش ابوہریرہ نے کہا آنحضرت صلعم نے فرمایا میری امت کی تباہی قریش کے چند بچوں کے ہاتھوں ہوگی۔ ابوہریرہ اون کے نام بھی جانتے تھے مگر فتنہ و فساد کے ڈر سے اُن کے نام نہیں لئے۔ ان بچوں سے یزید بن معویہ اور عبیداللہ بن زیاد اور عمر بن سعد وغیرہ مراد ہیں جنھوں نے خاندان نبوت کو تباہ کیا۔

Marfat.com

(۳۳) عن زینب بنت جحش انها قالت استیقظ النبی من النوم محمرا وجهه یقول لا اله الا الله ویل للعرب من شر قد اقترب فتح الیوم من ردم یاجوج

(بقیہ حاشیہ صـ۴۰۲) اللہ اُن سے سمجھے اور حجاج اور مروان اور عبدالملک اور سلیمان بن عبدالملک اور اون کی اولاد۔ ان سبھوں نے ہزاروں مسلمانوں کو قتل کرایا۔ امت کی تباہی اُن کے ہاتھوں ہوئی ۔۔ میں کہتا ہوں کیا معویہ بھی اس حدیث سے بچ سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اونھوں نے تو سب سے پہلے خونریزی اہل اسلام کا باب کھولا اور ستر ہزار مسلمانوں کو جن میں بڑے بڑے مہاجرین اور انصار اور تابعین کبار تھے قتل کرادیا اگر یہ مسلمان زندہ رہتے اور مخالفوں پر اپنی قوت صرف کرتے تو کس قدر دین کی ترقی ہوتی هلكة امتی علی ایدی غلمة۔ میری امت کی تباہی چند چھوکروں کے ہاتھ پر ہوگی جو بغیر صلاح و مشورے کے اور اصحاب حل وعقد کی رائے کے زور زبردستی اور دھینگا مشتی سے بادشاہ بن بیٹھیں گے۔ یا کسرے اور قیصر اور انگلش دستور کے موافق باپ کے بعد بیٹا یا بیٹی کو تخت ملے گا گو سخت نالائق اور جاہل اور خودسر فاسق فاجر ہوں۔ اس حدیث کا ظہور تیرہ سو برس سے ہو رہا ہے جب سے یزید بن معویہ بموجب قانون کسرے اور قیصر کے باپ کے بعد بادشاہ بن بیٹھا اُس روز سے آجتک اسلام کی تباہی ہو رہی ہے۔ اور ہمارے زمانہ میں تو یہ تباہی حد درجہ کو پہنچ گئی ہے۔ یہ ساری خرابی اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ مسلمانوں نے شریعۃ محمدی کا قاعدہ چھوڑ کر کفار کا شیوہ اختیار کیا۔ شریعت محمدی کا قاعدہ یہ ہے کہ تمام قریشی مسلمانوں میں جو شخص افضل اور اعلےٰ اور جواں مرد باہمت صاحب تقویٰ وشجاعت ماہر فن سیاست اور حکمرانی ہو وہ سب یا اکثر مسلمانوں کی رائے سے بغلبہ آراء امام اور حاکم بنایا جائے۔ وہ بھی اسی شرط سے کہ شریعت پر چلتا رہے اور علماء اور فضلاء اور عقلاء سے مشورہ لیتا رہے۔ استبداد اور خودسری سے باز رہے۔ اگر مسلمان اس قاعدہ پر چلتے رہتے تو اسلام کی تباہی کیوں ہوتی" (انوار اللغۃ پارہ ۔ ۱۹ صـ۶۵)۔ معلوم نہیں مولوی صاحب نے اس حدیث کا مصداق معویہ

وما جوج مثل هذه - ایک روز حضرت رسول خدا صلعم خواب سے اس طرح بیدار ہوئے کہ حضور کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ فرماتے تھے لا الہ الا اللہ - عرب کے لئے اس شر و فساد سے جو قریب آگیا ہے کیسی تباہی و بربادی ہو گی۔ یاجوج اور ماجوج کی سد میں سے اس وقت اتنا کھل جائیگا (صحیح بخاری پارہ۔ ۲۹ ص ۵۲۵)

اس قدر حدیثوں پر بھی آنحضرت ص نے اکتفا نہیں فرمائی بلکہ ارشاد فرماتے جاتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ ص ۴۰۳) و یزید وغیرہ ہی کو کیوں قرار دیا۔ کیا ان سے پہلے حضرات نے مسلمانوں کی ہلاکت نہیں کی؟ زکوٰۃ نہ دینے کے لئے کتنے مسلمانوں کا خون بہایا گیا؟ پھر وہ کیوں اس سے خارج سمجھے جائیں گے؟ اور زور زبردستی و جنگ مشتی کی بیعت سب سے پہلے کن بزرگ کی کی گئی؟ انما کانت بیعۃ ابی بکر فلتۃ کو تو آپ بھی لکھ چکے ہیں "حضرت عمر نے کہا ابوبکر صدیق کی بیعت تو ناگہانی یکایک بغیر غور و فکر کئے ہو گئی تھی" (انوار الکلمۃ پ ۲۰ ص ۱۰۰)

غرض اس حدیث کی تصدیق بھی حضرت رسول خدا صلعم کی آنکھ بند ہوتے ہی شروع ہو گئی تھی۔ مولوی صاحب کا آخری فقرہ "قاعدہ یہ ہے کہ تمام قرشی مسلمانوں" میں الخ بھی نہایت حیرت خیز ہے۔ یہ قاعدہ کس نے ایجاد کیا اور اس کے ایجاد کرنے کا حق کس نے دیا؟ خدا نے تو فرمایا ہے انی جاعل فی الارض خلیفۃ۔ زمین میں خلیفہ مقرر کرنے والا میں ہی ہوں (پ ۱ ع ۴) و ربک یخلق ما یشاء و یختار ما کان لھم الخیرۃ سبحان اللہ و تعالے عما یشرکون تمہارا پروردگار ہی جسے چاہتا پیدا کرتا اور جسے چاہتا منتخب کرتا ہے۔ لوگوں کے اختیار میں کسی کا انتخاب کرنا نہیں! یہ لوگ جو خدا کے اختیارات میں شریک ہونا یا کسی کو شریک کرنا چاہتے ہیں اللہ اس سے پاک و بلند ہے (پ ۲۰ ع ۲۰) اس آیۃ مبارکہ نے بھی واضح طور پر بتا دیا کہ جس طرح ہر شخص پیدا ہونے میں خدا کا محتاج ہے بالکل اسی طرح خلیفہ یا امام ہونے میں بھی اسی قادر مطلق کا محتاج ہے۔ آدمیوں میں اس کی صلاحیت ہی نہیں کہ کسی کو رائے۔ مشورہ یا اجماع سے خلیفہ بنا سکیں۔

Marfat.com

(۳۴) اشرف النبیؐ علی اطم من اطام المدینۃ فقال ھل ترون ما اری؟ قالوا لا قال فانی لاری الفتن تقع خلال بیوتکم کوقع المطر۔ ایک دفعہ حضرت رسولخداؐ مدینہ کے ایک عالی شان محل پر چڑھے تو فرمانے لگے جو میں دیکھتا ہوں کیا تم لوگ بھی دیکھتے ہو؟ سب نے کہا نہیں۔ حضرت نے فرمایا میں وہ فتنے دیکھتا ہوں جو تمھارے گھروں میں اس طرح پڑنے والے ہیں جس طرح مینہ گرتا ہے (پ ۲۹ ص۵۲۶)۔ ظاہر ہے کہ حضرت صلعم کے بعد ہی صحابہ کے گھروں میں کوئی فتنے نہیں واقع ہوئے۔ اور آنحضرت صلعم کا قول غلط بھی نہیں ہوسکتا۔ اس وجہ سے ماننا پڑے گا کہ آنحضرتؐ کا مقصود فتوحات۔ لشکر کشی۔ ملک گیری وغیرہ ہی کے فتنے تھے۔

(۳۵) قول النبیؐ لاترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض (پ ۲۹ ص۵۳۲)

(۳۶) قال النبیؐ لاترتدوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض آنحضرتؐ نے فرمایا کہ دیکھو تم لوگ مرتد ہوکر کافر نہ بن جانا کہ لگو ایک دوسرے کی گردنیں مارنے (پارہ ۲۹۔ ص۵۳۴)

(۳۷) قال رسولؐ اللہ ستکون فتن القاعد فیھا خیر من القائم والقائم فیھا خیر من الماشی والماشی فیھا خیر من الساعی۔ من تشرف لھا تستشرفہ فمن وجد فیھا ملجأ او معاذا فلیعذ بہ۔ حضرت صلعم نے فرمایا بہت ہی جلد ایسے فتنے پیدا ہونے والے ہیں جن کی ایسی حالت ہوگی کہ جو شخص ان سے بیٹھا رہیگا (یعنی ان میں شرکت کے لئے کھڑا نہیں ہوگا) وہ کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا۔ اور جو ان میں کھڑا ہوگا وہ ان کے لئے چلنے والوں سے بہتر ہوگا اور جو انکے لئے چلے گا وہ ان کے لئے کوشش کرنے والوں سے بہتر ہوگا۔ جو ان فتنوں کو قصد کرکے دیکھے گا تو فتنے بھی ان کو دیکھیں گے۔ پس جو شخص کوئی جائے پناہ پاجائے امن پائے وہ اپنے کو ان فتنوں سے بچالے (پ ۲۹ ص۵۳۵) [1]

[1] جناب مولوی وحیدالزماں خانصاحب حیدرآبادی لکھتے ہیں" من تشرف

(۳۸) حذیفۃ بن الیمان یقول کان الناس یسئلون رسول اللہ عن الخیر وکنت اسأل عن الشر مخافۃ ان یدرکنی فقلت یا رسول اللہ انا کنا فی جاھلیۃ وشر فجاءنا اللہ بھذا الخیر فھل بعد ھذا الخیر من شر قال نعم قلت وھل بعد ذلک الشر من خیر قال نعم وفیہ دخن قلت وما دخنہ قال قوم یھدون بغیر ھدیی تعرف منھم وتنکر قال قلت فھل بعد ذلک الخیر من شر قال نعم دعاۃ علی ابواب جھنم من اجابھم الیھا قذفوہ فیھا۔ حذیفہ بن یمان بیان کرتے تھے کہ دوسرے صحابہ حضرت رسولخدا سے خیر کی باتیں پوچھتے مگر میں حضرتؐ سے شر و فساد ہی کی باتیں دریافت کرتا اس خوف سے کہ میں خود ان میں نہ پڑ جاؤں۔ اس وجہ سے میں نے عرض کی اے رسولؐ خدا ہم لوگ جاہلیۃ اور شر و فساد کے عالم میں تھے تو خدا نے اس خیر کا زمانہ دکھایا (کہ حضور ہم لوگوں کی ہدایت کو تشریف لائے) کیا اس کے بعد ہی پھر شر و فساد کا زمانہ آجائے گا؟ حضرتؐ نے فرمایا ہاں۔ میں نے پوچھا کیا پھر اس شر و فساد کے بعد خیر کا زمانہ آئے گا؟ حضرتؐ نے فرمایا ہاں اور اس میں ملونی ہوگی۔ میں نے عرض کی اس کی ملونی کیا ہوگی؟ فرمایا ایک قوم جو بغیر میری ہدایت کے ہدایت کریگی ان میں کچھ اچھی بات بھی دیکھو گے اور بری بھی۔ میں نے عرض کی کیا اس خیر کے بعد بھی شر ہوگا؟ حضرتؐ نے فرمایا ہاں وہ لوگ ہونگے جو جہنم کے دروازوں کی طرف لوگوں کو بلائیں گے۔ جو لوگ ان کی بات مانینگے ان کو اسی جہنم میں پھینک

(بقیہ حاشیہ ۴۰۵) لھا استشرفت لہ۔ جو شخص فتنوں کو قصد کر کے دیکھے گا خواہ مخواہ اُن کے سامنے جائے گا تو فتنے بھی اُس کو دیکھیں گے وہ بھی اُن میں پڑ جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ فتنوں سے الگ رہنا چاہیئے۔ دور بھاگنا چاہیئے۔ اسی میں بچاؤ ہے۔ جب اُن کے پاس گئے تو احتمال ہے کہ خود بھی اُن میں گرفتار ہو جائے۔ بعضوں نے استشرفت لہ کو اشراف سے ماخوذ کیا یعنی فتنے اوس کو ہلاک کر دینگے ۱۲۔

دینگے (پ ۲۹ ص ۵۳۸)۔ تاریخ بتاتی ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد خلفاء ثلثہ کا زمانہ آیا۔ پھر حضرت علی کی ظاہری خلافت کا زمانہ آیا اس میں ملونی ہوئی کہ حضرتؓ ان لوگوں کو رسولؐ کے راستہ پر لے چلنا چاہتے تھے مگر وہ لوگ کہتے تھے کہ آپ اپنے سابق لوگوں کی سیرت پر عمل کیجئے اسی وجہ سے جنگ جمل و صفین و نہروان وغیرہ بھی ہوئیں۔ حضرت علیؓ کے بعد پھر خلفاء بنی امیہ کا زمانہ آیا۔

(۳۹) لتتبعن سنن من قبلکم شبرا شبرا و ذراعا ذراعا حتی لو دخلوا جحر ضب تبعتموهم قلنا یا رسول اللہ الیهود والنصاریٰ قال فمن۔ آنحضرتؐ نے صحابہ سے فرمایا یقیناً تم لوگ اپنے پہلے والوں کا طریقہ اختیار کرلوگے ان کی ہر بالشت اور ہر ہاتھ کی جگہ تمہاری بالشت اور تمہارا ہاتھ بھی ہوگا یہاں تک کہ اگر وہ سوسمار کے سوراخ میں گئے ہوں گے تو تم لوگ بھی ان کی پیروی کروگے ہم لوگوں نے عرض کی کیا یہود و نصاریٰ کی پیروی ہم لوگ کرنے لگیں گے؟ حضرتؐ نے فرمایا اور کس کی (صحیح بخاری پارہ ۔ ۲۹ ص ۱۰۷۵)۔ یہ حدیث پہلے بھی بیان ہو چکی۔ اس میں قابل غور یہ بات ہے کہ حضرتؐ صحابہ ہی سے یہ خطاب فرماتے ہیں اور حرف تاکید کے ساتھ۔ لہذا اسی طرح واقع ہونا ضروری تھا۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ ان صحابہ نے کیا کیا جس کی وجہ سے وہ یہود و نصاریٰ کے مشابہ قرار دیئے گئے۔ سوائے ان کی ملکی فتوحات۔ ملک گیری، دنیا طلبی، زر پرستی، عیش و راحت کے تو کوئی بات نظر نہیں آتی۔

(۴۰) انکم سترون بعدی اثرة شدیدة فاصبروا حتی تلقوا اللہ و رسوله علی الحوض۔ حضرت رسول صلعم نے فرمایا تم لوگ بہت جلد شدید حق تلفی کو دیکھو گے۔ اس پر صبر کرنا یہاں تک کہ قیامت کے روز خدا کے دربار میں حاضر ہو اور حوض کوثر پر رسولؐ سے ملو (پ ۱۲ ص ۱۶۲)۔ وہ شدید حق تلفی کس نے کی؟ اور کس کی ہوئی؟ جس پر صبر کی تعلیم حضرت رسولؐ دیتے رہے ہیں۔ غالباً یہ بھی کوئی توضیح طلب امر نہیں ہے [1]

[1] جناب شاہ عبدالحق صاحب دہلوی نے حضرت رسولخداؐ کی وفات کے [illegible]

Marfat.com

(۳۴) ان ام سلمۃ قالت استیقظ النبیؐ فقال سبحان اللہ ماذا انزل من الخزائن وماذا انزل من الفتن جناب ام سلمہ بیان کرتی تھیں کہ حضرت رسولخدا صلعم ایک دفعہ خواب سے بیدار ہوئے تو فرمایا سبحان اللہ کس قدر خزانے نازل ہوں گے اور کتنے فتنے واقع ہوں گے (پ ۱۴ ص ۳۴۱) اس حدیث میں خزانوں اور فتنوں

(بقیہ حاشیہ ص ۴۰۷) حالات میں لکھا ہے "بعد ازاں فرمود برادر من علیؑ را بیارید علیؑ بیامد و بر بالین آنحضرت بہ نشست و سر مبارکش را بر زانوئے خویش نہاد و آں سرور فرمود اے علیؑ فلاں یہودی پیش من چندیں مبلغ وارد کہ از وے برائے تجہیز لشکر اسامہ بقرض گرفتہ بودم زنہار کہ حق او را از ذمہ من ادا کنی۔ و فرمود اے علیؑ تو اول کسے خواہی بود کہ در لب حوض کوثر بمن پرسی۔ و بعد از من مکروہات بہ تو خواہد رسید باید کہ دل تنگ نہ شوی و صبر کنی و چوں ببینی کہ مردم دنیا اختیار کنند باید کہ تو آخرت را اختیار کنی۔ اس کے بعد حضرت صلعم نے فرمایا میرے بھائی علیؑ کو میرے قریب کر دو۔ حضرت علیؑ قریب ہو گئے اور آنحضرت صلعم کے سر مبارک کو اپنے زانو پر رکھ لیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ فلاں یہودی کا میرے ذمہ اس قدر مال ہے جسے میں نے اسامہ کا لشکر روانہ کرنے کے لئے اس سے قرض لیا تھا خوب تاکید جاننا کہ اس کا قرض میرے ذمہ سے ادا کر دینا۔ اور فرمایا اے علیؑ تم پہلے شخص ہو گے کہ حوض کوثر کے کنارے میرے پاس پہنچو گے۔ اور میرے بعد بڑی بڑی اذیت تم کو پہنچیگی۔ چاہیئے کہ تم دل تنگ نہ ہونا اور صبر کرتا اور جب دیکھنا کہ لوگ دنیا اختیار کر رہے ہیں تو چاہیئے کہ تم آخرت ہی کو اختیار کئے رہو (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۱۱۴)۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو کس امر پر صبر کرنے کی تاکید فرمائی یہ امر بھی واضح ہوا کہ حضرتؐ نے ایک یہودی سے اسامہ کا لشکر روانہ کرنے کے لئے جو رقم قرض لی تھی اس کے ادا کرنے کا حکم نہ عام مسلمانوں کو دیا نہ حضرت ابوبکر کو اور نہ حضرت عمر کو اور نہ بغیر اس کا انتظام کئے دنیا سے تشریف لے گئے بلکہ وصیت کی اور حضرت علیؑ سے کی۔ اب یہ مشکل سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت

Marfat.com

کا ذکر ساتھ ہی ساتھ ہے۔ کہ آنحضرتؐ کے بعد ہی جب خزانے بہت زیادہ آئیں گے تب وہ فتنے بھی ہوں گے۔ اور معلوم ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد ہی کب خزانوں کے آنے کی کثرت ہوئی۔ پس حضرتؐ نے اوسی زمانہ کو فتنوں کی مدت کہی ہے۔

(۴۲) عن ام سلمۃ قالت استیقظ النبیؐ من اللیل وھو یقول لا الہ الا اللہ ماذا انزل اللیلۃ من الفتنۃ ماذا انزل من الخزائن من یوقظ صواحب الحجرات کم من کاسیۃ فی الدنیا عاریۃ یوم القیامۃ۔ جناب ام سلمہ بیان کرتی ہیں کہ ایک رات حضرت رسولخدا صلعم خواب سے بیدار ہو کر فرمانے لگے لا الہ الا اللہ آج رات کو مجھے کس کثرت سے وہ فتنے دکھائے گئے جن میں میری امت مبتلا ہو گی اور کس قدر وہ خزانے دکھائے گئے جو میری امت کو ملیں گے۔ حجرے والیوں کو کوئی جگائے گا۔ کتنے وہ ہیں کہ دنیا میں اچھے کپڑے پہنیں گے مگر قیامت میں برہنہ محشور ہوں گے (پ ۲۴ ص ۴۷۳)۔ ایک ہی وقت فتنوں اور خزانوں کو بیان کرنا بتاتا ہے کہ وہ فتنے یہی خزانے تھے۔ یا ایسے کام تھے جن کی وجہ سے وہ خزانے حاصل ہوئے۔ ایسی حدیثیں نہایت کثرت سے ہیں ہم نے صرف ان چند حدیثوں کو نقل کیا جو صحیح بخاری میں ہیں جو اصح الکتب بعد کتاب الباری (قرآن مجید کے بعد دنیا بھر کی کتابوں سے زیادہ صحیح ہے) کہی جاتی ہے جس کے کسی ایک حرف کے متعلق بھی ہمارے ہیرو کے ماننے والوں کو عذر یا شک و شبہ کا موقع نہیں ہے۔ ان سب پر سرسری نظر ڈالنے سے بھی یقین ہو جاتا ہے کہ ملکوں کے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۰۸) نے اس کے ادا کرنے کی وصیت حضرت علیؑ سے کیوں کی؟ اگر حضرت علیؑ کو آپ نے اپنی زندگی ہی میں اپنا خلیفہ نہیں بنایا تھا تو اپنے بعد کے خلیفہ کا کام حضرتؑ کے ذمہ کیوں کیا؟ اس لئے کہ اس رقم کا ادا کرنا تو حضرتؐ کے خلیفہ ہی کا کام تھا جو شخص بھی خلافت کے عہدہ پر فائز ہوتا اس کو ادا کر دیتا۔ لیکن آنحضرتؐ کا اس کے لئے اس درجہ اہتمام اور سب کو چھوڑ کر اس خدمت کو صرف حضرت علیؑ کے ذمہ کرنا صاف بتاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے یہ عہدہ کس کو سپرد کر دیا تھا۔

Marfat.com

فتح۔ مسلمانوں کے بادشاہت۔ دنیا کے حاصل کرنے دولت کے بڑھانے۔ عیش و راحت کے مزے لوٹنے۔ دوسری قوموں کو اپنا غلام بنانے وغیرہ دنیوی امور کو آنحضرت صلعم برابر نفرت کی نظر سے دیکھتے اور انہیں باتوں کا مسلمانوں کے متعلق خوف رکھتے تھے۔ اور یہ کل باتیں آنحضرت صلعم کے انتقال کرنے کے بعد ہی واقع ہوتی گئیں۔

چھٹا باب

پہلی فصل۔ نظام حکومت

حضرت عمر اس اعتبار سے نہایت درجہ قابل مداح ہیں کہ آپ نے حکومت کا انتظام سلطنت کا آئین اور بادشاہت کا دستور ایسا مقرر کیا جس نے بڑے بڑے مدبرین کو محو حیرت کر دیا ہے۔ اس لئے کہ اوس زمانہ میں عربوں کو ان باتوں سے شاید ہی کسی امر کا ایسا تجربہ ہو جس کو دیکھکر آپ نے یہ خوبیاں حاصل کی ہوں۔ عربوں کی سادہ زندگی، بدوی معاشرت، وحشی بود و باش سے کس کو یہ امید ہو سکتی تھی کہ وہ اُس زمانہ کی زبردست قوموں پر حکومت کرنے لگیں گے اور وہ بھی اس کامیابی اور ناموری سے کہ دوسرے ممالک کی قومیں بھی مرعوب ہو گئیں۔ حالانکہ حضرت ابوبکر و عمر دونوں بزرگ سے کوئی بھی نہ خاندانی حاکم تھا نہ کسی نے کسی ریاست کے ملک میں کچھ کام کرنے کا موقع پایا تھا۔ حضرت عمر کی ابتدائی حالت اس سوانح عمری کے پہلے حصہ میں مذکور ہو چکی۔ ممدوح کو اپنے اوپر خود تعجب ہوتا تھا۔ مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "سن رشد کو پہنچکر خطاب ان کے باپ نے ان کو جو خدمت سپرد کی وہ اونٹوں کا چرانا تھا۔ یہ شغل اگرچہ عرب میں معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ قومی شعار تھا لیکن خطاب نہایت بے رحمی کے ساتھ اُن سے سلوک کرتے تھے۔ تمام تمام دن اونٹ چرواتے کا کام لیتے اور جب کبھی تھک کر وہ دم لینا چاہتے تو سزا دیتے۔ جس میدان میں حضرت عمر کو یہ مصیبت انگیز خدمت انجام دینی پڑتی

تھی اُس کا نام صنبان تھا جو مکہ معظمہ سے قریب قدید سے ۱۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ خلافت کے زمانہ میں ایک دفعہ حضرت عمر کا اُدھر گزر ہوا تو اون کو نہایت عبرت ہوئی۔ آب دیدہ ہو کر فرمایا کہ اللہ اکبر ایک وہ زمانہ تھا کہ میں یہاں لمڈے کا کرتہ پہنے ہوئے اونٹ چرایا کرتا اور تھک کر بیٹھ جاتا تو باپ کے ہاتھ سے مار کھاتا۔ آج یہ دن ہے کہ خدا کے سوا میرے اوپر اور کوئی حاکم نہیں" (الفاروق حصہ ۱ ص ۲۵)۔

حضرت عمر کی یہ صاف بیانی بھی قابل قدر ہے کہ اپنی ابتدائی اور انتہائی دونوں حالتوں کی تصویر کھینچ دی۔ اور کسی کو یہ کہنے کا موقع نہیں دیا کہ آپ دنیا سے اسلام کے تنہا بادشاہ ہو کر اپنی سابق حالت بھول گئے تھے۔ حضرت عمر کیوں فتوحات میں اس درجہ کامیاب ہو گئے اور پھر حکومت کے انتظام میں بھی آپ ممدوح رہے کہ آپ کی رعایا آپ سے خوش رہی۔ آپ کے احکام کو لوگ پسند کرتے رہے۔ آپ کے زمانہ میں امن و امان قائم رہا۔ اور ہر طرف خوش حالی اور عافیت ہی کی چہل پہل نظر آتی تھی۔ اس کی وجہ ممکن ہے بعض نافہم یہ قرار دیں کہ حضرت ممدوح غیر معمولی دل و دماغ لے کر آئے تھے۔ خدا نے آپ کو بادشاہت اور حکومت کا خاص ملکہ عطا کر دیا تھا۔ آپ فطرۃً بہت بڑے مدبر اعلےٰ درجہ کے منتظم۔ اول نمبر کے سیاست داں اور ہر طرح کے کمال کا مجموعہ تھے اور آپ کی ذات میں تمام فضائل علمیہ و عملیہ جمع ہو گئے۔ لیکن بہتر ہے کہ اسکی وجہ دریافت کرنے سے پہلے اس امر کو حل کر دو کہ کیا حضرت عمر اس میدان ترقی میں تنہا ہیں؟ کیا آپ کی طرح غیر معمولی کامیابی کسی اور کو نہیں ہوئی؟ کیا خود اسلام میں ایسے لوگ نہیں پیدا ہوئے جنھوں نے حیرت خیز فتوحات کے ساتھ نظام حکومت بھی اعلےٰ درجہ کا کر کے لوگوں کو دکھا دیا کہ سلطنت اس طرح کیجاتی ہے۔ اگر حضرت عمر کے بعد ہی ایسے لوگوں کا پتا بھی مل جائے جن کی دینوی ترقی جن کی حکومت جن کی سلطنت۔ جن کی کامیابی عجائب و غرائب کا مجموعہ کہی جا سکے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ لوگ مدح و ثنا سے صرف اس قصور پر محروم کر دیئے جائیں کہ وہ خلیفۂ دوم نہیں تھے۔ اور ہر قسم کی ستائش حضرت ہی کیلئے منحصر و محدود ہو جائے۔

Marfat.com

درصورتیکہ وہ دوسرے سلاطین بھی مذہبی حیثیت سے خلفاء ہی مانے گئے اور اسی سلسلہ کے مقتدا اور پیشوا تسلیم کئے گئے۔ اور مذہب و مسلک و مشرب کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں بتایا جا سکتا۔ مثال کے لئے امیر معویہ۔ منصور دوانیقی اور مامون الرشید کو دیکھو۔ حضرت عمر کو تو حضرت ابوبکر نے خلیفہ بنایا۔ اپنی زندگی ہی میں ان کے لئے سب مسلمانوں سے بیعت لی اور پوری دنیائے اسلام ان کے حوالہ کر کے گئے جس کے بعد اسلام کی حکومت اسلام کی فوج۔ اسلام کے خزانے پر قبضہ کرنے میں حضرت عمر کا ایک منٹ بھی صرف نہیں ہوا۔ جما جمایا ہوا پورا انتظام سلطنت حاصل ہو گیا برخلاف آپ کے امیر معویہ کی حالت تھی کہ ان کے بڑے بھائی یزید بن ابوسفیان کو حضرت ابوبکر نے شام کا حاکم بنایا تھا۔ ان کے مرنے پر معویہ وہاں کے حاکم بنائے گئے۔ ان کو تو خلافت پر قبضہ کرنے کا خواب و خیال بھی نہ ہو گا۔ لیکن جب اس کا موقع آ گیا تو اس پر قبضہ کر کے رہے۔ حضرت عمر سے کسی مسلمان کو اختلاف نہیں تھا (شیعہ بیچارے صبر کر کے خاموشی کے عالم میں زندگی بسر کرتے تھے) برخلاف امیر معویہ کے کہ حضرت علیؓ کو تمام مسلمانوں نے (ظاہری) خلیفہ تسلیم کر لیا تھا اور اوسی طرح دنیائے اسلام کا بادشاہ ماننے لگے تھے جس طرح حضرت ابوبکر و عمر و عثمان مانے گئے تھے۔ اسلامی فوج حضرت کے قبضہ میں تھی۔ اور گویا وہی تخت ملا تھا جس پر خلفاء ثلثہ بیٹھ چکے تھے مگر امیر معویہ نے ان تمام باتوں سے لاپروا ہو کر حضرت علیؓ سے مقابلہ کیا اور کس قدر کامیابی حاصل کر لی کہ وہ ترقی ہی کرتے گئے اور حضرت علیؓ کا امر کمزور ہی ہوتا گیا۔ معویہ کی طاقت بڑھتی ہی گئی اور حضرت علیؓ کی پریشانی ہی زیادہ ہوتی رہی۔ غرض سلطنت و بادشاہت و حکومت کے اعتبار سے امیر معویہ نے پورا مقابلہ کیا اور ہر طرح کامیابی حاصل کی تو کیا امیر معویہ کے بارے میں بھی سمجھا جائے کہ خدا نے ان کو خاص دل و دماغ دیکر پیدا کیا تھا۔ اور وہ حضرت عمر سے بھی زیادہ مجموعۂ کمالات تھے کیونکہ حضرت عمر کے ساتھ سب مسلمان تھے تب وہ کامیاب ہوئے اور امیر معویہ کے ساتھ کم اور زیادہ تر حضرت علیؓ کے ساتھ مسلمان

تھے۔ پھر بھی معویہ ہی کامیاب ہوگئے۔ اسی طرح منصور دوانیقی خاندان بنی امیہ ایسی قہار سلطنت کو چور اور فنا کر کے خود بادشاہ بن بیٹھا اور حکومت کا انتظام بھی اعلےٰ درجہ کا کر لیا اس وجہ سے اس کا درجہ حضرت عمر سے بھی بڑھ گیا کیونکہ حضرت عمر نے جس اسلامی سلطنت کو ایران۔ عراق۔ شام و مصر کی بادشاہتوں کے تباہ کرنے کے بعد قائم کیا تھا اور جو ۱۳۲ھ تک بہت ترقی کرتی اور ہر طرف پھیلتی گئی تھی اوسی عظیم الشان سلطنت کو سفاح اور منصور دوانیقی نے چٹکی بجاتے ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا کہ پھر شام میں اس خاندان کا کوئی بادشاہ تخت حکومت پر نہ بیٹھ سکا۔ اس کے بعد مامون الرشید کا درجہ ہے کہ اس نے بھی اسی سفاح و منصور دوانیقی کی قائم کی ہوئی زبردست سلطنت کے بڑے جزو سے جو خلیفۂ وقت کے قبضہ و تصرف میں تھا اور جس کا پائے تخت بھی بغداد ہی تھا مقابلہ کر کے اسکی اینٹ سے اینٹ بجادی اور خاندان بنی عباس کے مشہور بادشاہ امین کو قتل کر کے خراسان سے بغداد پہنچ کر اس سلطنت پر قبضہ کر لیا اور اپنی کامیابیوں سے تمام دنیا کو محو حیرت کر دیا۔ غرض معویہ۔ سفاح۔ منصور اور مامون کی کامیابیاں حضرت عمر کی کامیابیوں سے کہیں بڑھی چڑھی نظر آتی ہیں۔ اس لئے کہ ان لوگوں نے اپنے زمانہ کی غالب اور مدت دراز کی جمی ہوئی اسلامی سلطنتوں کا مقابلہ کیا۔ اُس عہد کے خلفاء سے جنگ پر تُلے۔ شیرازۂ اسلام کے پراگندہ کرنے پر آمادہ ہوئے اور مسلمانوں ہی میں اختلاف پیدا کر کے اپنے کو کامیاب بنانے کی کوشش کی اور جو چاہا کر لیا۔ ہر قدم پر فتح و ظفر ان کا ساتھ دیتے رہے۔ ہر موقع پر انہیں کا مقصود حاصل ہوتا رہا اور ہر امر میں انہیں کا ڈنکا بجنے لگا اور سابق خلیفہ یا بادشاہ کی طاقت انکی قوت سے ٹکر کھا کر پاش پاش ہوگئی غالباً اُس کا راز یہ ہے کہ حضرت عمر نے مسلمانوں کو امیدوار کیا کہ دوسرے ملکوں کو فتح کرو۔ ان کی جائداد پر قبضہ کرو۔ ان کی دولت لے لو۔ اور ان کے لڑکوں لڑکیوں کو غلام بنا لو کہ اس طرح دنیا ہی تمہارے لئے بہشت ہو جائیگی۔ اگر اس میں مر گئے تو شہید ہو کر سیدھے جنت میں داخل ہو جاؤ گے کسی حالت میں تمہارا نقصان نہیں اس وجہ سے مسلمانوں نے ان کی ہر بات خوشی سے قبول کی آپ کی ہر ادا پسند کی اور

آپ کو دل سے بادشاہ ماننے پر طیار رہے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فتوحات بھی حاصل ہوئیں اور چونکہ پوری قوم مال و دولت کی طمع میں آپ سے خوش تھی۔ اس وجہ سے حکومت کا نظام بھی بالکل درست رہا۔ کسی نے چون وچرا کرنیکی ضرورت بھی نہیں سمجھی اور آپ کی خلافت پوری طرح کامیاب ہوگئی ۔ معویہ و سفاح و منصور و دوانیقی و مامون نے بھی یہی اصول اختیار کئے کہ مال و دولت کی طمع پر اپنے زمانہ کے مسلمانوں کو اُبھارنا شروع کیا اور اسی زور پر اپنے مقابلہ کی حکومتہ سے سلطنت چھین لی [۱] ۔

دوسری فصل

فرزند حضرت عمر (ابو شحمہ) کی شراب خواری

حضرت عمر کے ایک فرزند عبدالرحمٰن کا واقعہ جن کی کنیت ابو شحمہ تھی حضرت عمر کے عہد کا ایک دردناک قصہ ہے۔ اس کی تفصیل مورخین نے اس طرح لکھی ہے کہ

---

[۱] سفاح نے بنی امیہ سے جس سلطنت کو چھینا وہ انتہائے عروج کے زمانہ میں سلطنت چین سے بحر ظلمات تک اور دریائے گنگا سے شمالی اسپین تک پھیلی ہوئی تھی ۔ اس سلطنت کے ختم ہونے کے بعد پھر مسلمانوں کے کسی خاندان کی بادشاہت اتنی وسیع نہیں ہوئی ۔ بنی عباس کی حکومت کا دائرہ بھی اوس قدر وسیع نہیں ہو سکا۔ کیونکہ یورپ کی سلطنت اسپین پر ان لوگوں کا کبھی قبضہ نہیں ہوا مگر سفاح کے ارادہ کو بہ زیردست سلطنت بھی روک نہ سکی ۔ بلکہ اس نے جو چاہا کرلیا۔ اسی وجہ سے کہنا پڑے گا کہ ملک گیری ۔ فوج کشی ۔ فتح ممالک و بلاد۔ انتہام سلطنت ۔ نظام حکومت ۔ حسن تدبیر ۔ سیاست ۔ تحصیل دنیا ۔ حکمرانی ۔ تسخیر عام وغیرہ دنیوی اوصاف میں کوئی وجہ نہیں ہے کہ کوئی شخص سفاح سے حضرت عمر کا درجہ بڑھائے اور اوسکی کامیابی کا پلہ ہلکا دکھائے ۔ ۱۲

Marfat.com

ایک رات کو اونھوں نے مصر میں شراب پی۔ دوسرے دن عمرو عاص سے آکر کہا میں نے شراب پی ہے مجھے حد مارو۔ عمرو عاص نے زجر و توبیخ کرکے چھوڑنا چاہا تو ابو شحمہ نے کہا اگر تم مجھے حد نہ مارو گے تو میں اپنے والد سے شکایت کرونگا۔ پس عمرو عاص نے مکان کے ایک گوشہ میں لے جاکر ان کو حد ماری۔ حضرت عمر فاروق کو معلوم ہوا تو عمرو عاص کو لکھا کہ تم نے میری رعایت سے مخفی طور پہ حد کیوں ماری۔ علانیہ سب کے سامنے مارنی چاہیئے تھی۔ اب ابو شحمہ کو باندھ کر میرے پاس روانہ کرو۔ جب وہ مدینہ میں آئے تو حضرت عمرؓ نے دوبارہ حد ماری اور اسی سے انھوں نے انتقال کیا۔ یہ روایت عمرو عاص کی ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے ازالۃ الخفا میں اور علامہ ابن عبدالبر نے استیعاب میں بھی اس کو نقل کیا ہے۔ دوسری روایت حباب ابن عباس کی ہے جو صاحب تاریخ خمیس و صاحب ازالۃ الخفا و ریاض نضرہ وغیرہ سے اس طرح نقل کی ہے کہ ایک دن حضرت عمر بہت سے آدمیوں کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھے تھے کہ ایک جوان لڑکی نے ایک بچہ کو لاکر حضرت عمر کی گود میں ڈالدیا اور کہا

لڑکی۔ حضور! یہ آپ کا بچہ میرے شکم سے ہے۔

حضرت عمر۔ میں تو تجھے پہچانتا بھی نہیں۔

لڑکی۔ رونے لگی۔ اور عرض کی۔ آپ کے صاحبزادے (ابو شحمہ) کا لڑکا ہے۔

حضرت عمر۔ حلال سے یا حرام سے۔

لڑکی۔ میری جانب سے حلال سے اور ان کی جانب سے حرام سے۔ اے سرکار! میں ایک روز بنی النجار کے باغ کے پاس سے گزر رہی تھی کہ آپ کے صاحب زادے ابو شحمہ یہودیوں کی قربان گاہ میں سے شراب پیکر میرے پاس آئے مجھے ورغلانا اور باغ کی طرف کھینچ کرلے گئے اور مجھ سے مطلب برآری کی۔ میں نے اس امر کو پوشیدہ رکھا حتی کہ زمانِ ولادت محسوس ہوا اور فلاں مقام پر جاکر میں نے اس بچہ کو جنا۔ اب حضور میرے اور اُن کے درمیان فیصلہ کیجئے جو حکم الٰہی ہو۔

پس حضرت عمر گھبرائے اور ابو شحمہ سے اقرار جرم کراکے گریبان پکڑ کر مسجد میں لائے اور مسلمانوں سے فرمایا اے گروہ مسلمین اسے حد مارو۔

Marfat.com

ابو شحمہ ۔ اے معاشر المسلمین! جس نے زمانۂ جاہلیت یا اسلام میں مجھ جیسا فعل کیا ہو وہ مجھے حد نہ مارے ۔

اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کھڑے ہوئے اور حضرت امام حسنؓ سے فرمایا اس کا داہنا بازو پکڑ لو اور حضرت امام حسینؓ سے بایاں بازو پکڑوایا۔ حضرت علیؓ نے سولہ دُرّے مارے تھے کہ ابو شحمہ بیہوش ہو کر گر پڑے ۔ بعد ازاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اُن سے فرمایا جب تم اللہ تعالےٰ سے ملنا تو کہہ دینا مجھے اوس شخص نے حد ماری ہے جسکے ذمہ کوئی حد نہیں ۔ بعد ازاں حضرت عمر فاروق کھڑے ہوئے اور سو دُرّے پورے کئے جس سے ابو شحمہ نے انتقال کیا ۔ یہ واقعہ سنہ ۲۰ھ کے قریب کا معلوم ہوتا ہے جب کہ مسلمان مصر فتح کر چکے اور عمرو عاص مصر میں گورنری کر رہے تھے (ازالۃ الخفاء مقصد ۲ صـ ۱۵۱) معلوم نہیں یہ امر واقع ہوا بھی یا صرف حضرت عمر کی بے مثل عدالت کا بہترین نقشہ کھینچنے کے لئے فرضی قصہ وضع کیا گیا ہے ۔ اسلئے کہ پہلی روایت کہتی ہے کہ اس واقعہ کی خبر عمرو عاص سے خود ابو شحمہ نے کی کسی اور شخص کا دیکھنا یا گواہی دینا بیان نہیں کیا گیا ۔ اگر وہ ایسے شرابی تھے تو عقل اس کو قبول نہیں کرتی کہ خود ہی آکر عمرو عاص سے حد جاری کرنے کی فرمائش کی ہو ۔ انسان کو بعض اوقات اپنے گزشتہ گناہوں پر ندامت ضرور ہوتی ہے مگر اُس کا بہترین علاج توبہ و استغفار ہوتا ہے ۔ علاوہ بریں یہ بات کچھ دنوں کے بعد پیدا ہوتی ہے ۔ مثلاً جوانی میں شراب پی اور جب اس کو سال دو سال گزر گئے اور تنبہ ہوا تو توبہ کی یا اس پر افسوس کرنے لگا ۔ یہاں تو رات کو ابو شحمہ اس درجہ شرع سے باہر ہوتے ہیں کہ شراب پیتے ہیں اور پھر ایسے متقی ہو جاتے ہیں کہ صبح ہی کو آکر عمرو عاص سے حد جاری کرنے کی فرمائش کرتے ہیں ۔ یہ محال عقلی نہیں ہے لیکن ایسا ہونا مستبعد ضرور ہے ۔ اور جب عمرو عاص نے زجر و توبیخ کر کے چھوڑنا چاہا تو ان کا کہنا "اگر مجھے حد نہ مارو گے تو میں اپنے والد سے شکایت کروں گا" اور بھی اس قصہ کو مشتبہ کر دیتا ہے ۔ کیونکہ یہ بات تو وہاں ہوتی جہاں عمرو عاص ابو شحمہ کا کوئی نقصان کرتے ۔ یا ان کا حق تلف کرتے ۔ یا ان کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی کرتے مگر یہ سب کچھ نہیں ۔ خود ہی شراب پی اور خود ہی ان پر دعوائے دائر کرنے کو تیار ہو گئے ۔

Marfat.com

کہ اگر حد نہیں جاری کروگے تو ابّا جان سے کہہ دونگا۔ ایسا مجرم تو اپنا جرم چھپاتا ہے سزا دینے والے کی گرفت سے بھاگتا ہے۔ خبر ہو جانے پر چھپ جاتا ہے۔ گرفتار ہونے پر واقعہ سے انکار کرتا۔ گواہ طلب کرتا۔ اس سے جرح کراتا ہے مگر یہاں کل باتیں اسکے خلاف ہو رہی ہیں۔ اور اگر ابو شحمہ رات بھر ہی میں ایسے متقی ہو گئے تھے تو انھوں نے عمرو عاص سے تنہائی میں کیوں بیان کیا۔ عمرو عاص کے دربار میں جب اور لوگ بھی موجود تھے کیوں اسکی اطلاع نہیں کی تاکہ عمرو عاص کو ایک گوشہ میں لیجا کر حد مارنے کا موقع ہی نہیں ملتا بلکہ دوسرے مسلمانوں کے سامنے یہ کارروائی کی جاتی۔ اور جب حضرت عمر کو معلوم ہوا تو ممدوح کا عمرو عاص کو لکھنا بھی کہ "تم نے میری رعایت سے مخفی طور پر حد کیوں ماری"۔ حیرت خیز ہے عمرو عاص نے تو اس کا دعوے نہیں کیا کہ حضرت عمر کی رعایت سے مخفی حد جاری کی ہے۔ پھر حضرت عمر نے ایسا کیوں سمجھا۔ آپ کا ابو شحمہ کو بلا کر دوبارہ حد جاری کرنا بھی عجیب ہے۔ اب ابو شحمہ کا کیا جرم تھا جس کی وجہ سے ان پر دوبارہ حد جاری کی گئی؟ دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا ابو شحمہ نے غلط بیان کیا تھا ایسی صورت میں نہ عمرو عاص کو بغیر تحقیق واقعہ حد جاری کرنے کا موقع تھا نہ حضرت عمر کو۔ اور اگر ابو شحمہ نے صحیح خبر بیان کر دی تھی تو ان پر حد جاری ہو چکی تھی۔ ابو شحمہ نے تو عمرو عاص سے نہیں کہا تھا کہ آپ مجھ پر مخفی طور پر حد جاری کریں۔ پھر ان کو دوبارہ سزا کیوں دی گئی جسکی وجہ سے ابو شحمہ مر گئے۔ کیا یہ خونِ ناحق حضرت عمر کے دامن پر نہیں ہوا؟ اس لئے کہ مخفی طور پر حد مارنا عمرو عاص کا فعل تھا اگر اسکی سزا ضروری تھی تو عمرو عاص کو دی جاتی مگر بیچارے ابو شحمہ پر دوبارہ حد جاری کی گئی جس سے انھوں نے دم توڑ دیا اور حضرت عمر کو نہ ان پر رحم آیا نہ شریعۂ اسلام کی پروا ہوئی کہ ایک قصور کی سزا دو دفعہ کیوں دی جائے[۱]۔

[۱] لطف یہ ہے کہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر نے اپنے غلام افلح کو حکم دیا کہ اسے حد (سو کوڑے) مارو۔ جب بیچارے پر ستر کوڑے لگ چکے تو ابو شحمہ نے کہا بابا جان! ایک گھونٹ پانی پلوا دیجئے۔ فرمایا ارے بیٹا خدا تم کو پاک کر دیگا تو رسول اللہ ﷺ

یہ سب تقریر اس صورت کی ہے جب پہلی روایت تسلیم کی جائے کہ ابو شحمہ نے صرف شراب پی (زنا نہیں کیا) اور خود ہی عمرو عاص سے درخواست کی کہ ان پر حد جاری کریں۔ محدثین نے تصریح کی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمر کی یہ کارروائی قطعاً ناجائز اور خلاف شرع تھی۔ امام بخاری کی روایت دیکھو جئ بالنعیمان او بابن النعیمان

(بقیہ حاشیہ صـ۴۱۷) حوض کوثر سے تم کو پانی پلاوینگے یہاں تک کہ افلح نے سنوا درّے پورے کئے۔ آخری درّے پر ابو شحمہ نے دنیا سے انتقال کیا۔ روایت ہے کہ اوس وقت ابو شحمہ بیمار بھی تھے (ازالۃ الخفاء مقصد ۲ صـ۱۵۱) کیا اسلام نے یہی حکم دیا ہے کہ کسی پر حد جاری کی جاوے اور وہ جاں بلب ہو کر پانی مانگے تو نہ دو اور اسے پیاسا ہی ہلاک ہو جانے دو؟ کیا حضرت رسولخدا صلعم نے ایسا کبھی کیا تھا؟ سنو درّے مارنے کی سزا بھی کیا شرع اسلام کے مطابق تھی؟ رسولؐ کے زمانہ میں تو ۴۰ درّے مارے جاتے تھے۔ حضرت عمر نے ۴۰ سے ۸۰ کر دیئے (الفاروق صـ۲۱۴) اول تو ۴۰ سے ۸۰ کرنا ہی آپ کا خلاف شرع فعل تھا۔ پھر ابو شحمہ کو سو درّے کیوں مارے گئے؟ اگر ۸۰ ہی درّے لگائے گئے ہوتے تو ان کی جان نہ جاتی کیونکہ روایت میں ہے کہ جب سنوا ان درّہ لگا تب ابو شحمہ نے انتقال کیا۔ حکم رسولؐ کے مطابق انکو صرف ۴۰ درّے مارنے تھے۔ اس میں اگر ابو شحمہ مر جاتے تو حضرت عمر کا دامن بے وجہ خون کرنے سے بچ جاتا۔ لیکن اول تو ان پر مصر میں حد جاری کی گئی۔ اور دوبارہ مدینہ میں جاری کی گئی۔ یہ ایک زیادتی ہوئی۔ دوسرے یہ کہ بجائے ۴۰ کے زیادہ کوڑے لگائے گئے۔ تیسرے یہ کہ جب خود حضرت عمر نے شراب پینے کی سزا کو ۴۰ درّے سے ترقی دیکر ۸۰ درّے تک پہنچا دیا تھا تو ابو شحمہ کو بھی زیادہ سے زیادہ ۸۰ کوڑے ہی لگائے جاتے۔ لیکن بیچارے کو ۱۰۰ کوڑے لگوا دیئے جس کی وجہ سے ان کا خونِ ناحق ہو گیا۔ حالانکہ خدا نے فرمایا ہے ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤہ جہنم خالدا فیہا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا عظیما اور جو شخص کسی مسلمان کو دیدہ و دانستہ مار ڈالے تو اسکی سزا دوزخ ہے جسمیں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیگا۔

Marfat.com

شار باقامہ النبیؐ من کان فی البیت ان یضربوہ قال فضربوہ وکنت انا فیمن ضربہ بالنعال۔ نعیمان یا ان کے بیٹے نے (جو دونوں صحابی رسول تھے) شراب پی اور اس جرم میں گرفتار ہو کر حضرت رسولؐ کی خدمت میں لائے گئے تو آنحضرت صلعم نے ان لوگوں کو جو اوس وقت گھر میں تھے حکم دیا کہ ان کو مارو۔ : لوگوں نے مارا۔ میں بھی ان مارنے والوں میں تھا۔ ہم لوگوں نے ان کو جوتیوں سے مارا (صحیح بخاری پ ۲۷ باب من امر بضرب الحد فی البیت ص ۳۲۱) اس سے واضح ہوا کہ حضرت رسولؐ خدا صلعم نے بھی مخفی طور پر گھر کے اندر شرابی صحابی کو سزا دی اور لوگوں نے ان کو کوڑوں سے نہیں بلکہ جوتیوں سے مارا۔ ظاہر ہے کہ جوتی اور کوڑے میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ جوتی اگر سو نہیں ہزار بھی آدمی کھاتا جائے تو اس سے نہ اس کا بدن زخمی ہوگا نہ اس کا خون بہیگا اور نہ موت آکر اس کو سلام کرے گی۔ اسکے برخلاف کوڑے کی حالت ہے کہ اس کے چند ہی وار سے آدمی بے ہوش ہو جاتا ہے اور حضرت عمر ایسے قوی ہیکل عربی بزرگ تک کے صاحب زادے بھی سو کوڑے کی برداشت

(بقیہ حاشیہ ص ۴۲۰) اور اس پر اللہ کا غضب نازل ہوگا اور اس پر خدا کی لعنت ہوگی اور اللہ نے اوس کے لئے بڑا سخت عذاب طیار کر رکھا ہے (پ ۵ ع ۱۰) چونکہ پہلی روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ ابو شحمہ نے مصر میں شراب پی کر زنا بھی کیا تھا اس وجہ سے وہ صرف شراب پینے کی سزا کے مستحق تھے اور وہ بھی دو مرتبہ نہیں بلکہ ایک مرتبہ اور اس وجہ سے ان کو سو دُرّے لگانے پر مذکورۂ بالا اعتراضات پیدا ہوتے ہیں۔ اگر کسی روایت میں یہ ہوگا کہ مصر میں اونھوں نے شراب پینے کے ساتھ زنا بھی کیا تھا تو اوس وقت اوس روایت کے الفاظ کو دیکھا جائیگا کہ کیا حضرت عمر کو دوبارہ حد جاری کرنے کی کوئی وجہ پیدا ہوگئی تھی جس سے آپکا یہ طرز عمل اعتراضات سے بچ جائے اور آپ کا دامن بےقصور خون سے محفوظ سمجھا جائے۔ افراط و تفریط دونوں ہی بُرے ہوتے ہیں۔ کمال عدالت دکھانے کیلئے کسی کا بے وجہ مار ڈالنا کس اسلام کا حکم ہے اور خدا و رسولؐ اس سے کیونکر خوش ہو سکتے ہیں ۱۲۔

Marfat.com

نہ کر سکے آخری کوڑے پر ان کا دم نکل ہی گیا۔ اب تمہارے سامنے دو شخصوں کا طرز عمل ہے اور دونوں اسلام کے بڑے پیشوا سمجھے جاتے ہیں۔ ایک حضرت رسول خدا صلعم اور دوسرے حضرت عمر۔ دونوں کے سامنے شرابی گرفتار کر کے پیش کئے جاتے ہیں اور دونوں ہی ان کو سزا دیتے ہیں۔ اگر ایک قسم کی سزا ہوتی تو کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا لیکن دو عنوان ہونے سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا کہ کس کے فعل کو کیسا سمجھا جائے۔ حضرت رسول خدا صلعم نے شرابی کو مکان کے اندر سزا دی۔ حضرت عمر نے اس طریقہ کو مہمل سمجھکر عمرو عاص پر اعتراض کیا کہ تم نے مکان کے اندر سزا کیوں دی۔ باہر یا مجمع میں یا علانیہ کیوں نہیں حد جاری کی۔ اور اس سزا کو غلط سمجھ کر آپ نے اس شرابی کو اپنے دربار میں بلا بھیجا اور دوبارہ سب کے سامنے اس کو پٹوایا۔ حضرت رسولخدا صلعم نے شرابی مجرم کو چالیس ضرب کی سزا دی مگر حضرت عمر اوسکے خلاف نئو ضرب پر اصرار کرتے رہے ایسا اصرار کہ وہ شرابی پیاس سے مرنے لگا جب بھی اوس پر رحم نہیں آیا۔ اور ایک قطرہ پانی اوسکی زبان پر جانے نہیں دیا۔ حضرت رسولخداؐ نے شرابی کو جوتیوں سے پٹوایا مگر حضرت عمر نے دُرّے (کوڑے) سے سزا دلوائی۔ غرض ہر چیز۔ ہر امر۔ ہر عنوان میں حضرت عمر نے حضرت رسولخداؐ کے عمل پر اصلاح دی یا اس کے خلاف کیا۔ اب فیصلہ آسان ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کا فعل صحیح اور شریعت کے مطابق سمجھا جائے یا حضرت عمر کا جو آنحضرت صلعم ہی کے خلیفہ سمجھے جاتے ہیں۔ صحیح بخاری کی اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن حجر نے لکھا ہے باب من امر بضرب الحد فی البیت یعنی خلافاً لمن قال لا یضرب الحد فیہ اوقد ورد عن عمر فی قصۃ ولدہ ابی شحمۃ لما شرب بمصر فحدہ عمرو بن العاص فی البیت ان عمر انکر علیہ واحضرہ الی المدینۃ وضربہ الحد جہرا۔ روی ذلک ابن سعد واشار الیہ الزبیر واخرج عبد الرزاق بسند صحیح عن بن عمر مطولا وجمہور اہل العلم علی الاکتفاء وحملوا صنیع عمر علی المبالغۃ فی تادیب ولدہ لا ان اقامۃ الحد لا تصح الا جہرا۔ اس باب میں اس امر کا بیان

Marfat.com

ہے کہ حضرت رسولؐ نے حکم دیا تھا کہ کسی شرابی کو کمرے کے اندر حد ماری جائے یہ بات اس شخص کے خلاف ہے جس نے کہا ہے کہ کمرے کے اندر حد نہ مارنی چاہیئے اور حضرت عمر سے ان کے فرزند ابو شحمہ کے بارے میں یہ واقعہ ہوا کہ جب اوسنھوں نے مصر میں شراب پی تو عمرو بن عاص نے ان کو کمرے کے اندر حد ماری۔ مگر حضرت عمر نے سُنا تو اس پر اعتراض کیا اور اون کو مدینہ میں بلا کر علانیہ دوبارہ حد ماری۔ اس مضمون کو ابن سعد نے بیان کیا ہے اور ابن زبیر نے اسکی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور عبدالرزاق نے اس کو صحیح سند سے حضرت ابن عمر سے طویل عنوان پر بیان کیا ہے۔ اور جمہور اہل علم کہتے ہیں کہ شراب پینے والے کو کمرے کے اندر حد مار دینا کافی ہے۔ علانیہ مارنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ نہ دوبارہ مارنا چاہیئے۔ ان لوگوں نے حضرت عمر کے اس فعل کی یہ تاویل کی ہے کہ اوسھوں نے صرف اپنے لڑکے کو ادب سکھانے کیلئے علانیہ حد مارنے کا حکم دیا نہ اس وجہ سے کہ کمرے کے اندر یا مخفی طور سے یا گوشہ میں حد مارنا جایز ہی نہیں ہے (صحیح بخاری پارہ ۲۷۔ صـ ۳۲۱)۔ اس مضمون نے سب پردے چاک کر دیئے۔ واضح ہو گیا کہ کمرے کے اندر حد مارنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ بالکل جائز۔ صحیح۔ درست ہے۔ خود حضرت رسول خدا صلعم نے ایک شرابی پر کمرے کے اندر حد جاری کی اور حضرت عمر نے تنہا اس حکم خدا و رسولؐ کے خلاف ابو شحمہ کی حد کو کافی نہ سمجھ کر ان پر دوبارہ حد جاری کی اور اس میں مبالغہ سے کام لیا ورنہ عمرو عاص کا گوشہ میں حد مار دینا کافی ہو چکا تھا۔ لیکن جمہور اہل علم نے حضرت عمر کے اس فعل کی جو تاویل کی ہے اس کو کوئی عقل قبول نہیں کر سکتی۔ اس لئے کہ ادب سکھانے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ کوئی آئندہ اوس کام کو نہ کرے۔ اوس سے بچے اوس کو ترک کرے۔ اوس کو اپنی اذیت کا سبب جانے۔ اور یہ باتیں اوسی وقت ہو سکتی ہیں جب انسان کی اتنی سزا ہو جس کو وہ برداشت کر سکے۔ جس سے اس کا جسم قائم رہے۔ جس سے اس کی صحت درست رہے۔ اور جس سے اسکی زندگی بچی رہے نہ یہ کہ ایسا ادب سکھایا جائے جس سے اسکی جان ہی چلی جائے۔ پھر اس کو ادب

سکھانے کا فائدہ کیا ہوگا؟ کیا وہ مرنے کے بعد اس سیکھے ہوئے ادب پر چلے گا اور اب باادب کہا جائے گا؟ کیا وہ قبر میں اس ادب سے فائدہ اُٹھائے گا؟ کیا میدان حشر میں اس ادب پر عمل کرے گا؟ مرجانے کے بعد اس سکھائے ہوئے ادب سے نفع اوٹھانے کی کوئی جگہ اور صورت بھی تو ہونی چاہیئے۔ اسی صحیح بخاری کی اور روایتیں بھی دیکھ لو باب الضرب بالجرید والنعال۔ اس بات کو بیان کیا جائے گا کہ شراب پینے والے کو چھڑی یا جوتی سے مارنا چاہیئے۔ ان النبیؐ امر من فی البیت ان یضربوہ فضربوہ بالجرید والنعال فکنت فی من ضربہ حضرت صلعم نے حکم دیا کہ کمرے میں جو صحابہ موجود ہیں وہ ان صحابی کو ماریں جو شراب پینے کے جرم میں گرفتار کئے گئے تھے تو لوگوں نے اُن کو کھجور کی پتلی چھڑی اور جوتی سے مارا۔ عن انس قال جلد النبیؐ فی الخمر بالجرید والنعال وجلد ابوبکر اربعین۔ جناب انس بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے شراب پینے کی سزا یہ مقرر کی کہ اوس کو چھڑی اور جوتی سے ماریں اور حضرت ابوبکر نے صرف چالیس ضرب کا حکم جاری رکھا۔ اتی النبیؐ برجل قد شرب قال اضربوہ قال ابوھریرۃ فمنا الضارب بیدہ والضارب بنعلہ والضارب بثوبہ فلما انصرف قال بعض القوم اخزاک اللہ قال لا تقولوا ھکذا لا تعینوا علیہ الشیطان۔ حضرت رسولخدا صلعم کے پاس ایک شرابی صحابی گرفتار کرکے لائے گئے جنھوں نے شراب پی تھی۔ حضرتؐ نے دوسرے صحابہ سے فرمایا ان کو مارو۔ تو صحابہ ان کو مارنے لگے۔ کوئی ہاتھ سے۔ کوئی جوتی سے۔ اور کوئی اپنے کپڑے سے مارتا تھا۔ جب وہ صحابی سزا پاکر واپس جانے لگے تو ایک صحابی نے کہا خدا تم کو رسوا کرے۔ حضرت صلعم نے فرمایا ایسا نہ کہو ان کے خلاف شیطان کی مدد نہ کرو (صحیح بخاری پارہ ۲۷ صفحہ ۳۲۳) ابوشحمہ کے مصر میں حد جاری ہونے اور دوبارہ مدینہ میں سزا پانے کے واقعہ میں اونکا پانی کے لئے تڑپنا اور حضرت عمر کا نہ دینا نہایت دردناک بھی ہے اور حکم خدا اور رسولؐ کے خلاف بھی۔ کیونکہ حدیث میں ہے ثلث لا یمنعن الماء والکلاء والنار

Marfat.com

تین چیزیں کسی سے نہیں روکی جا سکتیں پانی۔ گھاس اور آگ (جامع صغیر مطبوعہ مصر صہ ۱۲۰)۔ ابو شحمہ کی سزا کی دوسری روایت جناب ابن عباس سے مروی ہے اور اس میں ان کے زنا کا بیان ہے۔ یہ بھی حیرت خیز ہے اولاً یہ شرح صحیح بخاری کی روایت کے خلاف ہے جو اوپر اس مضمون کی گزر چکی کہ ابو شحمہ نے مصر میں شراب پی تھی اوس کی سزا عمرو عاص نے اُن کو تنہائی میں دی اور حضرت عمر نے اوس کو ناکافی سمجھ کر دوبارہ مدینہ میں بلا کر حد جاری کی۔ اس صورت میں کسی لڑکی کے آنے۔ حضرت عمر سے شکایت کرنے۔ آپ کی گود میں بچہ کے ڈالنے اور حضرت عمر کے ابو شحمہ کو گھر سے لا کر سزا دینے کی کل باتیں غلط ہو جاتی ہیں اس لئے کہ یہ واقعات مدینہ کے بیان کئے گئے حالانکہ شراب خواری کا واقعہ مصر کا ہے۔ اگر یہ دوسری روایت بھی کچھ قوت رکھتی تو علامہ ابن حجر اس کا ذکر بھی کرتے۔ مگر ان کا مصر کے واقعہ کو لکھنا اور مدینہ کے ان حالات کا اس جگہ ذکر نہ کرنا بتاتا ہے کہ یہ روایت بالکل موضوع ہے۔ دوسرا امر یہ کہ اس روایت میں لڑکی نے بیان کیا ہے کہ ابو شحمہ نے شراب پی اور اُسی نشہ میں اس لڑکی کو ورغلا کر اس سے زنا کیا۔ اور ظاہر ہے کہ نشہ میں آدمی اپنے اختیار میں نہیں ہوتا۔ شراب پیا تو اس کا وہ فعل ہے جو ہوش و حواس رکھتا ہوا شروع کرتا ہے لیکن شراب پی لینے اور اُس سے نشہ ہو جانے کے بعد اُس کے افعال اختیاری نہیں ہوتے۔ کہیں گرتا ہے۔ کبھی گالیاں بکتا ہے۔ کبھی کسی کو مارتا ہے۔ غرض اس عالم میں ابو شحمہ نے بھی شراب پی کر اگر زنا کیا تو کیا اس وقت بھی ان کی وہی سزا مناسب قرار دی جا سکتی ہے جو ہوش و حواس میں ایسا کرنے سے دی جاتی ہے؟ پھر دونوں حالتوں کے احکام میں فرق ہی کیا باقی رہ جائیگا؟ کیا شرع اسلام نے ہوش کے جرموں اور بے ہوشی کے گناہوں کو برابر درجہ میں رکھا ہے؟ صحابہ کرام کے حالات میں کئی مفید اور قابل قدر کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ایک مشہور علامہ ابن اثیر جزری کی اسد الغابہ ہے جو مصر میں چھپی اور مسلمانوں میں اتنی معتبر اور مقبول سمجھی جاتی ہے کہ ہندوستان میں اس کا اردو ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔ اس میں ان کے حالات

Marfat.com

اس طرح لکھے ہیں "عبدالرحمٰن ابو شحمہ یہ حضرت عمر کے منجھلے بیٹے ہیں۔ ان کو عمرو بن عاص نے شراب خواری کی حد مصر میں لگائی تھی۔ پھر وہاں سے اُن کو مدینہ بھیجدیا تو ان کے والد حضرت عمر نے ان کو تادیباً ضرب دی بعدہ یہ بیمار ہو گئے اور ایک مہینہ کے بعد انتقال ہو گیا۔ عبدالرحمٰن کی کنیت رسولؐ خدا نے ابو عیسٰے رکھی تھی۔ ان کے والد عمرؓ نے ان کی کنیت بدلنا چاہی عبدالرحمان نے کہا اے امیرالمومنین اللہ کی قسم میری کنیت رسولؐ خدا نے رکھی ہے اس کو بدلنے کا ارادہ نہ کیجئے" (ترجمہ اسد الغابہ مطبوعہ لکھنؤ جلد ۶ صفحہ ۱۲۲) اس سے واضح ہوا کہ ابو شحمہ پر صرف شراب پینے کا الزام تھا۔ زنا کرنے کا نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت رسولخدا صلعم نے ان کی کنیت ابو عیسٰے رکھی تھی اور حضرت عمر نے رسولؐ کے اس فعل پر بھی اصلاح دی اگرچہ عبدالرحمٰن نے روکا مگر ان کی کنیت ابو عیسٰے نہیں رہی بلکہ ابو شحمہ کر دی گئی۔ مختصر یہ کہ ان کا واقعہ اختلافات کا اتنا بڑا مجموعہ ہو گیا ہے کہ کسی فیصلہ تک پہنچنا آسان نہیں۔ خود محدثین پریشان ہو گئے کہ کس قول کو مانا اور کس سے انکار کیا جائے۔ علامہ ابن عبدالبر قرطبی جو ۴۶۳ھ میں مرے ہیں لکھتے ہیں هوالذی ضربه عمر وبن العاص بمصر فی الخمر ثم حمله الی المدینة فضربه ابوه ادب الوالد ثم مرض ومات بعد شهر ..... واما اهل العراق فیقولون انه مات تحت سیاط عمر وذلك غلط۔ وقال الزبیر اقام علیه عمر حد الشرب فمرض ومات۔ یہی وہ ابو شحمہ ہیں۔ جنکو عمرو بن عاص نے مصر میں شراب پینے کی حد ماری تھی۔ پھر مدینہ بھیجدیا۔ تو اُن کے والد نے ادب دینے کیلئے دوبارہ حد ماری۔ جسکے بعد وہ بیمار ہوئے اور ایک ماہ کے بعد مر گئے ... مگر اہل عراق کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر کے کوڑے ان پر پڑتے تھے تب ختم ہو گئے لیکن یہ بات غلط ہے۔ اور زبیر کا قول ہے کہ حضرت عمر نے ان کو صرف شراب پینے کی سزا دی تو وہ بیمار پڑے اور مر گئے (کتاب استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۰۶)۔ اس مختصر سی عبارت ہی میں کتنے اختلافات پیدا ہو گئے۔ اب سب سے بڑے محدث علامہ

Marfat.com

ابن حجر عسقلانی کی تحقیقات سنو۔ لکھتے ہیں ابا شحمہ وھو الذی ضربہ ابوہ الحد فی الخمر لما شرب بمصر۔ حضرت عمر کے ان صاحب زادے کی کنیت ابو شحمہ رکھی گئی تھی۔ یہی وہ صاحب زادے ہیں جن کو ان کے باپ (حضرت عمر) نے مصر میں شراب پینے کی وجہ سے حد ماری تھی (اصابہ جلد ۴ صـ۱۷۲) اس سے معلوم ہوا کہ ابو شحمہ کو صرف شراب پینے کی سزا دی گئی۔ مگر یہی علامہ پھر دوسری جگہ لکھتے ہیں ابو شحمہ بن عمر بن الخطاب جاء فی خبر واہ ان اباہ جلدہ فی الزنا فمات ذکرہ الجوزقانی ایک کمزور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ابو شحمہ کو انکے والد حضرت عمر نے زنا کی سزا میں کوڑے مارے تو وہ مر گئے۔ ان کا ذکر جوزقانی نے کیا ہے (اصابہ جلد ۷ صـ۱۰۱)۔

تیسری فصل

آپ کے سالے قدامہ کی شراب خواری

حضرت عمر کے سالے (حضرت حفصہ کے حقیقی ماموں) کی شراب خواری اور ان پر حضرت عمر کے حد جاری کرنے کا واقعہ بھی پورے اہتمام سے بیان کیا جاتا ہے۔ علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے "قدامہ بن مظعون ... حفصہ اور عبد اللہ فرزندان حضرت عمر کے ماموں تھے ... حضرت عمر نے قدامہ بن مظعون کو بحرین کا حاکم مقرر کیا تھا۔ وہاں سے جارود عبدی حضرت عمر کے پاس آئے اور کہا کہ یا امیر المومنین قدامہ نے شراب پی اور نشہ میں مست ہو گئے۔ میں نے چونکہ دیکھا کہ ایک حد خدا کی حدود سے معطل ہوتی ہے لہذا میرے اوپر حق تھا کہ میں آپکو اس کی اطلاع دوں۔ حضرت عمر نے فرمایا کوئی گواہ بھی تمہارے ساتھ ہے؟ جارود نے کہا ابو ہریرہ۔ حضرت عمر نے ابو ہریرہ کو بلایا اور کہا کہ تم کیا گواہی دیتے ہو؟ حضرت ابو ہریرہ نے کہا میں نے شراب پیتے نہیں دیکھا۔ ہاں یہ دیکھا کہ نشہ کی حالت میں وہ قے کر رہے تھے۔ حضرت عمر نے فرمایا تم نے صاف

نہ دی۔ پھر قدامہ کو لکھا کہ تم بحرین سے چلے آؤ۔ چنانچہ وہ آئے۔ جارود نے پھر حضرت عمر سے کہا کہ اس شخص پر حد جاری کرو۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ اب اپنی زبان بند کرو ورنہ میں تمھیں سزا دوں گا۔ جارود نے کہا اے عمر خدا کی قسم یہ انصاف نہیں ہے کہ تمھارے چچا کا بیٹا شراب پیئے اور سزا مجھ کو دو۔ حضرت ابوہریرہ نے کہا اگر آپ کو ہماری شہادت میں شک ہے تو ولید کی بیٹی سے آپ پوچھئے جو قدامہ کی بیوی ہے۔ حضرت عمر نے اوس کو بلوا بھیجا اور اُس سے پوچھا۔ اس نے اپنے شوہر کے خلاف گواہی دی۔ حضرت عمر نے قدامہ سے کہا کہ اب میں تم پر حد جاری کروں گا۔ قدامہ نے کہا بالفرض اگر میں پیتا بھی جیسا کہ یہ لوگ بیان کرتے ہیں تو بھی آپ لوگوں کو میرے اوپر حد جاری کرنے کا اختیار نہ تھا۔ حضرت عمر نے پوچھا کیوں۔ قدامہ نے کہا دیکھئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے لیس علی الذین آمنوا وعملوا الصالحات جناح فی ما طعموا اذا ما اتقوا و آمنوا وعملوا الصالحات (جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے اچھے کام کئے ان پر جو کچھ کھاتے ہیں اس میں کچھ گناہ نہیں۔ جب انھوں نے پرہیزگاری کی اور ایمان لے آئے اور اچھے اچھے کام کئے۔ پ ۷، ع ۲) [1] حضرت عمر نے فرمایا تم اس آیۃ

[1] مفسرین نے اس آیۃ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ شام میں جب امیر معویہ کے بھائی یزید بن ابی سفیان کی حکومت تھی اصحاب رسولؐ سے بہت لوگوں نے شراب پی۔ یزید نے ان کو گرفتار کر کے اس کی وجہ پوچھی تو ان لوگوں نے یہی آیت پڑھ دی کہ ہم لوگ سب کھا پی سکتے ہیں۔ یزید نے اس واقعہ کی خبر حضرت عمر کو بھیجی۔ انھوں نے ان سب کو مدینہ میں طلب کر لیا۔ جب مدینہ لوگ پہنچ گئے تو ان میں اور حضرت عمر میں اس طرح باتیں ہوئیں :—

حضرت عمر۔ کیوں جی! کیا تم لوگوں نے شراب پی ہے؟

اصحاب رسولؐ۔ بے شک پی ہے۔

حضرت عمر۔ کیا تم لوگوں نے قرآن مجید میں یہ آیت نہیں پڑھی انما الخمر والمیسر الخ شراب

Marfat.com

کا مطلب غلط سمجھے۔ اگر تم تقوے کرتے تو اللہ کی حرام کی ہوئی چیز سے پرہیز رکھتے
بعد اس کے حضرت عمر نے اور لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم لوگ قدامہ پر حد
جاری کرنے کی بابت کیا کہتے ہو۔ لوگوں نے کہا ہماری رائے نہیں ہے کہ جب تک
وہ مریض ہیں آپ ان کو سزا دیں۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ میرے نزدیک ان کا

(بقیہ حاشیہ صـ۴۲۶) اور جوا اور بُت اور پاسے تو بس ناپاک (برے) شیطانی
کام ہیں تو تم لوگ اس سے بچے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ (پ ۷ ع ۲)
اصحاب رسولؐ۔ اور آگے کی آیت آپ نے کیوں چھوڑ دی؟ اسے بھی پڑھیئے
کہ ایمان اور نیک اعمال والے جو کچھ کھائیں پئیں کوئی حرج نہیں ہے
حضرت عمر (اُن مسلمانوں اور صحابہ سے جو وہاں موجود تھے) آپ لوگ ان کی اس
دلیل کا جواب دیں کہ میری سمجھ میں تو اب کچھ نہیں آتا۔ مگر کسی صحابی سے کچھ
جواب نہیں ملا۔
حضرت عمر۔ اے حضرت علیؑ! آپ کیا جواب دیتے ہیں۔
حضرت علیؑ۔ میری رائے ہے کہ ان لوگوں نے شرع اسلام میں دخل دیا اور اس
بات کو اختیار کیا جس کی اجازت خدا نے نہیں دی ہے۔ ان لوگوں کی ضرور سزا ہونی
چاہیئے کیونکہ انھوں نے حرام خدا کو حلال کر دیا ہے۔ اس پر حضرت عمر نے ان لوگوں
کو اسّی اسّی کوڑے مارے (تفسیر درمنثور جلد ۲ صـ۳۲۲)۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب
دہلوی نے لکھا ہے عن ابن عباس قال ان الشراب کانوا یضربون علی عہد
رسول اللہؐ بالایدی والنعال حتی توفی رسول اللہؐ وکانوا فی خلافۃ ابی بکرؓ
اکثر منہم فی عہد رسول اللہؐ فقال ابو بکرؓ لو فرضنا بہم حدا فتوفی نحوا مما
کان یضربون فی عہد رسول اللہؐ فکان ابو بکرؓ یجلدہم اربعین حتی توفی ثم
قام من بعدہ عمر فجلدہم کذلک اربعین حتی اتی برجل من المہاجرین الاولین
وقد کان شرب فامر بہ ان یجلد فقال لم تجلدنی بینی وبینک کتاب اللہ
عز وجل فقال عمرؓ فی ای کتاب اللہ تجد انی لا اجلدک۔ فقال ان اللہ تعالے

Marfat.com

درووں کے نیچے خدا سے ملنا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ ان کی حد میری گردن پر رہ جائے۔ اچھا ایک پورا درہ میرے پاس لاؤ۔ خدا کی قسم ایک آنیوالا خواب میں میرے پاس آیا اور اوس نے کہا کہ قدامہ سے صلح کرلو وہ تمھارا بھائی ہے لہذا جلد ان کو میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ لوگ ان کے پاس گئے۔ اوھوں نے انکار کیا۔ حضرت عمر نے حکم دیا کہ ان کو گھسیٹتے ہوئے لاؤ۔ پھر حضرت عمر نے ان سے معافی مانگی اوس وقت سے دونوں میں صلح ہوگئی"۔ (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۷ صفحہ ۲۶۵)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴۷) یقول فی کتابہ لیس علی الذین آمنوا وعملوا الصالحات جناح فی ما طعموا الآیۃ فانا من الذین آمنوا وعملوا الصالحات ثم اتقوا وآمنوا ثم اتقوا واحسنو۔ شھدت مع رسول اللہ بدرا وحدیبیۃ والخندق والمشاھد۔ فقال عمرؓ الا تردون علیہ ما یقول فقال ابن عباس ان ھولاء الآیات انزلت عذرا الماضین وحجۃ علی الباقین لان اللہ عز وجل یقول یا ایھا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان حتی انقذ الآیۃ الاخرے ومن کان بین الذین آمنوا وعملوا الصالحات ثم اتقوا وآمنوا ثم اتقوا واحسنوا فان اللہ عز وجل قد نھے ان یشرب الخمر فقال عمرؓ صدقت۔ فما ذا ترون فقال علیؓ نرے انہ اذا کان شرب سکر واذا سکر ھذے واذا ھذے افتریٰ وعلی المفتری ثمانون جلدۃ فامر عمرؓ بجلد ثمانین اخرجہ الحاکم

جناب ابن عباس بیان کرتے تھے کہ عہد رسول صلعم کی شریعت یہ تھی کہ جو شراب پیتا اوس کو ہاتھوں اور جوتیوں سے مارتے یہانتک کہ رسولؐ کا انتقال ہوگیا اور حضرت ابوبکر کے زمانہ میں لوگ زیادہ شراب پینے لگے تو حضرت ابوبکر نے کہا کاش تم لوگ ان کے لئے کوئی سزا مقرر کردیتے تو اوھوں نے وہی مقدار مقرر کی جس قدر زمانۂ رسولؐ میں ان لوگوں پر مار پڑتی تھی۔ غرض حضرت ابوبکر

اس بیان کا آخری حصہ بہت حیرت خیز ہے کہ جب حضرت عمر نے خواب میں دیکھا کہ آپ ہی کو قدامہ سے صلح کرنے کا حکم دیا گیا تو پھر خود ہی قدامہ کے پاس کیوں نہیں گئے۔ کیونکر آپ کی تہذیب نے گوارا کیا کہ بجائے خود ان کے پاس جانے کے اُن کو اپنے ہاں بلایا۔ دو شخصوں کے درمیان نزاع ہوتی ہے اور ایک شخص اس نزاع کو رفع کر کے صلح کرانی چاہتا ہے تو کیا اوس کے ہاں پیغام بھیجتا ہے کہ تم میرے پاس آؤ میں تم سے صلح کر لوں؟ یا خود ہی اسکے پاس پہنچتا۔

بقیہ حاشیہ ص۴۲۸) ان لوگوں کو چالیس کوڑے مارتے تھے یہاں تک کہ وہ مر گئے۔ پھر ان کے بعد حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو وہ بھی اسی طرح لوگوں کو مارتے رہے یہانتک کہ ان کے پاس لوگ ایک ایسے صحابی کو لائے جو مہاجرین اولین سے تھے اور اونھوں نے شراب پی تھی۔ جب حضرت عمر نے ان کے بارے میں بھی حکم دیا کہ کوڑے لگائے جائیں تو اُن سے اس طرح باتیں ہوئیں:۔

شرابی صحابی۔ بتاؤ تم لوگ مجھے کس قاعدہ سے سزا دے سکتے ہو کیونکہ اللہ کی کتاب تمھارے اور میرے درمیان حائل ہے۔

حضرت عمر۔ تم کس کتابِ خدا میں بتا سکتے ہو کہ مجھے تم کو کوڑے لگانیکا حق نہیں ہے؟

شرابی صحابی۔ خدا فرماتا ہے جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں وہ جو چاہیں کھائیں پئیں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور میں بھی ان لوگوں سے ہوں جو ایمان لائے اور جنھوں نے اچھے کام کئے۔ میں رسولخداؐ کیساتھ غزوۂ بدر و حدیبیہ و خندق اور دوسرے جہادوں میں شریک ہوتا رہا ہوں۔

حضرت عمر۔ (دربار میں جو صحابہ حاضر تھے اُن سے خطاب کر کے) کیا آپ لوگ ان کے اس اشتباہ کا جواب نہیں دے سکتے؟۔

حضرت ابن عباس۔ یہ آیتیں اُن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھیں جو پہلے یہ سب کام کر چکے تھے اور بعد کو ایمان قبول کیا تاکہ ان کا عذر واضح ہو جائے اور باقی لوگوں کے لئے حجت قائم ہو کیونکہ خدا فرماتا ہے اے ایمان والو شراب وغیرہ شیطانی گناہ کے کام ہیں۔ غرض خدا نے شراب پینے سے صاف منع کیا ہے۔

اس کی خوشامدیں کرتا اس سے معافی خواہ ہوتا اور اس کو کسی طرح راضی کر کے صلح کر لیتا ہے۔ یہاں کل باتیں اس کے خلاف نظر آتی ہیں۔ اور جب قدامہ نے ان کے پاس آنے سے انکار کیا تو حکم دیا کہ ان کو گھسیٹتے ہوئے لاؤ۔ ممکن ہے حضرت نے خلافت کی شان اسی میں سمجھی ہو کہ قدامہ کو گھسیٹ کر اپنے پاس بلائیں اور اُن سے صلح کریں۔ قدامہ کے مذکورۂ بالا حالات سے حضرت عمر کے نظام حکومت کی پوری کیفیت واضح ہوتی اور یہ امر بھی روشن ہو جاتا ہے کہ آپکی خلافت جمہوری تھی یا شخصی۔ کیونکہ دونوں میں بڑا فرق یہ ہے کہ جمہوری میں حاکم وقت عوام کی رائے کے مطابق عمل کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ اور شخصی یا ذاتی سلطنت میں بادشاہ مطلق العنان ہوتا ہے۔ قدامہ بیمار ہیں اور حضرت عمر ان کے بارے میں صحابہ سے مشورہ بھی کرتے ہیں اور وہ سب کہتے ہیں کہ "ہماری رائے نہیں ہے کہ جب تک وہ مریض ہیں ان کو سزا دیں"۔ اب حضرت عمر کا فرض کیا تھا۔ عقل تو کہتی ہے کہ قدامہ کی علالت کی حالت میں حضرت عمر کو صحابہ سے مشورہ لینے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ خود ہی سمجھتے کہ بیمار شخص کو سزا دینی مناسب نہیں ہے اس سے اسلام بدنام ہوگا۔ اس کی درندگی اور قساوت قلبی کا ڈھنڈھورا پیٹیگا۔ غیر قومیں کہیں گی کہ اسلام کے اصول میں انسانیت کا ذرہ برابر گزر نہیں ہے۔ بلکہ اذیت رسانی۔ ظلم۔ سفاکی ہی اس کا جوہر ہے کہ جس کو چاہا سزا دے دی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۲۹) حضرت عمر۔ اے ابن عباس! آپ نے صحیح جواب دیا۔ اب آپ لوگ بتائیں ان کو کیا سزا دی جائے۔

حضرت علیؓ۔ بات یہ ہے کہ جو شخص شراب پیئے گا وہ مست ضرور ہوگا اور جب مست ہوگا تو ہذیان بکے گا اور جب ہذیان بکے گا تو افترا کریگا اور افترا کرنے والوں کو اسّی کوڑے مارے جاتے ہیں تو ان صحابی کو بھی ۸۰ کوڑے مارے جائینگے۔ یہ سنکر حضرت عمر نے حکم دیا کہ ان کو اسّی کوڑے مارے جائیں۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی (کتاب قرۃ العینین مطبوعہ دہلی صفحہ ۷۴)۔

جس کو چاہا قتل کر دیا۔ جس کا چاہا خون بہا دیا۔ مریض ہر مذہب و ملت کی نظر میں قابل رحم ہوتا ہے اور وہ بڑا جرم بھی کرتا ہے تو جب تک اچھا نہیں ہو لیتا اسکی حفاظت کیجاتی مگر سزا اُڑ کی رہتی ہے۔ یہ کیسا مذہب پیدا ہوا جس میں مریضوں سے بھی حاکمِ وقت کو ہمدردی نہیں ہوتی۔ کمزور اور بے بس لوگوں پر ان کو رحم نہیں آتا۔ لیکن اگر حضرت کو خود ان باتوں کے سمجھنے کا موقع نہیں ملا تو صحابہ کی رائے ظاہر ہونیکے بعد اس پر عمل کرنا ان کا ویسا ہی فرض تھا۔ لیکن آپ نے کسی کی کوئی پروا نہیں کی۔ نہ عقل کا حکم دیکھا۔ نہ عوام کے ہنسنے کی پروا کی۔ نہ صحابہ کی رائے کا کوئی خیال کیا اور جو آپ کے دل میں آیا وہی کر کے رہے۔ پھر کوئی شخص کیوں کر کہہ سکتا ہے کہ آپ کی حکومت پر جمہوری حکومت کا سایہ بھی پڑا تھا؟ افسوس یہ ہے کہ اس واقعہ نے جس طرح جمہوری اصول حکومت سے حضرت عمر کی نفرت کا اعلان کیا۔ قرآن مجید کی مخالفت بھی ظاہر کی۔ اس لئے کہ کتاب الٰہی نے مریضوں کی رعایت کا خاص لحاظ رکھا ہے۔ خدا فرماتا ہے لیس علی الاعمیٰ حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج۔ نہ تو کسی اندھے پر کوئی تنگی ہے نہ لنگڑے پر اور نہ بیمار پر (پ ۱۸ ع ۱۴ ادب ۲۶ ع ۱۰) فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو روزہ اوسوقت نہ رکھے بلکہ اور دنوں میں گنکر رکھ لے (پ ۲ ع ۷) یہ روزہ کا حکم ہے جو خدا کی عبادت ہے اور صرف دن بھر بھوکا پیاسا رہنے کی زحمت ہوتی ہے۔ اس تک سے خدا نے مریض کو معذور رکھا اور حکم دیا کہ دوسرے زمانہ میں ان روزوں کی قضا کرے۔ مگر حضرت عمر کوڑے مارنے کی سخت سزا کے لئے آمادہ ہوتے ہیں اور نہ صحابہ کی رائے کی پروا کرتے ہیں نہ حکم قرآن کا پاس کہ اسکی سزا کو اوسکی صحت تک معطل رکھیں۔ یہ آیت بھی قابل غور ہے وان کنتم مرضی ... فتیمموا الایۃ اگر تم لوگ بیمار ہو تو وضو نہ کرو بلکہ اس کے بدلہ تیمم کر کے نماز پڑھ لیا کرو (پ ۵ ع ۴) کیا یہ بھی کہنے کی ضرورت ہے کہ وضو بہت آسان بہت ہلکا اور بہت آرام دہ کام ہے لیکن کوڑے کھانا بہت مشکل۔ بہت بھاری۔ اور بہت اذیت رساں کام ہے۔ مگر حضرت عمر نے اس آیۃ تیمم کا خیال بھی نہیں کیا کہ جب

یہ شخص وضو تک نہیں کر سکتا تو کوڑے کیونکر کھا سکیگا۔ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ حضرت عمر نے تو اپنا عذر واضح ہی کر دیا تھا کہ "ان کا دُرّوں کے نیچے مرجانا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ ان کی حد میری گردن پر رہ جائے"۔ مگر سوال یہ ہے کہ ان کی حد حضرت عمر کی گردن پر رہ کیوں جاتی؟ جب قدامہ اچھے ہوتے تب ان کو کوڑے مار دیتے اُس وقت تک اس کے روکنے میں کیا نقصان تھا۔ کیا قدامہ کہیں بھاگے جاتے تھے؟ یا حضرت عمر دنیا چھوڑ رہے تھے؟ ظاہر ہے کہ دونوں سے کوئی بات بھی نہیں تھی پھر بھی حضرت عمر بیچارے قدامہ پر اسی علالت میں حد جاری کر کے رہے۔

چوتھی فصل

لوگوں کے مال و جائداد کی فکر

حضرت عمر انتظام حکومت میں بہت مستعد اور بالکل جزوی باتوں کی طرف بھی برابر ملتفت رہتے تھے جس سے آپ کی اعلےٰ قابلیت، بیدار مغزی اور حسن تدبیر پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً حضرت رسولؐ کے مشہور صحابی اور یمن کے عامل معاذ بن جبل نے مال غنیمت جمع کر لیا مگر حضرت عمر کی گرفت سے وہ نہ بچ سکے۔ معاذ کہتے تھے کہ رسولؐ خدا نے ہم کو یمن کا حاکم مقرر کر کے روانہ کیا۔ پھر ہمارے پیچھے ایک آدمی بھیج کر ہمیں بلا بھیجا اور فرمایا دیکھو ایسا نہ ہو کہ بغیر ہماری اجازت کے کوئی چیز لینا کہ یہ غلول ہے اور خدا نے فرمایا ہے جو شخص غلول کرے گا اوس کو بروز قیامت حاضر کرنا پڑے گا۔ معاذ یمن گئے اور وفات رسول تک وہاں حاکم رہے۔ جس سال حضرت عمر بغرض حج مکہ معظمہ گئے تو یہ بھی یمن سے آئے۔ دونوں میں بروز ترویہ ملاقات ہوئی دونوں گلے ملے۔ اور ہر ایک نے رسول اللہؐ کی تعزیت کی پھر زمین پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ حضرت عمر نے دیکھا کہ معاذ کے پاس بہت سے غلام ہیں۔ پوچھا یہ سب کہاں سے آئے؟ کہا اسی سفر یمن میں حاصل ہوئے۔ آپ نے پوچھا کہاں سے ملے۔ معاذ نے جواب دیا لوگوں نے بطور ہدیہ دیا۔ حضرت عمر نے کہا تو اس کو ابو بکر سے ذکر کر دو۔

Marfat.com

معاذ نے کہا ابوبکر سے اس کے کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کے بعد معاذ نے خواب میں دیکھا کہ جہنم کے کنارے ہیں اور عمر ان کی کمر پکڑے ہوئے ہیں کہ دوزخ میں گرنے نہیں دیتے۔ اس پر معاذ کو یاد پڑا اور جا کر ابوبکر سے غلاموں کا حال کہا تو حضرت ابوبکر نے اس کی اجازت دے دی۔ اور کہا ہم نے رسول اللہ سے سنا تھا کہ فرمایا شاید خدا اس ذریعہ سے جبر کرے۔ معاذ بن جبل پہلے وہ شخص ہیں جنھوں نے مال خدا سے تجارت کی۔ بعد وفات رسول جب یمن سے آئے تو حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ بقدر ضرورت ان کے پاس چھوڑ دو اور ان کے باقی مال پر قبضہ کر لو۔ حضرت ابوبکر نے جواب دیا جب تک معاذ خود ہی کچھ نہ دینگے ہم نہ لیں گے۔ تب حضرت عمر نے معاذ سے جا کر کہا کیونکہ حضرت ابوبکر تو ان کی مخالفت کر چکے تھے۔ معاذ نے کہا ہم کو رسول اللہ نے تو اس غرض سے یمن بھیجا تھا کہ ہماری ناداری کی شکایت کچھ رفع ہو جائے۔ ہم حضرت ابوبکر کو کچھ بھی نہ دینگے۔ مگر دوسرے روز معاذ نے حضرت عمر سے کہا کہ اچھا جو تم نے کہا تھا ہم اس پر عمل کرینگے کیونکہ خواب میں دیکھا ہے کہ ہم ایک گڑھے میں گر رہے ہیں اور تم نے ہم کو اس سے نکالا ہے۔ اس کے بعد معاذ نے حضرت ابوبکر سے جا کر سب حال بیان کر دیا اور جو کچھ حاصل کیا تھا اس کی بھی خبر کر دی۔ حضرت ابوبکر نے کہا جاؤ ہم نے تم کو ہبہ کر دیا۔ اس کے بعد معاذ ملک شام کیطرف روانہ ہو گئے (جامع ترمذی ص ۱۶۹ و استیعاب جلد ۱ ص ۲۴۶ وغیرہ)

اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ حضرت عمر کو معاذ کے مقابلہ میں کامیابی نہیں ہوتی لیکن آپ اپنے فرض سے باز نہیں آتے اور ان کو یہ نہیں سمجھنے دیا کہ وہ اپنے امور میں بالکل مطلق العنان ہیں۔ لوگوں کی حرکات سے آپ تاڑ جاتے تھے کہ یہ کس غرض سے اس امر کا ارادہ کرتا ہے۔ اراد عمر ان یستعمل رجلا فبدر الرجل یطلب منه العمل فقال عمر واللہ لقد ارتک لذلک ولکن من طلب هذا الامر لم یعن علیه۔ حضرت عمر نے ایک شخص کو کسی مقام کا عامل مقرر کرنا چاہا تو وہ شخص اسکے لئے بڑی خوشی اور مستعدی سے بڑھا۔ یہ دیکھکر آپ نے فرمایا خدا کی قسم میں نے یہ عہدہ تم ہی کو دینا چاہا تھا لیکن جو شخص اس کو طلب کرے گا اس کو نہیں مل سکتا۔ عقد

Marfat.com

فرید جلد ا صفحہ) ایک دفعہ حضرت عمر کسی طرف سے گزر رہے تھے دیکھا ایک مکان اینٹ اور گچ کا بن رہا ہے۔ پوچھا یہ کس کا ہے؟ لوگوں نے بتا دیا کہ اوس شخص کا ہے جس کو آپ نے بحرین کا عامل مقرر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا واہ! ان درہموں کے عمدہ حصے آخر نکل کر رہے۔ پھر آپ نے اس عامل کو بلا کر اسکی دولت آپسمیں بانٹ لی (عقد فرید جلد ا صفحہ ۱۴) جناب سعد بن ابی وقاص کے ساتھ بھی آپ نے ایسا ہی کیا سعد کو لوگ مستجاب کہتے (کہ ان کی دعا خدا فوراً قبول کرتا) اس لئے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے لوگوں سے فرمایا تھا اتقوا دعوۃ سعد۔ سعد کی دعا سے تم لوگ ڈرا کرو۔ پھر جب حضرت عمر نے ان کی دولت اور مال سے حصہ لے لیا تو سعد نے کہا میں نے ایک بات کا ارادہ کیا ہے۔ حضرت عمر نے کہا تم نے یہی ارادہ کیا ہوگا کہ میرے لئے بد دعا کرو۔ سعد نے کہا ہاں۔ حضرت عمر نے جواب دیا تو اس وقت تم مجھے میرے پروردگار کی دعا سے شقی نہیں پاؤ گے (عقد فرید جلد ا صفحہ ۱۴) ان باتوں سے واضح ہوا کہ حضرت عمر اپنے انتظامی امور میں کسدرجہ مستحکم تھے کہ باوجودیکہ سعد کی مقبولیت دعا معلوم تھی پھر بھی آپ نے اس کی پروا نہیں کی۔ اور ان کے حاصل کئے ہوئے مال میں سے حصہ لے کر رہے۔

اسی طرح جب آپ نے بصرہ کے حاکم ابو موسےٰ اشعری کو معزول کیا اور ان کے حاصل کئے ہوئے مال سے حصہ لے لیا تو ابو موسےٰ کو اپنے دربار میں بلا کر پوچھا۔ وہ دونوں خوبصورت کنیزیں کون ہیں جنکے بارے میں معلوم ہوا کہ دونوں تمھارے تصرف میں رہتی ہیں۔ ایک کا نام عقیلہ ہے اور دوسری کوئی بادشاہ زادی ہے۔ ابو موسیٰ نے کہا عقیلہ تو میری لونڈی ہے جس کو دنیا جانتی ہے۔ رہی بادشاہ زادی تو اس کو میں نے اپنے پاس اس غرض سے رکھ چھوڑا ہے کہ اسکے چھڑانے کیلئے بڑی رقم ہاتھ آئیگی حضرت عمر نے کہا عقیلہ کو میرے حوالہ کردو۔ خدا کی قسم تم کو غلول نہیں کرنا چاہیئے پھر حضرت عمر نے جناب ابو ہریرہ کو بلایا اور کہا تم اس بات کو جانتے ہو کہ میں نے تم کو جب بحرین کا حاکم مقرر کیا تو تمھاری اتنی حیثیت بھی نہیں تھی کہ پاؤں میں جوتیاں تو پہنتے۔ ننگے پاؤں تم گئے۔ مگر وہاں کی حکومت پانے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ تم نے بہت سے گھوڑے سولہ سو اشرفیوں کے خرید ڈالے ہیں۔ ابو ہریرہ

Marfat.com

نے کہا میرے پاس بہت سی گھوڑیاں تھیں۔ ان کے بچے ہوئے۔ اور بہت سے لوگوں نے بطور تحفہ دیئے۔ حضرت عمر نے کہا میں نے تمہاری آمدنی اور خرچ کا حساب کیا ہے اور یہ اس سے فاضل ہے لہذا اس کو میرے حوالہ کر دو۔ ابوہریرہ نے کہا آپ کی یہ خواہش بھی پوری نہیں ہو سکتی (کہ میرے گھوڑے آپ لے لیں) حضرت عمر نے کہا ہاں ہاں۔ خدا کی قسم میں تم سے لے کر رہونگا اور تمہاری پیٹھ بھی پھوڑ ڈالوں گا۔ پھر آپ دُرّہ لے کر کھڑے ہو گئے اور لگے ابوہریرہ کو پیٹنے یہاں تک کہ ان کی پشت خون آلود ہو گئی۔ اس کے بعد پھر فرمایا جاؤ اور ان گھوڑوں کو لاؤ۔ کیا خوب بحرین کے خزانوں کی دولت تمہارے ہی ہاں بھرتی رہیگی۔ اور ایک حدیث میں ابوہریرہ کا بیان اس طرح ہے۔ وہ کہتے تھے کہ جب حضرت عمر نے مجھ کو بحرین کی حکومت سے معزول کر دیا تو میرے ان کے اس طرح باتیں ہوئیں:۔

حضرت عمر۔ اے خدا کا دشمن! اے خدا کی کتاب کا دشمن! تو نے خدا کے مالوں میں چوری کی؟۔

ابوہریرہ۔ میں نہ خدا کا دشمن ہوں اور نہ خدا کی کتاب کا۔ بلکہ میں اُس کا دشمن ہوں جو تمہارا دشمن ہے۔ میں نے اللہ کے مال میں ہرگز چوری نہیں کی۔

حضرت عمر۔ پھر تمہارے پاس یہ دس ہزار کہاں سے جمع ہو گیا؟۔

ابوہریرہ۔ میرے پاس عمدہ گھوڑیاں تھیں۔ ان کے بچے ہوئے اور لوگوں نے تحفے ہدیئے دیئے اور مجھے میراث کے حصے ملے۔ مگر اس جواب پر بھی حضرت عمر نہیں مانے اور میری دولت کو مجھ سے لے کر رہے۔ پھر جب میں نے نماز صبح پڑھی تو خدا سے دعا کی کہ اے اللہ خلیفہ کے گناہوں کو بخش دے۔ اس کے بعد پھر حضرت عمر نے مجھ سے کہا:۔

حضرت عمر۔ کیا اب کسی جگہ کی حکومت نہیں لوگے؟۔

ابوہریرہ۔ نہیں۔

حضرت عمر۔ کیوں؟ حکومت تو اس بزرگ نے بھی کی جو تم سے بہتر تھا حضرت یوسف صلوٰت اللہ علیہ کو جانتے ہی ہو۔

ابو ہریرہؓ۔ حضرت یوسف نبی تھے اور میں امیمہ ایک عورت کا لڑکا ہوں۔ میں ڈرتا ہوں کہ آپ کی نوکری کروں تو میری عزت آبرو بھی برباد ہو۔ میری پیٹھ بھی آپ کے دُرّوں سے زخمی کیجائے اور میرا مال بھی چھین لیا جائے۔ میں آپ کی ملازمت اور کسی جگہ کی حکومت سے باز رہا۔ اسی طرح حضرت عمر نے عمرو عاص کو ایک خط لکھا وہ آپکی طرف سے ملک مصر کے حاکم تھے جس کا مضمون یہ تھا "بندۂ خدا عمر بن خطاب کیطرف سے عمرو بن عاص کے پاس تمہیں اسلام تم پر ہو۔ مجھے خبر ملی ہے کہ تمھاری دولت بہت بڑھ گئی۔ گھوڑے، اونٹ، بکریاں، بھیڑیاں، گائیں اور غلام کثرت سے ہو گئے ہیں۔ اور تمھاری قبل کی حالت بھی پیش نظر ہے جب تمھارے پاس کوئی مال نہیں تھا۔ اب مجھے لکھو کہ تم کو اتنی دولت کہاں سے اور کیونکر مل گئی۔ اور خبردار کوئی بات مجھ سے چھپانی نہیں"۔ اس کے جواب میں عمرو بن عاص نے ان کو لکھا۔ آپ پر بھی میرا سلام ہو۔ آپ کا خط مجھے ملا جس میں آپ نے میرے مال و دولت کے بڑھجانے کی شکایت لکھی ہے اور یہ کہ آپ کو میری پہلی حالت بھی معلوم ہے جب میرے پاس کچھ نہیں تھا۔ میں خلیفہ کو مطلع کرتا ہوں کہ میں ایسی زمین میں ہوں جس میں ہر چیز کا نرخ ارزاں ہے اور میں صنعت و حرفت و زراعت کا کام بھی اسی طرح کرتا ہوں جسطرح ان کاموں کے پیشہ ور کرتے ہیں اور خلیفہ کے رزق میں وسعت ہے۔ خدا کی قسم اگر میں آپ کی خیانت کو حلال جانوں گا تب بھی آپ کی خیانت نہ کرونگا۔ پس اے شخص تو اپنے الزام دہی میں اپنی زبان سنبھال لے۔ کیونکہ میری خاندانی عزت و شرف تمھارے اس عہدہ حکومت سے کہیں بہتر ہے۔ اگر میں تمھاری نوکری چھوڑ کر واپس آؤں تو پورے عیش سے بسر کرونگا۔ اور میں یہ قسم کھاتا ہوں کہ تمھارے پاس وہ لوگ بھی موجود ہیں جن کا ذریعہ معاش بہت بُرا ہے مگر تم ان کو بُرا نہیں کہتے۔ بتاؤ تم کو یہ باتیں کہاں تک زیب دیتی ہیں حالانکہ میں نے تمھاری دولت کے خزانوں کا نہ قفل کھولا اور نہ تمھارے عمل میں شریک ہوا"۔ اس کے جواب میں حضرت عمر نے پھر ان کو لکھا۔ "خدا کی قسم تمھاری جعل و فریب اور طمع کی ہوئی باتوں سے میں دھوکا کھانیوالا نہیں ہوں۔ اور تم جو اپنے مسجع کلام سے اصل بات کو دوسری طرف پھیرنا چاہتے ہو اس سے تمھارا دامن صاف نہیں ہو سکتا۔

Marfat.com

میں محمد بن سلمہ کو تمہاری طرف روانہ کرتا ہوں۔ اپنا مال نصف مجھے بانٹ دو کہ آدھا خود لو اور آدھا میرا حصہ ان کے حوالہ کر دو۔ کیونکہ اے حکومت کرنے والے گروہ! تم لوگ مالوں کے خزانوں پر چڑھ بیٹھے ہو۔ تم لوگوں کو کسی امر کا خوف نہیں ہوتا۔ اپنی اولاد کے لئے خوب مال جمع کرتے اور اپنی جانوں کے لئے پورا سامان مہیا کرتے ہو۔ سنو! تم لوگ عار کو جمع کرتے اور نار کو میراث میں چھوڑتے ہو والسلام۔" جب یہ خط لے کر محمد بن سلمہ عمرو عاص کے پاس پہنچے تو عمرو عاص نے ان کے لئے رنگ برنگ کے کھانے پکوائے۔ مگر محمد بن سلمہ نے اس کے کھانے سے انکار کیا۔ عمرو عاص نے پوچھا کیا تم ہمارے ہاں کھانا حرام سمجھتے ہو؟

محمد بن سلمہ ۔ اگر تم میرے سامنے وہ کھانا رکھتے جو عام طور پر مہمانوں کیلئے رکھا جاتا ہے تو مجھے کوئی عذر نہیں ہوتا لیکن تم نے میرے پاس وہ طعام منگایا ہے جو شرکا مقدمہ (یعنی رشوت کی غذا) ہے۔ اب خدا کی قسم میں تمہارے پاس پانی تک نہ پیونگا۔ بس آیئے آپ کے پاس جو کچھ بھی ہو اس کی فہرست کروا لیجئے کہ اسی میں خیریت ہے۔ خبردار کوئی چیز نہ چھپانا۔ مجبوراً عمرو عاص نے ان کل چیزوں سے آدھی آدھی ان کے حوالہ کر دیں یہانتک کہ ان کے پاؤں کی دو جوتیاں رہ گئیں۔ محمد بن سلمہ نے اس سے بھی ایک پاؤں کی لے لی اور دوسرے پاؤں کی عمرو عاص کیلئے چھوڑ دی۔ اب تو عمرو عاص سے برداشت نہ ہو سکا اور اس طرح دونوں میں باتیں ہونے لگیں:۔

عمرو عاص ۔ اے محمد بن سلمہ! خدا اس زمانہ کا برا کرے جب میں عمر بن الخطاب کی طرف سے مصر کا عامل (حاکم) بنایا گیا۔ خدا کی قسم مجھے عمر کے باپ خطاب کی حالت بھی معلوم ہے کہ اپنے سر پر لکڑیوں کا گٹھا لادے پھرتا تھا اور اس کے بیٹے (عمر) کے سر پر بھی ویسا ہی ایک گٹھا تھا۔ اور ان دونوں کو اتنا کپڑا بھی میسر نہیں تھا کہ اپنا بدن ڈھانک سکتے۔ بس ایک لنگوٹی تھی جو ان کی پنڈلی تک بھی نہیں پہنچتی تھی۔ اور خدا کی قسم میرے باپ عاص کی یہ شان تھی کہ وہ سونے کی گھنڈیاں لگی ہوئی ریشمی قبائیں پہننے پر بھی خوش نہیں ہوتے تھے۔ محمد بن سلمہ نے کہا بس اے عمرو عاص چپ رہو۔ خدا کی قسم حضرت عمر تم سے بہتر ہیں۔ رہے اُن کے باپ اور تمہارے باپ تو دونوں ہی جہنم میں ہیں۔ عمرو عاص نے کہا یہ

باتیں تمھارے پاس امانت رہیں۔ اسوجہ سے محمد بن سلمہ نے ان کی خبر حضرت عمر کو نہیں کی۔ اسی طرح امیر معویہ نے جو حضرت عمر کی طرف سے ملک شام کے حاکم تھے کچھ مال اور کچھ چیزیں حضرت عمر کے پاس روانہ کیں اور اپنے باپ ابوسفیان کو مدینہ میں لکھا کہ یہ سب چیزیں لے جاکر حضرت عمر کو دے دیجئے گا۔ غرض قاصد وہ سب چیزیں لئے ہوئے مدینہ پہنچا اور وہ مال اور کل چیزیں ابوسفیان کے سامنے رکھ دیں۔ ابوسفیان نے سارا مال تو اپنے گھر میں رکھ لیا اور معویہ کا صرف خط اور دوسری چیز لے جاکر حضرت عمر کی خدمت میں پیش کیا۔ جب حضرت عمر نے معویہ کا خط پڑھا تو کہا:۔

حضرت عمر۔ اے ابوسفیان! اور وہ سب مال کہاں ہے؟۔

ابوسفیان۔ بات یہ ہے کہ میرے اوپر بہت قرض ہوگیا اور میرا خرچ بھی زیادہ ہوگیا ہے۔ اور بیت المال میں میرا حق بھی ہے۔ تو جب تم اس سے میرا کوئی حصہ نکالکر مجھے دینا اوس وقت اس کو وضع کر لینا۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر نے حکم دیا کہ ابوسفیان کو قید کر کے انھیں چیزوں میں ڈالدو کہ اوس وقت تک یہیں پڑے رہیں جب تک سب مال نہ لائیں۔ یہ سنتے ہی ابوسفیان نے کسی کو اپنے گھر دوڑا کر وہ سب مال منگا دیا۔ اوس وقت حضرت عمر نے ابوسفیان کو رہا کیا۔ یہ سب حال دیکھکر جب معویہ کا قاصد شام واپس گیا تو معویہ نے پوچھا خلیفہ کو تو ان چیزوں کے دیکھنے سے بڑی خوشی ہوئی ہوگی؟ قاصد نے کہا ہاں مگر انھوں نے انھیں چیزوں میں آپ کے ابا جان کو ڈلوا دیا۔

معویہ۔ ارے! یہ کیا ہوا؟ کیوں؟۔

قاصد۔ ہوا یہ کہ سب مال تو انھوں نے اپنے پاس رکھ لیا اور صرف وہ معمولی چیزیں واپس کیں۔

معویہ۔ ہاں خدا کی قسم ان کا یہی حال ہے۔ اگر ان کا باپ خطاب ہوتا تو وہ اسکو بھی اسطرح ڈالدیتے۔

(یہ کل مضامین نہایت معتبر کتاب عقد فرید مطبوعہ مصر جلد ۱ صـ ۱۲ میں موجود ہیں)۔

چالاکی میں ابوسفیان اور حضرت عمر کا دلچسپ مقابلہ

ابوسفیان کی عقل و فراست کا کیا کہنا کہ امیر معویہ ہی کے والد تھے۔ مگر ان خوبیوں میں حضرت عمر بھی کم نہیں تھے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ابوسفیان اپنے صاحبزادے امیر معویہ کے پاس ملک شام گئے۔ جب

Marfat.com

وہاں سے مدینہ واپس آئے تو حضرت عمر کی خدمت میں پہنچے اور اس طرح باتیں ہوئیں :۔
حضرت عمر ۔ ابوسفیان! اپنے صاحبزادے کے پاس سے جو مال و دولت لائے ہو ہمیں بھی دو۔
ابوسفیان ۔ ہم کچھ لائے ہی نہیں ہیں۔ پھر تم کو دیں کیا؟
حضرت عمر ۔ اچھا ذرہ تمہاری انگوٹھی دیکھوں۔
ابوسفیان نے انگوٹھی بڑھادی۔ حضرت عمر نے وہ انگوٹھی ایک شخص کو دے کر کہا اسے ابھی ابوسفیان کے گھر لے جاؤ اور انکی بی بی ہند کو دکھا کر کہنا کہ ابوسفیان نے اپنی انگوٹھی تمہارے اطمینان کے لئے دیکر مجھے تمہارے پاس بھیجا اور کہا ہے کہ میں جو دو گٹھریاں شام سے لایا ہوں ان کو فوراً اس شخص کے ہاتھ میرے پاس بھیجدو۔ حضرت عمر کی یہ حسنِ تدبیر کارگر ہوگئی۔ وہ شخص ابوسفیان کے گھر سے فوراً دو گٹھریاں لئے ہوئے وہاں پہنچ گیا حضرت عمر نے کھولا تو دیکھا ان میں دس ہزار درہم ہیں۔ حضرت عمر نے سب داخل خزانہ کرلیا۔ اسی طرح ابوسفیان کے ایک بیٹے عتبہ کو آپ نے طائف کا حاکم بنا کر بھیجا۔ پھر کچھ دنوں بعد معزول کر دیا۔ ایک دن راستہ میں عتبہ سے ملاقات ہوگئی تو دیکھا اُن کے پاس تیس ہزار درہم ہیں۔ حضرت عمر نے پوچھا تم کو اتنا مال کہاں سے مل گیا؟ عتبہ نے جواب دیا خدا کی قسم یہ تمہارا ہے اور نہ مسلمانوں کا بلکہ یہ خاص میرا مال ہے۔ جسکو لیکر میں فلاں جائداد خریدنے گیا تھا۔ حضرت عمر نے کہا کیا خوب! تم ہمارے ہی مقرر کئے ہوئے عامل تھے۔ اور ہم ہی نے تمہارے پاس یہ مال پایا۔ اب یہ کہاں جا سکتا ہے۔ غرض آپ نے اس کو بھی چھین کر داخل خزانہ کرلیا (عقد فرید جلد ۱ ص۱۶)۔ اس قسم کے مضامین اس کتاب نیز دوسری کتابوں میں بھرے ہوئے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمر کو لوگوں کے مال و دولت کی بڑی فکر رہتی تھی۔ ان امور میں تم کو اس بات کی طرف اشارہ بھی نہیں ملے گا کہ حضرت عمر نے اپنے کسی عامل کی عبادات، دینی خدمات مذہبی مشاغل، تقوے، معرفت وغیرہ کے متعلق کسی قسم کی جستجو کی ہو۔ ان کے اخلاق کی تحقیق کی ہو۔ اسکے اشاعۃ اسلام و تبلیغ دین حق کے درپے ہوئے ہوں۔ اسکے ذاتی حالات و عادات کا پتا لگانے کی کوشش کی ہو۔ رعایا سے اس کے برتاؤ کو دریافت کیا ہو۔ ممکن ہے دوسری کتابوں میں یہ چیزیں ملیں مگر غالباً اس درجہ کی

Marfat.com

نہیں ہوں گی جو آپ کے مال و جائداد کی فکر کا مقابلہ کر سکیں۔

ساتواں باب

حضرت عمر کے دوسرے دنیوی کارنامے

معویہ۔ عبدالملک۔ ولید۔ ہشام۔ سفاح۔ منصور دوانیقی۔ ہارون الرشید وغیرہ کی طرح حضرت عمر میں بھی دنیا کے انتظام کا بہت بڑا ملکہ تھا۔ ہر صوبہ میں عامل یا والی (حاکم)، کاتب (میر منشی۔ سکریٹری)، کاتب دیوان (فوج کا میر منشی۔ بخشی)، صاحب الخراج (کلکٹر)، صاحب احداث (افسر پولیس)، صاحب مال (افسر خزانہ) مقرر کئے۔ ان کے علاوہ ایک فوجی افسر (قائد) بھی ہوتا تھا مگر کبھی افسر فوج اور افسر پولیس کی خدمت بھی والی ہی ادا کرتا تھا۔ ہر صوبہ میں کئی کئی ضلعے اور پرگنے تھے جہاں مختلف حاکم مقرر ہوا کرتے تھے۔ عامل کو وقت تقرر جو فرمان ملتا تھا اوسمیں اوسکے اختیارات اور فرائض کی تفصیل درج ہوتی تھی۔ عامل رعایا کے مجمع عام میں اوسے پڑھ کر سناتا تھا۔ لوگ اوس کے مقررہ اختیارات سے واقف ہو کر اوسے حد اختیار سے باہر نہ نکلنے دیتے تھے۔ حج کے موقع پر عامل دارالخلافہ میں بلائے جاتے تھے جبکہ اونکی رعایا بھی آتی تھی اور اون کے سامنے رعایا سے اون کے اعمال دریافت کئے جاتے۔ جو کوئی شکایت ہوتی اوس کا تدارک کیا جاتا۔ مسلمانوں سے زکوٰۃ لی جاتی تھی۔ زمین پر عشر یعنی پیداوار کا دسواں حصہ مقرر تھا۔ ہر مسلمان کو جنگی خدمات کا سرانجام دینا لازمی تھا۔ ذمی لوگوں سے جزیہ لیا جاتا تھا۔ غیر ممالک کے لوگ جو تجارت کو آتے اون سے مال تجارت پر عشور یعنی دس فیصدی ٹیکس لیا جاتا تھا۔ مال غنیمت کا پانچواں حصہ دربار خلافت میں جاتا۔ باقی فوج میں تقسیم ہوتا۔ افتادہ زمینیں آبادکاری کی شرط پر آبادکاروں کو دیدی جاتیں۔ ابتدا میں لوگوں کے باہمی تنازعات ملکی حاکم ہی فیصل کر دیا کرتے تھے مگر جب ملک میں انتظام بیٹھ گیا تو تمام اضلاع میں قاضی مقرر کر دیئے۔ اون کے فرمان تقرری میں ضروری ہدایات بھی درج ہوتی

Marfat.com

تھیں۔ قاضی کی عدالت میں فریقین بلا مزاحمت آجا سکتے تھے اور خواہ کسی رتبہ و درجہ کے ہوں مساوات کا درجہ رکھتے تھے۔ وعظ اور فتوے کے لئے خاص خاص مستند فاضل مقرر کئے گئے۔ فوجداری مقدمات میں ابتدائی تفتیش پولیس کرتی۔ پھر قاضی کی عدالت میں چالان کر دیتی۔ آپ نے قید اور جلاء وطنی کی سزائیں بھی تجویز کیں۔ مدینہ۔ کوفہ۔ بصرہ۔ موصل۔ فسطاط۔ دمشق۔ حمص۔ اردن اور فلسطین کو فوجی مرکز قرار دیا۔ ان میں فوجی بارکیں۔ چار چار ہزار دا عذار عمدہ گھوڑوں کے ہر وقت تیار رہنے کے اصطبل۔ غلہ اور اخباس۔ رسد کے گودام اور فوج کے دفتر کے مکانات بنوائے۔ ان کے علاوہ بڑے بڑے شہروں کے مقاموں اور سمندر کے سواحل میں جنگی ضرورتوں کے لحاظ سے چھاؤنیاں مقرر کیں جن میں مقررہ تعداد فوجیں رہا کرتی تھیں۔ فوج میں عرب۔ ایرانی۔ یونانی اور رومی مسلمانوں کے علاوہ یہودی مجوسی وغیرہ بھی ملازم تھے۔ ادنیٰ شرح تنخواہ سو درہم سالانہ اور افسروں کے سات ہزار سے دس ہزار تک مقرر تھے۔ فوجی خدمات کے لحاظ سے تنخواہ میں ترقی بھی کیجاتی تھی۔ مال غنیمت جو فی الفور تقسیم کر دیا جاتا تھا وہ تنخواہ سے علاوہ تھا۔ خبریں پہنچانے جاسوسی کا کام کرنے۔ راستوں کی صفائی۔ سڑکوں اور پلوں کے بنانے کا انتظام بھی معقول تھا۔ ہر جگہ معتبر پرچہ نویس بھی مقرر تھے۔

عورت مرد میں ملاقاۃ کا اصول علامہ سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر کی عادت تھی کہ آپ شب کو مدینہ کی گلیوں میں گشت کیا کرتے۔ ایک رات آپ نے سنا کہ کوئی عورت گھر کا دروازہ بند کئے ہوئے چند اشعار پڑھ رہی ہے۔ جن کا مفہوم یہ ہے کہ یہ رات بڑھ گئی ہے اور اس کے ستارے چمک رہے ہیں۔ مجھے یہ امر جگا رہا ہے کہ میرے پلنگ پر کوئی ایسا نہیں ہے جس کے ساتھ میں کھیلوں۔ واللہ اگر عذاب آخرہ سے خدا کا خوف نہ ہوتا تو اس پلنگ کی چولیں ہلتی ہوتیں لیکن میں اس نگہبان موکل سے ڈرتی ہوں جس کے کاتب کسی وقت نہیں تھکتے۔ خدا کا خوف اور حیا مجھے مانع ہے۔ میرا شوہر ایسا کریم اور شریف و برتر ہے کہ کوئی شخص اس کی سواری پر سوار ہونے کا ارادہ بھی نہیں کر سکتا۔ یہ سنکر حضرت عمر اپنی دختر نیک اختر حضرت حفصہ کے پاس آئے

Marfat.com

اور دریافت کیا اے بیٹی ایک مشکل آن پڑی ہے۔ یہ بتلاؤ کہ عورت کو مرد کی خواہش کتنی مدت میں بے چین کر دیتی ہے۔ حضرت حفصہ نے شرم کے مارے اپنا منہ پھیر لیا حضرت عمر نے فرمایا خدائے تعالےٰ تو حق بات میں شرم نہیں کرتا تم کیوں شرماتی جاتی ہو؟ حضرت حفصہ نے بہ مجبوری ہاتھ کے اشارہ سے بتلایا کہ تین ورنہ چار مہینہ۔ پس حضرت عمر نے حکم دے دیا کہ کوئی شخص چار ماہ سے زیادہ میدان جنگ میں غائب نہ رہے (تاریخ الخلفاء ص ۹۷)۔

قریش کی نظر بندی علامہ ابن اثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر اوس وقت تک ہجرت سے جب تک قریش اکٹھا سب ملک میں پھیل گئے کیونکہ انھوں نے انکو مدینہ میں محصور کر رکھا تھا اور فرماتے تھے کہ مجھے تمھارے ملکوں میں پھیلنے سے اس امت پر خوف ہوتا ہے۔ اس وجہ سے جب کوئی شخص ان کے پاس جہاد کی اجازت مانگنے آتا تو فرماتے تمھیں کافی ہے جو کچھ جہاد تم نے رسول صلعم کے ساتھ کئے ہیں۔ اس زمانہ میں تو لڑنے کی نسبت تمھارے لئے یہی بہتر ہے کہ نہ تم دنیا کو دیکھو نہ دنیا تمھیں دیکھے۔ اور یہ نظر بندی مہاجرین قریش کے ساتھ مخصوص تھی۔ اون کے سوائے اہل مکہ میں سے اوروں کے لئے یہ پابندی نہیں تھی۔ لیکن جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تو مہاجرین قریش پر سے بھی یہ نظر بندی اوٹھ گئی اور وہ شہروں میں پھیل گئے (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ)۔

گناہ سے روکنے کیلئے حضرت عمر کا لوگوں کی دیواروں پر چڑھ جانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے احیاء العلوم سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر ایک شب کو گشت کرتے تھے کہ آپ نے ایک گھر میں سے آواز سنی کہ ایک شخص گانے میں مشغول ہے۔ آپ برداشت نہیں کر سکے فوراً اُس مکان کی دیوار پر چڑھ گئے اور واقعہ کی تحقیقات کرنے لگے۔ دیکھا کہ اُس گانے والے مرد کے پاس ایک خوبصورت عورت بیٹھی ہے اور شراب بھی اسکے پاس رکھی ہے۔ پھر کیا تھا آپ نے ڈانٹ کر فرمایا اے دشمن خدا! کیا تو خیال کرتا تھا کہ اللہ تیرے عیب کو چھپا لیگا حالانکہ تو اللہ کی معصیت کر رہا ہے۔ وہ شخص کہنے لگا اے خلیفہ! آپ گھبرائیں نہیں۔ اگر میں نے اللہ کا ایک گناہ کیا تو حضور نے تین گناہ کر ڈالے۔ اس لئے کہ اللہ نے فرمایا ہے لاتجسسوا (لوگوں کے عیبوں کو تم لوگ ڈھونڈا نہ کرو) مگر آپ نے

Marfat.com

میرے گناہ کا تجسس کیا۔ دوسرا امر یہ کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ولیس البر بان تاتوا البیوت من ظہورھا (یہ نیکی کا کام نہیں کہ تم گھروں میں دیواروں پر سے آؤ۔ بلکہ نیکی اس کی ہے جو پرہیزگاری کرے اور گھروں میں آنا ہو تو ان کے دروازوں کی طرف سے آؤ) اور آپ دیوار پر سے آئے۔ تیسرا امر یہ کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے ولا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتےٰ تستانسوا وتسلموا علےٰ اھلھا (تم لوگ دوسروں کے گھروں میں درانہ نہ چلے آیا کرو بہاں تک کہ ان سے اجازت لے لو۔ اور ان گھروں کے رہنے والوں سے صاحب سلامت کرلو) اور آپ یہاں آئے تو نہ سلام کیا نہ کوئی اور ادب بجالائے۔ اور لگے وعظ کہنے۔ آپ نے فرمایا اچھا اگر میں تم کو معافی دے دوں تو لیا تم بھی مجھے معاف رکھو گے۔ اوس نے کہا اے خلیفہ میں ضرور آپ کو معاف کرسکتا ہوں۔ ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ اگر آپ معافی دینگے تو کبھی اس فعل کا مرتکب نہیں ہوں گا۔ چنانچہ آپ نے اوسے معافی دے دی اور شرمندہ ہوکر چلے آئے (ازالۃ الخفاء مقصد ۲ ص۷۷)۔

نصر بن حجاج کی جلاوطنی علامہ طبری وغیرہ نے لکھا ہے کہ ایک شب کو حضرت عمر گشت کررہے تھے تو ایک مقام سے ایک عورت کی آواز آئی جو ایک شعر اس مطلب کا پڑھتی تھی اے کاش مجھ کو شراب کی طرف راستہ ملتا کہ اُس کو پیتی یا کوئی راہ نصر بن حجاج ہی کی طرف پاتی۔ سویرے اوٹھ کر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ نصر بن حجاج ایک نہایت خوبصورت جوان مرد ہے۔ آپ نے اوس کو طلب کیا اور دیکھکر سمجھے کہ عورتیں اسکے حُسن پر فریفتہ ہوکر آوارہ ہوتی ہیں۔ حکم دیا کہ اس کے سر کے بال باعث زینت ہیں۔ وہ تراش دیئے جائیں اور بصرہ کی طرف جلاوطن کردیا جائے۔ اُسکی ضعیف ماں نے جو مدینہ میں تھی بہت فریاد کی اور شور وغل مچایا اور نصر بن حجاج نے بھی بہت کچھ منت وسماجت کے عریضے ارسال کئے مگر حضرت عمر نے اوس کو واپس نہیں بلایا۔ اور وہ جلاوطنی ہی کی حالت میں مرگیا۔

مورخین و محدثین نے اِس واقعہ کو حضرت عمر کے فضائل ومحامد اور قابلِ قدر ولائقِ فخر کارناموں میں ذکر کیا ہے مگر اس کی خوبی تو سمجھ میں نہیں آتی۔ تصور اوس عورت

Marfat.com

کا تھا کہ وہ نصر بن حجاج کی طرف جانے کی راہ چاہتی تھی بلکہ یہ بھی نہیں ہے وہ تو صرف شعر پڑھتی تھی اور اشعار سب حقیقت پر محمول نہیں ہو سکتے۔ اگر واقعاً وہ ان دونوں کاموں (شراب پینے یا نصر بن حجاج تک پہنچنے) کی کوشش کرتی تو زبان سے کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ جس طرح چوری چھپے انسان بہت گناہ کرتا رہتا ہے وہ بھی شراب پی لیتی یا نصر بن حجاج کے پاس چلی جاتی۔ وہ مدینہ ہی میں تو تھا۔ اگر دور ہوتا تو سواری کے انتظام وغیرہ کی مشکل پیدا ہوتی۔ مگر اسی شہر میں رہکر اسکو وہاں تک پہنچنے میں کیا دقت ہو سکتی تھی۔ اس وجہ سے ماننا پڑے گا کہ وہ صرف اپنا وقت گزارنے۔ بیکاری کاٹنے۔ اور دل بہلانے کے لئے وہ شعر پڑھتی تھی۔ بعض اوقات یہ بجا ہوتا ہے کہ انسان کسی کا شعر صرف اوس شعر کی خوبی۔ لطف اور ندرت کیوجہ سے پڑھتا ہے اور واقعاً اس کا کوئی مقصود اس کے معنے سے نہیں ہوتا۔ مختصر یہ کہ اُس عورت کے شعر پڑھنے کی وجہ سے وہ خود بھی مورد اعتراض نہیں ہو سکتی تھی کہ کیوں اس کو پڑھتی ہے۔ جب تک واقعاً وہ عورت شراب پینے یا نصر بن حجاج تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتی۔ لیکن اگر ان تمام باتوں سے قطع نظر کیجائے جب بھی حضرت عمر کا انتظام عقل میں نہیں آتا کہ اوس عورت کے شعر پڑھنے کی وجہ سے بیچارے نصر کی سزا کیوں ہوئی۔ دنیا کا دستور ہے کہ جو شخص خود کوئی جرم کرتا ہے وہی اوسکی سزا پاتا ہے۔ دوسرے کے جرم کی وجہ سے کسی کی سزا نہیں ہو سکتی۔ یہانتک کہ اگر باپ شراب پیئے تو اسکی سزا اس کے بیٹے کو نہیں دیجا سکتی۔ یا بیٹا زنا کرے تو اس کے عوض باپ کو حد نہیں ماری جا سکتی۔ نہ دنیا کے کسی ملک۔ کسی قوم۔ کسی مذہب میں یہ جائز ہے۔ اور نہ خاص اسلام نے اس کو پسند کیا ہے۔ پھر نصر بن حجاج کو ایسی سخت سزا کیوں دیگئی؟ کیا یہ سزا حکم خدا کے مطابق تھی؟ کیا ارشاد رسول ؐ کے موافق تھی؟ کیا قرآن مجید اس کی تائید کرتا ہے؟ کیا رسول ؐ کی کسی حدیث سے اسکی تصویب ہو سکتی ہے؟ قرآن مجید نے تو صاف فرما دیا ہے لاتزر وازرۃ وزر اخری۔ کوئی شخص دوسرے کا کوئی بوجھ نہیں اوٹھا سکتا۔ پھر حضرت عمر نے کس اصول۔ کس عدل۔ کس حُسنِ انتظام سے یہ فیصلہ کیا کہ اوس عورت کو تو چھوڑ دیا۔ اوس کو کوئی بھی سزا نہیں دی۔ اوس پر جرمانہ تک

Marfat.com

نہیں کیا۔ اور غریب ماں کے بیٹے نصر ہی کو تنہا سزا نہیں دی بلکہ اوسکی ماں کو بھی پوری سزا دے دی۔ واضح ہے کہ کسی کا جلا وطن ہونا۔ یا اپنے اعزہ۔ اقربہ۔ احباب تعلقات وطن سے جدا ہونا۔ انسان کیلئے سخت اذیت و کرب کا باعث ہوتا ہے۔ اور انسان ہزاروں روپیہ خرچ کر دیتا ہے مگر اپنے گھر سے نکال دیا جانا پسند نہیں کرتا۔ پھر ماں سے جوان بیٹے کو جدا کر دینا اس ماں کے لئے بھی کسدرجہ دردناک ہوا ہوگا۔ غرض جس حیثیت سے دیکھا جائے حضرت عمر کے اس فیصلہ کی مناسبت سمجھ میں آتی ہی نہیں اور نصر بن حجاج نیز اوسکی ماں کی اس مصیبت میں مبتلا کئے جانیکا سبب کسی طرح عقل تجویز نہیں کر سکتی۔ [illegible]

خانہ کعبہ کے خزانوں کو تقسیم کر دینا چاہا آپ کو مسلمانوں سے بڑی ہمدردی تھی۔ اور جہاں تک ممکن ہوتا انکی مدد کی صورتیں سوچتے رہتے۔ ایک دفعہ خانہ کعبہ میں بیٹھے تو چاہا کہ اس کے کل چاندی سونے کے سکوں کو لے کر لوگوں میں تقسیم کر دیں! ایک شخص نے کہا آپ کے دونوں بزرگ (حضرت رسولؐ اور حضرت ابوبکرؓ) نے تو ایسا کیا نہیں تھا۔ پھر آپ کیوں یہ جدت کر رہے ہیں؟ تب آپ باز رہے (ریاض نضرہ جلد ۲ صـ ۲۱)

لوگوں سے قرض لینے کی تدبیریں آپ اکثر مسلمانوں سے قرض بھی لیا کرتے ایک دفعہ عبدالرحمٰن بن عوف سے آپ نے چار سو درہم قرض طلب کئے۔ انھوں نے جواب دیا آپ مجھ سے قرض چاہتے ہیں حالانکہ آپ کے قبضہ میں پورا بیت المال ہے آپ اوسی سے کیوں نہیں لے لیتے؟ آپ نے فرمایا میں ڈرتا ہوں کہ اس کے ادا کرنے کے قبل میری موت آجائے اور وہ دین میرے ذمہ رہ جائے۔ لیکن تم سے قرض طلب کرتا ہوں کیونکہ جانتا ہوں تم بڑے کنجوس ہو۔ تمھارا لے کر مرجاؤں گا تب بھی تم اسے چھوڑ دوگے نہیں۔ میری میراث سے لے کر رہو گے (ریاض نضرہ صـ ۴۷)۔ ظاہر ہے کہ حضرت عمر اپنے کو بیت المال سے بچاتے نہیں تھے۔ کیونکہ اگر ایسا کرتے تو ۸۰ ہزار درہم آپ کے ذمہ گیونکر نکلتے۔ اور عبدالرحمٰن سے وہ جواب دیا۔ تو ممکن ہے آپ نے یہ جواب اس مصلحت سے دیا ہو کہ اب تو عبدالرحمٰن کے لئے کوئی عذر باقی نہیں رہے گا۔ قرض دے ہی دیں گے۔ آپ کا خود بیت المال سے قرض لینا تو علٰحدہ رہا۔ دوسرے

Marfat.com

معزز اور ذی اثر لوگوں تک کو اس سے قرض دے دیا کرتے تھے۔ جس کے متعلق یہ دلچسپ واقعہ بھی کتابوں میں ہے ان ھند ابنۃ عتبۃ قامت الی عمر بن الخطاب رض فاستقرضتہ من بیت المال اربعۃ الاف تتجر فیھا وتضمنھا فاقرضھا فخرجت فیھا الی بلاد کلب فاشترت وباعت فبلغھا ان ابا سفیان وعمرو بن ابی سفیان قد ایتا معویۃ فعدلت الیہ من بلاد کلب فاتت معویۃ وکان ابوسفیان قد طلقھا قال ما اقدمک ؟ اے امہ قالت النظر الیک ؟ اے بنی انہ عمر و انما یعمل للہ وقد اتاک ؟ ابوک ؟ فخشیت ان تخرج الیہ من کل شئ واھل ذلک ؟ ھو قد یعلم الناس من این اعطیتہ فیوبوتک ویوبنک عمر فلا یستقیلھا ابدا فبعث الی ابیہ والی اخیہ بمائۃ دینار وکساھما وحملھما فتعظمھا عمرو فقال ابوسفیان لا تعظمھا فان ھذا عطاء لم ترتغب عنہ ھند ومشورۃ قد حضرتھا ھند ورجعوا جمیعا فقال ابوسفیان لھند ارجعت فقالت اللہ اعلم معی تجارۃ الی المدینۃ فلما اتت المدینۃ وباعت شکت الوضیعۃ۔ فقال لھا عمر لو کان مالی لترکتہ لک ؟ ولکنہ مال المسلمین وھذہ مشورۃ لم ترغب عنھا ابوسفیان۔ فبعث الیہ فحبسہ حتی وفتہ وقال لابی سفیان ذکم اجاز لک ؟ معویۃ فقال بمائۃ دینار۔ ابوسفیان کی زوجہ ہند (جس کو ابوسفیان طلاق دے چکے تھے) حضرت عمر کے سامنے کھڑی ہوئی اور بیت المال سے چار ہزار درہم تجارت کے لئے قرض مانگا اور اس کے واپس کرنے کی ضمانت دی۔ حضرت عمر نے دے دیا۔ ہند وہ پوری رقم لے کر بلاد کلب کی طرف گئی۔ مال تجارت خریدا اور بیچا وہاں اس کو معلوم ہوا کہ ابوسفیان اور ان کا بیٹا عمرو معویہ کے پاس آئے ہوئے ہیں تو وہ بھی بلاد کلب کو چھوڑ کر اسی طرف روانہ ہو گئی اور معویہ کے پاس پہنچی۔ معویہ نے پوچھا اے اماں! آپ یہاں کیوں تشریف لائیں؟ ہند بولی بیٹا تمہیں دیکھنے کی غرض سے۔ بیٹا یہ خیال رکھنا کہ تم عمر کی طرف سے یہاں کے حاکم ہو۔ اور وہ خدا کے لئے عمل کرتے ہیں۔ اور تمہارے پاس تمہارے باپ (ابوسفیان) آئے ہوئے ہیں۔ میں ڈرتی ہوں کہ تم ان کو ہر قسم کی چیزیں دے دو گے تو وہ اس پر تاؤ

کے اہل ہیں مگر اس کا خیال رکھنا کہ لوگوں کو نہ معلوم ہونے پائے کہ تم نے ان کو یہ سب دولت کہاں سے دی ہے ورنہ سب لوگ تمھیں برا کہنے لگیں گے اور عمر بھی تمھاری ملامت کرینگے۔ بلکہ وہ تو کبھی اس کو معاف ہی نہیں کرینگے۔ غرض معویہ نے اپنے باپ اور بھائی کے پاس نئوا شرفیاں بھیجیں اور ان دونوں کو اچھے لباس پہنائے۔ سواری کے جانور دیئے۔ اور دونوں کی کل حاجتیں پوری کردیں۔ عمرو نے اس برتاؤ کی عظمت ظاہر کی تو ابوسفیان نے کہا ایسا نہ کرو۔ کیونکہ یہ معویہ کی وہ بخشش ہے جو ہند سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ اور وہ بھلائی ہے جس کو اس نے دیکھ لیا ہے۔ غرض سب واپس آئے تو ابوسفیان نے ہند سے پوچھا تم کو تجارت میں نفع ہوا؟ ہند نے کہا اس کا علم خدا کو ہے۔ ابھی تو مجھے مدینہ پہنچکر بھی مال تجارت بیچنا ہے۔ جب وہ مدینہ پہنچی اور کل مال بیچ ڈالا تو شکایت کرنے لگی کہ اس کی تجارت میں بڑی ٹوٹی آئی۔ مگر حضرت عمر نے کہا اگر میرا مال ہوتا تو میں تمکو معاف کردیتا لیکن یہ مسلمانوں کا مال ہے۔ اور اسمیں تمکو وہ نفع ہوا ہے جو ابوسفیان سے مخفی نہیں رہ سکتا۔ غرض حضرت عمر نے ابوسفیان کو گرفتار کراکے قید میں ڈالدیا یہانتک کہ ہند نے اُنکا پورا مال ادا کردیا۔ اور حضرت عمر نے ابوسفیان سے پوچھا معویہ نے تم لوگوں کو کتنا دیا۔ کہا نئوا شرفیاں (تاریخ طبری جلد ۵ صـ۳۰)۔ مورخین نے تصریح کی ہے کہ حضرت عمر اکثر بیت المال سے قرض لیا کرتے تھے۔ عمران بیان کرتے تھے کہ حضرت عمر کو جب ضرورت ہوتی بیت المال کے خزانچی کے پاس چلے جاتے اور اوس سے قرض لیا کرتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ آپ وہ قرض ادا نہیں کرسکتے تو آپکے پاس خزانچی آکر اس روپیہ کا تقاضے کرتا اور حضرت عمر اوس سے حیلے کرنے لگتے۔ جب کبھی آپکا وظیفہ مل جاتا تو اس سے اس قرض کو ادا بھی کردیتے (طبری جلد ۵ صـ۲۲)۔ باوجود ان امور کے جب آپ انتقال کرنے لگے تو آپ کے ذمہ بیت المال کا قرض ۸۰ ہزار نکلا۔ دس سال آپ کی مدت خلافت تھی اور یہ معلوم نہیں کہ اتنی رقم آپ کے ذمہ کب اور کیونکر ہوگئی۔ اس وجہ سے فرض کرنا پڑے گا کہ ہر سال آپ اپنے مشاہرہ کے علاوہ آٹھ ہزار سے زیادہ بیت المال کی رقم اپنی ذات میں خرچ کردیتے تھے۔ اسلامی مورخین سے بعض نہایت ضروری فروگزاشتیں ہوگئی ہیں جن پر کمال درجہ افسوس ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو پتا لگانا چاہیئے تھا کہ حضرت ممدوح کے ذاتی مصارف کیا تھے۔ کسقدر کھاتے۔ کیسا پہنتے اور کن کن باتوں کے عادی تھے جن میں یہ دولت ہر سال خرچ ہوجایا کرتی تھی۔ مولوی شبلی صاحب نے ممدوح کی مفصل سوانح عمری لکھی لیکن کسقدر حیرت خیز یہ امر

ہے کہ وہ بھی اس تحقیق پر کوئی روشنی نہ ڈال سکے۔ بس اتنا لکھ کر رہ گئے "عبداللہ اپنے بیٹے کو بلا کر کہا کہ مجھ پر کس قدر قرض ہے؟ معلوم ہوا کہ چھیاسی ہزار درہم"۔ یہی دوسرے مورخین نے بھی لکھا ہے مگر کیوں اس قدر آپ پر قرض ہوا اسکی طرف کسی نے توجہ نہیں کی حالانکہ اسکی تحقیق سے حضرت عمر کے بعض عادات وطرز معاشرت کا پتا بھی چل جاتا۔

اپنی ہیبت قائم کرنے کا انتظام | حضرت عمر کو اسکی بھی بڑی فکر رہتی تھی کہ لوگوں پر خلافۃ یا خلیفہ کی پوری ہیبت یا رعب قائم رہے۔ غالباً اسی وجہ سے آپ درّہ (کوڑا) ہر وقت اپنے پاس رکھتے اور برابر استعمال بھی کرتے تھے۔ لوگ اس کے [illegible] الحجاج یعنی حجاج کی تلوار سے لوگوں کو جس قدر خوف ہوتا اس سے کہیں زیادہ حضرت عمر کے کوڑے کی ہیبت تھی۔ وھاب الناس عمر ھیبۃ عظیمۃ حتی ترک الناس المجالس بالافنیۃ" انہ لوگوں کے دلوں پر حضرت عمر کی ہیبت عظیمہ قائم تھی جسکی نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ لوگوں نے کھلی ہوئی جگہوں پر بیٹھنا بھی موقوف کر دیا تھا۔ کہتے تھے کہ دیکھو آج حضرت عمر کس کو دیکھ پاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر کی تو یہ حالت تھی کہ بچے جب ان کو دیکھتے تو ان کی طرف دوڑ کر پہنچتے اور حضرت عمر کی ہیبت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ لوگ ان کو دیکھ کر اپنی جگہیں چھوڑ کر بھاگ جاتے اور انتظار کرتے کہ دیکھئے آج آپ کیا کر ڈالتے ہیں۔ یہ باتیں حضرت عمر سے کیونکر چھپ سکتی تھیں۔ جب معلوم ہوئیں تو لوگوں کو جمع کرایا۔ منبر پر تشریف لیگئے اور خطبہ دینے لگے کہ مجھے معلوم ہوا ہے لوگ میری سختیوں سے ہیبت زدہ رہتے اور میری غلظت (اکھڑپنے) سے ڈرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب رسولؐ ہمارے درمیان موجود تھے اوس وقت تو عمر ہم پر سختیاں کرتے تھے۔ پھر حضرت ابوبکر ہمارے حاکم ہوئے تب بھی یہ اپنی ان بدمزاجیوں سے باز نہیں رہے۔ اب کہ وہ خود ہی ہمارے حاکم ہو گئے ان کو کون روک سکتا اور ان کی سختیوں کی کیا حالت ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد آپ نے لوگوں کو تسکین دی اور سمجھا کر واپس کر دیا (ریاض نضرہ جلد ۲ صـ)۔ اسی طرح مشہور صحابی رسولؐ سعد بن ابی وقاص کہیں بیٹھے تھے۔ حضرت عمر کا ادھر سے

Marfat.com

گزر ہوا سعد تعظیم کو نہیں اوٹھے تو حضرت عمر نے اون کے سر پر درہ رسید کیا اور فرمایا تم خوف خلافت سے تعظیم کے لئے نہیں اوٹھتے۔ اس سبب سے میں نے مناسب سمجھا کہ تم کو بھی معلوم ہو جائے کہ خلافت بھی تم سے نہیں ڈرتی۔ اسی طرح ایک دفعہ ابی بن کعب کو دیکھا کہ وہ آگے آگے چلے جاتے اور دوسرے لوگ ان کے پیچھے چلتے ہیں تو حضرت عمر نے فوراً ابی کی اپنے درہ سے خبر لی (تاریخ خمیس جلد ۲ صـ۳۰۲) اسی کے قریب تاریخ طبری جلد ۵ صـ۲۴ میں بھی ہے۔ تعظیم خلیفہ کرنا ضرور مناسب ہے۔ اور سعد بن ابی وقاص کو اس کا خیال رکھنا تھا لیکن جس طرح ان کا فعل حیرت خیز تھا حضرت عمر کا یہ انتظام بھی اعتراض سے نہیں بچ سکتا۔ جناب سعد ابن ابی وقاص صحابی رسولؐ اور اسلام میں چھٹے بزرگ تھے۔ حضرت عمر سے بہت پہلے اسلام لا چکے تھے۔ اور اسلامی فتوحات بہت زیادہ آپ کی ممنون احسان ہیں۔ اگر انھوں نے آپ کی تعظیم نہیں کی تھی تو پہلے آپ کو اون سے اس کا سبب دریافت کرنا تھا۔ اسکی کیفیت طلب کرتے اور ان کو صفائی کا موقع دیتے۔ اگر اس سے تشفی نہ ہوتی تو انکی شان اور ان کی بے ادبی کے مناسب سزا تجویز کرتے۔ فوراً درہ سے پیٹنے لگنا تو آپ کی شان کے بھی خلاف تھا۔

غیر مسلم قوموں سے آپ کا برتاؤ جناب مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "ذمی[1] رعایا کے حقوق۔ حضرت عمر نے ذمی رعایا کو جو حقوق دیئے اس کا مقابلہ اگر اُس زمانہ کی اور سلطنتوں سے کیا جائے تو کسی طرح کا تناسب نہ ہوگا... اخیر میں ہم کو اُن واقعات کی حقیقت بھی بتانا ضرور ہے جن کی وجہ سے لوگوں کو یہ غلط خیال پیدا ہوا ہے یا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر نے بلکہ خود اسلام نے ذمیوں کے ساتھ ناانصافانہ سلوک کئے۔ اس مسئلہ کو مخالف اس طرح بیان کر سکتا ہے کہ حضرت عمر نے ذمیوں کے حق میں یہ حکم دیا کہ وضع اور لباس وغیرہ میں کسی طرح مسلمانوں کا تشبہ نہ کرنے پائیں۔ کمر میں زنّار باندھیں۔ لمبی ٹوپیاں پہنیں۔ گھوڑوں پر کاٹھی کسیں۔ نئی عبادتگاہیں

[1] ذمّی سے وہ قومیں مراد ہیں جو مسلمان نہ تھیں لیکن ممالک اسلام میں سکونت رکھتی تھیں ۱۲)۔

Marfat.com

نہ بنائیں۔ شراب اور سور نہ بیچیں۔ ناقوس نہ بجائیں۔ صلیب نہ نکالیں نیز تغلب کو یہ بھی حکم تھا کہ اپنی اولاد کو اصطباغ نہ دینے پائیں۔ ان سب باتوں پر یہ مستزاد کہ حضرت عمر نے عرب کی وسیع آبادی میں ایک یہودی یا عیسائی کو نہ رہنے دیا۔ اور بڑے بڑے قدیم خاندان جو سیکڑوں برس سے عرب میں آباد تھے جلاوطن کر دیئے۔ بے شبہہ یہ اعتراضات نہایت توجہ کے قابل ہیں اور ہم اُن کے جواب دینے میں کسی قدر تفصیل سے کام لینگے" (الفاروق حصہ ۲ صفحہ ۱۶)۔ ایک مورخ یا سوانح نویس کا فریضہ یہ ہے کہ جس مقام یا زمانہ کی تاریخ یا جس شخص کی سوانح عمری لکھے اسکے متعلق اپنے ذاتی عقائد سے اپنے کو آزاد کرلے اور بطور غیر لیکن منصف مزاج محقق کے اسکے سچے حالات لکھ دے۔ اگر اس میں واقعاً خوبیاں ہوں تو بے تکلف بیان کر دے اور اگر برائیاں ہوں تو بے کم و کاست ظاہر کر دے۔ جس طرح ایک جج کا فریضہ ہوتا ہے کہ جو دعوے اوس کے ہاں کیا جائے اوسکی تحقیق اپنے ایمان کے مطابق کرے اور مدعی یا مدعے علیہ کی شخصیت کا لحاظ نہ کرے۔ اسی طرح مورخ یا سوانح نویس کو اپنی تاریخ یا سوانحعمری کے متعلق اپنے قلم کو بالکل آزاد رکھنا چاہیئے۔ اور اگر اس پر اعتراضات ہوں تو ان کو بیان کر دے۔ اور اگر وہ اعتراضات غلط ہوں تو انکی غلطی واضح کر دے پہلے ہی سے یہ ارادہ نہ کرے کہ اس کے ہیرو میں جو عیوب واقعاً بھی ہوں گے اپنے قلم کے زور اور عبارت کی ملمع سازی سے ان کو حسن کر دکھانے کی کوشش کریگا۔ ایسا مصنف یا مورخ علمی دنیا میں اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جا سکتا اور تحقیق پسند طبقہ کبھی اس کی باتوں کی طرف توجہ کرنا بھی پسند نہیں کرے گا مگر نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مولوی شبلی صاحب اپنے ہر بیان میں اس اصول سے علیحدہ نظر آتے ہیں اگر آپ یہ لکھتے "یہ اعتراضات نہایت توجہ کے قابل ہیں اور ہم ان کی تحقیق میں پوری کوشش کرینگے۔ اس امر کا پتا لگائیں گے کہ ان کو کہاں تک صحت سے تعلق ہے اس بات کی جد و جہد کریں گے کہ معلوم ہو جائے کون اعتراض واقع کے مطابق اور کون تعصب۔ جہالت وغیرہ کا نتیجہ ہے"۔ تو آپ کی مساعی جمیلہ قابل قدر ہوتیں اور ہر تحقیق پسند ان کو شوق سے پڑھتا۔ مگر پہلے ہی سے یہ طے کر لینا کہ ان اعتراضات کی تحقیق

Marfat.com

نہیں کریں گے بلکہ جس طرح ہوگا "جواب دینگے" واضح کرتا ہے کہ آپ کا مقصود تحقیق نہیں بلکہ اپنے ممدوح کی حمایت۔ تائید۔ تصویب ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب انسان اس امر کا ارادہ کرتا ہے تو جس قدر اس سے ہو سکتا ہے عبارت آرائی کے میدان میں ہاتھ پاؤں مار کر لوگوں کو دکھانا چاہتا ہے کہ میں اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ گیا خود آپ یوروپین مصنفین کے متعلق پہلے لکھ چکے ہیں "یہ جواب گو واقعیت سے خالی نہیں لیکن جس قدر واقعیت ہے اس سے زیادہ طرز استدلال کی ملمع سازی ہے" (الفاروق حصہ ۲ ص۴۔) مولوی صاحب کا فرض تھا کہ ذمیوں کے برتاؤ کی وجہ سے جو اعتراضات حضرت عمر پر ہوتے ہیں ان کا جواب لکھنے کے بعد خود بھی دیکھتے کہ یہ جوابات بھی طرز استدلال کی ملمع سازی سے کس قدر رنگے گئے ہیں اور اس سے اپنی کتاب کو بچا لیتے اس صورت میں آپ کی کتاب کی عظمت و وقعت بہت بڑھ جاتی اور ہر شخص جو صحیح تاریخی معلومات حاصل کرنے کا شائق ہوتا اس کی طرف رجوع کر کے اپنی پیاس بجھاتا لیکن جب ہزاروں کتابوں میں جو آج کی نہیں بلکہ سیکڑوں برس قبل کی لکھی ہوئی ہر جگہ پھیلی ہوئی ہیں یہ تمام امور موجود ہیں اور ان کے دیکھنے سے کوئی شخص کسی کو روک نہیں سکتا اور وہ کتابیں بھی بڑے بڑے علماء و محققین اسلام کی ہیں جن کے دینی احسانات سے اسلام سر نہیں اوٹھا سکتا۔ تو صرف ہمارے معزز دوست کے پردہ ڈالنے سے وہ باتیں مخفی نہیں ہو سکتیں۔ اصل جواب یہ ہے کہ سابق زمانہ میں اتنی روشنی کہیں بھی نہیں پھیلی تھی جس کی وجہ سے صاحب اختیار حکومت اپنے مخالف مذہب اقوام کو اتنی آزادی دے دیتی جس قدر اس زمانہ میں نظر آتی ہے۔ جس طرح مکہ معظمہ میں کفار عرب کا زور تھا۔ وہاں ان کے مذہب کے خلاف دین اسلام کی آواز بلند ہوئی تو ہر شخص اس مذہب کے نام لینے والوں کا دشمن ہو گیا اور اپنی پوری طاقت اس میں صرف کر دی کہ یہ باقی نہ رہنے پائے۔ اس زمانہ کے صرف بت پرست ہی نہیں بلکہ عیسائی لوگوں نے بھی مسلمانوں کی ویسی ہی مخالفت کی اور جو کچھ ان کے اختیار میں تھا اس کی ترقی روکنے میں صرف کر دیا۔ اسی طرح اگر حضرت عمر کو بھی موقع مل گیا اور انھوں نے غیر مسلم لوگوں کو دنیا سے معدوم کرنے کی سعی کی تو آپ پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے

جو مخالفین آپ پر مذکورۂ بالا الزامات قائم کرتے ہیں پہلے ان کو یہ بتانا چاہیئے کہ خود اہل اسلام کے ساتھ غیر مسلم قوموں نے کیا برتاؤ کیا تھا۔ کیا انھوں نے اس دین والوں کی کوئی مدد کی؟ ان پر کسی طرح رحم کھایا؟ ان کے دنیا میں زندہ رہنے کا سامان فراہم کیا؟ ان کی ترقی کی راہیں کھلی چھوڑ دیں؟ اس مذہب کے پھیلنے میں کوئی رکاوٹ نہیں کی؟ ان کے انسانی حقوق پامال نہیں کئے؟ ان سے کسی قسم کی عداوت نہیں کی؟ ان کی صورتوں سے تنفر نہیں ہوئے؟ ان کے شعائر مذہب سے نہیں بھڑکے؟ ان کا دم بھرنے والوں سے مخالفت نہیں کی؟ ان کے نام و نشان کو دنیا سے مٹا دینے کی جد و جہد سے باز رہے؟ اگر نہیں اور قطعاً نہیں تو پھر حضرت عمر کی شکایت کیوں کی جاتی ہے؟ کیا وہ اپنے سینہ میں دل نہیں رکھتے تھے؟ کیا انکے مذہبی جذبات مردہ ہو گئے تھے؟ کیا ان کی دینی حمیت بے اثر ہو گئی تھی؟ جیسا دوسروں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا حضرت عمر نے بھی اپنا اقتدار ہونے کے بعد ویسا ہی برتاؤ ان لوگوں کے ساتھ کیا تو اب کیوں شور و غل کیا جاتا ہے؟ حضرت عمر نے غیر مسلموں کے ساتھ جو کچھ کیا وہ ۱۳ھ سے ۲۳ھ تک جو ۶۳۴ء سے ۶۴۴ء تک کا زمانہ تھا اسکے نوسو ۹۰۰ سال کے بعد جب اسپین میں پھر عیسائیوں کا زور ہوا تو اونھوں نے وہاں کے مسلمانوں کے ساتھ کیا کیا؟ حالانکہ اتنی طویل مدت میں ہر طرف تہذیب پھیل چکی تھی تعصب کا زور گھٹ گیا تھا۔ عدل و مساوات کی آواز تمام عالم میں بلند ہو گئی تھی۔ اوس زمانہ کی تاریخوں کو دیکھو۔ اور غیر مسلم جماعتوں کا برتاؤ مسلمانوں کے ساتھ پڑھو تو تمھارے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے اور ہوش و حواس کا بچا رکھنا دشوار ہو جائیگا۔ مسلمانوں کو انہیں کے فتح کئے ہوئے ملکوں میں ہر طرح سے ذلیل و خوار کیا جاتا اور ستایا جاتا۔ ان کے قوانین اور ان کے مذہب کو ممنوع قرار دیا گیا۔ ان سے بہتوں کو جبراً عیسائی بنایا گیا۔ ۱۴۹۸ء میں تذخو غیر مسلم حاکم نے عقائد اسلام پر قائم رہنے والوں کے واسطے عام طور پر ظلم و عقوبت کا حکم دے دیا۔ مسلمانوں سے کہا گیا کہ عیسائی بنو یا جان سے ہاتھ اوٹھاؤ۔ پس بعض تو عیسائی ہو گئے اور زیادہ تر اپنے مذہب پر قائم رہے اور کوہستان البشارات کی طرف بھاگ گئے۔ یہاں

Marfat.com

بھی ان کا خون پینے والے جا پہنچے اور اُن پر حملہ کیا۔ صرف مردوں ہی کو قتل نہیں کیا بلکہ مسجد کو جس میں بڑے ضلع کی عورتوں اور بچوں نے پناہ لی تھی بارود سے اُڑا دیا۔ اُن کا تمام مال و دولت عیسائی بادشاہ اور ملکہ نے لے لیا۔ اب جو رہے ان کی بھی تعداد بے شمار تھی۔ ان کو بزور شمشیر عیسائی بنایا گیا مگر یہ لوگ دل میں مسلمان ہی رہے۔ پوشیدہ طور پر خدا کی عبادت کرتے۔ مقررہ وقتوں پر وضو کرتے اور نمازیں پڑھتے تھے۔ پادڑی کی نظر سے اوجھل ہوتے ہی اوس پانی کو جس سے اصطباغ دیا جاتا تھا دھو ڈالتے تھے۔ عیسائیوں کی طرح گرجا میں نکاح ہونے کے بعد گھر آتے تو شریعۃ اسلام کے مطابق نکاح کرتے تھے۔ اور زبان سے تقیہ کا نام نہ لیتے ہوں مگر عمل برابر اسی پر رہا۔ جوں جوں دن گزرتے گئے عیسائیوں کی بے رحمی میں زیادتی ہوتی چلی گئی۔ ان برائے نام عیسائیوں (اور درحقیقت تقیہ کے مسلمانوں) کی بڑی نگرانی کیجاتی۔ اگر کسی پر ذرہ بھی شبہہ ہوتا تو بیچارے کو زندہ آگ میں جلا دیا جاتا۔ غرناطہ۔ اشبیلیہ اور قرطبہ میں آگ کے شعلے ہمیشہ بلند رہتے۔ روزمرّہ مرد۔ عورتیں بچے اُن میں زندہ ہی ڈالدیئے جاتے۔ بغاوت کے اندیشہ سے ہتھیاروں اور ہر تیز اوزار کی اُن کو ممانعت کر دی گئی۔ یہاں تک کہ چھوٹا سا چاقو رکھنا بھی جرم میں داخل تھا۔ مسلمانوں کی اوس ملک میں جہاں وہ آٹھ سو برس سے حکومت کر رہے تھے آخر یہ نوبت پہنچ گئی۔ ۱۵۶۸ء میں ان مظالم پر بھی بس نہ کر کے عیسائی مسلمانوں کی بیخ کنی اور اُن کے عظیم الشان وجود کے مٹا دینے کے درپے ہو گئے۔ بڑے پادڑی نے بادشاہ سے فرمان صادر کرایا کہ غریب ایک دن کے اندر ہی اپنی زبان۔ اپنی رسوم۔ اپنے اطوار غرض کہ اپنے ہر قومی آئین کو ترک کر دیں۔ عیسائیوں کی سی ٹوپیاں اور پتلون پہنا کریں۔ نہانا چھوڑ دیں۔ اپنے فتاحوں کی طرح میلے کچیلے رہا کریں۔ اپنی عادات و رسوم بلکہ نام تک ترک کر دیں۔ ہسپانی زبان بولا کریں۔ اسپین والوں کے سے برتاؤ اختیار کریں اور اپنے نام پلٹ کر اسپین والوں کے سے نام رکھیں۔ یہ عام قومی تنزل اور حقوق کی محرومی کس درجہ دردناک ہوئی ہوگی۔ مایوس ہو کر بعض مسلمانوں نے بغاوت پر کمر باندھی۔ جان دینے کو طیار ہو گئے۔ تین سال کی متواتر لڑائی کے بعد

Marfat.com

سنہ ۱۵۷۱ء میں اس بغاوت کو قتل عام اور غارت گری کے ذریعہ سے فرو کیا گیا۔ مرد۔ عورتیں اور بچے سب قتل کئے گئے۔ اور البشارات وادی منے کا نمونہ بنا دیئے گئے۔ جن بیچاروں نے غاروں میں پناہ لی اُن کو دھوئیں سے ہلاک کر دیا گیا۔ اب بھی بعض مقامات میں بہت سے مسلمان باقی رہ گئے اور بہت سے ایسے تھے جو تقیہ اختیار کر کے ظاہر میں عیسائی اور باطن میں مسلمان تھے۔ فلپ سوم کو معلوم ہوا تو اوس نے سنہ ۱۶۱۰ء میں ۹ لاکھ سے زیادہ اور بروایتے دس لاکھ بے گناہ مسلمانوں کو زبردستی افریقہ کی طرف جلاوطن کر دیا۔ بغیر کسی آسرے کے ساحلوں پر اُتار دیا جو ملک کے اندرونی حصوں میں رہتے تھے۔ جن کی تعداد ۲ لاکھ سے کم نہ تھی اون کو بیرحمی سے اسپین کی سرحد پار فرانس کی طرف نکال دیا۔ ان میں بہت سے تو راہ کی سختیوں سے راستہ ہی میں راہی ملک بقا ہوئے۔ جو بچے وہ مرتے کھپتے جہازوں میں سوار ہوا اسلامی ممالک میں چلے آئے۔ فتح غرناطہ سے فلپ سوم کے عہد تک ۳۰ لاکھ مسلمان اسپین سے نکالے گئے۔ یہانتک کہ اسپین میں ایک مسلمان بھی باقی نہ رہا۔ سلطنت غرناطہ کی بربادی سے اسلام کا نام ممالک ہسپانیہ سے بالکل مٹ گیا جہاں بڑے بڑے محدثین وفقہا اور ارباب کمال گزرے ہیں۔ اور سیکڑوں معابد۔ مقابر۔ خانقاہیں اور نامی عمارتیں اہل اسلام کی تھیں۔ وہاں اب ایک مسلمان نام کو نہیں۔ تمام مساجد مسمار ہوئیں یا گرجا بنالی گئیں۔ یہی انجام مسلمانوں کی دو نہایت عظیم الشان اور بے نظیر عمارتوں الزہرا اور الحمرا کا ہوا جو اب عیسائیوں کے گرجے ہیں۔ ہسپانیہ کے جلاوطن زیادہ تر الجیریا اور مراکش میں جا کر بسے" (تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۱۷۳ مصنفہ جناب ماسٹر ذاکر حسین صاحب دہلوی مرحوم)۔ غرض جن لوگوں نے سولہویں صدی عیسوی میں یورپ کے اندر مسلمانوں کے ساتھ اس قسم کا برتاؤ کیا وہ کس منہ سے حضرت عمر کے برتاؤ پر اعتراض کرتے ہیں جو ساتویں صدی عیسوی میں عرب ایسے غیر تعلیم یافتہ ملک میں گزرے ہیں۔ یہ لوگ پہلے اپنے کارناموں کا جائزہ لیں اس کے بعد حضرت عمر کی زیادتیوں یا سختیوں کو پیش کریں تاکہ ان کو خود معلوم ہو جائے کس کے ظلموں کا پلہ بھاری ہوتا ہے۔ اگر حضرت عمر نے ذمیوں کے حق میں یہ حکم دیا

Marfat.com

تھا کہ" وضع اور لباس میں کسی طرح مسلمانوں کا تشبہ نہ کرنے پائیں۔ کمر میں زنّار باندھیں لمبی ٹوپیاں پہنیں۔ گھوڑوں پر کاٹھی کسیں۔ نئی عبادت گاہیں نہ بنائیں۔ شراب اور سور نہ بیچیں۔ ناقوس نہ بجائیں۔ صلیب نہ نکالیں۔ اپنی اولاد کو اصطباغ نہ دینے پائیں"۔ تو کیا بے جا کیا اور کسی کو کیوں اس کی شکایت ہو سکتی ہے؟ اگر ممدوح نے "عرب کی وسیع آبادی میں ایک یہودی یا عیسائی کو نہ رہنے دیا اور بڑے بڑے قدیم خاندان جو سیکڑوں برس سے عرب میں آباد تھے جلا وطن کر دیئے"۔ تو کیسا اعتراض کرنیکا کیا حق ہے؟ اُس زمانہ کی عیسائی حکومتوں میں اگر مسلمان رہتے تو کیا ان کے ساتھ بھی ایسے برتاؤ نہیں کئے جاتے جن پر اہل اسلام فریاد و واویلا کی آوازیں بلند کر دیتے؟ اس زمانہ کی تاریخوں کو پڑھ جاؤ۔ ایشیا یا یورپ میں اتنی روشنی اور رواداری پیدا ہی نہیں ہوئی تھی کہ اپنے مخالفین کے ساتھ اہل حکومت اتنی مہربانی کا برتاؤ کرتے جو اس زمانہ میں رائج ہو گیا ہے۔ اس وجہ سے حضرت عمر سے اسکے خلاف امید رکھنا نہایت بیجا ہے۔ جب حضرت ابوبکر نے جو حضرت عمر سے زیادہ نرم مزاج۔ رحم دل۔ اور ٹھنڈے خون کے تسلیم کئے گئے ہیں اون مسلمانوں کے ساتھ جنھوں نے ممدوح کو زکوۃ نہیں دی کوئی رعایت نہیں کی بلکہ اپنی فوجوں کو حکم دیا کہ ان مسلمانوں سے جو شخص آپ کا حکم (زکوۃ کے بارے میں) نہ مانے اوس سے ضرور جنگ کی جائے۔ اور جو شخص قابو میں آجائے اوس پر ذرہ برابر بھی رحم نہ کیا جائے بلکہ اون سب کو آگ میں جلا دیا جائے۔ سب کو اچھی طرح قتل کر دیا جائے اور اُنکی عورتوں بچوں کو لونڈی غلام بنا لیا جائے (تاریخ طبری جلد ۳ صـ۲۲۷)۔ ان لوگوں کو لوٹ لو۔ غارت کر دو۔ قتل کر دو اور جلا ڈالو (طبری جلد ۳ صـ۲۴۲)۔ اگر اس فوج کشی ان مسلمانوں پر فتح حاصل ہو جائے تو ان کو ہتھیاروں سے قتل کرے۔ سب کو آگ میں جلائے۔ کسی کو باقی نہ چھوڑے اور ان سب کا مال تقسیم کرلے (تاریخ خمیس جلد ۲ صـ۲۲۵)۔ اگر تم ان مسلمانوں پر فتح پاؤ تو خبردار اُن پر ذرہ برابر بھی رحم نہ کھانا۔ اون میں جو لوگ زخمی ہو کر تڑپتے ہوں اون کو بھی مار ڈالنا۔ جو بھاگیں اون کا تعاقب کر کے گرفتار کرنا۔ اون میں سے جو لوگ تمھاری قید میں آسکیں اون سب کو اسیر کر کے

تلوار کی باڑھ پر رکھ دینا (قتل کر ڈالنا)۔ اون کے درمیان قتل کا ہول عظیم پیدا کر دینا اور اون لوگوں کو آگ میں جلا ڈالنا۔ خبردار میرے حکم کے ذرہ برابر بھی خلاف نہ کرنا (تاریخ خمیس جلد ۲ ص۲۳۳)۔ ان کل احکام کی پیروی کی گئی۔ حضرت ابوبکر کی فوج والے اون مخالفین کو پکڑ کر اپنے سردار فوج کے پاس لائے تو اوسنے ان بیچاروں کا بدن ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اون کو آگ میں جلا دیا۔ اونکے بدنوں کو پتھروں سے کوٹ کوٹ کر چور کر ڈالا۔ اون کو لے جاکر پہاڑوں پر سے نیچے پھینک دیا۔ اُن کی ٹانگوں میں رسیاں باندھ کر کنوؤں میں اُلٹا لٹکا دیا کہ بیچاروں کے سر نیچے اور پاؤں اوپر تھے اور حضرت ابوبکر کو ان کل کارروائیوں کی اطلاع بھی کر دی (تاریخ کامل جلد ۲ ص۱۳۵)، پھر حضرت ابوبکر کی فوج والے طلیحہ والوں کے پاس پہنچکر اون کو قتل اور گرفتار کرنے لگے اور سردار فوج نے پکار کر اپنی فوج والوں سے کہا کہ جو شخص دیگچی میں کچھ پکانا یا پانی گرم کرنا چاہے وہ پتھر وغیرہ کا چولھا نہ بنائے بلکہ انہیں مقتولین کے سروں کا چولھا بنائے اور اوس میں آگ روشن کر کے اس پر پکائے یا گرم کرے۔ اور یہ حکم بھی دیا کہ بڑے بڑے گڈھے کھودے یا گھروندے بنائے جائیں پھر اون میں آگ روشن کی جائے۔ جب یہ سب کام ہو چکے تو حکم دیا کہ جس قدر لوگ پکڑے گئے ہیں سب اس آگ میں جھونک دیئے جائیں۔ اس پر وہ سب اس میں جلا دیئے گئے (تاریخ خمیس جلد ۲ ص۲۳۰)۔ حضرت ابوبکر کے سردار فوج نے قیدیوں کو گھروندوں میں بھرا پھر ان میں آگ لگا دی تو وہ سب اوس میں جل گئے حالانکہ وہ کل کے کل زندہ تھے۔ جب سردار فوج نے حکم دیا کہ بڑے بڑے گڈھے کھودے جائیں تو لوگوں نے اون سے پوچھا یہ کس لئے کھودے جاتے ہیں اونھوں نے جواب دیا کہ ان سب کو انہیں گڈھوں میں بند کر کے جلا دوں گا۔ اس کے بارے میں لوگوں نے ان سے کچھ گفتگو کی تو کہا (میں کیا کروں مجھے یہی حکم دیا گیا ہے) دیکھو یہ حضرت ابوبکر صدیق کا تاکیدی فرمان میرے پاس ہے جس میں مجھے حکم دیا ہے کہ اگر تم فتح پاؤ سب کو زندہ جلا دو (تاریخ خمیس جلد ۲ ص۲۳۱)۔ پھر حضرت عمر کی جو حضرت ابوبکر کے مقابلہ میں تند مزاج، سخت دل اور گرم خون کے بیان کئے جاتے ہیں ان

Marfat.com

کارروائیوں کی تاویل کرنے کی ضرورت نہیں ہے جو اوروں نے غیر مسلم اقوام کیساتھ کیں

آٹھواں حصہ

حضرت عمر کی امامۃ اجتہاد مذہبی اصلاح اور دوسری دینی خدمات

پہلی فصل

آپکی امامۃ و اجتہاد

مولوی شبلی صاحب نے اس کے متعلق لکھا ہے "امامت کا منصب درحقیقت نبوت کا ایک شائبہ ہے اور امام کی فطرت قریب قریب پیغمبر کی فطرت کے واقع ہوتی ہے شاہ ولی اللہ صاحب کہتے ہیں واز میان امت جمعے ہستند کہ جوہر نفس ایشاں قریب بجوہر انبیاء مخلوق شدہ و ایں جماعۃ دراصل فطرت خلفاء انبیاء اند در امت۔ مذہبی عقائد اور احکام اگرچہ بظاہر سادہ اور صاف ہیں ... لیکن ان مسائل میں اشتباہ اور ابہام اس قدر ہے کہ اگر نہایت نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی سے کام نہ لیا جائے تو اون کی حقیقت بالکل بدل جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود اسکے کہ یہ مسائل قریباً تمام مذاہب میں مشترک تھے تاہم کم و بیش سب میں غلطیاں واقع ہوئیں۔ اسلام انھی غلطیوں کے مٹانے کے لئے آیا اور اوس نے نہایت اہتمام اور تاکید کے ساتھ اُن پر توجہ دلائی لیکن چونکہ عام طبائع نکتہ سنج نہیں ہوتیں۔ اس لئے ہر زمانہ میں اکثر لوگ اصل حقیقت سے دور ہو جاتے تھے اور اسی لئے ائمہ اور مجددین کی ضرورت باقی رہی کہ ان اسرار پر پردہ نہ پڑنے پائے" (الفاروق جلد ۲ صفحہ ۲۰۲ و ازالۃ الخفاء جلد ۱ صفحہ ۹)

الحمدللہ کہ اسلام کی دو بڑی جماعتوں میں شروع سے جو زبردست اختلاف چلا آتا ہے اس کو مولوی صاحب اور شاہ صاحب کی اس تقریر نے صاف کر دیا۔ ایک فریق کہتا ہے کہ خلافۃ و امامۃ کو نبوت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ صرف دنیا اور حکومۃ

کا انتظام کرتا ہے۔ اور دوسرا فریق کہتا ہے کہ جس طرح رسول ایک شریعت پہنچانے کو بھیجے جاتے ہیں اوسی طرح اون کے خلفاء دائمہ اس شریعت کی حفاظت کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں۔ مولوی صاحب اور شاہ صاحب نے دوسرے ہی فریق کے دعوے کو تسلیم کیا۔ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب "امامت کا منصب درحقیقت نبوت کا ایک شائبہ اور امام کی فطرت قریب قریب پیغمبر کی فطرت کے واقع ہوتی ہے" تو کیا امام ہیں وہ فطرت لوگوں کی پنچایت۔ لاٹھی یا زور۔ انتخاب کی دھینگا مشتی۔ استخلاف کی گرج اور اجماع کی شورش سے پیدا ہو سکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ انتخاب۔ اجماع۔ استخلاف اور شورے سے کوئی کالا شخص گورا نہیں ہو سکتا۔ کوئی برا شخص اچھا نہیں ہو سکتا۔ کوئی ناطا شخص لانبا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ان ذرائع سے کوئی عام شخص خلیفہ یا امام نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جس طرح نبوت خدا کے عطا کرنے سے کسی کو ملتی ہے اسیطرح امامت کا منصب بھی خدا ہی کے دینے سے ملتا ہے۔ کوئی شخص آجتک اجماع۔ استخلاف۔ شورے سے نبوت کے منصب پر فائز نہیں ہوا۔ اسی طرح کوئی خلیفہ۔ کوئی امام۔ کوئی وصی بھی پنچایت اجماع، استخلاف یا شورے سے نہیں ہوا بلکہ خدا ہی کے مقرر کرنے سے ہوتا رہا (اسکی تفصیل اسی کتاب کے گزشتہ اوراق میں ذکر کیجا چکی ہے)۔ اگر حکم رسولؐ کے مطابق حضرت ابوبکر و عمر جیش اسامہ کے ساتھ مدینہ سے باہر بہت دور چلے گئے ہوتے تو آپ لوگوں کو نہ رسولؐ کی خلافت ملتی۔ نہ امت کی امامت بلکہ اسلامی دنیا کا نقشہ ہی دوسرا ہوتا۔ تو کیا مان لیا جائے کہ حضرت ابوبکر و عمر کے احکام رسولؐ سے اعراض اور جیش اسامہ کے ساتھ جانے سے تخلف کرنے کی وجہ سے ان لوگوں کی فطرت بدل گئی اور پیغمبر کی فطرت کے قریب قریب واقع ہو گئی؟ پھر معویہ۔ یزید۔ مروان۔ سفاح۔ امین وغیرہ کے متعلق بھی یہی ماننا پڑے گا کہ جس طرح ان دونوں بزرگوں کے حسن کامیاب ہو جانے کی وجہ سے ان کی فطرت پیغمبر کی فطرت کے قریب قریب ہو گئی۔ اسی طرح مذکور بالا خلفاء کے صرف تخت نشین ہو جانے کی وجہ سے ان لوگوں کی فطرت بھی پیغمبر کی فطرت کے قریب قریب ہو گئی۔ پھر کیا کوئی مسلمان اس نتیجہ کو تسلیم کر سکتا ہے؟ کوئی دیندار شخص یزید وغیرہ کی فطرت کو صرف خلیفہ ہو جانے کی وجہ سے پیغمبر کی فطرت کے

Marfat.com

قریب قریب قبول کرسکتا ہے؟ اگر نہیں تو بتانا پڑے گا کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے بارے میں یہ اصول کیوں مانا جائیگا اور یزید وغیرہ کیوں اس اصول سے محروم کردیئے جائینگے۔

دوسری فصل

حضرت عمر کی مذہبی اصلاحیں

یہ فصل بہت اہم اور حضرت عمر کی سوانح عمری کا نہایت ضروری حصہ ہے۔ مولوی شبلی صاحب نے اس پر بہت زور دیا اور صفحے کے صفحے لکھ گئے ہیں۔ سب کا خلاصہ یہ ہے "نبوت کی حقیقت کی نسبت عموماً لوگ غلطی کرتے آئے ہیں اور اسلام کے زمانہ میں بھی یہ سلسلہ بند نہیں ہوا۔ اکثروں کا خیال ہے کہ نبیؐ کا ہر قول و فعل خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ بعضوں نے زیادہ ہمت کی تو صرف معاشرت کی باتوں کو مستثنیٰ کیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبیؐ جو حکم منصب نبوت کی حیثیت سے دیتا ہے وہ بے شبہہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ باقی امور وقت اور ضرورت کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ تشریعی اور مذہبی نہیں ہوتے۔ اس مسئلہ کو جس قدر حضرت عمر نے صاف اور واضح کر دیا کسی نے نہیں کیا۔ خراج کی تشخیص، جزیہ کی تعیین، ام ولد کی خرید و فروخت وغیرہ وغیرہ مسائل کے متعلق امام شافعی نے اپنی کتابوں میں نہایت ادعا کے ساتھ احادیث سے استدلال کیا ہے اور ان مسائل میں جہاں حضرت عمر کا طریق عمل مختلف ہے بڑی دلیری سے ان پر قدح کی ہے لیکن امام شافعی نے یہ نکتہ نظر انداز کیا کہ یہ امور منصب نبوت سے تعلق نہیں رکھتے اس لئے ان مسائل میں خود شارع علیہ السلام کی طرف سے ہر شخص کو اجتہاد کی اجازت ہے چنانچہ اس بحث کی تفصیل آگے آتی ہے" (الفاروق حصہ ۲ صـ ۲۰۹)۔

جس تفصیل کا وعدہ کیا وہ یہ ہے "سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ آنحضرتؐ سے جو اقوال و افعال منقول ہیں وہ کلیۃً مسائل کا ماخذ ہو سکتے ہیں یا ان میں کوئی تفریق ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس بحث پر حجۃ اللہ البالغہ میں ایک نہایت مفید مضمون لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ سے جو افعال اور اقوال مروی ہیں انکی دو قسمیں ہیں۔

Marfat.com

ایک وہ جو منصبِ نبوت سے تعلق رکھتے ہیں ان کی نسبت خدا کا ارشاد ہے کہ ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا یعنی پیغمبرؐ جو چیز تم کو دے وہ لو اور جس چیز سے روکے اس سے باز رہو۔ دوسری وہ جن کو منصبِ رسالت سے تعلق نہیں۔ چنانچہ اون کے متعلق خود آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا انما انا بشر اذا امرتکم بشئ من دینکم فخذوا بہ واذا امرتکم بشئ من رائی فانما انا بشر۔ یعنی میں آدمی ہوں اس لئے جب میں دین کی بابت کچھ حکم دوں تو اس کو لو اور جب اپنی رائے سے کچھ کہوں تو ایک آدمی ہوں ... ان تمام مثالوں سے تم خود اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت عمر ان باتوں کو منصبِ نبوت سے الگ سمجھتے تھے۔ ورنہ اگر باوجود اس امر کے علم کے کہ وہ باتیں منصبِ رسالت سے تعلق رکھتی تھیں اون میں دخل دیتے تو بزرگ ماننا درکنار ہم ان کو اسلام کے دائرہ سے باہر سمجھتے" (الفاروق حصہ ۲ صفحہ ۲۳۶)۔ مناسب ہے کہ اس مقام پر فرقہ اہلحدیث کے ایک مشہور عالم بلکہ سردار اہلحدیث مولوی حاجی ثناء اللہ صاحب امرتسری مولوی فاضل واڈیٹر اخبار اہلحدیث امرتسر کی کتاب سے ایک عبارت پیش کر دیں جس سے اس مسئلہ کی تحقیق میں آسانی ہو لکھتے ہیں "اہلحدیث کا مذہب ہے کہ ہر مذہبی کام میں پیغمبرؐ خدا کا اتباع فرض ہے۔ سرِ مُو اس سے کمی بیشی جائز نہیں۔ جس کام کو رسولؐ خدا نے خود کیا ہو اور نہ کرنے کی اجازت فرمائی ہو نہ اصولاً نہ فروعاً وہ بدعت ہے خواہ اوس کا شیوع اس وقت تمام عالم میں ہو... گو اس مسئلہ پر مسلمانوں کے روبرو دلیل پیش کرنی کچھ ضروری نہیں مگر مسلمانوں کی خوش قسمتی سے جہاں مسئلہ توحید المیں مختلف فیہ ہو رہا ہے اتباعِ سنت بھی معرکۃ الآرا بن رہا ہے اس لئے محض اپنے مدعا کے ثبوت کے لئے مختصراً کچھ عرض کیا جاتا ہے۔ قرآن شریف میں تو کئی آیات ہیں جنکا صریح حکم ہے کہ پیغمبرؐ خدا کی چال اختیار کرو۔ بلکہ یوں کہئے کہ تمام قرآن ہی اسی ہدایت سے بھرا پڑا ہے۔ ایک مقام پر ارشاد ہے کہ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر وذکر اللہ کثیرا۔ جو لوگ خدا پر اور پچھلے دن (قیامت) پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کا بہت ذکر

کرتے ہیں اُن کے لئے اللہ کا رسُول ایک عمدہ نقشہ ہے سو وہ اس نقشہ کے مطابق عمل کریں (سورۃ الاحزاب ع ۳)۔ احادیث بھی ان معنے کی کثرت سے ہیں۔ ایک حدیث کا مضمون ہے کہ قال رسُول اللہ من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد پیغمبر خدا نے فرمایا جو کوئی ہمارے دین میں ایسی کوئی بات پیدا کرے جو اوس میں نہ ہو تو وہ عمل خدا کی جناب میں مردود ہے (متفق علیہ) قرآن شریف کا صریح حکم ہے کہ فلا وربک لا یؤمنون حتے یحکموک فی ما شجر بینھم۔ جب تک لوگ ہر مذہبی بات میں پیغمبر خدا کے تابع نہ ہونگے کبھی مسلمان نہ بن سکیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین کو اتباع سنت کا اہتمام سب سے زیادہ تھا... حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی بھی اتباع سنت کی تاکید مزید فرماتے ہیں کہ کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کو اپنا امام بنا اور اُس پر غور و فکر کر اور اون کے مطابق عمل کیا کر اور اِدھر اُدھر کی قیل و قال اور بیہودہ ہوس سے دھوکہ نہ کھا۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے جو رسولؐ تم کو دیوے وہ مضبوط پکڑ اور جس سے منع فرماوے اوس سے ہٹ رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ سے ڈرو اور اوسکی مخالفت نہ کرو کہ جو تعلیم اُس کا رسُول تمھارے پاس لایا ہے اوسے چھوڑ کر اور قسم سے باتیں اپنی طرف سے نکالنے لگجاؤ... پھر اپنے رسُول کی پاکی بیان کی اور باطل سے اس کا الگ ہونا بتلایا۔ چنانچہ فرمایا کہ ہمارا رسُول اپنی خواہش سے نہیں بولتا۔ اوس کا بول تو ہماری وحی ہے۔ یعنی جو کچھ وہ تمھارے پاس لایا ہے نہ اپنی خواہش سے اوس نے بنایا ہے۔ پس اس کا اتباع کرو۔ پھر خدا نے فرمایا اے رسُول تو ان سے کہہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کریگا۔ پس صاف بتلا دیا کہ اللہ کی محبت کا طریق اوسکے رسُول کا اتباع ہے قول اور فعل میں۔ حضرت موصوف نے نہ صرف اتباع سنت کی تاکید فرمائی ہے بلکہ اس بات سے بھی ڈرایا ہے کہ کوئی کام از قسم عبادات ایسا نہ نکالنا چاہیے جو سنت نہ ہو... صاف ارشاد ہے کہ اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء خدا کی نازل کی ہوئی ہدایت پر چلو اور اوس کے سوا اور دوستوں کی بات نہ مانو... ہم بہ تعلیم قرآن و حدیث کسی امتی شخص[۱] میں یہ قابلیت نہیں

[۱] اس جملہ کا مطلب واضح ہے کہ حضرت عمر بھی امتی شخص تھے۔ ممدوح کا قول و فعل بھی بلا دلیل شرعی سند اور حجت نہیں ہو سکتا۔ ۱۲

Marfat.com

مانتے کہ اوس کا قول وفعل بلا دلیل شرعی سند اور حجت ہو۔ یہی مذہب علماء سلف کا ہے کہ بغیر اجازت شرعی کے وہ کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ دیکھو تو درود شریف کا پڑھنا جو بموجب تعلیم قرآن وحدیث سراسر موجب برکت ہے۔ بعض جگہ اسی درود کے پڑھنے سے سب علماء سلف نے منع فرمایا ہے مثلاً نماز کے پہلے قعدہ (التحیات) میں اگر درود کا ایک جملہ بھی پڑھ لے گا تو سجدۂ سہو لازم آئے گا۔ حالانکہ قرآن وحدیث سے درود پڑھنے کی فضیلتیں بے انتہا ثابت ہیں۔ پھر کیوں سجدۂ سہو لازم آیا؟ صرف اسلئے کہ بے اجازت شرع پڑھا گیا۔ شیخ سعدی مرحوم نے کیا ہی سچ فرمایا ہے ؎

نہ بے حکم شرع آب خوردن خطاست اگر خون بہ فتوے بریزی رواست

دین کے اصول چار ہیں قرآن۔ حدیث۔ اجماع امت۔ قیاس مجتہد۔ سب سے مقدم قرآن شریف ہے۔ پھر علے سبیل المراتب... جو مسئلہ قرآن وحدیث سے بطرق مذکورہ بالا ہماری سمجھ ناقص میں نہ مل سکے تو جس مسئلہ پر تمام امت کا اجماع ہوگا وہ قابل عمل ہے۔ اور جو مسئلہ اس طرح بھی نہ مل سکے اس میں کسی مجتہد کا قیاس قابل عمل ہوگا[1]... قرآن شریف میں صاف ارشاد ہے اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء یعنی خدا فرماتا ہے مسلمانو! جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم کو ملا ہے اوسی کی تابعداری کرو اور اوس کے سوا مذہبی امور میں اور کسی کی تابعداری نہ کرو۔ ان کے علاوہ سیکڑوں آیتیں اس مضمون کی ہیں جن میں حصر کے ساتھ بتلایا گیا ہے کہ بس پیغمبرؐ کے سوا کسی کی اطاعت مت کرو... چونکہ اصل اطاعت اور تابعداری خدا نے اپنے رسولؐ ہی کی فرض کی ہے اسی لئے علماء کو اجماع اور قیاس کے حجت ماننے میں شبہات پیدا ہوتے ہیں یہاں تک کہ بعض تو ان دونوں کی حجت سے انکاری ہی ہوگئے۔ اور بعض جو قائل ہیں اونھوں نے اس کی وجہ بتلائی کہ اجماع بھی وہی

[1] معلوم ہوا کہ جب کسی چیز میں قرآن یا حدیث کا حکم نہ ملے تب اجماع یا اجتہاد کو دیکھا جائے۔ نہ یہ کہ پہلے ہی طے کر لیا جائے کہ رسولؐ کا یہ حکم منصب نبوت کے اعتبار سے ہے۔ اس وجہ سے اس پر عمل کیا جائے گا۔ اور وہ حکم منصب نبوت کے اعتبار سے نہیں ہے اسوجہ سے رد کر دیا جائیگا ۱۲

Marfat.com

صحیح ہوگا جس کی بنا اور مدار کسی حدیث پر ہو۔ اور قیاس مجتہد بھی وہی صحیح ہوگا جو کسی آیۃ یا حدیث کے مخالف نہ ہو بلکہ اوسی سے مستنبط ہو۔ اس لئے کہ کل علماء اصول قاطبۃً شرائط قیاس میں یہ بھی لکھا کرتے ہیں کہ ان یتعدے الحکم الشرعی الثابت بالنص بعینہ الی فرع ھو نظیرہ ولا نص فیہ (یعنی قیاس کی شرط یہ ہے کہ حکم شرعی بعینہ فرع مقیس) کی طرف پہنچے جو اصل (مقیس علیہ) کی مثل ہو اور اوس میں دوسری کوئی نص نہ ہو... کسی مجتہد کو بنفسہ منصب شریعت نہیں یعنی وہ ایجاد حکم نہیں کرسکتا بلکہ مجتہد کا منصب صرف یہی ہے کہ کسی آیت یا حدیث سے ایک مخفی راز کو جو عوام کی سمجھ میں نہ آئے ظاہر کردے... پس جب مجتہد کو اصل منصب شریعت نہیں تو پھر اس میں کیا شک ہوسکتا ہے کہ مجتہد کے قول میں غلطی کا احتمال بھی ہے... نتیجہ صاف ہے کہ مجتہد میں بنفسہ قابلیت متبوع بننے کی نہیں بلکہ بشرط موافقت ومطابقت اصل متبوع (یعنی قرآن وحدیث) کے۔ پس یہی ہمارا مذہب ہے کہ ہم بعد پیغمبر خدا کے کسی شخص کو متبوع نہیں مانتے... ہمارا عمل قرآن وحدیث پر ہے۔ جس مسئلہ کو ہم صحیح جانتے ہیں کہ قرآن وحدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ جس کو غلط جانتے ہیں اس لئے جانتے ہیں کہ قرآن وحدیث اوس کے موئید نہیں۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ نے خود فرمایا ہے اذا صح الحدیث فھو مذھبی یعنی جب حدیث صحیح مل جاوے تو وہ ہی میرا مذہب ہے۔ نیز فرمایا اترکوا قولی لقول الرسول یعنی میرا قول پیغمبر کے قول کے مقابلہ میں چھوڑ دیا کرو... خلاصہ یہ کہ ہمارا بلکہ کل اہل اسلام کا یہی مذہب ہے کہ سوائے رسول اللہ کے منصب شریعت کسی کو نہیں۔ صحابی ہو یا مجتہد۔ تابعی ہو یا محدث سب کے سب اس میں مساوی الاقدام ہیں... البتہ علم اور فہم میں ان کے مراتب مختلف ہیں جو باریک مسائل معمولی علم والوں کی سمجھ میں نہ آویں وہ مجتہد سمجھ سکتے ہیں مگر ایجاد حکم کا منصب اُن کو نہیں... بدیہی نتیجہ یہ ہے کہ ہر مسئلہ میں اولا نظر قرآن وحدیث پر ہو۔ اور اگر قرآن وحدیث سے کوئی مسئلہ سمجھ میں نہ آوے تو مجتہدین کے اقوال پر توجہ کی جاوے... اس میں کسی کی خصوصیت یا لزوم نہیں" (دیکھو رسالہ اہلحدیث کا مذہب صفحہ ۴۶)۔ مولوی صاحب ممدوح ہی اپنے ایک دوسرے رسالہ میں

Marfat.com

بھی لکھتے ہیں" قرآن وحدیث کے دیکھنے سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ اصل اتباع خدا کا ہے اور اوس کے بتلانے سے اوس کے رسولؐ کا۔ جن امور میں خدا کی طرف سے اطلاع نہ آتی تھی حضرت پیغمبرؐ خدا بھی خاموشی اختیار فرماتے اور حکم سے ساکت رہتے... آیات سے جو مضمون ثابت ہوتا ہے وہ ہرگز کسی تفسیر یا تشریح کا محتاج نہیں بلکہ بالکل صاف ہے کہ شریعت میں اصل حاکم خدا ہے اور رسولؐ اوس کا قائم مقام یعنی خدا سے اطلاع پاکر کام کرنے والا اور ہم کو بتلانے والا نہ کہ از خود کہنے والا۔ اسی لئے ایک اور مقام پر ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور خدا کو بہت یاد کرتے ہیں اُن کے لئے خدا کا رسولؐ بہت عمدہ نمونہ ہیں (پ ۲۱ ع ۱۹)۔ اس آیت نے ہم کو پہلی آیات کا مطلب صاف سمجھا دیا کہ گو رسولؐ خدا بھی بغیر حکم خدا کوئی کام نہ کرتے تھے مگر ہمیں حق حاصل نہیں کہ ہم اُنکے کسی ایسے کام پر جس کو وہ مذہبی طور پر کریں اُن سے یہ سوال کریں کہ آپ نے کیوں ایسا کیا۔ یا خود اپنے طور پر تلاش کرتے پھریں کہ کہاں سے یہ حکم حاصل کیا یا کس آیت سے استنباط فرمایا۔ جب تک ہم کو یہ علم حاصل نہ ہو ہم اوس حکم کو واجب العمل نہ جانیں ہرگز نہیں۔ اسلئے کہ اسوۂ حسنہ اسی بات کو مقتضی ہے کہ بے تامل اور بے کھٹکا اوسکی پیروی کریں۔ علم حاصل ہو یا نہ ہو (رسالہ اتباع سلف ص۵)" امام شافعی کا قول مشہور ہے کہ لا یقلد احد منھم۔ اصحاب رسول اللہ میں سے کسی کی بھی تقلید نہ کیجائے دلیل دیتے ہیں لان الصحابۃ یخالف بعضھم بعضًا ولیس احدھم اولی من الاخر فتعین البطلان یعنی اصحاب آپس میں ایک دوسرے کے مخالف ہوتے تھے پھر ترجیح کس کو ہوگی لہذا سب کی بابت یہی فتوے ہے کہ کسی کا قول دلیل شرعی نہیں... امام شوکانی لکھتے ہیں قد تقرر عند ائمۃ الاصول عدم حجیۃ اقوال الصحابۃ یعنی ہمارا اصول حدیث کے ہاں یہ بات قرار پا چکی ہے کہ اصحاب رسول اللہ کے اقوال حجۃ و دلیل شرعی نہیں[1] حافظ ابن قیم اتباع سلف میں بڑے متشدد ہیں... مگر زاد المعاد

[1] حضرت عمر بھی اصحاب رسولؐ میں ہیں ۱۲ مصنف سوانح۔

مین حضرت عمر کے فیصلوں پر ہنسی اڑاتے ہیں۔ ایک صحابن فاطمہ بنت قیس رضؓ کو خاوند نے تین طلاقین دیں تو اس نے نان نفقہ کا دعوے کیا۔ آں حضرت نے فرمایا تیرے لیئے کوئی نفقہ نہیں۔ یہ مسئلہ مع اس روایتہ کے حضرت فاروق رضؓ کے حضور میں پیش ہوا تو فرمایا ہم خدا کی کتاب اور سنتِ رسولؐ کو ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے حضرت عمر کا فیصلہ تھا کہ مطلقہ ثلاثہ کو نان و نفقہ اور سکونتی مکان مل سکتا ہے۔ حافظ ابن قیم نے زاد المعاد مین حضرت عمر کے اس فیصلہ کی سخت مخالفت کی ہے۔ اور اپنی تائید مین امام احمد کا قول نقل کیا ہے کہ امام ممدوح حضرت عمر کے اس فیصلہ پر ہنسا کرتے تھے زاد المعاد مصری جلد ۱ صفحہ ۳۵۵ اب ہم اپنے دعوے کو معقول طرز سے ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ اسلام مین منصب تشریعیہ سوا خدا تعالےٰ کے کسی دوسرے کو نہیں۔ رسول خداؐ بھی خدائی ارشاد کے ماتحت ہیں جب تک حکم نہ پہنچے کچھ نہیں فرما سکتے۔ مزید توضیح اس تقریر کی اُس وقت ہوتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت خلیفہ دوم رضؓ نے تمتع بالحج اور تمتع بالنسار کی بابت فرمایا کہ میں ان دونوں کو حرام سمجھتا ہون تو علمار اہلسنت نے اس حرمت کو کیسا سمجھا۔ تمتع بالنسار کی بابت چونکہ روایتہ مرفوع (آنحضرتؐ کی حدیث) موجود تھی اس لیئے اس کے قائل تو ہوئے مگر تمتع بالحج کے نسخ کی کوئی دلیل نہ تھی اِس لیئے کسی نے خلیفہ راشد کے اس قول کو حجت نہین سمجھا۔ کیوں ایسا کیا؟ صرف اِس لیئے کہ امت مین کسی فرد کو منصب شریعتہ نہیں ہے۔

صحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم

ایک سوال ہنوز باقی ہے اس کا تصفیہ ہونا بھی ضروری ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ میرے اصحاب ستارون کے مانند ہیں۔ ان میں سے جس کی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے۔ سائل کہہ سکتا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ میں سے کسی کی تقلید کرے نجات ہو جائے گی۔ پھر کیوں کہتے ہو کہ تقلید کسی کی جائز نہیں۔ اس حدیث کے متعلق حافظ ابن قیم مرحوم نے مفصل بحث کی ہے۔ پہلے تو لکھا ہے لا یثبت ولا یصح عن النبیؐ یعنی یہ حدیث کسی طریق سے بھی صحیح نہیں۔ اس کے بعد بطور نقض جواب دیتے ہیں کہ یہ حدیث واجب کرتی ہے تقلید اس[1] صحابی کی جو دادا کو بھائیون کی موجودگی مین وارث کرتا ہے اور جو ان کو محروم کرے۔ اور تقلید اُس صحابی کی جو کہتے ہیں کہ حرام قسم ہے اور اُسکی جو

[1] تمتع بالحج کہتے ہین حج سے پہلے عمرہ کرکے احرام توڑ دینا۔ چند روز بعد پھر حج کا احرام باندھنا تمتع بالنسار متعہ کرکے کہتے ہیں کہ عورت غیر منکوحہ کے ساتھ ایک خاص وقت تک نباہ کا اقرار کرکے اس سے جماع کرنا۔ یہ شیعون کا مذہب ہے ۱۲ امینہ

حاشیہ نمبر ۲ - اگلے صفحہ پر ملاحظہ کیجئے۔

کہتا ہے طلاق ہی۔ اور اُس کی تقلید بھی واجب کرتی ہی جو ایک عورت کو نکاح میں اور ایک کو خریداری میں لے کر دونوں کو لغرض جماع کرنا حرام کہتا ہے اور جو اُس کو حلال جانتا ہے۔ اور اُس کی تقلید بھی واجب ہوگی جو روزہ دار کو برف کھانا جائز کہتا ہے اور جو منع کرتا ہے۔ اور اُس کی بھی جو کہتا ہے بیوہ عورت وضع حمل اور چار ماہ دس روز مین سے بڑی مدت تک عدت گزارے اور جو کہتا ہے کہ وضع حمل سے عدت ختم ہوگی۔ اور اُس صحابی کی تقلید بھی واجب ہوگی جو کہتا ہے محرم کو احرام سے پہلے خوشبو لگا کر بعد احرام کے رکھنا حرام ہے اور جو اُس کو جائز کہتا ہے۔ اور اُس کی تقلید بھی کرنی ہوگی جو ذوی الارحام کو وارث کرتا ہے اور جو نہین کرتا۔ اور اُس کی بھی جو بالغ کے دودھ پینے سے حرمت رضاعت کو مانتا ہے اور اُس کی بھی جو اُس کو ٹھیک نہین جانتا۔ اور اُس کی تقلید بھی ہوگی جو جنبی کو تیمم کرنے سے منع کرتا ہے اور جو اجب کہتا ہے۔ اور اُس کی بھی جو طلاق ثلاثہ کو ایک جانتا ہے اور جو اُس کو نہین کہتا ہے۔ اور اُس کی تقلید بھی واجب ہوگی جو حج کو عمرہ تک فسخ کرنا کہتا ہے اور جو اُس کو جائز جانتا ہے۔ اور تقلید اُس کی بھی واجب ہوگی جو شہری گدہون کا گوشت حلال جانتا ہے اور جو اُس کو حرام کہتا ہے۔ اور اُس کی بھی تقلید ہوگی جو ذکر کے چھونے سے وضو کے ٹوٹنے کا قائل ہے اور جو قائل نہین۔ اور اُس کی بھی واجب ہوگی جو کہتا ہے کہ لونڈی کی بیع سے اُس کی طلاق ہو جاتی ہے اور جو اس کا قائل نہین۔ اور جو ایلا کرنے والے کو اختتام مدت پر کھڑا کرتا ہے اور جو نہین کرتا۔ اسی طرح کئی ایک مسائل جن مین صحابہ باہمین مختلف ہین (اعلام الموقعین جلد ۱ صفحہ ۲۳۶) حاصل مطلب یہ کہ حدیث مذکور کے مطابق اگر ہم ایک صحابی کی تقلید کرنے سے انکار کرتے ہین تو بعض صحابہ نے جو اپنی فہم سے بعض مسائل مین غلطی کی تو کیا اُس مین بھی ہم اُن کی پیروی کر کے ہدایت یاب ہون گے؟ غالبًا ہر کوئی کہے گا نہین۔ تو معلوم ہوا کہ تقلید صحابی واجب نہین (رسالہ اتباع کف ۲) مذکورہ بالا عبارت سے مولوی شبلی صاحب کے دعوے کی حقیقت اچھی طرح واضح ہے۔ ایک امر یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ یہ مسلمہ اصول ہے کہ لا یجوز و لا یصح تاویل القول بما لا یرضی بہ قائلہ۔ کسی شخص کے کلام کی ایسی تاویل کرنی جس کو وہ شخص پسند نہ کرے نہ جائز ہے اور نہ صحیح ہے۔ غالبًا یہی بات حضرت عمر بھی فرمائین کہ مین نے حضرت رسول خدا کے کاموں مین جو اصلاح دی اُس کی یہ تاویل مجھے منظور نہین بلکہ مین اپنے کو حضرت رسول کا بہترین سہ رد و مشیر سمجھتا تھا۔ اس وجہ سے حضرت کے ہر حکم مین جس کو میری عقل قبول نہیں کرتی تھی

حاشیہ صفحہ ۶۵

۵۲ ان مسائل مین صحابہ کرام کا باہمی اختلاف ہے۔ حافظ صاحب کہتے ہین اگر یہ حدیث صحیح ہو کر تقلید صحابہ پر دلالت کرے تو جس جس مسئلہ مین صحابہ آپس مین مختلف ہین۔ اُن مین کیا ہوگا؟ ۱۲ منیہ

اصلاح دیدیتا اور جس حکم کو غلط پاتا درست کر دیتا تھا حضرت عمر کی زندگی کے کل واقعات شروع سے آخر تک دیکھ جاؤ تو تم کو شبہ نہیں رہیگا کہ حضرت عمر نے رسولؐ کے جس حکم یا فعل کو خواہ وہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی۔ شرع سے متعلق ہو یا امور دنیا سے نامناسب سمجھا اس میں اپنے اجتہاد سے ترمیم کر دینا ضروری خیال کیا۔ اور حضرتؐ کے افعال و اقوال کو منصب نبوت کے اعتبار سے تسلیم کرتے ہوئے بھی اگر خلاف مصلحت سمجھا تو اپنی رائے صاف طور پر ظاہر کرنے میں کچھ بھی تامل نہیں کیا مثال کے لیے چند باتیں کافی ہونگی۔

(۱) جب جناب رسول خداؐ عبداللہ کی نماز جنازہ پڑھنے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر اچھل کر وہاں پہنچے اور حضرت کو سختی کے ساتھ نماز پڑھنے سے روک دیا ظاہر ہے کہ نماز جنازہ مذہبی خدمت تھی اور آنحضرتؐ منصب نبوت ہی کے لحاظ سے نماز پڑھنی چاہتے تھے مگر حضرت عمر نے رسولؐ کے اس عمل میں اصلاح دے دی۔ پھر خود ہی کہا کرتے تھے فعجبت بعد من جرأتی علی رسول اللہ رسولؐ پر جو میں یہ جرأت کر بیٹھا تو اس سے مجھے خود اپنے اوپر تعجب ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری پارہ ۵ صفحہ ۱۰۱)

(۲) حضرت رسولؐ بدر میں مردہ کفار کو آواز دیکر کچھ فرمانے لگے تو حضرت حضرت عمر نے اعتراض کیا ما تکلم من اجساد لا ارواح لها فقال النبیؐ والذی نفس محمد بیده ما انتم باسمع لما اقول منهم۔ اے رسول! آپ مُردون سے کیا باتیں کرنے لگے؟ فرمایا خدا کی قسم تم لوگ تو میری باتیں اتنی بھی نہیں سنتے جتنی یہ مُردہ کفار سنتے ہیں۔ (صحیح بخاری پارہ ۱۶ صفحہ ۱۲) حضرت رسول خدا صلعم اُس وقت بدر کے کافر مقتولوں سے جو کچھ فرماتے تھے وہ منصب نبوت ہی کی حیثیت سے تھا اور حضرت عمر بھی اس حقیقت کو خوب سمجھتے تھے کہ آنحضرتؐ کافروں سے جو پوچھتے ہیں کہ میں جن باتوں کی خبر تمہاری زندگی میں دیتا تھا اور تم لوگ اُن پر مضحکہ کرتے تھے اب مرنے کے بعد تو تم لوگوں نے وہ سب باتیں دیکھ لیں؟ یہ رسول ہی کی حیثیت سے فرماتے ہیں۔ کوئی دنیا کی بات نہیں تھی۔ لیکن آپ نے حضرت رسولؐ پر اعتراض کیا کہ مُردون سے باتیں کرنی عقل کے خلاف ہے آپ کیوں ایسا کر رہے ہیں؟ غرض اِس اعتراض کو بھی کسی دنیوی معاملہ سے ذرہ برابر کا تعلق نہیں ہے۔

(۳) غزوہ خندق میں ایک رات کو آنحضرتؐ نے اصحاب سے فرمایا کوئی ایسا میرا وفادار ہے جو اس وقت جائے اور دشمنوں کی خبر لائے مگر کوئی نہیں گیا۔ تب حضرتؐ نے حضرت ابوبکر سے فرمایا انھوں نے جواب دیا استغفر اللہ تب حضرت عمر سے فرمایا کہ تم جاؤ۔ انھوں نے بھی کہا استغفر اللہ و رسولہٗ میں اللہ اور اُس کے رسول سے معافی چاہتا ہوں (دیکھو یہی سوانح عمری حصہ ۲ صفحہ ۳۹)۔

Marfat.com

حضرت عمر کا یہ کہنا استغفر اللہ و رسولہ بتاتا ہے کہ آپ نے آنحضرتؐ کے اس حکم کو منصب نبوت کی حیثیت سے ہی سمجھا اور چونکہ اس سے نافرمانی کی اس وجہ سے خدا و رسول سے اپنے اس گناہ کی بخشش کی درخواست کرنے لگے۔ اگر اس حکم کو حضرتؐ کی بشریت کے اقتضاء یا دنیوی اعتبار سے سمجھتے تو استغفار کی کیا ضرورت تھی؟ استغفار جب ہوگا گناہ ہی پر ہوگا اور یہاں کوئی گناہ اس کے سوائے تھا ہی نہیں کہ حکم رسولؐ کو نہیں مانا۔ اس وجہ سے یہ بات یقیناً منصب نبوت ہی کی حیثیت سے تھی اور حضرت عمر نے اسی حیثیت سے عذر کیا۔

(۴) صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عمر نے حضرت رسول خداؐ سے جس قدر بحث کی اسی سوانح عمری جلد ۲ صفحہ ۴۶ میں گزر چکی اُس وقت کے متعلق ممدوح خود کہتے تھے کہ نبوت رسولؐ میں اُس روز کے سوائے مجھے شک نہیں ہوا۔ اگر حضرت عمر حضرت رسول خداؐ کے اقوال و افعال کو دو حصون پر تقسیم کرتے ایک وہ جو منصب نبوت کی حیثیت سے ہوتے۔ دوسرے وہ جو دنیوی اعتبار یا بشریت کے مطابق ہوتے تو اس جگہ صاف صاف کہہ دیتے کہ رسول یہ بات منصب نبوت سے نہیں کہتے اس وجہ سے میں نہیں مانوں گا۔ لیکن آپ کا یہ کہنا کہ رسولؐ کی نبوت میں آج کے قبل شک نہیں ہوا ثابت کرتا ہے کہ آپ آنحضرتؐ کے ہر فعل و قول کو منصب نبوت ہی کی حیثیت سے سمجھتے اور اسی اعتبار سے اس میں شک یا اعتراض کرتے اور اصلاح دیتے۔

(۵) غزوۂ خیبر میں حضرت عمر بھی گئے اور ناکامیاب واپس آئے (دیکھو اس کتاب کا صفحہ ۴۹ جلد ۲) شب کو رسول نے فرمایا کل میں ایسے شخص کو علم دونگا جو خدا و رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا و رسول اُس کو دوست رکھتے ہیں۔ اس پر کل صحابہ اُس علم ملنے کے مشتاق ہوگئے۔ انہوں نے تمام رات اس بے قراری میں کاٹی کہ دیکھئے یہ تاج کس کے سر پر رکھا جاتا ہے۔ حضرت عمر بھی اس آرزو میں بیچین رہے۔ اگر آپ آنحضرتؐ کے افعال و اقوال کو دو طرح دیکھا کرتے تو سمجھ لیتے کہ رسولؐ یہ بات دنیوی لحاظ یا بشری طور پر کہتے ہیں اور اس وجہ سے آپ اُس طرف توجہ بھی نہیں کرتے۔ سمجھتے بلکہ اپنی جگہ طے کر لیتے کہ رسولؐ مہمل کہتے ہیں۔ جب اتنے دنوں سے ہم لوگ اسکو فتح نہیں کر سکے تو کل کسی شخص میں ایسی شجاعت کہاں سے آجائے گی کہ وہ فتح کر کے ہی لوٹے گا۔ مگر آپ کو حضرتؐ کے ارشاد پر یقین کامل ہو گیا کہ رسولؐ کی بات غلط نہیں ہو سکتی۔ کل جو شخص علم لیکر جائے گا۔ ضرور فتح کا سہرا باندھ کر واپس آئے گا۔ اس وجہ سے آپ نے بھی دوسروں کی طرح وہ شب تمنا و آرزو کی بے چینی میں کاٹی۔ غرض حضرت عمر کا ارشاد رسولؐ پر یقین اور اس یقین کی وجہ سے دوبارہ علم پانے

Marfat.com

کی آرزو کرنا بتاتا ہے کہ حضرت عمر نے اس قول نبوی مین کوئی شک نہین کیا۔ اور یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب آپ آنحضرتؐ کے کل اقوال و افعال کو منصب رسالت ہی کی حیثیت سے مانتے اور کوئی فرق نہ کرتے ہوں۔

(۶) غزوۂ تبوک سے واپسی کے وقت رسولؐ نے منادی کرادی کہ اس شب مین کوئی شخص عقبۂ ذی فتق پر نہ جائے جب تک رسول خداؐ نہ گزر جائین۔ پھر حضرتؐ اونٹ پر سوار ہو کر اُس طرف تشریف لے گئے دفعتہً بجلی چمکی اور ۱۲ یا ۱۴ سوار حضرتؐ کی طرف متوجہ ہوئے کہ اونٹ کو بھڑکا کر آنحضرتؐ کو نیچے گرا دین۔ حضرتؐ نے اُن کو ڈانٹا تو وہ بھاگے حضرتؐ نے حذیفہ سے فرمایا یہ سب منافق ہیں پھر حذیفہ کو اُن کے نام بتا دیئے۔ حضرت عمر کو خیال ہوا کہ کہین رسول نے ان کو بھی اُن لوگوں میں نہ سمجھ لیا ہو اسی وجہ سے حذیفہ کے پاس جاتے اور قسمین دے کر پوچھتے کہ کیا مجھ کو بھی رسول اللہ نے گروہ منافقین مین شمار کیا ہے؟ حذیفہ کہتے ہین رسول اللہ کا راز نہیں ظاہر کرونگا۔ اس پر حضرت عمر نے کہہ دیا اے حذیفہ خدا کی قسم میں بھی منافقین سے ہون (دیکھو اس کتاب کا صفحہ ۲ جلد ۲) اگر حضرت عمر حضرت رسولخداؐ کے ہر قول و فعل کو منصب نبوت کی حیثیت سے نہین سمجھتے تو آنحضرت کی ہر بات کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت بھی نہین سمجھتے یہ خیال کرتے اگر آپ کوئی بات منصب نبوت کے لحاظ سے فرمائین گے تو خود ہی سب مسلمانون کو بلا کر اُن کے سامنے ارشاد کرین گے۔ لیکن آپکا رسولؐ کی اُن باتوں کی فکر میں بھی رہنا جو آنحضرتؐ اپنے اصحاب سے بطور صیغہ راز کہتے تھے۔ واضح کرتا ہے کہ آپ سمجھتے تھے آنحضرتؐ جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں نبیؐ و رسولؐ ہی کی حیثیت سے اور اس وجہ سے سب باتیں قابل توجہ ہیں۔ اور اسی وجہ سے آپ کو تردُّد رہا کہ رسولؐ نے آپ کو بھی منافقین میں کہہ دیا ہوگا۔

(۷) حضرت رسول خدا صلعم نے حضرت ابوبکر و عمر کو سورۂ برارۃ کی تبلیغ سے معزول کیا تو دونون بزرگون کو نہایت رنج ہوا (دیکھو صفحہ ۸۷ جلد ۲) اگر حضرت عمر آنحضرتؐ کے ہر قول و فعل کو منصب نبوت کے لحاظ سے نہ سمجھتے تو یہان بھی خیال کر لیتے کہ رسولؐ نے دنیوی اعتبار یا بشری لحاظ سے ایسا کیا ایسی چھوٹی باتون کو نبوت سے کوئی تعلق نہین۔ اس وجہ سے اس کی کوئی پروا بھی نہین کرتے۔ مگر اس صدمہ مین رنجیدہ ہونا اور اس معزولی کو اپنے لئے عظیم الشان مصیبت سمجھنا واضح کرتا ہے کہ آپ رسولؐ کے ہر فعل کو خدا کی وحی کے مطابق سمجھتے تھے۔

(۸) ۱۸ ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ کو مقام غدیر خم میں جب آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کی خلافت کا آخری

Marfat.com

عام اعلان فرمایا اور حضرت کی مولائیت واضح فرمائی تو حضرت عمر نے بھی حضرت علی کو مبارک باد دیکر فرمایا کہ آپ ہر مومن و مومنہ کے مولا ہو گئے۔ اگر حضرت عمر آنحضرتؐ کے ہر قول و فعل کو منصب نبوت کی حیثیت سے نہیں سمجھتے تو اس موقع پر مبارک باد کیوں دیتے؟ کہہ دیتے کہ رسولؐ نے یہ بات دنیوی اعتبار یا بشری لحاظ سے فرمائی ہے۔ ہم لوگوں پر اس کی پابندی لازم نہیں۔

(۹) آنحضرتؐ نے دفاۃ کے قریب قلم و دوات طلب کی تو حضرت عمر نے جو کہا معلوم ہے۔ اگر آپ آنحضرتؐ کے ہر قول و فعل کو منصب نبوت کے لحاظ سے نہ سمجھتے تو ایسا سخت کلمہ (ان الرجل لیھجر) کہنے کی ضرورت کیوں ہوتی؟ بہت ادب و تہذیب سے کہتے اے صحابہ کرام! رسولؐ کی یہ بات منصب نبوت کی حیثیت سے نہیں ہے۔ اس وجہ سے کسی چیز کے لانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن آپ نے اس قول کو بھی منصب نبوت کے لحاظ سے سمجھ کر اس کی تعمیل سے روکنے کے لئے خاص تدبیر کی اور اس وجہ سے کہا ان کو ہذیان ہو گیا ہے یعنی آپ ہیں تو رسول ہی اور آپ کی ہر بات منصب نبوت ہی کے اعتبار سے ہوتی ہے مگر اس وقت غلبۂ مرض سے بہکی بہکی باتیں کرنے لگے ہیں جو توجہ کے قابل نہیں ہو سکتیں۔

(۱۰) فقال یا اباھریرۃ واعطانی نعلیہ فقال اذھب بنعلی ھاتین فمن لقیتک من وراء ھذا الحائط یشھد ان لا الہ الا اللہ مستیقناً بھا قلبہ فبشرہ بالجنۃ۔ فکان اول من لقیت عمر۔ فقال ما ھاتان النعلان یا اباھریرۃ۔ قلت ھاتان نعلا رسول اللہؐ بعثنی بھما من لقیت یشھد ان لا الہ الا اللہ مستیقناً قلبہ بشرہ بالجنۃ۔ قال لعم۔ قال فلا تفعل فانی اخشیٰ ان یتکل الناس علیھا فخلھم یعملون۔ فقال رسول اللہؐ فخلھم رواہ مسلم۔ جناب ابوہریرہ بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت رسول خداؐ نے مجھے اپنی جوتیاں دے کر فرمایا کہ ان دونوں کو لے کر اس باغ کے پیچھے جاؤ اور جس سے ملو اگر وہ گواہی دے کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں ہے اور اس کے دل کو بھی اس بات کا یقین ہو تو اس کو بہشت کی خوش خبری دے دو۔ میں دونوں جوتیاں لے کر چلا۔ اتفاق کی بات

سب سے پہلے مجھے حضرت عمر مل گئے اور یہ باتیں ہوئیں حضرت عمر۔ ابو ہریرہ! یہ دونون جوتیان کیسی ہیں ابو ہریرہ۔ حضرت رسولخدا صلعم کی ہیں۔ مجھے حضرت نے ان دونون کے ساتھ بھیجا ہے کہ مجھ سے جو شخص ملے اور گواہی دے کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہین ہے اور اس کا دل بھی اس کا یقین رکھتا ہو اس کو بہشت کی خوش خبری دے دوں۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر نے اس زور سے میرے سینہ پر مارا کہ مین زمین پر آتا رہا۔ پھر کہا

حضرت عمر۔ ابو ہریرہ! بس فوراً واپس چلے جاؤ (اور رسول کا یہ حکم ہرگز ہرگز بجا نہ لاؤ) ابو ہریرہ بیان کرتے تھے کہ حضرت عمر کی مار کھا کر مین حضرت رسول خدا کی خدمت مین واپس آیا اور چیخ چیخ کر رونیلگا حضرت عمر بھی میرے پیچھے دوڑے اور آنحضرت صلعم کی خدمت مین پہنچ گئے۔ مجھے روتا دیکھ کر۔

حضرت رسولخداؐ۔ اے ابو ہریرہ! کیا بات ہے کہ تم اس طرح تڑپ تڑپ کر روتے ہو۔

ابو ہریرہ۔ مین حضور کا حکم لے کر چلا تو عمر سے ملاقات ہوگئی۔ انھون نے خود چھیڑ کر مجھ سے پوچھا کہ اے ابو ہریرہ یہ جوتیاں کیسی ہیں۔ مین نے ان سے بیان کیا کہ حضور نے مجھے کس غرض سے روانہ فرمایا اس بات کو سن کر انھون نے اس زور سے مجھے مارا کہ مین زمین پر گر گیا۔ اس کے بعد انھون نے مجھے کہا کہ فوراً واپس چلے جاؤ۔ یہ سن کر حضرت رسولخداؐ حضرت عمر کی طرف متوجہ ہوئے اور اس طرح باتین ہوئین

حضرت رسول خدا۔ عمر! تم نے کیون ایسی حرکت کی! کس وجہ سے ابو ہریرہ پر یہ ظلم کیا؟

حضرت عمر۔ اے رسول خدا! میرے باپ اور ماں آپ پر نثار ہون۔ کیا آپ نے اپنی دونون جوتیان دیکر ابو ہریرہ کو اس غرض سے بھیجا تھا کہ وہ جس شخص سے ملین جو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں ہے اور اس کا دل بھی اس بات کا یقین رکھتا ہو اسکو بہشت کی خوش خبری دے دین۔

حضرت رسول خداؐ۔ ہان میں نے بھیجا تو تھا۔ ابو ہریرہ نے کوئی بات غلط نہیں کہی۔

حضرت عمر۔ اے رسولؐ! آپ ایسی باتین نہ کیا کیجئے۔ اس لئے کہ میں ڈرتا ہون آپ کی ان باتون سے لوگ اس عقیدہ پر بھروسا کر لین گے اور عبادات وغیرہ نہین کرین گے۔ ان کو چھوڑ دیجئے کہ عمل بھی کیا کرین۔

حضرت رسولخداؐ۔ ہان ٹھیک کہتے ہو۔ جانے دو اب ایسی باتین لوگون سے نہ کہی جائین اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے (مشکوۃ شریف پر حاشیہ مرقاۃ جلد ۱ صـ۹۷) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت عمر حضرت رسول خدا کے اتنے ہمدرد تھے کہ حضرت کے ہر امر میں اصلاح دینا اپنا

Marfat.com

فرض سمجھتے تھے۔ لا الہ الا اللہ کہنا اور اس کی جزا میں بہشت پانا مذہبی باتیں تھیں اور آں حضرت نے اس کی تبلیغ منصب نبوت ہی کی حیثیت سے کی تھی۔ اس میں ذرہ برابر کسی اور حیثیت کی شرکت متصور نہیں ہو سکتی نہ کسی اور اعتبار کا دخل ہو سکتا ہے لیکن حضرت عمر نے اس میں بھی اپنی رائے پیش کی اور وہ بھی اس شدت سے کہ اس حکم رسول کی تعمیل پر جناب ابو ہریرہ کو خوب پیٹا بھی اور حضرت رسولؐ کے استفسار پر بجائے کسی ندامت یا استغفار کے حضرت ہی کو سمجھانے لگے کہ اس کا انجام برا ہوگا۔ آپ عقل سے کام لیا کریں مگر تعجب ہے کہ معتبر احادیث صحیح بخاری وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھی حضرت رسول خدا نہیں سمجھے یا کبھی اپنے خیال سے باز نہیں آئے اور اسی قسم کی باتیں برابر بیان فرماتے رہے جن سے لوگوں کی جرأت اور بڑھ گئی ہوگی اور فسق و فجور میں مبتلا ہونے کی زبردست سندان کو حاصل ہو گئی ہوگی۔ مثلاً حضرت رسو خدا صلعم کی یہ مشہور حدیث ہے من مات لا یشرک باللہ شیئا دخل الجنتہ وان سرق وان زنیٰ وان شرب الخمر۔ جو مسلمان مرجائے اور شرک نہ کرے وہ بہشت میں داخل ہوگا۔ اگرچہ چوری اور زنا کرتا اور شراب پیتا رہے (صحیح بخاری پارہ ۲۶ ص۵) واضح ہے کہ پہلی حدیث میں صرف لا الہ الا اللہ کہنے کی فضیلت بیان کی گئی تھی۔ کسی برائی کا ذکر نہیں تھا۔ اس پر حضرت عمر نے جناب ابو ہریرہ کو پیٹ دیا لیکن اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ دنیا بھر کی برائیاں کرتا رہے پھر بھی بہشت ہی میں جائے گا۔ اور اس کے اتنے برے اعمال بھی اس کو بہشت میں جانے سے روک نہیں سکتے۔ مختصر یہ کہ حضرت عمر نے دین اسلام کی دنیوی خدمتیں بھی بے حد و حساب انجام دیں اور اس کی مذہبی اصلاحیں بھی بہت کیں۔ مثلاً کل مورخین و محدثین اسلام نے لکھا ہے اور مولوی شبلی صاحب نے بھی تحریر کیا ہے کعبہ اور حجر اسود وغیرہ کے احترام کا حکم ہے لیکن اس کی صورت صنم پرستی بہت کچھ ملتی جلتی ہے۔

حضرت عمر نے لوگوں کو اس غلطی میں پڑنے سے باز رکھا۔ ایک بار حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کر علانیہ کہا انی اعلم انک حجر وانک لا تضر ولا تنفع۔ میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان

بہت سے محدثین نے جہاں حضرت عمر کا یہ قول نقل کیا ہے وہاں یہ روایت بھی اضافہ کی ہے کہ اسی وقت حضرت علی نے اُن کو ٹوکا اور ثابت کیا کہ فائدہ اور نقصان دونوں پہنچا سکتا ہے کیونکہ وہ قیامت میں لوگوں کی نسبت شہادت دے گا۔ حج کے ارکان میں رمل ایک رکن ہے۔

Marfat.com

آنحضرتؐ نے رمل کا حکم دیا۔ اس کے بعد یہ فعل معمول بہ ہو گیا چنانچہ ائمہ اربعہ اس کو حج کی ایک ضروری سنت سمجھتے ہیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے صاف کہا اب ہم کو رمل سے کیا غرض اس سے مشرکوں کو رعب دلانا مقصود تھا سو اُن کو خدا نے ہلاک کر دیا۔ لوگ ابی بن کعب سے جو بڑے تبحر کے صحابی تھے ملنے گئے جب وہ مجلس سے اُٹھے تو ادب اور تعظیم کے لئے لوگ اُن کے ساتھ ساتھ چلے۔ اتفاق سے حضرت عمر اُدھر سے آنکلے۔ یہ حالت دیکھ کر ابی کو ایک کوڑا لگایا۔ ان کو نہایت تعجب ہوا اور کہا خیر ہے یہ آپ کیا کرتے ہیں؟ فرمایا تم نہیں جانتے یہ امر متبوع کے لئے فتنہ اور تابع کے لئے ذلت ہے۔ شراب پینے کی جو سزا پہلے سے مقرر تھی زیادہ سخت کر دیا یعنی پہلے ۴۰ دُرّے مارے جاتے تھے انھوں نے ۴۰ سے ۸۰ کر دیئے۔ عراق کی فتح کے بعد اکثر بزرگوں نے عیسائی عورتوں سے شادیاں کر لی تھیں۔ حضرت عمر نے حذیفہ کو لکھا کہ میں اس کو ناپسند کرتا ہوں۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ یہ حکم آپ کی ذاتی رائے ہے یا کوئی شرعی حکم ہے؟ حضرت عمر نے لکھا کہ میری ذاتی رائے ہے۔ حذیفہ نے لکھ بھیجا کہ آپ کی ذاتی رائے کی پابندی ہم لوگوں پر ضرور نہیں چنانچہ باوجود حضرت عمر کی ممانعت کے کثرت سے لوگوں نے شادیاں کیں۔ ایک دفعہ جب حضرت عمر نے تمام عاملوں کا مال و اسباب نیلام کر کے آدھا بیت المال میں داخل کر دیا تو ایک عامل نے صاف کہا اگر یہ مال خدا کا تھا تو کل بیت المال میں داخل کرنا چاہیئے تھا۔ اور ہمارا تھا تو اُس سے تم کو لینے کا کیا حق تھا"

(الفاروق حصہ ۲ صفحہ ۲۰۷ تا ۲۱۶)

متعہ حضرت عمر نے متعہ پر بھی اصلاح دی۔ خدا نے قرآن مجید میں اس کی صاف اجازت دی ہے فما استمتعتم بہ منھن فاتوھن اجورھن فریضۃ ولا جناح علیکم فی ما تراضیتم بہ من بعد الفریضۃ ان اللہ کان علیما حکیما جن عورتوں سے تم نے متعہ کیا ہو اُنہیں جو مہر معین کیا ہے دے دو اور مہر مقرر ہونے کے بعد اگر اس میں کم و بیش پر راضی ہو جاؤ تو اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں ہے بے شک خدا ہر چیز سے واقف اور کل مصلحتوں کا پہچاننے والا ہے (پارہ ۵ ع ۱) یہ آیۃ تصریح متعہ

سلہ اس زمانہ میں بعض جاہل بلکہ کندۂ ناتراش "علماؤن" کا لفظ بول دیتے ہیں جس کو وہ عالم کی جمع سمجھتے ہیں تو معمولی اردو پڑھے لکھے بھی کھل کھلا کر ہنس دیتے اور اُن بے چارے کی جہالت پر تعجب کرنے لگتے ہیں۔ اب شمس العلماء مولوی شبلی صاحب ایسے عالم جلیل کی عربی قابلیت بلکہ ہر دانی پر کیا کیا جائے۔ ہنسا جائے یا ماتم کیا جائے جو عامل کی جمع عاملون لکھے ہیں بالکل اسی طرح جس طرح مذکورہ بالا لوگ عالم کی جمع "علماؤن" بولتے ہیں حالانکہ عامل بھی عربی زبان کا لفظ ہے جس کی جمع عمال ہے نہ "عاملون" افسوس بریں علم و دانش بباید گریست ۱۲

کے حلال اور جائز ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اسی وجہ سے علاوہ مصحف عثمانی کے اس آیتہ میں محصنین کے بعد الی اجل مسمٰی (ایک معین مدت تک) بھی تھا، چنانچہ جب جناب ابن عباس کے سامنے یہ آیتہ پڑھی گئی تو انھوں نے الی اجل مسمے کے ساتھ پڑھا۔ اور جب ابو نضرہ وغیرہ نے کہا کہ ہم یوں نہیں پڑھتے تو ابن عباس نے کہا واللہ خدا نے اس آیت کو یوں ہی نازل کیا ہے۔ اسی بنا پر حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ اگر حضرت عمر لوگوں کو متعہ سے منع نہ کرتے تو قیامت تک سوائے شقی و بدبخت کے کوئی دوسرا زنا نہ کرتا اسی بنا پر جناب جابر سے منقول ہے کہ ہم لوگ رسالت مآبؐ کے پورے زمانہ میں اور حضرت ابوبکر کی پوری خلافت میں اور حضرت عمر کے نصف عہد خلافت تک متعہ کرتے تھے مگر حضرت عمر نے اپنی خلافت کے نصف زمانہ کے بعد متعہ کی ممانعت کا حکم جاری کیا (تفسیر درمنثور جلد ۲ صفحہ ۱۴۰ تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۰۰ و تفسیر کشاف جلد ۲ صفحہ ۳۶ وغیرہ) زمانہ حال کے بہت بڑے عالم اہلسنت جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی نے لکھا ہے "متعتان کانتا علی عہد رسول اللہؐ وانا احرمھما و امنعہ یعنی حج کا متعہ اور نکاح متعہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں ہوا کرتے کیونکہ خود آنحضرتؐ نے ان کو درست کر دیا تھا لیکن میں ان کو حرام کرتا ہوں۔ یہ حضرت عمرؓ کا قول ہے لولم ینہ عمر عن المتعۃ ما زنی الا شقی حضرت علیؓ نے فرمایا اگر عمر متعہ سے منع نہ کرتے تو زنا وہی کرتا جو بدبخت ہوتا کیونکہ متعہ آسان ہے اور اس سے کام نکل جاتا ہے پھر حرام کاری کی ضرورت نہ رہتی ان اللہ رأف بکم فجعل المتعہ عوضیاً لکم من الاشربۃ۔ اللہ تعالیٰ نے شرابوں کو تم پر حرام کیا ان کے بدل متعہ نکاح تمہارے لئے درست کر دیا۔ استمتعنا علی عہد رسول اللہؐ وعہد ابی بکر وصدرا من خلافۃ عمر حتے قال فیہا رجل برایہ ماشاء۔ جابر بن عبداللہ انصاریؓ کہتے ہیں ہم آں حضرتؐ کے زمانہ میں اور ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں اور عمر کے شروع خلافت میں برابر متعہ کرتے رہے یہاں تک کہ ایک شخص نے اپنی رائے سے جو چاہا وہ کہا۔ مراد حضرت عمرؓ ہیں۔ انھوں نے متعہ سے منع کر دیا۔ کان ابن عباس یفتی بتحلیل المتعۃ ابن عباسؓ متعہ کی حلت کا فتوے دیتے تھے۔ اور زرقانی نے شرح موطا میں ایک جماعت سلف اہل سنت سے بھی اس کی اباحت نقل کی ہے" (انوار اللغۃ پارہ ۲۴ صفحہ ۹) اس کے علاوہ قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت کی ناسخ کوئی دوسری آیتہ قرآن بھر میں نہیں ہے اور نہ رسول اللہؐ نے حلال کرنے کے بعد اس کو حرام کیا۔ اسی وجہ سے حضرت عمر نے فرمایا کہ میں حرام کرتا ہوں۔ ورنہ اگر اس کے منع میں کوئی آیتہ یا حدیث ہوتی تو اسی کا بیان کر دینا کافی ہوتا۔ میں حرام کرتا ہوں" کہنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ پھر جب نہ کوئی آیتہ اس کی ناسخ ہے اور نہ رسول اللہؐ نے منع کیا تو حضرت عمر کو اس کے حرام کر دینے کا کیا حق تھا؟ خود رسول اللہؐ کو احکام خدا میں تغیر و تبدیل کا حق تھا ہی نہیں دوسرے کو

Marfat.com

کو کیونکر ہو سکتا ہے۔ اسی وجہ سے بعد کے لوگ حضرت عمر پر برابر اعتراض کرتے رہے۔ مولوی شبلی صاحب نے خلیفہ مامون الرشید کے بارے مین لکھا ہے "مامون نے جوش میں ایک بار منادی کرادی کہ متعہ عموماً جائز سمجھا جاوے۔ ایک عام منادی فرمان شاہی کے ہم زبان تھی۔ مامون حضرت عمر کا یہ قول پڑہ رہا تھا دو متع رسول اللہ و حضرت ابوبکر کے عہد مین تھے، مین ان کو حرام کرتا ہوں۔ ہر لفظ پر اُس کا چہرہ غصہ سے متغیر ہو جاتا تھا۔ اور جب ایک پر غیظ لہجہ میں یہ روایت ختم کر چکا تو نہایت طیش مین آکر کہا اے جعل[1] جو چیز رسول اللہؐ کے عہد میں جائز تھی تو کون ہے جو اس کو حرام کرے؟ (المامون صہ ۲۳۲)

تیسری فصل

حضرت عمر کے دوسرے دینی کارنامے

تراویح حضرت عمر نے تراویح کی ایجاد بھی کی (تاریخ الخلفاء صہ ۱۱۶ وغیرہ) مولوی وحید الزمان خان صاحب حیدر آبادی نے لکھا ہے "نعمت البدعتہ۔ یہ حضرت عمر نے تراویح کی ایک جماعت کر دینے کی نسبت کہا یعنی یہ بدعتہ اچھی ہے۔ اور بدعتہ اس کو اس لیئے کہا کہ آنحضرتؐ نے تراویح اس انتظام کے ساتھ نہیں پڑھی تھی جو انتظام حضرت عمر نے کیا تھا۔ بدعت کی تحقیق اور تنقیح میں علماء نے بہت گفتگو کی ہے اور اس باب مین جداگانہ مستقل رسالے تالیف ہوئے ہیں۔ اور قول محقق یہ ہے کہ بدعت لغوی کی دو قسمیں ہیں حسنہ اور سیئہ لیکن بدعت شرعی ہمیشہ سیئہ ہوتی ہے جیسے حدیث میں ہے کل بدعۃ ضلالۃ۔ اب بدعت شرعی کی تعریف علماء نے یہ کی ہے کہ دین میں جو کوئی نئی بات بغرض ثواب اور اجر نکالی جائے جس کی دلیل کتاب و سنت سے نہ ہو اور قرون ثلثہ میں اُس کی نظیر نہ ملے جیسے کوئی شخص ایک نئی طرح کی نماز یا اذان یا اور کوئی عبادت نکالے" (انوار اللغتہ پارہ ۲ صہ ۱۹) اگر رسولؐ کے زمانہ میں اس کا اشارہ بھی ہوتا تو اس کی ایجاد کا سہرا حضرت عمر کے سر نہ بندھتا۔ علامہ طبری نے لکھا ہے وفی سنۃ اربعۃ عشر امر عمر بن الخطاب رحمہ اللہ الناس بالقیام فی المساجد فی شہر رمضان بالمدینۃ وکتب الی الامصار یامر المسلمین بذلک

[1] معلوم نہیں یہاں جعل کا کیا معنے ہے۔ انوار اللغتہ وغیرہ کتب لغتہ میں اس کا معنے گوہ کا کیڑا لکھا ہے مگر خلیفہ مامون حضرت عمرؓ کے متعلق ایسی بے ادبی تو کر نہین سکتا تھا۔ متعہ کی بحث اس سے زیادہ تفصیل سے دفتر اصلاح کے بعد اسی کتاب جوہر قران مین لکھی گئی ہے ۱۲

Marfat.com

۱۴ھ میں حضرت عمر نے لوگوں کو حکم دیا کہ ماہ رمضان بھر مدینہ کی مسجدوں میں ہر رات نماز تراویح کے لئے کھڑے رہا کریں اور دوسرے شہروں میں بھی فرمان روانہ کر دیئے کہ سب مسلمان اس حکم پر عمل کریں (تاریخ طبری جلد ۴ صـ۱۴۸) پھر لکھا ہے وھو اول من جمع الناس علی امام یصلی بھم التراویح فی شھر رمضان وکتب بذالك الی البلدان وامرھم بہ وذلک فی ما حدثنی بہ الحارث قال حدثنا ابن سعد عن محمد بن عمر فی سنتہ ۱۴ وجعل للناس قارئین قارئا یصلی بالرجال وقارئا یصلی بالنساء۔ حضرت عمر ہی پہلے وہ بزرگ ہیں جنھوں نے لوگوں کو حکم دیا کہ ماہ رمضان میں ایک شخص اُن کو تراویح پڑھایا کرے اور اس کا فرمان کل شہروں میں بھیج دیا۔ یہ کام انھوں نے ۱۴ھ میں کیا اور دو قاری مقرر کئے کہ ایک شخص مردوں کو پڑھایا کرے اور دوسرا عورتوں کو (تاریخ طبری جلد ۵ صـ۲۲)۔

احادیث رسولؐ کی خدمات

حضرت رسول خداؐ کی حدیثوں کے متعلق بھی حضرت عمر نے بڑے بڑے کام کئے۔ مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "عام خیال یہ ہے کہ حضرت عمر نے حدیث کی اشاعت میں گو بہت اہتمام کیا لیکن خود بہت کم حدیثیں روایت کیں چنانچہ کل وہ مرفوع احادیث جو اُن سے بہ روایت صحیح مروی ہیں سو سے زیادہ نہیں۔ یہ خیال بظاہر صحیح ہے۔ آج کل بلکہ مدت مدید سے یہ حالت ہے کہ جو چیز آں حضرتؐ کی طرف منسوب کر دی جاتی ہے گو صحیح نہ ہو اُس کو فوراً رواج اور قبول حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر یہودیوں کی تمام مزخرفات احادیث نبوی کے مجموعہ میں شامل ہو گئیں ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعری اُن سے ملنے آئے اور تین دفعہ استیذان کے طور پر کہا السلام علیکم ابو موسیٰ حاضر ہے۔ حضرت عمر کسی کام میں مصروف تھے فارغ ہو چکے تو فرمایا ابو موسیٰ کہاں ہیں؟ وہ آئے تو کہا تم کیوں واپس گئے؟ کہا میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ تین دفعہ اذن مانگو۔ اگر اجازت نہ ملے تو واپس جاؤ۔ فرمایا اس روایت کا ثبوت دو ورنہ میں تم کو سزا دونگا۔ ابو سعید نے شہادت دی کہ میں نے رسول اللہؐ سے یہ حدیث سُنی ہے۔ حضرت ابی بن کعب نے کہا عمر! تم رسول اللہؐ کے اصحاب کو عذاب دینا چاہتے ہو فرمایا میں نے ایک روایت سنی اور اُس کی تصدیق کرنی چاہی۔ علامہ ذہبی حضرت عمر کے حالات میں لکھتے ہیں یعنی حضرت عمر اس ڈر سے کہ صحابہ آں حضرتؐ سے روایت کرنے میں غلطی نہ کریں صحابہ کو حکم دیتے تھے کہ رسول اللہ سے کم روایت کریں اور تاکہ لوگ حدیث میں مشغول ہو کر قرآن کے یاد کرنے سے غافل نہ ہو جائیں۔ قرظہ سے روایت ہے جب عمر نے ہم کو

Marfat.com

عراق پر روانہ کیا تو فرمایا تم لوگ ایسے مقام میں جاتے ہو جہاں کے لوگوں کی آواز شہد کی مکھی کی طرح قرآن پڑھنے میں گونجتی رہتی ہے تو ان کو حدیثوں میں نہ پھنسا لینا۔ قرآن میں آمیزش نہ کرو اور رسول سے کم روایتہ کرو۔ قرظہ وہاں پہونچے تو لوگوں نے کہا حدیث بیان کیجئے۔ انھوں نے کہا عمر نے ہم کو کیا ہے۔ ابو سلمہ کہتے ہیں ہم نے ابو ہریرہ سے پوچھا کہ آپ عمر کے زمانہ میں بھی اسی طرح حدیثیں روایت کیا کرتے تھے؟ انھوں نے کہا اگر میں ایسا کرتا تو عمر مجھ کو دُرّے سے مارتے۔ حضرت عمر نے عبداللہ بن مسعود ابو درداء و ابو مسعود کو محبوس (قید) کیا اور کہا کہ تم لوگوں نے آن حضرتؐ سے بہت حدیثیں روایتہ کرنی شروع کین۔ محدثین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ کم حدیثیں روایت کرتے تھے یہاں تک کہ سال سال بھر قال رسول نہیں کہتے تھے حضرت عمر کو روایت کے بارے میں جو احتیاط تھی اگرچہ اُن سے پہلے بھی اکابر صحابہ کو تھی۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں حضرت ابوبکر کے حال میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس نے احادیث کے باب میں احتیاط کی وہ ابوبکر تھے۔ علامہ موصوف نے حاکم سے یہ بھی روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر نے ۵۰۰ حدیثیں قلمبند کی تھیں لیکن پھر ان کو آگ میں جلا دیا" (الفاروق جلد ۲ صفحہ ۲۲۵) مولوی صاحب نے حضرت ابوبکر کے متعلق تو لکھا کہ احادیث رسول کو آگ میں جلا دیا مگر یہ نہیں لکھا کہ حضرت عمر نے اس امر میں بھی ان کی تقلید کی یا نہیں۔ البتہ اور کتابوں سے ہے کہ حدیثوں کے مجموعوں کے مٹا دینے کے شواہد بہت کثرت سے ملتے ہیں۔ تنویر الحوالک علے موطاء امام مالک میں علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ ہروی نے ذم الکلام میں زہری کی یہ روایت نقل کی ہے کہ وہ کہتے تھے عروہ بن زبیر نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت عمر نے چاہا کہ حدیث میں ایک کتاب تالیف کریں۔ اس بارہ میں صحابہ سے مشورہ کیا تو سب نے رائے دی مگر حضرت عمر کو اس بات میں شک تھا۔ ایک مہینہ تک استخارہ کرتے رہے۔ آخر خدا نے یہ مشکل حل کر دی صبح کو ایک دن اُٹھے اور صحابہ سے فرمایا کہ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ میں نے کتاب السنن لکھنے کو کہا تھا۔ اس کے بعد میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) نے بھی بہت سی کتابیں لکھی تھیں، نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں کتابوں میں منہمک ہو گئے اور اللہ کی کتاب چھوڑ دی خدا کی قسم میں اللہ کی کتاب سے التباس نہ ہونے دونگا۔ اس کے بعد کتاب لکھنے کا ارادہ فسخ کر دیا۔ (تنویر الحوالک سیوطی قلمی) اسی واقعہ کو طبقات ابن سعد میں قبیصہ بن عقبہ نے سفیان سے بحوالہ معمر زہری سے روایت کیا ہے با این ہمہ احتیاط حضرت عمر کی عادت تھی کہ جب کوئی مشکل مسئلہ آپڑتا تو اس میں کوئی نہ کوئی رسالہ ضرور لکھتے۔ امام مالک نے اپنی سند سے ابن مرسی سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے کہ میں حضرت عمر کے پاس بیٹھا تھا۔ نماز ظہر پڑھنے کے بعد انھوں نے اپنے غلام یرفا کو آواز دی کہ وہ کتاب

وہ کتاب انھون نے عمہ کی میراث مین لکھی تھی اور خدا سے استخارہ کیا تھا کہ عمہ کو کچھ ترکہ ملے گا یا نہین پھر فا جب اُسے لے آیا تو ایک طشت مین یا ایک قدح پانی منگوکر کتاب دھوڈالی اور کہا کہ خدا کو اگر اس ترکہ کا بیان کرنا پسند ہوتا تو قرآن ہی مین کیون نہ بیان کر دیتا (موطا امام محمد باب میراث العمہ صفحہ ۳۱۷ کتاب الا ماتہ والیساستہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھی وہ کتابیں لکھتے رہے مگر اس خوف سے کہ کہین قرآن شریف سے مل جل نہ جائے پھر مٹا ڈالتے تھے۔ اُن کے مرض الموت کے واقعات مین مذکور ہے کہ اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا کہ میرے مسودے مجھے دینا۔ خدا کو اگر منظور ہوتا تو خود ہی بیان کرتا۔ یہ کہکر اپنے ہاتھ سے کتاب چاک کر ڈالی۔ اس کتاب میں دادا کی میراث کا بیان تھا۔
(الامانۃ والیساستہ جلد ۱ صفحہ ۳۶)

چوتھی فصل

کتب خانہ اسکندریہ کا جلانا

حضرت عمر کے متعلق ایک بڑا اختلافی مسئلہ یہ بھی ہے کہ آپ نے اسکندریہ کا مشہور اور نادر روزگار کتب خانہ جلایا یا نہیں۔ بہت سے مورخین نے لکھا ہے کہ آپ نے یہ حکم دیا اور وہ کتب خانہ جلادیا گیا۔ مگر مولوی شبلی صاحب اس پر آمادہ ہوئے کہ اس واقعہ کو بھی غلط ثابت کرین اس وجہ سے اس کی بڑی کوشش کی۔ اس کے متعلق ایک مستقل رسالہ ہی لکھا جس کا نام ہے "مضمون کتب خانہ اسکندریہ" جس مین اصول روایت و درایت سے قطعی طور پر یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ کتب خانہ اسکندریہ کے جلانے کا الزام جو مسلمانون پر لگایا جاتا ہے محض غلط ہے۔ اس مضمون مین علاوہ انگریز مورخون کے جرمن و فرانس کے مشہور اور مستند مصنفون کے اقوال سے استنباط کیا گیا ہے۔ اور جن وجوہ سے اب تک ممالک یورپ مین یہ غلطی چلی آتی تھی اُس کی حقیقت علانیہ ظاہر کردی گئی ہے" یہ رسالہ ۱۸۹۲ء مین چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ چونکہ اس کا تمام تر تعلق حضرت عمر سے ہے اس وجہ سے اس سوانح عمری مین بھی اس کا مختصر ذکر کر دینا ضروری ہے جو یہ ہے کہ حضرت عمر کے زمانہ مین عمرو عاص نے ملک مصر کو فتح کیا۔ اسی سلسلہ مین اس کے مشہور شہر اسکندریہ پر بھی اہل اسلام کا قبضہ ہوا۔ فتح اسکندریہ کے بعد وہان کے ایک عیسائی عالم سے جسے یحییٰ نحوی کہتے تھے عمرو عاص سے گہری دوستی ہوگئی ایک روز یحییٰ نے اپنے اوپر عمرو عاص کی زیادہ

مہربانی دیکھ کر ایسے خزانہ کا پتا دیا جو اب تک مسلمانوں کی نظر سے بچ رہا تھا۔ یہ کتابوں کا ایک زبردست ذخیرہ تھا جو کتب خانہ اسکندریہ کے نام سے مشہور رہے۔ یہ دیکھ کر کہ عمرو عاص اسکندریہ کی ہر چیز پر قبضہ کرتے چلے آتے ہیں اور اس کی طرف ابھی توجہ نہیں کی ہے اس عیسائی عالم نے اُنسے درخواست کی کہ یہ کتب خانہ مجھ کو عنایت کریں۔" اس پر عمرو عاص کو خیال ہوا کہ شاید یہ بھی کوئی بڑی چیز ہے۔ انھوں نے اس کے متعلق حضرت عمر سے دریافت کرنا ضروری سمجھا اور ایک خط ان کو بھیج کر سفارش کی کہ یہ کتابیں یحییٰ کو دے دی جائیں۔ حضرت عمر نے جواب میں لکھا کہ اگر وہ کتابیں قرآن کے موافق ہیں تو اُن کی کوئی ضرورت نہیں۔ قرآن شریف کافی ہے اور اگر قرآن کے موافق نہیں ہیں تو ضرر پہنچانے والی ہیں۔ بہرحال ان کو ضائع و برباد کر دینا چاہیئے۔ عمرو عاص نے اس حکم کی پوری تعمیل کی۔ وہ کتابیں شہر کے پانچ ہزار حماموں میں تقسیم کر دی گئیں جو چھ مہینہ تک اُن حماموں میں ایندھن کا کام دیتی رہیں۔

اب اس میں اختلاف ہے کہ یہ بیان صحیح ہے یا غلط۔ جو لوگ اس کو صحیح سمجھتے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ علامہ ابو الفرج نے اپنی بہت معتبر اور مشہور کتاب میں اس واقعہ کو لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ اور اس زمانہ میں عربوں میں یحییٰ نحوی جو ہماری زبان میں غرناطیقوس کے لقب سے مشہور ہوا وہ اسکندریہ کا رہنے والا تھا اور یعقوبی عیسائیوں کا عقیدہ رکھتا تھا اور ساوری کے عقیدہ کی تائید کرتا تھا۔ پھر عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث سے منکر ہو گیا۔ اس پر مصر میں تمام پادری جمع ہوئے اور اُس سے درخواست کی کہ اس عقیدہ سے باز آئے۔ وہ نہ مانا۔ اس پر پادریوں نے اُس کا رتبہ گھٹا دیا۔ وہ بہت دنوں تک زندہ رہا یہاں تک کہ عمرو بن العاص نے اسکندریہ کو فتح کیا تو وہ عمرو کے پاس حاضر ہوا۔ عمرو اُس کی لیاقت سے واقف ہو چکا تھا اس لئے اُس نے اُس کی بہت عزت کی اور اُس سے وہ فلسفیانہ بحثیں سنیں جن سے اہل عرب کبھی آشنا نہ تھے۔ عمرو کے دل پر اُن بحثوں نے بہت اثر کیا اور وہ اُس پر فریفتہ ہو گیا۔ عمرو عاقل، خوش فہم، صحیح الفکر شخص تھا اس لئے اُس نے یحییٰ کی صحبت کو لازم پکڑ لیا اور اُس کو اپنے پاس سے جدا نہ کرتا تھا۔ ایک دن یحییٰ نے عمرو سے کہا کہ اسکندریہ کے تمام قسم کی چیزوں پر آپ قابض ہیں سو جو چیزیں آپ کے کام کی ہیں میں اُن میں تعرض نہیں کرتا لیکن جو چیزیں آپ کے کام کی نہیں اُن کے تو ہمیں لوگ زیادہ مستحق ہیں عمرو نے کہا تم کو کیا درکار ہے؟ یحییٰ نے کہا فلسفہ کی وہ کتابیں جو شاہی کتب خانوں میں ہیں۔ عمرو نے کہا اس امر کی نسبت میں امیر المومنین عمر بن الخطاب کی اجازت کے بغیر کوئی حکم نہیں دے سکتا

عمرو نے یحییٰ کی درخواست کی اطلاع عمر بن الخطاب کو دی۔ وہان سے جواب آیا کہ جن کتابون کا تم نے ذکر کیا ہے اگر وہ خدا کی کتاب کے موافق ہین تو خدا کی کتاب کے ہوتے اُن کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر اُن کے مضامین خدا کی کتاب کے مخالف ہیں تو تم اُن کو برباد کرنا شروع کرو۔ عمرو بن العاص نے اُن کتابوں کو اسکندریہ کے حماموں مین تقسیم کرنا اور اُن کو جلوانا شروع کیا۔ پس وہ چھ مہینہ کی مدت مین عمل کر تمام ہوئین۔ سو جو کچھ ہوا اُس کو سنو اور تعجب کرو (دیکھو تاریخ مختصر الدول مصنفہ علامہ ابوالفرج مطبوعہ لیدن ص۱۸۰ و ۱۸۱ اور رسالہ مضمون کتب خانہ اسکندریہ ص۱۱) اور حاجی خلیفہ نے لکھا ہے۔

کانت العرب فی صدر الاسلام لاتعتنی بشیٔ من العلوم الا بلغتھا ومعرفۃ احکام شریعتھا وصناعۃ الطب فانھا کانت موجودۃ عند افراد منھم لحاجۃ الناس طرا الیھا وذلک منھم صونا لقواعد الاسلام وعقائد اہلہ من تطرق الخلل من علوم الاوائل قبل الرسوخ والاحکام حتی یروے انھم احرقوا ما وجدوا من الکتب فی فتوحات البلاد۔ اہل عرب شروع اسلام مین تمام علوم مین سے بجز لغۃ احکام شریعۃ وطب کے کسی علم کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے۔ صرف یہ علوم بوجہ عام حاجت کے بعض لوگون کے پاس موجود تھے اور اس کا سبب یہ تھا کہ چونکہ اسلام کے قواعد اور لوگون کے عقائد ابھی مضبوط اور راسخ نہین ہو چکے تھے اس لیئے ڈر تھا کہ قدما کے علوم سے اُن مین خلل نہ پیدا ہو۔ یہان تک کہ بیان کیا جاتا ہے کہ اُن لوگون نے شہرون کی فتوحات مین جو کتابین پائین وہ سب جلا دین (رسالہ مذکورہ ص۱۸) اور عبداللطیف بغدادی نے مصر کی ایک تاریخ لکھی ہے جسکا نام کتاب الافادۃ والاعتبار فی الامور المشاہدۃ والحوادث المعاینۃ بارض مصر ہے۔ یہ کتاب اُس نے شعبان ۶۰۳ھ مین تمام کی اور اس کا موضوع صرف وہ حالات وواقعات ہیں جو عبداللطیف نے خود مصر مین مشاہدہ کئے۔ اس مین ایک موقع پر عمود السواری کے لفظ سے ایک عنوان قائم کیا ہے اس کے تمام حالات بیان کئے ہین اور لکھا ہے کہ اس ستون کے گرد چار سو اور چھوٹے چھوٹے ستون تھے۔ یہ حالات لکھتے لکھتے اخیر مین ضمناً یہ عبارت لکھی ہے۔ ویذکر ان ہذا العمود من جملۃ اعمدۃ کانت تحمل رواق ارسطاطالیس الذی کان یدرس بہ الحکمۃ وانہ کان بہ من علم دنیہ خزانۃ کتب جمعھا عمرو بن العاص باشارۃ عمر بن الخطاب۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ ستون من جملہ اُن ستونون کے ہے جس پر وہ چھت قائم تھی جو ارسطو کا رواق تھا اور جہان ارسطو حکمت کا درس دیتا تھا۔ اور یہ کہ وہ دار العلم تھا اور اُس مین وہ کتب خانہ تھا جس کو عمرو بن العاص نے عمر بن الخطاب کے اشارہ سے جلا دیا (رسالہ مذکورہ ص۱۹) مسٹر کرسٹن لکھتے ہیں

کہ یہ واقعہ صرف سند مذکورہ بالا یعنی ابوالفرج کے بیان پر مبنی نہیں ہے بلکہ برخلاف اسکے مقریزی اور عبداللطیف نے جنھون نے قدیم تاریخ مصر پر تصنیفات لکھیں اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ پروفیسر وائٹ نہایت بلند آہنگی سے فرماتے ہین کہ ہم گبن کی منفیانہ دلیل کے مقابلہ مین دو عربی مورخون کی اثباتی شہادت پیش کرنے کی جرأت کرین گے جو ایسے مستند مصنف ہین کہ اُنکے مستند ہونے کی نسبت کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا اور دونون مذہب اسلام کے نہایت متعصب پیرو ہین۔ اس سے عبداللطیف و مقریزی کو مراد لیتا ہون جو اس واقعہ یعنی کتب خانہ کے جلانے کے ذکر ہی میں ہم زبان نہیں ہیں بلکہ ٹھیک اُس مقام کا نشان دیتے ہین جہان کتب خانہ مذکور قائم تھا"، (صـ۲۱) ہیرن ڈساسی نے لکھا ہے "ابوالفرج کے بیان پر جو اعتراضات کیے گئے ہین اُنمین یہ اعتراض قوی خیال کیا گیا ہے کہ عرب کے مورخ ایسے عظیم واقعہ کے متعلق خاموش ہین لیکن اس اعتراض کا زور یقیناً عبداللطیف اور مقریزی کی شہادت کے بعد گھٹ جاتا ہے۔ اگرچہ لوگ یہ کہسکتے ہین کہ ظاہراً مقریزی کا وہ فقرہ صرف عبداللطیف کے فقرہ کی نقل ہے لیکن میں نے چند اور سندین پیدا کی ہین اور یقین کرتا ہون کہ یہ واقعہ جس طرح ابوالفرج نے بیان کیا ہے گو اُس مین ایسی تفصیلین ہیں جو نکتہ چینی کی برداشت نہین کرسکتین تاہم یہ صحیح ہے کہ وہ ایک تاریخی سچائی پر مبنی ہے اور یہ کہ عربون نے جب یہ شہر فتح کرلیا تھا تو عمرو بن العاص نے عمر کے فرمان کے مطابق یہ حکم دیا تھا کہ ایک مجموعہ جس مین بہت سی کتابین تھین اور جو اسکندریہ مین تھا آگ پر رکھدیا جائے" اس کے بعد پروفیسر ڈساسی نے حاجی خلیفہ اور مقدمہ ابن خلدون کی عبارت نقل کی ہے اور اُس سے کتب خانہ اسکندریہ کے واقعہ پر استدلال کیا ہے" (رسالہ مذکورہ صـ۲۴) ان سب کو لکھنے کے بعد مولوی شبلی صاحب نے اِن کے رد کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا زور اس پر ہے کہ قدیم اسلامی مورخین نے اس واقعہ کو نہیں لکھا اس وجہ سے غلط ہے۔ اور صاحب تاریخ اسلام نے لکھا ہے "صاحب تاریخ الفی (جلال الدین اکبر بادشاہ ہند کی فرمایش پر احمد بن نصراللہ قاضی تتہ سندھ نے لکھی) نے کتاب طبقات الامم قاضی صاعد اندلسی (قاضی صاعد بن احمد الطلیطلی الاندلسی نے ۴۶۲ھ مین وفات پائی) سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت علیؑ نے سنا کہ حضرت عمر نے ان کتابوں کے جلانے کا حکم دیا ہے تو عمر فاروق سے کہا کہ اُن کا مضمون قرآن کے مطابق ہے الا قرآن مجمل ہے اور ہر شخص اُن مضامین کو اس سے استنباط نہیں کرسکتا۔ اور بالفرض قرآن کے خلاف بھی ہون تب بھی اُن کا جلانا روا نہین کس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ شرائع و نوامیس سابقہ پر مشتمل ہون اور پہلی شریعتون کا جلوانا کسی صورت مین جائز نہین مگر جناب فاروق پر ذرہ اثر نہین ہوا۔ صاحب تاریخ نگارستان نے بھی اپنی تاریخ مین اس واقعہ کو نقل کیا ہے (تاریخ نگارستان از تالیفات احمد بن محمد بن عبدالغفار قزوینی یہ کتاب ۹۵۹ھ مین تحریر ہوئی) مولوی شبلی صاحب اور مثل ان کے بعض دیگر

اشخاص نے لکھا ہے کہ ابو الفرج نصرانی تھا سب سے پہلے اُس نے تعصب مذہبی سے اس روایت کو وضع کیا ہے۔ مگر یہ اُن کی ناواقفیت ہے یا عمداً مغالطہ مین ڈالنا ہے کیونکہ قاضی صاعد اندلسی (المتوفی سنہ ۴۶۲ھ) جو ابو الفرج (المتوفی سنہ ۶۸۴ھ) سے دو سو برس پہلے ہوا اور عبد اللطیف بغدادی نے چھٹی صدی ہجری کے آخر مین مصر کی سیاحت کرکے وہاں کے حالات لکھے ہین حالانکہ ابو الفرج اُس کی سیاحت کے قریب ۳۰ سال بعد سنہ ۶۲۲ھ مین پیدا ہوا ہے علامہ جرجی زیدان اپنی کتاب تمدن اسلام جلد ۳ صہ ۴۶ مین لکھتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے ابو الفرج نے جمال الدین ابو الحسن علی بن یوسف بن ابراہیم القفطی وزیر حلب المعروف بالقاضی اکرم کی کتاب تراجم الحکماء سے نقل کیا ہے۔ یہ قاضی سنہ ۵۶۵ھ مین پیدا ہوا اور سنہ ۶۴۶ھ مین مرا تھا۔ اس نے یحییٰ نحوی کے حال مین ویسی ہی عبارت لکھی ہے جو ابو الفرج نے لکھی ہے بلکہ اُس سے زیادہ تصریح و تفصیل سے لکھا ہے۔ علامہ احمد بن مصطفٰے المعروف بہ طاش کبری زادہ (المتوفی سنہ ۹۶۲ھ) نے کتاب مفتاح السعادۃ جلد اول صفحہ ۲۴۱ مین کتب خانہ اسکندریہ کے احراق کی بابت اس طرح لکھا ہے کہ عمرو عاص نے حضرت عمر کے حکم سے کتابون کو حماموں میں تقسیم کر دیا۔ اور چھ مہینہ تک وہ ایندھن کا کام دیتی رہیں۔ موفق الدین عبد اللطیف بغدادی (المولود سنہ ۵۵۷ھ والمتوفی سنہ ۶۲۹ھ) نے کتاب الافادۃ والاعتبار مین اور تقی الدین احمد بن علی المقریزی (المتوفی سنہ ۸۴۵ھ) شاگرد ابن خلدون نے تاریخ مصر مین لکھا ہے کہ مصر کا کتب خانہ حضرت فاروق کے حکم سے جلایا گیا تھا۔ تقی الدین ابو العباس احمد بن تیمیہ الحرانی المتوفی سنہ ۷۲۸ھ نے اپنے رسالہ جواب اہل العلم والایمان مطبوعہ مصر صفحہ ۲۵ مین لکھا ہے کہ صحابہ نے کتب روم کی بابت عمر فاروق سے دریافت کیا۔ پس حضرت عمر نے حکم دیا کہ انکو جلا دو کتاب خدا کافی ہے۔ نواب مولوی صدیق حسن خان صاحب بھوپالی نے ابجد العلوم صہ ۱۰۹ مین اور حاجی خلیفہ نے کشف الظنون صفحہ ۳۵ مین لکھا ہے کہ مسلمانون کو فتوحات بلاد مین جو کتابین ملین انھون نے سب کو جلا دیا۔ اور بعض صحابہ کا یہ حال تھا کہ علمی باتون کے لکھنے تک سے نفرت کرتے تھے" (تاریخ اسلام جلد ۳ صہ ۹۴) مولوی شبلی صاحب نے اس پر بہت زور دیا ہے کہ شروع کے مورخین اسلام نے اس واقعہ کو نہیں لکھا۔ لیکن خود ممدوح اُس زمانہ کے مورخین کی شکایت ان لفظون مین بیان کر چکے ہیں "تاریخ کے لیئے دو باتین لازمی ہیں ایک یہ کہ جس عہد کا حال لکھا جائے اُس زمانہ کے ہر قسم کے واقعات قلم بند کیے جائین یعنی تمدن، معاشرت، اخلاق، عادات، مذہب ہر چیز کے متعلق معلومات کا سرمایہ مہیا کیا جائے

Marfat.com

دوسرے یہ کہ تمام واقعات میں سبب اور مسبب کا سلسلہ تلاش کیا جائے۔ قدیم تاریخوں میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں رعایا کے اخلاق و عادات اور تمدن و معاشرت کا تو سرے سے ذکر ہی نہیں آتا۔ فرمان روائے وقت کے حالات ہوتے ہیں لیکن ان میں بھی فتوحات اور خانہ جنگیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ یہ نقص اسلامی تاریخوں تک محدود نہیں بلکہ کل ایشیائی تاریخوں کا یہی انداز تھا۔ فرماں روائے وقت کی عظمت و اقتدار کے آگے تمام چیزیں ہیچ ہوتی تھیں اس کا لازمی اثر تھا کہ تاریخ کے صفحوں میں شاہی عظمت و جلال کے سوائے اور کسی چیز کا ذکر نہ آئے اور چونکہ اس زمانہ میں قانون قاعدہ جو کچھ تھا بادشاہ کی زبان تھی اس لئے سلطنت کے اصول اور آئین کا بیان کرنا بھی گویا بے فائدہ تھا۔ (الفاروق صـ۱۱) اس عبارت سے کتب خانۂ اسکندریہ کو ربط دو تو تمام شکوک و شبہات زائل ہو جائیں جب اُس زمانہ کی تاریخوں میں صرف "فرماں روائے وقت کے حالات ہوتے ہیں لیکن ان میں بھی فتوحات اور خانہ جنگیوں کے سوائے اور کچھ نہیں ہوتا"، تو کتب خانہ اسکندریہ کے جلانے کا واقعہ اُس زمانہ کی تاریخوں میں کیونکر درج ہوتا کیونکہ یہ نہ فتوحات کے ذیل کی بات تھی اور نہ خانہ جنگی کا واقعہ" اور جب اُس زمانہ میں "لازمی اثر تھا کہ تاریخ کے صفحوں میں شاہی عظمت و جلال کے سوا اور کسی چیز کا ذکر نہ آئے" تو کتب خانۂ اسکندریہ کے احراق کا ذکر کس طرح ہوتا کہ یہ تو شاہی عظمت و جلال کے عوض شاہی ناقدری علوم و فنون و نفرت از تحقیقات و اجتہادات کی دلیل تھی۔ اور جب اُس زمانہ میں قانون اور قاعدہ جو کچھ تھا بادشاہ کی زبان تھی۔ تو حضرت عمر کی اس علمی خدمت کو کوئی مورخ لکھتا کیونکر اس لئے کہ مدت دراز تک تو مصر میں حضرت عمر کے ماننے والوں ہی کی حکومت تھی پھر وہ مورخ اس جرم کے بعد زندہ بھی رہ سکتا تھا؟ ہاں جب اسلامی حکومت کا زور کم ہوا مورخین کو آزادی سے سانس لینے کا موقع ملا تو انھوں نے بہت سی وہ باتیں اپنی کتابوں میں لکھ دیں جنکو وہ اپنے آباء و اجداد سے برابر سنتے آئے تھے اور اُن کا حق ہونا ویسا ہی یقینی تھا جیسا شروع زمانہ کے مورخین کے بیانات کا علامہ ابن اثیر جزری یا علامہ ابن حجر عسقلانی کی کتابیں پڑھ جاؤ جو ساتویں اور نویں صدی ہجری میں لکھی گئی ہیں تو معلوم ہو ان میں کتنی باتیں ایسی ہیں جو حضرت عمر کے زمانہ کی ہیں مگر ان لوگوں سے پہلے کسی نے نہیں لکھیں۔ تو کیا اس وجہ سے وہ سب بے اعتبار ہو جائیں گی؟ حدیث اور تاریخ لکھنے کا اصول ہی یہ رہا ہے کہ جو باتیں علماء و محدثین و اساتذہ و آباء و اجداد سے لوگ سنتے رہتے تھے ان کو اپنے زمانہ میں کتابوں میں جمع کر لیتے تھے۔ ان سب

Marfat.com

امور سے قطع نظر کرکے اب اگر عقل سے کام لیا جائے تو آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر نے اس کتب خانہ کو ضرور جلوا دیا۔ اس لئے کہ معلوم ہے حضرت ابوبکر کے تقریباً کل کام حضرت عمر ہی کی رائے و مشورہ سے انجام پاتے بلکہ کام حضرت عمر کا اور صرف نام حضرت ابوبکر کا ہوتا تھا۔ اور حضرت ابوبکر کا احادیث جناب رسالت مآب صلعم کو جلا ڈالنا مشہور واقعہ ہے جس کو مولوی شبلی صاحب نے بھی لکھا ہے۔ پس جب حضرت عمر نے اس کو پسند کیا کہ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں احادیث رسولؐ جلا دی جائیں تو اسکندریہ کے کتب خانہ کے جلانے کا حکم کیوں نہ دیتے؟ اور جب خود حضرت عمر نے احادیث رسولؐ کے مجموعہ کو پانی سے دھو کر یا چاک کرکے ضائع و برباد کر دیا تو اسکندریہ کے کتب خانہ کے باقی رکھنے کی ضرورت آپ کیوں سمجھتے؟ یہ واضح ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم کی احادیث کی قدر و قیمت اور محبت و عزت حضرت عمر کی نظر میں کتب خانہ اسکندریہ سے لاکھوں درجہ زیادہ ہوگی کہ کتب خانۂ اسکندریہ کے مصنفین غیر مسلم تھے اور حضرت رسول خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر۔ پھر جب اُن مقدس ارشادات نبوی کی حفاظت کی فکر آپ نے نہیں کی تو کافروں کے علوم و فنون کے کتب خانہ کی محبت آپ کو کس سبب سے ہوتی؟ ان تمام باتوں کے علاوہ اِس بیان کی عبارت میں ایک زبردست گواہ پوشیدہ ہے جس کی طرف اگر توجہ کی جائے تو اس کے یقینی ہونے میں کوئی شک باقی نہ رہے۔ حضرت عمر نے یہی تو جواب دیا کہ اگر وہ کتب خانہ قرآن مجید کے موافق ہے تو اس کی ضرورت نہیں اور اگر موافق نہیں تو اسلام کے لیئے مضر ہے۔ تقریباً یہی بات آپ نے حضرت رسولؐ کے نوشتہ کے بارے میں بھی فرمائی تھی کہ حسبنا کتاب اللہ ان الرجل لیھجر۔ یہ شخص ہذیان بکتا ہے ہمارے لیئے کتاب خدا کافی ہے۔ جس کا مطلب یہی تھا کہ رسول جو وصیت نامہ لکھیں گے اگر قرآن کے موافق ہوگا تو اسکی ضرورت نہیں۔ قرآن موجود ہی ہے۔ اور وہ ہمارے لئے کافی ہے۔ اور اگر قرآن کے موافق نہیں ہوگا تو اسلام کو اس سے نقصان پہنچے گا۔ ان وجوہ سے نہ قلم لانے کی ضرورت ہے نہ کاغذ دینے کی۔ ان کی بات ہذیان سمجھ کر خاموش ہو رہو۔ اسی طرح آپ نے کتب خانۂ اسکندریہ کے بارے میں بھی طے کیا ہوگا کہ اس کے باقی رہنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کیا اللہ کی کتاب سب کے لیئے کافی نہیں ہے؟ حضرت عمر کو یہ خیال بھی تو ہوگا کہ اگر یہ کتب خانہ حکومت اسلام کے قبضہ میں رکھا جائے تو اس کی حفاظت اور انتظام میں سلطنت کی کافی رقم ہر مہینہ صرف ہوتی رہے گی جس کا فائدہ نہ حکومت کو ہوگا نہ رعایا کو۔ اور اگر یہ کتب خانہ عیسائیوں کو

دے دیا جائے تو ہو سکتا ہے یہ لوگ ان کتابوں کا مطالعہ کر کے قوت بحث و مناظرہ میں اتنے زبردست ہو جائیں کہ پھر اسلام کو آسانی سے قبول نہ کر سکیں جس سے اشاعۃ اسلام کا سیلاب اس زور پر قائم نہیں رہ سکتا جس پر خلیفہ اول یا دوم نے پہنچا دیا تھا۔ غرض حضرت عمر کے اسلامی جوش اور سلطنتی حسن انتظام کے پیش نظر اس واقعہ میں شک و شبہہ کی کوئی گنجایش نظر نہیں آتی ہے۔ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ فاضل معاصر مولوی شبلی صاحب کے قبل ہزاروں محدثین و مورخین اہلسنت گزر چکے ہیں جن کی تحقیق کا پایہ ممدوح سے بہت بلند تھا۔ ہندوستان میں بھی بڑے بڑے علامہ دہر ہوئے ہیں مثلاً شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی۔ اُن کے فرزند شاہ عبدالعزیز صاحب نواب مولوی صدیق حسن صاحب مولوی غلام علی صاحب آزاد بلگرامی قاضی احتشام الدین صاحب مراد آبادی۔ مولوی حیدر علی صاحب فیض آبادی مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی وغیرہ۔ اگر یہ واقعہ کچھ بھی مشتبہ ہوتا تو وہ حضرات اس کی رو میں اپنی عمریں صرف کر دیتے۔

پانچویں فصل

حضرت عمر پر غیر مسلم جماعتوں کے علوم و فنون و فضائل و کمالات اور سابق اہل علم کی علمی تحقیقات و ریاضات و اکتشافات سے آپ کے مقاصد کو نقصان پہنچنے اور خود آپ کو پریشان ہوتے رہنے کا ایسا خوف طاری تھا کہ صرف اسکندریہ کے کتب خانہ کا کیا ذکر ہے۔ ملک فارس (ایران) کے عظیم الشان بیش بہا اور نادر روزگار کتب خانوں کو بھی حضرت عمر نے ضائع و برباد کرا دیا۔ چنانچہ زمانہ حال کے سب سے بڑے نقاد مورخ علامہ ابن خلدون اور ہندوستان کے مشہور علامہ جناب مولوی غلام علی صاحب آزاد بلگرامی وغیرہ نے اس واقعہ کو تفصیل اور پورے یقین سے ذکر کیا ہے۔ آزاد صاحب کی عبارت ملاحظہ ہو۔ تحریر فرماتے ہیں "چوں سعد بن وقاص ملک فارس را فتح کرد کتب فلاسفہ بیش از حصر بدست افتاد امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ را نوشت چہ باید کرد۔ عمر رضی اللہ عنہ نوشت اطرحھا فی الماء فان یکن ھدے فقد ہدانا اللہ باھدے منھا وان یکن ضلالا فقد کفانا ھا اللہ فطرحھا فی الماء والنار۔ جب حضرت سعد بن وقاص نے ملک ایران کو فتح کیا اور وہاں بے حساب کتابیں فلسفی علماء و حکماء کی ہاتھ آئیں تو حضرت عمر کو لکھا کہ ان کو کیا کیا جائے؟ اس کا جواب حضرت عمر

نے یہ لکھ بھیجا کہ سب کو دریاؤں میں ڈال دو کیونکہ اگر وہ کتابیں ہدایت کی ہین تو خدا نے اُن سے زیادہ ہدایت کرنے والی کتاب (قرآن مجید) سے ہم لوگون کی ہدایت کردی ہے۔ اور اگر وہ کتابیں گمراہی کی کی ہیں تو خدا نے ہم لوگوں کو اس سے بچا لیا۔ اس حکم کی تعمیل اس طرح کی گئی کہ اُن سب کتابون کو پانی میں ڈال دیا اور آگ میں جھونک دیا گیا (کتاب ماثر الکرام مطبوعہ آگرہ سنہ ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۷۷) اور علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے فالعلوم کثیرۃ والحکماء فی امم النوع الانسانی متعددون وما لم یصل الینا من العلوم اکثر مما وصل فاین علوم الفرس التی امر عمر رضی اللہ عنہ بمحوھا عند الفتح واین علوم الکلدانیین والسریانیین واہل بابل وما ظہر علیہم من آثارھا ونتائجھا واین علوم القبط ومن قبلھم وانما وصل الینا علم دمۃ واحدہ وھم یونان خاصۃ لکف المامون باخراجھا من لغتھم واقتدارہ علی ذلک بکثرۃ المترجمین وبذل الاموال فیھا ولم نقف علی شئ من علوم غیرھم علوم وفنون کثرت سے ہیں اور نوع انسانی کی امتوں مین اہل علم وحکمت بھی بہت گزرے ہیں۔ اور ہم تک سابق علماء وحکماء کے جس قدر علوم وفنون پہنچ سکے اُن کے مقابلہ مین وہ علوم وتحقیقات جو نہیں پہنچ سکے بلکہ ضائع وبرباد ہوگئے بہت زیادہ تھے۔ دیکھو ایرانی قوم کے وہ سب علوم فنون کیا ہوگئے جن کو ملک فارس کی فتح کے وقت حضرت عمر نے ضائع وبرباد کرا دیا۔ اسی طرح کلدانیون۔ سریانیون اور اہل بابل کے علوم اور اُن لوگون پر اُن علوم وفنون کے جس قدر آثار ظاہر ہوئے اور انھون نے ان سب سے جس قدر نتائج حاصل کئے اُن کا اب کہیں بھی پتا ملتا ہے؟ اسی طرح قوم قبط اور اُن کے پہلے جو امتین گزرین ان کے علوم وفنون کا بھی کہین نام ونشان باقی ہے؟ مختصر یہ کہ ہم تک صرف ایک قوم کے علوم وفنون کچھ پہنچ سکے ہین اور وہ خاص یونان والے ہین۔ وہ بھی محض اس وجہ سے کہ خلیفہ مامون نے خاص کوشش کرکے ان کی زبانون سے ان کے علوم کو نکلوایا اور اپنے اقتدار سے بہ کثرت مترجم اس کام کے لئے مقرر کئے اور اس کے لئے اپنے خزانون کے منہ کھول دیئے مگر ان یونانیون کے علاوہ جو قومیں سابق ہین گزر گئین ان کے علوم سے کوئی چیز بھی ہم کو معلوم نہ ہوسکی (مقدمہ ابن خلدون مطبوعہ مصر صفحہ ۳۷) پھر ممدوح ہی تحریر فرماتے ہین۔

واما الفرس فکان شان ہذہ العلوم العقلیۃ عندھم عظیما ولطافتھا متسعا لما کانت علیہ دولتہم من الضخامۃ واتصال الملک ولقد یقال ان ھذہ العلوم انما وصلت الی یونان منھم حین قتل الاسکندر واراد غلب علی مملکۃ الکینیۃ فاستولی علی کتبھم وعلومھم ما لا یاخذہ الحصر والعد فمحت ارض فارس ووجد وا فیھا کتبا کثیرۃ کتب سعد ابن ابی وقاص الی عمر بن الخطاب یستاذنہ

فی شانھا وتلقینھا للمسلمین فکتب الیہ عمر ان اطرحوھا فی الماء فان یکن ما فیھا ھدی فقد ھدانا اللہ باھدیٰ منھا وان یکن ضلالا فقد کفانا اللہ فطرحوھا فی الماء او فی النار وذھبت علوم الفرس فیھا عن ان تحصل لنا ایرانی قوم کی علمی برقیوں کو کیونکر بیان کیا جائے۔ علوم عقلیہ میں ان کا درجہ بہت عظیم الشان اور اُن کا دائرہ تحقیق وحلقۂ اطلاع بہت ہی وسیع ہو گیا تھا کیونکہ ان کی سلطنت بہت بڑی اور ان کا ملک متصل تھا۔ ان کی علمی عظمت وجلالت کی یہ حد پہنچی تھی کہ لوگ یہاں تک کہتے تھے کہ یونان میں جس قدر عقلی علوم شائع ہو گئے تھے سب ایرانیوں ہی سے پہنچے تھے۔ اس طرح کہ جب سکندر نے دارا کو قتل کر کے کیانی سلطنت پر قبضہ کر لیا تو ان کی کتابیں اور علمی خزانے اس کثرت سے اس کے ہاتھ آئے جن کی حد بیان ہی نہیں ہو سکتی اور جن کا شمار اختیار سے باہر تھا۔ اور جب مسلمانوں نے ملک فارس وایران کو فتح کیا اور اس میں نہایت کثرت سے کتابیں بھی پائیں تو حضرت سعد بن ابی وقاص (صحابی رسول) نے حضرت عمر بن الخطاب کو خط لکھ کر اُن سے دریافت کیا کہ ان کتب خانوں کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں۔ اگر کہیں تو یہ علوم مسلمانوں کو سکھائے جائیں۔ مگر حضرت عمر نے ان کو لکھ بھیجا کہ اُن سب علمی ذخیروں کو دریاؤں میں ڈال کر تباہ وبرباد کر دو کیونکہ اگر ان کتابوں میں ہدایت کی باتیں لکھی ہیں تو خدا نے ان سب سے زیادہ ہدایت کی کتاب (قرآن مجید) سے ہم لوگوں کی ہدایت کر دی ہے۔ اور اگر ان میں گمراہی کی باتیں ہیں تو خدا نے ہم لوگوں کی کفایت کر لی اور اُن سب سے ہم لوگوں کو محفوظ رکھ لیا ہے اس حکم کی پوری تعمیل کی گئی اور کل کتب خانے دریاؤں میں یا آگ میں جھونک دیئے گئے اور اس طرح ایرانیوں کے کل علوم وفنون ضائع وبرباد ہو گئے اور ہم لوگوں تک ان کا کوئی حصہ بھی نہیں پہنچ سکا۔ (مقدمہ ابن خلدون صـ ۴۵۴) ایرانی کتب خانوں کے اس طرح ضائع وبرباد کر دینے کا ذکر متعدد عربی اور فارسی تاریخوں میں موجود ہے مگر چونکہ اس زمانہ میں علامہ ابن خلدون کی تاریخ کل عربی وفارسی تاریخوں سے زیادہ معتبر مانی جاتی ہے یہاں تک کہ خود مولوی شبلی صاحب نے آخری زمانہ کے مورخوں پر کچھ اعتراضات کرنے کے بعد لکھا ہے "لیکن اس عام نکتہ چینی میں ابن خلدون کا نام شامل نہیں ہے۔ اُس نے فلسفۂ تاریخ کا فن ایجاد کیا اور اس پر نہ صرف متاخرین بلکہ مسلمانوں کی کل قوم ناز کر سکتی ہے۔ اسی طرح اُس کا شاگرد علامہ مقریزی بھی نکتہ چینی کی بجائے مدح وستائش کا مستحق ہے اخیر اخیر میں ابن خلدون نے فلسفہ تاریخ کی بنیاد ڈالی اور اس کے اصول وآئین منضبط کئے البتہ علامہ ابن خلدون نے جو آٹھویں صدی ہجری میں گذرا ہے جب فلسفہ تاریخ کی بنیاد ڈالی تو درایہ کے اصول نہایت نکتہ سنجی اور باریک

Marfat.com

بینی کے ساتھ مرتب کئے (الفاروق ص۱۴) اس وجہ سے ایرانی کتب خانون کو برباد کرنے کے متعلق بھی صرف علامہ موصوف ہی کے بیان پر اکتفار کرنا مناسب معلوم ہوا - اب کتب خانہ اسکندریہ کے متعلق فیصلہ کرنا بھی آسان ہے کہ جب حضرت عمر نے ایران کے کتب خانون کو یقیناً مٹا دیا ضائع و برباد کرادیا تو اسکندریہ کے کتب خانون کو کیونکر چھوڑ سکتے تھے ایسی صورت مین تو آپ پر اعتراض اور زیادہ سنگین ہوجائیگا کہ کیون ایران کے کتب خانون کو فنا کرادیا اور کیون اسکندریہ کے کتب خانون کو بچا لیا - ہدایتہ گمراہی کا جوارشاد ایرانی کتب خانون کے متعلق ہے بالکل یہی کتب خانہ اسکندریہ کے متعلق بھی ہے -

نوان باب

حضرت عمر کے ذاتی حالات، ایمان، ورع، تقوی، تقدس، عبادات، علم وفہم وغیرہ

بے تکلفی حضرت عمر مین جس قدر خوبیان تھین اُن کا بیان آسان نہین - جو بات آپ کے ذہن مین آتی اُس کے ظاہر کردینے مین کبھی تامل نہین کرتے تھے - حذیفہ سے مدۃ العمر پوچھتے رہے کہ "رسولؐ نے مجھے منافق کہا ہے یا نہین؟ پھر خود ہی فرمادیا یا حذیفہ باللہ انا من المنافقین - اے حذیفہ خدا کی قسم مین بھی منافق ہون (میزان الاعتدال جلد ۱ ص۳۲۶ وغیرہ) اگر کوئی دوسرا شخص ہوتا اور اُسکو اُس کا بیٹا یا کوئی گہرا دوست بھی کہہ دیتا کہ "تم منافق ہو" تو غالبًا وہ اُس کی جان لینے پر آمادہ ہوجاتا مگر یہ حضرت عمر کی بے تکلفی تھی کہ آپ نے خدا کی قسم کھاکر کہہ دیا "مین منافق ہون"۔ اور تنہائی مین بھی نہیں بلکہ حضرت رسولخدا صلعم کے رازدار معزز صحابی کے سامنے آپ نے اس کا اعتراف کرلیا۔

تجارت کا شوق قال النخعی کان عمر یجر وھو خلیفۃ جناب نخعی بیان کرتے تھے کہ حضرت عمر جب خلیفہ تھے تب بھی تجارت کرتے تھے (تاریخ الخلفار ص۸۸) مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا - خلافۃ کے چند برس بعد اُنھون نے صحابہ کی خدمت میں مصارف ضروری کے لئے درخواست کی اس پر اس قدر تنخواہ مقرر ہوگئی جو معمولی خوراک اور لباس کے لئے کافی ہو سنہ ۱۵ھ مین جب تمام لوگون کے روزینے مقرر ہوئے تو اور اکابر صحابہ کے ساتھ ان کے بھی پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر ہوگئے - مدینہ پہنچکر اول اول زراعت بھی کی تھی (الفاروق جلد ۲ ص۲۹۸) ظاہر ہے کہ تجارت اور زراعت سے کافی نفع بھی حاصل ہوتا ہوگا - اور آپ کو خلافۃ سے مشاہرہ لینے کی

Marfat.com

ضرورت نہ تھی درصورتے کہ حضرت رسول خداؐ نے اپنی کوئی تنخواہ نہین مقرر کی تھی۔ نہ پانچ ہزار درہم سالانہ نہ سو درہم سالانہ حضرت رسولخداؐ کو جناب سیدہ و امام حسنؑ و حسینؑ سے جو محبت تھی دنیا جانتی ہے اور حضرت رسول اور اہلبیت برابر فاقہ بھی کرتے تھے مگر حضرت رسولؐ نے اپنی اولاد کی بھی کوئی تنخواہ نہیں مقرر کی حالانکہ جہادوں سے بہ کثرت مال آیا کرتا تھا۔ لیکن حضرت عمر باوجود ان سب باتون کے مسلمانون کی کی گاڑہی کمائی سے پانچ ہزار سالانہ وصول کرتے تھے۔ مگر معلوم نہین یہ سب کیا ہوجاتا تھا کہ انتقال کے وقت بیت المال کا ۸۶ ہزار آپ کے ذمہ نکلا۔ دوسرے الفاظ مین یہ ہے کہ زراعت اور تجارت کے منافع اور پانچ ہزار سالانہ روزینے کے علاوہ آپ آٹھ ہزار چھ سو سالانہ کی رقم بیت المال سے بھی اپنی ذات مین خرچ کر ڈالتے تھے۔ مورخین اسلام پر یہ بڑا الزام ہے کہ انھون نے حضرت عمر کے اس بے حد و حساب خرچ کی صورتون کا پتا نہین لگایا اور اپنی کتابون کو اس ضروری تحقیق سے محروم رکھا۔

شراب پینے سے توبہ حضرت عمر نے شراب پینے سے توبہ کرلی تھی جس کی تفصیل علماء و محدثین نے اس طرح لکھی ہے فنزل قولہ تعالے یا ایھا الذین آمنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتے تعلموا ما تقولون فشربھا من شربھا من المسلمین و ترکھا من ترکھا حتے شربھا عمرؓ فاخذ بلحے بعیر و شج بہ راس عبدالرحمن بن عوف ثم قعد ینوح علی قتلے بدر بشعر الاسود بن یعفر یقول وکاین بالقلیب قلیب بدر۔ من الفتیان والعرب الکرام ایوعدنی ابو کبشۃ ان سنحیا۔ وکیف حیوۃ اصداء وھام۔ ایعجز ان یرد الموت عنی۔ وینشری اذا بلیت عظامی۔ الا من مبلغ الرحمان عنی۔ بانی تارک شھر الصیام۔ فقل للہ یمنعنی شرابی۔ وقل للہ یمنعنی طعامی۔ فبلغ ذلک رسول اللہؐ فخرج مغضبا یجر ردائہ فرفع شیئا کان فی یدہ فضربہ بہ۔ فقال اعوذ باللہ من غضبہ وغضب رسولہ۔ فانزل اللہ تعالے انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلاۃ فھل انتم منتھون۔ فقال عمر رضی اللہ عنہ انتھینا انتھینا خدا نے قران مجید میں شراب حرام کرنے کے لئے تین آیتین نازل کین۔ جب یہ آیتہ نازل ہوئی اے ایمان والو! تم نشہ کی حالت مین نماز کے پاس بھی نہ جایا کرو یہان تک کہ تمہاری وہ حالت ہوجائے جو پہلے تھی کہ جو کہو اُس کو سمجھو۔ تب بھی مسلمانون سے کچھ لوگون نے شراب پی اور کچھ نے چھوڑ دی یہان تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی شراب پی اور نشہ میں ایک اونٹ کی ہڈی اٹھا کر لگے اُس سے عبدالرحمن بن عوف کو پیٹنے پھر بیٹھ کر غزوہ بدر کے مقتولون پر

Marfat.com

اسود بن یغفر کا نوحہ پڑھنے لگے جس کا مطلب یہ ہے ہائے بدر کے کنویں میں عرب کے معززین اور جوانوں کی کتنی لاشیں ڈال دی گئیں کیا کبشہ کا بیٹا ہم لوگوں کو اس بات سے ڈراتا ہے کہ ہم دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔ حالانکہ ہڈیاں سڑے ہوئے دماغوں اور کھوپڑیوں کی زندگی دوبارہ کیسے ہو سکتی ہے خدا اس بات سے تو عاجز ہے کہ جب ہمارے موت آئے تو اس کو ٹال دے، پھر جب ہماری ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تب انہیں کیسے دوبارہ قبروں سے اٹھا سکتا ہے؟ (یعنی جب اس وقت وہ ہماری موت کو ٹال نہیں سکتا ہو قیامت میں دوبارہ زندہ کیسے کر دے گا!) ہے کوئی جو خدا تک میرا پیغام پہنچا دے کہ میں ماہ رمضان کے روزے نہیں رکھونگا؟ اب وہ خدا سے کہہ دے کہ اگر اس کے بس میں ہو تو میری شراب کو روک تو دے۔ اور خدا سے یہ بھی کہہ دے کہ وہ میرے کھانے کو بھی تو روک دے (یعنی میں نہ روزہ۔ کھوں گا نہ شراب اور طعام چھوڑوں گا۔ اگر خدا میں اس کے روکنے کی طاقت ہے تو مجھے روک کر اپنی قدرت دکھا دے) حضرت عمرؓ کی اس حالت کی خبر حضرت رسول خدا کو ہو گئی تو اس غیظ و غضب میں برآمد ہوئے کہ حضور کی ردا زمین پر لٹکتی تھی اور حضرت کے ہاتھ میں جو چیز تھی اس سے حضرت عمر کو پیٹنے لگے۔ اس پر حضرت عمر نے کہا میں اللہ اور اس کے رسول کے غضب سے پناہ مانگتا ہوں اسی واقعہ کے بارے میں اللہ نے یہ آیتہ نازل کی کہ شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے میں تم لوگوں کے درمیان دشمنی اور فتنہ پیدا کرے اور تم لوگوں کو اللہ کے ذکر اور نماز سے باز رکھے۔ اب بتاؤ تم لوگ اپنی اس عادت سے باز آؤ گے یا نہیں؟ حضرت عمر نے کہا ہم باز آئے۔ (کتاب مستطرف جلد ۲ صفحہ ۲۱۵) اور علامہ سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے ثم نزلت المرابعۃ التی فی المائدۃ فقال عمر بن الخطاب انتھینا یا ربنا۔ پھر چوتھی آیتہ وہ نازل ہوئی جو سورہ مائدہ میں ہے اس پر حضرت عمر نے کہا اے پروردگار اب شراب پینے سے ہم باز آئے (در منثور جلد ۲ صفحہ ۳۱۵) مگر نبیذ کے بارے میں ہے کہ آپ کو بہت پسند تھی جب آپ زخمی ہوئے تو لوگوں نے آپ کے علاج کے لیئے طبیب کو بلایا، اس نے پوچھا ای الشراب احب الیک قال النبیذ فسقے نبیذ فخرج من بعض طعانہ۔ آپ کو پینے کی چیزوں میں سب سے زیادہ کیا چیز پسند ہے؟ فرمایا نبیذ۔ اس پر آپ کو فوراً نبیذ پلائی گئی مگر وہ آپ کے زخموں کی راہ سے نکل گئی

لہ غزوہ بدر میں جو کفار مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے ان کو آنحضرتؐ نے ایک کنویں میں ڈلوا دیا تھا ۱۲ سہ ابو کبشہ ایک شخص تھا جس نے بتوں کی پرستش میں قریش کی مخالفت کی اور شعرائے ستارے کا پوجا شروع کیا تو آنحضرتؐ کو جو دین میں قریش کے مخالف تھے اس سے تشبیہ دی۔ بہرحال تحقیر کی راہ سے آنحضرت صلعم کو ابو کبشہ کا بیٹا کہا (انوار اللغۃ پارہ ۷ صفحہ ۹) ۱۲ منہ

Marfat.com

(ریاض نضرہ جلد ۲ صفحہ ۷۲) اور نبیذ کے متعلق مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "بزم عیش مین وہ (خلیفہ مامون) رندانہ وضع سے بیٹھا ہے، بے تکلف اور رنگین طبع احباب جمع ہیں پری پیکر نازنینون کا جھرمٹ ہے، دور شراب چل رہا ہے۔ ساز چھیڑا جا رہا ہے۔ گل اندام کنیزین نغمہ سرا ہیں۔ یاران باصفا بدمست ہوتے جاتے ہیں۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ آزادی، حوصلہ مندی، لطافت طبع، جوش شباب ہمیشہ زہد کی حکومت سے باغی رہتے آئے ہیں۔ مامون کی تخصیص نہین۔ اُس وقت اسلامی سوسائٹیاں عموماً اس رنگ میں ڈوبی ہوئی تھین۔ مسلمانوں کو اُس عہد مین امن، فراغ، اطمینان زر و مال سب کچھ میسر تھا۔ پھر کیا چیز تھی جو اُن کو زندگی کے پرخط مقاصد سے روک سکتی۔ ایک مذہب البتہ در انداز ہو سکتا تھا لیکن جدت پسند طبیعتین اُس کو بھی کھینچ تان کر اپنے ڈھب کا بنا لیتی تھین۔ شراب کی جگہ نبیذ (کھجور کی تاڑی) موجود تھی جس کو عموماً عراق کے مذہبی پیشواؤن سے حلت کی سند مل چکی تھی"۔ (المامون صفحہ ۲۲۲) حضرت رسولخدا پر ہم لوگوں کی روحیں فدا ہوں کہ ان تمام باتون کی پیشگوئیان پہلے ہی کر دی تھین جو بعد کو حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوتی رہیں۔ نبیذ اور شراب کے متعلق بھی حضور نے فرما دیا تھا۔ علامہ سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے عن عائشۃ عن رسول اللہ قال ستکون من بعدی ولاۃ یستحلون الخمر بالنبیذ والبخس بالصدقۃ والسحت بالھدیۃ والقتل بالموعظۃ حضرت عائشہ بیان کرتی تھین کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا بہت جلد میرے بعد مسلمانون پر ایسے لوگ حکومت کرنے لگین گے جو نبیذ کے بہانے سے شراب کو صدقہ کے بہانے سے ناجائز مالوں کو، ہدیہ و تحفہ کے بہانے سے رشوت کو اور پند و نصیحت کے بہانے سے قتل کو حلال سمجھ لین گے (در منثور جلد ۶ صفحہ ۲۸۴)

حضرت عمر کا ہاتھ کھول کر نماز پڑہنا

مسلمانوں میں اس امر کے متعلق شدید اختلاف ہے کہ نماز مین ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا چاہیئے یا ہاتھ کھول کر مگر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر ہاتھ کھول کر ہی نماز پڑہتے تھے۔ محدثین نے لکھا ہے کان عمر بن الخطاب یقتل القملۃ فی الصلوۃ حتی یظھر دمھا علی یدہ حضرت عمر نماز مین اس کثرت سے جوئیں مارا کرتے تھے کرتے تھے کہ اُن جوؤن کا خون آپ کے ہاتھ میں ظاہر ہو جایا کرتا تھا (کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۲۳۴) روایت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ممدوح اپنے سر کی جوئیں مارا کرتے تھے یا کپڑوں کی۔ تو یہی ماننا پڑے گا کہ دونون ہی جگہ کی جوئیں مارا کرتے اس سے معلوم ہوا کہ آپ اپنی نمازون مین دو چار جوئین نہیں مارتے تھے کہ اس سے ہاتھوں مین خون ظاہر نہین ہو سکتا بلکہ سیکڑون جوئین مارا کرتے تھے جن سب کا خون اس قدر ہوتا کہ نمایان ہو جاتا تھا۔ یہ سب قول اس امر کی دلیل ہے کہ آپ برابر ہاتھ کھول کر نماز پڑہتے تھے۔ اگر ہاتھ باندھ کر نماز پڑہتے

Marfat.com

تو اس کثرت سے سر کے بالوں اور بدن کے کپڑون سے جوئیں نکالتے کیونکر اور اُن سب کو مارتے کس طرح کیا کوئی شخص ہاتھ باندہ کر نماز پڑہنے میں بھی اس کثرت سے جوئیں مار سکتا ہے؟

حضرت عمر کی عفہ کی متعلق زوجہ محترمہ کا شک و شبہہ

علامہ سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے عن جابر بن عبداللہ انہ جاء الی عمر یشکو الیہ ما یلقی من النساء فقال عمر انا لنجد ذلک حتے انی لارید الحاجۃ فتقول لی ما تذھب الا الی فتیات بنی فلان تنظر الیھن جناب جابر بن عبداللہ نے حضرت عمر کے پاس آکر عورتون کی کچھ شکایتین کین۔ تو آپ نے فرمایا ہان مجھ کو بھی ان مصیبتون کا سامنا رہتا ہے۔ میں رفع حاجت کے لئے کسی طرف چلا جاتا ہون تو میری گھر والی مجھ پر بھی نظر بازی کا الزام قائم کرتی اور کہتی ہین تم (اس بہانے سے گھر سے نکل کر) صرف فلان قبیلہ کی جوان لڑکیون کو گھورنے کے لئے جایا کرتے ہو (تاریخ الخلفاء صفحہ ۹۷)

آپ کا روزہ مین زوجہ سے جماع کرنا

علامہ مذکور وغیرہ ہی نے یہ بھی لکھا ہے قصتہ فی الصیام لما جامع زوجتہ بعد الانتباہ۔ روزون کے متعلق ایک قصہ جب حضرت عمر نے اپنی زوجہ سے جماع کیا انتباہ کے بعد (تاریخ الخلفاء صہ ۸۴) اس واقعہ کی تفصیل اس جگہ نہیں ہے۔ البتہ ممدوح کی تفسیر میں ہے فرجع عمر ابن الخطاب من عند النبیؐ ذات لیلۃ وقد سمر عندہ فوجد امرأتہ قد نامت فایقظھا وارادھا فقالت انی قد نمت فقال ما نمت ثم وقع فغدا عمر بن الخطاب الی النبیؐ فاخبرہ فانزل اللہ علم اللہ انکم کنتم تختانون انفسکم ایک رات کو حضرت عمر جناب رسولخدا صلعم کی خدمت میں رہ گئے جب گھر واپس آئے تو دیکھا کہ آپ کی زوجہ محترمہ خواب راحت میں پڑی ہوئی ہین۔ آپ نے ان کو جگا دیا اور اپنی خواہش بیان کی۔ وہ کہنے لگین (اُنہہ!!!) میں تو سو گئی تھی (اب یہ بات کیسے ... سکتی ہون) آپ نے جواب دیا تم سوئی تھین تو سویا کرو۔ مین تو ابھی نہین سویا تھا۔ یہ کہہ کر آپ ... غرض جب اپنا مطلب پورا کر لیا تو صبح کو جا کر حضرت رسولخدا صلعم سے خبر کر دی۔ اس پر یہ آیتہ نازل ہوئی کہ اللہ کو معلوم ہے تم لوگ اپنے نفسون کی خیانتہ کرتے ہو۔ بعض روایتوں میں حضرت عمر کے صرف سو کر اُٹھنے کے بعد ایسا کرنے کا بیان ہے۔ شب کا ذکر نہیں ہے وان عمر بن الخطاب بینما ھو نائم اذ سولت لہ نفسہ فاتے

لہ یاتی علے الناس زمان یستحل فیہ الربوا بالبیع والخمر بالنبیذ والبخس بالزکوۃ۔ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے جب سود کو بیع اور شراب کو نبیذ اور بخس کو زکوۃ کہہ کر حلال کر لین گے۔ ناجائز محصولات رعایا سے لے کر اسکو زکوۃ کہین گے۔" (انوار الفقہ پارہ ۲ صفحہ ۱۴)

Marfat.com

اہلہ ثم اتے رسول اللہؐ فقال یا رسول اللہ انی اعتذر الی اللہ والیک من نفسی ھذہ الخاطئۃ فانھا زینت لی فواقعت اہلی ہل تجد لی من رخصۃ قال لم تکن حقیقا بذلک یا عمر۔ حضرت عمر ایک دفعہ سور ہے تھے اتنے مین ان کے نفس نے ان کو ابھارا تو اپنی بی بی کے پاس پہنچ گئے۔ پھر حضرت رسو لخداؐ کی خدمت مین حاضر ہوئے اور کہا یا حضرت میں آپ سے اور خدا سے معذرت کرتا ہون کہ میرے اس خطا کار نفس نے میرے لیئے آراستہ کردیا تو میں اپنی بی بی۔۔۔ کیا حضور کو اس میں میرے لیئے اجازت کی کوئی صورت نظر آتی ہے؟ حضرتؐ نے فرمایا اے عمر تم کو یہ بات نہیں چاہیئے تھی۔ اس مضمون کی روائتین بہت کثرت سے ہیں (دیکھو تفسیر درمنثور جلد ۲ صـ ۱۹۷)

تورات سے آپکی دلچسپی

حضرت عمر کو توراۃ سے بڑی دلچسپی تھی۔ اس کے متعلق متعدد روائتین ہین مثلاً عن جابر ان عمر ابن الخطابؓ اتے رسول اللہ بنسخۃ من التوراۃ فقال یا رسول اللہ ہذہ نسخۃ من التوراۃ فسکت فجعل یقرء ووجہ رسول اللہؐ یتغیر فقال ابوبکر ثکلتک الثواکل ما تری ما بوجہ رسول اللہ فنظر عمر الی وجہ رسول اللہؐ فقال اعوذ باللہ من غضب اللہ وغضب رسولہ۔ رضینا باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمدؐ نبیاً فقال رسول اللہ والذی نفس محمد بیدہ لو بدا لکم موسیٰ فاتبعتموہ وترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ولو کان حیا وادرک نبوتی لاتبعنی۔ جناب جابر بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت عمر یہودیون کی کتاب توراۃ کا ایک نسخہ لئے ہوئے حضرت رسولخدا صلعم کے پاس پہنچے اور عرض کی اے رسول اللہ یہ کتاب توراۃ کا ایک نسخہ ہے۔ حضرت رسولؐ اس پر کچھ نہین بولے تو حضرت عمر نے اس کو وہیں پڑھنا بھی شروع کردیا۔ اس پر حضرت رسولخداؐ کا چہرۂ مبارک متغیر ہونے لگا تو حضرت ابوبکر نے اُن سے کہا اے عمر تم کو رونے والی عورتیں روئین پیٹین (یعنی تم دنیا سے نیست ونابود ہو جاؤ) دیکھتے نہین رسولخداؐ کے چہرے کی کیا حالت ہو رہی ہے۔ یہ سُن کر حضرت عمر نے آنحضرتؐ کے چہرے کی طرف نظر کی تو کہنے لگے میں اللہ اور اس کے رسول کے غضب سے اللہ ہی کی پناہ چاہتا ہوں۔ مین نے خوشی سے اللہ کو اپنا رب اور دین اسلام کو اپنا مذہب اور محمدؐ کو اپنا پیغمبر مان لیا۔ اس بات پر حضرت رسولخداؐ نے فرمایا اُس اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے (تجھے یقیناً معلوم ہے کہ) اگر آج حضرت موسیٰ پیغمبر تم لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جائیں تو تم لوگ (فوراً) اُنہیں کا مذہب اختیار کر لوگے اور مجھے چھوڑ کر یقیناً سیدھے راستہ سے گمراہ ہو جاؤ گے حالانکہ اگر حضرت موسیٰ زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے تو یقیناً وہ بھی میری ہی پیروی کرتے (مشکوۃ شریف برحاشیہ مرقاۃ مطبوعہ مصر جلد ۱ صـ ۲۱۵) صرف توراۃ نہین بلکہ

آپ کو اہل کتاب کی دوسری مذہبی کتابون کا بھی ایسا ہی شوق تھا۔ خود اُن کا قول سنو فقال انطلقت فانتسخت کتابا من اھل الکتاب ثم جئت بہ فی ادیم فقال لی رسول اللہ ما ہذا فی یدک یا عمر قلت یا رسول اللہ کتابا نسختہ لنزداد بہ علما الی علمنا فغضب رسول اللہؐ حتی احمرت وجنتاہ ثم نودی بالصلوٰۃ جامعۃ۔ فقالت الانصار اغضب نبیکم السلاح السلاح فجاؤا حتی احدقوا بمنبر رسول اللہ فقال یا ایھا الناس انی اعطیت جوامع الکلم وخواتیمہ واختصر لی اختصارا ولقد اتیتکم بھا بیضاء نقیۃ فلا تتھوکوا ولا یغرنکم المتھوکون قال عمر فقمت وقلت رضیت اللہ ربا وبالاسلام دینا وبک رسولا ثم نزل رسول اللہ حضرت عمر بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ مین نے اہل کتاب کی ایک کتاب کی نقل حاصل کی پھر اُس کو ایک چمڑے کی جلد میں رکھ کر حضرت رسولخداؐ کے پاس لایا حضرت نے دیکھ کر فرمایا اے عمر تمہارے ہاتھ میں یہ کیا چیز ہے؟ مین نے عرض کی اے رسولخداؐ ایک کتاب ہے جس کو مین نے اس غرض سے نقل کرا کے حاصل کیا ہے کہ اس کو پڑہ کر اپنے علم کو زیادہ کروں یہ سنتے ہی حضرت رسولخدا صلعم اس درجہ غضب ناک ہوئے کہ حضرت کے دونوں رخسارے سرخ ہو گئے۔ پھر فوراً منادی کرائی کہ لوگ نماز کے لیئے جمع ہوں۔ سب اکٹھے ہو گئے تو انصار نے کہا کیا تم لوگوں کے نبی غضب ناک ہو گئے ہین؟ اب فوراً اپنے ہتھیارون کو لیکر حضرت کی خدمت مین چلو سب انصار اپنے اپنے ہتھیار سنبھال کر رسول خدا کے پاس پہنچو۔ غرض سب آ گئے اور حضرت رسولؐ کے منبر کو گھیر لیا۔ تو حضرت نے فرمایا اے لوگوں مین جامع کلمے اور ختم کر دینے والی تعلیمین دیا گیا ہوں اور میرے لیئے یہ اچھی طرح مختصر کر دیا گیا ہے اور میں اس دین کو تمہارے پاس صاف ستھرا لایا ہوں۔ اب تم لوگ تہوک نہ کرو[1] اور تہوک کرنے والے تم لوگون کو دھوکہ فریب نہ دیں۔ حضرت عمر کہتے تھے کہ حضرت رسولؐ کی یہ حالت دیکھ کر مین کھڑا ہو گیا اور عرض کی مین نے خوشی سے اللہ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور آپ کو خدا کا رسول مان لیا۔ اس پر حضرت رسولخدا صلعم

---

[1] مولوی وحید الزمان خانصاحب نے لکھا ہے امتھوکون انتم کما تھوکت الیھود والنصاریٰ۔ تم بے پروا ہو کر ہلاکت مین جا پڑنے والے ہو جیسے یہود و نصاریٰ پڑ گئے۔ یا تم حیرت مین گرفتار ہو جانے والے ہو جیسے یہود و نصاریٰ اپنے دینی اعتقادات میں حیرت اور پریشانی میں گرفتار ہو گئے۔ یہ آنحضرتؐ نے حضرت عمر سے فرمایا جب وہ اہل کتاب کا ایک صحیفہ لا کر اُس کو پڑہ رہے تھے۔ ان عمر اتاہ بصحیفۃ اخذھا من بعض اھل الکتاب فغضب وقال امتھوکون فیھا یا ابن الخطاب۔ حضرت عمر ایک صحیفہ اہل کتاب سے لے کر آئے۔ اس کو آنحضرتؐ کے سامنے پڑہ رہے تھے۔ آپکو غصہ آ گیا فرمانے لگے خطاب کے بیٹے! کیا تم حیرت میں پڑا چاہتے ہو۔ دیکھو جو شریعت مین لایا ہون وہ نورانی سفید صاف ہے۔ اب اگلی شریعتون کی حاجت نہین رہی۔ اُس مین بہت سی باتین غلط لوگون نے ملا کر تمام خبط کر دیا ہے مترجم کہتا ہے ہمارے زمانہ مین اسلام کا حال بھی یہی ہو گیا ہے۔ یہود اور نصاریٰ سے زیادہ مسلمانون نے دین کو خراب کر دیا ہے (انوار اللغۃ پارہ ۲۷ صفحہ ۴۴)

Marfat.com

منبر پر سے اترآئے (ازالۃ الخفا، مقصد ۱ صـ۱۹۷) توراۃ وانجیل کو لاکھون مسلمان برابر پڑھتے ہیں اور انکو پڑھکر ان کتابون کے ماننے والے مذہبون سے ان کی نفرت زیادہ ہی ہوجاتی ہے اور وہ مذہب اسلام کی حقیقت کا اور زیادہ یقین کر لیتے ہین مگر حضرت عمر کے متعلق نہ معلوم کیا راز تھا کہ آنحضرت صلعم اس درجہ غضناک ہوئے اور فرمایا تم حیرت میں پڑا چاہتے ہو۔ پھر اسلام کی خوبیاں بیان فرماکر کوشش کی کہ حضرت عمر دین اسلام ہی پر باقی رہیں۔ ممکن ہے اسی وجہہ سے حضرت عمر بار بار حذیفہ سے اپنے ایمان کے متعلق سوال کرتے ہون۔ جناب شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے بھی لکھا ہے وکان عمرؓ یسال حذیفۃ عن حدیث العقبۃ ولیسالہ عن علامات النفاق ھل یری فیہ شیئا منھا۔ حضرت عمر برابر جناب حذیفہ سے عقبہ والی بات دریافت کیا کرتے اور اُن سے نفاق کی علامتین بھی پوچھا کرتے اور یہ بھی کہتے کہ بتاؤ۔ مجھ مین بھی نفاق کی علامتون سے کوئی علامت موجود ہے؟ (کتاب اسماء الرجال صـ۹۳)

حضرت ابوبکر اسلام کے باپ اور حضرت عمر اسلام کی ماں

علامہ سیوطی وغیرہ نے ایک مضمون لکھا ہے جس کا مطلب ہماری سمجھ میں نہین آتا۔ ناظرین سوانح عمری اس پر غور کرین۔ شاید کسی صاحب کے ذہن میں آجائے۔ وہ یہ ہے قال ابو اسامہ اتدرون من ابوبکر وعمر ھما ابوا الاسلام وامہ۔ ابو اسامہ کہتے تھے تم لوگ جانتے ہو حضرت ابوبکر وعمر کون تھے؟ وہ دونون اسلام کے باپ اور اُس کی ماں تھے (تاریخ الخلفاء صـ۸۳) اس کا دو مطلب ہوسکتا ہے کہ دونو بزرگ اسلام کے باپ بھی تھے اور ماں بھی۔ دوسرا یہ کہ حضرت ابوبکر اسلام کے صرف باپ تھے اور حضرت عمر اُس کے صرف ماں۔ مگر کسی معنے سے مقصود واضح نہین ہوتا اور تشبیہ سمجھ میں نہیں آتی ہے۔ اگر وہ دونوں ہی باپ ماں تھے تو اس کا مفہوم کیا ہوگا؟ کیا اُن دونون نے اسلام کو پیدا کیا؟ حالانکہ اسلام کا پیدا کرنے والا تو خدا اور اُس کی تبلیغ کرنے والے حضرت رسولخدا صلعم تھے۔ اور اگر یہ مطلب ہے کہ حضرت ابوبکر اسلام کے باپ اور حضرت عمر اس کی ماں تھے تب بھی دل کو اطمینان نہیں ہوتا۔ کس مناسبت سے حضرت اول اس کے باپ ہوجائین گے اور کس قصور پر حضرت عمر اس کی ماں بنائے جائین گے؟ اس سے تو ہمارے ہیرو کی بڑی توہین ہوجائے گی۔ تعجب ہے محدثین ومورخین نے اس کو اپنی کتابون مین لکھا کیون

فصاحت وبلاغت

آپ کا کلام بہت فصیح ہوتا اور تشبیہ واستعارات سے آپ بڑے بڑے کام نکالا کرتے تھے۔ جب مغیرہ پر زنا کا مقدمہ دائر ہوا اور آپ نے اس کے متعلق لوگون کی گواہی لی تو اصل فعل کے سمجھنے کے لیئے وہ جملہ اختیار کیا جس کا استعمال کسی کتاب سے نہین معلوم ہوتا کہ آپ کے پہلے کسی نے بھی کیا ہو جس کی وجہ سے کہنا پڑتا ہے کہ اس کی ایجاد آپ ہی نے کی فقال عمرؓ لاد اللہ

حتے تشھد نقد رایتہ تلج فیھا ولوج المرود فی المکحلۃ۔ جب گواہ نے کہا کہ ہاں اُنھون نے زنا کیا تو حضرت عمر بولے نہین خدا کی قسم مین نہیں مانون گا جبتک تم یہ نہ کہو کہ میں نے اس کو اُس میں اس طرح جاتے دیکھا جس طرح سلائی سرمہ دانی مین جاتی ہے۔ اور دوسرے گواہ سے کہا لا حتے تشھد انہ ولج فیھا ولوج المیل فی المکحلۃ۔ قرآن مجید مین خدا نے حکم دیا ہے کہ الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ۔ زنا کرنے والے مرد اور عورت ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو اور چار گواہوں کی شرط بھی ہے مگر کسی میں اُسکی تصریح نہیں ہے کہ گواہ اس طرح گواہی دے جس طرح حضرت عمر نے فرمایا حضرت رسولخداؐ کی حدیثین بھی اس کے متعلق بہت ہیں اور حضرت کے زمانہ میں بھی کچھ صحابہ کرام نے زنا کیا اور آنحضرت صلعم نے اُن لوگوں پر حد جاری کرنے کے لیئے گواہیاں طلب کیں۔ گواہوں نے بس یہی کہا کہ میں نے یہ فعل ہوتے دیکھا۔ نہ حضرت رسولؐ نے یہ جرح کی کہ اِس طرح یا اُس طرح دیکھا ہے یا نہیں اور نہ گواہوں نے اس قسم کی عبارتون میں کچھ بیان کیا۔ ممکن ہے لوگوں کی تہذیب اور رسولؐ کا ادب اُن کو ان باتون سے مانع ہوا ہو مگر حضرت عمر نے اِس اصول کو مقرر کیا کہ اِس طرح بیان ہونے کی ضرورت ہے اِس وجہ سے اس عنوان شہادۃ کو بھی آپ کے اولیات میں شمار کرنا چاہیئے۔

کھڑے کھڑے پیشاب کرنیکا فلسفہ

حضرت رسولخداؐ نے بیٹھکر پیشاب کرنے کا حکم دیا تھا اور خود بھی بیٹھ کر ہی فراغت کرتے تھے۔ رائے النبیؐ بال قاعدا۔ لوگون نے حضرت رسولخدا صلعم کو دیکھا کہ بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے۔ اگرچہ صحابہ کرام حضرت رسولؐ سے مسخراپن بھی کرتے لیکن حضرت کو اسکی پروا نہیں ہوتی تھی بال رسول اللہؐ جالسا فقلنا تبول کما تبول المرأۃ۔ حضرت رسولخدا صلعم بیٹھ کر پیشاب کرنے لگے تو ہم (صحابہ کرام) نے کہا اے رسولؐ آپ تو بالکل عورتوں کی طرح پیشاب کرتے ہین (کنز العمال جلد ۵ صـ۱۲۴) مگر حضرت عمر کھڑے کھڑے پیشاب کرتے تھے۔ عن زید بن وہب قال رأیت عمر بن الخطاب یبول قائماً۔ زید بن وہب بیان کرتے تھے کہ مین نے دیکھا حضرت عمر کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے۔ اِس کی وجہ آپ خود بیان کرتے تھے عن عمر قال البول قائما احصن للدبر والبول جالسا ارخے للدبر۔ بیٹھ کر پیشاب کرنے سے دبر ڈھیلی ہو جاتی ہے اور کھڑے کھڑے پیشاب کرنے سے دبر خوب کسی ہوئی رہتی ہے (کنز العمال جلد ۵ صـ۱۲۷) اس پر عمل کرنے کے لئے آپ نے اپنا خاص انتظام کر رکھا تھا ان عمر بن الخطاب کان لہ حجر او عظم فی حجر فی حائط فی مکان فکان یاتیہ فیبول فیہ ثم یمسحہ بذلک الحجر او بذلک العظم ثم یتوضأ وما یمسہ ماء۔ ایک مکان کی دیوار میں کوئی پتھر یا پتھر میں ہڈی (گڑی) تھی۔ حضرت عمر کا معمول تھا کہ اسی مکان میں آتے اور

Marfat.com

پیشاب کرکے اسی پتھر یا ہڈی سے رگڑ دیتے۔ غرض پانی چھوتے بھی نہیں تھے (کنز العمال جلد ۵ صـ۱۴۷)

فتنوں سے پناہ نہ مانگنے کی تاکید

ہر شخص فتنہ و فساد سے پناہ مانگتا ہے مگر حضرت عمرؓ نے اس میں کیسا خوبصورت معنے پیدا کر دیا "انہ سمع رجلا یتعوذ من الفتن فقال التسأل ربک ان لا یرزقک اهلا ولا مالا۔ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ سنا کوئی شخص فتنہ و فساد سے خدا کی پناہ مانگ رہا ہے۔ تو اس سے فرمانے لگے کیا تو اپنے پروردگار سے چاہتا ہے کہ وہ تجھ کو مال اور اولاد نہ دے؟ کیونکہ مال اور اولاد کو بھی فتنہ کہتے ہیں"۔ (انوار اللغۃ پارہ ۲۰ صـ۱۳) ظاہر ہے کہ وہ شخص تو اولاد اور مال سے پناہ نہیں مانگ سکتا تھا۔ اور فتنہ و فساد سے پناہ مانگنا ہر امن پسند و انصاف دوست آدمی کا معمول ہے۔ حدیثیں بھی اس مضمون کی کثرت سے ہیں۔ خدا نے بھی قرآن مجید میں فرمایا ہے حضرت ابراہیمؑ پیغمبر دعا فرماتے تھے۔ ربنا لا تجعلنا فتنۃ۔ اے پالنے والے تو ہمیں فتنہ نہ قرار دے (پارہ ۲۸ ع ۷) مگر حضرت عمرؓ کا اجتہاد سب سے بڑھا ہوا اور بہت قابل قدر ہوتا تھا۔

ایک عورت کی شکایت کا قصہ

ایک عورت حضرت عمرؓ کے پاس آکر شکایت کرنے لگی کہ اس کا شوہر رات بھر عبادت کرتا اور دن بھر روزہ رکھتا ہے۔ یہ سنکر حضرت عمرؓ نے کہا واہ واہ۔ تو نے اپنے شوہر کی اچھی مدح کی۔ کعب بن سوار بولے حضور عالی! وہ اپنے شوہر کی تعریف کرنے نہیں آئی۔ بلکہ اس کی شکایت اور آپ سے فریاد کرتی ہے کہ وہ شخص اس عورت کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ حضرت عمرؓ نے کہا تم خوب سمجھے۔ اچھا اب تم ہی اس کا فیصلہ بھی کر دو۔ انھوں نے کہا اس کے شوہر کو چار عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اس حساب سے ہر چوتھا دن اور ہر چوتھی رات اس عورت کو ملنی چاہیئے۔ باقی دن اور رات میں وہ جو چاہے کرے۔ (تاریخ الخلفاء صـ۹۳)

آپ کا لقب امیر المومنین کس نے رکھدیا تھا؟۔

آپ کا یہ لقب عدی بن حاتم اور لبید بن ربیعہ نے رکھا۔ اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہ نے رکھ دیا (تاریخ الخلفاء صـ۹۴) [1]

---

[1] خدا و رسول نے تو یہ لقب بھی حضرت علیؑ ہی کو دیا تھا۔ جناب عبداللہ بن عباس کہتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت رسولؐ جناب عائشہ کے پاس تھے۔ وہیں جناب امیرؑ پہونچے اور بیٹھ گئے۔ حضرت عائشہ جھنجھلا کر بولیں کیا میری ران پر بیٹھنے کے سوائے آپ کے لئے کوئی جگہ ہی نہیں تھی؟ یہ سنکر سرور عالمؐ نے بی بی عائشہ کی

حضرت عمر بھی غالباً اس کو محسوس کرتے تھے کہ آپ کو یہ لقب کہاں تک زیب دیتا ہے۔ انس کہتے تھے کہ میں نے حضرت عمر کو دیوار کے پیچھے سے یہ کہتے ہوئے سنا اے عمر! تو اور امیر المومنین!! ذرہ منہ تو دھو ڈال۔ ذرہ خدا سے ڈرا کر ورنہ تجھ کو سخت عذاب ہوگا (تاریخ الخلفاء ص۸۸) علامہ ابن عبد ربہ نے اسکے متعلق ایک عورت کی حیرت انگیز گفتگو بھی لکھی ہے جو دلچسپی سے خالی نہیں ہو سکتی۔ خرج عمر بن الخطابؓ ویدہ علی المعلی بن جارود العبدی فلقیتہ امرأۃ من قریش فقالت لہ یا عمر فوقف لہا۔ فقالت کنا نعرفک مدۃ عمیرا۔ ثم صرت من بعد عمیر عمر۔ ثم صرت من بعد عمر امیر المومنین فاتق اللہ یا ابن الخطاب۔ ایک دفعہ حضرت عمر اس شان سے برآمد ہوئے کہ اپنا ہاتھ معلے بن جارود عبدی پر رکھے تھے۔ راہ میں قریش کی ایک عورت نے آپ کو دیکھ لیا تو پکار کر کہا اے عمر! ہم لوگ مدت دراز تک تم کو عمیر جانتے

(بقیہ حاشیہ ص۴۹۷) پشت پر ہاتھ سے مار کر کہا لا تؤذینی فی اخی فانہ امیر المومنین وسید المسلمین وقائد الغر المحجلین یوم القیامۃ۔ یقعد علی الصراط فیدخل اولیائہ فی الجنۃ واعدائہ فی النار۔ چپ رہو!! میرے بھائی کے بارے میں اس قسم کی باتوں سے مجھے اذیت نہ دو۔ یہی امیر المومنین (ایمان والوں کے رہبر) سید المسلمین (مسلمانوں کے سردار) اور سفید ہاتھ منہ والوں کے پیشوا ہیں۔ قیامۃ کے روز یہ پل صراط پر بیٹھینگے اور اپنے دوستوں کو بہشت میں اور دشمنوں کو دوزخ میں داخل کرینگے (ارجح المطالب ص۱۶)۔ عرش کے نیچے لکھا ہے علی ابن ابیطالب امیر المومنین یعنی حضرت علی ابن ابیطالب ہی امیر المومنین ہیں۔ لو علم الناس ان علیا متی سمی امیر المومنین ما انکروا فضلہ وسمی امیر المومنین وآدم بین الروح والجسد۔ حذیفہ کہتے تھے کہ رسولخداؐ نے فرمایا اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ علی کب سے امیر المومنین مقرر کئے گئے ہیں تو کبھی ان کی فضیلت سے انکار نہ کریں۔ وہ اس وقت امیر المومنین کے لقب سے سرفراز ہوئے جب حضرت آدم روح وجسم کے درمیان تھے۔ (مودۃ القربیٰ مودۃ رابعہ وینابیع المودۃ ص۲۴۰) "حضرت علی کو امیر المومنین کہا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے اُن کا یہ نام رکھا ہے" (انوار اللغۃ پارہ ۱ ص۴۷) حضرت علی کی نسبت یہ بھی فرمایا ولا اراکم فاعلین۔ میں نہیں سمجھتا کہ تم علی کو خلیفہ بناؤ گے کیونکہ آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ صحابہ آپ کے متصل ہی انکو خلیفہ نہیں بنانے کے" (انوار اللغۃ پ۱ ص۴۷)۔ مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "حضرت عمر نے اپنے لئے امیر المومنین کا پُر فخر لقب کیوں ایجاد کیا... لبید اور عدی مدینہ میں آئے اور کہا امیر المومنین کو ہمارے

Marfat.com

تھے۔[۱] مگر کچھ دنوں بعد تم عمر بن گئے۔ پھر عمر ہونے کے کچھ دنوں بعد تم امیر المومنین بن بیٹھے۔ اب اے خطاب کے بیٹے اللہ سے ڈر اکرو (عقد فرید جلد ۱ ص۱۸۵) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر خود ہی عمیر سے عمر بنے اور آپ ہی امیر المومنین بھی بن گئے نہ خدا نے آپ کو یہ لقب دیا نہ رسول نے اور نہ عام مسلمانوں نے۔ اسلئے کہ اگر اہل اسلام نے آپ کو یہ خطاب عطا کیا ہوتا تو حضرت عمر یا معلے بن جارود اس عورت کو سمجھا دیتے کہ تو کیا کہتی ہے۔ آپ خود سے امیر المومنین نہیں بنے لیکن دونوں بزرگوں نے اس دعویٰ کو تسلیم کر لیا۔

آپ کی صاف بیانی | موصوف اپنی گزشتہ حالت صاف بیان کر دیتے تھے۔ مولوی وحید الزمان خانصاحب حیدر آبادی نے لکھا ہے "حضرت عمر جاہلیت کے زمانہ میں اپنے افلاس کا حال بیان کرتے ہیں کہ میں اور میری ایک بہن دونوں ایک اونٹ چرانے کو نکلے اور ہماری ماں نے ہم کو ایک بے نیفہ کا پاجامہ اپنا پہنا دیا تھا اور دو مٹھیاں اندرائن کی ہم کو ہر روز دیا کرتیں۔ یہ ہمارا توشہ تھا۔ سبحان اللہ یا تو یہ محتاجی اور مفلسی تھی یا آنحضرتؐ کے طفیل سے حضرت عمر عرب، روم، ایران، مصر، شام، عراق کی ولایتوں کے حاکم بن گئے۔ یہ سب اسلام کی برکت تھی"۔ (انوار اللغۃ پارہ ۲۸ ص۲)

آپ کی دو تمنائیں | آپ نے ایک تنکا زمین سے اٹھا کر فرمایا کاش میں تنکا ہوتا اور میری ماں مجھے نہ جنی ہوتی کاش میں نسیاً منسیاً ہو جاتا (تاریخ الخلفاء ص۸۵)۔ حضرت ابوبکر فرماتے تھے۔ کاش میں سڑک کے کنارے ایک درخت ہوتا اور کوئی اونٹ آکر مجھے چبا جاتا اور نگل جاتا پھر مجھے مینگنی بنا کر پھینک دیتا مگر میں آدمی نہ ہوتا۔ اور حضرت عمر کہتے کاش میں دنبہ ہوتا اور مجھے بالکر

(بقیہ حاشیہ ص۱۹۸) آنے کی اطلاع کر دو۔۔ حضرت عمر نے بھی اس لقب کو پسند کیا اور اسی تاریخ سے اس کو شہرت عام ہو گئی"۔ (الفاروق ص۱۸۳ جلد ۲) ۱۲

حاشیہ صفحہ ہذا[۱] عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی شخص بہت حقیر اور ذلیل ہوتا ہے تو اس کے نام کو تصغیر کر کے اسے پکارتے ہیں۔ عمیر بھی عمر کی تصغیر ہے۔ اس عورت کا مطلب یہ تھا کہ تم مدت دراز تک اتنے حقیر اور ذلیل تھے کہ لوگ تم کو بجائے عمر کے عمیر پکارا کرتے اور ہر شخص تمہارا نام یہی جانتا تھا۔ یہ بعید نہیں کہ ممکن اس عورت نے حضرت عمر سے ایسی طعن آمیز باتیں کیوں کیں اور آپ کی ابتدائی حالت کیوں یاد دلائی ۱۲

ایسا موٹا کیا جاتا کہ لوگ مجھے دیکھنے آیا کرتے۔ پھر مجھے ذبح کر ڈالتے اور میرے گوشت کا قیمہ کر دیتے اور کچھ حصہ کا شوربا پکا کر کھا جاتے مگر میں انسان نہ ہوتا (تاریخ الخلفاء ص۹۷)۔

آپ کی تلوار | بہت مشہور ہے۔ جب کوئی امر ناگوار ہوتا فوراً کھینچ لیتے۔ آپ کی بہن اور بہنوئی مسلمان ہوئے تو آپ وہاں پہونچے۔ بہنوئی سے چمٹ گئے، دونوں میں خوب مار پیٹ ہوئی۔ آپ بہنوئی کی چھاتی پر چڑھ بیٹھے اور خنجر نکال لیا۔ بہن مانع ہوئی تو ایسا گھونسا مارا کہ خون بہنے لگا۔ (الفاروق ص۳۳)۔ ایک دفعہ حضرت رسولؐ نے ناراض ہو کر ازواج کو چھوڑ دیا تو حضرت عمر نے آکر کہلایا "شاید رسولؐ کو یہ گمان ہے کہ میں اپنی بیٹی حفصہ کی سفارش کرنے آیا ہوں۔ خدا کی قسم اگر رسولؐ حکم دیں تو میں حفصہ کی گردن مار دوں"۔ (الفاروق ص۹۰) غزوہ بدر میں قیدی کفار کے متعلق بحث چھڑی کہ کیا سلوک کیا جائے۔ حضرت عمر بولے سب قتل کر دیئے جائیں (تاریخ کامل جلد ۲ ص۵۱ وغیرہ) غزوۂ بنی مصطلق سے واپس ہوتے ہوئے عبداللہ بن ابی منافق نے مہاجرین و انصار میں فساد بڑھا دیا۔ رسولؐ نے صبر فرمایا۔ مگر حضرت عمر بولے اگر حکم ہو تو اس منافق کو قتل کر دوں۔ رسولؐ نے فرمایا ایسا مناسب نہیں (حمیس جلد ۱ ص۳۵۲)۔ رسولؐ نے فتح مکہ کا سامان شروع کیا تو حاطب نے حضرت کے بھید سے قریش کو خبر کر دینا چاہا۔ حضرت پر یہ راز کھل گیا۔ وہ بلایا گیا تو اس نے اقرار کر لیا اور معقول عذر بیان کیا مگر حضرت عمرؓ اس کے قتل پر آمادہ ہو گئے لیکن رسولؐ نے معاف کر دیا (حمیس جلد ۲ ص۸۸)۔ جب حضرت مکہ کو چلے ادھر سے ابوسفیان آتا تھا۔ حضرت عباس نے کہا چل تجھ کو امان دلا دوں ابوسفیان ساتھ ہو لیا۔ راہ میں حضرت عمر نے دیکھ لیا۔ تیزی سے بڑھے اور رسولؐ سے کہا مدتوں بعد اس دشمن پر قابو ملا ہے۔ کہئے قتل کر دوں؟ مگر حضرت نے حضرت عباس کی سفارش قبول کی اور ابوسفیان کو امن دیدیا۔ (الفاروق ص۵۰۷)۔ غزوۂ حنین کے بعد رسولؐ نے مال غنیمت تقسیم کرنا چاہا تو ایک شاعر خفا ہو گیا۔ حضرت نے فرمایا لے جاکر اس کی زبان قطع کر دو۔ یورپین مورخ اکیرو ٹیگ نے لکھا ہے عمر جو ہمیشہ سختی کے کاموں کے واسطے طیار رہتے تھے واقعاً اس کی زبان کاٹنے پر طیار ہو گئے۔ لیکن حضرت علیؓ جو رسولؐ کا اصلی مقصود سمجھتے تھے اسکو لے گئے اور فرمایا جتنے اونٹ چاہو لے لو۔ شاعر بولا اگر رسولؐ نے اسی طرح میری زبان کاٹنے کا حکم دیا ہے تو میں اپنے حصہ پر راضی ہوں (روضۃ الاحباب جلد ۱ ص۳۶۱)۔ ایک شخص

Marfat.com

ذوالخویصرہ نے کہا اے محمدؐ! آپ نے انصاف نہیں کیا۔ حضرت عمرؓ بولے اے حضور! اجازت دیجئے کہ اس کو قتل کر دوں۔ فرمایا نہیں۔ (خمیس جلد ۲ ص۱۲۷)۔ رسولؐ کے انتقال پر حضرت عمرؓ نے تلوار کھینچ لی کہ جو یہ کہے گا کہ آنحضرتؐ نے وفات پائی اُس کا سر اُڑا دوں گا" (سیرۃ النبی مولوی شبلی جلد ۲ ص۱۲۱) صحیح بخاری میں ہے فقام عمر یقول واللہ ما مات رسول اللہؐ۔ حضرت عمرؓ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے خدا کی قسم رسولؐ مرے نہیں ہیں (پارہ ۱۴ ص۳۶۲) آپ نے اس کی بھی پرواہ نہیں کی کہ سچی قسم کھاتے ہیں یا جھوٹی۔ بے تکلف خدا کی قسم کھا کھا کر اس واقعہ ہی سے انکار کر دیا۔ مگر حضرت ابوبکرؓ بھی وہاں پہونچ گئے تو ان کے کہا ں رسولؐ مر گئے۔ غرض آپ کی زبان مبارک سے سیکڑوں مرتبہ یہ کہتے سنے گئے کہ کیا اسکو قتل کر دوں؟۔ اس کی گردن اڑا دوں؟ اس کو مار ڈالوں؟۔

آپ کو زمرۂ اصحاب سے نکلجانے کا شدید خوف

آپ کو اس کا بھی بڑا خوف تھا کہ کہیں صحابہ کرام کی فہرست ہی سے نہ قلمزد کر دیئے جائیں۔ مولوی وحید الزمان صاحب نے لکھا ہے "جنکو کسی نے ... کو صحابیت کی وجہ سے واجب التعظیم اور واجب المدح سمجھا ہے انھوں نے تخلی کی نفس صحابیت سے بدون ادائے حقوق صحبت کے کچھ نہیں ہوتا۔ جیسے بی بی ام سلمہ نے آنحضرتؐ سے روایت کی آپ نے فرمایا بعضے اصحاب میرے ایسے ہیں جو دنیا سے جانے کے بعد پھر مجھ کو نہ دیکھینگے۔ یہ سنکر حضرت عمرؓ کو ڈر ہوا۔ اور بی بی صاحبہ سے پوچھا میں تو ان اصحاب میں نہیں ہوں؟[1] ... جو آیتیں یا حدیثیں صحابہ کی فضیلت میں وارد ہیں اُن سے مراد وہی صحابہ ہیں جنھوں نے آنحضرتؐ کے حقوق صحبت کو ادا کیا، آپ کے اقربا اور اہل بیت سے محبت رکھی اُن کی حمایت اور امداد کی" (انوار اللغۃ پارہ ۱ ص۱) اصطلاح شرع میں صحابی اُس مسلمان کو کہتے ہیں جو آنحضرتؐ کی صحبت میں رہا ہو آپ کو بیداری میں آنکھ سے دیکھا اور اس کا خاتمہ ایمان پر ہوا۔ لیرد علی الحوض رجال ممن صحبنی ورانی فیوخذ بهم ذات الشمال فاقول رب اصحابی اصحابی وفی لفظ اصیحابی۔ فیقال لا تدری

[1] حضرت عمرؓ کا یہ خوف قابل غور ہے۔ اپنے کن عقائد و اعمال کی وجہ سے آپ کو یہ خوف پیدا ہوا۔ اور اپنے کن دینی و دنیوی کارناموں سے آپ کو اپنے متعلق یہ تردد ہوا کہ معلوم ہوتا ہے میں بھی انھیں صحابہ سے ہوں جو دنیا سے جانے کے بعد نہ حضرت کو دیکھ سکیں گے نہ اُس احاطہ میں رہ سکیں گے جس میں حضرت رسولؐ اور خدا کے پسندیدہ اہل اسلام تشریف فرما ہوں گے۔ ۱۲

ما احدثوا بعدك ۔ کچھ لوگ قیامت کے دن حوض کوثر پر آئینگے۔ یہ اُن لوگوں سے ہونگے جو میری صحبت میں رہکے مجھ کو دیکھا۔ فرشتے اُن کو بائیں جانب والوں (دوزخیوں) میں لے جائیں گے میں عرض کرونگا پروردگارا یہ تو میرے اصحاب ہیں۔ میرے اصحاب ہیں۔ پھر مجھ کو جواب ملیگا تم نہیں جانتے جو کُن انھوں نے تمھارے بعد کئے۔ اسلام سے پھر گئے۔ مرتد ہو گئے۔ ان من اصحابی من لا اراہ ولا یرانی بعد ان اموت ابدا ۔ میرے اصحاب میں سے بعضے ایسے ہیں کہ میرے مرنے کے بعد نہ میں اُن کو دیکھوں گا نہ وہ مجھ کو دیکھیں گے۔ یہ سنکر حضرت عمر دوڑتے ہوئے بی بی ام سلمہ پاس آئے اور کہنے لگے تم کو خدا کی قسم کیا میں بھی اُن اصحاب میں سے ہوں؟ بعضے صحابہ نے ایسے بُرے کام کئے ہیں جو شرعاً اور عقلاً ہر طرح مذموم ہیں... بحسن صحابتی۔ میرے صحبت کا حق اچھی طرح سے ادا کرے۔ وہی درحقیقت آنحضرتؐ کا صحابی ہے جو آپ سے اور آپکے اہلبیت کرام سے سچی محبت اور الفت رکھتا ہو۔ ورنہ صرف نام کی صحبت کافی نہیں ہے۔ اسکی مثال یہ ہے کہ ایک بادشاہ کے چند غلام ہوں جو بادشاہ کی محبت کی وجہ سے آپس میں بھی ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہوں۔ پھر ایک غلام اُن میں سے اپنے بادشاہ سے باغی ہو جائے۔ اُس کی آل اولاد عزیز و اقربہ دوستوں کو قتل کرے۔ اُن کا دشمن بن جائے تو کیا اسکے بعد بھی اُس غلام سے محبت رکھیں گے صرف اسوجہ سے کہ وہ اُس بادشاہ کا غلام تھا؟" (انوار اللغۃ پ ۱ ص ۲۰) بعضے بیوقوف کم علم یہ خیال کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے صحابی ہونیکے بعد پھر کیسے ہی کام کریں وہ واجب التعظیم ہیں۔ حالانکہ یہ نرا شیطانی مغالطہ ہے۔ خود آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے بعضے صحابہ مجھکو مرنیکے بعد پھر نہ دیکھینگے اور حوض کوثر سے نکال دیئے جائینگے۔ یہ وہی لوگ ہونگے جنھوں نے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد پیٹ سے نئے نئے گن نکالے۔ آپ کے اہلبیت علیہم السلام کو ستایا... دنیا کی طمع میں دین کی خرابی کی کچھ پروا نہیں کی۔ ان لوگوں کی سمجھ پر ہزار تفرین ہے بھلا اگر کوئی بادشاہ کا مصاحب ہو لیکن... بادشاہ کے تخت پر اسکے فرزندوں کو محروم کرکے خود بیٹھ جائے... تو کیا ایسے مصاحب کو صرف اسوجہ سے کہ وہ بادشاہ کا مصاحب تھا اچھا کہینگے اور اسکی تعریف کرینگے؟۔ اب بادشاہ نے جو اپنے مصاحبوں کو بُرا کہنے سے منع کیا تھا تو اس سے مراد وہی مصاحب ہونگے جو بادشاہ کے حقوق صحبت کو ادا کریں۔ اسکے عزیز و اقربہ سے محبت رکھیں۔ اسکی سلطنت اور حکومت اسکے خاندان میں قائم رکھنے کیلئے مدد کریں۔ اور یہ امر ایسا ظاہر ہے کہ ایک معمولی عقل والا بھی ان باتوں کو سمجھ سکتا ہے مگر ان لوگوں کی عقل پر شیطان نے غلبہ

Marfat.com

کرلیا ہے وہ حق بات سمجھنے نہیں دیتا۔" (انوار اللغہ پ۲ ص۵۶)

دسواں باب

حضرت عمر کی وفات۔ شوریٰ۔ آپ کی اولاد و ازواج

وفات "حضرت عمر کی شہادت ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ مطابق ۶۴۴ء۔ کل مدت خلافت ۱۰ برس ۶ مہینہ ۴ دن۔ مدینہ منورہ میں فیروز نامی ایک پارسی غلام تھا جس کی کنیت ابو لؤلؤ تھی۔ اُس نے ایکدن حضرت عمر سے شکایت کی کہ میرے آقا نے مجھ پر بھاری محصول مقرر کیا ہے کم کرا دیجئے۔ حضرت عمر نے تعداد پوچھی۔ اُس نے کہا روزانہ دو درہم۔ پوچھا تو کون پیشہ کرتا ہے؟ بولا نجاری، نقاشی، آہن گری۔ فرمایا ان صنعتوں کے مقابلہ میں یہ رقم کچھ بہت نہیں ہے۔ فیروز دل میں سخت ناراض ہو کر چلا آیا[1] دوسرے دن حضرت عمر صبح کی نماز کیلئے نکلے تو فیروز خنجر لیکر مسجد میں آیا۔ حضرت عمر نے نماز شروع کی۔ فیروز نے دفعتہً چھ وار کئے جن سے ایک ناف کے نیچے پڑا۔ ایک طبیب بلایا گیا۔ اُس نے نبیذ[2] اور دودھ پلایا اور دونوں چیزیں زخم کی راہ باہر نکل آئیں۔ لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ جان بر نہیں ہو سکتے۔ اُن سے کہا کہ اب اپنا ولیعہد منتخب کر جائیے۔ فرمایا ان چھ شخصوں میں جسکی نسبت کثرت رائے ہو خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔ تین دن کے بعد انتقال کیا اور پہلی محرم ہفتہ کے دن مدفون ہوئے۔" (الفاروق ص۲۰۶)

شوریٰ جب حضرت عمر سے اصرار کیا گیا کہ کسی کو خلیفہ بنا جائیے تو کہا علیؓ، عثمانؓ، عبدالرحمان بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، زبیر بن العوام اور طلحہ بن عبیداللہ سے جسے چاہو خلیفہ بنا لینا۔ اگر پانچ آدمی متفق ہوں اور ایک مخالف ہو تو اسکو قتل کر دینا۔ اگر چار متفق ہوں اور دو اختلاف کریں تو اُن دونوں کو قتل کر دینا۔ اگر تین ایکطرف اور تین دوسرےطرف ہوں تو جسطرف عبدالرحمان ہوں اُسکو خلیفہ بنانا۔ اور دوسرےطرف کے تینوں آدمیوں کو قتل کر دینا[3] (طبری جلد ۵ ص۳۵)۔

---

[1] حضرت نے یہ بھی فرمایا تھا کہ تو ہوا چکی بھی بنا سکتا ہے۔ عرض کی ہوں۔ فرمایا ہمیں بنا دے جو خود بخود ہوا سے چلتی رہے۔ عرض کی ایسی چکی بناؤں کہ مشرق و مغرب میں اسکا چرچا ہو جائے۔ بس غلام نے اپنا راستہ لیا۔ [2] جو شراب انگور سے نچوڑا جائے اسکو بھی نبیذ کہتے ہیں اور کبھی نبیذ کو خمر کہتے ہیں... اذا اصاب ثوبک خمر او نبیذ فاغسلہ جب تیرے کپڑے یا جسم میں شراب یا نبیذ لگ جائے تو اسکو دھو ڈال" (انوار اللغہ پ۲۵) "شراب پانچ چیزوں سے بنتا ہے عصیر تازے انگور سے۔ نقیع منقے سے۔ بتع شہد سے۔ مزر جو سے اور نبیذ کھجور سے" (انوار اللغہ پ۲ ص۱۲۱) [3] اس زمانہ میں ووٹ کا ہر طرف رواج ہو گیا ہے مگر ناکامیاب ہونیوالوں کو کہیں بھی قتل نہیں کیا جاتا۔ حضرت عمر کا یہ حکم سونے کے حرفوں سے لکھنے کے قابل ہے کہ جن صحابۂ رسول کو ووٹ کم ملیں وہ سب قتل کر دیے جائیں ظاہر ہے کہ ووٹ دینا دوسروں کا کام تھا۔ مگر قتل کئے جائینگے وہ جنکو ووٹ کم ملیں۔ ۱۲

Marfat.com

اسکے بعد حضرت علی نے حضرت عباس سے فرمایا اسوقعہ بھی خلافت دوسرے کو نہیں گئی۔ پوچھا کیونکر؟ فرمایا کہا ہے کہ اگر اہل شوریٰ میں دونوں طرف تعداد برابر ہو تو اسکو ترجیح دینا جدھر عبدالرحمان ہوں۔ اب عبدالرحمان تو عثمان کے نسبتی اور سعد کے چچازاد بھائی ہیں یہ تین ایکطرف ہو جائینگے۔ جناب عباس بولے ہم نے تو پہلے ہی کہا تھا۔ یہ لوگ تو خاندان رسول کو خلافت سے ہمیشہ الگ ہی رکھینگے۔

شوریٰ کے متعلق چند رائیں | مسٹر سید امیر علی نے انگریزی تاریخ اسلام میں لکھا ہے "خلافت کو شوریٰ پر چھوڑنے میں خلیفہ ثانی نے ایسی غلطی سرزد ہوئی جسنے بنی امیہ کی سازشوں کیلئے راستہ صاف کر دیا۔۔۔ بنی امیہ خاندان کے ہر حضرت عثمان خلیفہ ہوئے جنکا انتخاب آخر کو تباہی اسلام کا باعث ہوا" (تاریخ اسلام جلد ۲ صفحہ ۱۲۳)۔ علامہ ابن عبدربہ نے لکھا ہے کہ ابن حصین سے معویہ نے کہا تو بڑا ذہین ہے بتا کون امر مسلمانوں میں پراگندگی اور اختلاف کا باعث ہوا؟ کہا لوگوں کا عثمان کو قتل کرنا۔ معویہ نے کہا نہیں کہا پھر علی کا خلیفہ ہونا اور آپ سے جنگ کرنا۔ کہا نہیں۔ کہا جنگ جمل ہونا۔ کہا یہ بھی نہیں۔ معویہ سب صرف شوریٰ کی وجہ سے ہوا جو حضرت عمر نے چھ آدمیوں کے درمیان قائم کیا تھا۔ (عقد فرید جلد ۲ صفحہ ۲۰۳)

ازواج | حضرت عمر نے متعدد نکاح کئے پہلا زینب سے انھیں کے بطن سے حضرت حفصہ اور عبداللہ ہیں دوسرا قریبہ سے تیسرا ملیکہ سے ان دونوں میں دونوں کو طلاق دیدی۔ مدینہ آکر انصار میں عاصم کی بیٹی جمیلہ سے نکاح کیا انکو بھی کسی وجہ سے طلاق دیدی معلوم نہیں آپ بی بی بچوں کو اس کثرت سے طلاق کیوں دیتے تھے حالانکہ خدا و رسول طلاق کو نہایت مبغوض سمجھتے ہیں۔ حضرت عمر کی اور بی بیاں بھی تھیں جنمیں حضرت علی کی صاحبزادی جناب ام کلثوم کا نام بھی لیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ وہ امام حسنؑ کی زندگی ہی (۴۹ھ کے قبل) میں مر بھی گئیں حالانکہ جناب ام کلثوم کربلا (۶۱ھ) میں موجود رہنا مسلم آفتاب روشن ہے۔ بروز عاشورا جناب علی اصغر کی پیاس کا حال امام حسینؑ کو انھیں ام کلثوم سے معلوم ہوا تھا (ینابیع المودۃ صفحہ ۲۵۹) امام حسینؑ نے آخری رخصت کے وقت بہنوں کو جو سلام کہا ہے اسمیں پہلے ام کلثوم ہی کو یاد فرمایا یا۔ کلثوم و یا زینب علیکن السلام۔ اے میری دونوں بہن ام کلثوم و زینب تم پر سلام ہو (ینابیع المودۃ صفحہ ۲۵۹) بازار کوفہ میں جناب ام کلثوم کا خطبہ پڑھنا اور اطفال کے منہ سے صدقہ کی کھجوروں کا نکال کر پھینکنا بھی مشہور واقعہ ہے (ینابیع المودۃ صفحہ ۲۶۲) راہ شام میں ہاتف غیبی کا نوحہ پڑھنا اور جناب ام کلثوم کا اس سے پوچھنا کہ کون ہے اور اس کا کہنا کہ میں بادشاہ جن ہوں بھی موجود ہے (ینابیع المودۃ صفحہ ۲۶۵) قریب صحیح اجو منعقدہ دیوری کی تاریخ کی طرح مولوی شبلی صاحب نے بھی بہت زیادہ کی ہے۔ اس میں بھی ہے کہ امام حسینؑ کے ساتھ ان کی دونوں بہنیں زینب و ام کلثوم بھی رکھ گئیں (اخبار طوال صفحہ ۲۳۰)۔ غرض جب وہ ۴۹ھ کے قبل مر گئی تو کربلا کو فہ شام میں کیسے پہونچیں؟

حضرت عمر کی اولاد | آپ کی اولاد اناث کثرت سے ہوئی جنمیں سے حفصہ زوجہ رسولؐ زیادہ ممتاز ہیں۔ وہ اپنے سابق شوہر خنیس کے مرنے پر رسولؐ کے عقد میں آئیں۔۔۔ اولاد ذکور کے نام یہ ہیں عبداللہ، عبیداللہ، عاصم، ابوشحمہ عبدالرحمان، زید مجبر۔ عبداللہ جی کو کئی سے نہایت بیباک تھے۔ ایکدفعہ حجاج کعبہ میں خطبہ پڑھ رہا تھا تو انھوں نے کھڑے ہو کر کہا یہ خدا کا دشمن ہے کیونکہ اس نے خدا کے دوستوں کو قتل کیا ہے۔ اسی کے انتقام میں حجاج نے ایک آدمی کو متعین کیا جسنے مسموم آلہ سے زخمی کیا اور اسی زخم سے بیمار ہو کر وفات پائی (الفاروق حصہ ۲ صفحہ ۲۰۰)

Marfat.com

گیارھواں باب

پہلی فصل۔ حضرت ام کلثوم کے نکاح کا افسانہ

حضرت عمر کے متعلق ایک افسانہ یہ بھی مشہور کیا گیا ہے کہ آپ نے آخری عمر میں حضرت رسولخدا کی نواسی جناب سیدہؑ کی صاحب زادی حضرت ام کلثوم سے بھی شادی کی تھی۔ لیکن تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ افسانہ ویسا ہی بے اصل، خلاف عقل اور غیر واقع ہے جیسا حضرت رسولخدا صلعم کے متعلق وضع کر دی گئی ہے کہ آپ نے سجدہ میں بتوں کی خوب تعریف کی۔ اور آج تک اس کا تذکرہ نہایت اہتمام سے کیا جاتا ہے۔ اس چودھویں صدی میں مولوی شبلی صاحب بھی اس کے لکھنے سے باز نہ رہے۔ ان کی عبارت یہ ہے "آنحضرتؐ نے حرم میں ایک دفعہ نماز ادا کی، کفار بھی موجود تھے۔ جب آپ نے یہ آیتہ پڑھی ومناۃ الثالثۃ الاخریٰ تو شیطان نے آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دیئے تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجیٰ یعنی یہ بت معظم و محترم ہیں اور ان کی شفاعت مقبول ہے۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے سجدہ کیا اور تمام کفار نے آپ کی متابعت کی ... بہت سے محدثین نے اس روایتہ کو یہ سند نقل کیا ہے۔ ان میں طبری، ابن ابی حاتم، ابن المنذر، ابن مردویہ، ابن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ، ابو معشر شہرت عام رکھتے ہیں۔ اس سے بڑھکر تعجب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر کو جن کے کمال فن حدیث پر زمانہ کا اتفاق ہے اس روایتہ کی صحت پر اصرار ہے" (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۷۶) حضرت ام کلثوم پر جو بہتان کیا گیا ہے اس کے متعلق ہمارے والد علام حضرت حجۃ الاسلام فخر المحققین سید المتکلمین آیۃ اللہ فی العالمین مولانا آقا سید علی اظہر صاحب قبلہ طاب ثراہ نے دو کتابیں نہایت تحقیق و جامعیت سے تحریر فرمائی ہیں جن سے اس افسانہ کی لغویت مثل آفتاب واضح ہو گئی۔ پہلی کتاب کا نام ہے کنیز مکتوم فی حل عقد ام کلثوم جو ۱۳۱۰ھ میں چھپ کر شائع ہوئی اور جسکی بیشتر دنیا میں معدوم ہو گئی وہ ۲۴۸ صفحہ پر ختم ہوئی۔ اور دوسری کتاب دفع الوثوق عن نکاح الفاروق جو ۱۶۴ صفحہ پر ۱۳۱۵ھ میں چھپ کر شائع ہوئی اس سوانحعمری میں تفصیل کی گنجایش نہیں۔ البتہ بفضلہ تعالیٰ یہاں صرف مختصر عنوان سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "اخیر عمر میں اُن (حضرت عمر) کو خیال ہوا کہ خاندان نبوت سے تعلق پیدا کریں جو مزید شرف اور برکت کا سبب تھا چنانچہ جناب امیرؑ سے حضرت ام کلثوم کے لئے درخواست کی، جناب ممدوح نے پہلے ام کلثوم کی صغر سنی کے سبب سے انکار کیا لیکن حضرت عمر نے زیادہ تمنا ظاہر کی اور کہا کہ اس سے مجھکو حصول شرف مقصود ہے تو جناب امیرؑ نے منظور فرمایا اور ۱۷ھ میں ۴۰ ہزار مہر پر نکاح ہوا" پھر اسی جگہ حاشیہ میں یہ لکھا ہے "حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ کی تزویج کا واقعہ تمام معتمد مورخوں نے بہ تفصیل لکھا ہے

Marfat.com

علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں۔ ابن حبان نے کتاب الثقاۃ میں، ابن قتیبہ نے معارف میں ابن اثیر نے کامل میں تصریح کے ساتھ لکھا ہے کہ ام کلثوم بنت فاطمۃ الزہراء حضرت عمر کی زوجہ تھیں ایک دوسری ام کلثوم بھی ان کی زوجہ تھیں لیکن ان دونوں میں مورخین نے صاف تفریق کی ہے۔ علامہ طبری و ابن حبان و ابن قتیبہ کی تصریحات خود میری نظر سے گزری ہیں۔ اور ان سے بڑھ کر تاریخی واقعات کے لئے اور کیا سند ہو سکتی ہے۔ میں وہ خاص عبارتیں اس موقع پر نقل کرتا ہوں۔ ثقات بن حبان ذکر خلافۃ عمر و اتفاقات ۱۷ھ میں ہے ثم تزوج عمر ام کلثوم بنت علی ابن ابی طالب وھی من فاطمۃ ودخل بھا فی شھر ذی القعدۃ۔ معارف بن قتیبہ ذکر اولاد عمر میں ہے و فاطمۃ وزیدا وامھما ام کلثوم بنت علی ابن ابی طالب من فاطمۃ بنت رسول اللہ ؐ اسد الغابہ فی احوال الصحابہ لابن الاثیر میں جہاں حضرت ام کلثوم کا حال لکھا ہے تفصیل کے ساتھ ان کی تزویج کا واقعہ نقل کیا ہے اسی طرح طبری نے بھی جابجا تصریح کی ہے جس کو ہم تطویل کے خوف سے قلم انداز کرتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ صحیح بخاری میں ایک ضمنی موقع پر حضرت ام کلثوم کا ذکر آگیا ہے جس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر نے ایک دفعہ عورتوں کو چادریں تقسیم کیں۔ ایک بچ رہی۔ اس کی نسبت اُن کو تردد تھا کہ کس کو دی جائے۔ ایک شخص نے اُن سے مخاطب ہو کر کہا یا امیر المومنین اعط ھذا بنت رسول اللہ صلعم التی عندک یریدون ام کلثوم صحیح بخاری باب الجہاد مطبوعہ میرٹھ ص ۴۰۳) اس میں صاف تصریح ہے کہ ام کلثوم جو حضرت عمر کی زوجہ تھیں خاندان نبوت سے تھیں" (الفاروق حصہ ۲ ص ۲۰۳) اس عبارت کے آخر میں مولوی صاحب نے لکھا ہے "سب سے بڑھ کر یہ کہ صحیح بخاری میں"۔ الخ جس سے آپ کا مقصود یہ ہے کہ صحیح بخاری کا قول سب سے زیادہ قوی دلیل ہے اس کی ہے کہ جناب ام کلثوم حضرت عمر کی زوجہ تھیں۔ کیا مولوی صاحب بتا سکتے ہیں کہ صحیح بخاری میں کیسا ہی خلاف عقل واقعہ لکھا ہو آپ اس کو مان ہی لیں گے؟ اگر آپ اس پر آمادہ ہیں تو ہم صرف دو تین روایتیں اس سے نقل کرتے ہیں۔ اگر مولوی صاحب ان کو چاؤنڈو خانہ کی گپ کہیں تو کیوں نہ اس عقد سے متعلق بھی صحیح بخاری کی منقولہ روایتہ افک مبین کہی جائے؟ (۱) عن النبی ؐ قال کان موسیٰ ؑ یغتسل وحدہ فذھب مرۃ یغتسل فوضع ثوبہ علی حجر ففر الحجر بثوبہ فجمح موسیٰ فی اثرہ یقول ثوبی یا حجر ثوبی یا حجر واخذ ثوبہ وطفق بالحجر ضربا۔ حضرت رسول خدا ؐ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ نہانے گئے تو ایک پتھر پر اپنے کپڑے رکھ دیئے۔ وہ پتھر حضرت موسیٰ کے کل کپڑے لے کر بھاگا تو حضرت موسیٰ اس کے پیچھے دوڑے چیخ کر کہتے تھے او پتھر! میرے کپڑے لے کر کہاں بھاگا جاتا ہے مگر پتھر نہ مانا۔ کپڑے پکڑے ہوئے بھاگتا ہی چلا گیا تو آپ نے دوڑ کر اس کو گرفتار کیا۔ پھر اس سے اپنے کپڑے چھین لئے۔ اسکے

Marfat.com

لیعد لگے اُس پتھر کو خوب پیٹنے کہ آپ کے کپڑے کیوں لے کر بھاگا جاتا تھا (صحیح بخاری پارہ ۲ صفحہ ۱۹۴)
(۲) ارسل ملک الموت الی موسیٰ فلما جاءہ صکہ ففقا عینہ فرجع الی ربہ فرد اللہ عینہ۔ حضرت رسول خدا فرماتے تھے کہ اللہ نے ملک الموت کو حضرت موسیٰ پیغمبر کے پاس بھیجا تو آپ نے اُن کو ایسا طمانچہ لگایا کہ بیچارے کی آنکھ ہی پھوٹ گئی۔ تو وہ اندھے یا کانے ہو کر خدا کے ہاں واپس گئے۔ اُس وقت خدا نے ان کی آنکھ دوبارہ ان کے سر میں لگا دی (صحیح بخاری پارہ ۵ صفحہ ۶۹۱) (۳) ایک عورت جونیہ کو حضرت رسول اصلعم نے کسی تدبیر سے اس کے گھر سے منگا بھیجا اور شہر کے باہر جا کر اُس سے اپنا مطلب پورا کرنا چاہا۔ اس پر وہ چیخنے اور دہائیاں دینے لگی جب کسی طرح راضی نہیں ہوئی تو حضرت رسول اُس سے مایوس ہو گئے۔ اور اس کو کچھ دے دلا کر واپس کر دیا۔ یہ نہایت درجہ رسوا کرنے والا واقعہ بھی اسی صحیح بخاری شریف جلد ۶ صفحہ ۱۶۲ میں ہے۔ اگر ان سب کو آپ صحیح سمجھتے ہیں تو عقدام کلثوم کو بھی مانئے۔ ورنہ جس طرح مذکورہ بالا باتیں قابل مضحکہ ہیں اُسی طرح عقد کی یہ روایتہ بھی خلاف عقل ہے۔ لطف یہ کہ جو عبارت مولوی شبلی صاحب نے بخاری کی نقل کی اُس میں زوجیت یا عقد کا ذکر بلکہ اشارہ تک نہیں ہے اُس میں تو صرف یہ ہے کہ دختر رسول جو مسلمانوں کے درمیان اس وقت موجود ہیں ان کو دے دیجئے چونکہ اب دختران رسولؐ میں وہی ام کلثوم مدینہ میں موجود تھیں اس وجہ سے عندک کہا یعنی جو آپ کے شہر یا دنیا میں موجود ہیں نہ یہ کہ آپ کی بیوی ہیں۔ عندک سے بیوی کیسے ہو جائیں گی اگر وہ شخص یوں کہتا اعط ھذا عائشۃ التی عندک۔ یہ چادر حضرت عائشہ کو دے دیجئے جو آپ کے پاس ہیں۔ اعط ہذہ احفصۃ التی عندک۔ یہ چادر حضرت حفصہ کو دے دیجئے جو آپ کے پاس ہیں تو عربی زبان کے قواعد سے یہ جملہ صحیح ہوتا یا نہیں؟ اگر کہیے کہ نہیں تو نحو۔ صرف معانی بیان کس کس قانون سے یہ جملہ غلط ہو جاتا؟ اور اگر یہ کہنا صحیح ہے تو پھر ان جملوں کا کیا مطلب ہوگا؟ بس جو مطلب آپ اس کا مانیں گے وہی اعط ہذا ام کلثوم کا بھی قرار دینا ہوگا۔ بلکہ اگر غور کیجئے تو یقین ہوتا کہ صحیح بخاری کا یہی جملہ فیصلہ کر دیتا ہے کہ حضرت ام کلثوم حضرت عمر کی زوجہ نہیں بلکہ دوسرے کی زوجہ اور حضرت عمر کے گھر سے علیحدہ رہتی تھیں۔ اگر وہ آپ کی زوجہ ہوتیں تو دوسرے شخص کو کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی نہ سفارش کرنے کا موقع ہوتا۔ آپ خود کہہ دیتے کہ میری زوجہ کو اس کی ضرورت ہے میں انکو دے دیتا ہوں۔ کیونکہ اپنی زوجہ کی ضرورت کو شوہر سے زیادہ دوسرا کیا سمجھ سکتا ہے لیکن ایک دوسرے شخص کا حضرت ام کلثوم بنت امیر المومنین کی سفارش کرنا بتاتا ہے کہ حضرت عمر وہ چادر جناب ام کلثوم کے ہاں بھیجنا نہیں چاہتے تھے اس وجہ سے اُس شخص نے مجمع میں

Marfat.com

ان سے سفارش کی کہ اب یہ چادر کسی کو نہ دیجئے۔ رسول کی نواسی سے بڑھکر اس پر کسی کا حق نہیں ہو سکتا۔ اگر واقعاً حضرت عمر کی شادی حضرت ام کلثوم سے ہوتی تو صحیح بخاری وغیرہ میں صاف لکھا ہوتا کہ حضرت عمر نے ان سے شادی کی اتنا مہر مقرر کیا۔ اسطرح ولیمہ کیا مگر اس عقد کی تو کوئی بھی روایتہ نہ صحیح بخاری میں ہے نہ صحیح مسلم میں۔ نہ بقیہ صحاح ستہ میں۔ نہ کسی کتاب مشروطہ میں۔ نہ مسانید مستند ہیں۔ جو اس امر کی واضح اور قطعی دلیل ہے کہ ایسا ہوا ہی نہیں اور یہ محض حضرت عمر کے رتبہ کو ناقابل التفات حدیث گڑھنے والے محدثین کی غلط فہمی ہے۔ اب اس افسانہ کو بھی دو طرح جانچو۔ ایک روایتہ کے لحاظ سے دوسرے درایتہ کے اصول سے کیونکہ۔

روایتہ سے تحقیق

مولوی شبلی صاحب وغیرہ محققین نے کسی اسلامی واقعہ کی تحقیق کی یہی دو راہیں مقرر کی ہیں۔ انہیں کے الفاظ میں سنو لکھتے ہیں "قدیم تاریخوں میں تمام ضروری واقعات مذکور نہیں ہوتے اور جس قدر ہوتے ہیں اُن میں اسباب و علل کا سلسلہ نہیں ملتا لیکن ان کے علاوہ ایک اور ضروری بحث ہے وہ یہ کہ جو واقعات مذکور ہیں خود اُن کی صحت پر کہاں تک اعتبار ہو سکتا ہے۔ واقعات کے جانچنے کے صرف دو طریقے ہیں۔ روایتہ و درایتہ۔ روایتہ سے یہ مراد ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اُس شخص کے ذریعہ سے بیان کیا جائے جو خود اُس واقعہ میں موجود تھا اور اُس سے لیکر اخیر راوی تک روایتہ کا سلسلہ متصل بیان کیا جائے اِس کے ساتھ تمام راویوں کی نسبت تحقیق کیا جائے کہ وہ صحیح الروایتہ اور ضابطہ رکھتے یا نہیں۔ درایتہ سے یہ مراد ہے کہ اصول عقلی سے واقعہ کی تنقید کی جائے۔ اس امر پر مسلمان بے شبہ فخر کر سکتے ہیں کہ روایتہ کے فن کے ساتھ انھوں نے جس قدر اعتنا کیا کسی قوم نے کبھی نہیں کیا تھا۔ انھوں نے ہر قسم کی روایتوں میں مسلسل سند کی جستجو کی اور راویوں کے حالات اس تفحص اور تلاش سے بہم پہونچائے کہ اُس کو ایک مستقل فن بنا دیا جو فن رجال کے نام سے مشہور ہے۔ یہ توجہ اور اہتمام اگرچہ اصل میں احادیث نبوی کے لیے شروع ہوا تھا لیکن فن تاریخ بھی اس فیض سے محروم نہ رہا۔ طبری فتوح البلدان طبقات ابن سعد وغیرہ میں تمام واقعات بہ سند متصل مذکور ہیں۔ یورپ نے فن تاریخ کو آج کمال کے درجہ پر پہنچا دیا ہے لیکن اِس خاص امر میں وہ مسلمان مورخوں سے بہت پیچھے ہیں اُن کو واقعہ نگار کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی کچھ پروا نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ جرح و تعدیل کے نام سے آشنا نہیں" (الفاروق صفحہ ۱۴) مولوی صاحب کا مطلب یہ ہے اور بالکل ٹھیک ہے کہ اگر کوئی شخص کسی سال کا کوئی واقعہ بیان کرے مگر یہ نہ بتائے کہ اُس کو یہ بات کیونکر معلوم ہوئی تو

Marfat.com

اُس کی بات کا اعتبار نہین ہوگا نہ اُس کی طرف توجہ کی جائیگی۔ مثلاً کسی تاریخ میں لکھا ہو کہ حضرت رسول خدا صلعم نے کفار عرب کے بتون کی تعریف کی لیکن اس واقعہ کا راوی مذکور نہ ہو تو اس کو نہیں مانیں گے کیونکہ خود مورخ اُس واقعہ میں موجود نہیں تھا کہ اپنا چشم دید بیان لکھے اور اُس راوی کا اس نے نام نہین لیا جس نے اس مورخ سے اس واقعہ کو بیان کیا۔ مولوی صاحب نے الفاروق میں اس اصول سے بہت کام لیا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں "جب آنحضرت کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو کچھ لوگ ایسے سراسیمہ ہوئے کہ اُنھون نے مدینہ سے اِدھر دم نہین لیا۔ . . بعضوں نے مایوس ہو کر سپر ڈال دی کہ اب لڑنے سے کیا فائدہ ہے۔ حضرت عمر اِس تیسرے گروہ مین تھے۔ علامہ طبری نے بہ سند متصل جس کے رواۃ میں حمید۔ سلمہ۔ محمد بن اسحاق، قاسم بن عبدالرحمٰن بن رافع ہیں روایت کی ہے۔ . . حضرت عمر نے جب اپنی خلافت کے زمانہ میں لوگوں کے روزینے مقرر کئے تو ایک شخص کے روزینے کی نسبت لوگوں نے کہا کہ ان سے زیادہ مستحق آپ کے فرزند عبداللہ ہین۔ حضرت عمر نے فرمایا نہیں کیونکہ اس کا باپ احد کی لڑائی میں ثابت قدم رہا تھا اور عبداللہ کا باپ (یعنی خود حضرت عمر) نہین رہا تھا۔ لیکن یہ درایتہً قطع نظر اس کے کہ درایتہً غلط ہے (کیونکہ معرکۂ جہاد سے بھاگنا ایک ایسا ننگ تھا جس کو کوئی شخص علانیہ تسلیم نہین کر سکتا تھا۔ اصول روایتہ کے لحاظ سے بھی ہم اُس پر اعتبار نہین کر سکتے۔ علامہ موصوف نے جن رواۃ کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے اُن مین عباس بن عبداللہ الباکساے اور غیض بن اسحاق ہیں اور یہ دونون مجہول الحال ہیں"۔ (الفاروق ص۴۷) مولوی صاحب ممدوح اور کل اُن لوگوں کا جو عقد حضرت ام کلثوم کو صحیح مانتے ہین فرض تھا کہ جس طرح حضرت عمر کے بھاگنے کی روایت پر اس کے راویون کی تحقیق کے درپے ہو جاتے ہین بالکل اسی طرح عقد حضرت ام کلثوم کی روایتہ پر بھی اس کے راویوں کو جانچتے کہ کون ضعیف تھا۔ کون مجہول الحال کون کاذب اور کون حدیثوں کا وضع کرنے (یعنی گڑھنے) والا مولوی شبلی صاحب اپنی ایک اور کتاب میں لکھتے ہیں "سیرۃ نبوی کے واقعات جو قلم بند کئے گئے تقریباً نبوت کے سو برس کے بعد قلم بند ہوئے۔ اس لئے مصنفین کا ماخذ کوئی کتاب نہ تھی بلکہ اکثر زبانی روایتین تھین۔ اس قسم کا موقع جب دوسری قوموں کو پیش آتا ہے یعنی کسی زمانہ کے حالات مدت کے بعد قلم بند کئے جاتے ہیں تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلم بند کر لی جاتی ہیں جن کے راویوں کا نام و نشان تک معلوم نہیں ہوتا۔ ان افواہوں میں سے وہ واقعات انتخاب کر لیئے جاتے ہیں جو قرائن اور قیاسات کے مطابق ہوتے ہین۔ تھوڑی دیر کے بعد یہی خرافات ایک دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتے ہیں۔ یورپ کی اکثر تاریخی تصنیفات اسی اصول پر لکھی گئی ہیں۔ لیکن مسلمانون نے

Marfat.com

اس فن سیرت کا جو معیار قائم کیا وہ اس سے بہت زیادہ بلند تھا، اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اُس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریک واقعہ تھا اور اگر خود نہ تھا تو شریک واقعہ تک تمام راویوں کا نام بہ ترتیب بتایا جائے۔ اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کیا جائے کہ جو اشخاص سلسلۂ روایت میں آئے کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ کیا مشاغل تھے؟ چال چلن کیسا تھا؟ حافظہ کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ سطحی الذہن تھے یا دقیقہ بین عالم تھے یا جاہل ان جزئی باتوں کا پتہ لگانا سخت مشکل بلکہ ناممکن تھا لیکن دیکھ لیجئے ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کر دیں ایک ایک شہر میں گئے راویوں سے ملے۔ اُن کے متعلق ہر قسم کے معلومات بہم پہنچائے۔ جو لوگ اُن کے زمانہ میں موجود نہ تھے ان کے دیکھنے والوں سے دریافت کئے۔" (سیرۃ النبی جلد ۱ صـ۲۸) مولوی صاحب نے اسلامی واقعات کے جانچنے اور روایتوں کی تحقیق کا جو معیار بیان کیا ہے یہی شروع سے علماء اسلام کا معمول بہ رہا ہے خواہ وہ محدثین ہوں یا مفسرین یا مورخین۔ بس اسی معیار پر حضرت ام کلثوم کے عقد کو بھی دیکھو اور اسی کسوٹی پر اس افسانہ کو بھی کسو تو تم کو فوراً معلوم ہو جائے گا کہ یہ قصہ ویسا ہی بے اصل۔ ویسا ہی مضحکہ خیز اور ویسا ہی بیہودہ ہے جیسا حضرت رسولِ خدا کی عفت و عبادت وغیرہ کے متعلق آریوں اور عیسائیوں کے ہزاروں لغو اور ناپاک اتہامات ہیں جن کا صحیح ہونا کسی طرح ممکن ہی نہیں ہے۔ مثلاً اسی سیرۃ النبی میں ہے "مسٹر مارگولیوس نے اس کے برخلاف ایک حیرت انگیز دعویٰ کیا ہے اور اس کے ثبوت میں دعوے سے زیادہ حیرت انگیز فریب کاری کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ اور حضرت خدیجہ دونوں سونے سے پہلے ایک بت کی پرستش کر لیا کرتے تھے جس کا نام عزّیٰ تھا۔ مصنف موصوف نے اسکی سند میں امام احمد حنبل کی روایت جلد ۴ صفحہ ۲۲۲ پیش کی ہے... مارگولیس صاحب نے یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عزّیٰ کے نام پر ایک خاکی رنگ کی بھیڑ ذبح کی تھی (جلد ۱ صـ۱۴۱) مولوی صاحب کا فرض تھا کہ جس طرح عیسائیوں کی ایسی لغویات کی تحقیق میں پورا زور صرف کیا ہے واقعہ عقد حضرت ام کلثوم کے متعلق بھی تھوڑی سی توجہ کر دیتے جس سے اس کا چانڈو خانہ کی گپ ہونا بہت جلد معلوم ہو جاتا۔

بہرکیف اب آؤ۔ مولوی صاحب کے بیان کردہ معیار کے مطابق اس افسانہ کو بھی جانچو تو حقیقت مثل آفتاب نظر آنے لگے۔ مولوی صاحب نے واقعہ عقد کا ہونا تاریخ طبری، کتاب الثقاۃ معارف اور تاریخ کامل سے بیان کیا ہے۔ تاریخ طبری کے الفاظ یہ ہیں وفیھا تزوج عمر ابن الخطاب ام کلثوم ابنۃ علی ابن ابی طالب وھی ابنۃ فاطمۃ بنت رسول اللہ ص ودخل بھا فی ذی القعدہ۔ اور اسی سال (سنہ ۱۷ھ میں) حضرت عمر نے حضرت علی و فاطمہ دختر رسولؐ کی صاحب زادی جناب ام کلثوم

Marfat.com

سے شادی کی اور ماہ ذیقعدہ میں دونوں اکٹھے ہو گئے (تاریخ طبری جلد ۵ صـ۲۰۶) علامہ طبری نے جو کچھ لکھا بس اسی قدر ہے۔ نہ کسی راوی اول کا نام بتایا نہ راوی آخر کا نہ درمیانی راویون کا۔ اور علامہ طبری موصوف نے سنہ ۳۱۰ھ ہجری میں انتقال کیا ہے سنہ ۲۱۴ھ مین ان کی ولادت ہوئی۔ اور انہون نے اپنی تاریخ غالبا سنہ ۳۰۱ھ یا سنہ ۳۰۲ھ میں لکھی ہے اور حضرت عمر کا مذکور بالا عقد سنہ ۱۷ھ میں بیان کیا جاتا ہے جو تاریخ طبری کے لکھنے سے ۲۸۴ سال قبل ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ علامہ طبری کو کیونکر معلوم ہوا کہ یہ عقد ہوا کیونکہ وہ کیا اُن کے تو پدر بزرگوار اور جد امجد بھی سنہ ۱۷ھ میں پیدا نہیں ہوئے تھے اور نہ کسی راوی کا انھون نے پتا بتایا جس سے اس کو سنا ہو اور جس کی تحقیق کی جائے کہ وہ راوی اس واقعہ کے زمانہ میں خود موجود تھا یا جو لوگ اُس وقت موجود تھے اُن سے اُس نے سنا۔ مولوی صاحب کی یہ عبارت اُوپر نقل کی گئی کہ "جو واقعات مذکور ہیں خود ان کی صحت پر کہان تک اعتبار ہو سکتا ہے واقعات کے جانچنے کے دو طریقے ہیں روایتہ . . . جو واقعہ بیان کیا جائے اُس شخص کے ذریعہ سے بیان کیا جائے جو خود اُس واقعہ میں موجود تھا اور اُس سے لیکر اخیر راوی تک روایتہ کا سلسلہ متصل بیان کیا جائے۔ اِس کے ساتھ تمام راویوں کی نسبت تحقیق کی جائے کہ وہ صحیح الروایتہ اور ضابط تھے یا نہیں"۔ عقد حضرت ام کلثوم کا واقعہ بھی تاریخ طبری مین مذکور ہے مگر خود اس کی صحت پر کہان تک اعتبار ہو سکتا ہے؟ کیونکہ یہ واقعہ اس شخص کے ذریعہ سے نہیں بیان کیا گیا جو خود اس واقعہ میں موجود تھا اور نہ اُس سے لیکر آخیر راوی تک روایتہ کا سلسلہ متصل بیان کیا گیا۔ اس وجہ سے اس کے ساتھ تمام راویون بلکہ کسی ایک راوی کی نسبت بھی تحقیق نہین ہو سکتی کہ وہ صحیح الروایتہ اور ضابط تھا یا نہین۔ اس سبب سے بقول آپ ہی کے "اصول روایتہ کے لحاظ سے ہم اس پر اعتبار نہیں کر سکتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح ہر قسم کی بازاری افواہیں قلمبند کر لی جاتی ہیں جن کے راویوں کا نام و نشان تک معلوم نہیں ہوتا" اسی طرح یہ واقعہ عقد بھی قلمبند کر لیا گیا جس کے راویوں کا نام و نشان تک نہیں معلوم ہوتا۔ اور جس طرح "یہی خرافات ایک دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتے ہین" یہ واقعہ عقد بھی جو خرافتون کا مجموعہ اور دھان متی کا پٹارا ہے۔ ایک دلچسپ افسانہ بن گیا کیونکہ طبری نے تاریخ لکھی سنہ ۳۰۲ھ میں اور یہ واقعہ بیان کیا سنہ ۱۷ھ کا۔ نہ طبری صاحب خود اس واقعہ میں موجود تھے اور نہ اپنے زمانہ سے سنہ ۱۷ھ تک اس روایتہ کے تمام راویون کا نام و نشان بتایا اس وجہ سے یہ بھی تحقیق نہین ہو سکتی کہ "جو اشخاص سلسلۂ روایت مین آئے کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ ان کا وجود خارجی بھی تھا یا نہین۔ مولوی صاحب نے دوسری جس کتاب کا نام لیا وہ ابن حبان

Marfat.com

کی کتاب الثقاۃ ہے مگر آپ نے پہلے ہی اس کو معتبر اور قابل اعتبار کتابون سے خارج کردیا ہے
اسی الفاروق کے شروع مین قدیم اور جدید معتبر مورخین اور تاریخون کی فہرست
دے دی ہے جس مین بکیر مدنی، نضر بن مزاحم کوفی، سیف بن عمر اسدی، معمر بن راشد کوفی
عبداللہ بن سعد، ابو البختری، مدائنی، خزاز، بن عبدہ اور عمر بن شیبہ پھر ابن قتیبہ دینوری
ابن سعد، یعقوبی، بلاذری، طبری، مسعودی کو قدماء کے دور میں اور ابن اثیر، سمعانی، ذہبی
ابو الفدا، نویزی، سیوطی، ابن خلکان، ابن خلدون کو متاخرین کے دور میں مستند مانا ہے
(الفاروق صہ تا ۱۰) اس پوری فہرست مین کہیں ابن حبان یا ان کی کتاب الثقاۃ کا ذکر نہین ہے
اس وجہ سے اس کا ذکر بے فائدہ ہے۔ اس کے بعد آپ نے ابن قتیبہ کی معارف کا حوالہ دیا ہے
لطف یہ ہے کہ وہ بھی ایسے ہی تماشون کا ڈھول ہے مصنف نے ہر جگہ راوی کا نام تو بتا دیا
ہے مگر اس عقد کے واقعہ کا کوئی راوی دنیا میں ہوا ہی نہیں کیونکہ نہ یہ عقد ہوا نہ اس میں
کوئی شخص شریک ہوا، نہ اس کو کسی نے دیکھا، نہ اس کو اس وقت کسی نے سنا تو اسکا
راوی آتا کہاں سے؟ مجبوراً علامہ ابن قتیبہ نے اس کو بھی اپنی کتاب میں چانڈو خانہ کی گپ
کی طرح بے سلسلہ، بغیر بیان راوی لکھ دیا۔ ایک جگہ تحریر کرتے ہیں ولد عمر بن الخطاب فاطمۃ
وزید او امھما ام کلثوم بنت علی من فاطمۃ۔ حضرت عمر کی بیٹی فاطمہ اور بیٹے زید ام کلثوم
دختر حضرت علی و فاطمہ سے پیدا ہوئے تھے (معارف مطبوعہ مصر صہ ۶۰) اور دوسری جگہ
لکھا ہے واما ام کلثوم الکبریٰ وھی بنت فاطمۃ فکانت عند عمر بن الخطاب یعنی ام کلثوم
دختر جناب فاطمہ جناب عمر کے ہاں تھیں (صفحہ ۷۰) اور ابن قتیبہ ۲۱۳ھ میں پیدا اور
۲۷۶ھ میں مرے ہیں۔ پس جو واقعہ ان سے ۲۵۹ سال قبل (۱۷ھ مین) بیان
کیا جاتا ہے۔ اُس میں خود تو وہ شریک نہیں تھے اور نہ شریک واقعہ
تک اس کے تمام راویوں بلکہ کسی ایک راوی کا بھی نام بتایا۔ تو ان کے بیان پر بھی
کیونکر اعتبار کیا جائے؟ ابن قتیبہ صاحب سے سوال کرو کہ جناب والا تو ۲۲۳ھ
میں ہوش وحواس والے ہوئے اور واقعہ بیان کیا جاتا ہے ۱۷ھ کا تو دو سو
سال قبل کا واقعہ آپ کو معلوم کیسے ہوا کہ آپ نے اپنی کتاب مین درج کر دیا؟
کیا کسی راوی نے بیان کیا؟ تو اس کا نام بتائیے۔ کیا کسی شریک واقعہ نے خبر
دی؟ تو اس کا پتا بتائین۔ کیا آپ نے خواب میں دیکھا؟ تو اس کا ذکر کیجئے۔ کیا

آپ پر وحی نازل ہوتی؟ تو اس کا دعوے کیجئے۔ کیا آپ سے کسی فرشتہ نے کہا تو اس کی تصریح کیجئے۔ غرض اس دو سو سال قبل کے واقعہ کا علم آپ کو جس ذریعہ سے بھی ہوا اس کو معین کیجئے کہ اس کی حقیقت سمجھی جائے۔

آخر میں مولوی صاحب نے ابن اثیر کا حوالہ دیا ہے۔ اس کی عبارت بھی ملاحظہ ہو ثم تزوج ام کلثوم بنت علی ابن ابی طالب وامہا فاطمۃ بنت رسول اللہ۔ پھر حضرت عمر نے حضرت ام کلثوم سے شادی کی جو حضرت علی اور حضرت فاطمہ دختر رسولؐ کی صاحب زادی تھیں (تاریخ کامل جلد ۳ ص ۲۱) اس عبارت میں بھی کسی راوی کا ذکر نہیں ہے نہ اس کا بیان ہے کہ انھوں نے اس فرضی واقعہ کو کس کتاب سے لیا۔ علامہ ابن اثیر نے ۶۳۰ھ میں انتقال کیا ہے۔ اب کون بتائے کہ ۱۷ھ میں جو واقعہ عقد بیان کیا جاتا ہے اس کی خبر چھ سو سال کے بعد علامہ ابن اثیر کو کیونکر ہو گئی؟ اگر کسی کتاب میں انھوں نے دیکھا تو ۱۷ھ میں کوئی کتاب لکھی ہی نہیں گئی۔ خود مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا اور اسلام میں تدوین و تالیف کا آغاز خلیفہ منصور عباسی کے زمانہ سے تقریباً ۱۴۳ھ میں ہوا" (سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۸) ۔ اگر تاریخ کامل ۶۳۰ھ میں لکھی گئی ہوتی جب بھی اس کے مصنف سے پوچھا جاتا کہ جس واقعہ کو تم لکھتے ہو وہ ۱۷ھ کا ہے۔ ۱۲۶ سال پہلے جو بات ہوئی تھی اس کی خبر تم کو کیسے ہو گئی؟ اگر کسی سے سنا تو اس کا نام بتاؤ۔ اگر کسی سے پڑھا تو اس کا پتا دو۔ پھر جب تاریخ کامل ۶۲۹ھ میں لکھی گئی تو چھ سو سال پہلے کا واقعہ ان کو معلوم کیسے ہوا؟ کس طرح تحقیق کی جائے کہ علامہ ابن اثیر نے جس ذریعہ سے اس کو جانا وہ صحیح تھا یا غلط؟ قاعدہ تھا یا بے قاعدہ؟ مطابق عقل تھا یا خلاف عقل۔ مختصر یہ کہ جن کتابوں میں یہ غلط اور بیہودہ افسانہ مرقوم ہے سب کا یہی حال ہے کہ کسی راوی کا ذکر نہیں۔ کسی بیان کرنے والے کا پتا نہیں۔ کسی چشم دید گواہ کا قول نہیں۔ کسی خبر دینے والے کا نشان نہیں۔ مصنفین نے سن لیا کہ حضرت عمر نے ایک عورت ام کلثوم سے بھی شادی کر لی تھی اور چونکہ جناب سیدہ کی صاحب زادی ام کلثوم اپنی خاندانی عظمت و جلالت کی وجہ سے سب سے زیادہ مشہور تھیں اسوجہ سے ان لوگوں نے اس ام کلثوم کو جناب سیدہ ہی کی بیٹی فرض کر کے خلاف عقل باتیں ملا دیں اور پورا قصہ بنا دیا۔ بعد والے اسی کو لے اڑے کہ فلاں کتاب میں لکھا ہے۔ جسقدر تاریخی کتابوں میں اس کا ذکر ہے سب کی انتہا بہ سلسلہ تاریخ طبری تک پہنچتی ہے اور اس کا یہ حال ہے کہ دوسرے واقعات تو راویوں کے بیان سے لکھے گئے ہیں

Marfat.com

مگر ام کلثوم کے عقد کا واقعہ خاص مصنف صاحب کے ذاتی اجتہاد کا ممنون احسان ہے۔ انھوں نے سنہ ۳۰۰ھ میں غور کیا کہ "حضرت عمر کے بارے میں مشہور ہے کہ ام کلثوم سے بھی شادی کی تھی۔ وہ ام کلثوم کون تھیں؟ ہو نہ ہو جناب سیدہ کی بیٹی تھیں"۔ بس فوراً اپنی تاریخ میں لکھ ڈالا۔ مگر یہ نہیں بتا سکتے کہ اس ام کلثوم کا دختر جناب سیدہؑ ہونا اُن سے کسی نے بیان کیا یا انھوں نے کسی سے سنا۔ اس سبب سے کسی راوی کا نام تک نہیں لیا اور اپنے دعوے کو بے دلیل، بے سند لکھ کر آگے بڑھ گئے۔ مختصر یہ کہ جن مورخوں نے اس فسانہ کو لکھا صرف اس وجہ سے کہ حضرت عمر کی بی بیوں میں ایک ام کلثوم کا نام بھی عوام کی زبان یا اپنے بزرگوں یا استادوں سے سن لیا اور اپنی عقلی تُک بندیوں سے یہ رائے قائم کر لی کہ وہ ام کلثوم ضرور جناب سیدہؑ کی صاحب زادی ہی ہونگی۔ کسی مصنف سے کسی راوی نے یہ نہیں بیان کیا کہ وہ ام کلثوم واقعاً یہی معظمہ تھیں۔

علم رجال کی کتابیں مذکور بالا تقریر علم تاریخ کی کتابوں کے متعلق تھی کہ کسی تاریخی کتاب میں کسی راوی کا بیان نہیں کہ حضرت ام کلثوم کی شادی حضرت عمر سے ہوئی تھی۔ مگر ایک دوسرے فن "علم رجال" یا "علم طبقات" کی بعض کتابوں میں راویوں کا ذکر ہے۔ اب اُن کی تحقیق آسان ہے کہ وہ راوی کیسے تھے۔ اور اُن کے بیان پر کہاں تک اعتماد کیا جائے۔ اس فن کی ایک کتاب استیعاب ہے جسکے مصنف حافظ ابو عمر معروف بہ ابن عبد البر قرطبی ہیں جو سنہ ۴۰۳ھ میں مرے۔ یہ کتاب استیعاب ریاست حیدر آباد دکن میں چھپی ہے اس میں پہلے خود مصنف نے لکھا کہ حضرت عمر نے حضرت علی سے آپ کی صاحب زادی ام کلثوم کی خواستگاری کی مگر اس کا ذکر نہیں کہ وہ صاحب زادی جناب سیدہؑ کے بطن سے تھیں۔ اس کے بعد راویوں کا دو سلسلہ بھی بیان کیا ہے ایک یہ ہے حدثنا عبد الوارث حدثنا قاسم حدثنا الحنشی حدثنا ابن ابی عمر حدثنا سفیان عن عمرو بن دینار عن محمد بن علی ان عمر ابن الخطاب خطب الی علی ابنتہ ام کلثوم۔ دوسرا سلسلہ یہ ہے وذکر ابن وھب عن عبد الرحمن بن زید بن اسلم عن ابیہ عن جدہ ان عمر بن الخطاب تزوج ام کلثوم بنت علی بن ابیطالب (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۹۵)۔ اب ان راویوں کی تحقیق کر لو تو سب ابر چھٹ جائے۔ علامہ ذہبی کی کتاب میزان الاعتدال راویوں کی تحقیق کا بے مثل و نظیر ذخیرہ ہے۔ اس میں چھ عبد الوارث کا ذکر ہے ایک کوفی ہے اُس سے کسی قاسم کے روایت کا ذکر ہی نہیں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب حافظ ابو عمر قرطبہ کے رہنے والے تھے جو یورپ میں ہے اور عبد الوارث کوفی تھے تو ان عبد الوارث کی روایت ان تک

Marfat.com

نہیں پہنچی ہوگی۔ دوسرے عبدالوارث کے بارے میں ہے کہ وہ قدری متعصب تھا وکان حماد بن زید یخطئ المحدثین عن الحمل عنہ۔ حماد بن زید محدثین کو تاکید کرتے تھے کہ خبردار عبدالوارث سے کوئی روایت نہ لینا۔ تیسرے عبدالوارث کو مجہول (جس کی کوئی حالت نہ معلوم ہو سکے) لکھا ہے۔ چوتھے عبدالوارث کو لکھا ہے لایعرف والخبر منکر کہ یہ پہچانا نہیں جاتا اور اسکی روایت مہمل ہے۔ پانچویں عبدالوارث کو لکھا ہے ضعفہ الدارقطنی وقال الترمذی عن البخاری عبدالوارث منکر الحدیث وقال ابن معین مجہول۔ یعنی امام دارقطنی نے کہا ہے کہ عبدالوارث ضعیف راوی ہے اور امام ترمذی نے امام بخاری سے بیان کیا ہے کہ عبدالوارث بہت وہ حدیثیں بیان کرتا ہے اور ابن معین نے کہا کہ وہ مجہول ہے۔ چھٹے عبدالوارث کو لکھا ہے لا یکتب حدیثہ یعنی وہ اس قابل نہیں کہ اس کی حدیثیں لکھی جائیں (میزان الاعتدال جلد ۲ صـ۱۴۴ مطبوعہ لکھنؤ) دوسرے سلسلہ کا پہلا راوی ابن وہب ہے۔ اسکے بارے میں لکھا ہے لا یعرف یعنی یہ غیر معروف ہے (میزان الاعتدال جلد ۲ صـ۶۷۹) اور عبدالرحمن بن زید بن اسلم کے بارے میں ہے یحییٰ بن معین یقول بنو زید بن اسلم لیسوا بشئ۔ یقول بنو زید ضعیف وقال البخاری عبدالرحمن ضعفہ علی جدا وقال النسائی ضعیف۔ یعنی یحییٰ ابن معین کہتے تھے کہ زید بن اسلم کے سب لڑکے بے حقیقت اور ناقابل التفات ہیں۔ یہ بھی کہتے تھے کہ زید کے سب لڑکے ضعیف ہیں اور بخاری نے کہا ہے کہ عبدالرحمن کو علی نے بہت زیادہ ضعیف کہا ہے۔ اور امام نسائی کہتے تھے کہ عبدالرحمن ضعیف راوی ہے (میزان الاعتدال جلد ۲ صـ۵۱۹) ——

صحابہ اور صحابیات کے حالات میں سب سے بڑی علامہ ابن حجر عسقلانی کی کتاب الاصابہ ہے۔ اس میں ایک روایۃ ابن ابی عمر مقدسی کی ہے جو کہتا تھا حدثنی سفیان عن عمرو عن محمد بن علی۔ یعنی مجھ سے بیان کیا سفیان نے اس نے عمرو سے اس نے محمد بن علی سے۔ اب سفیان کی تحقیق کیونکر کی جائے کہ کون تھا۔ سچا تھا یا جھوٹا اسلئے کہ میزان الاعتدال میں ۲۴ سفیان کا ذکر ہے۔ سب کا حال ولدیت کے ساتھ لکھا ہے اور ابن حجر نے سفیان کی ولدیت لکھی ہی نہیں کہ معلوم ہو وہ ابن نشیط تھا یا ابن وکیع یا ابن منقذ یا ابن زیاد۔ ان ۲۴ سفیان سے کسی کے بارے میں لکھا ہے ضعیف۔ کسی کے بارے میں ہے لیس بصحیح یعنی اس کی روایۃ صحیح نہیں ہوتی تھی۔ کسی کے بارے میں ہے لا ادری من ھو یعنی میں نہیں جانتا کہ یہ کون شخص تھا۔ کسی کے بارے میں ہے یدلس ویکتب عن الکذابین یعنی سفیان دھوکا فریب سے کام لیتا اور اول درجہ کے جھوٹے لوگوں سے حدیثیں لکھا کرتا۔ (دیکھو

Marfat.com

میزان الاعتدال جلد ۱ صفحہ ۳۵۲ تا ۳۵۵) اسی طرح علامہ ابن حجر نے عمرو کی ولدیت نہیں لکھی کہ پتا لگایا جائے یہ کون تھا سچا مانا جاتا تھا یا جھوٹا۔ علامہ ذہبی نے کم و بیش ۱۵۰ عمرو کا ذکر کیا ہے اور سب کی ولدیت بھی لکھی ہے مگر علامہ ابن حجر نے کسی کی ولدیت نہیں بیان کی تو کس عمرو کو سمجھا جائے اور کس کو ترک کیا جائے؟۔ دوسری روایت دہی ابن وہب والی ہے عبدالرحمن بن زید بن اسلم کی جو استیعاب میں بھی مذکور ہے اور جس پر تبصرہ گزشتہ سطروں میں کیا جا چکا۔ تیسری روایت یہ لکھی ہے ذکر ابوالبشر الدولابی فی الذریۃ الطاھرۃ من طریق ابی اسحاق عن الحسن بن الحسن بن علی یعنی ابوالبشر دولابی نے ذریۃ طاہرہ میں طریق ابواسحاق سے حسن بن حسن بن علی سے بیان کیا ہے اس روایۃ میں ابواسحاق کا تعلق ہے مگر یہ ذکر ہی نہیں کیا کہ یہ ابواسحاق کس کے فرزند اور کہاں کے رہنے والے تھے۔ علامہ ذہبی نے متعدد ابواسحاق کا ذکر کیا ہے ایک کے بارے میں ہے شیخ حجازی یعنی حجازی شیخ تھے۔ دوسرے کے بارے میں دوسی۔ تیسرے کے بارے میں کوفی چوتھے کے بارے میں اشجعی پانچویں کے بارے میں سبیعی۔ چھٹے کے بارے میں ہجری۔ ساتویں کے بارے میں قتسرینی آٹھویں کے بارے میں حمیسی نویں کے بارے میں مجہول دسویں کے بارے میں خوارزمی۔ گیارہویں کے بارے میں لایعرف (نہیں معلوم کون ہے) بارہویں کے بارے میں جرشی تیرہویں کے بارے میں ہاشمی چودھویں کے بارے میں مولے بنی ہاشم پندرہویں کے بارے میں مولے قریش سولہویں کے بارے میں مولے عبداللہ لکھا ہے۔ لیکن علامہ ابن حجر نے اپنے ابواسحاق کی کوئی علامت نہیں لکھی تو کیونکر تحقیق کی جائے کہ اس روایۃ کا ابواسحاق کون تھا۔ کہاں کا تھا۔ سچا تھا یا جھوٹا۔ حدیث گڑھتا تھا یا تدلیس کرتا تھا یا ثقہ تھا۔ غرض علامہ ابن حجر نے بھی اسی طرح بے سروپا راویوں کا ذکر کیا ہے جسکو اس زمانہ میں کوئی شخص نہیں ملے کر سکتا کہ ان کی روایۃ تسلیم کی جائے یا ردی کی ٹوکری میں ڈال دی جائے۔ چوتھی روایت انس بن عیاض سے لکھی ہے مگر میزان الاعتدال میں اس نام کا کوئی شخص مذکور نہیں ہے ایک انس بن جندل۔ دوسرے انس بن عبدالحمید تیسرے انس بن عمر چوتھے انس بن القاسم ہیں مگر انس بن عیاض کسی شخص کا نام مرقوم ہی نہیں ہے۔ تو کیونکر تحقیق کی جائے کہ ان کی روایۃ کیسی تھی؟۔ پانچویں روایۃ عطاء خراسانی کے طریق سے ہے۔ ان کے بارے میں علامہ ذہبی نے لکھا ہے وقد ذکر البخاری عطاء الخراسانی فی الضعفاء یعنی بخاری صاحب نے عطاء خراسانی کو ضعیف راویوں میں ذکر کیا ہے (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۱۷۹) غرض یہ

روایت کی یہی حالت ہے کہ کسی راوی کا یا تو حال ہی نہیں معلوم ہوتا۔ یا معلوم ہوتا ہے تو یہ کہ وہ ضعیف تھا۔ جھوٹا تھا۔ روایت میں دھوکے فریب سے کام لیتا تھا۔ تو پھر اعتبار کیصورت کیا رہی؟ اسلامی کتب حدیث و تاریخ کا یہ طرۂ امتیاز ہے کہ ان میں جو واقعات لکھے جاتے ہیں وہ اُن راویوں کے ذریعہ سے جو اُس واقعہ کے زمانہ میں موجود تھے۔ اور ان لوگوں سے بعد کے جن لوگوں نے سنا اُن سے بعد والے بیان کرتے ہیں اسی طرح مصنف کے زمانہ تک راویوں کا سلسلہ جوڑ دیا جاتا ہے۔ پھر دیکھا جاتا ہے کہ یہ سب راوی کیسے تھے، سچے یا جھوٹے۔ صحیح عقل و دماغ والے یا کمزور۔ ایماندار تھے یا بے ایمان حضرت ام کلثوم کے عقد کے بارے میں بھی اگر کسی کتاب میں ایسے راویوں کا سلسلہ بتایا جاتے جو ۱۷ھ سے مصنف کتاب کے زمانہ تک یکے بعد دیگرے معتبر شخصوں کے ذریعہ سے اسکو بیان کرتے رہے تو ان کے ماننے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔ مگر حالت تو یہ ہے کہ تاریخ کی کل معتبر اور قابل لحاظ کتابیں راویوں کے ذکر سے بالکل خاموشی کے عالم میں ہیں۔ وہ ذکر ہی نہیں کرتیں کہ ان کے مصنف سے کس نے بیان کیا کہ یہ واقعہ ہوا۔ دوسرے فنون مثلاً رجال وغیرہ کی کتابوں میں اگر راویوں کا ذکر ہے بھی تو ایسا کہ ایک بچہ بھی اس کو فرضی قرار دیدے گا کیونکہ جب ایک نام کے سیکڑوں شخص ہیں تو ہر راوی کو بتانا چاہیے کہ مجھ سے فلاں شخص نے جو فلاں کا بیٹا یا فلاں جگہ کا رہنے والا یا فلاں علامت رکھنے والا تھا بیان کیا۔ اور اس نے فلاں شخص سے جو اُس آدمی کا بیٹا یا اُس جگہ کا رہنے والا تھا سنا تھا۔ اور اس نے فلاں آدمی سے جو اُس شخص کا بیٹا تھا معلوم کیا تھا۔ لیکن چونکہ حضرت ام کلثوم کا عقد حضرت عمر سے ہوا ہی نہیں اور نہ کسی نے واقعاً اس کو دیکھا نہ سنا اسوجہ سے اس کے معتبر راویوں کا پتا بھی قیامت تک نہیں مل سکتا۔ اور جس طرح دنیا میں بہت سی مہمل اور خلاف عقل باتیں مشہور ہیں جن کا غلط ہونا ہر شخص سمجھتا ہے بالکل اسی طرح اس افسانۂ عقد کو بھی صرف خوش عقیدہ لوگوں کی ایجاد بندہ ماننا پڑے گا۔

تحقیق روایۃ کی دوسری منزل مولوی شبلی صاحب اور دوسرے مورخین نے لکھا ہے "جناب امیرؑ سے حضرت عمر نے حضرت ام کلثوم کے لئے درخواست کی۔ جناب ممدوح نے پہلے ام کلثوم کی صغر سنی کے سبب سے انکار کیا" جس سے معلوم ہوا کہ ۱۷ھ میں جناب ام کلثوم اتنی کمسن تھیں کہ جناب امیرؑ نے انکار کیا۔ مگر کیا واقعاً حضرت ام کلثوم اُس وقت کمسن تھیں؟ معلوم ہے کہ حضرت امام حسنؑ کی ولادۃ ۳ھ میں اور حضرت امام حسینؑ کی ولادۃ ۴ھ میں ہوئی۔ پھر جناب زینب ۵ھ

Marfat.com

میں اور جناب ام کلثوم ۶ھ میں پیدا ہوئی ہونگی۔ اس حساب سے ۱۷ھ میں آپ گیارہ سال کی تھیں۔ اور عرب میں لڑکیاں نو برس ہی میں بالغ ہو جاتی ہیں۔ لیکن حضرت ام کلثوم کو تو بارہواں سال تھا۔ اس سن میں صغر سنی کا عذر کیونکر ہوتا؟ جب حضرت عائشہ صرف ۶ سال کی تھیں۔ اُس وقت آپ کے بارے میں حضرت رسولؐ سے کہا گیا اور اُن کے والدین نے ان کی عمر کو کم نہیں سمجھا اور نہ ان کی صغر سنی کا عذر کیا۔ پھر حضرت ام کلثوم کے گیارہ سال کی ہونے پر یہ عذر کس عقل سے کیا جاتا ہے حضرت عمر نے آپ کے ساتھ وہ برتاؤ کیا جو چار یا پانچ سال کی لڑکی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ فقال لہ علی ابعث بھا الیک فان رضیت فھی امرأتک فارسل بھا الیہ فکشف عن ساقھا فقالت مہ لولا انک امیر المومنین للطمت عینیک۔ حضرت علی نے ان (حضرت عمر) سے فرمایا میں اس (لڑکی ام کلثوم) کو تمہارے پاس بھیجدونگا۔ اگر وہ راضی ہو جائیگی تو وہ تمہاری بیوی ہے۔ غرض حضرت علی نے ام کلثوم کو ان کے پاس بھیجدیا تو حضرت عمر نے ان کی پنڈلی کھولدی۔ اس پر وہ بولیں خبردار! اگر تم حاکم وقت نہ ہوتے تو میں طمانچہ مار کر تمہاری آنکھ زخمی کر دیتی (اصابہ جلد ۸ ص ۲۷۰) غور کرو کیا گیارہ سال کی عرب کی لڑکی کے ساتھ یہ بات ہو سکتی ہے کہ حضرت عمر اس کی پنڈلی کھولدیں؟ عقل یا شرع یا قریش کی غیرت اسکو مان سکتی ہے؟ یہ مت کہو تو دو تین یا چار پانچ سال کی لڑکی کے سوا کسی کے ساتھ بھی نہیں ہو سکتا۔ اور سنو مورخین لکھتے ہیں لما خطب عمر الی علی ابنتہ ام کلثوم قال علیؑ ان علیؑ امرأتے استاذنہم۔ فاتی ولد فاطمۃ فذکر ذلک لھم فقالوا زوجہ۔ فدعا ام کلثوم وھی یومئذ صبیۃ فقال لھا انطلقی الی امیر المومنین فقولی لہ ان ابی یقرئک السلام ویقول لک قد قضیٰ حاجتک التی طلبت۔ فاخذھا عمر فضمھا الیہ وقال انی خطبتھا الی ابیھا فرد جنبیھا۔ قیل یا امیر المومنین ما کنت تردین الیھا انھا صبیۃ صغیرۃ۔ جب حضرت عمر نے حضرت علی سے جناب ام کلثوم کی خواستگاری کی تو حضرت علیؑ نے فرمایا میرے اوپر کچھ اور لوگ حاکم ہیں۔ میں اُن لوگوں سے دریافت کر لوں تب کہوں۔ اسکے بعد حضرت جناب سیدہؑ کی اولاد کے پاس تشریف لے گئے اور اُن سے اس امر میں مشورہ کیا۔ سب نے منظور کر لیا۔ تو حضرتؑ نے جناب ام کلثوم کو بلایا۔ وہ اُس وقت بالکل بچی تھیں۔ اُن سے حضرت نے فرمایا سرکار کے پاس جاؤ اور کہو آپ کا مطلب پورا کر دیا گیا۔ وہ گئیں تو حضرت عمر نے اُن کو اپنے سینہ سے لپٹا لیا۔ اور لوگوں سے کہا میں نے ان کے باپ سے ان کی خواستگاری کی تو وہ مجھ سے ان کی

Marfat.com

شادی کر دینے پر راضی ہو گئے۔ لوگوں نے یہ سنا تو کہا سرکار! آپ ان سے کیوں شادی کرنی چاہتے ہیں؟ یہ تو بالکل ہی نادان بچی ہیں (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۳۱۵)۔ عربی زبان میں صبیہ اُس چھوٹی بچی کو کہتے ہیں جس کا ابھی دودھ نہ چھڑایا گیا ہو (قاموس صفحہ ۸۸۷ و منتہی الارب صفحہ ۸۰۰ وغیرہ)۔ ان روایات سے یہ یقینی ہے کہ ام کلثوم اتنی کمسن بچی تھیں کہ ابھی دودھ پیتی تھیں۔ دوسروں کے ہاں بھیجی جا سکتی تھیں۔ پردہ نہیں کرتی تھیں اور جس طرح چھوٹی بچی پیار سے لپٹائی جاتی ہے وہ بھی تھیں۔ اسی وجہ سے وہ حضرت عمر کے ہاں بھیجی گئیں۔ ان سے پردہ نہیں کیا۔ اُن کے دربار میں جو دوسرے لوگ تھے اُن سے بھی پردہ نہیں ہوا۔ برقع تک اوڑھ کر نہیں گئیں۔ حضرت عمر نے اُن کی نہایت درجہ کم سنی کی وجہ سے ان کو اپنے سینہ سے لپٹا لیا اور ان کے بالکل ناسمجھ بچی ہونے کی وجہ سے اُن کی پنڈلی بھی کھولدی۔ آپ عقل سلیم بتائے کہ یہ سب باتیں اس عورت کے ساتھ ہو سکتی ہیں جو عرب ایسے گرم ملک میں پیدا ہوئی ہو اور جسکی عمر کا اُسوقت بارہواں سال ہو؟ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جس طرح امام حسنؑ و امام حسینؑ حضرت امیر المومنینؑ اور جناب سیدہؑ کے فرزند تھے جناب زینبؑ و ام کلثومؑ بھی انہیں حضرات کی صاحب زادی تھیں۔ یہ امر فطرت کے خلاف ہے کہ جناب امیرؑ امام حسنؑ و امام حسینؑ کی تو اسقدر عزت کریں کہ بغیر ان سے مشورہ کئے ہوئے حضرت عمر کے پیغام کا کوئی جواب نہ دیں۔ اور جناب ام کلثوم کو جو اُنہیں حضرات کی حقیقی بہن تھیں اس قدر ذلیل اور حقیر کر دیں کہ جو امر معمولی لوگوں کے لئے بھی باعث حقارت و ذلت ہو اُس تک سے اُن کو نہ بچائیں۔ کوئی شخص کسی لڑکی کی خواستگاری کرے تو کیا اُس سے عذر کرنے کے لئے اُس لڑکی ہی کو اُس مرد کے گھر بھیجدینا کسی ذلیل اور کمینہ آدمی سے بھی ہو سکتا ہے؟ ادنیٰ درجہ کے لوگ بھی اُس مرد یا اُس کے گھر والوں کو اپنے ہاں بلا کر کہیں گے کہ لڑکی موجود ہے اپنی کسی عورت کو اندر بھیجکر دکھلا لو کہ کیسی ہے۔ شادی قابل ہے بھی یا نہیں۔ پھر یہاں تو حضرت سید المرسلین کی نواسیؑ سید العرب کی صاحب زادی اور سیدہ نساء العالمین کی پارۂ جگر کا معاملہ ہے۔ ان کے بارے میں بہت زیادہ اہتمام ہونا چاہیئے تھا۔ حضرت فرما دیتے کہ تم اپنی بہن یا اپنی بیٹی حضرت حفصہ کو میرے گھر بھیجکر دکھلا لو ام کلثوم کی عمر کیا ہے۔ بچی ہے یا شادی قابل ہو چکی ہے۔ لیکن بجائے اسکے اُن کو حضرت عمر کے پاس غیر مردوں کے مجمع میں بھیجدینا بتاتا ہے کہ وہ لڑکی یہ ام کلثوم نہیں تھیں بلکہ کوئی اور دو ڈھائی سال کی بچی تھی اور وہ بھی زیادہ عزت و شان والی نہیں تھی۔ اسوجہ سے

بے تکلف حضرت عمر کے پاس بھیجدی گئی۔ یا یہ کہ اس کو حضرت عمر سے کوئی خاص قرابت یا خصوصیت تھی اسوجہ سے انہیں کی بچی سمجھ کر اُن کے پاس بھیجدی گئی کہ یہ گویا تمھاری ہی بیٹی ہے۔ اگر تم کو اس سے شادی زیب دے تو تم جانو اور یہ جانے۔ میں اس میں کچھ بول نہیں سکتا۔ اور حضرت عمر نے بھی اُسوقت اُس لڑکی کو اسی وجہ سے اپنے سینہ سے لپٹا لیا کہ اس کی سابق قرابت اور خصوصیت کے خیال سے آپ کے جذبات محبت ابھر آئے اور بے ساختہ اُس کا پیار کرنے لگے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اس وقت (شادی کے قبل) حضرت عمر کا اس لڑکی کو اپنے سینہ سے لپٹانا اور اُسکی پنڈلی کا کھول کر دیکھنا کسی طرح مناسب نہیں کہا جا سکتا نہ آپ کے اس فعل کو کوئی شخص اچھا سمجھ سکتا ہے مگر اُس وقت دیکھنے والے آپ پر اعتراض کی بوچھار کر دیتے کہ یہ کیسی تہذیب اور کس قسم کی شرافت ہے۔ لیکن چونکہ سب اہل مدینہ جانتے تھے کہ وہ لڑکی حضرت عمر کی بیٹی برابر ہے اس وجہ سے کسی نے اس طرف توجہ نہیں کی۔

حضرت عمر کی زوجہ ام کلثوم کا سال وفاۃ اب اس کی تحقیق کرو کہ حضرت عمر کی زوجہ ام کلثوم کب تک زندہ رہیں۔ مورخین و محدثین نے لکھا ہے ولدت لعمر ابنیہ زیدا و رقیۃ و ماتت ام کلثوم و ولدھا فی یوم واحد۔ جناب ام کلثوم کے بطن سے حضرت عمر کے فرزند زید اور دختر رقیہ پیدا ہوئی اور ام کلثوم اور اُن کے فرزند نے ایک ہی دن انتقال کیا (اصابہ جلد ۸ ص۲۷۵) ماتت ام کلثوم وابنھا زید فی وقت واحد وصلے علیھما ابن عمر قدمہ الحسن بن علی۔ ام کلثوم اور اُن کے فرزند زید نے ایک ہی وقت میں انتقال کیا اور اُن کے جنازہ کی نماز عبداللہ بن عمر نے پڑھی کیونکہ امام حسنؓ نے انہیں (عبداللہ بن عمر) سے نماز پڑھانے کو کہا (تاریخ خمیس جلد ۲ ص۳۱۸) اور دنیا جانتی ہے کہ امام حسنؓ ۴۹ھ یا ۵۰ھ تک زندہ رہے۔ اس سبب سے یقینی ہوا کہ ام کلثوم جن کی نماز جنازہ امام حسنؓ نے ابن عمر سے پڑھوائی تھی ۴۹ھ کے پہلے مر چکی ہوں۔ اخبرنا وکیع بن جراح عن اسماعیل عن عامر قال مات زید بن عمر وام کلثوم بنت علی فصلے علیھما ابن عمر۔ وکیع بن جراح نے اسماعیل سے اُس نے عامر سے روایت کی کہ کہتے تھے زید اور اُن کی ماں ام کلثوم نے ایک ہی وقت میں انتقال کیا اور ابن عمر نے ان دونوں کی نماز جنازہ پڑھی (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص۳۴۲) اس کا مطلب بھی یہی ہوا کہ ام کلثوم زوجہ حضرت عمر نے ۴۹ھ کے قبل انتقال کیا تھا۔ ثم مات ھو (زید بن عمر) وامہ فی وقت واحد وصلے علیھما ابن عمر قدمہ حسن بن علی۔ حضرت عمر کے بیٹے زید اور

Marfat.com

اُن کی زوجہ ام کلثوم نے ایک ہی وقت میں انتقال کیا اور اُن دونوں پر ابن عمر نے نماز جنازہ پڑھی۔ امام حسنؑ نے انھیں کو نماز جنازہ پڑھانے کے لئے آگے بڑھا دیا (استیعاب جلد ۳ صہ ۹۷)۔

غرض حضرت عمر کی زوجہ ام کلثوم کے متعلق تمام کتابوں سے یہ چند باتیں یقینی طور پر ثابت ہوتی ہیں (الف) وہ ۱۷ھ میں دو ڈھائی سال کی بچی تھیں اور ایسی تھیں کہ نہ پردہ میں خود رہتی تھیں نہ رکھی جاتی تھیں (ب) حضرت عمر کی خواستگاری پر جناب امیرؑ نے ان کی بہت کم سنی کا عذر کیا اور دوسرے مسلمانوں نے بھی اُن کی کمسنی ہی کی وجہ سے اس شادی کے متعلق حضرت عمر پر اعتراض کیا (ج) حضرت عمر کے اصرار پر حضرت علیؑ نے اُن کو حضرت عمر کے گھر پر بھیج دیا۔ انھوں نے ان کو اپنے سینہ سے لپٹا لیا۔ اُن کی پنڈلی کھول کر دیکھ لی اور ام کلثوم نے اُن کو طمانچہ مارنا چاہا (د) ام کلثوم اور اُن کے بیٹے زید ایک ہی وقت مر گئے جسکی وجہ سے نہ بیٹے کی میراث ماں کو ملی اور نہ ماں کی میراث بیٹے کو (ہ) ام کلثوم نے عہد معویہ میں امام حسنؑ سے پہلے ہی انتقال کیا اور حضرت ہی نے اُن کی نماز جنازہ پڑھوائی۔

اور یہ یقینی ہے کہ یہ باتیں حضرت ام کلثوم دختر جناب سیدہؑ کے متعلق نہیں ہو سکتیں۔ اسی سبب سے خاندانِ رسولؐ کی فردیں بھی حضرت ام کلثوم دختر امیر المومنینؑ کے عقد سے برابر انکار کرتی رہیں کیونکہ وہ جانتی تھیں مذکورہ بالا باتیں نہ ان ام کلثوم میں تھیں نہ ہو سکتی تھیں۔ علامہ ابن حجر نے لکھا ہے میزداد تعجبا من انکار جماعۃ من جہلات اھل البیت فی ازمنتنا تزویج عمر بام کلثوم۔ اہل بیت کے جاہلوں کی ایک جماعت ہمارے زمانہ میں اس نکاح سے انکار کرتی ہے جس سے ہم لوگوں کا تعجب زیادہ ہوتا ہے۔ فلما رأھا قام الیھا واجلسھا فی حجرہ وقبلھا ودعا لھا۔ جب حضرت علیؑ نے ام کلثوم کو حضرت عمر کے پاس بھیجا تو وہ ان کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ اُن کو اپنی گود میں بٹھا لیا۔ اُنکے بوسے لئے اور اُن کے حق میں دعائے خیر کی۔ وتقبیل۔ وضمہ لھا علی جھۃ الاکرام لانھا لصغرھا لم تبلغ حدا تشتھی حتی یحرم ذلک ولو لا صغرھا لما بعث بھا ابوھا۔ اور حضرت عمر نے جو ام کلثوم کو اپنی گود میں بٹھایا اور اپنے سینہ سے لپٹایا اُن کے ساتھ یہ برتاؤ اُن کی عزت کے خیال سے کیا کیونکہ ام کلثوم اپنی کمسنی کے سبب سے اس عمر کو پہنچی ہی نہیں تھیں کہ اُن پر شہوت ہو سکتی جسکی وجہ سے حضرت عمر کے لئے یہ باتیں حرام ہوتیں۔ اگر وہ بہت چھوٹی بچی نہ ہوتیں تو اُن کے والدین اُن کو حضرت عمر کے پاس بھیجتے ہی نہیں (صواعق محرقہ صہ ۷۶)۔ علامہ ابن حجر سے کون پوچھے کہ اگر یہ ام کلثوم واقعاً جناب سیدہؑ ہی کی بیٹی تھیں تو ۱۷ھ میں وہ گیارہ سال

Marfat.com

کی ہوتے ہوئے اتنی چھوٹی کس طرح ہوگئیں کہ مورخین نے اُن کو صغیرہ (دودھ پیتی بچی) سے تعبیر کیا۔ حضرت علیؓ کا اُن کو حضرت عمر کے پاس بھیجنا بھی درست ہوگیا۔ اور حضرت کا اُن کے بوسے لینا، گود میں بٹھانا اور سینہ سے لپٹانا بھی جائز قرار پایا۔ درصورتیکہ اسی عرب اور اُسی قبیلہ قریش کی عورتوں کی حالت یہ تھی کہ حضرت عائشہ جب صرف ۹ سال کی تھیں تو ہم بستری کے قابل ہوگئی تھیں چنانچہ خود معظمہ بیان فرماتی تھیں کہ اتنی ہی عمر میں رسولؐ نے میرے ساتھ جماع کیا۔ مختصر یہ کہ عقل و نقل دونوں ہی سے یہ بات ثابت ہے کہ ۱۷ھ میں ام کلثوم زوجۂ عمر بالکل ننھی ناداں گود میں بٹھانے بلکہ بوسے لینے کے قابل اور تمام بدن دیکھے لائق بچی تھیں۔ اور یہ کہ وہی ام کلثوم ۹۹ھ کے قبل مرگئیں جس کے بعد وہ دنیا میں موجود ہی نہیں تھیں۔ اور ۹۹ھ کے بعد جو ام کلثوم دنیا میں تھیں وہ کسی طرح حضرت عمر کی زوجہ نہیں ہوسکتیں کیونکہ ایک ہی عورت کا ۹۹ھ میں مرجانا اور ۱۱۷ھ میں یا اُس کے بعد بھی زندہ رہنا عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے۔ اور جو شخص دونو کو ایک ہی کہے یا دونوں کے حالات ایک ہی عورت کے قرار دے یا دونوں کے تعلقات ایک مسماۃ سے منسوب کرے اُس کی طرف ارباب عقل کو توجہ نہیں کرنی چاہئے بلکہ اُس کو صاحب فہ ماننا بھی دشوار ہوگا۔ بچے تک کہہ دینگے کہ جو ام کلثوم ۹۵ھ کے قبل مرگئی دوسری تھی ا جو اسکے بعد زندہ رہیں وہ اور تھیں۔

حضرت ام کلثوم دختر جناب سیدہؑ کا سال ولادت و سال وفات

اب یہ بھی دیکھو کہ جناب امیرؑ و جناب سیدہؑ کی صاحب زاد حضرت ام کلثوم کس سال پیدا ہوئیں اور کس سال میں وفا پائی۔ اگر ثابت ہوجائے کہ وہ ۱۷ھ میں ۵ سال کی تھیں اور ۹۵ھ کے قبل ہی دنیا سے اٹھ گئیں تو ہمیں اُن کے زوجۂ حضرت عمر ہونے میں شبہہ نہیں ہوسکتا لیکن اگر اس کے خلاف ثابت ہو تو ماننا پڑے گا کہ یہ دوسری معظمہ تھیں اور حضرت عمر کی زوجہ ام کلثوم کوئی دوسری محترمہ اور صرف دونوں کا نام ایک ہی ہونے سے مورخین و مصنفین نے دھوکا کھایا اور دونوں کو لکھ دیا۔ علامہ ابن سعدؒ، علامہ ابن عبدالبرؒ، علامہ ابن اثیرؒ، علامہ ابن حجرؒ، علامہ ابن قتیبہ وغیرہ نے حضرت ام کلثوم کے حالات تو لکھے مگر کسی نے سال ولادت نہیں تحریر کیا لیکن یہ معلوم ہے کہ آپ حضرت زینبؑ سے چھوٹی اور جناب زینبؑ حضرت امام حسینؑ سے چھوٹی تھیں۔ اور امام حسینؑ ۴ھ میں پیدا ہوئے تو جناب ام کلثوم غالباً ۵ھ میں پیدا ہوئی ہونگی۔ اور ۱۷ھ میں جناب

نے وفات پائی۔ اس طرح ماں کے انتقال کے وقت جناب ام کلثوم پانچ سال کی ثابت ہوتی ہیں صاحب شرح مواقف اور صاحب سیرۃ حلبیہ نے جناب ام کلثوم دختر حضرت امیر المومنینؑ کو فدک کے گواہوں میں شمار کیا ہے جس کا مقدمہ ۱۱ھ میں (جناب سیدہؑ کی زندگی ہی میں) حضرت ابوبکر کے دربار میں لایا گیا تھا۔ اور شمس الدین محمد جزری نے حدیث من کنت مولاہ کو جناب سیدہؑ کی زبانی انہیں جناب ام کلثوم دختر جناب سیدہؑ کے سلسلہ سے بیان کیا ہے اور چونکہ پانچ سال سے کم عمر کا بچہ یا بچی گواہی دینے اور حدیث روایۃ کرنے کے قابل نہیں سمجھی جاتی اس سبب سے ماننا پڑے گا کہ حضرت ام کلثوم ۱۱ھ میں پانچ سال کی ضرور تھیں۔ لہذا ۱۷ھ میں جب کہ تمام مورخین نے بالاتفاق حضرت عمر کے عقد کا واقعہ لکھا ہے حضرت ام کلثوم کی عمر ۱۱ برس سے کم نہیں ہو سکتی اور وہ کسی اصول سے کمسن نہیں کہی جا سکتیں۔ عرب کا کیا ذکر ہے ہندوستان میں بھی ہر سال ۱۱ برس کی لاکھوں لڑکیاں صاحب اولاد ہو جاتی ہیں۔ ان وجوہ سے ماننا پڑیگا کہ وہ ام کلثوم جو حضرت عمر کے پاس بھیجی گئیں، اُن کو حضرت عمر نے گود میں بٹھایا، اُن کا بوسہ لیا، ان کو سینہ سے لپٹایا اور اُن کی پنڈلی کھول کر دیکھ ڈالی یہ نہیں ہو سکتیں بلکہ کوئی اور تھیں۔

اب حضرت ام کلثومؑ کے سال وفات کی تحقیق بھی کر لو تو کل عبار ہٹ جائے اور آفتاب حقیقت صاف چمکتا ہوا نظر آنے لگے۔ حضرت ام کلثومؑ کا واقعہ کربلا میں جو ۶۱ھ میں ہوا موجود رہنا، امام حسینؑ کا اُن سے باتیں کرنا۔ بہن کا بھائی کی شہادت پر رونا، کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام یزید کے پاس جانا ایسا ہی یقینی ہے جیسا حضرت امام حسینؑ کا بروز عاشورا شہید ہونا۔ چنانچہ مقتل ابی مخنف و مشہد ابی اسحاق اسفرائنی، و روضۃ الشہداء ملا حسین کاشفی و روضۃ الصفا اور حبیب السیر وغیرہ میں یہ تفصیل تمام مرقوم ہے۔ ابو مخنف کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے "حضرت ام کلثوم آنکھوں سے روتی ہوئی اور دل سے تڑپتی ہوئی مسجد رسولؐ کی طرف متوجہ ہوئیں اور کہا السلام علیک یا جداہ۔ اور مشہد ابی اسحاق میں ہے "آگے بڑھیں حضرت ام کلثوم اور کہا اے یزید تجھ پر وائے ہو"۔ اور روضۃ الشہداء میں ہے "ناگاہ ام کلثوم برپائے خواست و گفت اجازت دہ تا سر برادر بردارم و دیدار بازپسین او بہ بینم۔ یزید گفت این زنِ زبان دراز ہم خواہر حسین است۔ گفت آرے ایں ام کلثوم است۔ گفت اے ام کلثوم چون دیدی کہ خدائے تعالے ظن شما را دروغ کرد۔ ام کلثوم فرمود کہ خدائے تعالے منافقان را

دروغ گوے خواند۔ ان المنافقین لکاذبون۔ ناگاہ ام کلثوم کھڑی ہوگئیں اور فرمایا اے یزید اجازت دے کہ اپنے بھائی کے سر کو اٹھا کر اُس کا آخری دیدار حاصل کرلوں۔ یزید نے پوچھا یہ زبان دراز عورت کون ہے؟ کہا گیا حسینؓ کی بہن ام کلثوم ہیں۔ یزید نے کہا کیوں ام کلثوم! تم نے دیکھا نہ کہ خدا نے تم لوگوں کا خیال کس طرح جھوٹا کر دیا۔ ام کلثوم نے جواب دیا کہ خدا نے تو منافقوں کو جھوٹا کہا ہے قرآن مجید ہی میں ہے کہ یقیناً منافقین جھوٹے ہیں۔ اور کتاب روضۃ الاحباب میں ہے جسکو شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی سیرۃ کی بہترین کتاب فرماتے ہیں ام کلثومؓ و زینبؓ خواہران امام حسینؓ را پیش بردند۔ زینب را کہ چشم بر حسینؓ افتاد۔ الی ان قال۔ ناگاہ ام کلثوم برپائے خواست گفت اجازت دہ۔ الی ان قال۔ یزید گفت ایں زنِ زباندراز ہم خواہر حسینؓ است۔ گفتند آرے ام کلثوم است۔ یعنی امام حسینؓ کی دونوں بہنوں زینبؓ و ام کلثوم کو یزید کے سامنے لے گئے۔ زینبؓ کی نظر جب امام حسینؓ کے چہرے پر پڑی... ناگاہ ام کلثوم کھڑی ہوگئیں اور کہا اے یزید مجھے اجازت دے۔ یزید نے پوچھا یہ زبان دراز عورت بھی کیا امام حسینؓ کی بہن ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں یہی ام کلثوم ہیں (روضۃ الاحباب جلد ۳ صفحہ قلمی جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی مصنف کتاب تحفہ اثنا عشریہ نے واقعۂ شہادت کے متعلق ایک نہایت قابل قدر کتاب سر الشہادتین لکھی ہے اور اُن کے شاگرد جناب شاہ سلامت اللہ صاحب دہلوی نے اس کتاب کی شرح فارسی زبان میں تحریر کی ہے جس کا نام ہے تحریر الشہادتین۔ اس میں ممدوح لکھتے ہیں روایۃ کردہ اند کہ دے کہ اسیرانِ اہل بیت را بحضور ابن زیاد حاضر کردند گفت الحمد للہ الذی اکرمکم واکرب۔ حضرت ام کلثوم جواب دادند الحمد للہ الذی اکرمنا بمحمد وطھرنا تطھیرا۔ ابن زیاد گفت کیف رأیتم قدرۃ اللہ ام کلثوم در جواب فرمودند سیجمع اللہ بیننا وبینکم و ینصف بیننا وبینکم... کوفیان حال خرابی دودمان نبوت دیدند و گریستند۔ ام کلثوم گفت کہ اے مردم کوفہ حالا برائے چہ گریہ می کنید۔ لوگوں نے روایۃ کی ہے کہ جس وقت حضرات اہلبیت اسیر کرکے ابن زیاد کے پاس لائے گئے تو اس نے کہا خدا کا شکر ہے کہ اس نے تم لوگوں کو درد و اندوہ میں مبتلا کیا۔ حضرت ام کلثوم نے جواب دیا خدا کا شکر ہے کہ اُس نے ہم لوگوں کو حضرت محمدؐ سے عزت دی اور ہمیں خوب پاک و پاکیزہ کیا۔ ابن زیاد بولا کہو! تم نے خدا کی قدرت کیسی دیکھی؟ ام کلثوم نے جواب دیا بہت

خدا اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان جمع کرے گا اور انصاف فرمائے گا... جب کوفہ کے لوگوں نے خاندان رسالت کی تباہی و بربادی دیکھی تو رونے لگے۔ ام کلثوم نے اُن سے کہا اے کوفہ والو! اب کیوں روتے پیٹتے ہو... اور جب یزید کے پاس یہ حضرات پہنچے۔ یزید پرسید کہ این کدام زن است۔ گفتند زینب خواہر حسینؑ و دختر فاطمہ زہراؑ است پس ازاں ام کلثوم برخاست و بر سر حسینؑ افتادہ لب و دندان چنداں مالید کہ بے ہوش بر زمین غلطید۔ چوں بہوش آمد دعائے بد در حق یزید کرد و گفت کہ اے یزید تمتع از دنیا نیابی و چنانکہ ما را در بلا افگندی تو ہم در دنیا و عقبےٰ روئے راحت نہ بینی۔ یزید پلید گفت گر این زن ہم خواہر حسینؑ است۔ گفتند آرے ایں ام کلثوم دختر فاطمہ است۔ یعنی یزید نے پوچھا یہ کون عورت ہے؟ لوگوں نے کہا حسینؑ کی بہن اور فاطمہؑ زہرا کی بیٹی زینبؑ ہیں۔ اس کے بعد جناب ام کلثوم کھڑی ہوگئیں اور امام حسینؑ کے سر پر اپنے کو گرا دیا پھر حضرت کے ہونٹ اور دانتوں پر اپنا منہ اس درجہ ملا کہ بیہوش ہو کر زمین پر لوٹنے لگیں۔ جب ہوش میں آئیں تو یزید کے حق میں بددعا کرنے لگیں اور کہا اے یزید تو دنیا سے زیادہ نفع نہیں اٹھا سکے گا اور جس طرح ہم لوگوں کو مصیبت میں ڈالدیا تو بھی دنیا اور آخرت میں آرام کا منہ نہیں دیکھے گا۔ یزید پلید نے کہا کیا یہ عورت بھی حسینؑ ہی کی بہن ہے؟ لوگوں نے جواب دیا۔ ہاں یہ ام کلثوم دختر فاطمہ زہرا ہیں (تحریر الشہادتین مطبوعہ لکھنؤ صـ۷۷)۔ اور علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے فی حدیث ام کلثوم بنت علی قالت لاھل الکوفۃ اتدرون ای کبد فرثتم لرسول اللہؐ الفرث تفتیت الکبد بالغم والاذے یعنی حضرت علیؑ کی صاحب زادی جناب ام کلثوم نے (واقعۂ کربلا کے بعد) کوفہ والوں سے کہا تم جانتے بھی ہو کہ حضرت رسول خداؐ کے کیسے جگر کو تم نے پارہ پارہ کر دیا؟ (کتاب نہایۃ بذیل لغۃ فرث صفحہ ۲۶۸)۔ اور علامہ شیخ محمد طاہر گجراتی نے اپنی کتاب مجمع بحار الانوار جلد ۳ صـ۶۳ لغۃ فرث میں بھی یہی عبارت لکھی ہے۔ اور جناب مولوی وحید الزمان خان صاحب حیدر آبادی نے لکھا ہے "اتدرون ای کبد فرثتم لرسول اللہ۔ حضرت ام کلثوم حضرت علیؑ کی صاحب زادی نے کوفہ والوں سے فرمایا جب انھوں نے امام حسینؑ کو شہید کر دیا ارے تم جانتے ہو تم نے آنحضرتؐ کے کس جگر کو پارہ پارہ کیا۔ ایسے جگر گوشہ کو جس سے آنحضرت صلعم کو بالم برنخ میں پریشانی ہوئی"

Marfat.com

(انوار اللغۃ پارہ ۲۰ صہ ۳۱) اور علامہ شیخ سلیمان ملجی قندوزی لکھتے ہیں ام کلثوم فحین توجهت الی المدینۃ جعلت تبکی وتقول ؎ مدینۃ جدنا لاتقبلینا۔ فبالحسرات والاحزان جئنا ؎ خرجنا منک بالاهلین جمعا۔ رجعنا لارجال ولا بنینا۔ یعنی حضرت ام کلثوم جب کربلا و کوفہ و شام سے واپس ہو کر مدینہ کے قریب پہنچیں تو اس شہر کی طرف منہ کر کے رونے اور یہ نوحہ پڑھنے لگیں اے ہمارے نانا کے شہر مدینہ! تو اپنے میں ہم لوگوں کے آنے کو قبول نہ کر کیونکہ ہم لوگ حسرتوں اور مصیبتوں کا انبار لے کر واپس آئے ہیں۔ جب ہم تجھ سے نکلے تھے تو اپنے خاندان بھر کے ساتھ گئے تھے لیکن اب وہاں سے اس طرح پلٹے ہیں کہ نہ ہمارے مرد باقی رہے اور نہ بیٹے ہی بچے۔ سب شہید کر دیئے گئے۔ (ینابیع المودۃ صفحہ ۲۹۶)

ان تمام عبارتوں سے واضح ہے کہ حضرت ام کلثوم واقعۂ کربلا میں موجود تھیں اور وہاں سے مدینہ بھی واپس گئیں بلکہ آپ اس کے بعد بھی بہت دنوں تک زندہ رہیں۔ علامہ ابن حجر وغیرہ نے لکھا ہے لما تایمت ام کلثوم بنت علی عن عمر فتزوجها عوف بن جعفر فماتت عنده وذکر ابن سعد نحوه جب حضرت عمر کے مرنے پر ام کلثوم بیوہ ہو گئیں تو ان سے ان کے چچا زاد بھائی عوف بن جعفر نے شادی کی۔ وہ بھی مر گئے تو ان کے بھائی عبداللہ بن جعفر نے ان سے شادی کر لی۔ انہیں کے پاس ام کلثوم نے انتقال کیا (اصابہ جلد ۸ صہ ۱۷۵)۔ اور علامہ ابن سعد نے لکھا ہے تزوجها عمر بن الخطاب وهی جاریۃ لم تبلغ فلم تل عنده الی ان قتل وولدت زید بن عمر ورقیۃ بنت عمر ثم خلف علی ام کلثوم بعد عمر عون بن جعفر فتوفی عنها ثم خلف علیها اخوه محمد بن جعفر فتوفی عنها فخلف علیها اخوه عبد الله بن جعفر بعد اختها زینب بنت علی۔ جناب ام کلثوم جب بالکل نادان بچی تھیں تو آپ سے حضرت عمر نے شادی کی۔ وہ ان کی زندگی بھر انہیں کے پاس رہیں اور ان سے حضرت عمر کے دو بچے زید و رقیہ پیدا ہوئے۔ پھر عمر کے بعد ان سے عون بن جعفر نے شادی کر لی۔ وہ بھی مر گئے تو ان کے بھائی محمد ابن جعفر نے ان سے شادی کی۔ وہ بھی انتقال کر گئے تو ان کے بھائی عبداللہ بن جعفر نے شادی کر لی کیونکہ اس وقت عبداللہ کی پہلی بیوی جناب زینب انتقال کر چکی تھیں (اب ان سے ام کلثوم کا نکاح حلال ہو گیا تھا۔ طبقات ابن سعد جلد ۸ صہ ۲۳۹) ان روایتوں سے یہ امر واضح ہو گیا کہ حضرت ام کلثوم اس وقت تک زندہ رہیں کہ جناب عبداللہ بن جعفر سے بھی شادی کی۔ اور معلوم ہے کہ واقعۂ کربلا

میں جناب زینب زندہ تھیں۔ اُس وقت تو جناب عبداللہ سے حضرت ام کلثوم کی شادی جمع بین الاختین حرام ہونے کی وجہ سے ہو نہیں سکتی تھی۔ جب جناب زینب کا انتقال ہو گیا تب ہی حضرت ام کلثوم کی شادی جناب عبداللہ سے ہو سکی۔ اب اس کی تحقیق کرو کہ حضرت ام کلثوم کے آخری شوہر جناب عبداللہ نے کس سال میں انتقال کیا۔ توفی عبد اللہ بن جعفر بالمدینۃ سنۃ ثمانین وھو ابن تسعین سنۃ۔ جناب عبداللہ بن جعفر نے بمقام مدینہ ۸۰ھ میں انتقال کیا۔ جب ان کی عمر ۹۰ سال کی ہو چکی تھی (ذخائر العقبیٰ صفحہ ۱۱۳) اور علامہ ابن قتیبہ نے لکھا ہے واما عبداللہ بن جعفر فکان یکنیٰ اباجعفر وولد بالحبشۃ وکان اجود العرب وتوفی بالمدینۃ وقد کبر ھذا قول ابی الیقظان وقال غیرہ توفی ودفن بالابواء سنۃ تسعین ویقال انہ کان ابن عشر سنین حین قبض النبی ﷺ فکان ولد عام الھجرۃ ومات وھو ابن تسعین سنۃ وصلی علیہ سلیمان بن عبدالملک۔ اور عبداللہ بن جعفر کی کنیت ابو جعفر تھی۔ یہ ملک حبشہ میں پیدا ہوئے تھے (کیونکہ ان کے والد جناب جعفر مدینہ سے پہلے ہجرت کر کے وہیں چلے گئے تھے) یہ عرب کے سب سے زیادہ سخی شخص تھے اور بہت بوڑھے ہو کر مدینہ میں مرے۔ یہ ابو الیقظان کا قول ہے۔ اور دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے ۹۰ھ میں انتقال کیا اور مقام ابواء میں دفن کئے گئے۔ وفاۃ رسول ﷺ کے وقت دس سال کے تھے۔ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۹۰ سال کی عمر میں مرے۔ آپ کی نماز جنازہ سلیمان بن عبدالملک نے پڑھی۔ (معارف صفحہ ۸۹)۔ اس طرح حضرت ام کلثوم کی وفاۃ ۹۰ھ کے کچھ قبل یا بعد ثابت ہوتی ہے کیونکہ ایک قول یہ بھی ہے کہ جناب عبداللہ نے آپ کو زندہ چھوڑ کر انتقال کیا۔ (دیکھو اسماء الرجال مشکوۃ از محدث دہلوی صفحہ ۲۵)۔ اب فیصلہ آسان ہے کہ حضرت عمر کی بیوی ام کلثوم نے ۸۰ھ کے قبل انتقال کیا اور جناب امیرؑ کی صاحب زادی ام کلثوم (دختر جناب سیدہؑ) نے ۹۰ھ کے کچھ قبل یا بعد رحلت کی۔ تو دونوں ایک کیسے ہو سکتی ہیں؟۔ کیا ام کلثوم زوجہ حضرت عمر ۸۰ھ کے قبل مر بھی گئیں اور وہی دوبارہ زندہ ہو کر کربلا بھی گئیں۔ دربار یزید میں بھی پہنچیں، یزید سے دلیری کے ساتھ باتیں بھی کیں، عوف یا عون۔ (صحیح عون ہی ہے) بن جعفر اور محمد بن جعفر سے شادیاں بھی کیں اور جب آپ کی بڑی بہن حضرت

Marfat.com

زینب کا انتقال ہو گیا تو جناب عبداللہ بن جعفر سے بھی شادی کی اور ۹۰ھ تک زندہ بھی رہیں؟ کیا دنیا کے کسی قاعدہ سے یہ بات صحیح ہو سکتی ہے؟ کوئی عقل اسکو تسلیم کر سکتی ہے؟۔

اصول درایۃ سے تحقیق مولوی شبلی صاحب نے درایۃ پر بہت زور دیا ہے۔ ہر جگہ لکھتے ہیں کہ اس بات کو اصول درایۃ سے بھی جانچو۔ ایک جگہ تحریر کیا ہے "واقعہ کی تحقیق کے لئے پہلے راویوں کی جرح و تعدیل سے بحث نہیں کرنی چاہیئے بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ واقعہ فی نفسہ ممکن بھی ہے یا نہیں کیونکہ اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں تو راوی کا عادل ہونا بیکار ہے" (الفاروق حصہ اول ۱۵)

اب ہمارا فرض ہے کہ اس واقعہ عقد ام کلثوم کو بھی درایۃ سے جانچیں کہ کیا واقعاً یہ صحیح ہے؟ کیا عقل اس کو تسلیم کر سکتی ہے؟ یہ واقعہ فی نفسہ ممکن بھی ہے یا نہیں؟ اگر واقعہ عقد کا ہونا ممکن ہی نہیں تو راویوں کا عادل ہونا بھی بیکار ہے اور تمام معتمد علیہ مورخین کا لکھنا بھی ناقابل التفات ہے۔ اب اگر ذرہ برابر بھی عقل سے کام لیا جائے اور اصول درایۃ سے دیکھا جائے تو ہر شخص یہ کہنے پر مجبور ہو جائے کہ حضرت ام کلثوم کا حضرت عمر سے نکاح ہونا محال تھا۔ اسلئے کہ ان حضرت عمر نے پہلے جناب سیدہؓ سے بھی شادی کی آرزو کی تھی مگر اس میں ناکامیاب رہے"۔ اگر کوئی سمجھدار شریف اور غیرت مند ادھیڑ عمر کا شخص کسی معزز عورت سے شادی کی کوشش کرے اور اس سے محروم رہے تو کیا اس کی غیرت اس کو پسند کر سکتی ہے کہ جب وہ بوڑھا ہو جائے تو پھر اسی عورت کی کم سن بچی سے شادی کرنے کی تمنا کرے؟۔ اگر اس میں ذرہ برابر بھی شرم و حیا ہو گی تو وہ اس عورت کے نام ہی سے کوسوں دور بھاگے گا۔ اس کے تصور ہی سے شرم کریگا اس کی اولاد کو اپنا منہ دکھانا پسند نہیں کرے گا۔ اس کے بچوں کے سایہ میں بھی ٹھہرنا گوارا نہیں کرے گا۔ اس کے اعزہ کے پاس بیٹھنا بھی اس کو دشوار ہو گا۔ اس کے اقربہ تک سے آنکھ نیچی رکھے گا اور اس کی لڑکیوں کو بھی اپنے لئے اپنی لڑکیوں کی طرح حرام سمجھے گا۔ اگر ایسے شخص سے کوئی دوسرا شخص کہے گا کہ جس عورت سے تم نے پہلے شادی کی کوشش کی تھی اور تمہاری آرزو پوری نہ ہوئی بلکہ وہ دوسرے سے بیاہ دی گئی تھی اب اسی عورت کی بیٹی شادی قابل ہو گئی ہے اس سے بھی شادی کا پیغام دو شاید اس دفعہ کامیاب ہو جاؤ تو وہ شخص ہرگز اس پر آمادہ نہیں ہو گا بلکہ اس کو اپنے لئے بڑی چٹکی لینا اور ذلت کے گڈھے تک میں ڈھکیلا جانا سمجھے گا۔

Marfat.com

شرم و ندامت سے کہے گا اُس کا تو نام بھی نہ لو۔ میں بیس بائیس برس پہلے اس کی ماں سے پیغام دے کر جب حضرت رسولؐ کے غیظ و غضب کی سند پا چکا تو اب کس منہ سے اُسی کی بچی کا نام زبان پر لا سکتا ہوں (۲) حضرت حفصہ کو جناب ام کلثوم نانی کہتی ہونگی۔ حضرت عمر کی تہذیب، بزرگی اور نازک رشتہ اس کی اجازت نہیں دیسکتا تھا کہ ۵۶ سال کے بوڑھے ہو کر اپنی پر نواسی ہی سے شادی کی خواہش کریں (۳) اگر حضرت عمر ایسا ارادہ کرتے بھی تو حضرت حفصہ ضرور روکتیں کہ ابا جان جو لڑکی مجھے برابر نانی اماں اور آپ کو نانا جان کہتی رہی اب اُس کو میں خود اماں جان کیسے کہہ سکتی ہوں؟ ایسا ہی ہے تو آپ اپنے کسی پوتے یا نواسے سے ام کلثوم کی شادی کرا دیجئے۔ (۴) اگر مزید شرف مقصود تھا تو اپنی کسی نواسی یا پوتی سے امام حسنؑ یا امام حسینؑ کی شادی کی کوشش کرتے کہ یہ زیب بھی دیتا۔ (۵) اگر سب مان بھی لیا جائے تو بڑا مشکل سوال یہ ہوتا ہے کہ پھر آپ نے حضرت زینب ہی سے شادی کا پیغام کیوں نہیں دیا؟ ۱۷ھ میں وہ بھی شادی کے قابل کل ۱۲ سال کی تھیں۔ بجائے اُن کے ام کلثوم سے پیغام دینا بتاتا ہے کہ یہ ام کلثوم کوئی دوسری تھیں۔ اگر کہا جائے کہ جناب زینب کی شادی اُس وقت ہو چکی ہو۔ تو سوال ہوگا کہ اُسی وقت حضرت عمر نے کیوں نہ کہا کہ ان کی شادی مجھ سے کر دیجئے اور جس لڑکے سے زینب بیاہی جاتی ہیں اُن سے ام کلثوم کی کر دیجئے۔ (۶) حضرت عمر نے حیاۃِ رسولؐ ہی میں یہ کوشش کیوں نہیں کی جب حضرت زینب ۶ سال اور ام کلثوم ۵ سال کی تھیں۔ اُس وقت رسولؐ سے سفارش کی امید بھی ہوتی اور جناب امیر و سیدہؑ سے آپ کے تعلقات بھی اتنے تلخ نہیں ہوئے تھے (۷) حضرت عمر کے جنازۂ رسولؐ کو چھوڑ کر چلے جانے سے جناب سیدہؑ و ام کلثوم کو جو دائمی صدمہ ہوا اس کی وجہ سے حضرت عمر کو اس کی ہمت ہو ہی نہیں سکتی تھی کہ جس گھر والوں کے دل آپ کی شکایتوں سے اس درجہ بھرے ہوئے ہیں وہیں اپنی شادی کا پیغام دیں (۸) حضرت عمر آگ اور لکڑی خانۂ سیدہؑ پر لے گئے۔ جناب سیدہؑ کے شکم پر لات ماری (ملل و نحل ص۱۵) جس سے حضرت محسن کا اسقاط ہو گیا۔ یہ صدمہ ایسا نہ تھا جسکو ام کلثوم زندگی بھر فراموش کر سکی ہوں تو حضرت عمر کو اس کی جرأت کیونکر ہو سکتی تھی کہ یہ پیغام دیں۔ (۹) رحلتِ رسولؐ کے بعد جناب سیدہؑ زندگی بھر حضرت عمر سے ناراض رہیں۔ تو حضرت عمر کو کیسے جرأت ہوتی کہ انہیں جناب سیدہ کی لڑکی سے پیغام دیں (۱۰) جناب سیدہ کی وصیت تھی کہ حضرت ابوبکر و عمر کو آپ کے جنازہ پر نہ آنے دیا جائے۔ تو حضرت عمر کو یہ جرأت کیونکر ہوتی کہ انہیں جناب سیدہؑ کی

صاحب زادی سے اپنی شادی کا پیغام دیں (۱۱) جناب امیرؑ نے حضرت سیدہؑ کی روح کی شکایت سے بچنے کے لئے خلیفہ اول و دوم کو جناب سیدہؑ کے جنازہ پر آنے نہیں دیا۔ اب وہی جناب امیرؑ کیا جناب سیدہؑ کی روح کو اس درجہ تڑپانے پر آمادہ ہو جاتے کہ انہیں کی پارۂ جگر ام کلثوم کو انہیں حضرت عمر سے بیاہ دیں؟ کسی کی عقل میں یہ بات آسکتی ہے؟ اگر حضرت کی بوٹیاں کاٹی جاتیں، جب بھی ایسا کام نہیں کر سکتے تھے جس کی وجہ سے جناب سیدہؑ بروز قیامت آپ سے بولنا ترک کر دیتیں بلکہ ایسے فعل سے جس سے جناب سیدہؑ کو اذیت پہنچتی حضرت رسولؐ بھی جناب امیرؑ سے قیامت میں نہ بولتے نہ بہشت میں آپ کی صورت دیکھنا پسند کرتے غرض آسمان اپنی جگہ سے ٹل جاتے مگر جناب امیرؑ قطعاً اس نسبت کو سن تک نہیں سکتے تھے منظور کرنے کا کیا ذکر ہے (۱۲) حضرت امام حسنؑ و حسینؑ و زینبؑ بھی اس نسبت سے شدید مخالفت کرتیں اور کبھی اس کو ہونے نہیں دیتیں۔ (۱۳) حضرت امام حسینؑ حضرت عمر کو منبر رسولؐ پر دیکھ کر اپنے آپے سے باہر ہو گئے اور ان سے کہہ دیا تھا کہ میرے باپ کے منبر سے اتر آؤ۔ اب وہی امام حسینؑ حضرت رسولؐ کی نواسی کے ساتھ انہیں حضرت عمر کی شادی پر اپنے غیظ و غضب کو کیونکر ضبط کر سکتے تھے؟ (۱۴) حضرت امیرؑ جانتے تھے کہ جب حضرت عمر نے جناب سیدہؑ سے اپنی شادی کا پیغام دیا تھا تو حضرت رسولؐ کو اتنا صدمہ ہوا تھا کہ ان کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا۔ اب انہیں حضرت عمر کے ساتھ انہیں رسولؐ کی نواسی اور انہیں جناب سیدہؑ کی دختر کی شادی کر دینے سے کیا جناب امیرؑ کو اس کا خوف نہ ہوتا کہ اب میرے اس فعل سے رسولؐ کی روح مجھ سے ناراض رہے گی اور قیامت میں آنحضرتؐ میری طرف سے بھی منہ پھیر لیں گے۔ اور میری شکایت کرینگے کہ جس شخص سے اس کے ادھیڑ عمر میں فاطمہ کے پیغام پر میں نے منہ پھیر لیا تھا اسی شخص سے تم نے اس کے ایسے بڑھاپے میں انھیں فاطمہؑ کی پارۂ جگر کیوں بیاہ دی؟ غرض اسی طرح پچاسوں سوال پیدا ہوتے ہیں جن سے یقین ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر کی شادی حضرت ام کلثوم سے نہ ہوئی نہ انھوں نے اس کا پیغام دیا بلکہ وہ کوئی دوسری ام کلثوم تھیں جن سے حضرت عمر نے پیغام دیا تھا۔

اصل حقیقت | حضرت والد علام طاب ثراہ کی کتاب کنز مکتوم و دفع الوثوق میں مرقوم ہے کہ حضرت ابوبکر کی وفات کے فوراً بعد ان کی ایک لڑکی ۱۳ھ میں پیدا ہوئی اس کا نام بھی ام کلثوم رکھا گیا (استیعاب ۔۔۔ طبری۔ کامل وغیرہ) اور چونکہ ان کی زوجہ اسماء نے اب حضرت علی سے شادی کر لی

Marfat.com

اور اس بچی کو لئے ہوئے جناب امیرؓ کے گھر آگئیں اور ۱۷ھ میں وہ بچی چار یا پانچ سال کی ہوئی تو اسی ام کلثوم سے شادی کا پیغام حضرت عمر نے جناب امیرؓ کو دیا۔ اور جناب امیرؓ نے اپنی موجودہ زوجہ اسمار (سابق زوجہ حضرت ابوبکر و حقیقی مادر ام کلثوم) سے پوچھ کر ام کلثوم کو حضرت عمر کے پاس بھیجدیا اور جسقدر واقعات بیان کئے گئے وہ سب اسی ام کلثوم سے متعلق ہیں۔ مورخین و محدثین نے غلطی سے انہیں ام کلثوم دختر حضرت ابوبکر و اسمار کو دختر جناب امیرؓ و جناب سیدہ سمجھ لیا۔ کیونکہ یہ بھی تو جناب امیرؓ ہی کے گھر رہتی تھیں۔ تاریخ کامل و استیعاب وغیرہ میں یہ روایۃ بھی موجود ہے کہ انھیں ام کلثوم دختر حضرت ابوبکر کے لئے حضرت عمر نے حضرت عائشہ کے پاس بھی اس حیثیت سے کہ وہ ام کلثوم کی بڑی بہن تھیں اپنے نکاح کا پیغام دیا تھا۔ حضرت عائشہ اس نسبت پر راضی ہوگئیں تو انہیں ام کلثوم دختر حضرت ابوبکر نے کہا تھا کہ عمر بدمزاج بدخو اور عورتوں پر بہت زیادہ سختی کرنے والے ہیں۔ اگر آپ لوگ اُن سے میری شادی کرینگے تو میں رسولؐ کی قبر مبارک پر شکایت کرونگی۔ مگر حضرت عائشہ کے سمجھانے اور جدوجہد سے ام کلثوم دختر حضرت ابوبکر راضی ہوگئیں اور حضرت عمر سے نکاح ہوگیا۔ اور تمام واقعاتِ مذکورہ انہیں ام کلثوم دختر ابوبکر کے ہیں۔ صرف ایک مکان میں دونوں کے رہنے سے لوگوں نے دختر جناب امیرؓ سے متعلق سمجھ لئے۔ اور یہ جو بعض مورخین نے لکھا ہے کہ ام کلثوم دختر حضرت ابوبکر کا نکاح طلحہ سے ہوا تھا تو غالباً حضرت عمر کی وفات کے بعد ایسا ہوا ہے۔ مختصر یہ کہ وہ ام کلثوم جن سے حضرت عمر نے ۱۷ھ میں نکاح کیا حضرت علی کی صاحبزادی نہیں ہوسکتیں۔ بلکہ دختر حضرت ابوبکر و اسمار تھیں۔

دوسری فصل

اس کہانی کے وضع کرنے والوں نے اس سے حضرت عمر کی غرض یہ بیان کی کہ صرف خاندان رسولؐ سے قرابت پیدا کرنے کے لئے ایسا کیا۔ لیکن اگر یہ عقد ہوا ہوتا تو بعد کے خلفاء جس طرح حضرت عمر کے مذہب کو زندہ رکھنے اور برابر پھیلانے کی کوشش کرتے رہے خاندانِ رسولؐ میں اپنی شادی کرنے کی کوشش بھی ضرور کرتے مگر کسی نے بھی ایسا کیا؟ حضرت عثمان، معویہ، یزید وغیرہ خلفاء بنی امیہ و بنی عباس سے کسی نے بھی ایسا کرنا چاہا؟ اس سے بھی یقین ہوتا ہے کہ یہ حصہ ام کلثوم دختر حضرت علیؑ کا نہیں ہے۔ ائمہ طاہرینؑ کے گھر بعد میں بھی لڑکیاں رہیں لیکن کسی خلیفہ کے بارے میں بھی نہیں

Marfat.com

ل سکتا کہ کبھی ایسا خیال کیا ہو۔ یزید ایسا بے شرم خلیفہ تھا جس نے حضرت رسولؐ کی معزز بڑھی بی بی حضرت عائشہ تک سے جو اُس سے ۴۰ سال بڑی تھیں اور اُس کی دادی کے برابر ہونگی اپنی شادی کی پوری کوشش کی (دیکھو شاہ عبدالحق صاحب دہلوی کی کتاب مدارج النبوۃ جلد ۱ صـ۱۴۵) حالانکہ جانتا تھا کہ حضرت عائشہ اُس کے باپ تک پر حرام ہو چکی تھیں اور اتنی بوڑھی ہو گئی تھیں کہ کسی کو بھی ان سے شادی کی خواہش نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ جب یزید بالغ (۱۵ سال کا) ہوا اُس وقت حضرت عائشہ ۵۱ سال کی ہو گئی تھیں مگر اس یزید کو بھی اس کی جرأت نہیں ہوئی کہ خاندان رسولؐ کی کسی بیٹی سے بھی شادی کا پیغام دے۔ اگر حضرت عمر ایسا کئے ہوتے تو کسی خلیفہ کو تو اس مسئلہ میں بھی ان کی پیروی کرنے کا خیال ہوتا۔ مامون نے اپنی بیٹی امام محمد تقیؑ سے بیاہ دی مگر خاندان رسولؐ کی بیٹی کو اپنے کسی بیٹے یا خاندان بنی عباس کے کسی لڑکے سے بیاہنے کی ہمت نہیں کر سکا۔

بارھواں باب پہلی فصل حضرت عمر کے مذہبی فیصلے

شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے لکھا ہے "طعن چہارم یہ کہ عمر جاہل تھے۔ بعض مسائل شرعیہ جن کا جاننا مہمات امامت و خلافت میں اہم ہے نہیں جانتے تھے۔ اُن میں سے یہ کہ ایک حاملہ عورت کو جس نے زنا کیا تھا سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ امیر المومنینؑ نے مانع ہو کر کہا اگر تجھ کو اس عورت پر راہ ہے تو اُس کے بچے پر جو اُس کے پیٹ میں ہے کب راہ ہے۔ عمر نادم ہوئے اور کہا لولا علی لہلک عمر اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہی ہوا تھا۔ اور انہیں میں سے یہ کہ ایک دیوانی عورت کو حکم سنگساری کا دیا۔ اسکو بھی امیر المومنینؑ نے کہا اور یہ حدیث پیغمبرؐ کی اُن کے سامنے پڑھی کہ تین شخصوں سے قلم اٹھا لی گئی ہے سوتا جب تک جاگ نہ جائے۔ لڑکا جب تک بالغ نہ ہو اور دیوانہ جب تک افاقہ نہ پائے۔ اور اُن میں سے یہ کہ اپنے مرے ہوئے بیٹے ابو شحمہ پر جو اثنار حد ماریں میں مر گئے تھے حد ماری اور گنتی ضربات کی پوری کی حال آنکہ مُردے پر حد مارنا خلاف عقل و شرع ہے۔ اور اُن میں سے یہ کہ حد شراب پینے والے کی نہیں جانتے تھے۔ یہاں تک کہ لوگوں کی صلاح و مشورے سے مقرر کی۔ اس قصہ سے معلوم ہوا کہ جو ظاہر باتیں شرع کی ہیں اُن کا علم بھی نہ تھا پھر لیاقت امامت کی کب رکھتے ہونگے" (ہدیہ مجیدیہ ترجمہ تحفہ اثنا عشریہ جلد ۲ صـ۱۱۶) اس کے بعد شاہ صاحب نے ان اعتراضات کے جواب دینے کی کوشش کی ہے مگر اُن سب کی رد علمار شیعہ سے جناب مولانا مفتی سید محمد قلی صاحب اعلی اللہ مقامہ نے کتاب تشئید المطاعن میں تفصیل سے لکھ کر ان کل

Marfat.com

تراضات کو صحیح ثابت کیا ہے بلکہ حضرت عمر کی اور سیکڑوں شرعی غلطیوں کی تفصیل بھی لکھی ہے تشئید المطاعن جلد اول کے صفحہ ۵۰۴ سے ۵۰۹ تک مرقوم ہیں۔

دوسری فصل

کیا حضرت عمر میں خلافت رسولؐ کی صلاحیت بھی تھی؟

ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمر اگرچہ سکندر یا نپولین کی طرح بہت بڑے فاتح تھے مگر کیا حضرت رسولؐ کی جانشینی کی صفت بھی آپ میں موجود تھی؟ قرآن مجید میں رسول کا وصف لکھا ہے ھوالذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوعلیھم اٰیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وہ خدا ایسی قدرت والا ہے جس نے جاہل لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اُس کی آیتیں پڑھتے۔ اُن کو پاک کرتے اور اُن کو کتاب حکمۃ کی باتیں سکھاتے ہیں (پارہ ۲۸ ع ۱۱) یہاں رسولؐ کی صفت یا خدمت تین باتیں بتائی گئی ہیں (۱) جاہل لوگوں پر خدا کی قدرت کی نشانیاں تلاوت فرماتے تھے (۲) لوگوں کے اخلاق درست کرتے تھے جس کو رسولؐ نے پھر فرمایا ہے انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔ میں تو صرف اس لئے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا کہ مکارم اخلاق کو مکمل کر دوں (۳) اُن جاہلوں کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے تھے۔ حضرتؐ کے جانشینوں میں بھی یہی باتیں ہونی چاہئیں ورنہ ماننا پڑے گا جن خدمات کو حضرت رسولؐ انجام دیتے تھے وہ چونکہ یہ لوگ نہ کر سکے اسی وجہ سے یہ حضرت کے صحیح جانشین نہیں ہو سکتے۔ حضرت عمر آنحضرتؐ کے خلیفۂ دوئم کہے جاتے ہیں اس وجہ سے آپ کا فرض تھا کہ فتوح ممالک و بلاد کے پہلے ان اسلامی فرائض کو انجام دینے کی جد و جہد کرتے اگر آپ کی سوانحعمری سے ثابت ہو جائے کہ آپ نے ان پیغمبری اوصاف سے کچھ حصہ پایا تھا اور یہ روحانی امور بھی انجام دے سکے تو آپ کے خلیفۂ رسولؐ ہونے کا دعویٰ غلط نہیں ہے ورنہ اور خلافت رسول کا جامہ آپ کے جسم مبارک پر موزوں اترے گا۔ مگر نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حدیث، تاریخ، تفسیر، غرض کسی فن کی کسی کتاب سے نہیں معلوم ہوتا کہ ممدوح نے کبھی لوگوں پر آیات خدا کی تلاوت کی یا اُن کے اخلاق کو سنوارا یا اُن کو کتاب و حکمت کی تعلیم دی۔ حضرت رسولؐ کی زندگی ہی سے آپ کی تمام توجہ حکومت رانی، لشکر کشی اور سلطنت کی بنیاد و استحکام ہی کی طرف مبذول رہی۔ خود آپ کی مذہبی دلچسپی اور دینی انہماک کی

یہ حالت تھی کہ مورخین نے لکھا ہے خطبہ پڑھتے وقت بھی دور دراز کے مقامات پر فوجوں کو چیخ کر
اُس طرف جاؤ اور اُس سمت بھاگو، اور اُس جگہ پناہ لو۔ امرار فوج اور عمال ضلع کو بھی تلاوت
آیات خدا کا حکم دینے کے عوض دنیوی اور عیشی علوم و فنون کی تعلیم کی تاکید کرتے تھے۔ مولوی
شبلی صاحب لکھتے ہیں "امرار فوج اور عمال ضلع کو حکم بھیجا تھا کہ لوگوں کو اشعار یاد کرنے کی
تاکید کیجائے چنانچہ ابوموسیٰ اشعری کو یہ فرمان بھیجا کہ لوگوں کو اشعار کے یاد کرنے کا حکم دو" (الفاروق
حصہ ۲ صفحہ ۲۷۱) بچوں کو تقریباً کل مسلمان پہلے قرآن مجید کی تعلیم دیتے ہیں مگر حضرت عمر بچوں
کو بھی دنیوی علوم ہی کی تعلیم میں لگانے کی کوشش کرتے تھے "تمام اضلاع میں جو حکم بھیجا
اُس کے یہ الفاظ تھے" اپنی اولاد کو تیرنا اور شہسواری سکھلاؤ اور مضرب المثلیں اور اچھے اشعار
یاد کراؤ" (الفاروق صفحہ ۲۷۱) حالانکہ خدا نے فرمایا ہے وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ
ہم نے ان کو نہ شعر کی تعلیم دی ہے اور نہ شاعری ان کے لائق ہے (پ ۲۳ ع ۴)۔ رسول کی
صفت لوگوں کے اخلاق کو درست کرنا تھی۔ اس کا بڑا جوہر سادہ زندگی گزارنا اور عیش پرستی اور
اس کے لوازم سے بچتے رہنا ہے۔ مگر حضرت عمر نے لوگوں کے مال و دولت اور محبت دنیا و طمع لذائذ
کو اتنا بڑھا دیا کہ ان کو سادہ زندگی کا وہم و گمان بھی نہ رہا ہوگا اور عیش پرستی سے بچنا تو ایسا ہوگا
جیسکو شاعر نے کہا ہے ؎ درمیان قعر دریا تختہ بندم کردئی۔ باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش
مولوی شبلی صاحب کے الفاظ میں سنو" اُس وقت ملکی انتظام میں حصہ لینا زہد اور تقدس کے
خلاف سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہ نے فرمایا کہ اے عمر تم رسول اللہ کے اصحاب کو
دنیا میں آلودہ کرتے ہو" (الفاروق صفحہ ۲۹ جلد ۲) "امیر معویہ شام میں بڑے سروسامان سے رہتے تھے
اور حضرت عمر اُن سے کچھ تعرض نہیں کرتے تھے۔ شام کے سفر میں حضرت عمر نے اُن کے خدم
حشم کو دیکھ کر اس قدر کہا اکسر دانیۃ یعنی یہ نوشیروانی جاہ و جلال کیسا؟ مگر جب
انھوں نے جواب دیا... تو حضرت عمر نے پھر تعرض نہیں کیا... حضرت عمر کے زمانہ میں اگرچہ
معاشرت نہایت ارزاں اور روپیہ گراں تھا تاہم تنخواہیں علی قدر مراتب عموماً بیش قرار تھیں
صوبہ داروں کی تنخواہ پانچ پانچ ہزار تک ہوتی تھی اور غنیمت کی تقسیم سے جو ملتا تھا وہ الگ چنانچہ
امیر معویہ کی تنخواہ ہزار دینار ماہوار یعنی پانچ ہزار روپیہ تھی" (الفاروق صفحہ ۳۸ جلد ۲) اُس زمانہ کے ۵
روپیہ ماہوار میں کوئی شخص جس آرام کی زندگی بسر کرتا تھا اِس زمانہ کے بیس روپیہ ماہوار میں بھی

Marfat.com

نہیں ہو سکتی۔ اس حساب سے امیر معویہ کی زندگی کو حضرت عمر نے اتنی شاندار بنا دیا تھا جو اس زمانہ کے کسی والیٔ سرائے ہندوستان کو بھی نصیب نہیں ہے" عمر بن الخطاب نے عراق کی مال گزاری ۱۰ کروڑ ۸۰ لاکھ درہم وصول کئے۔ زیاد نے ۱۰ کروڑ ۵ لاکھ اور حجاج نے باوجود جبر اور ظلم کے صرف ۶ کروڑ ۸ لاکھ وصول کئے۔ مامون کے عہد میں بھی عراق کے خراج کی تعداد ۵ کروڑ ۴ لاکھ درہم سے کبھی نہیں بڑھی" (الفاروق جلد ۲ صـ ۴۶) نتیجہ آسان ہے کہ مامون ایسے عادل اور زیاد و حجاج ایسے ظالم کو بھی عراق والوں سے اتنی مالگزاری وصول کرنے کی جرأت نہیں ہوئی جتنی حضرت عمر اپنی زندگی بھر ان بیچاروں سے وصول کرتے رہے۔ دوسروں کی کمائی اس طرح بزور حکومت وصول کرنے پر مولوی شبلی صاحب فخر کرتے ہیں کہ "حضرت عمر کے عہد میں خراج کی مقدار جہاں تک پہونچی زمانہ مابعد میں کبھی اس حد تک نہیں پہنچی" (ضمنہ ج ۲) حضرت عمر کے عہد میں جو اضافہ ہوا یہ تھا کہ تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر ہوئی حالانکہ آنحضرتؐ نے گھوڑوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ فرمایا تھا" (ص ۵۸ جلد ۲) ۔ گانے بجانے کی مذمت قرآن میں بمجید و صراحت موجود ہے مگر آپ کی حالت یہ تھی "ایکدفعہ رات کو گشت کر رہے تھے، ایک طرف سے گانے کی آواز آئی۔ اُدھر متوجہ ہوئے اور دیر تک کھڑے سنتے رہے ... رباح نے گانا شروع کیا حضرت عمر بھی سنتے رہے ... حضرت عمر نے فرمایا بہتر یہ ہے کہ یہ خود اپنے اشعار گائیں چنانچہ میں نے گانا شروع کیا اور ساری رات گاتا رہا" (الفاروق صـ ۲۹۲ ج ۲) رسولخدا صلعم کی تیسری صفت قرآن مجید نے یہ بتائی ہے ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ۔ وہ عرب کے باشندوں کو قرآن مجید اور حکمت کی باتیں سکھاتے رہتے ہیں۔ حضرت عمر کا بھی فرض تھا کہ جب مسند رسولؐ پر بیٹھے تھے تو جو شخص قرآن مجید کا مطلب پوچھتا اُس کو ضرور بتا دیتے۔ سمجھا دیتے شک و شبہ رفع کر دیتے۔ تشفی و اطمینان بخش دیتے۔ مگر حضرت عمر کی حالت کیا بیان کی جائے۔ اگر گویم زبان سوزد و گر دم در کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد۔ اگر کسی شخص کے دل میں کوئی شبہ پیدا ہوتا تھا اور وہ کسی مذہبی مسئلہ کو سمجھنا چاہتا تھا تو بجائے اس کے کہ اُسکے شکوک و شبہات کو حل کیا جائے اُس کو تازیانہ کی سزا دیجاتی اور وہ اسقدر پیٹا جاتا جتنا اس زمانہ کے باغیان حکومت کو بھی اذیت نہیں دیجاتی۔ مورخین و محدثین نے لکھا ہے ایک شخص صبیغ عراقی اسلامی لشکروں میں لوگوں سے قرآن مجید کے بعض آیات کا مطلب سمجھنا چاہتا تھا۔ وہ مصر بھی پہنچا تو عمرو بن العاص نے اسکو مدینہ حضرت عمر کے پاس بھیجدیا۔ آپنے پوچھا اس آیۃ کا مطلب کیا ہے۔ اُس نے [illegible] آیت ذکر کی۔ بس پھر کیا تھا حضرت عمر نے کوڑا منگایا اور اسکو

(مقدار اکہ اسکی پوری پیٹھ خون سے بھر گئی۔ تب چھوڑ دیا جب پیٹھ اچھی ہو گئی تو پھر بلا کر اسکو اسی طرح مارا۔ پھر پیٹھ سے خون بہنے لگا تو چھوڑ دیا۔ جب اچھا ہوا تو پھر بلا کر اس کو اسی طرح پیٹنا چاہا۔ اب صبیغ سے نہ رہا گیا کہنے لگا سرکار! اگر مجھے قتل کر دینا ہے تو صاف صاف قتل کر دیجئے۔ اور اگر میرا علاج کرنا چاہتے ہیں تو خدا کی قسم میرا پورا علاج ہو گیا۔ تب آپ نے اسکو اسکے گھر کی طرف جانے دیا اور ابو موسیٰ اشعری کو لکھ بھیجا کہ خبردار کسی مسلمان کو اس شخص سے ملنے یا اسکے پاس بیٹھنے نہ دینا۔ یہ حکم بیچارے صبیغ کیلئے اور بھی سخت ہوا (منتخب کنز العمال جلد ۱ ص ۳۹۵) ان رجلا قدم المدینۃ فجعل یسال عن متشابہ القرآن فبلغ ذلک عمر فبعث الیہ وقد اعد لہ عراجین النخل فلما دخل علیہ قال من انت قال انا عبد اللہ صبیغ قال عمر وانا عبد اللہ عمر وادما الیہ فجعل یضربہ بتلک العراجین فما زال یضربہ حتی شجہ وجعل الدم یسیل علی وجہہ فقال حسبک یا امیر المومنین فقد واللہ ذہب الذی کنت اجد فی راسی۔ ایک شخص مدینہ گیا کہ لوگوں سے قرآن مجید کی آیتوں کا مطلب سمجھے۔ اسکی خبر حضرت عمرؓ کو پہنچ گئی۔ آپ نے اسکو بلا بھیجا اور کچھ کھجور کے منگوا رکھے۔ وہ آیا تو پوچھا تو کون ہے کہا عبداللہ صبیغ۔ حضرت عمرؓ نے کہا اور میں ہوں عبداللہ عمر۔ پھر لگے اسکو کھجوروں سے پیٹنے۔ برابر مارتے ہی گئے یہاں تک کہ اسکی جلد اُدھیڑ کر رکھ دی اور اس کے چہرے سے خون کے فوارے جاری ہو گئے۔ تب وہ کہنے لگا سرکار بس کیجئے۔ میری پوری تشفی ہو گئی۔ اور ایک دوسرے شخص نے حضرت عمرؓ سے قرآن مجید کے دو لفظوں الجوار الکنس کا معنے پوچھا تو آپ کو اتنا غصہ آیا کہ اپنے ڈنڈے سے اسکے سر پر بھرپور وار کر دیا جو اس کے عمامہ پر پڑا اور اسکو اسکے سر سے گرا دیا (منتخب کنز العمال جلد ۱ ص ۳۹۵)۔ امام غزالی نے لکھا ہے سیدنا عمرؓ سد باب الکلام والجدل ومزق صبیغا بالدرۃ لما اورد علیہ سئوالا فی تعارض آیتین من کتاب اللہ وہجرہ وامر الناس بہجرہ۔ حضرت عمرؓ نے علم کلام اور مذہبی تحقیق کا دروازہ ہی بند کر دیا تھا۔ ایک شخص صبیغ نے جب دو آیتوں کے اختلاف کو دریافت کیا اسکو درّوں سے پیٹ کر رکھ دیا۔ اسکو جلاوطن کر دیا اور عام فرمان جاری کر دیا کہ خبردار کوئی اس سے ملے نہیں نہ بول چال رکھے۔ (شرح چہار العلوم جلد ۱ ص ۱۸۹) اور حافظ ذہبی نے کتاب نعم السمر فی سیرۃ عمر میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے آکر کہا کہ ہم لوگوں نے ایک شخص کو قرآن کا مطلب دریافت کرتے دیکھا ہے یہ سنکر حضرت عمرؓ دعا کرنے لگے کہ خدا کرے وہ میرے ہاتھ آجائے۔ اتنے میں وہ شخص وہیں آگیا اسکے سر پر عمامہ اور بدن میں لباس تھا اس نے حاضر ہو کر عرض کی سرکار! والذاریات ذروا فالحاملات وقرا (قرآن کی آیت) کا کیا معنے ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا تو ہی وہ ہے جو قرآن کا مطلب پوچھتا پھرتا ہے۔ اتنا فرما کر سوا کچھ خود فیصلہ کر لیں کہ حضرت عمرؓ کو حضرت رسول خداؐ ایسے ہادی و معلم کتاب و حکمت و رحمۃ للعالمین کا خلیفہ سمجھنا کہاں تک مناسب ہے ؎ من نہ گویم کہ ایں ممکن آں کن عاقبت بیں و کار ایماں کن۔

تمت

Marfat.com

اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم کانوا اشد منھم قوۃ واثاروا الارض وعمروھا اکثر مما عمروھا وجاءتھم رسلھم بالبینات فما کان اللہ لیظلمھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون (پ ۲۱ ع ۴)

کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے جو لوگ ان سے پہلے گزر گئے ان کا انجام کیسا برا ہوا حالانکہ وہ لوگ ان سے قوت میں بھی زیادہ تھے اور جس قدر زمین ان لوگوں نے آباد کی اس سے کہیں زیادہ انہوں نے بھی آباد و طیار کی تھی اور ان کے پاس بھی ان کے پیغمبر واضح اور روشن دلیلیں لے کر آ چکے تھے مگر انہوں نے نہ مانا تو خدا نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ لوگ اپنے اوپر ظلم کرتے رہے

الحمد للہ

یہ کتاب غلط ہے

اہل تشیعہ نے صرف کر اپنے مقاصد کے لیے لکھی ہے

کتاب مستطاب ہدایت مآب

غلط کتاب مسمی بہ "جھوٹی کتاب"

حضرت عمر رضؓ

حصہ ثانیہ

جسمیں خدا کے فضل و کرم سے حضرت عمر بن الخطاب کی ہجرت طرف مدینہ سے وفات تک کے مفصل سوانح حیات کمال تحقیق و جامعیت سے لکھے گئے ہیں

مصنفہ

[redacted]

جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم مدیر جریدۂ مبلغ اصلاح کچھوا (بہار)

ابن

حضرت فخر المتکلمین سید المحققین ظہیر العلماء والمجتہدین زین الملۃ والدین حجۃ الاسلام والمسلمین کہف الایمان والمومنین آیۃ اللہ فی العالمین مولانا و مقتدانا آقا سید علی اظہر صاحب قبلہ طاب ثراہ وجعل اللہ الجنۃ مثواہ المتوفی

مطبع اصلاح کچھوا (صوبہ بہار) میں چھپی

بار اول ۱۲ ر شعبان سنہ ۱۳۵۲ ہجری

سنہ ۱۳۵۹ ہجری

Marfat.com